بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برصغیر پاک و ہند
میں
عربی نعتیہ شاعری

محمد اسحاق قریشی
اسسٹنٹ پروفیسر

گورنمنٹ کالج فیصل آباد

موضوع مقالہ : برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری
مقالہ نگار : محمد اسحاق قریشی اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج فیصل آباد
نگران : ڈاکٹر ظہور احمد اظہر پروفیسر عربی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

عربی نعتیہ شاعری کا آغاز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بلکہ اس کے پیشگی شعور سے ہوا اور پھر یہ سلسلہ مدح بلا انقطاع ہر دور، ہر ملک اور ہر معاشرت میں جاری رہا۔ عقیدت مندی کا یہ پیرایۂ اظہار اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اس میں عرب وعجم برابر کے شریک ہیں، زیر نظر مقالہ برصغیر کی مدحیہ کاوشوں تک محدود ہے مگر مسلمانانِ پاکستان وہند کے ذہنی رویوں اور ان کے شعری اسالیب کو عرب دنیا سے الگ متصور نہ کیا جا سکتا تھا اس لئے عربوں کی مدحیہ شاعری کے عمومی رجحانات اور تہذیبی عناصر کو ارتقاء نعت کی روداد مرتب کرتے ہوئے شامل کیا گیا ہے۔ مقالے کی ابتداء ہی سے یہ خیال دامنگیر رہا ہے کہ مدحیہ شاعری کے اس تاریخی سفر میں اُس وجہ اشتراک کو واضح کیا جائے جو ہر دور کی شاعری کا جزو لازم ہے اور یہ بھی جلی کیا جائے کہ مقامی وعلاقائی مؤثر کارفرمائی کے باوجود یہ اسلوب سخن اور طریق اظہار ایک مسلسل وحدت ہے اور دیگر اصناف سخن میں ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔

موضوع پر اظہار خیال کو سہولت مطالعہ کی خاطر آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور مقالے میں ان پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس تفصیل کا اجمال یہ ہے۔

الباب الاوّل : اس باب میں مدحیہ شاعری کے چار بنیادی عناصر پر گفتگو کی گئی ہے جو یہ ہیں۔

(۱) موضوعات : ذات ممدوح کے حوالے سے وہ تمام مدحیہ حوالے جو مدح نگاروں کی توجہ جذب کرتے رہے ہیں اُن کو موضوعات میں شامل کیا گیا ہے مثلاً ذاتی اوصاف یعنی جمال ظاہرہ و باطنہ کہ اس میں حلیہ مبارکہ کا تذکرہ، شمائلِ ذات کا بیان اور شخصیت کی عظمت اور عدیم المثال حیثیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور شعری کاوشوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اس پہلو کو نمایاں کرتی ہیں۔ کثرتِ اسماء، مسمّٰی کی عظمت کی دلیل ہوتا ہے اس لیے قرآن و حدیث اور کتب سابقہ کے حوالوں سے اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس سلسلے میں شعری پیش رفت کو شامل کیا گیا ہے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ نوعیت اور سوانح حیات کی روح افزاء حکایت بھی ہر مدح نگار کے پیش نظر رہی ہے اس لئے سیرت پاک کے چند نمایاں گوشوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ انہی سے وہ اپنی بساطِ شعری کو آراستہ کرتے ہیں، اس میں ولادت، بچپن، رضاعت، لڑکپن، نوخیزی عمر، عرب معاشرت میں مقام، شخصیت سے تاثر پذیری کے واقعات، حرب فجار اور تنصیب حجر اسود، بعثت، اعلان عام، مخالفت کی شدت، جانثاروں کے حوالے اور دعوت اسلامیہ کی پیش رفت، شعب ابی طالب، طائف کا سفر اور راہِ حق کی

مشکلات ، ہجرتِ مدینہ ، استقبالیہ کیفیات ، اسلامی سلطنت کا قیام ، غزوات جن میں نمایاں حیثیت بدر ، احد ، خندق ، حدیبیہ ، خیبر ، فتح مکہ ، حنین ، طائف اور تبوک کو حاصل ہے ، وفات اور مراثی کی روایت کا ذکر اور شعری حوالہ دیا گیا ہے ۔
پیغمبرانہ عظمت کے عنوان سے ذاتی خصائص اور خصوصی نوازشات کو موضوعِ کلام بنایا گیا ہے اور اسی سلسلے میں معجزات کی نوعیت اور حیثیت کا تعین اور ان کی وضاحت کی گئی ہے ، معجزات میں قرآن مجید ، معراج واسراء ، شقِ قمر اور شقِ صدر ، حنین الجذع ، کھانے میں برکات کے واقعات اور چشموں کے پھوٹنے اور متعدد دیگر معجزات کے ذکر کے علاوہ قدمین اور خاکِ قدم کا خصوصی حوالہ دیا گیا ہے کہ اس سے شعرائے مدیح نے خوب مضامین چنے ہیں ۔ اعترافِ عظمت کا سب سے بڑا مظہر درود وسلام ہے اس لئے درود وسلام کی شرعی حیثیت اور مدحیہ قصائد میں اس کی لازمی شرکت کا بیان کیا گیا ہے ۔ ذاتِ ممدوح کی نسبت سے آپ کے خاندان ، اہلِ بیت ، صحابہ کا ذکر ہے اور پھر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی محبت وارادت کے تذکرے ہیں ، ان سے وصال وفراق کے مضامین اور اطلال وآثار کی شعری نسبت قائم کی گئی ہے ، آخر پر عصری موضوعات اور معروضی انداز مدح سے موضوعی طرزِ اظہار کا ذکر کیا گیا ہے ۔

(ب) محرکات : مدح نگار کی ذات اور عقیدت مذہبی کے حوالے سے جو داعیات وجود پذیر ہوتے ہیں ان کو موضوعِ کلام بنایا گیا ہے ، ان میں 'رسالت' کو اولیت حاصل ہے کہ سب تاثر پذیری کا محرک یہی شرف ہے ۔ رسالت سے اطاعت واتباع کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے کہ تسلیمِ رسالت کا یہ لازمی وبدیہی نتیجہ ہے ، اطاعت کا خلوص اور ذوقِ عقیدت ومحبت کے عناصر کی آبیاری کرتا ہے اس لئے محبت کی ضرورت اور اس کی حدود کا اشارہ کیا گیا ہے ، مدحیہ شاعری کا یہ بنیادی عنصر ہے اور اسی سے آفاقی شاعری وجود لیتی ہے ، وارفتگیٔ محبت مدح نگار کو خود سپردگی کی راہ دکھاتی ہے اور وہ بارگاہِ رسالت میں اپنی دلی بے چینیاں اور قلبی پریشانیاں بیان کرنے لگتا ہے ، اسی سے توسل واستغاثہ کی نوبت آتی ہے دنیاوی بے قراریوں کا حل اور اخروی نجات کا تصور ذاتِ ممدوح سے وابستہ ہوجاتا ہے اور شعراء درِ اقدس کی دہائی دیتے ہیں ، اس میں قرب کا جلال اور بُعد وفراق کی وارفتگی شامل ہوتی ہے ، یہ حصہ مدحیہ شاعری کا سب سے زیادہ زور دار ہے کہ شاعر کی ذات کا خلوص اس سے واضح ہوتا ہے ، ان محرکات کے علاوہ چند ضمنی وثانوی محرکات کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو مقامی یا علاقائی حالات کا اثر ہوتے ہیں ۔

(ج) منابع : مدحیہ شاعری کے اُن ماخذات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں سے مداحین مضامین اٹھاتے اور مدحیہ موضوعات کا استخراج کرتے ہیں ، ان میں قرآن مجید کے اُن مقامات کا حوالہ دیا گیا ہے جو شعراء کے زیادہ پیشِ نظر رہے ہیں اس سلسلے میں قرآنی آیات کی ایک مجمل سی فہرست شامل کی گئی ہے ۔ حدیث دوسرا بڑا ماخذ ہے ، اس میں صحاح ستہ کا خصوصی حوالہ دیا گیا ہے بلکہ پوری کتب صحاح سے حوالہ جات کی ایک تفصیلی فہرست درج کی گئی ہے ۔ صحاح ستہ کے علاوہ کتب مغازی وسیر کا عمومی اور کتب خصائص کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے ۔

(د) فن : مدح نگاری میں مدح نگار کی مشکلات ، موضوعِ سخن کی عظمت ، مدح کے تقاضے اور تشبیب کی حیثیت متعین کی گئی ہے ۔ عربی شعر کی روایت کے تناظر میں مدح میں تشبیب کا مقام ومرتبہ اور مدحِ رسالت میں اس کے جواز وعدمِ جواز کا ذکر کیا ہے اور طرفین کے دلائل کا محاسبہ اور ان کے درمیان تطبیق کی سعی کی گئی ہے ۔

عربی اندازِ شعری کے حوالے سے مختلف اسالیب کا ذکر کیا ہے اور ہیئتوں کے تنوع کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے۔ اس میں چند نمایاں ہیئتوں یعنی قصیدہ، قطعہ، تضمین، تشطیر، تخمیس و تسدیس، رباعی و موشحات کے علاوہ ان بحور کا بھی ذکر کیا ہے جو مدحیہ شاعری میں کثرت سے استعمال ہوئی ہیں اور آخر پر مدحیہ شاعری کے بارے میں فحول شعراء کے طرزِ عمل پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔

الباب الثانی : علمی مباحث اور فنی مسائل پر گفتگو دوسرے باب میں شامل کی گئی ہے۔ اس میں شعر کی فنی تعریف، اس کے اجزائے ترکیبیہ کا شمار اور ان کی حیثیت و اہمیت اور عربوں کے ہاں شعر کی قدر و قیمت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ 'الشعر فی رائ النبی صلی اللہ علیہ وسلم' کے عنوان سے شعر کا دینی نقطۂ نظر سے مقام و مرتبہ متعین کیا گیا ہے، اس ضمن میں قرآن مجید کے شعر اور شاعروں کے بارے میں احکامات اور انتباہات کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا حوالہ ہے جن میں بعض فرمودات یا اشارات 'شعر' کے حق میں ہیں اور بعض تردیدِ شعر کے ذیل میں آتے ہیں، ان موافق اور غیر موافق روایات کا دینی و علمی تجزیہ کیا گیا ہے اور ان میں مناسب تطبیق اور بعض متضاد آراء کی وضاحت کی گئی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ادا ہونے والے بعض جملوں کی تفہیم کی کوشش کی گئی ہے جن سے ادائیگیٔ شعر میں غیر شعری رویے کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی کہ صلاحیت کی عدم موجودگی یا عدمِ تعلیم سے کیا مراد ہے اور کیا فی الواقع شعر منصبِ رسالت کے لئے مناسب نہیں ہے۔ ان شعری مغالطوں کو رفع کرنے کی بھی سعی کی گئی ہے جن سے وزنِ شعر کے سقوط کا احتمال ہوتا ہے۔ شعر کے بارے میں علماءِ امت کے رویے پر بھی اشارۃً بات کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں 'مدح' کے بارے میں مروجہ رویوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ قدیم عربی روایات سے مدح کے عناصر کی تلاش کی گئی ہے، 'مدح' بحیثیت ایک صنفِ سخن اور دیگر اصنافِ سخن میں اس کا مرتبہ کیا ہے اس کے بارے میں روایات کے سہارے اور علماءِ ادب کے خیالات کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔ مدح کے عمومی رویے میں مستحسن طریقِ کار اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مدحیہ شاعری کے حدود و قیود معلوم کرنے کی کوشش بھی شاملِ بحث کی گئی تاکہ نعتیہ شاعری جو ادب اور دین کا درمیانی سنگم ہے اپنے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ سامنے آجائے۔ نعتیہ شاعری کے بارے میں تمام فنی مباحث اس باب کا حصہ ہیں۔

الباب الثالث : یہ باب تاریخی نوعیت کے مطالعے سے متعلق ہے۔ مدح نگاری کے اولین ماخذ کی تلاش میں چند روایات کا حوالہ دیا گیا ہے جن سے 'مدحِ رسالت' کی روایتی حیثیت متعین ہو سکے، جناب ابوطالب کے مدحیہ شاعری سے یہ روداد شروع ہوتی ہے اور ضمناً الاعشیٰ کے مشہور مدحیہ قصیدے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ صحابہ کرام سے نعتیہ شاعری کا باضابطہ آغاز ہوا اس پر مقدس نفوس ہی مدح نگاروں کے پیش رو اور امام ہیں، ممدوحِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور حضوری میں مدح خوانی سے مدح کے مکونات اور ان کے بارے میں صاحبِ مدح کے ردِ عمل سے اس شاعری کی دینی حیثیت بھی واضح ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدحیہ شاعری میں دینی، اخلاقی پہلوؤں کے علاوہ

اُن حسنی عناصر کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے جنہیں مستقبل میں مدحیہ شاعری کے لازمی جزو کی حیثیت سے برقرار رکھا گیا اس سے عربوں کے زندگی کے بارے میں عمومی رویے کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور اسلامی تعلیمات کی وضاحت بھی ہوتی ہے عہد صحابہ میں روایت مدح کی ابتداء شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ سے کی گئی کہ وہی اس صنفِ سخن کے امام ہیں۔ آپ کے علاوہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے قصیدہ بانت سعاد کا تجزیہ اور اُن کے اندازِ مدح کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے اس ضمن میں تشبیب کے مباحث کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے، معروف مداحین میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک، حضرت ابو سفیان بن حارث، حضرت عباس بن مرداس، حضرت عبد اللہ بن الزبعری اور حضرت نابغۃ الجعدی کا تذکرہ حرف کیا گیا ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام اور صحابیات اسلام کی مدحیہ شاعری کا سرسری حوالہ اور مرثیہ کی حیثیت اور وقتی ضرورت کا مختصر ذکر شامل مقالہ کیا گیا اور آخر میں صحابہ کی شاعری کا عمومی جائزہ پیش کیا گیا تاکہ بعد کی شاعری کے عناصر تلاش کرنے میں سہولت ہو۔

عہد اموی اور عباسی میں مدحیہ شاعری کے پاکیزہ جذبات کی راہ میں خلفاء و امراء کی شخصیتیں حائل ہو گئیں اور خلوصِ مدح کی جگہ کشکول گدائی کا دور دورہ ہوا اس لئے مدحیہ شاعری اضمحلال کا شکار ہوئی اور فحول شعراء کو ان مخلصانہ کاوشوں میں شریک ہونے کی توفیق حاصل نہ ہوئی، کوشش کی گئی ہے کہ اس بے توجہی کے اسباب تلاش کئے جائیں اور اُن تنقیدی معاییر کا بھی جائزہ لیا جائے جنہوں نے شعر کے گرد جاہلی طریق فکر کا شعوری حصار قائم کر رکھا تھا۔ اس ضمن میں مدح اہل بیت پر خصوصی نظر ڈالی گئی ہے۔

سقوط بغداد کے بعد یہ دنیاداری کی محفلیں منگول حملوں کے لگائے ہوئے زخم سہلاتی رہیں، بے سہارا ہونے کا احساس بڑھا اور قوم کو پھر سے پناہ گاہ عالم کے در کی پناہوں کا احساس ہوا، اسلئے نعتیہ ادب کی طرف توجہ ہوئی، مدح نگاری کے ضمن میں یہ دور اہم ترین دور ہے، اس میں متعدد اہم ترین مدح نگار پیدا ہوئے اور پورے عالم اسلام میں شعر مدیح کو حقیقی مرکز نصیب ہوا، امام بوصیری اس دور کا ہی نہیں مدحیہ شاعری کی پوری تاریخ میں ایک مقدس نام ہے، اُن کا قصیدہ بردہ نعتیہ شاعری کی معراج اور بعد کی مدحیہ شاعری کا امام ہے، امام موصوف کے قصیدے پر قدرے تفصیل سے نظر ڈالی گئی ہے اور اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا، ان اثرات میں معاشرتی، علمی، فنی اور تہذیبی اثرات شامل ہیں، قصیدے کا تتبع ہر شاعر کا ارمان بنا ہے اس پہلو کو بھی سامنے لانے کی سعی ہوئی ہے۔ امام بوصیری کے علاوہ اس دور میں الوتری (م ۶۶۲ ھ)، الشہاب محمود (م ۷۲۵ ھ)، ابن سید الناس (م ۷۳۴ ھ)، الصفی الحلی (م ۷۵۰ ھ)، ابن نباتہ (م ۷۶۸ ھ)، البرعی (م ۸۰۳ ھ)، ابن خلدون (م ۸۰۸ ھ)، ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۷ ھ)، ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ ھ)، النواجی (م ۸۵۹ ھ) اور کئی اور اصحاب نمایاں حیثیت کے مالک ہیں، دور آخر میں عبد الغنی النابلسی کا نام بڑا وجیہہ ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مدح گو شعراء کی ایک فہرست شامل کر دی جائے جس سے دور مذکورہ کی نمائندگی بھی ہو اور یہ اندازہ بھی کہ مدحیہ شاعری کے رواج کا کیا عالم تھا۔

اندلس کے شعراء مدیح کا مستقل عنوان سے تذکرہ کیا گیا ہے کیونکہ یہاں مدحیہ شاعری ایک تہذیبی مظہر کے طور پر
توجہ کا مرکز بنی، سلاطین وامراء نے تعاون کیا اور بڑے بڑے علماء نے مدحیہ قصائد لکھے۔ مدحیہ شاعری کی حد تک اندلس
کی شاعری بڑی وقیع اور قابلِ قدر ہے، یہاں نئے تجربات بھی ہوئے اور شاعری کو نئے افق بھی نصیب ہوئے، اندلس
کے شعراء میں ابن حبیب (م ۲۳۸ھ)، ابن حزم (م ۴۵۶ھ)، ابن الولیف (م ۵۳۶ھ)، ابن جبیر (م ۶۱۴ھ)
الغازازی الاندلسی (م ۶۲۷ھ)، ابن عربی (م ۶۳۸ھ) اور ابن الجیان وہ نمائندہ شاعر تھے جو اس وقت مدح نگاری کا
علم اٹھائے ہوئے تھے جبکہ اُن کے ہم عصر عباسی شعراء صرف امراء وخلفاء کی مدح خوانی کو مقصد شاعری بنا چکے تھے، ان کے
علاوہ مالک بن المرحل (م ۶۹۹ھ)، ابوحیان الاندلسی (م ۷۴۵ھ)، لسان الدین بن الخطیب (م ۷۷۶ھ)، ابن جابر
الاندلسی (م ۷۸۰ھ) کے نام نہایت توجہ کے قابل ہیں۔

جدید دور میں خیالات میں تغیر رونما ہو چکا تھا، سوچ کے دھارے بدل رہے تھے ایسے میں مدحیہ شاعری
میں معاشرتی وسیاسی مسائل بھی شامل ہونے لگے اور شعراء کو قومی راہنمائی کا فریضہ بھی انجام دینا پڑا، متعدد شعراء اس
مشن میں شریک ہوئے جن کا مختصر تعارف کرایا گیا اور زیادہ توجہ محمود سامی البارودی (م ۱۳۲۲ھ)، یوسف النبہانی
(م ۱۳۵۰ھ) اور احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) کو دی گئی کہ ان سے نعتیہ شاعری کو بڑا سہارا ملا، احمد شوقی کی شعری عظمت نے
مدح کے میدان میں بھی اپنی حیثیت منوالی،

ایران کے شعراء کا اجمالی ذکر کیا گیا کہ برصغیر اکثر شعری روایات میں ایران ہی سے اثر پذیر ہوتا ہے، مخلوط شاعری
کی عادت بھی ایرانی اثر ہے۔ خاقانی (م ۵۹۵ھ)، رومی (م ۶۷۲ھ)، سعدی (م ۶۹۱ھ)، جامی (م ۸۹۸ھ)،
جمالی (م ۹۴۲ھ) اور قاآنی (م ۱۲۷۰ھ) کے تذکرے پر یہ باب ختم ہوا۔

الباب الرابع: اس باب سے برصغیر کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ عرب وہند تعلقات کی قدامت نوعیت اور
اثر پذیری کا جائزہ لیا گیا ہے، عربی زبان کی برصغیر میں آمد، مقامی اہل علم کا رویہ اور ابتدائی رابطوں کو واضح کیا
گیا، عربی اور ہندی زبانوں کے تبادلہ الفاظ، کتب اور محاورات وضرب الامثال کا تذکرہ ہوا۔ عربوں کی حکومت کے
دیگر اثرات کے جلو میں لغوی اثرات کی نشاندہی کی گئی، مقامی علماء کا تعارف کرایا گیا، ان میں ابو معشر السندی
(م ۱۷۰ھ)، خلف بن سالم السندی (م ۲۳۱ھ)، محمد بن محمد بن رجاء السندھی (م ۲۸۶ھ) اور حسن بن حامد الدیبلی
(م ۴۰۷ھ) کا مختصر ذکر کیا گیا، صوفیاء کی آمد کا تذکرہ ہوا، شیخ محمد اسماعیل لاہوری (م ۴۴۸ھ)، سید علی الہجویری
داتا گنج بخش (م ۴۶۵ھ) اور محمد بن عثمان الجوزجانی (م بعد ۵۹۰ھ) کی مساعی جمیلہ کا اعتراف کیا گیا۔ عربی شاعری
کے ابتدائی خدوخال اور برصغیر کے مخصوص حالات کے تناظر میں شعری روایت کے خصائص کا جائزہ لیا گیا، شعراء
کا حوالہ دیا گیا اور ابوعطاء السندی (م بعد ۱۸۰ھ)، ابوضلع السندی، کشاجم السندی، البیرونی، عطاء بن یعقوب
الغزنوی اور ذو لسانی شاعر مسعود سعد سلمان کا مجمل ذکر کیا گیا، برصغیر کی عربی شاعری کے اس جائزے کے
ضمن میں مدحیہ عناصر کی تلاش کی گئی اور عطاء بن یعقوب الغزنوی کے مدحیہ قصیدے کا حوالہ دیا گیا، یہ باب
ابتدائی رابطوں اور تہذیبی وعلمی اثر پذیری کی ابتدا ثابت ہوا، اس لئے اسی حوالے سے اس پر گفتگو کی گئی۔

الباب الخامس : یہ سلاطین حکمرانوں کا دور ہے ، خاندان غلاماں مسلم سلطنت کا باقاعدہ آغاز ہوا ، اس کی معاشرتی ، تہذیبی اور سیاسی زندگی کے جائزے کے بعد صوفیاء کا تذکرہ کیا گیا کہ یہ دور صوفیاء کی آمد اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کے لئے بہت بار آور ثابت ہوا ، متعدد صوفیاء برصغیر آئے ، تصوف کی دنیا آباد ہوئی ، اس سے دینی ذوق کی افزائش اور تعلیم اسلام کو فروغ حاصل ہوا ، اسی دور سے فارسی شاعری کو غلبہ حاصل ہوا اور دینی طبقہ فارسی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنانے لگا ، عربی شاعری جسے ابھی ابتدائی مشکلات کو دور کرنے پر توجہ دینا تھی فارسی یلغار کی وجہ سے مزید پسپائی کا شکار ہوئی ، ان نامساعد حالات میں عربی نے اپنا سماجی اور دینی فرض ادا کیا اور صوفیاء کے حلقوں میں بھی پذیرائی حاصل کی حالانکہ وہاں فارسی کی سطوت قائم تھی ، اس دور کے صوفیاء میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (م ۶۳۲ ھ) ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ ھ) ، شیخ جلال الدین ھنسوی (م ۶۵۱ ھ) ، شاہ بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۱ ھ) ، شیخ فریدالدین گنج شکر (م ۶۶۲ ھ) ، شیخ علاء الدین صابر کلیری (م ۶۸۹ ھ) ، شیخ بوعلی قلندر پانی پتی (م ۷۲۲ ھ) خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ ھ) اور شیخ نصیرالدین محمود الاودی (م ۷۵۷ ھ) وہ بزرگ ہیں جو برصغیر کی تاریخ تصوف میں ہمیشہ ہی سربلند رہے ہیں اور رہیں گے ۔ علماء کرام میں نورالدین العوفی (م ۶۳۰ ھ) ، قاضی المنہاج السراج (م ۶۶۸ ھ) ، مجدالدین الفیروز آبادی (م ۸۱۷ ھ) ، بدرالدین الدمامینی (م ۸۲۷ ھ) ، بحرق الحضرمی (م ۹۳۰ ھ) برصغیر تشریف لائے جبکہ برصغیر کے نامور عالم دین شیخ حسن الصغانی (م ۶۵۰ ھ) ، سراج الھندی (م ۷۷۳ ھ) اور کئی دیگر علماء برصغیر سے عرب علاقوں کو گئے اور وہاں اپنی علمی حیثیت کو منوایا ۔ مقامی علماء میں قاضی ضیاء الدین البرنی (م ۷۶۲ ھ) ، قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۸ ھ) شیخ زین الدین المعبری (م ۹۲۸ ھ) کے نام قابل قدر حیثیت رکھتے ہیں ۔ برصغیر میں مدحیہ شاعری کو تصوف کی رفاقت شروع سے ہی حاصل تھی اس لئے خیالات پر تصوف کی چھاپ نمایاں ہے ، اس دور میں شیخ فخرالدین عراقی (م ۶۸۸ ھ) کا نام فارسی شاعر کی حیثیت سے بہت نمایاں ، ان کے چند عربی اشعار بھی ملتے ہیں ، شیخ رکن الدین ملتانی (م ۷۳۴ ھ) کا مدحیہ قصیدہ پختہ گوئی کا نمونہ ہے مگر اس دور میں دو افراد ایسے ہیں جن سے عربی مدح نگاری کا وقار قائم ہے ، شیخ عبدالمقتدر تھانیسری (م ۷۹۱ ھ) اور شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ ھ) کے مدحیہ قصائد میں ان کی قادر الکلامی ، شاعرانہ حیثیت اور عربی روایات سے گہرے شغف کا اظہار ہوتا ہے ۔ اسی دور میں دو بزرگ مجدالدین فیروز آبادی (م ۸۱۷ ھ) اور بدرالدین الدمامینی (م ۸۲۷ ھ) برصغیر آئے ان کے مدحیہ قصائد پر برصغیر کا بھی حق ہے ۔ اس دور میں مدحیہ روایت مستحکم ہوئی ۔

الباب السادس : چھٹے باب کو سہولت مطالعہ کے لئے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ مغلیہ دور عروج یعنی ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء تا ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء میں مدحیہ شاعری کو ایک بار پھر انحطاط کا سامنا تھا ، اموی اور عباسی دور کا مزاج یہاں بھی نظر آیا ، فارسی اثرات بھی گمبھیر تھے اس لئے پسپائی لازمی تھی ، اس عہد کے سیاسی حالات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور حکمرانوں خاص طور پر اکبر کے دینی رویے پر گفتگو کی گئی ہے نئے مذہبی افکار ، نئے مذہبی فرقوں کے حوالے سے ذھنی ساخت کا اندازہ لگایا ہے اور علماء و صوفیاء کی مثبت کوششوں کا تجزیہ کیا گیا ہے جنہوں نے ان مذہبی فتنوں کے سدباب کے لئے بھرپور کوششیں کیں ۔

علماء عہد میں درسیات پر توجہ، فقہی مسائل پر بحث اور تراجم و حواشی کی تالیف و ترتیب کا ذوق رہا ہے۔
نمایاں علماء میں علی متقی برہان پوری (م ۹۷۵ھ)، محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ)، مفتی قطب الدین نہروالی (م ۹۹۰ھ)، شیخ یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ)، قاضی نور اللہ شوستری (م ۱۰۱۹ھ)، شیخ عبد القادر العیدروس (م ۱۰۳۸ھ)، شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)، شیخ محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ)، مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) اور صوفیاء میں شیخ عبد القدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ)، شیخ سلیم چشتی (م ۹۷۹ھ)، سید موسیٰ پاک شہید (م بعد ۹۸۵ھ) خواجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ)، شاہ ابو المعالی (م ۱۰۲۴ھ)، مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) وہ بزرگ ہیں جن کی مساعی سے ارتداد کا طوفان رکا اور بے راہ روی کی روک تھام ہوئی۔ اس دور کے مدح نگاروں میں علماء اور صوفیاء کے نام ہی قابل التفات ہیں، شیخ حامد جمالی (م ۹۴۲ھ)، شیخ عبد القادر العیدروسی (م ۹۹۰ھ) شیخ محمد یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ) فیضی (م ۱۰۰۴ھ)، حسن بن علی بن شدقم (م ۱۰۴۶ھ)، سید علی معصوم الدستکی (م ۱۱۱۷ھ) کے نام قابل ذکر ہیں، ان لوگوں کا مختصر تعارف اور ان کی نگارشات کا حوالہ شامل مقالہ کیا گیا ہے۔

مغلیہ دور زوال یعنی ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۷ء تا ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں سیاسی ابتری اور معاشی عدم استحکام پیدا ہوا، مغلوب قوموں نے سر اٹھایا اور بیرونی حملوں نے سیاسی ساکھ ختم کر دی، اس بے یقینی سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ سلطنت پر اپنی گرفت مضبوط کرتے گئے تا آنکہ برصغیر پر قابض ہوگئے، ان سیاسی مسائل اور ان عوامل کا مجمل جائزہ مقالے میں شامل کیا گیا ہے۔ پھر اس دور کے علماء و صوفیاء کی خدمات پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے تاکہ معاشرے پر محیط فضا کے ادراک میں کوتاہی نہ ہو، سلاسل صوفیاء کے تذکرے میں اُن کی علمی و دینی خدمات پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ مختصراً اُن علماء کا ذکر بھی کیا گیا جنہوں نے عربی ادب کی آبیاری میں دلچسپی لی اور خصوصیت سے اُن شعراء کا حوالہ دیا گیا جو مدحیہ شاعری پر بھرپور توجہ دیتے رہے، مدحیہ شعراء میں نمایاں نام اُن حضرات کا ہے جنہوں نے مدح نگاری کو باقاعدہ ایک فن کی حیثیت سے اپنایا ان میں شاہ فقیر اللہ جلال آبادی (م ۱۱۹۵ھ)، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ)، شاہ نیاز بریلوی (م ۱۲۵۰ھ)، مولانا غلام محی الدین قصوری (م ۱۲۷۰ھ) کو قدرے تفصیل سے موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ اس عہد میں مدحیہ شاعری کو چند فحول شعراء کی معیت حاصل ہوئی۔ ان میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (م ۱۱۷۴ھ) کے نام بڑا وقیع ہے، مخدوم صاحب کو عربی شعر پر پوری دسترس حاصل تھی اور انہوں نے مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں متعدد قصائد تصنیف کیے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) شاہ رفیع الدین محدث (م ۱۲۳۳ھ) اور شاہ عبد العزیز محدث (م ۱۲۳۹ھ) نے مدحیہ شاعری کو علمی سطح عطا کی، نئے خیالات اور خالص اسلامی جذبوں سے مالا مال کیا۔ اس دور کا سب سے بڑا اور نمائندہ شاعر غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) ہے جسے حسان الہند کا لقب ملا، آزاد کی مدحیہ شاعری برصغیر کے لئے باعث فخر ہے۔ مقالے میں آزاد کی مدحیہ شاعری پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور مدحیہ مناظر کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

الباب السابع : ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے سطور بالا کی تحریر تک کے پورے دور کو ساتویں باب میں پیش کیا گیا ہے ۔ زوال کے عناصر کی نشاندہی کی گئی ہے ، جنگ آزادی کے واقعات اور اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے اور برصغیر میں مسلم آبادی کے حالات کے تناظر میں ادبی پیش رفت کا اندازہ لگایا گیا ہے ۔ دور عنذی کے علماء کے منصب اور فرائض کے مختصر ذکر کے بعد اُن کی نگارشات کا حوالہ دیا گیا ہے اور ان کی ادبی حیثیت اور علمی وفنی مقام کو متعین کیا گیا ہے ۔ عربی ادب سے دلچسپی رکھنے والے علماء کا تعارف کرایا گیا ہے اور خصوصیت سے مدحیہ شاعری کا ذکر کیا گیا ہے ، پہلے اُن شعراء کا تعارف ہے جنہوں نے مدحیہ شاعری میں حصہ تو لیا مگر زیادہ اثرات نہ چھوڑے ، ان کے مختصر ذکر اور ایک دو شعر کے حوالوں پر اکتفا کیا گیا ہے ، ان میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جن کی عربی ادب کی خدمات قابل قدر ہیں مگر اُن کا ذخیرہ اشعار محدود ہے ، اس لئے مختصر ذکر ہی کو مناسب سمجھا گیا ۔ بعد میں نمائندہ شعراء کا تفصیلی ذکر ہے ، ان میں مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) نہایت محترم شخصیت ہیں ۔ تحریک آزادی کے اس مجاہد نے عربی ادب کی بے بہا خدمت کی ہے ، مولانا کے مدحیہ قصائد کے حوالے سے اُن کے مضامین نعت اور اسلوب مدح پر تفصیلی گفتگو شامل کی گئی ہے کہ برصغیر کے سب سے بڑے شعراء عربی میں اُنہیں منفرد مقام حاصل ہے ۔ مولانا فیض الحسن سہارن پوری (م ۱۳۰۴ھ) کی عربی ادب اور مدحیہ شاعری میں خدمات اس قابل ہیں کہ مفصل مقالہ تحریر کیا جائے ، اس مقالے میں اُن کی ادبی خدمات کو مناسب حد تک واضح کیا گیا ہے ، نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) ، قاضی طلا محمد پشاوری (م ۱۳۱۰ھ) ، مولانا خیرالدین (م ۱۳۲۶ھ) مولانا احمد رضا خان (م ۱۳۴۰ھ) ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی (م ۱۳۴۸ھ) ، مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) مولانا قاضی عبد السلام سلیم (م ۱۳۶۵ھ) ، مولانا اصغر علی روحی (م ۱۳۶۳ھ) ، مولانا اعزاز علی دیوبندی (م ۱۳۷۴ھ) ، محمد عبد القدیر صدیقی حسرت (م ۱۳۸۱ھ) ، مولانا ظفر احمد عثمانی (م ۱۳۹۴ھ) ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۳۹۴ھ) ، مفتی محمد شفیع دیوبندی (م ۱۳۹۶ھ) ، مولانا محمد یوسف بنوری (م ۱۳۹۷ھ) ، سید محمد الحسینی الکالیمی (چودھویں صدی ہجری) ، مولانا عبد الکریم درس (چودھویں صدی ہجری) کے نام مدحیہ شاعری میں قابل قدر ہیں ۔ ان میں اکثریت علماء کی ہے اس لئے شعری روایت کو علمی حوالہ ملا اور شریعت کے ساتھ ساتھ متوازن خیالات کی نشوونما ہوئی ۔

اس باب میں موجودہ دور کا ذکر بھی کیا گیا ہے ، غیر عربی ماحول اور حالات کی ناسازگاری کے باوجود عربی شاعری کا وجود برقرار ہے بلکہ اس میں خاطر خواہ اضافہ بھی ہو رہا ہے ۔ عصر حاضر کے شعراء میں قاضی محمد حمید فضلی ، عبد المنان دہلوی ، مفتی جمیل احمد تھانوی ، مولانا لطافت الرحمٰن سواتی ، مولانا اختر رضا خان ، مولانا محمد باقر ضیاء النوری ، مولانا رضاء الحق مردانی ، صاحبزادہ نصیر الدین نصیر گولڑوی ، حافظ محمد افضل فقیر بشیر حسین ناظم ، سید محمد امین نقوی اور عبد العزیز خالد کا تعارف کرایا گیا ہے اور چند اشعار بھی دیئے گئے ہیں تاکہ دور حاضر کی شعری صلاحیتوں اور ادبی رویوں کا اندازہ ہو سکے ۔ یہ اصحاب ابھی اپنے رشحات قلم سے عربی ادب کو مالا مال کر رہے ہیں اور مستقبل میں بہتری کی امید ہے ۔

الباب الثامن ، اس باب میں تمام گفتگو کو ملخص کیا گیا ہے ، ہر دور کی خصوصیات کا حوالہ دیا گیا ہے اور فنی و ملی حیثیت سے مکمل خاکہ دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی شعرائے کرام کی تحلیلی و ملی حیثیت کا تعین کیا گیا تاکہ مداحین کے مقام کا اندازہ ہو سکے۔ مدحیہ شاعری کے اسلوب ، اوزان ، بحور اور لب و لہجہ کا ذکر کر کے پوری مدحیہ شاعری کا مقام واضح کیا گیا ہے اور آخر پر اس امید کے ساتھ گفتگو ختم کی گئی ہے کہ مدحیہ شاعری کا مستقبل روشن ہے۔

مقالے کی ترتیب و تحریر میں مستند ماخذ ، موجود ذرائع اور قلمی نسخوں سے استفادہ کیا گیا اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات قیاساً نہ ہو بلکہ ہر رائے اور ہر نتیجہ حقائق کی بنا پر قائم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشے آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المدائح النبویۃ فی پاکستان والھند

برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری

مقالہ

پی۔ایچ۔ڈی

کلیۃ العلوم الاسلامیۃ والادبیات الشرقیۃ،
جامعہ پنجاب لاہور

نگران،
ڈاکٹر ظہور احمد اظہر،
پروفیسر عربی،
ایم اے، پی۔ایچ۔ڈی،
شعبہ عربی یونیورسٹی
اورنٹیل کالج، لاہور،

مقالہ نگار،
محمد اسحاق قریشی
اسسٹنٹ پروفیسر،
گورنمنٹ کالج،
فیصل آباد،

بہ اجازت جامعہ پنجاب، لاہور، مراسلہ نمبر جی ایم/۲/۱۲۴۲، بتاریخ ۳۱۔دسمبر ۱۹۷۹

ابتدائیہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ کے ابتدائی ایام تھے کہ مدینۂ منورہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ دربارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نورین فضا میں ایک عجیب بے خودی کا احساس ہوا۔ فضائے حرم عطر بار اور عنبر فشاں تھی۔ ہر جانب اُس وجود مقدس کی مہک بسی ہوئی تھی جس نے زندگی کو اک قرینہ عطا کیا تھا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں داخل ہوئے تو سرخوشی وسرمستی سے وجود لہرانے لگا۔ عبودیت کے اعتراف میں سجدہ ریز ہوئے تو یوں محسوس ہوا کہ یہ زندگی کا پہلا سجدہ ہے۔ بارگاہِ صمدیت سے توفیق کی دعا مانگی اور لرزاں و ترساں دربارِ خواجۂ کیہاں میں حاضر ہو گئے۔ مواجہہ شریفہ پر جاں نثارانِ محبت کا اک سیل رواں تھا، جذبات مچل رہے تھے مگر زبان گنگ تھی۔ باطن میں کہرام بپا تھا مگر اظہار پر پہرہ تھا۔ حاضری کا ارماں مدت سے تھا، کہنا بھی بہت کچھ تھا مگر کچھ نہ کہہ سکا۔ لرز گیا، فوراً درود وسلام کی پناہ چاہی کہ جذبات کو پابندِ آداب رکھنے کا یہی اک ذریعہ تھا۔ درود و سلام کے فیضاں سے سکون نصیب ہوا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی یاد آئی یہی دربار تھا اور یہی منبر جس پر شاعرِ دربارِ نبوی، مدحت سرا ہوتے تھے۔ اللہ اللہ کیا شرف ہے کہ دربارِ ابد قرار میں لب کشائی کا حوصلہ ہوا۔ رشک بھی آیا اور عقیدت کے جذبات بھی امڈے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کئی مدح خوان یاد آئے اور ان حوصلہ مند اصحاب سے ذہنی مرعوبیت اور قلبی گرویدگی محسوس ہوتی۔ یہ تاثر پذیری وقت کے ساتھ ساتھ شدید تر ہوتی گئی۔ میں عجمی ٹھہرا، مجھے اپنی ژولیدہ بیانی کا اعتراف ہے مگر علماء کہتے ہیں کہ جذبہ جب شدید ہوتا ہے تو تسکین کا راستہ تلاش کر لیتا ہے۔ مداحینِ رسالت کے اِس تذکرے سے میں اسی جذبے کی تسکین کر رہا ہوں۔

پاکستان لوٹ کر اس جذبے کے عملی پہلوؤں کا جائزہ لیا، احباب سے مشورے کئے، خوش قسمت ہوں کہ مجھے بہت سے ذی علم، ذہین اور با اعتماد احباب کا تعاون حاصل ہے۔ فیصل آباد میں مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر تحقیقی کام کی ابتداء ہو چکی تھی اور بعض احباب اِس سلسلے میں قابلِ قدر تحقیقی خدمات انجام دے رہے تھے۔ میں نے اِس قافلۂ محققین میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا مگر موضوع کی نزاکت و وسعت اور اپنی دوں ہمتی اور بے بضاعتی میرے سدِ راہ تھی۔ اس بے یقینی کے عالم میں جامعہ پنجاب کے شعبۂ عربی میں حاضر ہوا، اپنی خواہش اور مجبوریوں کے تصادم کی تمام روداد محترم ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب کے سامنے پیش کی، موصوف عربی زبان و ادب کی آبرو ہیں اور متلاشیانِ علم کے لئے ان کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ انہوں نے میری ہمت بھی بندھائی اور ہم قدمی کا وعدہ بھی فرمایا۔ یہ زیرِ نظر مقالہ اسی اشتراکِ عمل کا حاصل ہے۔ اِس کی خوبیاں ڈاکٹر موصوف کے مشورے اور احباب کے تعاون کا فیضان ہے۔ اور اس کی کوتاہیاں میری کم علمی کا نتیجہ ہیں۔

مدحتِ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم وہ صنفِ سخن ہے جس کی خدمت میں نسلِ انسانی کا ہر طبقہ شریک ہے۔ اِس میں رنگ و نسل، تہذیب و تمدن یا زبان و ملک کی غیریت راہ نہیں کاٹتی۔ بظاہر خواہشات و میلانات مختلف ہو سکتے ہیں مگر اس مرکزِ اتحاد پر سب ایک ہی انداز اور ایک ہی جذبے سے حاضر ہیں۔ یہ وہ مقامِ اتّصال ہے جہاں اجنبیت کا احساس مٹ جاتا ہے۔ اور بین الاقوامی معاشرت کی جھلک نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیائے فن کی ہم نظری کا سب سے بڑا مظہر نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہے۔ اِس لئے مدحیہ ادب کا مطالعہ درحقیقت آفاقی ادب کا مطالعہ ہے۔ جوں جوں دوریاں سمٹ رہی ہیں اور انسان قریب آ رہے ہیں مدحیہ شاعری کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

مدحیہ شاعری تین عناصر سے تشکیل پاتی ہے، زبان، ادب اور شعری روایات سے آگاہی۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے استفادے کی صلاحیت اور جذباتِ محبت و عقیدت کے اظہار کا سلیقہ۔ ان اجزاء کا باہمی ربط غیر متوازن ہو جائے تو مدح کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ہم نے اپنی گفتگو اِن عناصر کے حوالے سے ہی پیش کی ہے۔ ظاہری پیراہن جو کلمات و تراکیب، جملوں اور اُن کی باہمی تعلیق پر مشتمل ہے عربی ادب کے حوالے سے جانچے گئے ہیں۔ ان ترکیبی اجزاء میں مقامی عنصر کی تلاش اور نشاندہی کی گئی ہے معانی ومفاہیم کو دینی، اخلاقی اور ادبی معاییر کی نسبت سے موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ اِن علمی و ذہنی مباحث میں اپنی کم مائیگی کا احساس شدت سے دامن گیر رہا ہے۔ اور ممدوح و مادحین کے باہمی تعلق کی پاکیزگی اور عظمت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

موضوع پر گفتگو کو آٹھ حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

★ ـــــ پہلے باب میں مدح نگاری کا علمی، نفسیاتی اور فنی جائزہ لیا گیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ مدح کے مشتملات کیا ہیں، تکوینِ مدح کا محرک کیا ہے۔ ان جذبات و خیالات کا مرجع کہاں ہے اور اس کے فنی پہلوؤں کی کیا حیثیت ہے اسے ہم نے موضوعات، محرکات، منابع اور فن کی چہارگانہ اکائیوں میں تقسیم کیا ہے۔

★ ۔دوسرے باب میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مدح نگاری کا مقام و مرتبہ اور ان کی نسبت سے شعر کی حیثیت کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

★ ۔تیسرے باب میں عربوں کی مدحیہ شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ برصغیر کی مدحیہ شاعری کے منابع کی تلاش میں عرب دنیا کے نمائندہ مدح نگاروں کا خصوصی اور عام مدح نگاروں کا عمومی حوالہ دیا گیا ہے۔ اس باب میں صحابہ کرامؓ کے عہد، اموی و عباسی دَور، سقوطِ بغداد سے بعد کے زمانہ، عصرِ جدید اور اندلس و ایران کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس چودہ سو سالہ تاریخی روداد میں مقالے کے دامن اور اس کے بنیادی موضوع کی اہمیت کا احساس دامن گیر رہا ہے۔

★ ۔چوتھے باب سے برصغیر کی حکایت شروع ہوتی ہے یہ ابتدائی رابطے اور اثر پذیری کی کہانی ہے۔ علماء و صوفیاء کا ذکر ہے۔ عربی شاعری کا عمومی بیان ہے۔ اور مدحیہ شاعری کے عناصر کی تلاش کی گئی ہے

★ ۔پانچویں باب میں عہد سلاطین کی علمی و شعری حیثیت، تصوف کی ترویج و اشاعت اور صوفیاء کی سماجی قدر و منزلت اور شعری ذوق کا احصا کیا گیا ہے۔ مدح نگاروں کے حالات اور شعری نگارشات کا فنی جائزہ لیا ہے۔

★ ۔چھٹے باب کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں مغلیہ دور عروج کی سرگزشت میں مدحیہ شاعری کے خمول کے اسباب تلاش کئے گئے ہیں۔ اور برصغیر کے مسلم معاشرے میں ہندی تہذیبی اثرات کے بڑھنے اور فتنہ سامانیوں کا محاسبہ کیا گیا ہے، دوسرے حصے میں دورِ زوال کی بے بسی اور اس کے اثرات کے نتیجے میں بے چارگی کے احساس اور مدحیہ شاعری کے احیاء کا تذکرہ ہے۔ نعتیہ شاعری کے اس زریں دور میں خانوادۂ ولی اللہی اور غلام علی آزاد بلگرامی کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

★ ۔ساتواں باب دورِ جدید اور عصرِ حاضر کے تذکروں سے عبارت ہے۔ غلامی کی تلخیاں، ذہنی الجھنیں اور معاشرتی زبوں حالی مسلمانانِ ہند کے لئے مہمیز ثابت ہوئیں اور وہ مستقبل کا لائحہ عمل مرتب کرنے لگے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی کے بے مثال کردار نے آزادی کی شمع فروزاں کی اور انہیں سے اس دور کی شاعری کا آغاز ہوا۔ ان کے بعد متعدد مدح نگار پیدا ہوئے جن کی اکثریت علماء و صوفیاء سے تعلق رکھتی تھی۔ نظریاتی اختلاف اور فقہی تصادم کے اس دور میں مدحیہ شاعری مسلم معاشرے کی وحدت کا مظہر بنی۔ باہمی منافرت کے باوجود سب اس دربارِ گہربار میں ایک ساتھ حاضر رہے۔ اس طرح مدحتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظریاتی وحدت کا معاشرتی معرکہ بھی سر کیا۔

★ ۔آٹھواں باب سارے مقالے پر ایک طائرانہ جائزے کا حکم رکھتا ہے۔

مدح نگاری عہدِ رسالتؐ سے آج تک جاری ہے اور تا ابد جاری رہے گی۔ میں نے ان اوراق میں کوشش کی ہے کہ ان چودہ سو سالوں کا اجمالی تذکرہ کروں تاکہ اس فنِ شریف کا تسلسل ایک آفاقی منظر کے طور پر سامنے آئے۔ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں یہ فیصلہ قارئین کا حق ہے۔

تحقیقی کاوش ہمہ جہتی تعاون چاہتی ہے۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ اس سلسلے میں مجھے بہت سے بزرگوں، احباب اور عزیزوں کا تعاون حاصل رہا ہے۔ میں سراپا ممنون ہوں محترم ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب کا کہ انہوں نے نہایت پرخلوص راہنمائی اور تعاون فرمایا۔ میں کئی بار سست روی کا شکار ہوا مگر انہوں نے ہر ملاقات پر بالمشافہ اور کبھی احباب کے ذریعے مجھے ہمت دلائی۔ یہ اسی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ آج یہ مقالہ پیش کرنے کی سعادت پا رہا ہوں۔

میں سپاس گزار ہوں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، گورنمنٹ کالج، لاہور کا جو میرے مشفق دوست بھی ہیں اور تحقیقی میدان میں میرے راہنما بھی۔ میرے تمام ساتھی اور بزرگ بالخصوص احباب ٹی کلب میرے شکریے کے مستحق ہیں جن کی دعاؤں اور تعاون سے یہ کامیابی حاصل ہوئی۔ بیرونی احباب میں جس بزرگ کا میں صمیم قلب سے شکرگزار ہوں وہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ سندھ،

ہیں کہ فاصلوں کے باوجود اُن کا دل میرے ساتھ دھڑکتا رہا ہے۔ پروفیسر امین اللہ علوی (سندھ)، قاضی محمد حمید فضلی (سرحد) اور سید نور محمد قادری (پنجاب) نے جس خلوص و محبت سے تعاون فرمایا، میں ان کا ممنون ہوں۔

علماء کرام اور صوفیاء عظام میں سے جن بزرگوں نے شفقت فرمائی وہ موضوع کے تقدس کا اثر ہے۔ میں جسٹس شجاعت علی قادری، جسٹس تقی عثمانی اور سجادہ نشین زاویۃ الخلیل کا بے حد شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مفید معلومات اور نایاب ماخذ تک پہنچنے میں میری راہنمائی فرمائی۔

اس تحقیقی کاوش میں مجھے اپنے والد محترم کی سرپرستی حاصل رہی، اُن کا شوق علم اس ضعیف العمری میں بھی جوان ہے۔ یہ ان کی دعاؤں کا اثر ہے کہ میں اس مشکل مرحلے سے باحسن طریق گزر سکا ہوں۔ میرے برادران اور عزیزوں کی توجہ اور محبت بھرے تعاون نے مجھے بڑا سہارا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو شاد کام رکھے۔

فنی مراحل میں بعض احباب نے پرخلوص مدد فرمائی اگرچہ بعض مجبوریوں کی بنا پر مقالے کی تزئین وتہذیب کا وہ معیار قائم نہ رہ سکا جس کی مجھے خواہش تھی مگر پھر بھی اِس سلسلے میں سید شہزاد کاظمی، آرٹسٹ نے جو فنی چابکدستی کا مظاہرہ کیا ہے میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

میں دیگر تمام بزرگوں، احباب اور عزیزوں کا شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے یہ مقالہ مرتب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ سب کو خوش و خرم رکھے

میں اِس دعا کے ساتھ مقالہ پیش کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مداحین کی مدح خوانی قبول فرمائے اور ہمیں ان کے رشحاتِ قلم سے قلب و نظر کو روشن بنانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

اللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ اٰلہٖ واصحٰبہٖ وسلّم

مورخہ ۲۵ - دسمبر ۱۹۸۴ء

محمد اسحاق قریشی
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد۔

محتویات

"المدائح النبویہ فی پاکستان و ہند"

برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری

الباب الاوّل

المدائح النبویۃ کے

۱- موضوعات،

۲- محرکات،

۳- منابع،

۴- فن،

موضوعات

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف ایک ایسا موضوع ہے جو عمیق گیر بھی ہے اور وسعت پذیر بھی۔ ہر دور میں اَن گنت انسانوں نے دربارِ رسالت میں اپنی عقیدت و محبت کے گلدستے پیش کئے۔ مقدس زندگی کے ہر پہلو سے نقاب اٹھایا۔ اس طرح کہ خصائل و شمائل کا ہر رخ صفحۂ قرطاس کی زینت بنا مگر بہت کچھ کہنے کے باوجود بہت کچھ باقی ہے۔ کہنے والوں کو قرار نہیں اور موضوع کی وسعت کی کوئی حد نہیں۔ دونوں جانب پھیلاؤ ہی پھیلاؤ ہے۔

"الموضوع واحد ولکن الحدیث لاینفد لأن شخصیته علیه السلام اعظم من ان تحیط بها دراسته اویستغرق القول فیها وصف۔ وایما دارس اوواصف یظن أن قد ظفر منها بکل شئ اوقال فیها کل ما یحمد ان یقال ولم یبق لغیرہ الا الاعادہ والتکرار فهو ولا شک مخدوع یخیل الیه بعض الشئ کله، فلم یظفر فی الحقیقته الابما قسم له، ولم یقل الاما قدر له أن یقول، ولقی لغیرہ ما قسم له من ظفر وما قدر له من قول ولیس هٰذا وذالک نفاذ ولا انقطاع علی مر الزمان"[1]

آپ کی ذاتِ اقدس وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔ اِس لئے تخلیق کا پہلا عمل ہی شمائلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا باب ہے مگر مدح سرائی کا باقاعدہ آغاز اس روز ہوا جب سردارِ مکہ عبد المطلب کے آسودہ و خوش حال گھرانے میں عبد اللہ کا دُرِّ یتیم آمنہ بنت وہب کی گود میں کائناتِ ہست و بود کے لئے مسرتوں کا ابدی پیغام بن کر تشریف لایا۔ عرب کے دستور کے مطابق تہنیت کی صدائیں اور مبارک و سلامت کے زمزمے گونجے، عقیقے کی ضیافت میں حاضرین میں سے کسی نے نومولود کا نام پوچھا، بوڑھے سردار نے برجستہ کہا "مُحَمَّد"۔ محمد! سب حیرت سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ خالص عربی وزن مگر غیر متداول نام خوشگوار حیرت کا باعث بنا[2]۔ اِس انوکھے نام کا سبب پوچھا گیا تو دادا نے بڑا اعتماد لہجے میں کہا "أَرَدْتُ ان یحمده الله فی السماء ویحمدہ الناس فی الارض"[3]۔ پھر کیا تھا یتیمِ عبد اللہ کی مدح سرائی کا غلغلہ بحر و بر میں بلند ہوا اور وقت کے ساتھ ساتھ بلند تر ہوتا چلا گیا۔ ساڑھے چودہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ صبح و مسا ہر محفل اور ہر مقام پر یہ نام کروڑوں انسانوں کے دلوں کی دھڑکن ہے۔ ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق اپنے اپنے اسلوب میں عقیدت و محبت کے پھول "دربارِ احمدی" میں نذر کر رہا ہے۔

مدحِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت بے پایاں ہے۔ آپ کی شخصیت کا ہر پہلو، سیرتِ مطہرہ کا ہر گوشہ اور پیغمبرانہ عظمت کا ہر رُخ اس میں سمویا گیا ہے۔ المدائح النبویّتہ کے طویل سلسلے کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتابِ زندگی کا ہر ورق شعراء کے پیشِ نظر ہے۔ کہیں آپ کے حسن و جمال کا تذکرہ ہے تو کہیں اخلاق و عادات کا، کسی کے ہاں معجزات قابلِ توجہ ہیں تو کسی کو اسوۂ حسنہ سے کسبِ فیض کی تمنا ہے۔ کوئی ذات میں گم ہے تو کوئی صفات میں، ایک کے ہاں ذات کے حوالے سے متعلقات کے ادراک کی خواہش ہے۔ تو دوسرا متعلقات کے راستے ذاتِ اقدس تک رسائی کے لئے بے چین ہے۔ بعض کے ہاں تاثر پسندی کی انفعالیت ہے۔ اِس لئے وہ سیرتِ مطہرہ کے درخشندہ گوشوں کو الفاظ کا پیراہن مہیا کر رہا ہے تو بعض کے ہاں اپنے داعیات و محرکات کی فعالیت نمایاں ہے۔ اور وہ اپنی ذات کے حوالوں سے التجاؤں اور تمناؤں کی دنیا لیئے ہوئے ہے۔

---

① الدّین والاخلاق فی شعر شوقی علی النجدی ناصف ص ۱۱۶۔ ② ابنِ قتیبہ کہتے ہیں کہ یہ بھی خصائص نبویہ میں سے ہے کہ آپ سے قبل مُحَمَّد کسی کا نام نہ رکھا گیا۔ "صیانتہ من اللہ لهذا الاسم الشریف کما فعل بیحییٰ علیہ السلام اذ لم یجعل لهٗ من قبل سمیًّا" (الانوار المحمّدیہ من المواهب اللدنیہ، ص ۱۳۸) ایسا ہی کتاب الشفا الجزء الاوّل ص ۱۲۵ پر ہے۔ ہاں یہ ضرور ذکر ملتا ہے کہ جب آپ کی نبوت کے آثار نمایاں ہونے لگے تو اہلِ کتاب ایک موعود نبی کے انتظار میں ایک دوسرے کو بشارتیں دینے لگے۔ تو بعض لوگوں نے اپنے بچوں کا نام مُحَمَّد رکھا۔ رجاءً اَنْ یکونَ هُوَ هُوَ لیکن یہ آرزو ہی رہی۔ ایسے تقریباً چندہ اشخاص کا نام ملتا ہے۔ الشفا الجزء الاول۔ ص ۱۲۵۔ ③ الخصائص الکبریٰ الجزء الاوّل ص ۷۸، ۷۹، بروایت عبد اللہ بن عباس، بحوالہ ابنِ عساکر۔

ذاتی اوصاف

ذاتی اوصاف وخصائل کا بیان مدح نگاروں کا پسندیدہ موضوع ہے۔ قرآنی آیات کے بعض اشارات اور کتب احادیث وسیرت میں حسن وجمال کے تذکرے اس کے محرک بنے ہیں۔ ام معبد الخزاعیۃ کی روایت[1] کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اور تقریباً ہر شاعر نے اس سے خوشہ چینی کی ہے۔ احادیث میں حلیہ مبارکہ کے بعض جزئیات کا ذکر ملتا ہے۔ اور بعض روایات میں تشبیہات واستعارات کا خوبصورت ہالہ ضوفگن ہے مثلاً

— چہرہ انور مثل قمر تابدار، — سُئِلَ البراءُ أكانَ وجهُ النبيّ صلى الله عليه وسلم مثلَ السيفِ فقال: لا بل مثلَ القمرِ [2]
— ما رأيتُ شيئاً أحسنَ من رسولِ الله صلى الله عليه وسلم كأنّ الشمسَ تجري في وجهه۔ [3]
— إذا سُرَّ استنارَ وجهُه كأنّه قطعةُ قمرٍ وكنّا نعرفُ ذلكَ منه۔ [4]
— فنظرت الى وجهه كانه ورقة مصحف۔ [5]
— قد متوازن اور باوقار، — كان ربعة من القوم ليس بالطويل البائن ولا بالقصير۔ [6]
— انداز گفتگو دلپذیر اور پروقار، — ان صمت فعليه الوقار وان تكلم سماه وعلاه البهاء۔ [7]
— اذا تكلم رؤى كالنور يخرج من بين ثناياه۔ [8]
— الفاظ کے موتی مثل در شہوار، — كان منطقه خرزات نظم يتحدرن۔ [9]
— رفتار میں سبک خرام، — ما رأيت احداً اسرع في مشيته من رسول الله كانما الارض تطوى له۔ [10]
— اذا مشى تقلع كانما ينحط في صبب۔ [11]
— ہتھیلی مثل حریر وپرنیاں، — ما مسست حريراً ولا ديباجاً الين من كف النبي صلى الله عليه وسلم [12]
— پسینہ مشک وعنبر سے فزوں تر، — كان عرقه في وجهه اللؤلؤ ولريح عرقه اطيب من المسك الاذفر [13]
— آنکھیں سرمگیں، — اذا نظرت اليه خلت اكحل العينين وليس بالكحل [14]
— مہر نبوت خاتمیت کا نشان، — بين كتفيه خاتم النبوة وهو خاتم النبيين [15]
— الغرض ہر لحاظ سے مہر انور، — هو اجمل الناس واجهاهم من بعيد واحسنهم واملحهم من قريب [16]
— كان احسن الناس وجهاً وانورهم لم يصفه واصف الا شبهه بالقمر ليلة البدر [17]
حسن باطن میں سراپا خیر وبرکت، بے عیب وبے مثل۔
— کان حیا۔ — كان النبيّ اشد حياء من العذراء في خدرها فاذا رأى شيئاً يكرهه عرفناه في وجهه [18]
— صداقت شعار۔ — أصدق الناس لهجة [19]
— وفا میں بے عدیل۔ — اوفى الناس ذمة [20]
— بہادری میں یکتا۔ — اجرأ الناس صدراً [21]
اشجع الناس [22]
— قناعت پسند۔ — خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم من الدنيا ولم يشبع من خبز الشعير [23]
— بلا کے سخی۔ — اجود الناس كفاً [24]
— ما سئل النبي صلى الله عليه وسلم من شيء قط فقال: لا [25]

---

① الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۳۳ ۔ ۲۳۵، الاصابۃ لابن حجر الجزء الرابع ص ۵۰۲، الوفا باحوال المصطفیٰ لابن جوزی (اردو ترجمہ) ص ۲۹۲ ② صحیح البخاری المجلد الاول کتاب المناقب باب صفۃ النبیؐ ص ۵۰۲، جامع ترمذی المجلد الثانی ابواب المناقب ص ۲۲۷۔ ③ جامع الترمذی المجلد الثانی، (عن ابی ہریرہؓ) ابواب المناقب ص ۲۲۸ ④ صحیح البخاری المجلد الاول کتاب المناقب باب صفۃ النبیؐ ص ۵۰۲۔ المجلد الثانی کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالکؓ ص ۶۳۶ عن کعب بن مالکؓ ⑤ اسد الغابۃ الجزء الاول ص ۳۳ ⑥ صحیح البخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبیؐ ص ۵۰۲ عن انس بن مالکؓ ⑦ الاستیعاب المجلد الثانی ص ۲۲۳۔ ⑧ الخصائص الکبریٰ الجزء الاول ص ۶۲ ⑨ الاستیعاب الجزء الثانی ص ۲۲۳ ⑩ جامع ترمذی الجزء الثانی ابواب المناقب ص ۲۲۸ ⑪ شمائل الترمذی باب ما جاء فی مشیۃ رسول اللہؐ ص ۱۱ ⑫ صحیح البخاری المجلد الاول کتاب المناقب باب صفۃ النبی ص ۵۰۳ عن انسؓ ⑬ طبقات ابن سعد ۱/۴۱۲ ⑭ شمائل الترمذی باب ما جاء فی صفۃ رسول اللہ ص ۱۸ ⑮ سیرت النبیؐ ابن ہشام الجزء الثانی ص ۸ ⑯ الاستیعاب الجزء الثانی ص ۲۲۳۔ ⑰ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ المجلد الرابع ص ۱۴۱ ⑱ صحیح البخاری المجلد الاول کتاب المناقب باب صفۃ النبیؐ ص ۵۰۳ [illegible] ⑲ سیرۃ النبیؐ ابن ہشام الجزء الثانی ص ۹ ⑳ حوالہ مذکورہ ص ۸ ㉑ حوالہ مذکورہ ص ۸ ㉒ صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الادب باب حسن الخلق ص ۸۹۱ عن انسؓ ㉓ صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الاطعمہ باب ما کان النبیؐ واصحابہ یاکلون ص ۸۱۵ عن ابی ہریرہؓ ㉔ سیرت النبیؐ ابن ہشام الجزء الثانی ㉕ صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الآداب باب حسن الخلق والسخاء ص ۸۹۲ عن جابرؓ ۔ صحیح المسلم المجلد الثانی کتاب الفضائل باب فی سخائہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۵۳ عن جابرؓ۔

- حسنِ سلوک میں بے مثل ۔ — دس سال حضرت انس رض حاضرِ دربار رہے مگر کہتے ہیں ۔ فَمَا سَبَّنِي قَطُّ وَلَا ضَرَبَنِي [1]

- فقر و درویشی کا کامل نمونہ — چٹائی کے داغ جسم پر دیکھے تو صحابہ کرام رض نے قیصر و کسریٰ کی شوکت و حشمت کا حوالہ دیا ۔ اِس پر فرمایا ۔
أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَة . [2]

- شب زندہ دار مجاہد — لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ [3] کے قرآنی اعلان کے باوجود رات بھر اللہ کے حضور کھڑے رہتے صحابہ مغفرتِ عام کا حوالہ دیتے تو فرماتے أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا [4]

- سید البشر افصح العرب — انا سَيِّدُ الْبَشَرِ وَلَا فَخْرَ، أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ [5]

— انا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ [6]

- الغرض ہر لحاظ سے بے مثل و عدیم النظیر — أَحْسَنُ النَّاسِ وَجْهًا وَأَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ۔ [7]

- آں جیسا نہ دیکھا گیا اور نہ دیکھے جانے کا امکان ۔ — لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ [8]

- آپ جیسا کسی ماں نے جنا اور نہ ممکن کہ جنے ۔ — وَلَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ [9]

دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مداحین اِنہیں حقائق سے اپنے اشعار کو مزین کرتے ہیں۔

قاضی عبدالمقتدر (م ۷۹۱ ھ) حسن و جمال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لَهُ الْجَمَالُ إِذَا مَا الشَّمْسُ قَدْ نَظَرَتْ ۔ إِلَيْهِ قَالَتْ أَلَا يَا لَيْتَ ذَٰلِكَ لِي [10]

مجد الدین الفیروز آبادی (م ۸۱۷ ھ) صاحب القاموس المحیط دربارِ حسن و جمال میں یوں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

تَغِيبُ شَمْسُ الضُّحَى مِنْ نُورِ غُرَّتِهِ ۔ إِذَا بَدَا وَجْهُهُ وَالنَّاسُ تَخْجَلُ [11]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ ھ) احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے فضائلِ حسن و جمالِ سیرت کے خیالات اٹھاتے ہیں۔

جَمِيلُ الْمُحَيَّا أَبْيَضُ الْوَجْهِ رَبْعَةٌ ۔ جَلِيلٌ كَرَادِيسُ أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ ۔
صَبِيحٌ مَلِيحٌ أَدْعَجُ الْعَيْنِ أَشْكَلُ ۔ فَصِيحٌ لَهُ الْإِعْجَامُ لَيْسَ بِشَائِبٍ ۔ [12]

حضرت حسان بن ثابت رض کے یہ دو شعر تو حسنِ ظاہری اور جمالِ باطنی کے اظہار کے لئے سند قرار پائے ہیں۔

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي ۔ وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ ۔
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ ۔ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ ۔ [13]

عفو و کرم کے بیان میں حضرت کعب بن زہیر رض کا یہ شعر ایک مقبول اور محمود معیار ہے۔

نُبِّئْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَوْعَدَنِي ۔ وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ مَأْمُولُ [14]

علامہ بوصیری (م ۶۹۶ ھ) کا زورِ بیان اور تشبیہات کا بے ساختہ استعمال دیدنی ہے۔

كَالزَّهْرِ فِي تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِي شَرَفٍ ۔ وَالْبَحْرِ فِي كَرَمٍ وَالدَّهْرِ فِي هِمَمِ ۔ [15]

مولانا فضلِ حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ ھ) کہتے ہیں۔

أَبَرُّ النَّاسِ أَنْدَاهُمْ يَمِينًا ۔ وَأَوْفَاهُمْ جَمِيعًا بِالذِّمَامِ ۔ [16]

مولانا اصغر علی روحی (۱۳۷۳ ھ) عطا و کرم کی بے پایاں نوازشات پر سراپا شکر گزار ہیں۔

عَطَايَا الْيُمْنِ بِهَا عَلَيْنَا ۔ فَنَشْكُرُ مَنْ لَهُ عَنْهُ الْغِنَاءُ [17]

---

① اسد الغابۃ الجزء الاول ص ۲۹ ② صحیح بخاری کتاب التفسیر باب لقد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم ص ۲/۷۳۰ عن عمر بن خطاب ③ الفتح : ۲
④ صحیح بخاری کتاب التفاسیر باب قولہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ص ۲/۷۱۷ عن عائشہ ⑤ العقد الفرید الجزء الثانی ص ۵۸
⑥ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق ص ۲/۲۴۵ ⑦ صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی ص ۱/۵۰۲ عن البراء
⑧ صحیح بخاری ۔ کتاب اللباس باب الجعد ص ۲/۸۷۶ عن انس ۔ ⑨ العقد الفرید الجزء الثالثۃ ص ۸۵ ⑩ نزہۃ الخواطر الجزء الثالث ص ۷۵
⑪ المجموعۃ النبہانیۃ ص ۳/۱۳۲ ⑫ اطیب النغم ص ۶ ⑬ دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۱۰ ⑭ سیرت النبی ابن ہشام الجزء الرابع ص ۱۴۱
⑮ المجموعۃ النبہانیہ ص ۲/۶ ⑯ تذکرہ علمائے دہلی، ص ۹۵ ⑰ ما فی الاسلام جلد اول ص ۔ک ۔

اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محبت کی یہ پرانی رسم ہے کہ محبوب کو خوبصورت القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ عموماً اس جذبۂ محبت کے اظہار کے لئے مروجہ اسماء کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مگر بعض اوقات جذبے کی شدت اور اس کی خصوصی کیفیت نئے اسماء و القاب تراشنے پر مجبور کرتی ہے تاکہ اظہار میں اپنائیت کا عنصر نمایاں ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے ہر مسلمان کو اک گونہ شیفتگی ہے۔ یہ وارفتگی محبت ایمان کی جان ہے اس لئے ہر دور کا مسلمان اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نئے سے نیا اور حسین سے حسین تر نام وضع کرتا رہا ہے۔ قرآن مجید کے اسلوب خطاب نے تعدد اسماء کا شوق پیدا کیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید جب دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو جب ندا دیتا ہے تو ان کا ذاتی نام لیتا ہے۔ جیسے،
يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ [1]، وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ [2]، يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا [3]، وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ [4]، يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ [5] يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ [6]، يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ [7] مگر پورے قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو یا محمد کہہ کر نہ پکارا گیا بلکہ موقع محل کی مناسبت اور نفس مضمون کے مطابق صفاتی اسماء سے خطاب فرمایا جیسے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ [8] يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ [9] يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ [10] يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ [11]، یہ انفرادی شرف اکثر مداحین کے پیش نظر رہا ہے۔ اور وہ عموماً اس کا اظہار بھی کرتے ہیں جیسے امام ابن حجر العسقلانی کہتے ہیں۔ نَبِيٌّ بَرَاهُ اللّٰهُ أَشْرَفَ خَلْقِهِ ۔ وَأَسْمَاهُ إِذْ سَمَّاهُ فِي الذِّكْرِ أَحْمَدَا [12]

قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسماء رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک طویل فہرست موجود ہے جس سے نئے القاب وضع کرنے والوں کو مہمیز اور خوب سے خوب تر کی خواہش کو تحریک ملی ہے۔ قدیم کتب سماویہ اور صحائف میں موجود بیشتر اسماء آپ کی ذات کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ شاید اہل کتاب کے لئے اشارے تھے۔ کہ وہ ایمان و ایقان کی منزل تک پہنچنے میں کسی ذہنی خلجان کا شکار نہ ہونے پائیں۔ شیخ محمد الفاسی رقمطراز ہیں:۔ "ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ قَدْ سَمَّىٰ نَبِيَّهُ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِأَسْمَاءٍ كَثِيرَةٍ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْكُتُبِ السَّمَاوِيَّةِ وَعَلَىٰ أَلْسِنَةِ أَنْبِيَائِهِ عليهم الصلاة والسلام وَفِي أَحَادِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَفِيمَا أَطْلَقَتْهُ عَلَىٰ أُمَّتِهِ مِمَّا اشْتَهَرَ وَتَلَقَّى الْقَبُولَ" اور پھر کثرت اسماء کی یوں توجیہہ کرتے ہیں۔ وَكَثْرَةُ الْأَسْمَاءِ تَدُلُّ عَلَىٰ شَرَفِ الْمُسَمَّىٰ لَاسِيَّمَا وَهِيَ أَوْصَافُ مَدْحٍ دَالَّةٌ عَلَىٰ ذٰلِكَ بِمَعَانِيهَا [13]

کتب سماویہ میں مذکورہ اسماء کی فہرست خاصی طویل ہے اور بعض علماء نے ان کے استخراج پر بہت محنت کی ہے۔ کتب اسلاف کا ماحصل علامہ یوسف النبہانی (م ۱۳۵۰ھ) نے حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى الْعَالَمِين میں درج کیا ہے اور بیسیوں نام گنوائے ہیں مثلاً ماذ ماذ (طیب طیب)، فارقلیط (یعنی فاروق حق و باطل) منحمنا (یعنی محمد) الحمطایا (حامی الحرم) اخوناج (یعنی مسیح الاسلام) قدماَیا (یعنی السابق الاول) اور اخرایا (یعنی آخر الانبیاء) [14]

قرآن مجید میں مندرج اسماء میں سے چند یہ ہیں مُحَمَّد [15] أَحْمَد [16]، الْمُزَّمِّل [17]، الْمُدَّثِّر [18]، الْبَشِير [19]، النَّذِير [20]، الدَّاعِي [21]، الصَّاحِب [22] النبی الامی [23]، السِّرَاج [24]، الشَّاهِد [25]، الْمُبَشِّر [26] الْمُعَلِّم [27]، الْمُزَكِّي [28]، التَّالِي [29]، الرَّءُوف [30] الرَّحِيم [31] رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِين [32]

---

(۱) البقرۃ: ۳۵۔ (۲) الصافات: ۱۰۴۔ (۳) ھود: ۷۶۔ (۴) طٰہٰ: ۱۷۔ (۵) مریم: ۷۔ (۶) مریم: ۱۲۔ (۷) آل عمران: ۵۵۔
(۸) المائدہ: ۶۷ (۹) الانفال: ۶۴۔ (۱۰) المزمل: ۱۔ (۱۱) المدثر: ۱۔ (۱۲) دیوان ابن حجر: ص ۲۸۔
(۱۳) مطالع المسرات: ص ۸۲۔ (۱۴) حجۃ اللہ علی العالمین النبہانی ص ۱۱۲، ۱۱۳ (۱۵) آل عمران: ۱۴۴، الاحزاب: ۴۰، محمد: ۲۔ الفتح: ۲۹۔ (۱۶) الصف: ۶۔ (۱۷) المزمل: ۱۔ (۱۸) المدثر: ۱۔ (۱۹) البقرۃ: ۱۱۹، الاعراف: ۱۸۸، ھود: ۲، سبا: ۲۸، فاطر: ۲۴۔ (۲۰) البقرۃ: ۱۱۹۔ الاعراف: ۱۸۴، ۱۸۸، ھود: ۲، ۱۲، ۲۵، الحجر: ۸۹، الحج: ۴۹، الشعراء: ۱۱۵۔ العنکبوت: ۵۰، فاطر: ۲۳، ص: ۷۰، الاحقاف: ۹، الذاریات: ۵۰، ۵۱، الملک: ۲۶۔
(۲۱) الاحزاب: ۴۶۔ (۲۲) النجم: ۲۔ (۲۳) الاعراف: ۱۵۷، ۱۵۸۔ (۲۴) الاحزاب: ۴۶۔ (۲۵) الاحزاب: ۴۵، الفتح: ۸، (۲۶) الاحزاب: ۴۵، (۲۷) آل عمران: ۱۶۴، الجمعۃ: ۲، (۲۸) آل عمران: ۱۶۴، الجمعۃ: ۲، (۲۹) آل عمران: ۱۶۴
(۳۰) التوبۃ: ۱۲۸، (۳۱) التوبۃ: ۱۲۸، (۳۲) الانبیاء: ۱۰۷

کتب احادیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایسے اسماء روایت ہوئے ہیں جو آپ کی عظمت کے اظہار کے ساتھ آپ کی منفرد حیثیت کا بیان بھی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ کی شخصیت کے کسی خاص رخ کو واضح کرنا چاہتے تو کسی مناسب صفاتی نام سے یاد کرتے تاکہ سامع کو آپ کی سیرت کے مطلوب پہلو کی تفہیم میں آسانی ہو۔ چند مشہور اسماء یہ ہیں۔ محمد، احمد، الماحی الحاشر، العاقب [۱]، المقفی، نبی التوبۃ، نبی الرحمۃ [۲] نبی الملحمۃ [۳] النبی المصطفیٰ [۴] خاتم النبیین [۵]، سید العالمین، رسول رب العالمین، رحمۃ للعالمین [۶] الصادق المصدوق [۷] حبیب اللہ، حامل لواء الحمد [۸] ابو القاسم آپ کی کنیت ہے [۹] جس کے بارے میں احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ کسی دوسرے کو یہ کنیت اپنانے کی اجازت نہیں۔ ارشاد ہوا "تسمّوا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی" [۱۰]

ارادت مندوں نے اسماء صفات کی طویل فہرستیں تیار کیں "الانوار المحمدیۃ من المواہب اللدنیۃ میں ۱۶۱ اسماء کا تذکرہ ہے [۱۱] جبکہ مطالع المسرات ۱۹۹ کا [۱۲] سلطان باہو (م ۱۱۰۲ھ) نے ۷۰ اسماء درج کیے [۱۳] آغا حافظیا نے قرآن مجید سے ۱۰۳ اور احادیث نبویہ سے ۱۹۲ اسماء کا استخراج کیا۔ [۱۴] المواہب اللدنیہ میں چار سو سے زائد کا ذکر ہے [۱۵] مولانا احمد رضا خان (م ۱۳۴۰ھ) نے احادیث نبویہ سے ایک ہزار سے زائد اسماء مقدسہ کا سراغ لگایا [۱۶] بعض صوفیا نے بھی ایک ہزار اسماء بتائے ہیں [۱۷] بلکہ اس فہرست کو دو ہزار تک پہنچایا ہے [۱۸]۔

شعراء کرام نے ان میں سے کثیر تعداد کو نظم کیا ہے۔ بعض نے چند کا ذکر کیا مگر بعض نے تفصیلی تذکرے کیے اور ان کی معنوی اہمیت کو مدح گوئی کا حصہ بنایا۔ مجد الدین الفیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) کہتے ہیں۔

مُبَشِّرٌ نَسِیْبٌ وَسِیْمٌ طَاہِرٌ رَؤُفٌ — نُوْرٌ مُقَفٍّ شَہِیْدٌ فِیْہِ مَنْقُوْلٌ

وَحَاشِرٌ عَاقِبٌ یٰسِیْنُ مُدَّثِّرٌ — طٰہٰ شَفِیْعٌ لَنَا فِی الْحَشْرِ مَقْبُوْلٌ [۱۹]

اور شمس الدین النواجی (م ۸۵۹ھ) اسماء کا تذکرہ کرتے ہیں۔

بَشِیْرٌ نَذِیْرٌ شَافِعٌ وَمُشَفَّعٌ — سِرَاجٌ مُنِیْرٌ مَاشِفٌ کُلَّ غُمَّۃٍ [۲۰]

نَبِیٌّ کَرِیْمٌ نَافِعٌ وَمُشَفَّعٌ — رَؤُفٌ رَحِیْمٌ طَاہِرٌ وَمُطَہَّرٌ [۲۱]

مخدوم محمد ہاشم (م ۱۱۷۴ھ) ایک مسدس میں اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

سِرَاجٌ مُنِیْرٌ شَاہِدٌ وَمُبَشِّرٌ — بَدِیْعُ صِفَاتِ الْحُسْنِ نُوْرٌ وَمُنَوِّرٌ

لَنَا فِیْ جَمِیْعِ الْمَعْصِیَاتِ مُطَہِّرٌ — نَبِیٌّ وَمُوْحٍ ذَاکِرٌ وَمُذَکِّرٌ

نَشْتَاقُ وَجْہَا الْحَبِیْبِ وَسِیْمًا — صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا [۲۲]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کا انداز بیان احادیث سے متاثر ہے کہتے ہیں۔

رَؤُفٌ رَحِیْمٌ اَحْمَدٌ وَمُحَمَّدٌ — مُقَفًّی وَمِفْضَالٌ یُسَمّٰی بِعَاقِبٍ [۲۳]

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول، کتاب المناقب، باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ، صفحہ ۵۰۱ عن جبیر بن مطعم۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فی اسماء رسول اللہ، صفحہ ۲۶۱/۲؛ جامع ترمذی، باب ما جاء فی اسماء النبی صفحہ ۱۳۶/۲۔ (۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فی اسماء رسول اللہ صفحہ ۲۶۱ ۔ شمائل الترمذی باب ما جاء فی اسماء النبی صفحہ ۳۱۔ طبقات الجزء الاول صفحہ ۱۰۵ (۳) شمائل الترمذی باب ما جاء فی اسماء النبی صفحہ ۳۱، طبقات الجزء الاول صفحہ ۱۰۵، الاستیعاب جلد اول صفحہ ۲۱۔ (۴) الامن والعلی احمد رضا خان بحوالہ امام صفحہ ۱۰۳۔ (۵) صحیح بخاری، کتاب المناقب باب خاتم النبیین، صفحہ ۵۰۱۔ (۶) جامع الترمذی، باب ما جاء فی بدء نبوۃ النبی، صفحہ ۲۲۵/۲۔ (۷) صحیح بخاری جلد اول کتاب المناقب باب علامات النبوۃ، صفحہ ۵۰۹، کتاب الرد علی الجہمیہ، صفحہ ۱۱۱۰/۲ (۸) جامع ترمذی، ابواب المناقب، صفحہ ۲۲۲/۲۔ (۹) طبقات الجزء الاول: صفحہ ۱۰۶۔ (۱۰) صحیح بخاری جلد اول کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صفحہ ۲۱ (۱۱) الانوار المحمدیۃ من المواہب اللدنیہ، صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۴۔ (۱۲) مطالع المسرات صفحہ ۱۲۲ تا ۱۳۴۔ (۱۳) عقل بیدار، سلطان باہو صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۶ (۱۴) لوح محفوظ، آغا حافظیان: صفحہ ۸۹ تا ۹۲۔ (۱۵) المواہب اللدنیہ، (۱۶) المعروف الاسماء الحسنیٰ فیما لنبینا من الاسماء الحسنیٰ مخطوطہ ۱۳۰۶ھ منقول از اعلیٰ حضرت احمد رضا اکرم حدیث، مولانا فیض احمد اویسی: صفحہ ۱۹ (۱۷) مطالع المسرات، صفحہ ۸۲۔ (۱۸) حوالہ مذکورہ صفحہ ۸۳۔ (۱۹) المجموعۃ النبہانیۃ صفحہ ۱۳۲/۲ (۲۰) المجموعۃ النبہانیہ جلد اول صفحہ ۵۳۰۔ (۲۱) المجموعۃ النبہانیۃ: صفحہ ۲۲۲/۲۔ (۲۲) قلمی نسخہ فوٹو کاپی کی صورت میں موجود ہے۔ (۲۳) اطیب النغم صفحہ ۱۴۔

سوانحِ حیات

مدح نگاری کا مرکزی عنصر سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکار یعنی آپ کی حیات طاہرہ کا بیان ہے "سیرت" کے واقعات میں مداحین کے نزدیک سب سے زیادہ توجہ کا مستحق " ولادت " کا واقعہ ہے۔ پیدائش سے قبل کے حالات، پیشین گوئیاں، آثارِ رحمت[1]، عجائب کا ظہور، جناب آمنہ سے بعض خوارق کی حکایت، بحیرہ ساوہ کا خشک ہونا، کسریٰ کے محلات کے کنگروں کا گرنا، آتش کدۂ ایران کا بجھ جانا، مختون اور ناف بریدہ متولد ہونا[2]، محمد اور احمد ناموں کے اشارات[3]، حلیمہ سعدیہ کے ہاں رضاعت اور شقِ صدر کا واقعہ[4]۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات جن سے نومولود کی عظمت اور شرافت کا اظہار ہوتا تھا۔ ہمارے مدح گوؤں کی توجہ کا مرکز بنے ہیں۔ آپ کی ولادت صبح نو کی نوید تھی اس لئے شعرائے اس پر خصوصی توجہ دی ہے۔ محافل کا انعقاد ہونے لگا اور اظہارِ تشکر کے لئے واقعاتِ سیرت دہرائے جانے لگے۔ ولادت کی مناسبت سے قصائد لکھے گئے مولد النبی پر مستقل تصانیف معرضِ وجود میں آئیں۔ جن میں مقفیٰ نثر ہوتی اور برمحل اشعار سے انہیں دو آتشہ کیا جاتا۔ دارالکتب المصریہ میں ایسے ۸۳ موالید کا سراغ ملتا ہے[5]، اندلس میں میلاد کی محافل میں قصائد کا عام رواج ہوا۔ نفح الطیب میں ایسے کئی قصیدے موجود ہیں۔ جو شب ولادت کی تقریب کے لئے تصنیف ہوئے۔ جیسے لسان الدین الخطیب[6] (م ۷۷۶ھ) اور ابن خلدون[7] (م ۸۰۸ھ) کے قصائد ایسے ہی موقعوں پر پڑھے گئے ہیں۔

بچپن اور لڑکپن کا دور بھی عقیدت مندوں کے پیش نظر رہا ہے۔ جاہلی دور کا سرکش معاشرہ، بت پرستی، لوٹ مار کا دور، تمرد و عصیان کا ماحول اور ان سب قباحتوں میں ایک نوجوان کا اپنے دامن کو بچاتے ہوئے برائی کی دلدل سے باسلامت گزر جانا ایک ایسا کارنامہ ہے جو نئے دور کے آغاز کا پیغام بنا۔ تاریکی کے ایسے عالم میں آپ کا نورانیت بخش وجود تاریخ انسانی کی ایسی بڑی سچائی ہے کہ تمام مورخین کی نظریں یہاں رکی ہے اور ہر شاعر اس آستانۂ انوار پر عقیدت کے پھول چڑھا رہا ہے۔

حرب فجار میں آپ کا غیر جانبدارانہ کردار[8]۔ تنصیب حجرِ اسود کے موقع پر آپ کے تدبر کا بے مثال اظہار[9]۔ ثناخوانِ رسول کی توجہ کا مرکز رہا کیونکہ " کانت ھذہٖ فضیلۃ لرسول اللہ علی عشائر قریش "[10]۔ پھر ابتدائے وحی کے واقعات اور تبلیغ اسلام کی مشکلات، مشن کی اشاعت میں آپ کی شبانہ روز محنت، مخالفت کے طوفان، ہجرت حبشہ[11]، شعب ابی طالب کی محصوری[12]، عہد نامہ کی بوسیدگی[13]، اور طائف کا سفر[14]، یہ راہِ حق کی مشکلات کی ایسی روداد ہے کہ ہر شاعر کو دعوتِ سخن دیتی ہے۔

ہجرت مدینہ تبلیغ دین کی کامرانیوں کا نقطۂ آغاز ہے۔ مدینہ منورہ میں یہ دن جشن کا سماں دکھاتا ہے۔ ہر شہری خوش ہے۔ اس بے پایاں مسرت کی حضرت ابراء بن عازب یوں حکایت کرتے ہیں۔ فما رأیت اھل المدینۃ فرحوا بشیئ فرحھم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم[15] مدینہ منورہ میں آپ کی آمد نئے دور کا سنگ میل ہے اس لئے ہر مدح گو یہاں ضرور ٹھہرتا ہے۔ وہ چشم تصور میں مدینہ کی گلیوں میں ننھی ننھی بچیوں کو عقیدت و محبت کے لازوال ترانے الاپتے دیکھتا ہے۔ اور سرخوشی میں خود بھی ان پاکیزہ جذبات کا حصہ بن جاتا ہے اور اپنی آواز کو ان معصوم آوازوں میں شامل کر دیتا ہے

؎ طلع البدر علینا ، من ثنیات الوداع : وجب الشکر علینا ، ما دعا للہ داع[16]

بعض روایات میں ایک شعر کا اضافہ بھی مروی ہے۔ ــــــ ایھا المبعوث فینا ، جئت بالامر المطاع[17]

---

(۱) الخصائص الکبریٰ الجزء الاول، ص ۴۵، ۵۲، – (۲) حوالہ مذکورہ، ص ۵۳ – (۳) الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ الجزء الاول ص ۳۶، ۱۴،
(۴) الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی ، ص ۱۳۲، ۱۳۳ (۵) المدائح النبویۃ فی الادب العربی – زکی مبارک ، ص ۲۰۱ – (۶) نفح الطیب الجزء التاسع ص ۱۵۴،
(۷) نفح الطیب ، ص ۲۸۶/۲ ، (۸) سیرۃ النبی ابن ہشام الجزء الاول ، ص ۲۰۱ ، – (۹) حوالہ مذکورہ ، ص ۲۰۹، ۲۱۰ ، – (۱۰) اسد الغابۃ الجزء الاول ص ۱۴،
(۱۱) صحیح بخاری جلد اول باب ہجرۃ الحبشۃ ص ۵۴۴ (۱۲) سیرۃ النبی ابن ہشام ، الجزء الاول ، ص ۳۴۲ ، – (۱۳) حوالہ مذکورہ ، ص ۳۹۹، ۴۰۰ ،
(۱۴) سیرۃ النبی ، ابن ہشام ، ص ۲۸/۲ ، – (۱۵) صحیح بخاری ، جلد اول ، باب مقدم النبی واصحابہ الی المدینہ ، ص ۵۵۵ ،
(۱۶) الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی ، ص ۳۰۲ – (۱۷) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ لنور الدین السمہودی الجزء الاول ، ص ۲۶۲ ،

مدینے میں سلطنتِ اسلامیہ کے قیام سے مخالف قوتیں زیادہ پرجوش ہو جاتی ہیں۔ اور مدینہ اُن کے حملوں کی زد میں آجاتا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ کفر پسپا ہونے لگتا ہے اور مخالفت کے تمام حصار ایک ایک کرکے ٹوٹتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پورے جزیرہ نما پر اسلام کا ہلالی پرچم لہرانے لگتا ہے۔ اس ستیزہ کاری میں کئی مشکل مرحلے بھی آئے مگر بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک کے غزوات کو اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے زیادہ اہمیت نصیب ہوئی۔ بقول علامہ ابن سعد کل ۲۷ غزوات اور ۴۷ سریات[1] اس آویزشِ حق و باطل کے درمیان پیش آئے، مداحین ان غزوات کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجاہدانہ سیرت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور ضمناً آپ کی روحانی و ملکوتی قوت، قائدانہ صلاحیت اور حسنِ تدبیر کو خراجِ محبت پیش کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ کا وصال صحابہ کرام کے لئے ایک سانحہ تھا۔ غم و افسردگی کی چھاپ بڑی گہری تھی مگر یہ فضا زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ عہدِ صحابہ کرام میں مراثیٔ رسولؐ کی شکل میں غم و اندوہ کے جذبات کو زبانِ شعر ملی۔ متعدد صحابہ سے درد انگیز مرثیے منقول ہیں جن میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت ابوسفیان بن حارث، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کے مرثیے بڑے نمایاں ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے اکثر صحابہ کرام سے حتیٰ کہ خلفاء اربعہ سے بھی اس سانحۂ ارتحال کے متعلق چند اشعار نقل کئے ہیں[2] اگرچہ بعض اشعار کی نسبت محلِ نظر ہے۔ ہم ان کا ذرا تفصیلی تذکرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مدائح کے ضمن میں پیش کریں گے۔ عہدِ صحابہ کے بعد وفاتِ رسولِ اکرمؐ موضوعِ سخن نہ رہا۔ اور مداحین آپ کی توصیف و تعریف ہی میں مشغول رہے۔

حضرت کلیب بن اُسید الحضرمی رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلِ وسلم کے بارے میں کتبِ سابقہ کی پیشین گوئیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:۔

أَنْتَ النَّبِيُّ الَّذِي كُنَّا نُخَبَّرُهُ ـ وَبَشَّرَتْنَا بِهِ التَّوْرَاةُ وَالرُّسُلُ[3]

امام زمخشری (م ۵۳۸ھ) آپؐ کے خاندان کی شرف و عظمت اور پاکدامنی کا تذکرہ کرتے ہیں:۔

اَلْفَضْلُ فَضْلُ نَبِيٍّ مِنْ بَنِي مُضَرَ ـ إِلَيْهِ أَفْضَلُ خَلْقِ اللّٰهِ مَفْضُولُ
تَاللّٰهِ مَا لَاقَهُ صُلْبٌ وَلَا رَحِمٌ ـ إِلَّا عَلَى الطُّهْرِ وَالْإِنْجَابِ مَجْبُولُ[4]

لسان الدین الخطیب (م ۷۷۶ھ) ولادت کے وقت خوارق کے ظہور کی طرف اشارہ کرتے ہیں:۔

وَمِنْ رُعْبِهِ الْأَوْثَانُ خَرَّتْ مَهَابَةً ـ وَمِنْ هَوْلِهِ إِيوَانُ كِسْرَى قَدِ انْهَدَّا[5]

قاضی طلا محمد پشاوری (م ۱۳۱۰ھ) اسی واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتے ہیں:۔

سِرَاجٌ مُنِيرٌ زَاهِدٌ مُتَوَرِّعٌ ـ بِمِيلَادِهِ اِيوَانُ كِسْرَى تَهَدَّمَا[6]

مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۲۵ھ) خاندانی وجاہت کا حوالہ دیتے ہیں:۔

سهل العريكه أكرم العرب الالى ـ خير العباد وخيرة العبّاد
خير الورى بيتاً واخير محتداً ـ ونبيهم من معدن متطاد[7]

---

(۱) طبقات الجزء الثانی ص ۲۱۵ـ (۲) المجموعة النبهانیه للنبهانی، الجزء الأوّل: ص ۲۸ تا ۵۲ـ
(۳) الاصابه الجزء الثالث: ص ۲۸۹ (۴) المجموعة النبهانیه الجلد الثالث: ص ۳۲ـ
(۵) نفح الطیب الجزء التاسع ص ۱۵۹ـ (۶) العروة الوثقیٰ: فی اسماء اهل التقیٰ: ص ۶۴ـ
(۷) لفحة العنبر، ص ۱۸۰ـ

پیغمبرانہ عظمت،

پیغمبرانہ عظمت کے اظہار کے لئے شعراء کے ہاں وہ تمام روایات نظم ہوئی ہیں جن میں آپؐ کے کسی امتیازی وصف کا بیان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تحدیث نعمت کے طور پر اپنی انفرادی اور امتیازی حیثیت کا کئی بار ذکر فرمایا۔ ان میں اُن پانچ اوصاف کا ذکر تو اکثر کتب حدیث میں موجود ہے جو آپؐ کی برگزیدہ حیثیت اور آپؐ کے مقام کی رفعت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

"نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا۔ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ" [۱]،

"نورِ محمدی" کی تقدم تخلیق اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل منصبِ نبوت سے سرفرازی
(عن ابی ہریرہؓ قَالَ قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ) [۲]،
شعراء کا مرغوب موضوع ہے۔ نواب صدیق حسن (م ۱۳۰۷ھ) شہادت دیتے ہیں:-

ثَبَتَتْ نُبُوَّتُهُ وَآدَمُ جَدُّنَا — قَدْ كَانَ فِي أَسْرِ الثَّرَى وَالْمَاءِ [۳]،

اور ابن العربی (م ۶۳۸ھ) کہتے ہیں:-

أَلَا بِأَبِي مَنْ كَانَ مَلِكًا وَسَيِّدًا — وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ وَاقِفُ [۴]،

انبیاء سابقین پر شرف و فضیلت کا ذکر بھی اکثر شعراء نے کیا ہے۔ ایسے تقابل جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی تاکہ کسی نبی کی تنقیص کا کوئی پہلو نہ نکل آئے۔ مگر شعراء اس فضیلت کے اظہار کا کوئی نہ کوئی موقعہ نکال ہی لیتے ہیں۔ امام بوصیری (م ۶۹۶ھ) نے مجالس کی طرف واضح اشارہ کیا ہے:-

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِي خَلْقٍ وَفِي خُلُقٍ — وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمِ [۵]

تعلیمات و ہدایات کا بیان منظوم سیرت نگاری کا حصہ ہے۔ تعلیمات کی ہمہ گیریت، ارشادات کی وسعت اور احکامات کی دائمی حیثیت کا تذکرہ شعر کی زبان سے بھی ادا ہوتا رہا ہے۔ انسانی شرف کا تحفظ، غلاموں کے حقوق کی نگہداشت، عورتوں کے معاشرتی مرتبے و مقام اور ان کے حقوق و فرائض کا توازن ہر دور میں موضوعِ شعر رہا ہے۔ دورِ زوال کی اندوہ ناکیوں کے بعد آزادی کی تڑپ اور تحفظِ ذات کے تصور نے ان تعلیمات کو بہت محبوب بنا دیا ہے۔ دورِ جدید کے شعراء کے ہاں تعلیمات سے مستفید ہونے کی خواہش نے تعلیمات کو مدحیہ شاعری میں ایک بنیادی عنصر کی حیثیت دی ہے (اس پر تفصیلی گفتگو، دورِ جدید کی نعتیہ شاعری پر گفتگو کے ذیل میں پیش کی جائے گی)۔ ختمِ نبوت، قدیم و جدید ہر شاعر کے ہاں قابلِ توجہ موضوع رہا ہے۔ برِ صغیر پاک و ہند میں فتنۂ قادیانیت کے برپا ہونے کے بعد سے تو اسے خصوصی توجہ ملی ہے۔ اور اکثر شعراء نے اسے موضوعِ شعر بنا لیا ہے۔ مولانا کرم الدین دبیر کا بے نقط قصیدہ اس کی عمدہ مثال ہے [۶]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی انسانیت کی معراج ہے۔ آپؐ انسانِ کامل ہیں اور سب انسانوں کے راہبر و راہنما، آپ کی یہ آفاقی حیثیت آج کی سمٹتی ہوئی دنیا کے لئے مینارۂ نور ہے۔ انسان انسان کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا ایک وحدت بنتی جا رہی ہے۔ اسلئے پوری انسانیت کو ایک مشترک رہنما کی ضرورت ہے۔ جو سب کے درمیان محترم ہو۔ اور سب میں ربط و ضبط قائم کرے۔ اور یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے سوا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے دورِ جدید کا انسان اس آفاقی پس منظر میں آپ کی کافۃً للناس ؐ کی حیثیت کو زیادہ بہتر طریق سے خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہے۔ احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) کہتے ہیں:-

الْمُصْلِحُوْنَ أَصَابِعٌ جُمِعَتْ يَدًا — هِيَ أَنْتَ بَلْ أَنْتَ الْيَدُ الْبَيْضَاءُ [۸]،

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول، کتاب الصلوٰۃ باب قول النبی جعلت لی الارض مسجداً و طہوراً ص ۶۲ (۲) جامع ترمذی، ابواب المناقب ص ۲۲۴/۲،
(۳) مآثر صدیقی جلد دوم، ص ۲۹، (۴) المجموعۃ النبہانیہ جلد ثانی ص ۳۸۲، (۵) المجموعۃ النبہانیہ الجزء الرابع ص ۵
(۶) تازیانۂ عبرت، مرتبہ مولانا کرم الدین دبیر، ص ۴۷-۴۸ (۷) السباء ص ۲۸،
(۸) الہمزیۃ النبویہ، مترجم قاری فیوض الرحمٰن، ص ۱۷،

مُعجزات

معجزہ کیا ہے؟ عبدالوہاب الشعرانی (م ۹۰۷ھ) وضاحت کرتے ہیں۔: وَقَدْ حَدَّ جُمْهُورُ الْأُصُولِيِّينَ الْمُعْجِزَةَ بِأَنَّهَا أَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ مَقْرُونٌ بِالتَّحَدِّي "[1] علمِ اصول کے جمہور علماء کے نزدیک معجزہ وہ خارقِ عادت ہے جو نبی سے اُس کی نبوت کی صداقت کے لئے سرزد ہو۔ بعض اوقات عقلی دلائل اور نظری براہین ظاہر بین انسانوں کو قائل نہیں کرسکتے۔ ایسے میں خلافِ عادت افعال کی وقوع پذیری بہت ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ اکثر انبیاء کرام سے ایسے خوارق کا ظہور ہوا تا کہ نبوت کی ماورائی عظمت آشکار ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسے خوارق کا ظہور ہوا جنہیں دینی لغت میں معجزہ کہتے ہیں۔ ایسے معجزات کی تعداد کثیر ہے۔ ہر کتابِ حدیث میں ان کا تذکرہ ہے۔ اگرچہ بعض ایسی تصنیفات بھی ہیں۔ جن کا معتدبہ حصّہ معجزات کے بیان کے لئے وقف ہے۔ جیسے علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ (م ۵۴۴ھ) کی کتاب " الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ "[3] علامہ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) کی "الخصائص الکبریٰ" ۔ علامہ یوسف النبھانی (م ۱۳۴۵ھ) کا حجۃ اللہ علی العالمین اور اسی قسم کی کئی اور کتابیں معجزات کے تفصیلی بیان کے لئے وقف ہیں۔

المدائح النبویہ کے مشتملات میں معجزات کی حیثیت ہمیشہ سے ہی نمایاں ہے۔ علامہ الصرصری (م ۶۵۶ھ) ، الوتری (م ۶۶۲ھ) علامہ بوصیری (م ۶۹۶ھ) الشہاب محمود (م ۷۲۵ھ) اور البوعی (م ۸۰۳ھ) کے قصائد کا اکثر حصہ معجزات پر مشتمل ہے۔ برصغیر کے شعراء میں عبدالمقتدر (م ۷۹۱ھ)۔ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) ۔ شاہ ولی اللہ محدّث (م ۱۱۷۶ھ) ۔ غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) شاہ رفیع الدین محدّث (م ۱۲۳۳ھ) اور مولانا فضلِ حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) کے کلام میں معجزات کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ حبیب الرحمٰن عثمانی (م ۱۳۴۸ھ) نے اپنے قصیدے "لامیۃ المعجزات" میں سَو معجزات نظم کئے ہیں۔[2]

معجزات سے شیفتگی بڑھی تو عام واقعات میں بھی خوارقِ عادت عنصر تلاش کیا جانے لگا۔ اِس طرح معجزات کا حصر ناممکن ہوگیا۔ پھر ایک ہی معجزے کو کئی پہلوؤں سے اور کئی حصّوں میں تقسیم کرکے دیکھا گیا۔ اور تعداد مزید بڑھ گئی۔ اِس متکلفانہ روش سے صرفِ نظر بھی کرلیا جائے۔ تب بھی معجزات کی ایک کثیر تعداد کتبِ احادیث و سیرت میں موجود ہے۔ یہاں صرف چند اُن معجزات کا ذکر مناسب ہوگا۔ جو مدح خوانوں کے ہاں خصوصی توجہ کے مستحق ٹھہرے ہیں۔

قرآن کلامِ الٰہی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے، جو تا ابد باقی ہے۔ اور یہ منصبِ رسالت کی صداقت کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ اِس کے بے مثل ہونے کا اعتراف تو ولید بن مغیرہ سردارِ قریش کو بھی تھا۔ کہتا ہے۔" وَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ مِنْ مُحَمَّدٍ كَلَامًا مَا هُوَ مِنْ كَلَامِ الْإِنْسِ وَلَا مِنْ كَلَامِ الْجِنِّ وَإِنَّ لَهُ لَحَلَاوَةً وَإِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً "[3] قرآن خود اپنی معجزانہ عظمت کا اعلان کرتا ہے۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا "[4] ، قرآن تمام معجزات میں سرِ فہرست ہے اور تا ابد نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برہانِ قاطع ہے۔ مولانا اصغر علی رُوحی (م ۱۳۷۳ھ) کہتے ہیں:-

> كِتَابٌ نَاطِقٌ بِالْوَحْيِ حَقًّا — بِآيَاتٍ فَهُنَّ لَنَا الشِّفَاءُ
>
> كِتَابٌ لَا يُدَانِيهِ ارْتِيَابٌ — وَكَلَّا فِي جِذْمِ مَعْنَاهُ ارْتِيَاءُ[5]

مولانا یوسف بنوری (م ۱۳۹۷ھ) قرآنی معجزے کا ذکر کرتے ہیں۔

> مُحَمَّدٌ جَاءَ بِالْقُرْآنِ مُعْجِزَةً — دَامَتْ لَنَا رَوْضَةً مَخْضَرَّةً أَلْفَا[6]

معراج اپنی وسعت و عظمت کی بنا پر تمام مدح نگاروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ حرمِ مکّہ سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر، براق کی برق رفتاری، راستے کے عجائبات و تمثیلات، مسجدِ اقصیٰ میں انبیائے کرام کی امامت، معراج کا عمودی سفر، آسمانِ دنیا سے عرشِ اعلیٰ تک کے فاصلے اور پیش آمدہ واقعات۔ سدرہ پر جبرئیلِ امین کا ہم رکابی سے معذرت، صریفِ اقلام، عرشِ عظیم کی مسند نشینی، اللہ سے ہم کلامی اور مشاہدۂ ذاتِ حق، یہ سب واقعۂ معراج کے مضمنات ہیں۔ شعرا کے طائرِ خیال کے لئے اِس سفرِ عروج میں طبع آزمائی کے بہت سے پہلو پوشیدہ ہیں۔ ہر شاعرِ مدحِ رسالت کے بیان میں اس واقعے سے تحریک پاتا رہا ہے، بعض نے تو معراجیہ قصائد لکھے جن میں واقعاتِ معراج کا حصر مقصود رہا۔

---

① الیواقیت والجواہر، الشعرانی بحث: ۲۹ ② لامیۃ المعجزات۔ حبیب الرحمٰن عثمانی مطبع قاسمی دیوبند، ۱۳۴۳ھ۔ ③ تاریخ الادب العربی (۲) العصر الاسلام لڈاکٹر شوقی ضیف، ص ۳۰ ④ الاسراء، ص ۸۸۔ ⑤ ما فی الاسلام جلد اول ص ک، ⑥ رسالہ البینات۔ خصوصی اشاعت ص ۲۱۱

⑦ صحیح البخاری، جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ، باب، کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء، ص ۵۱۔ کتاب بدء الخلق۔ باب، ذکر الملائکۃ: ص ۴۵۵، ص ۴۵۲۔ باب، حدیث الاسراء، ص ۵۴۸، ۵۴۹، ص ۵۵۰۔ جلد ثانی کتاب الرد علی الجھمیۃ، باب قول اللہ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ ص ۱۱۱۹، ص ۱۱۲۰۔ صحیح المسلم جلد اوّل کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۹۱ تا ۹۴ اور دیگر کتبِ احادیث

شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ) کا پورا قصیدہ واقعۂ معراج پر لکھا گیا۔ ۱

شق قمر کی طرف قرآن مجید میں اشارہ موجود ہے۔ ۲ اور احادیث کی کتابوں میں تفصیل ملتی ہے ۳، شقِ صدر کئی بار ہوا۔ اس لئے معمولی لفظی تبدیلیوں کے ساتھ کئی بار روایت ہوا ہے۔ ۴ استن حنانہ شعری ذوق کی تسکین کا باعث ہے۔ فراق کی کیفیات کے اظہار کے لئے یہ ایک عمدہ تمثیل ہے۔ اکثر شعراء اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور اپنے قلبی اضطراب کو استن حنانہ کی زبان بخشتے ہیں ۵۔

قاضی طلا محمد پشاوری (م، ۱۳۱۰ھ) کہتے ہیں۔

لَهُ حَنَّ جِذْعٌ فِي الْأَسَاطِينِ ثَابِتًا — لَهُ شَقَّ قُرْصُ الْبَدْرِ فِي مَطْلَعِ السَّمَا ۶

سراقہ بن مالک کا ہجرت کے سفر میں تعاقب کرنا اور اس کے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا ۷، سر اقدس پر ابر کا سایہ فگن رہنا ۸۔ شجر و حجر کا سجدہ ریز ہونا اور سلام کہنا ۹۔ دعا سے بارش کا نازل ہونا ۱۰، اور انگلیوں سے چشموں کا پھوٹنا ۱۱ مداحین کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ وہ ان فیضان کا تذکرہ کریں اور اپنے لئے بھی ایسے ہی انعام کی درخواست کریں۔ محمد حسن السنبھلی (م ۱۳۰۵ھ) اس فیض عام کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

يَا مَنْ تَكَثَّرَ خَيْرُهُ يَا مَنْ أَصَابِعُهُ جَرَتْ — يَا مَنْ لَهُ نَصْرُ الصَّبَا يَا مَنْ إِلَيْهِ أَتَى الشَّجَرُ ۱۲

ان کے علاوہ جابر بن عبداللہؓ ۱۳ اور ام سلیمؓ ۱۴ کے ہاں کھانے میں برکت کی دعا۔ حضرت قتادہؓ کی پھوٹی ہوئی آنکھ پر دست شفا پھیرنا ۱۵ اور اس کا پہلے سے کہیں بہتر ہو جانا اس کیمیا اثر دعا کی برکات شعراء کو مدح نگاری کی تحریک دیتی ہے۔ حضرت قتادہ الانصاریؓ کا صاحبزادہ دربار اموی میں اپنا تعارف اسی معجزے کے حوالے سے کراتا ہے۔

أَنَا ابْنُ الَّذِي سَالَتْ عَلَى الْخَدِّ عَيْنُهُ — فَرُدَّتْ بِكَفِّ الْمُصْطَفَى أَحْسَنَ الرَّدِّ ۱۶،

اسی طرح خیبر میں حضرت علیؓ کے آشوب چشم کا ازالہ ہونا ۔۱۷، ان کے علاوہ بھی کثیر تعداد کا ذکر محدثین نے کیا اور شعراء نے مدح رسولؐ میں انہیں فضائل و کمالات کی علامتوں کے طور پر استعمال کیا۔

ذات اقدس کا ہر ہر عضو معجزانہ شان رکھتا ہے۔ مدح خوانوں نے ایک ایک عضو کا ذکر کیا ہے۔ دست کرم، نظرِ شفقت اور دم مسیحائی کے تذکرے عام ہوئے۔ قدمین کے ذکر پر تو خصوصی توجہ رہی اور ان کی مناسبت سے خاکِ قدم خاک شفا قرار پائی اور سرمۂ چشم نگاراں شمار ہوئی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :—

"بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيلَتِكَ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى أَنْ أَقْسَمَ بِحَيَاتِكَ دُونَ سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ وَلَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيلَتِكَ عِنْدَهُ أَنْ أَقْسَمَ بِتُرَابِ قَدَمَيْكَ فَقَالَ لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ" ۱۸

عیسیٰ بن سلیمان الطنوبی (م ۸۶۳ھ) قدم بوسی کا ارمان رکھتے ہیں۔ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں :۔

قَدَمٌ سَرَتْ فَوْقَ السَّمَاءِ وَقَوْبَلَتْ — فِي لَيْلَةِ الْإِسْرَاءِ بِالْإِقْبَالِ

وَاجْعَلْ جَبِينَكَ فَوْقَهَا مُتَبَرِّكًا — تَنَلِ الْفَخَارَ وَغَايَةَ الْآمَالِ ۱۹

---

(۱) حیات ولی، رحیم بخش دہلوی، ص ۳۲۷-۳۲۸، (۲) القمر، ص ۱ (۳) صحیح بخاری، جلد اول، کتاب المناقب، باب انشقاق القمر ص ۵۱۳، متعدد روایات، باب انشقاق القمر ص ۵۴۶، جلد ثانی، کتاب التفسیر، باب انشقاق القمر ص ۷۲۱، ۷۲۲، متعدد احادیث — (۴) جامع الترمذی، جلد ثانی، ابواب التفسیر، باب سورہ الم نشرح، ص ۱۹۳ — (۵) صحیح بخاری، جلد اول، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ، ص ۵۰۶ — جامع الترمذی، جلد ثانی، ابواب المناقب، ص ۲۲۵ — (۶) العروۃ الوثقیٰ، ص ۶۲ — (۷) صحیح بخاری، جلد اول، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ، ص ۵۱۰، ص ۵۱۱ — (۸) جامع الترمذی، جلد ثانی، ابواب المناقب، ص ۲۲۹ — (۹) حوالہ مذکورہ — (۱۰) صحیح بخاری، جلد اول، ابواب الاستسقاء، ص ۱۳۸، ص ۱۳۹ — (۱۱) صحیح بخاری، جلد اول، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ، ص ۵۰۴ — صحیح مسلم، کتاب الفضائل، ص ۲۴۵ — جامع الترمذی، جلد ثانی، ابواب المناقب، ص ۲۲۶ — (۱۲) گلزار نعت، ص ۶۷ — (۱۳) سیرۃ النبیؐ از ابن ہشام، الجزء الثالث، ص ۳۰ — (۱۴) صحیح بخاری، جلد اول، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ، ص ۵۰۵، جلد ثانی، کتاب الایمان والنذور، باب اذا حلف ان لا یأدم، ص ۹۸۹ — جامع الترمذی، جلد ثانی، ابواب المناقب، ص ۲۲۶ — (۱۵) الوفا باحوال المصطفیٰ، از ابن جوزی، ص ۲۸۳، سیرت النبیؐ، ابن ہشام، الجزء الثالث، ص ۳۰ — شذرات الذہب، الجزء الاول، ص ۳۴ (۱۶) شذرات الذہب، الجزء الاول، ص ۳۴ — (۱۷) صحیح البخاری، جلد اول، کتاب الجہاد، باب دعا النبیؐ الی الاسلام، ص ۴۱۳ — (۱۸) شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، الجزء السادس، ص ۲۳۴ — (۱۹) المجموعۃ النبہانیہ، جلد ثالث، ص ۴۰۰، ص ۴۰۱۔

قدمین سے بات نعلین تک پہنچی اور نعلین حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی قلب مضطر کی پکار بنی، المغربی (م، ۱۰۴۱ھ) نے ایسے قصائد کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ جن نعلین اور تمثال نعلین کا تذکار ہے اور اس کا نام "فتح المتعال فی وصف النعال" رکھا۔[۱]
عبد اللہ بن محمد بن ہارون الطائی القرطبی نے "باهر النظام و بارع الکلام فی صفۃ مثال نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس میں ایک سو تیس کے قریب ایسے قصائد و قطعات جمع کئے جن میں تمثال نعل کی توصیف کی گئی ہے۔[۲] نعلین کو شعراء نے سر کا تاج اور مقدر کا ستارا قرار دیا ہے۔ ابوبکر القرطبی (م ۶۵۲ھ) کہتے ہیں۔

یا خیر خیر الخلق حازت مزیۃ ۔ علی التاج حتی باهت المفرق الوجل[۳] ابن برطلۃ الاندلسی تمنا کرتے ہیں،

فللہ منها اخمص قد تضمنت ۔ تودّ خدود ان تکون نعالها[۴]

الشیخ مرعی الکرمی (م، ۱۰۳۳ھ) مفتی حنابلہ فی مصر کی خواہش ہے۔

تمنیت ان الخد موطئ نعله ۔ وکحل جفونی من تراب قباله[۵]

غلام علی آزاد (م، ۱۲۰۰ھ) نعلین کے تذکرے کو اپنی ذات کے حوالے سے ایک نیا آہنگ عطا کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

غبار نعلیه کحل فی بصائرنا ۔ جنابه مستطاب منتهی الطلب[۶]
فؤادی تحت نعلك مستریح ۔ وان اصبحت فی قلق البعاد[۷]
کحل العیون غبار نعل المصطفی ۔ وشراکها متمسك المستنجد[۸]
کانما ناظر الحسناء مکتحلا ۔ بترب نعل رسول اللہ مکحول[۹]

صلوٰۃ وسلام

درود بحکم قرآن ایک فریضہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[۱۰] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب بھی ذکر آئے درود پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ رَغِمَ اَنفُ امرِئٍ ذُکِرتُ عندہ فلم یُصَلِّ عَلَیَّ[۱۱] ایک دوسری روایت میں رغم انف امرئٍ کے بجائے البخیل من، کے الفاظ ہیں[۱۲]۔ اسی طرح ہر کلام کی ابتداء میں بھی حمد وصلوٰۃ کا ادا کرنا لازم ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کُلُّ کَلامٍ لا یبداء فیه بحمد اللہ والصلوٰۃ علیَّ فهو اقطع ابتر، ممحوق من کل برکۃ[۱۳] درود وسلام پر کتب احادیث میں مستقل ابواب ہیں۔ جبکہ بعض محدثین نے اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس پر مستقل تصانیف چھوڑی ہیں۔ مثلاً جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الأنام لأبی عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ (م، ۷۵۱ھ)[۱۴] کی مستقل تصنیف ہے، احکامات الٰہیہ اور فرمودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر تمام مسلمان مصنفین میں یہ

---

(۱) الأعلام الزرکلی، الجزء العاشر، ص۳۰، معجم المصنفین الجزء الثانی، ص۴۷۔ (۲) رسالہ فیض شیر گڑھ مانسہرہ، ۱۲ دسمبر ۱۹۸۲، ص۲۵۔ (۳) المجموعۃ النبهانیۃ، جلد ثالث، ص۳۹۶۔ الانوار المحمدیہ من المواهب اللدنیۃ الجزء الأول، ص۲۵۸۔ (۴) المجموعۃ النبهانیۃ، جلد ثالث، ص۲۰۲۔ (۵) حوالہ مذکورہ، ص۲۰۵۔ (۶) الدیوان الأول، ص۷۔ (۷) الدیوان الثانی، ص۵۔ (۸) الدیوان الثالث، ص۵۔ (۹) الدیوان الثالث، ص۱۰۔ (۱۰) الاحزاب، ۵۶۔ (۱۱) جامع الترمذی، جلد ثانی، ابواب الدعوات، ص۲۱۶۔ (۱۲) جامع الترمذی، جلد ثانی، ابواب الدعوات، ص۲۱۶۔ (۱۳) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، الجزء الأول، ص۶۔ (۱۴) جلاء الافہام مطبوع اور متداول کتب میں سے ہے۔

عادت راسخ ہو گئی ہے کہ وہ نثر یا نظم ہر ایک کی ابتدا حمد و صلوٰۃ یا نعت سے کرتے ہیں۔

درود و سلام میں اعترافِ عظمت بھی ہے اور اپنے مضطرب دل کی تسکین کا سامان بھی " کثرتِ درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتا دیتا ہے۔ دینِ محمد سے ایک آدمی کو کتنا لگاؤ ہے۔ اور نعمتِ ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے۔ [۱]

صوفیا کے ہاں درود کی کثرت معمول ہے۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رض کی اس روایت پر یقین رکھتے ہیں جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ " مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا " [۲] صاحبِ دلائل الخیرات ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن سلیمان الجزولی السملالی (م ۸۷۰ھ) ان مکثرین میں تھے جو درود و سلام میں گہرا شغف رکھتے تھے۔ اُن کے بارے میں نواب صدیق حسن بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) نے کہا۔ " گویند از مزار او رائحۂ مشک می آید بسبب کثرتِ صلوٰۃ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم " [۳]

درود و سلام اور مدحِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گہرا تعلق ہے۔ درود سے مدح خوانی کی ترغیب ہوتی ہے تو مدح سے صلوٰۃ و سلام کی، دونوں ایک ہی کیفیت کے مختلف مظاہر ہیں۔ " صلوٰۃ و درود کا مقصد نبی کی ثنا و تعظیم رحمت و عطوفت کے ساتھ اور نعت بھی ثنا و تعظیم اور رحمت و عطوفت ہی کے گرد گھومتی ہے۔ [۴]

المدائح النبویۃ کا معتد بہ حصہ درود و سلام پر مشتمل ہے۔ یوں تو ہر منظوم نذرانۂ عقیدت کے کبھی ابتدا میں اور عموماً آخر پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ مگر بعض مدح نگار حضرات نے درود و سلام کے منظوم گلدستے بھی دربارِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مستقل قصائد کی شکل میں پیش کئے ہیں۔ ابن العطار المغربی (م ۷۰۲ھ) کے دو قصائد مسدس کی شکل میں علامہ المقری (م ۱۰۴۱ھ) نے نقل کئے ہیں۔ [۵] ایک قصیدہ کا یہ بند اُن کے اندازِ مدح کا بھرپور اظہار کر رہا ہے۔

صَلُّوْا عَلٰی مَنْ بِالنُّبُوَّۃِ زُیِّنَا — صَلُّوْا عَلٰی مَنْ بِالْکَمَالِ تَمَکَّنَا
صَلُّوْا عَلٰی ھَادٍ اَبَانَ وَبَیَّنَا — بِمُحَمَّدٍ فُزْنَا بِاِدْرَاکِ الْمُنٰی
لِلْخَلْقِ اُرْسِلَ رَحْمَۃً وَّرَحِیْمًا — صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا [۶]

ابن العریف (م ۵۳۶ھ) کا قصیدہ درود و سلام کے نغمات سے مہک رہا ہے۔

صَلَّی عَلَی الْمُخْتَارِ اَحْمَدَ رَبُّہٗ — مَا اسْتَعْشَکَتْ نَارُ الطِّبِّیِّ زِنَادٌ [۷]
صَلَّی عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ — مَنْ خَصَّہٗ بِالنُّوْرِ وَالْاِرْشَادِ
صَلَّی الْاِلٰہُ عَلٰی رَسُوْلٍ حَاشِرٍ — حَشْرَ الْاَنَامِ لَدَیْہِ فِی الْمِیْعَادِ
صَلَّی الْاِلٰہُ عَلٰی رَسُوْلٍ خَاتِمٍ — خَتَمَ النُّبُوَّۃَ بِالْکِتَابِ الْھَادِیْ [۸]

شیخ سعدیؒ (م ۶۹۱ھ) کا یہ قطعہ تو شہرت کی اس معراج پر ہے کہ کوئی مقابل نہیں رہا۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ ، — کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ — صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ [۹]

برِ صغیر کے نعت گو شعرا کے ہاں یہ زمین بہت مقبول رہی اور بیشتر شعرا نے اس کا تتبع کیا۔ امیر مینائیؒ (۱۳۱۸ھ) اردو کے باکمال شاعر اور اردو زبان میں ایک وقیع لغت ' امیر اللغات ' کے مؤلف ہیں۔ متعدد نعتیں لکھیں۔ عربی کا بھی ذوق تھا۔ عربی میں شیخ سعدیؒ کی زمین میں اُن کا ایک بند ہے:-

حَصَلَ الشِّفَا بِخَیَالِہٖ — وَصَلَ الْاَسٰی بِوِصَالِہٖ ،
عَذُبَتْ عُیُوْنُ مَقَالِہٖ — عَظُمَتْ شُئُوْنُ جَلَالِہٖ
نُصِبَتْ لِوَاءُ نَوَالِہٖ — حُمِدَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
شَرُفَ الثَّرٰی بِظِلَالِہٖ — سَمَکَ السَّمَاءُ بِنِعَالِہٖ
بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ — کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ ★ حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ — صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ [۱۰]

---

(۱) مولانا مودودی، ماہنامہ شام و سحر نعت نمبر معنون صلی اللہ علیہ وسلم از پروفیسر محمد اقبال جاوید، ص ۳۱۹ — (۲) صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی بعد التشہد، ص ۱۷۵؛ جامع الترمذی، ابواب المناقب، ص ۲۲۴، عن عبد اللہ بن عمرو — (۳) اتحاف النبلاء، نواب صدیق حسن، ص ۲۸۲ — (۴) مولانا شبیر احمد عثمانی معنون صلی اللہ علیہ وسلم، پروفیسر محمد اقبال جاوید، ماہنامہ شام و سحر نعت نمبر ۲، ص ۳۱۶ — (۵) نفح الطیب الجزء العاشر ص ۳۲ تا ۳۳۵ — (۶) حوالہ مذکورہ، ص ۳۳۶ — (۷) نفح الطیب الجزء العاشر، ص ۳۴۵

(۸) نفح الطیب الجزء العاشر، ص ۳۴۵ (۹) کلیات سعدیؒ، گلستاں، ص ۳ — (۱۰) ماہنامہ فاران، ماہ جون ۱۹۵۱ء ص ۴۲ —

مخدوم محمد ہاشم تتوی (م ۱۱۷۴ھ) نے کئی قصیدے "درود و سلام" کے ذکر سے مختص کئے عموماً مسدس یا مخمس کا قالب اختیار کرتے ہیں۔ ایک بند یوں ہے۔

عَلَيْكَ صَلٰوةُ اللّٰهِ ثُمَّ سَلَامُهٗ ـ صَلٰوةٌ مِنَ الْمِسْكِ الْعَطِيْرِ خِتَامُهٗ
سَلَامًا جَلَا كَالْبَدْرِ حَانَ تَمَامُهٗ ـ يُعَطِّرُ اَرْوَاحَ الْاَنَامِ شَمَامُهٗ
نَوْحُوْ مِنَ الطِّيْبِ الْعَبِيْرِ نَسِيْمًا ـ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [1]

عام قصائد میں مدح کے اختتامیے کے طور پر درود و سلام کے ہدایا پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یہ طرز ادا تقریباً ہر نعت گو شاعر کے ہاں مشترک ہے۔ شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) کہتے ہیں۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ـ عَلَى النَّبِيِّ نَبِيِّ الْحَقِّ وَالرُّشْدِ [2]

مولانا غلام محی الدین قصوری (م ۱۲۷۰ھ) اپنے ایک خطبے میں کہتے ہیں۔

نُصَلِّيْ ثُمَّ بَعْدَ الْحَمْدِ صِدْقًا ـ عَلٰى خَيْرِ الْبَرِيَّةِ مُصْطَفَاهُ [3]

مولانا خیر الدین (م ۱۳۲۶ھ) دعا گو ہیں کہ

يَا رَبِّ صَلِّ عَلَيْهِ كُلَّمَا طَلَعَتْ ـ شَمْسُ النَّهَارِ وَمَا لَاحَتْ عَلَى الْجَبَلِ [4]

الغرض "درود و سلام" مدح نگاری کے جزو لازم کی حیثیت سے ہر مدح نگار کے ہاں موجود ہے۔ انداز جدا جدا ہے اور ہیئتیں مختلف ہیں مگر مقصد ایک ہے۔ اور وہ ہے سلام عقیدت بحضور خواجۂ کیہاں صلی اللہ علیہ وسلم۔

ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حواشی

توصیفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ اثر میں بعض متعلقات بھی شامل ہیں جن کا ذاتِ رسول[4] سے گونہ تعلق ہے۔ ان میں خاندانِ رسالت کے تذکرے سرفہرست ہیں۔ خاندانی شرف کے بارے میں متعدد احادیث روایت ہوئی ہیں۔ جن میں حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک آپ کے نسب کی طہارت اور برگزیدہ حیثیت کا ذکر ملتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ اِسْمَاعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ [5]

اَلْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى [6] کا قرآنی ارشاد خاندانِ رسالت سے قلبی لگاؤ اور دلی احترام کا تقاضا کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "اَلَا وَمَنْ اٰذٰى نَسَبِيْ وَذَوِيْ رَحِمِيْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ" [7] ایسے ارشادات اہل بیت کی محبت کو ایمان کی علامت بنا دیتے ہیں۔ ابوالکلام آزاد کہتے ہیں "الحمد للہ اہل بیت نبوت کی محبت سے فاقد المرام اور ایمان اندوز ہوں اور اس عالم میں ہوں کہ خدا کے حضور عبادت کے لئے جاتا ہوں تو میری نماز بھی اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک آلِ محمد پر درود و سلام و تحیۃ کا ہدیہ پیش بارگاہِ احدیت تبارک و تعالیٰ نہ کر لوں" [8]

مولانا محمد حسن الحسینی (م ۱۲۱۶ھ) سید چراغ شاہ کے مرثیے میں اہل بیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

بِعِزَّةِ اللّٰهِ لَا فِي الدَّهْرِ مِثْلُهُمْ ـ هُمُ الشُّمُوْسُ لِفَلَكِ الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ
وِدَادُهُمْ عَيْنُ اِيْمَانٍ وَبُغْضُهُمْ ـ اَسَاسُ كُفْرٍ وَاَهْلِ الْبَغْيِ وَالسَّقَمِ [9]

---

(۱) قلمی نسخہ، مملوکہ کاتب الحروف۔ (۲) نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث: ص ۱۲۔ (۳) خطبات حضوری، ص ک
(۴)۔ البصائر العشرۃ الجلیۃ، ص ۱۵۱۔ (۵) صحیح المسلم، جلد ثانی، کتاب الفضائل، ص ۲۲۵، جامع الترمذی جلد ثانی ابواب المناقب: ص ۲۲۳
عن واثلۃ بن الاسقع۔ (۶) الشوریٰ، ۲۳۔ (۷) الاصابۃ الجزء الرابع: ص ۲۹۱۔ (۸) الہلال، شمارہ ۱۲،
۲ جون ۱۹۱۳ء جلد ۲، شمارہ ۲۳، ص ۳۸۲۔ (۹) قلمی نسخہ، مرثیہ سید چراغ شاہ مملوکہ سید نور محمد قادری۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آسمانِ ہدایت کے درخشندہ ستارے ہیں ۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے دینِ حق کی ترویج و اشاعت میں جانوں کے نذرانے پیش کئے ۔ یہ اللہ سے اور اللہ ان سے راضی ہوا ۔ صحابہ کرام میں خلفاء اربعہ، عشرہ مبشرہ کو برگزیدہ مقام حاصل ہے اُن کے تذکروں سے کتب روایات بھری پڑی ہیں ۔ مجاہدین کے سرفروشانہ کارنامے اور شہداء کرام کی جاں سپردگی کی داستانیں تاریخ اسلام کی زینت ہیں ۔ اہل بیتِ اطہار اور صحابہ کرام بھی مدح گو کے ہدیۂ تشکر کے مستحق ٹھہرے ہیں ۔ ہر مدحیہ قصیدہ صلوٰۃ وسلام پر ختم ہوتا ہے ۔ اور یہ صلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ صحابہ کرام اور اہل بیت کے حضور بھی پیش کیا جاتا ہے ۔ اس طرح تقریباً ہر قصیدہ اُن کے ذکر سے عبارت ہے ۔ مداحین نے صحابہ و اہل بیت کی مدح سرائی کے لئے کافی تفصیل سے کام لیا ہے ۔ اور بعض نے تو مستقل قصائد بھی تصنیف کئے ہیں ۔ حضرت حسان بن ثابت رض کا شہداء موتہ پر پورا قصیدہ[۱] اور ان کا مرثیہ[۲] حضرت ابوبکر رض پر مدحیہ قطعہ[۳] حضرت عثمان رض کا مرثیہ[۴] ابوالاسود الدولی (م ۶۹ھ) کے بعض قصائد در مدح حضرت علی رض[۵] ۔ الفرزدق (۱۱۰ھ) کا قصیدہ زین العابدین رض کی مدح میں[۶] ، الکمیت الأسدی (م ۱۲۶ھ)[۷] دعبل الخزاعی (م ۲۴۶ھ)[۸] ۔ اور مہیار الدیلمی (م ۴۲۸ھ)[۹] کے اہل بیت کی منقبت میں قصائد اِس اندازِ مدح کے بہترین نمونے ہیں ۔

انسانی رابطے کی حدود سے بڑھ کر ہمارے شعراء کی نظر اُن متعلقات پر بھی پہنچی ہے جو اگرچہ ذی روح نہ تھے مگر ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نسبت رکھتے تھے ۔ حرمین شریفین کی توصیف، خصوصیت سے مدینہ منورہ کے شرف و تقدس کے ترانے مدحیہ شاعری میں جابجا موجود ہیں ۔ مدینہ منورہ کے گلی کوچے، بازار، پہاڑ، وادیاں، گرد و نواح کی بستیاں غرضیکہ پورا مکانی پس منظر شاعروں کی عقیدت کا مرجع ہے اور بڑے دلارے سے پیار کیا گیا ہے ۔ مدینہ منورہ سے محبت و شیفتگی کی بنیاد وہ احادیث ہیں جن میں فضیلتِ مدینہ کے تذکرے ہیں مثلاً شدِّ رحال کے لئے تین مساجد کا حصر[۱۰] جس میں مسجدِ نبوی شامل ہے مدینہ کے سفر کی خواہش کو ابھارتا ہے پھر " اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ "[۱۱] کی روایت سے مدینہ کی شانِ محبوبی اور " مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَ مِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ "[۱۲] سے مسجدِ نبوی کا اُس حصّے کے شرف کا اظہار ہوتا ہے جسے 'ریاض الجنّۃ' کہتے ہیں ۔ مدینہ منورہ سے متصل 'اُحُد' کو ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نسبت ہے اور اُس کے بارے میں زبانِ نبوت سے یہ ارشاد صادر ہوا کہ " هٰذَا اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ "[۱۳] ۔ انہیں ارشادات سے تاریخ المدینہ کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور اِس موضوع پر کئی تالیفات مرتب ہوئیں ۔ علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی، (م ۹۱۱ھ) کی وفاء الوفا بأخبار دار المصطفیٰ اِس سلسلے کی مقبول ترین کتاب ہے[۱۴] ۔ صحابہ کرام کی مدحیہ شاعری میں ہی اِس عنصرِ مدح کا سراغ ملتا ہے مگر بعد میں فراق کی کلفت اور حاضریٔ دربار کی حسرت نے مدینہ اور حوالیٔ مدینہ کو خصوصیت سے مرکزِ نظر بنا دیا ہے ۔ قدیم عربی قصائد کے تتبع میں تشبیب مدحیہ شاعری کا بھی جزو رہی اور تشبیب کے لوازمات میں دیارِ محبوب کو سلام شوق پیش کیا جاتا رہا ۔ مگر المدائح النبویۃ میں تشبیب اکثر و بیشتر آثار و اطلالِ مدینہ کے گرد گھومتی رہی ۔ الصرصری (م ۶۵۶ھ) ۔ البوصیری (م ۶۹۶ھ) ۔ البرعی (م ۸۰۳ھ) ۔ علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) حتیٰ کہ احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) اور آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) کے ہاں بھی تشبیب موجود ہے ۔ مگر زیادہ تر حوالہ اطرافِ مدینہ کا ہے ۔ برصغیر پاک و ہند میں مسافت کی دوری اور حالات کی ناسازی نے مدینہ کی خواہش کے لئے بے پناہ ولولہ پیدا کر دیا ہے ۔ اور ہر شاعر آتشِ فراق میں بسمل بریاں ہے ۔ شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) فاصلوں کی دوری کا شکوہ کرتے ہیں :-

قد عاقنی البعد عن مرمای یا سکنی ۔ وطال شوقی الی لقیاک یا سندی

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (م ۱۱۷۴ھ) اپنی حالت زار کا نقشہ کھینچتے ہیں :-

جرت مقلتی شوقا الیک ولوعۃ ۔ وتقطعت کبدی من جوی وتضرم[۱۶]

---

(۱) البینۃ : ص ۸ (۲) دیوان حسان : ص ۹۹ تا ص ۱۰۱، ص ۱۰۲ ۔ (۳) دیوان، ص ۱۴۲ ۔ (۴) دیوان : ص ۱۰۳، ص ۱۰۲ ۔ (۵) اسد الغابہ : الجزء الرابع ص ۲۰ (۶) شذرات الذہب، جلد اوّل : ص ۱۴۲، ص ۱۴۴ ۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ الجزء الاوّل ص ۱۵۳ ۔ (۷) تاریخ الادب العربی (۲) العصر الاسلامی ص ۳۲۶ تا ص ۳۲۹ ۔ (۸) معجم الادباء الجزء الحادی عشر ص ۱۰۰ تا ص ۱۱۰ ، وفیات الاعیان الجزء الاول ص ۱۲۴ (۹) المدائح النبویۃ فی الادب العربی : ص ۱۳۲ تا ص ۱۴۰ بحوالہ دیوان مہیار ۔ (۱۰) صحیح بخاری، جلد اوّل، کتاب التہجد، باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ : ص ۱۵۸، صحیح مسلم، جلد اوّل، کتاب الحج باب فضل المساجد الثلاثۃ ، ص ۴۴۷ ۔ (۱۱) صحیح بخاری، جلد اوّل، کتاب فضائل المدینۃ، ص ۲۵۳ ، جلد ثانی کتاب المرضیٰ، باب عیادۃ النساء الرجال، ص ۸۴۴ ، صحیح مسلم جلد اوّل، کتاب الحج باب فضل المدینۃ : ص ۴۴۳ (۱۲) صحیح بخاری، جلد اوّل، کتاب التہجد، باب فضل ما بین القبر والمنبر، ص ۱۵۹ ، صحیح مسلم، جلد اوّل، کتاب الحج، باب فضل ما بین قبرہ و منبرہ، ص ۴۴۶ ۔ (۱۳) صحیح البخاری جلد اوّل، کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی، جلد ثانی، کتاب المغازی باب احد یحبنا، ص ۵۸۵ ، صحیح مسلم جلد اوّل، کتاب الحج باب فضل المدینۃ ص ۴۴۴، بتغیر یسیر (۱۴) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۸۲ھ ۔ (۱۵) نزہۃ الخواطر الجزء الثالث، ص ۱۱ (۱۶) قاموس اشتمک ۔

محمد عابد السندھی (م ۱۲۵۷ھ) مدینہ منورہ میں دائمی قیام کے طلب گار ہیں۔

إلٰهي نجّني من كلّ ضيقٍ — بجاه المصطفىٰ مولى الجميع

وهب لي في مدينته قراراً — ورزقاً ثمّ دفناً في البقيع [1]

ہم اپنی گفتگو کو حسان الہند غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) کے اِن والہانہ اشعار پر ختم کر رہے ہیں۔ جن میں مدینہ منورہ کی محبت اپنے نقطہ کمال کو پہنچ چکی ہے، شاعر وارفتگی میں "وصف مدینہ" کے ذکر سے تسلی پا رہا ہے:۔

سوح المدينه ما احلىٰ ترابها — يجد البصائر فيه فعل الاثمد

وغبارها المحسوس فوق هولدها — كحل اليقين لمقلة المتردد

اشجارها قامت على ساق الهدىٰ — وظلالها مأوى الرجال السُّجّد

املاك اطباق السماء طيورها — وصغيرها ذكر الإله السرمد [2]

عصری موضوعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے آج تک کی مدحیہ شاعری کے موضوعات کا احصاء کرنے سے محسوس ہوتا ہے۔ کہ عصری اور تعلیمی اثرات و داعیات اس میں راہ پاتے رہے ہیں۔ صحابہ کرام کے ہاں تعلیمات اسلامیہ کے ذکر کا عنصر نمایاں اگرچہ والہانہ پکار کے بھی بعض نمونے موجود ہیں۔ مثلاً: حضرت النابغۃ الجعدیؓ کہتے ہیں:۔

فيا قبر النبي وصاحبيه — الا يا غوثنا لو تسمعونا [3]

اس دور میں ذاتِ اقدس تعلیم دین و اخلاق کے طور پر ابھرتی ہے۔ مگر قصیدے کے عناصر ترکیبی میں جاہلی دور کے آثار موجود ہیں، عباسی دور تک یہی انداز مدح معمولی تغیرات کے ساتھ برقرار رہا ہے۔ مگر جب سقوط بغداد (۶۵۶ھ) کے بعد اسلامی معاشرہ رو بہ زوال ہوا تو عدم تحفظ کا احساس بڑھا۔ ہر ایک کو تنہائی کا زہر چاٹنے لگا۔ ایسے میں جب ذات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ہر سہارا ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ تو در حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دہائی دی جانے لگی۔ امام بوصیری (م ۶۹۶ھ) سے یہ اسلوب پختہ ہوا۔ اور بعد ازاں ہر شاعر اسی روش پر گامزن ہوا۔ بوصیری والہانہ پکارتے ہیں:۔ يا اكرم الخلق مالي من الوذ به — سواك عند حلول الحادث العمم [5]

تو امام ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) اس بےمہتی لپسائی کا یہ حل بتاتے ہیں:۔

وان قنطت من العصيان نفس — فباب محمّدٍ باب الرجاء [6]

برصغیر کے شعراء میں خود سپردگی کی کیفیت بہت شدید ہے۔ حسن بن علی شدقم (م ۱۰۴۶ھ) ہند میں مقیم ہو گئے تھے مگر یادِ حبیب ﷺ تو باقی رہی۔ اس مسلسل کرب کی روداد کا ذکر کرتے ہیں:۔

فان له سبعاً وعشرين حجّة — غريباً بأرض الهند يصبو الى هند

اذا الليل وارانى اهيم صبابة — الى طيبة الغرّاء طيبة الندّ [7]

شاہ ولی اللہ محدث (م ۱۱۷۶ھ) آستانہ نبویہ ہی میں پناہ چاہتے ہیں۔ اس لئے برملا اعتراف کرتے ہیں۔

وانت مجيري من هجوم ملمة — اذا انشبت في القلب شر المخالب [8]

آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) طلب احسان کی دعا کرتے ہیں:۔

احسن الى ضيفٍ ببابك واقفٍ — شان الكرام ضيافة الغرباء [9]

الغرض مدحیہ شاعری، معروضی انداز توصیف سے آہستہ آہستہ واردات قلبی کیفیات کی شکل اختیار کرتی گئی۔ اب صرف حسن و جمال کا تذکرہ نہ تھی بلکہ قلب مضطر کی پکار تھی جس میں ماحول کی ساری بےچینیاں سمٹ آئی تھیں۔ شاعر کا طائر خیال حالات کی سنگینی سے گھبرا کر پناہ کی تلاش میں پھڑپھڑاتا تھا۔ اسے گنبد خضرا کے سائے کے سوا کہیں پناہ نہ ملتی۔ وہ اپنے ماحول سے فرار چاہتا تھا کہ مدینہ کی وادیوں میں گم ہو کر قرار پائے، مدحیہ شاعری کا یہ موضوع وسیع ہے جس کی تفصیل ہم محرکات کے ضمن میں عرض کریں گے۔

---

① الفرقان شوال ۱۳۸۰ھ۔ ② الدیوان الثالث: ص ۵۔ ③ الاستیعاب جلد اول: ص ۳۱۲۔ ④ ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء۔ ⑤ المجموعۃ النبہانیہ ص ۱۵/۴۔ اکرم الخلق کی جگہ اکرم الرسل بھی آیا ہے۔ ⑥ دیوان ابن حجر العسقلانی: ص ۲۳۔ ⑦ المجموعۃ النبہانیہ: ص ۳۷/۲۔ ⑧ اطیب النغم: ص ۲۳۔ ⑨ دیوان اول: ص ۵۔

محرکات

انسان فطرتاً تاثر پسند واقع ہوا ہے جب کوئی دلفریب منظر، دلکش تصویر یا جاذب شخصیت اُسے متاثر کرتی ہے تو وہ اپنے تاثرات کا اظہار کرتا ہے، تاثر جس قدر شدید ہوگا۔ اس کے اظہار میں اُسی قدر شدت ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ تاثر مجموعی یا ہمہ گیر ہو بلکہ عین ممکن ہے کہ شخصیت کا صرف ایک رخ ہی اثر آفرین ہو اور اظہار کا متقاضی ہو۔ تاثیر کی قوت اور تاثر کی شدت کا اجتماع وہ محرک ہے جو مدح و ستائش کے جذبات کی تخلیق کرتا ہے۔ شعر چونکہ جذبات کا مناسب اور موثر ترین ترجمان ہے اِس لئے کلمات تشکر کا شعری پیراہن اثر آفرینی کو شدید تر کردیتا ہے۔ شاعر شعور کی اُس قوت سے بہرہ مند ہوتا ہے جو قلبِ حساس کی تپش آفرینی سے دو آتشہ ہوجاتی ہے اِس لئے وہ جذب و انجذاب کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتا ہے، قصیدہ گوئی یا مدح نگاری کی روایت اِسی صلاحیت کا عملی اظہار ہے۔

ممدوح جب ہمہ پہلو جاذبِ نظر ہو تو مدح نگار کا سمندِ طبع تیز تر ہوجاتا ہے۔ شخصیت جب دل کی دھڑکنوں میں بس جائے تو ہر سانس ذکرِ حبیب سے معطر ہوتا ہے۔ دل کیفیت میں ڈوبا رہتا ہے۔ تو خیالات پر جمالِ محبوب کی شبیہ سایہ فگن رہتی ہے، دل سجدے کرتا ہے تو زبان مرحبا پکارتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں موضوعات محرکات میں ڈھل جاتے ہیں۔ ذاتِ محبوب اپنے اوصاف و محامد کے ساتھ جلوہ ریز ہوتی ہے۔ تو شاعر کے دل کی دنیا مہک اُٹھتی ہے۔ اور محبت کی سرخوشی عقیدت و ارادت کے کئی چراغ فروزاں کردیتی ہے۔

ذاتِ محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ صفت موصوف ہر رنگ جاذب اور ہر پہلو اثر آفرین ہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی کی ہر ادا اور آپ کی شخصیت کا ہر رُخ قلبِ شاعر کو تحریک دیتا ہے۔ یہ تو شاعر کا اپنا ظرف اور حوصلہ ہے کہ وہ جمالِ جہاں آرا کے کن کن گوشوں کو کسبِ فیض کی استطاعت رکھتا ہے۔ مدح نگاری کا عمل قلبی سوز کا متقاضی ہے اور اگر اِس میں جذباتِ محبت کی ہما ہمی نہ ہو تو یہ مدح نگاری نہیں واقعات شماری ہے۔

شاعری معروضی تصویر کشی نہیں کہ کیمرے کی آنکھ کی طرح ہر سامنے آنے والے کو زینتِ قرطاس بنا دے بلکہ یہ ایسا ذاتی عمل ہے جس میں ذاتِ محبوب کا عکسِ جمیل پہلے دل پر نقش ہوتا ہے اور پھر قلبی احساسات و کیفیات کے ساتھ عقیدت و محبت کے ہالے میں جلوہ ریز ہوتا ہے۔ شاعری ممدوح کی تصویر کشی نہیں اپنے باطن کا عکس ہے۔ وہ باطن جہاں ممدوح بصد حسن و زیبائی مسند نشین ہے، موضوعات کو جب شاعر اپنے داخل کے حوالے سے محسوس کرتا ہے اور اُس کا قلبی تناظر جب اس احساس کو فعّال قوت عطا کردیتا ہے۔ تو نعت وجود میں آتی ہے۔ اگر عقیدت و محبت کا سوز نہیں اور مدح دل کی آواز نہیں تو یہ منظوم سیرت نگاری ہوگی نعت نہیں کیونکہ شعر تو حِسّی مشاہدات اور نظری واردات کو ایسے حوالے سے بیان کرنے کا نام ہے جو سراسر انفرادی اور ذاتی ہوتا ہے اور یہی ذاتی حوالہ نعت کی جان ہے۔ اور مدحِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے ہی حوالے معتبر ہیں۔ ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خصائص و شمائل اپنے ہمہ گیر اثرات سے قلب و نظر کو تسخیر کرتے ہیں۔ تو قلبِ مخمور کا والہانہ پن مدح نگاری کا محرک بنتا ہے۔ مدح نگاری کا عامل خود سپردگی کا اثر ہے، اس کا عامل خود سپردگی کے عوامل کیا ہیں؟ اِن عوامل کا احصاء درحقیقت محرکاتِ مدح کا شمار ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانی جذبات کا مکمل احاطہ کسی طور بھی قطعی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ خالصتاً انفرادی عمل ہے جو ہر شاعر کی ذات کے حوالے سے مختلف ہے۔ پھر بھی عمومی جائزے کی خاطر اگر مدحیہ شاعری کے نمائندہ محتویات پیشِ نظر رہیں تو محرکاتِ مدح کچھ یوں ترتیب پاتے ہیں:

رسالت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری رسول کی حیثیت سے تمام بنی نوع انسان کے لئے راہبر و راہنما بن کر تشریف لائے۔

ارشادِ ربانی ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ [1]

مزید فرمایا، "تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا" [2]

ختمِ رسالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا [3]

رسالت کی عمومیت اور رحمۃً للعالمینی کی وضاحت کرتے ہوئے اعلان فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ [4]

---

① سبا: ۲۸ ② الفرقان: ۱ ③ الاحزاب: ۴۰ ④ الانبیاء: ۱۰۷

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کی ہمہ گیری اور عمومیت کا تذکرہ کیا، حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے اپنے پانچ خصوصی اعزازات کا ذکر فرمایا جو آپ سے پہلے سوا کسی اور نبی کو عطا نہ ہوئے۔ ان کے آخر پر پانچویں خصوصیت کا یوں تذکرہ فرمایا :-

"وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس کافۃ واعطیت الشفاعۃ" ۱

آپ چونکہ آخری وسیلۂ ہدایت ہیں اس لیے ہر انسان آپ کی دائمی اور ابدی راہنمائی کا محتاج ہے۔ زندگی کی کامیابی یا ناکامی کا دارومدار آپ کی رسالت پر ایمان لانے میں ہے۔ تسلیم رسالت کا یہ عقیدہ دربارِ رسالت کے ساتھ ممنونیت کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ مدح نگار سمجھتا ہے کہ اس کی دنیاوی کامرانی اور اخروی نجات آپ کی رسالت پر ایمان لانے ہی سے ممکن ہے ورنہ ناکامی ہی ناکامی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اخروی نجات کی خواہش اور جہنم کے عذاب کا خوف اسے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تر لے آتا ہے۔ اور وہ اپنے نجات دہندہ کے حضور شکر و سپاس کے نذرانے پیش کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں یہ محرک نسبتاً نمایاں ہے اور ایسا ہونا بدیہی بھی ہے کیونکہ انہوں نے جاہلی دور کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ اور اس زندگی کی بے مقصدیت ان پر واضح تھی۔ وہ جب جاہلی زندگی اور اسلامی طرز حیات کا تقابل کرتے تو ان میں بعد المشرقین پاتے۔ دربار نجاشی میں حضرت جعفرؓ طیار کے یہ کلمات اس حقیقت کی طرف بڑا واضح اشارہ کرتے ہیں :۔

"ایھا الملک کنا قوما اھل الجاھلیۃ، نعبد الاصنام ونأکل المیتۃ، ونأتی الفواحش ونقطع الارحام ونسیئ الجوار ویأکل القوی منا الضعیف، فکنا علی ذلک حتی بعث اللہ الینا رسولا"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

وامرنا بصدق الحدیث واداء الامانۃ وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونھانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنۃ وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ لانشرک بہ شیئا وامرنا بالصلوۃ والزکوۃ والصیام" ۲

شعر کی زبان میں نثر کی سی تفصیل تو نہیں ہوتی مگر پھر بھی مدح نگار ممکن حد تک تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی رسالت جہان تاریک کے لیے صبح امید کا پیغام تھی۔ چنانچہ وہ اس نعمت عظمیٰ کا احساس رکھتے ہیں اور اظہار بھی کرتے ہیں۔ حضرت حسانؓ فرماتے ہیں :

نبی اتانا بعد یأس وفترۃ — من الرسل والاوثان فی الارض تعبد ۳

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ فرماتے ہیں :

اتی بالھدی بعد العمی فقلوبنا — بہ موقنات ان ما قال واقع ۴

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور مسعود کے بعد ایمان بالرسالت نسلاً بعد نسلٍ ایک روایت کے طور پر منتقل ہوتا رہا۔ وہ تقابلی فضا قائم نہ رہی جو کفر ترک کر کے اسلام قبول کرنے والوں کے ذہنوں میں موجود تھی۔ اب اسلام کو بحیثیت دین قبول کرنے اور آنحضرتؐ کو بحیثیت رسول تسلیم کرنے کے لیے کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا نہ رہنا پڑتا تھا بلکہ یہ آبائی دین تھا جسے تسلیم کرنے میں کسی تقابلی جائزے کی ضرورت نہ تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کی مدحیہ شاعری میں بحیثیت رسول آنحضورؐ کی مدح میں وہ شدت برقرار نہ رہی کیونکہ اب رسالت ایک امر واقع تھی، تاہم کہیں کہیں غیر ادیان و مذاہب کی تردید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نبوت کے بیان میں 'رسالت' کو بھی امتیازی اوصاف میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ جیسے عبدالسلام سلیم (۱۲۶۵ھ / ۱۹۲۶ء) کہتے ہیں۔

ھو الرسول اضاء العالمین بہ — رسم الضلالۃ والبدعات منھدم ۵

اطاعت و اتباع

ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کی دو جہتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق تسلیم کیا جائے اور کسی قسم کی الوہی صفات کا حامل نہ قرار دیا جائے اور دوسرے یہ کہ محض انسان سمجھ کر آپ کے مرتبے اور مقام کو کمتر ٹھہرانے کا جرم نہ کیا جائے بلکہ اللہ کا فرستادہ اور منتخب جان کر آپ کی عظمت و منزلت کا اعتراف کیا جائے۔ ان دونوں حیثیتوں کا درست تعین ایمان بالرسالت کی روح ہے۔ ان میں افراط و تفریط راہ پا جائے تو ایمان بالرسالت کا صحیح ادراک ممکن نہیں رہتا بلکہ بعض اوقات محبت و عقیدت اتنی منہ زور ہو جاتی ہے کہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں خدائی صفات ڈھونڈ نکالتی ہے اور کبھی ہمسری کا خبط ایسے گل کھلاتا ہے کہ صرف پیامبر ٹھہرا کر ہر عظمت سے انکار کر دیتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق آپ اللہ کے بندے اور رسول

---

① صحیح بخاری، جلد اول، کتاب الصلوٰۃ، باب قول النبیؐ جعلت الارض مسجداً وطہوراً، ص ۶۲، صحیح مسلم جلد اول، کتاب المساجد میں ص ۱۹۹ پر الفاظ یوں ہیں: بعثت الی کل احمر واسود۔ ② سیرۃ النبیؐ ابن ہشام، الجزء الاول، ص ۳۵۸، ص ۳۵۹ ③ دیوان حسانؓ، شرح البرقوقی، ص ۲۲۲۔
④ اسد الغابہ الجزء الخامس، ص ۲۳۵، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ الجزء الاول، ص ۱۳۰۔ ⑤ قلمی نسخہ از محمد حمید افضل، شیر گڑھ، ساہیوال۔

ہیں۔ آپ مخلوق میں سے ہیں مگر ان سے برتر و افضل، آپ کی عظمت کا احساس اور آپ کی ذات سے محبت تقاضائے ایمان ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام کے شارح بھی ہیں اور شارع بھی۔ آپ کے اعمال و افعال اللہ کی پناہ میں ہیں، اس لئے آپ کا ہر حکم منشاءِ الٰہی کے مطابق اور آپ کا ہر عمل مشیئت ایزدی کے تابع ہے یہاں تک کہ آپ کی زبان سے ادا ہونے والے ہر کلمے کو تائید ربانی حاصل ہے، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ [1]

وحیِ الٰہی آپ کی رسالت کی دلیل ہے اور آپ کے مقتدا اور مطاع ہونے کا اعلان بھی، یہ کیسے ممکن ہے کہ جس کی زبان پر حق بولتا ہو اس کا حکم ٹال دیا جائے اور جس کے الفاظ کو خدائی تحفظ حاصل ہو اس کے احکامات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ رسالت پر ایمان کامل اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں متعدد مقامات پر اطاعت و اتباع کی اہمیت کا ذکر اور اس کی فرضیت و وجوب کو واضح کیا گیا ہے مثلاً: قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ [2]،

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [3]، اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ [4]

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا [5] وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [6]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ [7]

اطاعتِ الٰہی پر اطاعتِ رسولؐ کا عطف اس لئے نہیں کہ یہ دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ بلکہ یہ عطف بیان ہے۔ اور دوسرا حصہ پہلے کا شارح ہے۔ اطاعتِ الٰہی، اطاعتِ رسولؐ کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے "وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" [8]

حضرت کعب بن مالکؓ اس حقیقت کا اظہار فرماتے ہیں

نُطِيْعُ نَبِيَّنَا وَنُطِيْعُ رَبًّا — هُوَ الرَّحْمٰنُ كَانَ بِنَا رَؤُفًا [9]

اطاعتِ الٰہی کہا جائے یا اطاعتِ رسولؐ، مقصود بہر رنگ ایک ہی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ يَّعْصِنِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ۔ [10]

بخاری کی روایت میں اس کی مزید تشریح ہے:

فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ [11]

مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ کا جملہ دلیل ہے کہ کفر و اسلام میں خطِ امتیاز اور مطیع و نافرمان میں وجہِ تفریق آپ کی ذات گرامی ہے۔ آپ کی ذات معیار ہے جس کے حوالے سے نیک و بد بلکہ مومن و کافر کی پہچان کی جائے گی۔ مومن وہ ہوگا جو اپنی خواہشات کو حکم رسول مقبولؐ کے تابع کرے اور کافر وہ جو اطاعت سے انکار کرے

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قَالُوْا وَمَنْ يَّاْبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى [12]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت میں ہے کہ جب تک تمام خواہشات نفسانی غیر مشروط طور پر فرمانِ رسولؐ کے تابع نہ ہو جائیں ایمان متحقق ہی نہیں ہوتا۔

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ" [13]

اطاعت کی یہ فرضیت صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص نہیں تمام انبیاءِ کرام کا یہ شرف ہے کہ اپنے متبعین کے لئے مطاع ہیں اور ان کی اطاعت عین تقاضاءِ ایمان اور بموجب حکم خالقِ کائنات فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" [14]

رسولوں کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ انہیں ھادی و راھنما بنایا جائے۔ یہ اطاعت غیر مشروط بھی ہوتی ہے اور تمام اعمالِ زندگی کو محیط بھی، قرآن مجید میں اکثر انبیاء سابقین سے یہ جملے کہلوائے گئے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں: اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ [15]

---

① سورۃ النجم، ۳، ۴۔ ② آل عمران: ۳۲۔ ③ آل عمران، ۱۳۲۔ ④ النساء، ۵۹۔ ⑤ المائدہ، ۹۲۔ ⑥ النور، ۵۶، ⑦ محمد، ۳۳، ⑧ النساء، ۸۰، ⑨ سیرت النبی ابن ہشام الجزء الثالث، ص۱۲۳، ⑩ صحیح مسلم، جلد ثانی کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة وتحریمها فی المعصیة، ص۱۲۴، عن ابی ہریرہؓ۔ ⑪ صحیح بخاری، جلد ثانی کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ، ص۱۰۸۱، عن جابر بن عبداللہؓ ⑫ صحیح بخاری، جلد ثانی، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۰۸۱۔ عن ابی ہریرہؓ۔ ⑬ اربعین النوویة: ص۴۲۔ ⑭ النساء: ۶۴، ⑮ الشعراء: ۱۰۷، ۱۰۸

ایسے ہی جملے حضرت ہود[۳]، حضرت صالح[۳]، حضرت لوط[۳] اور حضرت شعیب[۳] نے بھی ارشاد فرمائے[۱]۔ غرضیکہ قرآن و احادیث میں مختلف اسالیب اور متعدد پیرایوں میں اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعیت اور حجیت کا حکم موجود ہے۔ اسلامی عقائد کا تاریخی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ مسلمانانِ عالم نے ہمیشہ ہی اطاعتِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لیے دنیاوی اعمال کا معیار اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ سمجھا ہے اور ہمیشہ سے ہی اس آستانِ اقدس پر نیاز مندانہ حاضر رہے ہیں۔

محمد بن عبداللہ السلمی المرسی (م ۶۵۵ھ) کہتے ہیں۔

مَنْ کَانَ یَرْغَبُ فِی النَّجَاۃِ فَمَالَہٗ — غَیْرُ اتِّبَاعِ الْمُصْطَفٰی فِیْمَا اَتٰی [۲]

عقلِ انسانی بڑا معتبر سہی مگر یہ دربارِ رسالت کی دریوزہ گر اور ترلہ ربا ہے اس لئے مطیع و منقاد ہے، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی بعض بظاہر ناموافق شرائط پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ متحیر تھے۔ انہیں اپنی صداقت شعاری اور راست روی پر پورا یقین تھا۔ اس لئے وہ یوں جھک کر معاہدہ طے کرنے پر برہم تھے انہوں نے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو آنحضرت[۳] کا ایک ہی جملہ دافع شکوک و ابہام ہوگیا، فرمایا:

یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَلَنْ یُّضَیِّعَنِیَ اللّٰہُ اَبَدًا [۳]

یہ جملہ قاطع شبہات تھا۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ جب رسول[۳] تسلیم کر چکے تو پریشانی کیسی؟ ان تمام معاملات کو بحکم الٰہی سمجھ کر قبول کر لیں کیونکہ اطاعتِ رسول لازم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا واقعہ ہے کہ خانہ کعبہ کے طواف کے آخر پر جب حجرِ اسود تک پہنچے تو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

"لَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَبَّلَکَ مَا قَبَّلْتُکَ" [۴]

پتھر کو بوسہ دینا طبیعت پر بوجھ تھا۔ مگر ہادی برحق[۳] جو بحکم الٰہی 'مطاع' ہیں، کی اقتدا میں بوسہ دینا مین توحید ہے۔ عمل پیغمبر حجت ہے اگرچہ عقل کا فیصلہ مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

مَنْ یَّتَّبِعْ قَوْلَ النَّبِیِّ فَاِنَّہٗ — فِیْنَا مُطَاعُ الْاَمْرِ حَقٌّ مُصَدَّقٌ [۵]

اطاعتِ رسول[۳] مسلمان کی زندگی کا منتہیٰ مقصود ہے۔ یہ تعلق جس قدر مضبوط ہوگا اسی قدر اس میں ذوق پیدا ہوگا۔ کیونکہ جب اطاعت خارج کے حکم کے بجائے داخل کا اقتضا بن جائے تو اطاعت شعار اس میں کیف محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور یوں ایمان بالرسالت، اطاعت و اتباع کی آنچ سے دلی محبت اور قلبی ارادت میں ڈھل جاتا ہے۔ الوتری (م ۶۶۲ھ) کہتے ہیں۔

دِمَاءٌ مَزَجْنَاھَا بِحُبِّ مُحَمَّدٍ — وَاَکْبَادُنَا مِنْ شَوْقِہٖ تَتَوَقَّدُ [۶]

اور وارفتگی کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فَمَا نَحْنُ اِلَّا کَالسُّکَارٰی بِحُبِّہٖ — وَاَرْوَاحُنَا مِنْ شَوْقِ اَحْمَدَ فِیْ غَمْضٍ [۷]

مفتی محمد شفیع (م ۱۳۹۶ھ) کہتے ہیں۔

مَا الْحُبُّ اِلَّا الطَّاعَۃُ لِحَبِیْبِہٖ — وَفَنَاءُ کُلِّ اِرَادَۃٍ وَّتَأَمُّلٍ [۸]

عقیدت و محبت

المدائح النبویۃ کا سب سے بڑا محرک جذبۂ محبت و عقیدت ہے۔ محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات کا ہر پہلو محبت و عقیدت کی جلوہ گاہ ہے۔ آپ کے اخلاق و آداب، اقوال و افعال اور آپ کے احکامات و ارشادات میں ایسی دلکشی ہے کہ ہر ناظر اور ہر قاری فدا ہوا جاتا ہے۔ کوئی حسن و جمالِ ظاہری پر فریفتہ ہے تو کوئی کردار و سیرت کی محبوبیت پر نثار، آنکھیں ان کے لئے فرشِ راہ ہیں تو دل ان کے حضور سجدہ ریز۔ شخصیت میں انجذاب کی وہ قوت موجود ہے کہ سب کھنچے آتے ہیں۔ ؎ یَا مَنْ ھُوَ لِلْقُلُوْبِ مِغْنَاطِیْسُ [۹]

---

(۱) الشعراء: ۱۲۶، ۱۴۴، ۱۶۳، ۱۷۹، ۱۷۹۔ (۲) نفح الطیب الجزء الثالث: ص ۱۲، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ الجزء الخامس: ص ۲۹۔
(۳) صحیح مسلم، جلد الثانی، کتاب الجہاد والسیر باب، صلح الحدیبیۃ: ص ۱۰۶، عن سہل بن حنیف۔ (۴) صحیح بخاری، جلد اول، کتاب المناسک، باب تقبیل الحجر: ص ۲۱۸، عن اسلم العدوی مولیٰ عمر بن الخطاب۔ (۵) سیرۃ النبی[۳]، ابن ہشام، الجزء الثالث: ص ۲۹۳۔
(۶) المجموعۃ النبہانیہ، جلد ثانی: ص ۵۰ (۷) حوالہ مذکورہ: ص ۲۸۳، (۸) نغمات، ص ۸۰۔
(۹) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ، بحوالہ سیرۃ النبی[۳] کا ماخذ۔ القرآن، ابوالکلام آزاد (جتان، رحمۃ للعالمین نمبر ۲۰ تا ۲۷ جولائی ۱۹۶۲ء ص ۹۷)

محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ یہ ایسا قلبی تعلق اور ذہنی جھکاؤ ہے جو روابط کی متفاوت حیثیتوں کے حوالے سے مختلف افراد کے ساتھ قائم ہوتا ہے نسبی تعلق، معاشرتی اخوت، ذہنی ہم آہنگی اور مقاصد کا اشتراک اس کے محرک بنتے ہیں۔ اولاد، ماں باپ سے محبت کرتی ہے تو ماں باپ اولاد سے پیار کرتے ہیں۔ یہ محبت و پیار خونی رشتے کی بنیاد پر قائم ہے۔ دوست احباب اور ہم مکتبوں سے تعلق اور انس معاشرتی قرب کا نتیجہ ہے۔ کسی عبقری انسان یا عالمی شخصیت سے ارادت عقلی و ذہنی ہم آہنگی یا مرعوبیت کے سبب سے ہے۔ اسی طرح قوم و ملت سے عقیدت وگرویدگی تعلقات باہمی کے لئے مشترک رشتوں کی مرہون منت ہے۔ یہ تمام محبتیں اپنے اپنے حلقہ اثر میں بے حد اہمیت رکھتی ہیں۔ اسلام ان محبتوں کی نفی نہیں کرتا بلکہ انہیں اپنے محدود دائروں میں نشوونما دینا چاہتا ہے مگر یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ یہ اپنے حدود سے متجاوز نہ ہوں۔ اسلام کے نزدیک محبتوں کا نقطۂ عروج (اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت ہے۔ اسلام اصرار کرتا ہے کہ اس محبت کو فوقیت اور برتری حاصل ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ محبت اطاعت کی روح ہے۔ اس کے بغیر اطاعت جسم بے جان ہے کیونکہ جذبات محبت ہی اطاعت کو وقار بخشتے ہیں۔ اطاعت ایمان کا ثمرہ ہے۔ اور ایمان بغیر محبت متحقق ہی نہیں ہوتا۔

"وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ" [1]

"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ" [2]

"لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ" أَوِ الرَّجُلُ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ [3]

ایمان کی حلاوت کے لئے تین بنیادی اوصاف میں سے ایک اہم وصف کا ذکر یوں فرمایا گیا۔

أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا [4] ایک اور روایت میں ارشاد ہوا۔

مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا [5]

ان روایات میں ماں باپ، اولاد، عزیز و اقارب، مال و دولت حتیٰ کہ تمام بنی نوع انسان کی محبت سے (اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو فزوں تر قرار دیا گیا۔ اور اس افزوں محبت کو مدار ایمان ٹھہرایا گیا۔ ان احادیث میں ہر اس فرد کا ذکر ہے۔ جو عموماً مرجع محبت ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی سے محبت ممکن تھی۔ تو مِمَّا سِوَاهُمَا میں ان تمام کا حوالہ بھی آ گیا۔ ان روایات کے الفاظ واضح اور ان کا مفہوم اس قدر قریب الفہم ہے کہ کسی ابہام یا غلط فہمی کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا۔ مگر عقل انسانی تاویلات کی خوگر ہے اس لئے اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں اس مطلق حکم سے کوئی جواز کی صورت نہ نکال لی جائے اور محبت رسول اللہ ﷺ میں کوتاہی سرزد نہ ہو جائے حضرت عمرؓ نے ایک سوال کے ذریعے اس ابہام یا غلط فہمی کا ازالہ کرا لیا۔ آپ نے آقائے نامدار ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے عرض کیا۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا نَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللَّهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْآنَ يَا عُمَرُ [6]

محبت شراکت برداشت نہیں کرتی، محبت جذبۂ صادق ہے اور صداقت دوئی پسند نہیں۔ توحید پرست ہوتی ہے۔ حبیب کبریا ﷺ کی محبت ایسی یکسوئی چاہتی ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ قرآن محبت کو ایمان کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اور ایمان شرک سے منزہ اور کثرت سے پاک ہے اس لئے محبت رسول اللہ ﷺ میں نہ کوئی شراکت برداشت ہوتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی مداہنت۔ قرآن کہتا ہے:

"قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ" [7]

---

① صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، عن ابی ہریرہؓ جلد اول ص۷، ② ایضاً، عن انس بن مالکؓ و ایضاً فی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ ﷺ عن انس بن مالکؓ، جلد اول ص۴۹ ③ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ ﷺ جلد اول ص۴۹ عن انس بن مالک
④ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان عن انس بن مالکؓ، جلد اول ص۷ ⑤ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، عن انس بن مالکؓ، جلد اول ص۴۹ ⑥ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کان یمین النبی ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم، عن عبد اللہ بن ہشام، جلد ثانی، ص۹۸۱،
⑦ سورۃ توبہ، ۲۴۔

محبِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مظاہر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ اُن کی زندگیاں اتباعِ رسولِ اکرمؐ سے آراستہ تھیں اور اُن کے دل حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے۔ ہر صحابی فنا فی الرسول کی اس منزل پر تھا۔ جہاں سے علی الدوام بوئے حبیبؐ آتی تھی۔ وہ کوچۂ حبیبؐ کے طواف میں لذت اور درِ حبیبؐ کی چاکری میں اپنی نجات کے سامان پاتے تھے۔ وہ قرب سے متمتع اور حضوری کی لذت سے فیض یاب تھے۔ محبت قرب چاہتی ہے اور وہ انہیں حاصل تھا۔ مگر انہیں دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں وصال کے لمحات گریز پا ثابت نہ ہوں۔ حیاتِ مستعار کے بعد کی دائمی زندگی میں حبیبِ کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان اور آپؐ کا مقامِ محمود کہیں قربتوں میں حائل نہ ہو جائے۔ وہ جب ایسا سوچتے تو تڑپ اُٹھتے۔ ان کا سرمایۂ حیات محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کیا تھا۔ نماز، روزہ اور دیگر عبادات تو محبت کے خارجی مظاہر تھے۔ اصل دولت تو حبِ محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تھی وہ جب بے چین ہوتے تو اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ [۱] اور اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ [۲] کے شیریں جملے اُن کے لئے قرارِ جاں بنتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روزمرہ کی زندگی میں حبِ رسولؐ کے بے شمار دلکش اور روح پرور مناظر موجود ہیں۔ حدیبیہ کے مقام پر عروہ بن مسعود قریشِ مکہ کی جانب سے صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے حاضر ہوا تو اس نے صحابہ کے عمومی رویے میں وارفتگی اور عقیدت کا وہ بے پناہ جذبہ دیکھا کہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ واپسی پر قریشِ مکہ سے کہنے لگا۔

"یَا مَعْشَرَ قُرَیْش، اِنِّیْ قَدْ جِئْتُ کِسْریٰ فِیْ مُلْکِہٖ وَقَیْصَرَ فِیْ مُلْکِہٖ وَالنَّجَاشِیَّ فِیْ مُلْکِہٖ،
وَاِنِّیْ وَاللہِ مَا رَاَیْتُ مَلِکًا فِیْ قَوْمٍ قَطُّ مِثْلَ مُحَمَّدٍ فِیْ اَصْحَابِہٖ" [۳]

صحابہ کرام میں محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو وہ اس طرح ٹوٹ کر گرتے کہ "کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلیٰ وَضُوْئِہٖ" [۴] حضرت انسؓ موئے مبارک اور پسینہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ کئے ہوئے تھے۔ اور کفن میں رکھنے کی نصیحت فرماتے تھے [۵]۔ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ وہ خوش قسمت صحابی ہیں جو سب سے پہلے موئے مبارک حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے [۶] جب کہ عبیدہ بن عمرو کو حسرت ہی رہی کہ کاش وہ بھی حاصل کر سکتے۔ چنانچہ دلی کرب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"لَاَنْ تَکُوْنَ عِنْدِیْ شَعْرَۃٌ مِنْہُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْہَا" [۷]

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا آپ کے آرام و سکون کی خاطر تمام رات بے چین رہنا [۸]، حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کا حفاظتِ رسالت پناہؐ کے لئے ڈھال بنے رہنا [۹] حضرت عمرو بن العاصؓ کا فرطِ محبت سے سرنگوں رہنا اور آنکھ بھر کر دیکھنے کی ہمت نہ کرنا [۱۰]، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وقتِ آخر پیشانی مبارک کو چوم لینا [۱۱] محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ روح پرور مظاہر ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بے پناہ عقیدت اور بے مثال محبت کے روشن دلائل ہیں۔

شاعر حساس دل رکھتے ہیں۔ ان کے جذبات میں سرشاری و بے خودی کے عناصر عام انسانوں سے بدرجہا زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کا اظہارِ محبت بھی زیادہ پر کیف اور والہانہ ہوتا ہے۔ عبد العزیز بن علی الغزالی کہتے ہیں۔

فَمَتیٰ نَظَرْتُ وَاَنْتَ مَوْضِعُ نَظْرَتِیْ — وَمَتیٰ نَطَقْتُ فَمَا لِغَیْرِکَ اَنْطِقُ
اَلْقَلْبُ یَعْشَقُ وَالْمَدَامِعُ تَنْطِقُ — بَرِحَ الْخَفَاءُ فَکُلُّ عُضْوٍ مَنْطِقُ [۱۲]

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الآداب، باب علامۃ الحب، من عبد اللہ بن مسعود، جلد ثانی ص ۹۱۱۔ (۲) صحیح بخاری، کتاب الآداب، علامۃ الحب، عن انس بن مالکؓ، جلد ثانی ص ۹۱۱
(۳) سیرۃ النبیؐ، ابن ہشام الجزء الثالث، ص ۳۶۲، ص ۳۶۳۔ (۴) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب استعمال فضل وضوء الناس، عن المسورؓ، جلد اول، ص ۳۱
(۵) صحیح البخاری، کتاب الاستیذان باب من زار قوما من قال عندہم، جلد ثانی، ص ۹۲۹۔ (۶) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان، عن انس بن مالکؓ، جلد اول، ص ۲۹۔ (۷) ایضاً عن محمد بن سیرین (۸) سیرۃ النبیؐ، ابن ہشام، الجزء الثالث ص ۱۱۶۔ (۹) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب ابی طلحہ عن انس بن مالکؓ، جلد اول، ص ۵۳۲۔ (۱۰) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ، عن ابن شماسۃ المہری، جلد اول، ص ۷۶۔ (۱۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ و وفاتہ، عن عائشہؓ، جلد ثانی ص ۶۳۰، ۶۴۱
(۱۲) نفح الطیب، الجزء الثانی، ص ۲۳۲۔

محبت وہ جذبۂ شدید ہے کہ اگر اسے مناسبت ذریعہ اظہار نہ ملے تو یہ آنکھوں کے راستے آنسوؤں کی صورت میں بہہ آتی ہے۔
علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) اسی کیفیت کا اظہار فرماتے ہیں۔

وَكُنْتُ اُكَتِّمُ حُبِّيْ فِي الْهَوىٰ زَمَناً — حَتّٰى تَكَلَّمَ دَمْعُ الْعَيْنِ فَانْكَشَفَا [۱]

حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی زندگیوں کا وہ سرمایہ ہے کہ جس پر انہیں بجا طور پر ناز ہے۔ نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) کہتے ہیں۔ اِنِّیْ عَشِقْتُ وَمَا عِشْقِیْ بِمُبْتَدِعٍ — اَلْاِنْسُ وَالْجِنُّ وَالْاَمْلَاكُ تَهْوَاكَ [۲]

اور یہ ناز کیوں نہ ہوتا جب کہ حبِ احمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رگ و ریشے میں پیوست ہو چکی تھی۔
مولانا خیر الدین (م ۱۳۲۶ھ) کہتے ہیں۔ جَمَالُكَ فِیْ عَيْنِیْ وَذِكْرُكَ فِیْ فَمِیْ — وَحُبُّكَ فِیْ قَلْبِیْ فَاَيْنَ تَغِيْبُ [۳]

اور یہی محبت ان کی عبادات کی جان اور اطاعت کی روح تھی۔

مَحَبَّتُهٗ لَنَا مُخُّ الْعِبَادَةِ — لِغَيْرِهٖ لَا نَعُوْدُ لِاَيَّامٍ [۴] (شفیق جون پوری)

اور اسی سے ان کی زندگی کو وقار حاصل تھا اور یہی توحید پرستی کے لئے سند کا درجہ رکھتی تھی۔

حُبُّ الرَّسُوْلِ حَیَاۃُ کُلِّ مُوَحِّدٍ — من کل قاص فی الوری اودانی [۵] (قاضی عبد السلام سلیم م ۱۳۶۵ھ)

اور اسی میں ان کی زندگی کے شب و روز بسر ہوتے تھے۔

قَطَعْتُ بِحُبِّكُمْ اَيَّامَ عُمْرِیْ — فَلَا اَسْلُوْ وَقَدْ بَقِیَ الْقَلِيْلُ [۶] (مولانا خیر الدین، م ۱۳۲۶ھ)

دل اُن کی محبت سے معمور تھا تو زبان انہیں کے ترانے گانے میں لذت پاتی تھی۔ کیوں نہ ہو۔ یہ محبت کی پرانی ریت ہے کہ وہ دل میں مسکن بناتی ہے۔ تو زبان اس کے اظہار کے لئے عمدہ سے عمدہ اندازِ مدح اختیار کرنے کو بے تاب رہتی ہے۔
مولانا آزاد نے کہا تھا۔ "یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو نام دل کو محبوب و محترم ہو وہ زبان پر گذرے اور محبت و احترام سے خالی ہو" [۷]
اور پھر ایک جلیل القدر محدث کا قول نقل کیا ہے کہ " انہیں حدیث نبوی سے شوق کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے:
"اس لئے کہ اس میں بار بار قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ آتا ہے اور اس طرح اس اسم گرامی کے ذکر اور اس پر درود و صلوٰۃ عرض کرنے کی تقریب ہاتھ آجاتی ہے" [۸] اسی لئے مادحین حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبۂ صادقہ کے تحت ہر وقت انہیں کے ذکر میں راحت پاتے ہیں۔ اور جذباتِ عشق کے اظہار کے لئے یوں پکار اٹھتے ہیں۔ مولانا غلام محی الدین قصوری (م ۱۳۷۰ھ) کہتے ہیں:

اَكْثَرْتُ تَكْرَارِیْ لِذِكْرِ مُحَمَّدٍ — حُبًّا لَهٗ فَخْرًا لِحُبِّ مُحَمَّدٍ
لِمُحَمَّدٍ، لِمُحَمَّدٍ، لِمُحَمَّدٍ — لِمُحَمَّدٍ، لِمُحَمَّدٍ، لِمُحَمَّدٍ [۹]

---

① دیوان ابن حجر العسقلانی، ص ۱۱۔ ② اتحاف النبلاء، نواب صدیق حسن خان، ص ۲۶۸
③ حفظ المتین عن لصوص الدین، مولانا خیر الدین، ص ۲، ④ خرمن عشق ص ۱۲۱،
⑤ الجذبۃ الشوقیۃ، ص ۳ ⑥ البصائر العشر الجلیلۃ۔ مولانا خیر الدین ص ۵۳،
⑦ الہلال، بدھ، ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء/ ۱۱ ذی قعدہ، ۱۳۳۰ھ، جلد ۱ شمارہ ۱۵۔ ص ۱۱
⑧ حوالہ مذکورہ، ⑨ احسن الکلام، ص ۲۰۔

توسُّل واِستغاثہ

رسولِ معظّم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نبی و رسول ہر اُس شرف و فضیلت سے بہرہ یاب ہیں۔ جو تمام دیگر انبیاء کرام اور رسولانِ سلف کو عطا ہوئے مگران مشترک اوصاف و محامد کے علاوہ بھی آپ کو بے شمار ایسے فضائل سے نوازا گیا جو صرف اور صرف آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہوئے۔ اِن امتیازی اوصاف و محامد کو خصائص کہا جاتا ہے۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحیفہ اور تاریخ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی نوشتہ اِن خصائص کے ذکر سے خالی نہیں۔ ہر مصنف نے اپنی تصنیف کے حدود و قیود کے مطابق ان کا تذکرہ کیا اور آپ کی انفرادی حیثیت کی وضاحت کی مقدور بھر کوشش کی۔ بعض باہمت اور عقیدت کیش علماء نے اِن خصائص کو اپنی مستقل تصنیفات کا موضوع بنایا۔ جیسے علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی (م ۹۱۱ھ) نے الخصائص الکبریٰ کے نام سے ایک مبسوط تالیف میں خصائص مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ کی کوشش کی قاضی ابوالفضل عیاض الاندلسی ۵۴۴ھ نے الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ میں حقوق و خصائص کا ایک حسین مرقع مرتب کیا، احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مجموعوں میں خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقل ابواب تدوین ہوئے یا دیگر ابواب کی مناسبت سے اِن کا تذکرہ کیا گیا۔ اِس طرح خصائص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اسلامی دنیا میں اِس تواتر سے ہوا کہ ہر مسلمان اپنی علمی حیثیت کے مطابق اِن سے روشناس ہے۔

'المدائح النبویۃ' کے محرکات میں اِن خصائص کو کلیدی حیثیت حاصل ہے اِن میں سے اکثر کا ذکر ہم موضوعات کے عنوان کے تحت کر چکے ہیں۔ اِن میں پانچ خصائص کو زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ کیونکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کا مقام مدح میں ذکر فرمایا ہے۔ اور انہیں (اللہ تعالیٰ کی) خصوصی نوازشات میں شمار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ [1]

یہی حدیث الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ مسلم میں بھی موجود ہے [2]

اِن خصائصِ خمسہ میں سے شفاعت' وہ شرف ہے جس کا ذکر کثیر روایات میں مختلف حوالوں سے موجود ہے۔ اِن سب میں مشہور وہ روایت ہے جو حضرت انس بن مالک رض سے مروی ہے۔ قیامت کے روز لوگ پریشانی کے عالم میں باری باری ہر نبی ؑ کے حضور حاضر ہوں گے اور اِس ہولناک عالم سے نجات کی خواہش کا اظہار کریں گے مگر سب دوسروں کی طرف راہنمائی کریں گے تاآنکہ وہ سب درِ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کے طلبگار ہوں گے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے اور ارحم الراحمین کی استدعا کریں گے۔ اِس پر کہا جائے گا:

" اِرْفَعْ رَأْسَكَ فَسَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ " [3]

اکثر انبیاء کرام سے ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار تک خلقِ خدا کا طلب شفاعت کیلئے حاضر ہونا واضح شہادت ہے۔ کہ شفاعتِ کبریٰ" کا منصب جلیل آپ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

" عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا [4]

حضرت عبداللہ بن عباس رض فرماتے ہیں " هٰذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ مَقَامُ الشَّفَاعَةِ [5]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب 'مقام محمود' کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا " هِيَ الشَّفَاعَةُ " [6]

---

① صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب جعلت الارض مسجدا و طھورا، عن جابر بن عبداللہ: جلد اول صـ ۶۲۔ ② صحیح مسلم کتاب المساجد، عن جابر بن عبداللہ، جلد اوّل: صـ ۱۹۹۔ ③ صحیح بخاری کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار جلد ثانی صـ ۹۷۱ صحیح مسلم کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ، جلد اوّل صـ ۱۰۹، جامع ترمذی جلد ثانی: باب ماجاء فی الشفاعۃ: صـ ۶۶، ابن ماجۃ، باب ذکر الشفاعۃ: صـ ۳۲۹۔

④ سورۃ بنی اسرائیل: ۷۹، ⑤ تفسیر ابن کثیر، الجزء الثالث، صـ ۵۵۔ ⑥ الشفاء الجزء الاوّل: صـ ۱۳۴

مزید فرمایا "هُوَ الْمَقَامُ الَّذِي أَشْفَعُ لِأُمَّتِي فِيهِ "[1] امام ابن کثیر علیہ الرحمۃ کی رائے یہ ہے کہ شفاعت کبریٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے[2]

'توسل' طلب شفاعت ہے اس کا استعمال طلب گار شفاعت کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب کہ اُس ذات پر اعتمادِ کلی ہو جس سے توسل کیا جا رہا ہے۔ علی الجندی ناصف 'توسل' کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

التوسّل بأمرئٍ لإدراك بُغية يدلّ على الثقة به وحسن الرأي في كفايته لما ندب له،
وينطوي على الاعتراف بعظم قدره وفور كرامته عند من يتوسّل به إليه.
فهو إذا ضرب من الاجلال له والثناء عليه والاقرار بفضله ولكن في أسلوب غير
غير مباشر ولا صريح "[3]

استغاثہ طلب معونۃ ہے جو دراصل 'توسل' کا ایک مظہر ہے۔ یہ ذاتِ ممدوح پر کامل اعتماد اور بے پناہ بھروسے کا اظہار ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا قلبی تعلق اور ذہنی رابطہ ہر مسلمان کی زندگی کا نمایاں وصف ہے۔ جو اس کے آپ پر بھروسے اور اعتماد کی دلیل ہے۔ اس اعتقاد کے نتیجے میں توسل اور استغاثہ ہر دور کی مدحیہ شاعری کے محرک رہے ہیں۔ وارفتگی اور خود سپردگی کے عالم میں بے احتیاطی کا شائبہ موجود ہوتا ہے مگر صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں شریعت کا دامن بہرحال مدح نگاروں نے تھامے رکھا ہے۔ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل، تشفع یا استغاثہ سے عربی نظم و نثر کا دامن مالا مال ہے۔ اس میں وقت، زمانہ، کیفیت اور مستغیث کی کوئی قید کبھی نہیں رہی۔ علامہ السمہودی نے اس عمومیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔

اِعْلَمْ أَنَّ الِاسْتِغَاثَةَ وَالتَّشَفُّعَ بِالنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِجَاهِهِ وَبَرَكَتِهِ إِلَى رَبِّهِ تَعَالَى
مِنْ فِعْلِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَسِيَرِ السَّلَفِ الصَّالِحِينَ وَاقِعٌ فِي كُلِّ حَالٍ قَبْلَ
خَلْقِهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَبَعْدَ خَلْقِهِ، فِي حَيَاتِهِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَمُدَّةِ الْبَرْزَخِ وَعَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ[4]

حضرت آدم علیہ السلام کا "یَا رَبِّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ" کہہ کر طلب مغفرت کی دعا کرنا[5]
قحط سالی کے ایام میں جناب عبدالمطلب کا "یَا رَبِّ بِحَقِّ هٰذَا الْغُلَامِ" کہہ کر اس وقت بارش کی دعا کرنا۔ جبکہ عرب میں بارش دو سالوں سے رکی ہوئی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام رضاعت تھے۔[6] اور اس سے متاثر ہو کر جناب ابوطالب کا مدح سرا ہونا۔

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ۔ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ[7]

ایک اعرابی کا دربار رسالت میں قحط زدگی سے گھبرا کر دہائی دینا، دعا کے لئے التجا کرنا اور دعا کے نتیجے میں بارش کا موسلا دھار برسنا[8]
ایک نابینا صحابی کا "یَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هٰذِهِ لِيَقْضِيَ لِي، اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ" پڑھ کر بینائی لوٹ آنے کی امید رکھنا۔[9]
اور میدان حشر میں مخلوقِ خدا کا آپ سے طالبِ شفاعت ہونا۔[10]
توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف مظاہر ہیں۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، بروایت احمد عن ابی ہریرۃ، الجزء الثالث، ص ۵۸۔ (۲) تفسیر ابن کثیر، الجزء الثالث، ص ۵۵۔
(۳) الدین والاخلاق فی شعر شوقی، ص ۸۳۔ (۴) وفاء الوفا السمہودی، المجلد الرابع ص ۱۳۷۲۔ (۵) حضرت عمر کی روایت ہے (الحاکم البیہقی اور الطبرانی فی الصغیر، ابونعیم اور ابن عساکر کے حوالے سے الخصائص الکبریٰ، الجزء الاول ص ۶ نے روایت کی۔
(۶) الملل والنحل الشہرستانی الجزء الثالث، ص ۲۸۳۔ (۷) حوالہ مذکورہ، ص ۲۸۴۔ (۸) صحیح بخاری کتاب الاستسقاء عن انس بن مالک، باب الاستسقاء فی خطبۃ الجمعۃ، باب الاستسقاء علی المنبر، باب من اکتفی بصلاۃ الجمعۃ فی الاستسقاء، باب الدعاء اذا تقطعت السبل من کثرۃ المطر، ص ۱۳۸، باب اذا استشفع المشرکون بالمسلمین عند القحط، ص ۱۳۹، جلد اول۔ (۹) جامع الترمذی ابواب الدعوات، ص ۲۲۰ عن عثمان بن حنیف 'الفاظ میں معمولی فرق' ابتدا یوں ہے۔ انی توجہت بک (۱۰) صحیح بخاری کتاب الرقاق باب صفۃ الجنۃ والنار، جلد ثانی ص ۹۷۱ و صحیح مسلم کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ، المجلد الاول، ص ۱۰۹، عن انس بن مالک۔

یہ تمام روایات شعراء دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ہیں۔ شعراء کو اپنے جذبات کے اظہار کے لئے چند سہولتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جو نثر نگار کو نصیب نہیں ہوتیں۔ تصورات کی وسیع جولانگاہ ہر خیال کو سمو لینے کی استطاعت رکھتی ہے۔ مگر موضوع کی نزاکت انہیں محتاط روش پر مجبور کرتی ہے اور خواہش کی شدت کے باوجود ان کا اشہب قلم سرپٹ نہیں دوڑ سکتا بلکہ آہستہ روی کا خوگر ہوتا ہے۔ تاریخ مدح نگاری کا سرسری جائزہ بھی یہ حقیقت منکشف کرنے کیلئے کافی ہے کہ صحابہ کرام کے دور مسعود سے آج تک در حبیب ﷺ کی غلامی ہر مدح نگار کے لئے باعث فخر رہی ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہی آپ کی نگاہ کرم کے ملتجی رہے ہیں۔

حضرت زہیر بن صرد الجشمی، ابو جرول رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

اُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي كَرَمٍ ــ فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَنَنْتَظِرُ [1]

حضرت اسود بن مسعود الثقفی رضی اللہ عنہ، رحمت العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور یوں اعتراف رحمت کا اعلان کرتے ہیں۔

أَنْتَ الَّذِي تُرْتَجَى فَوَاضِلُهُ ــ عِنْدَ الْقُحُوطِ إِذَا مَا أَخْطَأَ الْمَطَرُ [2]

علامہ شرف الدین البوصیری (م ۶۹۲ ھ) نعتیہ شاعری کے امام "المدائح النبویہ" کے نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کے انداز میں جذب و کیف کی مستی پائی جاتی ہے۔ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کا استغاثہ نہایت پرتاثیر ہے، کہتے ہیں۔

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ ــ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمِمِ [3]

امام ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ ھ) باب رجاء کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَإِنْ قَنِطَتْ مِنَ الْعِصْيَانِ نَفْسِي ــ فَبَابُ مُحَمَّدٍ بَابُ الرَّجَاءِ [4]

برصغیر پاک و ہند کے شعراء اپنے جذبات محبت کے اظہار اور وجہ قرار کائنات ﷺ کی ذات سے توسل و استمداد میں عرب شعراء کا سا جوش و ولولہ رکھتے ہیں۔ شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ ھ) کہتے ہیں:

وَلَيْسَ فِي الدِّينِ وَالدُّنْيَا وَآخِرَتِي ــ سِوَى جَنَابِ رَسُولِ اللّٰهِ مُعْتَمَدِي [5]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ ھ) شفاعت کبریٰ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

وَفِي أَمْرِ الشَّفَاعَةِ حِينَ يُدْعَى ــ لَهَا مِنْ بَعْدِ عُذْرِ الْأَنْبِيَاءِ [6]

اور شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ ھ) فرماتے ہیں۔

يَا كَاشِفَ الضَّرَّاءِ مِنْ مُسْتَنْجِدٍ ــ يَا مُنْجِيًا فِي الْحَشْرِ مَنْ وَالَاكَا [7]

حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی کا انداز سب سے جدا گانہ ہے اور جملہ شعری محاسن سے مزین ہے، کہتے ہیں۔

نَظَرُ الْحَبِيبِ إِلَى الْغَرِيبِ عِنَايَةٌ ــ نَظَرُ الْعِنَايَةِ شِيمَةُ الْكُرَمَاءِ
كُنْ أَنْتَ فِي يَوْمٍ يَلُوذُ بِكَ الْوَرَى ــ يَا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ جِذَائِي [8]

نواب صدیق حسن خان کہتے ہیں:- (م ۱۳۰۷ ھ)

وَسِوَاكَ مَا لِي فِي الْقِيَامَةِ شَافِعٌ ــ أَنْتَ الْمُخَلِّصُ لِي مِنَ الْبَأْسَاءِ [9]

مولانا احمد رضا خان بریلوی (م ۱۳۴۰ ھ) حضور رسالت مآب ﷺ پناہ کے طلبگار ہیں:-

رَسُولَ اللّٰهِ أَنْتَ الْمُسْتَجَارُ ــ فَلَا أَخْشَى الْأَعَادِيَ كَيْفَ جَارُوا
بِفَضْلِكَ أَرْتَجِي أَنْ عَنْ قَرِيبٍ ــ تَمَزَّقَ كَيْدُهُمْ وَالْقَوْمُ بَارُوا [10]

مفتی جمیل احمد تھانوی حضرت آدم علیہ السلام کے توسل بالنبی ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

إِذْ تَابَ آدَمُ دَاعِيًا بِمُحَمَّدٍ ــ قَدْ قِيلَ كَيْفَ عَلِمْتَ وَهُوَ خَفَاءُ
فَأَجَابَ مَكْتُوبٌ عَلَى الْعَرْشِ اسْمُهُ ــ وَمِنَ الْمُحِبِّ عَلَى الْحَبِيبِ ثَنَاءُ [11]

الغرض المدائح النبویہ ﷺ کی پوری روایت میں توسل، استغاثہ اور طلب شفاعت کے مضامین شامل رہے ہیں۔ اور اسطرح نعتیہ شاعری میں شاعر کی ذات کی شمولیت نے شعر کی اثر آفرینی فزوں تر کر دی ہے۔

---

(۱) الاستیعاب الجلد الاول: ص ۱۹۹، (۲) الاصابۃ: الجزء الاول: ص ۶۱، (۳) طیب الوردہ، شرح قصیدہ البردہ، ص ۳۸۶، (۴) دیوان امام ابن حجر: ص ۲۳، (۵) نزہۃ الخواطر جلد ثالث، ص ۱۰، (۶) اطیب النغم، ص ۳۲، (۷) نزہۃ الخواطر الجزء الرابع، ص ۱۸۲، حیات ولی، ص ۳۲۶، تذکرہ اہل دہلی، ص ۸۳، (۸) دیوان اول، ص ۵، (۹) مآثر صدیقی جلد دوم، ص ۳۱، اتحاف النبلاء ص ۲۶۴، (۱۰) حدائق بخشش جلد سوم، ص ۸۱، الفتاوی الرضویہ: جلد اول، ص ۳۸۱، (۱۱) ماہنامہ "الخالد" مدینۃ، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ ھ، ص ۱۶۔

شوقِ دیدار اور خواہشِ زیارتِ مدینۂ منورہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سعادت حاصل تھی کہ وہ حبیبِ کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں شریک تھے۔ رخِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء پاشیاں اُن کی آنکھوں کو منور کرتیں۔ اور گفتارِ رسول ﷺ اُن کے کانوں میں رس گھولتی تھی۔ وہ اپنی اِس بلند بختی پر جتنا چاہتے فخر کر سکتے تھے۔ اِس حضوری کی فضا میں انہیں کبھی محسوس ہی نہ ہوا تھا کہ وہ وقت قریب آ رہا ہے جب وہ اِس دولتِ دیدار سے محروم ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب وفاتِ حضور ﷺ کی خبر مدینہ منورہ کی فضا میں گونجی تو سب حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ اِس موقع پر صحابہ کی حالت اِس قدر تشویشناک تھی کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی یہ خبر تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ بلکہ اعلان کر رہے تھے۔ "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وَاللّٰہِ مَا مَاتَ" [1]
حضرت بلالؓ پر اِس جانکاہ صدمے کا اتنا اثر ہوا کہ مدینۃ النبی ﷺ میں رہنا دوبھر ہو گیا۔ اور آپ شام چلے گئے۔ [2] اکثر صحابہ کرامؓ نے دل کے کرب کو الفاظ کا جامہ پہنایا اور دلگداز مرثیے لکھے۔ ابو زید القرشی نے جمہرۃ اشعار العرب میں المفضل الضبی کے حوالے سے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات پر کوئی صحابی ایسا نہ تھا جس نے شعر نہ کہا ہو۔ [3] ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں بعض صحابہ کرامؓ کے مرثیے نقل کئے ہیں۔ [4] مرثیہ مدح ہی کی ایک قسم ہے جس میں اوصافِ محبوب کا اظہار اپنے غم کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے عہدِ زریں کے بعد جسمانی قرب اور حسی نسبت کی وہ شکل برقرار نہ رہی جس سے صحابہ کرامؓ فیض یاب تھے۔ مگر درد کی کسک اور محبت کی تپش اب بھی بے چین رکھتی تھی۔ زمانہ جوں جوں عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دور ہوتا گیا فراق و ہجر کی جلن شدید تر ہوتی گئی۔ مقدر کی نارسائی اور زیارتِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محرومی نے تمنائے وصال کو دوچند کر دیا اور آتشِ شوق نے محبت کے وہ چراغ روشن کئے کہ عشاق کی زندگیاں سراپا گداز ہو گئیں۔ یہ گداز جب شعر کے روپ میں ڈھلا تو مدحیہ شاعری میں ذکرِ محبوب اور وصفِ حبیب کے ساتھ ساتھ شاعر کا ذہنی کرب اور دلی سوز بھی شامل ہوتا گیا۔ اِس ذہنی کرب اور دلی سوز کے اظہار کے پیرائے مختلف تھے۔ مثلاً

کہیں ذہنی رابطہ مدح نگار کو تصوراتی قرب مہیا کرتا ہے اور وہ خیالات کی حسین دنیا بسائے رہتا ہے۔ خواب میں دیدار کی خواہش اِس یقین سے دوچند ہو جاتی ہے کہ ایسے خواب خام خیالی کے مظہر نہیں بلکہ ایسی حقیقت ہیں جن کے اشارے قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بھی موجود ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں رؤیا اور ان کی تعبیر کے بارے میں "مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ" [5] کا ارشاد، مسلمان علماء کے ہاں فنِ تعبیر رؤیا کی اہمیت نے 'خواب' کو زندگی سے قریب تر کر دیا ہے۔ [6] رؤیا صالحین کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دے کر انہیں آمدہ واقعات کا اشارہ بنا دیا گیا ہے۔ "اَلرُّؤْیَا الْحَسَنَۃُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّۃٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّۃِ" [7] اِس پر مستزاد یہ کہ خواب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کا واضح امکان مدح خوانوں کے شوقِ زیارت کے لئے مہمیز بنتا رہا۔ انہیں یقین تھا کہ یہ محض خوش فہمی نہیں بلکہ عین حقیقت ہے "مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ" [8] خواب میں زیارت کا یہ پہلو تمنائے دیدار کا بہت بڑا محرک رہا ہے کہ جس خوش قسمت کو خواب میں یہ نعمت حاصل ہو گئی تو یقیناً اسے عالمِ بیداری میں بھی زیارت نصیب ہو گی۔ "مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ" [9] ایک دوسری روایت میں ہے "مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَخَیَّلُ بِیْ" [10] زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مزین خواب کو 'اضغاثِ احلام' کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ شیطان اپنی ہزار قوت کے باوجود مثالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے کا دھوکہ نہیں دے سکتا۔ پیغمبرِ حق و صداقت کا بدل نہ حیاتِ ظاہرہ میں ہے اور نہ ہی عالمِ رؤیا میں ممکن ہے۔ یہی اعتقاد مدح خوانوں کو کبھی شوقِ زیارت کی نعمت عطا کرتا ہے جیسے مفتی الٰہی بخش (م ۱۲۴۵ھ) کہتے ہیں

جُدْ بِلُقْیَاکَ فِی الْمَنَامِ وَکُنْ — سَاتِرًا لِلذُّنُوْبِ الْقَنْوِیْ [11]

---

① سیرۃ النبی ابن ہشام الجزء الرابع، ص ۳۳۴۔ ② اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد ۴، ص ۲۷۶۔ ③ المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الاول، ص ۴۸۔
④ الطبقات الکبریٰ ابن سعد، الجزء الثانی، ص ۳۱۹ تا ص ۳۳۳۔ ⑤ سورۂ یوسف، ۳۷۔ ⑥ احادیث کی کتابوں میں کتاب التعبیر کے مستقل ابواب موجود ہیں۔ بخاری، جلد ثانی میں کتاب التعبیر میں خواب میں مختلف اشیاء دیکھنے پر تعبیر دی گئی ہے، ص ۱۰۳۳ تا ص ۱۰۴۴۔ ⑦ صحیح البخاری کتاب التعبیر، باب رؤیا الصالحین، عن انس بن مالکؓ، جلد ثانی، ص ۱۰۳۴۔ ⑧ صحیح البخاری کتاب التعبیر، باب من رأی النبی ﷺ فی المنام، عن ابی قتادہ، جلد ثانی، ص ۱۰۳۶۔ ⑨ صحیح بخاری کتاب التعبیر، باب من رأی النبی ﷺ فی المنام، عن ابی ہریرہؓ، جلد ثانی، ص ۱۰۳۵۔ ⑩ حوالہ مذکورہ، عن انس بن مالکؓ۔ ⑪ حالات مشائخ کاندھلہ، ص ۷۵، نشر الطیب، ص ۱۳۶۔

اور کبھی یہ شوق زندگی کا حاصل بن کر مقصدِ حیات بن جاتا ہے ۔ مولانا عبدالقدیر حسرت (م ۱۳۸۱ھ) اپنی حسرت آمیز خواہش کا یوں اظہار کرتے ہیں ۔

مَا مُرَادِی مِنَ الرُّقَادِ سِوَاانْ ۔ اَجْتَلِی وَجْہَ سَیِّدِی فِی الرُّقَادِ [۱]

حسرت وصال کبھی اس خیال سے تسلی پاتی ہے کہ آخروی حیات میں ان کی زیارت نصیب ہوگی اور سارے ارمان نکل جائیں گے ۔ قیامت کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کے لئے بے چین ہونا ۔ مغفرتِ امت کی دعائیں کرنا ۔ لوگوں کا آپ کے پاس حاضر ہونا اور آپ کا "انا لہا" کہہ کر شفاعت کبری کی خلعت پانا [۲] عشاق کیلئے وجہ قرار بنتا ہے ۔ کہ وہاں جب بے چینی کا عالم ہوگا تو آپ کی رفاقت اور آپ کے دیدار کی دولت ازالۂ مصائب کا باعث ہوگی ۔ مولانا خیرالدین (م ۱۳۲۶ھ) لکھتے ہیں :

فَلَیْسَ بِہَا یَوْمَ الْمَعَادِ ذَخِیْرَۃٌ ۔ بِلَا حُبِّکَ الْمَمْنُوْنِ خَیْرُ الذَّخَائِرِ [۳] ۔ نیز لکھتے ہیں ۔

مَنْ لِی سِوَاکَ إِذَا اُدْرِجْتُ فِی کَفَنِی ۔ وَمَنْ اَنِیْسِی إِذَا اُفْرِدْتُ مِنْ خَوَلِی [۴]

یہ محبت کی پرانی رسم ہے کہ وہ ذات محبوب کے حوالے سے کوئی ممدوح پیدا کر لیتی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، اہل بیت ، امہات المومنین اور خدام و متوسلین کو محبوب و مطلوب بنا دیا ہے ۔ وہاں انہوں نے دیار مقدسہ سے پیار کرنے کا درس بھی دیا ہے ۔ کیونکہ یہ وہ مقام ہے جسے حبیب اللہ ﷺ کے مسکن و مدفن ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے ۔ یہ سرزمین کس قدر محبوب اور لائق احترام ہے اس کا اندازہ امام مالک علیہ الرحمہ (م ۱۷۹ھ) کے اس رویے سے ہو سکتا ہے کہ آپ مدینہ منورہ کی حدود میں سواری پر سوار نہ ہوتے تھے ۔ اور وجہ یہ بتاتے تھے "لَا اَرْکَبُ فِی مَدِیْنَۃٍ فِیْہَا جُثَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَدْفُوْنَۃٌ" [۵] یا مدینہ منورہ سے عقیدت و محبت کا اظہار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس خواہش سے ہوتا ہے کہ آپ کی دعاؤں میں یہ دعا بڑی اہمیت رکھتی تھی ۔ کہ "اَللّٰہُمَّ ارْزُقْنِی شَہَادَۃً فِی بَلَدِ رَسُوْلِکَ" [۶] یا بالفاظ دیگر "اَللّٰہُمَّ ارْزُقْنِی شَہَادَۃً فِی سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِی فِی بَلَدِ رَسُوْلِکَ" [۷] یہ خواہش مومن صادق کے دل کی پکار بھی تھی اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اقتضا بھی ۔ ارشاد تھا ۔ "مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَۃِ فَلْیَمُتْ بِہَا فَاِنِّی اَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ بِہَا" [۸] غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) مدینہ منورہ میں دفن ہونے کی یوں تمنا کرتے ہیں

وَاجْعَلُ صَخْرَ رِضْوَی تَحْتَ رَأْسِی ۔ وَاَرْقُدُ ھٰہُنَا فَوْقَ الْبَلَاطِ

وَیُخْتَمُ بِالْمَدِیْنَۃِ طُوْلُ عُمْرِی ۔ وَیُجْعَلُ مِسْکُ تُرْبَتِہَا حَنَاطِی

وَیُدْفَنُ بِالْبَقِیْعِ نَحِیْلُ جِسْمِی ۔ وَلِیَتَوَجَّہَ قَبْرِی بِالْوِعَاظِ [۹]

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (م ۱۱۷۴ھ) کی آرزو ہے :۔

حُبُّکَ یَا مَحْبُوْبُ قَدْ شَغَفَتْ قَلْبِی ۔ فَیَا لَیْتَ قَبْرِی فِی جِوَارِ تِہَامَۃٍ [۱۰]

مدینۃ المنورۃ میں جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی پناہ بھی میسر آتی ہے ۔ کیونکہ مدینہ منورہ فرشتوں کے حصار میں ہے اور ہر گھاٹی اور ہر وادی پر ملائکہ کا پہرہ ہے ۔

---

(۱) زفرات الاشواق : ص ۱۰ ، (۲) صحیح مسلم ، کتاب الایمان : باب اثبات الشفاعۃ ، جلد اول ، ص ۱۱۰ ، عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ
(۳) البصائر العشرۃ الجلیۃ : ص ۹۲ ، (۴) حوالہ مذکورہ ، ص ۱۵۱ ، (۵) اتحاف النبلاء ، نواب صدیق حسن خان ، ص ۳۴۰
(۶) صحیح بخاری ، کتاب الجہاد ، باب الدعا بالجہاد والشہادۃ ، جلد اول ، ص ۳۹۱ ، (۷) صحیح بخاری ، ابواب فضائل المدینۃ ، عن عمر رضی اللہ عنہ جلد اول : ص ۲۵۳ ۔ (۸) جامع الترمذی ، ابواب المناقب ، باب ما جاء فی فضل المدینۃ : عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ، جلد ثانی ص ۲۵۲ ، سنن ابن ماجہ ، باب فضل المدینۃ : عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ، ص ۲۲۲ ، الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ یہی حدیث موجود ہے ۔ (۹) شیخ غلام علی آزاد ، ص ۲۹۲ (مقالہ مخطوطہ) (۱۰) قلمی نسخہ ۔

وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ مَا مِنَ الْمَدِیْنَةِ شِعْبٌ وَلَا نَقْبٌ اِلَّا عَلَیْهِ مَلَکَانِ یَحْرُسَانِهَا [1] مدینہ طاعون و دجال کے مصائب سے محفوظ ہے اور بہترین پناہ گاہ ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِیْنَةِ مَلَائِکَةٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَالدَّجَّالُ [2] مدینہ منورہ کے قیام کے دوران میں کوئی پریشانی لاحق ہو تو اس پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی کیونکہ مدینہ کے مصائب پر صبر از دیاد رحمت کا باعث ہے اور اس پر شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استحقاق کی نوید بھی ہے " یَقُوْلُ: لَا یَصْبِرُ اَحَدٌ عَلٰی لَاْوَائِهَا فَیَمُوْتَ اِلَّا کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا اَوْ شَهِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ [3] مدینہ ہی وہ قطعہ زمین ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم قرار دیا [4] جس کے لئے خیر و برکت کی دعائیں مانگیں [5] مکہ سے دوگنا برکتوں کی التجائیں کیں [6] مدینہ منورہ کی مسجد کے سفر کو موجب اجر و ثواب کہا اور وہاں نماز کو ہزار گنا زیادہ ثواب کا مستحق ٹھہرایا [8] جہاں کے پہاڑوں سے پیار کیا [9] اور جہاں کی مٹی کو شفا قرار دیا [10] ان روایات نے مدینہ منورہ کی محبت کو علامت ایمان بنا دیا۔ لغت گو شعراء مدینہ منورہ کے در و دیوار اور گلی کوچوں سے محبت کو اپنی زندگی کی معراج گردانتے ہیں۔ روضۂ اقدس کی زیارت اور دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضری اُن کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ وہ اپنے مقدر کی رسائی کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) کہتے ہیں۔

فَقَدْ عَاقَنِی الْبُعْدُ عَنْ سَرَمَای یَا سَکَنِی — وَطَالَ شَوْقِی اِلٰی لُقْیَاكَ یَا سَنَدِی [11]

اور مخدوم محمد ہاشم تتوی (م ۱۱۷۴ھ) عرض کرتے ہیں۔

وَاَذِنْ لِحُبِّیَا مَا شِمًا شَاقَ رَوْضَتَکُمْ — لِیَکْحَلَ عَیْنًا مِنْ تُرَابٍ بِیَلْثِمِ [12]

غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) خاک مدینہ کی سیماکا ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

نَکْحَلُ الْاَکْحَالِ بِتُرْبِ وَصِیْدِهٖ — لَا تَرْتَدُّ نُوْرُ الْمُقْلَةِ الْحَمْیَاءِ

سَحِ الْمَدِیْنَةِ مَا اَجَلَّ تُرَابُهَا — یَجِبُ الْبَصَائِرُ فِیْهِ نَعْلُ الْاِثْمِدِ

وَغُبَارُهَا الْمَحْسُوْسُ فَوْقَ هَوَائِهَا — کُحْلُ الْیَقِیْنِ لِمُقْلَةِ الْمُتَرَدِّدِ [13]

الصرصری (م ۶۵۶ھ) "غبار مدینہ" کی عظمت کا تذکرہ، احادیث رسول ﷺ کے حوالے سے کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَغُبَارُهَا یَشْفِی الْجُذَامَ وَجَارُهَا — مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ نَاجٍ مُطْلَقٌ [14]

مدینہ منورہ کو دائمی عزت اُس روضہ مقدسہ سے حاصل ہوگی جس میں سرکار انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرما ہیں۔ علماء تو اس قطعہ زمین کو تمام دیگر مقامات پر ترجیح دیتے ہیں۔ جہاں آپ کا جسد انور موجود ہے۔ السمہودی (م ۹۱۱ھ) نے تو اس بقعہ مبارکہ کی فضیلت پر اجماع نقل کیا ہے اور التاج السبکی (م ۷۷۱ھ) کے حوالے سے اس سرزمین کو عرش معظم سے بھی افضل قرار دیا ہے [15]، امام بوصیری (م ۶۹۶ھ) اس شرف کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں

لَا طِیْبَ یَعْدِلُ تُرْبًا ضَمَّ اَعْظُمَهٗ — طُوْبٰی لِمُنْتَشِقٍ مِنْهُ وَمُلْتَثِمِ [16]

مدینہ منورہ کی حاضری، روضہ اقدس پر درود و سلام کا نذرانہ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نماز کی ادائیگی کی خواہش ہر دور میں اور ہر وقت عشاق کو بے قرار رکھتی رہی ہے۔ اور اس بے قراری کو ان متعدد احادیث نے جلا بخشی ہے جن میں زیارت مدینہ پر شفاعت کا وجوب اور عدم زیارت پر بعض وعیدیں مذکور ہیں۔ امام السبکی (م ۷۵۶ھ) نے "شفاء السقام فی زیارت خیر الانام" میں ایسی احادیث کی معتدبہ تعداد نقل کی ہے [17]

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ: عن ابی سعید الخدری، جلد اول، ص ۴۴۳، (۲) صحیح بخاری، ابواب فضائل المدینۃ، باب علی کل باب ملکان، عن ابی ہریرہ، جلد اول: ص ۲۵۲، (۳) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ: جلد اول، عن ابی سعید الخدری، ص ۴۴۳،
(۴) سنن ابن ماجہ، باب فضل المدینۃ، ص ۲۳۲، عن ابو ہریرہ، سنن ابو داؤد، الجزء الاول، ص ۲۸۸، کتاب المناسک، باب تحریم المدینۃ، پورا باب اسی مضمون پر مشتمل ہے۔ (۵) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ، جلد اول: ص ۴۴۰، عن عبد اللہ بن زید، ص ۴۴۲، پر ابو ہریرہ، سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے، صحیح بخاری، ابواب فضل المدینۃ، عن عائشہ، جلد اول، ص ۲۵۳ (۶) صحیح بخاری، ابواب فضائل المدینۃ، عن انس بن مالک، جلد اول ص ۲۵۳، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ، جلد اول، عن عائشہ، ص ۴۴۳،
(۷) صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، عن ابو ہریرہ، جلد اول، ص ۱۵۹، سنن ابو داؤد، الجزء الاول، کتاب المناسک، باب اتیان المدینۃ، ص ۲۸۹، عن ابو ہریرہ، سنن النسائی، جلد اول، کتاب المساجد، باب ما تشد الرحال الیہ من المساجد، ص ۱۱۳، عن ابو ہریرہ (۸) سنن النسائی، جلد اول، کتاب المساجد، باب فضل مسجد النبی، ص ۱۱۳، عن ابی ہریرہ، وفا الوفا للسمہودی، الجزء الاول، ص ۶۷، (۹) صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب من غزا بصبی للخدمۃ، جلد اول، ص ۴۰۵، عن انس بن مالک، سنن ابن ماجہ، باب فضل المدینۃ، ص ۲۳۲، عن انس بن مالک
(۱۰) الوفا ابن جوزی، (۱۱) نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص ۱۱، (۱۲) قلمی نسخہ، (۱۳) دیوان ثالث، ص ۵، (۱۴) المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الثانی، ص ۲۱۲
(۱۵) وفا الوفا للسمہودی، الجزء الاول، ص ۲۸، (۱۶) المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الرابع، ص ۷، (۱۷) شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، امام تقی الدین السبکی ص ۱ تا ص ۱۹۵،

چند ثانوی محرکات

ایمان بالرسالت، وجوب اطاعت، تقاضائے محبت، خواہش توسل اور شوقِ زیارت وہ عمومی عوامل ہیں جو مدح نگاری کے بنیادی محرک ہیں۔ مگر اس عمومی رویے کے باوجود ہر مدح نگار کا اپنا خاص مزاج ہے، اُس کے مخصوص حالات اور اخذ و ترک کا اپنا معیار ہے۔ ان سب محرکات کا احصاء تو مناسب نہ ہوگا۔ مگر پھر بھی چند ایسے عوامل کا ذکر بہت ضروری ہے جو مدح نگاری میں فعال کردار ادا کرتے رہے ہیں۔

۱۔ حاضریٔ مدینہ کی کیفیات :-

شوقِ زیارت اور محرومیٔ وصال جب شاعر اور طبائع پر اثر انداز ہوتے ہیں تو شاعر بے ساختہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دہائی دینے لگتے ہیں۔ شاعری پر ہجر و فراق کی چھاپ لگ جاتی ہے اور شوقِ دیدار بے چین کر دیتا ہے۔ المدائح النبویہ میں فراق کی شاعری کا عنصر غالب ہے۔ ایسے میں اگر بخت یاوری کرے اور دربارِ رسالت میں حاضری کی سعادت میسر آ جائے تو فراق کی کسک وصال کے مضطرب لمحات میں ڈھل جاتی ہے اور بے خودی کا عجیب عالم طاری ہوتا ہے۔ شوق فراواں ہے مگر حاضریٔ دربار کے تقاضے پابندِ آداب ہونے پر مجبور کرتے ہیں جنبشِ لب اور لغزشِ قدم کی اجازت نہیں۔ ایسے لمحات قیمتی ہوتے ہیں اور ایسے ہی مواقع پر اور انہی حالات میں ادبِ عالیہ کی تخلیق ہوتی ہے۔ ابن جبیر الاندلسی (م ۶۱۴ھ) مشہور سیاح مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اُس کی قلبی کیفیات کیا تھیں۔ اس کا اندازِ حضوری کیا تھا۔ ذرا اس کی زبان سے سنئے :-

وَحِيْنَ دَنَوْنَا لِعَرْضِ السَّلَامِ ــ قَصَرْنَا الْخُطَا وَلَزِمْنَا الْوَقَارَا
فَمَا نُرْسِلُ اللَّحْظَ إِلَّا اخْتِلَاسًا ــ وَلَا نَرْفَعُ الطَّرْفَ إِلَّا انْكِسَارَا
وَلَا نُظْهِرُ الْوَجْدَ إِلَّا اكْتِتَامًا ــ وَلَا نَلْفِظُ الْقَوْلَ إِلَّا اسْرَارَا
سِوَى أَنَّنَا لَمْ نُطِقْ أَعْيُنًا ــ بِأَدْمُعِهَا غَلَبَتْنَا انْفِجَارَا [۱]

۲۔ مقامی اثرات اور عصری حالات

دنیائے معلوم کا کوئی خطہ ایسا نہ ہوگا، جہاں مسلمان آباد نہ ہوں کہیں وہ حاکم ہیں اور کہیں محکوم، حاکم آسائشِ دنیا اور خواہشاتِ نفسانی کا شکار رہے تو محکوم جبر کی چکی تلے پستے رہے۔ فرماں رواؤں کے غیر ذمہ دارانہ کردار نے مسلمانوں کے مرکزی علاقوں میں بھی بے بسی اور بے مائگی کا سماں پیدا کر دیا۔ محکوم علاقے تو غیروں کے معاندانہ رویے اور اسلام دشمنی کے خبط کی وجہ سے پریشان حال تھے۔ جب ہر طرف مصائب کا گھیرا پڑا تو جائے امن کی تلاش اور مربی و مشفق کی جستجو ہوئی۔ ایسے عالم بے چارگی میں ذاتِ رسول ﷺ کے سوا کوئی سہارا نظر نہ آیا اور مدینہ کے دارِ عافیت کے سوا کچھ سجھائی نہ دیا۔ چنانچہ سب کی نظریں ادھر ہی اٹھیں۔ شاعر قوم کا نقیب ہوتا ہے اس لئے اُس کی زبان پر قومی ابتلا کا درد، التجاؤں اور استغاثوں کی شکل میں آیا۔ خلافتِ عباسیہ کا زوال، معتصم باللہ کا قتل اور اسلامی مراکز کی ویرانی نے عالم اسلام پر ایک مایوسی کا عالم طاری کر دیا تھا۔ بے بسی اور بے سہارگی کی فضا تھی کہ دلوں کا جبر ٹوٹا اور اندر کا لاوا شعروں کے روپ میں بہہ نکلا۔ شعر گوئی کے معیار بدلے اور محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح قرارِ جان بنی۔ زوالِ بغداد کے گرد و پیش کی شاعری پر المدائح النبویہ کی گہری چھاپ موجود ہے۔ الصرصری جو فتنۂ تاتار کی مزاحمت میں شہید ہو گئے (م ۶۵۶ھ) اپنا دکھ بیان کرتے ہیں:

وَفِتْنَةُ التَّتَرِ الْعُظْمَى الَّتِيْ قَرَحَتْ ــ مِنَّا بِوَقْعَتِهَا الْأَحْشَاءَ وَالْكَبِدُ
أَوْدَتْ بِمَنْ حَوْلَنَا فَتْكًا وَلَيْسَ لَنَا ــ إِلَّا إِلَى وَعْدِكَ الْمَيْمُوْنِ مُسْتَنَدُ [۲]

۱۔ ماہنامہ فاران، مارچ ۱۹۵۰ء : ص ۱۲۔
۲۔ المجموعۃ النبہانیۃ الجزء الثانی ص ۲۰۔

اس حادثۂ فاجعہ کے اثر کے طور پر مدحِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر توجہ بڑھی اور نہایت محترم بزرگ ان اثرات کو اپنے شعروں کا قالب عطا کرتے ہیں۔ مثلاً الوتری (م ۶۶۲ھ) ابو الیمن بن عساکر (م ۶۸۶ھ)، الشاب الظریف (م ۶۸۸ھ)، التلمسانی (م ۶۹۰ھ) البوصیری (م ۶۹۶ھ)، محدث ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ)، ابن العطار المغربی (م ۷۰۶ھ) الشہاب محمود (م ۷۲۵ھ) ابن سید الناس صاحب السیرۃ (م ۷۳۴ھ)، الصفی الحلی (م ۷۴۹ھ) اور کئی دیگر اصحاب، ان کی شاعری دربارِ رسالت[۱] سے استمداد اور استغاثہ کی کیفیات سے مملو ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں ایسے ہی حالات سے دوچار ہوا جب مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ مسلمانوں کی حالت نہایت قابلِ رحم تھی، اور دوہرے عذاب میں مبتلا تھے۔ آبادی کثرت لغزت رکھتی تھی۔ اور حکومت بدظن تھی۔ تاریخ آزادی ۱۸۵۷ کا ہر ورق اس ظلم کی داستان دہرا رہا ہے، اردو فارسی شاعری میں اس کراہ کی بازگشت ہے۔ عربی شاعری، علماء و صوفیا کے ذوق کی ترجمان تھی۔ اس اثر سے خالی نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور آپ کے عظیم فرزندوں کے کلام میں اٹھتے ہوئے فتنوں کی جھلک نمایاں ہے۔ مثلاً عبد العزیز محدث (م ۱۲۳۹ھ) کے قصیدہ میں مرہٹہ گردی کی تباہ کاریوں کا نوحہ ہے[۱]۔ جنگ آزادی کے معاصرین کے کلام میں بےبسی کی گھٹن اور بےچارگی کا ماتم موجود ہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) کے وہ قصائد جو بحالت جلاوطنی لکھے گئے ان کا حرف حرف ظالم کی غلامی، امتِ مستانہ اور تباہ حال قوم کا مرثیہ ہے۔

كم خَرَّبُوا بلداً دلم يَدْرُوا به ـــ بلداً دَمَارُ كانّهم بُدَاء
هٰذِهِ المساجد والقصور كانّها ـــ لم تُبْنَ لم يَلِكْ ثُمّ قطّ بناء [۲]

۳- تَتَبُّع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض قصائدِ مدحیہ مقاطع پر اظہارِ مسرت فرمایا اور انعامات سے نوازا۔ کبھی جنت کی بشارت دی تو کبھی از رہِ خوشنودی اپنی چادرِ رحمت مرحمت فرمادی۔ حضرت حسان رض (م ۵۴ھ) کو اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ[۳] کی دعا دی اور عذابِ جہنم سے رہائی کی بشارت دی[۴]، حضرت کعب بن زہیر رض (م ۲۴ھ) کے قصیدہ "بانت سعاد" پر اپنی چادر عطا فرمائی جس کی نسبت سے یہ قصیدہ "بردہ" کہلایا[۵]۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رض (م ۳۲ھ)[۶] اور حضرت النابغۃ الجعدی (م نحو ۶۵ھ)، ابو لیلیٰ کے بارے میں فرمایا لَا یَفْضُضِ اللّٰہُ فَاکَ[۷]، ابو جرول، زہیر بن صرد الجشمی کے اشعار پر پورے ھوازن قبیلے کو معاف کر دیا[۸]،

یہ اور اسی قسم کے دیگر واقعات بعد کے شعراء کے لئے دربارِ رسالت[۲] سے فیض یاب ہونے کی خواہش کے محرک بنے اور مدحیہ شاعری قربِ رسول[۲] اور اپنی نجات کا وسیلہ بنی اور یہ شعراء کی عبادت کہی گئی۔ غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) کہتے ہیں:

حَصَّلْتُ بِالْمَدْحِ الْكَرِيمِ سَعَادَةً ـــ هٰذَا أَخَصُّ عِبَادَةِ الشُّعَرَاءِ [۹]

مولانا غلام محی الدین قصوری (م ۱۲۷۰ھ) حضرت حسان رض کے حوالے سے عرض کرتے ہیں۔

وَقَدْ قَالَ حَسَّانُ وَحُوِّلَ قَوْلُهُ ـــ فِي مَدْحِ خَيْرِ الْعَالَمِيْنَ مُحَمَّدٖ
مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِيْ ـــ لٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِيْ بِمُحَمَّدٖ [۱۰]

غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) نے کعب بن زہیر رض (م ۲۴ھ) اور نابغۃ الجعدی (م نحو ۶۵ھ) کے واسطے سے کہتے ہیں

قَدْ اُكْسِيَ مِنْكَ كَعْبٌ بُرْدَ مَرْحَمَةٍ ـــ وَفَازَ نَابِغَةُ الْجَعْدِيْ بِالدُّرَرِ [۱۱]

---

① حیاتِ ولی ص ۳۲۹، ② تاریخ ہند و ستان ص ۳۰۸، ③ الاستیعاب جلد اولی ص ۱۲۷، الاصابۃ الجزء الاول: ص ۳۲۵، تاریخ ادب العربی (۲) العصر الاسلامی ص ۲، ④ شرح دیوان حسان عبد الرحمٰن البرقوقی ص ۹، ⑤ الاصابۃ الجزء الثالث: ص ۲۶۹، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد اول، ص ۱۲۱، تاریخ ادب العربی (۲) العصر الاسلامی شوقی ضیف ص ۸۵، ⑥ الاستیعاب جلد اول: ص ۱۶۱، الوفا باحوال المصطفیٰ، ابن جوزی اردو: ص ۵، ⑦ الاستیعاب جلد اول: ص ۳۱۱، اسد الغابۃ الجزء الثالث ص ۵۰۹، العقد الفرید الجزء الاول، ص ۱۸۲، تاریخ ادب العربی (۲) العصر الاسلامی شوقی ضیف ص ۱۰۱، ⑧ تاریخ بغداد، جلد السابع: ص ۱۰۶، ⑨ دیوان ثانی ص ۳، ⑩ احسن الکلام، ص ۲۰، ⑪ دیوان اول، ص ۲۲۔

معانی ومفاہیم کے تتبع کے علاوہ ہیئت و اسلوب کی تقلید کی کوشش بھی ہوئی۔ وزن، بحر اور قافیہ میں مماثلت اپنائی گئی۔ اور معارضات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت حسان رض (م ۵۴ھ) کا ھمزیہ قصیدہ اس قدر مشہور ہوا کہ کئی ھمزیہ قصائد کے انشاء کا سبب بنا۔ ① قصیدہ " بانت سعاد " کے وزن اور قافیے میں بے شمار قصائد تالیف ہوئے۔ علامہ یوسف النبھانی (م ۱۳۴۵ھ) نے عربی شعراء کے کلام کا احاطہ المجموعۃ النبھانیۃ الجزء الثالث میں کیا ہے۔ ②

صحابہ کرام رض کے بعد جن مداحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابدی دوام حاصل ہوئی۔ وہ امام شرف الدین البوصیری (م ۶۹۶ھ) ہیں جن کا قصیدہ " بردہ " نعتیہ شاعری میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔ " بردہ " کی شہرت کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ اس کے وزن اور قافیہ کو نبھانے کا ارمان اکثر شعراء کے پیشِ نظر رہا ہے، بردہ پر تخمیس، تدریس، تسبیع اور اس کے معارضات کی طویل فہرست روایت ہوئی ہے۔ ③

برصغیر میں حضرت حسان رض (م ۵۴ھ) حضرت کعب بن زهیر (م ۲۴ھ) اور امام بوصیری (م ۶۹۶ھ) کے قصائد عموماً پیشِ نظر رہے اور شعراء نے ان معیاروں کی پیروی کی سعی کی۔ اگرچہ ان میں کہیں کہیں استثناء بھی موجود ہے مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کا قصیدہ حضرت سواد بن قارب کے قصیدہ بائیہ کا تتبع ہے جس کا شاہ صاحب نے خود اعتراف کیا ہے، فرماتے ہیں:

" ایں فقیر موفق شد دریں اثنا بنظم قصیدہ بائیہ دریں باب بہ تتبع قصیدہ سواد بن قارب صحابی سرفزدہ و آں قصیدہ لغایت بلیغ است بر طور عرب " ④

۴۔ مجلسی محرکات

انسان معاشرتی حس رکھتا ہے وہ کسی معاشرے کا فرد بن کر زندگی گزارنے میں عافیت محسوس کرتا ہے۔ معاشرتی اقدار اس کی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اور وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان سے نباہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرلیتا ہے۔ معاشرے کا یہ فعالی کردار اسے کی پسند و ناپسند کو خاص رخ عطا کرتا ہے۔ شعر و شاعری کا ملکہ بھی کسی حد تک ماحول کے اثر سے پختہ ہوتا ہے۔ جاہلی دور کا شعری معاشرہ انشاء شعر کا قابل اعتماد محرک تھا۔ شاعر اپنے شعر کے لئے موضوعات بھی گرد و پیش سے منتخب کرتا ہے۔ المدائح النبویۃ کو بھی سازگار ماحول درکار ہے محرکات کی بوقلمونی کے ساتھ اسے معاشرتی مناسبت اور سماجی معاونت کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ تاریخی تجزیہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ مدح رسول ص کے سلسلے میں منعقد ہونے والی محافل نے مدح نگاری کے ذوق کو پختہ تر کیا ہے اور جہاں ان محافل نے تہذیبی مظہر کی شکل اختیار کی وہاں مدحیہ شاعری کی کمیت دیگر علاقوں سے کئی گنا رہی۔ صوفیا کے مختلف سلسلوں میں تزکیہ نفوس کی تقاریب میں یادِ رسول ص ایک اہم عنصر رہا جس میں عقیدت کا اظہار بھی تھا اور خود سپردگی اور شباہت کی خواہش اور امنگ بھی تھی۔ ذہنی پراگندگی اور حالات کی ستم ظریفی سے فرار کی راہ بھی اور ٹوٹتے ہوئے ارمانوں کے لئے موجب تقویت اور ڈھارس بھی اس تاریک دور میں امید کی کرن اور جینے کا حوصلہ عطا ہوتا تھا۔ اگرچہ

---

① ۔ تفصیل باب ثالث میں حضرت حسان رض کے حالات میں درج ہے۔

② ملاحظہ ہو المجموعۃ النبھانیہ، جلد ثالث،

③ تفصیل، باب ثالث میں امام بوصیری کے حالات میں ہے۔

④ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم : ص ۳

میلاد کی محافل کو شاہی سرپرستی اور حکومتی تعاون بعد میں ملا مگر یہ ایک تہذیبی عنصر اور ملت کے وجود کے معاشرتی اظہار کی حیثیت سے بہت پہلے سے موجود تھیں۔ حکومتوں نے جب اسے تقریب بنایا تو مملکت کے مختلف حصوں میں ان تقاریب کو ایک مشترک آہنگ اور نمایاں رنگ ملا۔ اندلس کی سرزمین پر المدائح النبویۃ کی کثرت ان محافل ہی کا اثر ہے۔ سلطان ابوحمو کے بارے میں کہا جاتا ہے "وکان السلطان ابوحمو یقوم بحق لیلۃ مولد المصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ویحتفل لھا بما ھو فوق سائر المواسم" [۱] ان محافل میں مدحیہ قصائد پیش ہوتے جیسا کہ نفح الطیب میں ہے "وما مرّ لیلۃ مولد مرت فی ایامہ الا ونظم فیھا قصیدا فی مدیح مولد المصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" [۲] ان محافل میں ۷۶۸ھ میں ابوزکریا یحیٰی بن خلدون (م ۷۸۰ھ) نے اپنا جائیہ قصیدہ سنایا [۳] یہ قصیدہ المجموعۃ النبہانیہ میں موجود ہے [۴] علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) نے ایسی ہی ایک محفل میں ۷۶۲ھ کے لیلۃ المیلاد میں اپنا مشہور بائیہ قصیدہ سنایا تھا [۵] الوزیر لسان الدین بن الخطیب الاندلسی (م ۷۷۶ھ) نے ۷۶۳ھ میں ایک ایسی محفل میں اپنا دالیہ قصیدہ بسلسلہ لیلۃ المیلاد الاعظم سنایا تھا۔ علامہ [illegible] ابن شحنہ (م ۸۱۵ھ) موجود تھے [۶] مختصر یہ کہ مناسب ماحول کی وجہ سے فن مدیح میں شعراء کی دلچسپیوں کو جلا ملی اور کئی عمدہ قصائد تالیف ہوئے۔

'المدائح النبویۃ' کے بنیادی اور ثانوی محرکات کی تعداد کا حصر ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دل کی آوازیں اور ہر مدح نگار کے منفرد اور خالصتاً ذاتی ہیں۔ ہم نے صرف چند ضروری اور عمومی محرکات کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا ہے تاکہ مدحیہ شاعری کی تفہیم میں سہولت رہے۔

علامہ عبدالغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) نے اپنے "دیوان" "نفحۃ القبول فی مدحۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" کے دیباچے میں چند نمایاں محرکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

> "فمن مدحہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من المتقدمین والمتأخرین انما مدحہ توسلاً بجنابہ او تقربا لکرمہ ومصابہ، اور غبۃ فی جزیل ثوابہ، او استشفاعاً ببرکۃ ذاتہ واستلذاذا بذکر اسمہ الشریف وصفاتہ، او اھتماما بخدمتہ الشریفۃ، او تسلیا عن الاجتماع بحضرتہ المنیفۃ، ومقاصد المادحین شتی وانما التوفیق مواھب، والناس فیما یعشقون مذاھب" [۷]

۱؎ نفح الطیب الجزء التاسع: ص ۲۱۶ بحوالہ ابو عبداللہ التنسی من کتابہ "نظم الدر والعقیان فی شرف بنی زیان وذکر ملوکھم الاعیان" ۲؎ نفح الطیب الجزء التاسع: ص ۲۱۷، ۳؎ حوالہ مذکور ص ۲۱۵
۴؎ المجموعۃ النبہانیہ الجزء الاول: ص ۶۰۱ تا ص ۶۰۳، ۵؎ نفح الطیب الجزء الثانی: ص ۲۸۶ تا ص ۲۸۹،
۶؎ احاطہ فی اخبار غرناطہ: مقدمہ من محمد عبداللہ عنان الجلد الاول، ص ۴۹
۷؎ المجموعۃ النبہانیہ للنبہانی الجزء الاول، ص ۷

منابع

'المدائح النبویۃ' کے موضوعات و محرکات کے بیان سے واضح ہوا کہ 'مداحین' اپنی عقیدت و محبت کے اظہار کے لئے جملہ مضامین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات مبارکہ کے حوالے سے اخذ کرتے ہیں۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو پہلو مدح نگار کی طبیعت پر نسبتاً زیادہ اثر انداز ہوتا ہے وہ اُسی کو موضوعِ سخن بناتا ہے۔ اور اس بیان میں ذاتی واردات اور قلبی کیفیات کو یوں سمو دیتا ہے کہ اس میں اپنائیت کا عنصر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس طرح ذاتِ رسولؐ کے تمام تذکار شاعر کے ذہنی جھکاؤ کے عکاس بن جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدحِ رسالت مآبؐ کی بنیاد سیرتِ رسولؐ پر ہے۔ سیرت کے تذکرے اور اس کے حوالوں کے بغیر نعتیہ سخن کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ذاتِ ممدوح، اپنے تمام تر مشتملات کے ساتھ جلوہ نما نہ ہو اور اس کے عکس مرتب کیے جائیں۔ ہر تصویر کو حقیقی وجود درکار ہوتا ہے۔ ورنہ وہ محض خواب یا تصور کی کارفرمائی ہے۔ اور تصور کی اس حد تک آزادی دربارِ رسالتؐ میں محبوب نہیں ہے۔ یہ پیغمبرِ حق و صداقت کا ذکر ہے اس لئے ہر قدم محتاط اور ہر خیال پابندِ آداب رہنا چاہئے۔ یہ وہ دربار ہے جہاں لغزشِ قدم مستحسن نہیں اور جنبشِ لب بھی۔ اس بارگاہِ صداقت میں کذب و افتراء کا کوئی مقام نہیں " مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ " ۱

مدح نگار پابند ہے کہ وہ اپنے خیالات و تصورات کو حقیقی شواہد و حقائق سے مربوط رکھے۔ یہ تبھی ممکن ہوگا جب کہ اس کی معلومات کا ماخذ مستند اور اس کے خیالات کی بنیاد حقائق پر ہو گی۔ سیرتِ رسولؐ کے مستند ماخذ اور قابلِ اعتماد حوالے ہی وہ منابع ہیں جہاں سے مدحیہ شاعری کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ یہ مستند ماخذ کون کون سے ہیں۔ ان کا مختصر سا بیان منابعِ مدح کا اشارہ ہوگا۔

قرآنِ حکیم

قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا بنیادی ماخذ ہے اور رسولِ اکرمؐ کی زندگی اُن تعلیمات کا عملی نمونہ ہے۔ قرآن الفاظ و تراکیب کے قالب میں کلامِ الٰہی ہے اور سیرتِ رسولؐ اس کلام کا منشا اور مفہوم ہے۔ اور اس کے اجمال کی عملی شرح ہے۔ دونوں ایک حقیقت کے پرتو ہیں ایک کے بغیر دوسرے کی تفہیم ناممکن ہے۔ سیرتِ رسولؐ کے ماخذ کی حیثیت سے قرآن، مدحِ رسولؐ کا منبع ہے۔ قرآن کا اصل موضوع ہدایت اور احکام و شرائع کی بنیاد مہیا کرنا ہے اس لئے واقعاتِ سیر کے اشارے نہایت اجمالی ہیں بلکہ اسی قدر جس حد تک تعلیمات کی عملی توضیح کا تقاضا ہے۔ مگر اس جہت سے کہ آپؐ حاملِ قرآن بھی ہیں اور اولین مخاطب بھی اور یہ کہ قرآنی تعلیمات آپؐ کے حوالے کے بغیر اپنا مفہوم واضح نہیں کرتیں اس لئے پورا قرآن آپؐ کی زندگی کا عکسِ جمیل ہے۔ اسی خیال سے سیرتِ رسولؐ کے بارے میں اور اخلاقِ نبویؐ کی عظمت کے اعتراف میں یہ کہا گیا ہے: اِنَّ خُلُقَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ الْقُرْآنَ" ۲ قرآن مجید کا اسلوبِ بیان قاری قرآن کو بالاستمرار یہ ذہن نشین کراتا ہے کہ متنِ قرآن کی تفہیم کے لئے تعلیمِ نبوی ناگزیر ہے، بہت ضروری ہیں۔

" قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ " ۳

" وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ " ۴

" لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ " ۵

رسول اللہؐ کی توضیح و تشریح سے انحراف پر سخت ترین وعید دی گئی ہے۔

" وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا " ۶

قرآن مجید کے بیشتر احکامات 'قُلْ' کے مقولے کے طور پر بیان ہوئے ہیں تاکہ قرآنِ ناطق کی حیثیت میں کسی قسم کا مغالطہ پیدا نہ ہو مثلاً:

قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۷ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۸ قُلِ الْعَفْوَ ۹ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ ۱۰
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي ۱۱ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ ۱۲ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۱۳ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۱۴
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۱۵ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۱۶ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۱۷ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۱۸ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۱۹

---

① صحیح بخاری کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبیؐ عن انس بن مالکؓ جلد اول ص ۲۱ ② صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل المجلد الاول ص ۲۵۶ -
③ المائدۃ: ۱۵، ④ ابراہیم: ۴، ⑤ النحل: ۶۴، ⑥ النساء: ۱۱۵، ⑦ آل عمران: ۷۳، اسے انداز قرآن مجید میں متعدد بار استعمال ہوا ہے، ⑨ الاعراف: ۱۵۸
⑩ الاسریٰ: ۸۱، ⑪ النور: ۵۴، ⑫ الکافرون: ۱، ⑬ الاخلاص: ۱، ⑭ الفلق: ۱، ⑮ الناس: ۱، ⑯ المعجم المفہرس ص ۵۵۹ تا ۵۶۸
⑰ المائدۃ: ۶۷، ⑱ الانفال: ۶۴، ⑲ الانشراح: ۱۱ ..

اسی انداز میں تقریباً ۳۳۲ مقامات پر خطاب کیا گیا ہے [1] ان کے علاوہ قرآن مجید کے بیشتر احکامات اور اکثر آیات بین آپ کے واسطے سے نازل کیا گیا ہے، کبھی حروفِ ندا کے استعمال سے متوجہ کیا گیا جیسے، یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ [2]، یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ [3] اور کبھی ضمیر خطاب سے ذکر کیا گیا جیسے أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ [4]، أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ [5] اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ [6]

غرضیکہ قرآن مجید نے ذاتِ رسول ﷺ کو تعلیماتِ الٰہیہ کی تنزیل کا ذریعہ بنایا اور تعلیمات کی تشریح و توضیح کو آپ کے دونا حقوں کا پابند کیا - اس طرح آپ کی اس امتیازی حیثیت کا تعین فرمادیا۔ مدح نگاروں کے پیشِ نظر آپ کا یہ انفرادی مقام ہمیشہ رہا ہے اور وہ آپ کے منصبِ نبوت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے ہیں۔ اس عمومی اسلوب کے علاوہ قرآن مجید نے سیرتِ رسول ﷺ کے بعض نمایاں پہلوؤں کی طرف واضح اشارات کئے ہیں کہ اگر ان تمام آیات کا شمار کر لیا جائے تو سیرت النبی ﷺ پر ایک ممکن کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

قرآن حکیم کی روشنی میں سیرت النبی ﷺ کی ترتیب و تدوین پر بعض اصحاب نے کام کیا ہے مگر یہ کام جزوی اور ابتدائی نوعیت کا ہے۔ اس سلسلے میں کسی مستقل تصنیف کی ضرورت ہنوز باقی ہے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ (م ۵۴۴ھ) نے اپنی تالیف "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ" کے جزءِ اول کے پہلے باب کی دس فصول اِن اشاراتِ سیرت کے لئے وقف کی ہیں مگر ان کے پیشِ نظر مکمل سیرت کی تدوین نہ تھی اس لئے چند آیات کے ذکر پر اکتفا کیا ہے [7]، مولانا احمد یار گجراتی (م ۱۳۹۱ھ) کی کتاب "شانِ حبیب الرحمٰن من آیات القرآن" [8] میں فضائلِ نبویہ کے حوالے سے آیات کا انتخاب کیا گیا ہے جو ۱۰۰ آیات ہیں۔ ڈاکٹر انور محمود خالد نے سیرت کی مناسبت سے ۹۲ آیات پر مشتمل ایک مختصر خاکہ اپنے مقالہ میں درج کیا ہے۔ [9] اسی طرح مجلہ مہک کے مرتب نے ۸۰ آیات انتخاب کی ہیں۔ جن میں خصائصِ نبویہ کی مختصر سی فہرست موجود ہے [10]

ان فہارس کا اجمالی جائزہ واضح کرتا ہے کہ اِن کوششوں کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل و محامد کا تذکرہ تھا۔ اس لئے انتخابِ آیات میں یہی پہلو پیشِ نظر رہا ہے۔ مکمل سیرت کی مقاصد میں شامل نہ تھی، اگرچہ اس کی طرف اشارات کئے جاتے رہے۔

انہی ایام میں چند اصحاب نے اِس طرف توجہ دی ہے "السیرۃ النبویۃ فی القرآن الکریم": دکتور محمد الصبور المرزوق کی کتاب ہے جسے رابطۃ العالم الاسلامی مکہ نے شائع کیا ہے [11] اسی طرح "سیرۃ الرسول" مؤلفہ محمد عزۃ دروزۃ کی کتاب کا ترجمہ مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے کیا ہے۔ یہ بقول مولانا سات سو صفحات پر مشتمل ہے [12] خود مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے ایک مختصر کتاب 'سیرتِ نبوی قرآنی' کے نام سے مرتب کی ہے جو مکتبہ تکبیر لاہور سے شائع ہو چکی ہے [13]، برصغیر میں مولانا عبدالشکور لکھنوی کی کتاب "سیرۃ الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع"، ۶۲ صفحات پر مشتمل ایک ابتدائی سی کوشش ہے۔

---

(۱) المعجم المفہرس ص ۴۸۲، (۲) المائدہ: ۶۷۔

(۳) الانفال: ۶۴، (۴) الانشراح: ۱، (۵) الفیل: ۱ (۶) القارعۃ: ۱ تا ۳، (۷) کتاب الشفاء الجزء الاول ص ۲۵ تا ۲۸،

(۸) ناشر پریس لاہور، ۱۳۶۵ھ، (۹) اردو نثر میں سیرت نگاری از انور محمود خالد، ص ۴۷ تا ص ۵۰،

(۱۰) مجلہ مہک، گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ، نذرانۂ عقیدت بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱۱) مجلہ رابطۃ العالم الاسلامی شمارہ، اپریل ۱۹۸۲ء (۱۲) سیرۃ النبوی القرآنی، مولانا عبدالماجد دریاآبادی ص ۶

(۱۳) سیرۃ نبوی قرآنی - مولانا عبدالماجد دریاآبادی، مکتبہ تکبیر لاہور،

مثلاً ابن سبع کہتے ہیں:

"ان اللہ سبحانہ وتعالیٰ وصفہ فی کتابہ عضواً عضواً فقال لوجہہ "قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء[1] وقال فی عینیہ "ولا تمدن عینیک[2]" وفی لسانہ "فانما یسرناہ بلسانک[3]" وفی یدہ وعنقہ "ولا تجعل یدک مغلولۃ الیٰ عنقک[4]" وفی صدرہ وظہرہ: "الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک"[5] وفی قلبہ "نزلہ علیٰ قلبک"[6] ووصف خلقہ لقولہ: وانک لعلیٰ خلق عظیم[7]" — [8]

قرآن مجید نے سیرت کے واقعات میں بعثت سے قبل کی معیاری زندگی[9] بعثت[10]، تبلیغ کے احکام[11]، راہ حق کی مشکلات[12] معراج[13]، آپ کے قتل کی سازش[14]، ہجرت مدینہ[15]، غزوات نبوی ؐ میں سے غزوۂ بدر[16]، غزوۂ احد[17] غزوۂ احزاب[18]. غزوۂ حنین[19]، غزوہ تبوک[20]، بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ[21]، فتح مکہ[22]، حجۃ الوداع[23] اور وفات[24] اور کئی دیگر واقعات کا ذکر کیا ہے جن کے بعض اشارات المدائح النبویہ کا حصہ بنے ہیں۔ سیرت النبی ؐ پر منظوم کتابیں بھی تالیف ہوئیں۔ جن میں تمام واقعات سیرت آگئے ہیں۔ مگر زیادہ تر اعتماد ان احادیث اور کتب سیرت پر رہا جو آنحضرت ؐ کی حیات مبارکہ کے تفصیلی تذکرے پر مشتمل ہیں۔ اس لئے اُن کا ذکر کتب سیرت میں درج کیا جائے گا۔

قرآن مجید کی جن آیات سے مداحین کو خصوصی دلچسپی رہی ان کا تعلق آپ کے خصائص و فضائل سے ہے۔ قرآن مجید نے آپ کی منفرد حیثیت اور بے مثال شخصیت کا بار بار تذکرہ کیا۔ محامد و خصائل کے واضح اشارے دئے، ہر ادائے محبوبی کا ذکر ہوا۔ ایسی آیات کی مکمل فہرست تو کلام الٰہی کی اکثر آیات کے استقصاء کے مترادف ہوگی۔ صرف چند کی نشاندہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱- رسالت محمدی ؐ کے بارے میں پیش گوئیاں۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا......[25]

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل[26]

......ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد[27]

......ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم[28]

۲- مقام عبدیت

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً ۔ [29]

الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب... [30]

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ [31]

الیس اللہ بکافٍ عبدہ [32]

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ [33]

ھو الذی ینزل علیٰ عبدہ آیات بینات [34]

۳- منصب رسالت

وما محمد الا رسول [35]

وارسلنٰک للناس رسولاً [36]

---

(۱) البقرہ: ۱۴۴، (۲) الحجر: ۸۸، (۳) مریم: ۹۷، (۴) الاسراء: ۲۹، (۵) الانشراح: ۱ تا ۳، (۶) البقرہ: ۹۷،
(۷) القلم: ۴، (۸) حجۃ اللہ علی العالمین، یوسف النبہانی ص ۶۳، (۹) یونس: ۱۶، (۱۰) آل عمران: ۱۶۴، (۱۱) الحجر: ۹۴، (۱۲) المزمل: ۱ تا ۱۳،
(۱۳) الاسراء: ۱، النجم: ۱ تا ۱۸، (۱۴) الانفال: ۳۰، (۱۵) التوبہ: ۴۰، (۱۶) آل عمران: ۱۲۳، (۱۷) آل عمران: ۱۲۱، (۱۸) الاحزاب: ۲۲، (۱۹) التوبہ: ۲۵،
(۲۰) التوبہ: ۵، ۹، (۲۱) الفتح: ۱۰، ۱۸، ۱۹، (۲۲) الفتح: ۲۷، (۲۳) المائدہ: ۳، (۲۴) آل عمران: ۱۴۴، (۲۵) البقرہ: ۸۹، (۲۶) الاعراف: ۱۵۷،
(۲۷) الصف: ۶، (۲۸) البقرہ: ۱۲۹، (۲۹) الاسراء: ۱، (۳۰) الکہف: ۱، (۳۱) الفرقان: ۱، (۳۲) الزمر: ۳۶، (۳۳) النجم: ۱۰،
(۳۴) الحدید: ۹، (۳۵) آل عمران: ۱۴۴، (۳۶) النساء: ۷۹

- قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ ١
- مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ٢ — قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً ٣
- لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ ٤ — وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ٥
- إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ٦ — مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ ٧
- هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ ٨ — إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ ٩

٤- نبی الانبیاء

...... ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ١٠

٥- خاتم الانبیاء

- مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ١١

٦- حاملِ قرآن

- وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ ١٢
- إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ١٣
- وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ١٤
- وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ ١٥ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ ١٦
- أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ ١٧
- وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا ١٨
- فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ١٩
- الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ٢٠ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ٢١

٧- مُعلّمِ کتاب وحکمت

- يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ٢٢
- وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ٢٣

٨- شارحِ احکامات

- قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا ٢٤
- وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ٢٥
- لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ ٢٦

---

(١) النساء: ١٧٠، (٢) المائدہ ٩٩، (٣) الاعراف: ١٥٨، (٤) التوبہ: ١٢٨، (٥) العنکبوت: ١٨ (٦) یٰس: ٢، (٧) الفتح: ٢٩، (٨) الجمعۃ: ٢ (٩) المزمل: ١٥، (١٠) آل عمران: ٨١، (١١) الاحزاب: ٤٠، (١٢) الانعام: ١٩، (١٣) الحجر: ٩، (١٤) الحجر: ٨٧، (١٥) النحل: ٤٤، (١٦) الشعراء: ١٩٤، (١٧) العنکبوت: ٥١، (١٨) الشوریٰ: ٧، (١٩) قٓ: ٤٥، (٢٠) الرحمٰن: ٢،١، (٢١) الدہر: ٢٣، (٢٢) البقرۃ: ١٢٩، آل عمران: ١٦٤، الجمعۃ: ٢، (٢٣) البقرۃ، ١٥١، (٢٤) المائدہ: ١٥، (٢٥) ابراہیم: ٤ (٢٦) النحل: ٣٩

- وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ١
- وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ٢

٩- مُزکّیِ نفوس:

- يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ - ٣
- وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، ٤
- وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، ٥

١٠- اُسوۂ حسنہ:

- لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، ٦

١١- نائبِ حق -

- وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ٧
- إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ٨
- وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۞ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ٩

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ یوں پیوست کیا گیا ہے کہ معیتِ الٰہیہ کا درخشاں ثبوت ہے۔ قرآن مجید نے کثیر مقامات پر واؤ عاطفہ کے ساتھ "اللہ و رسولہ" بطور مرکب عطفی استعمال کیا ہے۔ صرف چند کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔

اطاعت کے ضمن میں فرمایا: قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ١٠ اور أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ١١، أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ١٢، ان کے علاوہ المائدہ: ٩٢، التوبہ: ٧١، النور: ٥٢، الاحزاب: ٣٢، الحجرات: ١٤، المجادلہ: ١٣، کبھی بطور جملہ شرطیہ ذکر ہوا۔ جیسے: وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (النساء: ١٣) (النور: ٥٢) (الاحزاب: ٧١) (الفتح: ١٧) اور کبھی جملہ خبریہ کی شکل میں جیسے: أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا (الاحزاب: ٦٦)

معصیت سے متنبہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا: وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (النساء: ١٤) لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ (الانفال: ٢٧) مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (التوبہ: ٦٣) إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الاحزاب: ٥٧) وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (الفتح: ١٣) بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الحشر: ٤) اور اسی قبیل کی متعدد آیات جیسے (البقرہ: ٢٧٩) (المائدہ: ٣٣) (المائدہ: ٥٦) (الانفال: ١٢) (التوبہ: ١، ٣، ٧، ٥٤، ٨٠، ٨٤، ٩٠، ١٠٧) (النور: ٥٠) (الاحزاب: ٣٦) (المجادلہ: ٥، ٢٠، ٢٢) (الجن: ٢٣) اور اسی طرح مختلف احکامات، واقعات اور تنبیہات میں مشترکہ ذکر فرمایا جن کی تفصیل حسبِ ذیل آیات میں موجود ہے۔

آل عمران: (١٧٢)۔ النساء: (٥٩، ١٠٠، ١٣٦)۔ المائدہ: (٥٥)۔ الاعراف: (١٥٨)۔ الانفال: (٤١)۔ التوبہ: (٣، ٢٤، ٢٩، ٥٩، ٦٢، ٧٤، ٩١، ٩٤، ١٠٥)۔ النور: (٤٧، ٤٨، ٥١، ٦٢)۔ الاحزاب: (١٢، ٢٢، ٢٩، ٣١، ٣٦)۔ الفتح: (٩، ٢٧)۔ الحجرات: (١، ١٥)۔ الحدید: (٧)۔ المجادلہ: (٤، ١٣)۔ الحشر: (٧، ٨)۔ الصف: (١١)۔ المنافقون: (٨)۔ التغابن: (٨) اور ان کے علاوہ بھی کثیر آیات اسی مفہوم کو ادا کرتی ہیں۔

---

① النحل: ٤٤، ② النحل: ٦٤، ③ البقرہ: ١٢٩، ④ البقرہ: ١٥١، ⑤ آل عمران: ١٦٤، الجمعہ: ٢، ⑥ الاحزاب: ٢١، ⑦ الانفال: ١٧، ⑧ الفتح: ١٠، ⑨ النجم: ٣، ٤، ⑩ آل عمران: ٣٢، ١٣٢، ⑪ النساء: ٥٩، ⑫ الانفال: ١، ٢٠، ٤٦۔

۱۲۔ محبوبِ حق۔

۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ [۱]

۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ [۲] ۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ [۳]

۱۳۔ ساقیٔ کوثر،

۔ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ [۴]

۱۴۔ افضل و اکرم،

۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ [۵]

۱۵۔ رحمتِ عالم،

۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا، [۶]

۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ [۷]

۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ [۸]

۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ [۹]

۱۶۔ صاحبِ عصمت،

۔ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ، [۱۰]

۔ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ، [۱۱]

۱۷۔ صاحبِ خلقِ عظیم،

۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ [۱۲] ۔ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ [۱۳]

۱۸۔ برہانِ عظیم،

۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ۔ [۱۴]

۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۔ [۱۵]

۱۹۔ سراپا معجزہ

(i) صاحبِ معراج ۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا، [۱۶]

۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ، [۱۷]

(ii) غلبہ روم کی خبر ۔ الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ۔
مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝ فِي بِضْعِ سِنِينَ [۱۸]

(iii) اہل مکہ کو قحط سالی کی تنبیہ ۔ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ۝ [۱۹]

(iv) مسجدِ حرام میں فاتحانہ داخلہ ۔ لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ج
لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ۔ [۲۰]

---

① النساء: ۱۱۳، ② الضحیٰ: ۵، ③ الانشراح: ۴، ④ الکوثر: ۱، ⑤ البقرہ: ۲۵۳، ⑥ آل عمران: ۱۶۴، ⑦ الانفال: ۳۳، ⑧ التوبہ: ۱۲۸، ⑨ الانبیاء: ۱۰۷، ⑩ الکوثر: ۳ ⑪ المائدہ: ۶۷، ⑫ آل عمران: ۱۵۹، ⑬ القلم: ۴ ⑭ النساء: ۱۷۴، ⑮ المائدہ: ۱۵، ⑯ الاسراء: ۱ ⑰ النجم: ۸، ۹، سورۃ النجم کی آیات ۱ تا ۱۸ معراج کا ذکر ہے۔ ⑱ الروم: ۱ تا ۴، ⑲ الدخان: ۱۶، ⑳ الفتح: ۲۷

(۱) شق قمر — اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ۱

(۲) شق صدر — اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ ۲

۲۰- اسماءِ النبیؐ-

النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ۱، نُوْرٌ ۲، اَلْمُجْتَبٰی ۳، مُحَمَّدٌ ۴، نَذِیْرٌ ۵، بَشِیْرٌ ۶
شَهِیْدٌ ۱۴، طٰهٰ ۱۳، مُبَشِّرٌ ۱۲، مُنْذِرٌ ۱۱، رَحِیْمٌ ۱۰، رَؤُفٌ ۹
صادق ۱۹، یٰسٓ ۱۸، سراجِ منیر ۱۷، داعی الی اللہ ۱۶، شَاهِدٌ ۱۵
اَلْمُدَّثِّرُ ۲۳، شَاهِدٌ ۲۲، اَلْمُزَّمِّلُ ۲۱، اَحْمَدُ ۲۰

۲۱- اطاعت و اتباع

— وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ ۲۴
— قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۲۵
— قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۲۶
— مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ ۲۷
— یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۲۸
— وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲۹
— وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ۳۰
— وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۳۱
— وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۳۲
— اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ۳۳
— وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۳۴
— یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۳۵
— اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا ۳۶
— وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ ۳۷
— قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۳۸
— وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۳۹
— یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۴۰
— وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۴۱
— یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۴۲
— وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۴۳

---

(۱) القمر: ۱، (۲) الانشراح: ۱، (۳) البقرۃ: ۱۱۹، الاعراف: ۱۸۸، ہود: ۲، سبا: ۲۸، الفاطر: ۲۴، (۴) البقرۃ: ۱۱۹، الاسراء: ۱۰۵، النزعات: ۴۵، الاحزاب: ۴۵، سبا: ۲۸، الفاطر: ۲۴، الفتح: ۸، (۵) آل عمران: ۱۴۴، الاحزاب: ۴۰، محمد: ۲، الفتح: ۲۹، (۶) آل عمران: ۱۷۹، (۷) المائدہ: ۱۵، (۸) الاعراف: ۱۵۷، (۹) التوبہ: ۱۲۸، (۱۰) التوبہ: ۱۲۸، (۱۱) الرعد: ۷، ق: ۲، النزعات: ۴۵، (۱۲) الاسراء: ۱۰۵، الفرقان: ۵۶، الاحزاب: ۴۵، الفتح: ۸، الصف: ۶، (۱۳) طٰہٰ: ۱، (۱۴) الحج: ۷۸، (۱۵) الاحزاب: ۴۵، الفتح: ۸، المزمل: ۱۵، (۱۶) الاحزاب: ۴۶، (۱۷) الاحزاب: ۴۶، (۱۸) یٰسٓ: ۱، (۱۹) الزمر: ۳۳، (۲۰) الصف: ۶، (۲۱) المزمل: ۱، (۲۲) المزمل: ۱۵، (۲۳) المدثر: ۱، (۲۴) البقرۃ: ۱۴۳، (۲۵) آل عمران: ۳۱، (۲۶) آل عمران: ۳۲، ۱۳۲، (۲۷) النساء: ۱۳، (۲۸) النساء: ۵۹، (۲۹) النساء: ۶۴، (۳۰) النساء: ۶۹، (۳۱) النساء: ۸۰، (۳۲) المائدہ: ۹۲، (۳۳) الاعراف: ۱۵۷، (۳۴) الانفال: ۱، (۳۵) الانفال: ۲۰، (۳۶) الانفال: ۴۶، (۳۷) النور: ۵۲، (۳۸) النور: ۵۴، (۳۹) النور: ۵۶، (۴۰) الاحزاب: ۶۶، (۴۱) الاحزاب: ۷۱، (۴۲) محمد: ۳۳، (۴۳) الفتح: ۱۷

اور ان مقامات پر مشتمل کئی دوسری آیات جو اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرضیت کا اعلان کر رہی ہیں۔

۔ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۱

۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۲

۲۲۔ حکم و فیصلہ

۔ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ۳

۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰهُ ۴

۔ وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۵

۲۳۔ عزت و احترام

۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ۶

۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۷

۔ وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۸

۔ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۹

۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۱۰

۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۱۱

۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ ۱۲

۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۱۳

۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقَةً ۱۴

۲۴۔ درود و سلام

۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ۱۵

---

① الحشر: ۷، ② التغابن: ۱۲، ③ النساء: ۶۵، ④ النساء: ۱۰۵، ⑤ الاحزاب: ۳۶، ⑥ النور: ۶۳، ⑦ الاحزاب: ۶، ⑧ الاحزاب: ۵۳، ⑨ الفتح: ۹، ⑩ الحجرات: ۱، ⑪ الحجرات: ۲، ⑫ الحجرات: ۳، ⑬ الحجرات: ۴، ⑭ المجادلہ: ۱۲، ⑮ الاحزاب: ۵۶،

حدیث

"حدیث" رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال و افعال اور کسی عمل کے بارے میں موافق ردِ عمل کی حکایت کا نام ہے ۔ چنانچہ علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) متنِ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اَلْمَتْن ھو غایۃ ما ینتھی الیہ الاسناد من الکلام وھو اما ان ینتھی الی النبی ﷺ ویقتضی تلفظہ اما تصریحاً او حکماً ان المنقول بذلک الاسناد من قولہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم او من فعلہ او من تقریرہ[۱]

ان تصریحات کی روشنی میں احادیث اپنے متن کے اعتبار سے تین قسم کی ہیں ۔ حدیثِ قولی، حدیثِ فعلی اور حدیثِ تقریری ۔

حدیثِ قولی کا اندازِ روایت یوں ہوگا کہ راوی جو یقیناً صحابی ہوگا کہے گا "سمعت رسول اللہ ﷺ" یا "حدثنا رسول اللہ" یا "قال رسول اللہ ﷺ" ۔ حدیثِ فعلی کی روایت یوں ہوگی "رأیت رسول اللہ ﷺ فعل کذا" یا "کان رسول اللہ ﷺ یفعل کذا" وغیرہ ۔ حدیثِ تقریری کی ابتداء ان الفاظ سے ہوگی "فعلت بحضرۃ النبی ﷺ کذا" یا "فعل فلان بحضرۃ النبی ﷺ کذا ولا یذکر انکارہ"[۲]

فنِ حدیث کے ماہر ان تینوں جہتوں سے روایات قبول کرتے ہیں ۔ شریعتِ اسلامیہ میں یہ سب اقسام قابلِ حجت اور واجب الاتباع ہیں ۔ کسی فرمانِ نبوی ﷺ کی سند اصولِ روایت کے مطابق متصل اور معتبر ہو یا کسی فعل کی نسبت قابلِ اعتماد راویوں کے ذریعے متحقق ہو جائے یا کسی عمل پر آپ کی تحسین یا کم از کم خاموشی ثابت ہو جائے[۳] تو یہ فرامین اور افعال و اعمال اُمتِ مسلمہ کے لئے حجت کا حکم رکھتے ہیں ۔

علماء فنِ حدیث کی ساری محنت اس سلسلۂ روایت کے قابلِ اعتماد یا اس کے برعکس ناقابلِ یقین ہونے کی وضاحت پر مرکوز رہتی ہے کیونکہ جب کوئی حکم یا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت ہو جائے تو پھر اس میں اخذ و ترک کا کسی کو اختیار نہیں رہتا ۔ بلکہ وہ حکم یا عمل بمنزلۂ قرآن قابلِ عمل اور واجب الاتباع ہوتا ہے ۔ احادیثِ نبویہ ﷺ کو یہ مقامِ رفیع خود قرآن مجید نے عطا کیا ہے ۔ "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝"[۴] کا قرآنی فیصلہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و ارشادات کو وحی کی سند عطا کرتا ہے ۔ اور "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا"[۵] کا حکم آپ ﷺ کے اقوال و اعمال کی پیروی کو فرضیت کا درجہ عطا کرتا ہے ۔ اس آیت کا جزوِ ثانی یعنی "وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا" سے اشارۃً یہ ثابت ہی ہوا کہ اگر کوئی عمل آپ ﷺ کے حضور وقوع پذیر ہو تو بحیثیت شارع آپ ﷺ کے فرائضِ نبوت میں شامل ہے کہ آپ اس عمل کے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حیثیت متعین فرمائیں ، ناپسند ہو تو باز رہنے کا حکم دیں اور اگر مستحسن ہو تو پسند فرمائیں اور مزید عمل کا شوق دلائیں یا خاموش رہ کر سندِ جواز مہیا فرمائیں ۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی غیر محمود حرکت عمل میں آئے اور آپ اس برائی کے شاہد ہوتے ہوئے بھی خاموش رہیں ۔ ایسا طرزِ عمل پیغمبرانہ عظمت کی نفی ہے ۔ اس لئے ناقابلِ وقوع ہے ۔ آپ کی خاموشی وجہِ جواز مہیا کرے گی اور ایسا عمل شرائعِ اسلامیہ میں قابلِ استناد قرار پائے گا ۔

ان ہر سہ اقسام حدیث کا مجموعہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے ، زبان سے ادا ہونے والے جملے ، اعضا و جوارح کے ذریعے وقوع پذیر ہونے والے اعمال اور گرد و پیش کے حرکات و سکنات آپ کی زندگی کا مکمل اور بھرپور عکس مہیا کرتے ہیں ۔ زندگی کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں ہوا اور نہ کم اہمیت کا حامل گردانا گیا ۔ بلکہ اس وجودِ اقدس کا ہر رنگ اور ہمہ جہتی شاہکار ہوا ۔ اس مشاہدے میں ایک لاکھ سے کہیں زیادہ انسان شریک رہے ۔ "توفی النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ومن رآہ وسمع منہ زیادۃ علی مائۃ الف انسان من رجل وامرأۃ کلھم قد روی عنہ سماعاً او رؤیۃ"[۶] قرآن الفاظ و تراکیب کی شکل میں اسلامی احکامات و تعلیمات کا ماخذ ہے ۔ حدیث ان احکامات و تعلیمات کی متحرک صورت ہے کیونکہ یہ قرآنِ ناطق ، کی

---

① شرح نخبۃ الفکر : ص ۸۱ ، ② شرح نخبۃ الفکر ، ص ۸۱-۸۳ ، ③ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) التقریر کا مفہوم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں " ومعنی التقریر انہ فعل احد او قال شیئاً فی حضرتہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ولم ینکرہ ولم ینھہ عن ذلک بل سکت وقرر (مقدمہ مشکوٰۃ شیخ عبد الحق محدث دہلوی ص ۳) ، ④ النجم : ۳-۴ ، ⑤ الحشر : ۷ ،
⑥ الاصابہ الجزء

سیرت و کردار کا وہ مرقع ہے جس میں قرآنِ صامت کا منشاء و مراد پیکرِ انسانی میں موجود ہے۔ "المدائح النبویہ" اسی پیکرِ انسانی کی عظمت کے حضور خراجِ عقیدت ہے۔ یہ خراجِ عقیدت قرآنی احکامات اور نبوی توضیحات کا پابند ہے اس لئے ہر مدح نگار قرآن و حدیث سے کسبِ فیض کا مکلف ہے۔

حدیث کی حجیت تو نزولِ قرآن کے ساتھ ہی واضح ہو گئی تھی اور اس کی جمع و تدوین کا شوق بھی ابتدائے اسلام ہی سے پیدا ہو گیا تھا اور جب توفیق بعض صحابہؓ نے اسے مرتب کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس شوقِ فراواں کو دیکھا تو اس خدشے کے پیشِ نظر کہیں "قرآن و حدیث" کے متون میں خلط نہ ہو جائے کتابتِ حدیث سے روک دیا، ارشاد ہوا "لا تکتبوا عنی و من کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ"[1]، مگر جب صحابہ قرآن کے لہجے اور اسلوب سے مانوس ہو گئے تو اجازت دے دی گئی مگر احتیاط کا تہدیدی حکم بھی نافذ فرما دیا "وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار"[2]، اس اجازت سے رکے ہوئے قلم حرکت میں آ گئے اور متعدد انفرادی مجموعے مرتب ہوئے، اس سلسلے میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا واقعہ کتابتِ حدیث کے ضمن میں بعض حلقوں کے خدشات اور ان کے مناسب ازالے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ وہ صحابی ہیں جو لکھنے پڑھنے کے فن سے آشنا تھے اور ان کی اس امتیازی حیثیت کا حضرت ابوہریرہؓ نے برملا اعتراف کیا ہے[3]۔ عبداللہ بن عمروؓ کی عادت تھی کہ وہ احادیث لکھا کرتے تھے بعض صحابہ نے روکا کہ کہیں غیر مقصود فرامین بھی درج نہ ہو جائیں کیونکہ انسانی زندگی میں خوشی و غم کی کیفیات، طبیعت پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں، جناب عبداللہ بن عمروؓ اس خدشے کے پیشِ نظر رک گئے مگر آنحضرتؐ سے اس ترکِ کتابت کا ذکر کر دیا اس پر آپؐ نے اپنے دہنِ مبارک کی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حق"[4]

اس واضح حکم کے بعد کتابتِ حدیث کی مہم تیز ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی صحائف مرتب ہو گئے مثلاً:

— صحیفہ سعد بن عبادۃ الانصاریؓ[5] — صحیفہ عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ[6]

— صحیفہ جابر بن عبداللہؓ[7] — صحیفہ عبداللہ بن عباسؓ[8]

— صحیفہ ابی ہریرہؓ لہمام بن منبہ[9]۔ کل ۱۳۸ احادیث کا مجموعہ ہے جسے بعد میں امام احمد بن حنبلؒ نے مکمل طور پر اپنی مسند میں شامل کر لیا ہے[10]۔

— صحیفہ الصادقہ۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص کی کوششوں کا نتیجہ اور ان کے فنِ کتابت کا شاہکار ہے۔ اس میں ایک ہزار سے زائد احادیث ہیں اور یہ مکمل طور پر "مسندِ احمد" میں محفوظ ہے[11]۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (م ۱۰۱ھ) کے زمانے تک احادیث ایسے صحائف کی شکل میں موجود تھیں۔ مجموعی طور پر کسی کتاب کا مقصد نہ بنی تھیں عمر بن عبدالعزیزؒ نے تدوینِ حدیث کا باقاعدہ آغاز کیا اور اس سلسلے میں علماء کو متوجہ کیا اور اپنے دور کے نامور علماء کو خطوط لکھے اور ان کی توجہ اس فرض کی طرف مبذول کرائی[12] ابوبکر بن حزمؒ (م ۱۲۰ھ) کو لکھا۔

"انظر ما کان من حدیث رسول اللہؐ فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذہاب العلماء"[13]

جن علماء نے تدوینِ حدیث میں نمایاں خدمات انجام دیں ان میں امام شعبیؒ ۱۰۴ھ، امام ابوبکر بن الحزم (م ۱۲۰ھ) اور امام ابن شہاب الزہری ۱۲۴ھ کے نام بہت نمایاں ہیں۔

---

① صحیح مسلم، جلد ثانی، کتاب الزہد، باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابۃ العلم، ص ۴۱۴ عن ابی سعید الخدریؓ ② حوالہ مذکورہ عن ابی سعید الخدریؓ

③ الاصابہ، جلد ۲، ص ۱۱۲۔ ④ سنن ابوداؤد، جلد ثانی کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، عن عبداللہ بن عمروؓ ص ۵۱۳، ۵۱۲،

⑤ جامع الترمذی کتاب الاحکام، باب ما جاء فی الیمین مع الشاہد، المجلد الاول، عن ابی ہریرہ ص ۱۹۲۔

⑥ صحیح البخاری کتاب الجہاد، باب الصبر عند القتال المجلد الاول: ص ۳۹۶۔

⑦ طبقات ابن سعد الجزء الخامس ص ۳۴۴ ⑧ حوالہ مذکورہ الجزء الثانی ص ۱۲۳

⑨ علوم الحدیث۔ صبحی صالح اردو ترجمہ ص ۵۱ ⑩ حوالہ مذکورہ ص ۵۲

⑪ حوالہ مذکورہ ص ۱۹۴ ⑫ طبقات ابن سعد الجزء الثانی ص ۱۳۴

⑬ صحیح البخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم المجلد الاول، ص ۲۰ عن عبداللہ بن دینار۔

ائمۂ الفقہ میں امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ (م ۱۵۰ھ) کی کتاب الآثار[۱] اور امام مالک بن انسؒ (م ۱۷۹ھ) کی "المؤطا"[۲] مشہور و متداول کتابیں ہیں۔ جن میں بالترتیب ۱۰۶۶ اور ۱۷۲۰ احادیث ہیں۔ ہر دو کتب مطبوعہ ہیں اور شائقین حدیث کے نزدیک معزز و محترم ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) نے سب سے وسیع اور ضخیم ذخیرہ احادیث مدون کیا جس میں تقریباً چالیس ہزار احادیث موجود ہیں۔ اگرچہ ایک خاصی تعداد مکررات کی بھی ہے۔ امام موصوف نے یہ مجموعہ احادیث ساڑھے سات لاکھ احادیث سے انتخاب کیا ہے۔ اس میں اٹھارہ مسانید اور ایک سو بہتر اجزاء ملتے ہیں[۳]۔

احادیث کے وہ مجموعے جنہیں بقائے دوام حاصل ہوئی صحاح ستہ کہلاتے ہیں ان چھ کتب حدیث نے ماسبق سے بے نیاز بھی کیا اور یہی شائقین حدیث کی توجہ کا مرکز بھی رہیں۔ روز تدوین سے ہی ان پر اعتماد قائم ہو گیا۔ اور انہیں ہی بطور نصاب دینی مدارس میں شامل کیا گیا۔ متقدمین کے اکثر صحائف ان میں ضم ہو گئے۔ اس لئے انہیں کے حوالے پر اکتفا کیا گیا۔ ان کتب صحاح کا معیار اخذ و ترک اور اصول جرح و تعدیل اس قدر کڑے ہیں کہ کوئی موضوع حدیث یا غلط انتساب ان کی نظروں سے اوجھل نہ رہا۔ ان کا اسلوب پختہ اور انداز فقیہانہ ہے۔ روایت و درایت کے اصول واضح اور رد و قبول کے پیمانے بڑے منضبط ہیں۔ یہی خصائص ان کی شہرت اور اہمیت کے باعث بنے۔ صحاح ستہ درج ذیل چھ کتابوں کو کہا جاتا ہے۔

صحیح بخاری:

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل الجعفی البخاریؒ (۲۵۶ھ) کی تالیف ہے جو فن حدیث کے امام ہیں۔ اور اپنے معیار اخذ کی پختگی اور صیانت کے اعتبار سے سب سے برگزیدہ شمار ہوتے ہیں۔ امام موصوف نے شب و روز کی محنت شاقہ اور تلاش مسلسل سے ایک کثیر تعداد اکٹھی کر لی تھی۔ کہتے ہیں: "صَنَّفْتُ كِتَابَ الصَّحِيحِ لِسِتَّ عَشَرَ سَنَةً خَرَّجْتُهُ مِنْ سِتِّمِائَةِ أَلْفِ حَدِيثٍ وَجَعَلْتُهُ حُجَّةً بَيْنِي وَبَيْنَ اللهِ"[۴]۔ ان احادیث کے انتخاب میں اس قدر احتیاط برتی کہ حدیث کو درج کرنے سے قبل غسل کرتے، دو رکعت پڑھتے[۵]۔ اس ۷۲۷۵ احادیث کا مجموعہ تیار ہوا جن میں سے مکررات منہا کر دی جائیں تو تقریباً چار ہزار رہ جاتی ہیں[۶]۔ امام بخاریؒ نے اس مجموعے کا نام "الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول الله وسننه وايامه" رکھا مگر اسے عرف عام میں صحیح بخاری کہا جاتا ہے[۷]۔

صحیح مسلم

امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوریؒ (م ۲۶۱ھ) کی تالیف صحیح مسلم، امام بخاریؒ کی الجامع الصحیح کے بعد حدیث کی دوسری بڑی کتاب ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو صحیحین اور ان کی مشترک احادیث کو متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ دونوں صحت متن اور جرح و تعدیل کے مضبوط معیار کی وجہ سے قابل اعتماد اور قرآن مجید کے بعد تعلیمات اسلامیہ کا سب سے بڑا ماخذ ہیں۔ امام مسلمؒ صحیح و سقیم کی پہچان میں تمام اہل عصر میں ممتاز تھے۔ بلکہ بعض امور میں ان امام بخاریؒ پر بھی ترجیح و فضیلت حاصل ہے[۸]۔ امام مسلمؒ نے یہ کتاب تین لاکھ احادیث میں سے انتخاب کی ہے[۹]۔ اس میں مکررات نکال دی جائیں تو چار ہزار احادیث رہ جاتی ہیں۔ امام موصوف کا ارادہ بھی اسی قدر احادیث کا انتخاب تھا۔ کیونکہ وہ تعداد میں امام بخاریؒ کا تتبع چاہتے تھے جیسا کہ امام نوویؒ ۶۷۶ھ نے صراحۃً روایت کیا ہے۔ "اراد ان کتابہ هذا اربعة الاف حديث الاصول دون المكررات وكذا كتاب البخاري"[۱۰]

---

(۱) ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ، محمد عبد الرشید النعمانی، ص ۱۱ (۲) علوم الحدیث، ڈاکٹر صبحی صالح اردو ترجمہ، ص ۸۹-۸۸۔

(۳) بستان المحدثین شاہ عبد العزیز، اردو ترجمہ: ص ۵۲، ۵۳ (۴) مقدمۃ الصحیح البخاری جلد اول، مولانا احمد علی سہارنپوری، ص ۴

(۵) بستان المحدثین اردو، ص ۱۴۲، دنور الہدایہ، ترجمہ اردو۔ شرح الوقایہ، ص ۷ (۶) الاکمال فی اسماء الرجال الشیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب مشکوٰۃ المصابیح، ص ۶۲۴

(۷) مقدمۃ الصحیح البخاری جلد اول مولانا احمد علی سہارنپوری ص ۴ (۸) بستان المحدثین: اردو ترجمہ، ص ۱۲۸

(۹) الاکمال فی اسماء الرجال، شیخ ولی الدین، ص ۶۲۴۔ نور الہدایہ، اردو ترجمہ شرح الوقایہ ص ۴

(۱۰) مقدمہ شرح مسلم للنووی، ص ۱۵

امام نووی صحیح مسلم کی امتیازی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

" قد انفرد مسلم بفائدة حسنة وهي كونه اسهل متناولا من حيث انه جعل لكل حديث موضعا واحدا يليق به جمع فيه طرقه التي ارتضاها فاختار ذكرها واورد فيه اسانيده المتعددة والفاظه المختلفة فيسهل على الطالب النظر في وجوهه واستثمارها " [1]

سنن ابی داؤد

امام ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی (۲۷۵ھ) کی الیی تالیف جس میں احادیث احکام اور ابواب فقہیہ پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، اسی لئے "سنن" کہلاتی ہے۔ علماء و فقہاء کے ہاں یکساں مقبول ہے یہاں تک کہ امام غزالی (م ۵۰۵) نے تصریحاً کہا ہے۔ "وانه کتابه کاف للمجتهد" [2] امام موصوف نے اپنی سنن میں یہ التزام کیا ہے کہ وہی حدیث درج کریں جو صحیح ہو یا حسن [3]۔ خود کہتے ہیں کہ "کتبت عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم خمسمائة الف حديث انتخبت ما ضمنته وجمعت في كتابي هذا اربعة الاف حديث وثمانمائة حديث من الصحيح وما يشبهه ويقاربه " [4] تکمیل پر آپ نے اپنی سنن اپنے عالی قدر استاد امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کو پیش کی۔ انہوں نے اس عمدہ تالیف کو پسند فرمایا [5]،

جامع الترمذی

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م ۲۷۹ھ) امام بخاری کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ مگر امام مسلمؒ اور امام ابو داؤدؒ سے بھی فیض پایا ہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ شہرت جامع الترمذی کو حاصل ہے۔ جسے "سنن ترمذی" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی ترتیب میں امام موصوف نے فقہی مسائل کو ملحوظ رکھا ہے۔ جامع ترمذی کو کئی لحاظ سے اولیت حاصل ہے مثلاً اس کی ترتیب سب سے بہتر ہے۔ اس میں تکرار نہیں ہے۔ ائمہ فقہ کے مذاہب الاختلاف کی عمدہ وضاحت ہے۔ معیار حدیث اور تنقید روایت کی وضاحت کا اہتمام ہے۔ اور رواۃ حدیث پر قابل اعتماد معلومات شامل ہیں جس سے "علم الرجال" میں امام ترمذیؒ کے ذوق کا پتہ چلتا ہے [6]۔ احادیث کی تعداد ۳۸۵ الے ہے لیکن شواہد اور توابع بھی شامل کر لئے جائیں تو تقریباً ۹۰۶ ۳ ہو جاتی ہے [7]

سنن نسائی

امام الحافظ ابو عبد الرحمٰن بن شعیب النسائی (م ۳۰۳ھ) اکابر شیوخ حدیث میں سے ہیں۔ آپ نے احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کا ایک بہت بڑا مجموعہ "سنن کبریٰ" کے نام سے مرتب کیا۔ امیر رملہ نے فرمائش کی کہ اس سے مختصر مگر صحیح احادیث پر مشتمل مجموعہ مرتب کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ آپ نے "سنن صغریٰ" جسے "المجتبیٰ" بھی کہا جاتا ہے کے نام سے ایک مختصر اور بقول ان کے صحیح احادیث کا مجموعہ تالیف کیا [8] جو صحاح ستہ کے گروپ میں شامل ہے۔ امام النسائی، قابل اعتماد محدثین میں سے ہیں۔ کیونکہ ان کا معیار رد و قبول بہت سخت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "ان لابی عبد الرحمٰن شرطا في الرجال اشد من شرط البخاری ومسلم " [9] علماء حدیث کے ہاں سنن نسائی کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اور اکثر علماء اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ بن رشید نے تو یہاں تک کہا ہے،،

كتاب النسائي ابدع الكتب المصنفة في السنن تصنيفا واحسنها ترصيفا [10]

سنن ابن ماجہ

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید .... ابن ماجہ القزوینی الربعی (م ۲۷۳ھ) کی سنن راجح قول کے مطابق صحاح ستہ میں شامل ہے۔ حافظ ابن کثیر "الباعث الحثیث الی معرفۃ علوم الحدیث" میں کہتے ہیں " ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزويني صاحب السنن التي كمل بها الكتب الستة والسنن الاربعة بعد الصحيحين " [11]

---

(۱) مقدمہ لشرح صحیح مسلم للنووی ص ۱۳، (۲) مقدمہ علی السنن ابی داؤد لسید محمد عمیم الاحسان المفتی ص ۵
(۳) ۔ بستان المحدثین اردو، ص ۱۸۱، ص ۱۸۲، (۴) مقدمہ علی سنن ابی داؤد لسید محمد عمیم الاحسان المفتی ص ۵ و بستان المحدثین اردو ص ۱۸۱ ۔ الاکمال فی معرفۃ الرجال لشیخ ولی الدین الخطیب ص ۶۲۴، نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح الوقایہ ص ۸ ۔
(۵) حوالہ جات مذکورہ ۔ (۶) بستان المحدثین اردو ص ۱۸۴، ص ۱۸۵، نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح الوقایہ مقدمہ ص ۸، الاکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ، ص ۶۲۴، (۷) تذکرۃ المحدثین غلام رسول سعیدی ص ۲۶۸ (۸) بستان المحدثین اردو ص ۱۸۹، زہر الربی للسیوطی حاشیہ المجتبیٰ ص ۳، نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح الوقایہ ص ۹ (۹) زہر الربی للسیوطی بر حاشیہ المجتبیٰ ص ۳ (۱۰) حوالہ مذکورہ (۱۱) ما تمس الیہ الحاجۃ، عبد الرشید النعمانی ص ۳۵

سنن ابن ماجہ میں بتیس کتب، ایک ہزار پانچ سو ابواب اور تقریباً چار ہزار احادیث ہیں [1]۔ امام موصوف جب سنن کی تالیف سے فارغ ہوئے تو اسے مشہور محدث ابوزرعہ کے سامنے پیش کیا۔ کہتے ہیں "عرضت ھذہ السنن علی ابی زرعۃ فنظر فیہ وقال اظن ان وقع ھذا فی ایدی الناس تعطلت ھذہ الجوامع واکثرھا [2]۔ شاہ عبدالعزیز محدث کہتے ہیں کہ فی الحقیقت احادیث کو بلا تکرار بیان کرنے اور حسن ترتیب و اختصار کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کی ہمسر نہیں ہے [3]

چند دیگر کتب حدیث؛

صحاح ستہ کے علاوہ بھی کئی مجموعہ ہائے احادیث بطور ماخذ مدرج نگاروں کے پیش نظر رہے ہیں۔ اور انہوں نے ان روایات پر بھی اعتماد کیا ہے۔ جو اگرچہ صحاح ستہ میں نہیں ہیں مگر دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں اور ان کے موضوع سے مناسبت رکھتی ہیں۔ ایسی چند کتب کے نام یہ ہیں:

- مسند طیالسی: ابو داؤد سلیمان بن داؤد الطیالسی (م ۲۰۴ ھ) کی تالیف جو اولین مسند ہے۔ [4]
- مصنف عبدالرزاق: ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام (م ۲۱۱ ھ) کی ابواب فقہی کی مناسبت سے تالیف جس کو مولف نے شمائل پر ختم کیا ہے۔ [5]
- مصنف ابن ابی شیبہ: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ ھ) کی تالیف ہے۔ [6]
- مسند دارمی: امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن التمیمی الدارمی السمرقندی (م ۲۵۵ ھ) کی مسند ۳۵۵۷ احادیث اور ایک ہزار چار سو آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ [7]
- مسند بزار: ابوبکر احمد بن عمرو (م ۲۹۲ ھ) جو تخم فروشی کی وجہ سے بزار کہلاتے تھے، کی تالیف ہے [8] مسند کبیر اور مسند صغیر دو کتابیں ہیں [8د]
- صحیح ابن حبان: ابو حاتم محمد بن حبان (م ۳۵۴ ھ) شاگرد امام نسائی کا مجموعہ احادیث ہے۔ [9]
- معاجم الطبرانی: امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد (م ۳۶۰ ھ) کی معجم کے نام سے تین کتابیں ہیں جنہیں المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر کہا جاتا ہے۔ [10]
- سنن دارقطنی: امام ابوالحسن علی بن عمر (م ۳۸۵ ھ) کی سنن متداول کتاب ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے "کان امیرالمومنین فی الحدیث"۔ بغداد کے محلہ دارقطن کی طرف منسوب ہیں۔ [11]
- مستدرک حاکم: امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ النیشاپوری (م ۴۰۵ ھ) کثیر کتب کے مصنف ہیں۔ بخاری و مسلم کی شرائط پر مستدرک مرتب کی۔ اگرچہ بعض علماء ان کے استدراک کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں [12]
- سنن بیہقی: امام ابوبکر احمد بن الحسین (م ۴۵۸ ھ) جو نیشاپور کے قریب بیہق کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے امام بیہقی مشہور ہیں، کی سنن کبریٰ دس جلدوں پر محیط ہے۔ [13]
- مصابیح: ابو محمد حسین بن مسعود البغوی (م ۵۱۶ ھ) صاحب تفسیر معالم التنزیل کی وہ مشہور کتاب جسے ہر دور میں شہرت حاصل رہی۔ امام بغوی خراسان کے قصبہ بغشور یا بغ کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے بغوی کہلائے۔ ان کی کتاب شرح السنۃ بھی مشہور کتاب ہے۔ کتاب المصابیح میں ۴۴۸۴ احادیث ہیں۔ [14]

---

(۱) بستان المحدثین، اردو، ص ۱۹۰، نور الہدایۃ اردو ترجمہ، شرح الوقایہ ص ۹۔ (۲) ماتمس الیہ الحاجۃ۔ عبدالرشید النعمانی ص ۳۳، (۳) بستان المحدثین اردو، ص ۱۹۰، (۴) بستان المحدثین اردو ص ۵۲، علوم الحدیث، ڈاکٹر صبحی صالح ص ۱۵۸، (۵) بستان المحدثین اردو، ص ۸۱، (۶) حوالہ مذکورہ، ص ۸۱، ص ۸۲، (۷) بستان المحدثین اردو: ص ۸۵، الاکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ ص ۶۲۸۔ (۸) بستان المحدثین اردو، ص ۵۹ (۸د) علوم الحدیث اردو، ص ۸۲ (۹) حوالہ مذکورہ: ص ۶۹، (۱۰) حوالہ مذکورہ: ص ۸۷، ص ۹۱، تاریخ تدوین حدیث مناظر احسن گیلانی، تعارف کتب حدیث، علی محسن صدیقی ص ۱۰۔ (۱۱) بستان المحدثین اردو: ص ۷۷، ص ۷۸، الاکمال و اسماء الرجال اصحاب المشکوٰۃ: ص ۱۲۸ (۱۲) بستان المحدثین اردو: ص ۷۱، ص ۷۲، علوم الحدیث ڈاکٹر صبحی صالح ترجمہ ص ۱۴۱، (۱۳) بستان المحدثین اردو، ص ۸۵، ص ۸۶، الاکمال فی اسماء الرجال لصاحب مشکوٰۃ: ص ۶۲۸۔ (۱۴) بستان المحدثین اردو ص ۸۷، ص ۲۲۵۔ الاکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ: ص ۶۲۸،

— فردوس للدیلمی : ابو شجاع حافظ شیرویہ الہمدانی الدیلمی (م ۵۵۸ھ) نے الفردوس میں احادیث کو ترتیب حروف تہجی مرتب کیا۔ [1]

— مشکواۃ المصابیح : الشیخ ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالخطیب (م ۷۳۹ھ) نے امام البغوی (م ۵۱۶ھ) کی کتاب المصابیح کو ترتیب نو کے ساتھ اور چند اضافوں اور لاحقوں کے ساتھ مرتب کیا ہے [2]

الشیخ موصوف اس تالیف سے ۷۳۷ھ شوال کی یکم کو فارغ ہوئے۔ [3]

مشکواۃ متداول اور کثیر الاستفادہ کتب میں سے ہے جو برصغیر پاک و ہند کے مدارس نظامیہ کا حصہ ہے اور بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

احادیث کے یہ مجموعے سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تقریباً تمام گوشوں کو محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ ان میں ذات حضور ؐ اس طرح نور فشاں ہے کہ قارئین کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو ان کے فکر بلند اور فہم رسا کی ضرورت ہے۔ ان احادیث سے انہیں ان واقعات تک رسائی حاصل ہوتی ہے جو اپنے جلو میں عظمت رسول اللہ ؐ کی کئی حکائتیں سمیٹے ہوئے ہیں۔ وہ جب ان واقعات کو مرتباً کل دیکھتے ہیں تو سیرت النبی ؐ کا عکس جمیل جگمگانے لگتا ہے۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس نورانی زندگی کا ہر عکس اپنے شعروں میں جذب کر لیں مگر یہ طول امل ہے اور ہر ایک کا نصیب نہیں۔ صرف چند صاحب ہمت حیات مبارکہ کو پورے تاریخی تسلسل کے ساتھ محفوظ رکھنے میں کسی حد تک کامیاب ہوئے۔ ان کے اسماء یہ ہیں۔

— محمد بن ابراھیم المعروف فتح الدین الشہید (م ۷۹۳ھ) نے دس ہزار ابیات پر مشتمل سیرت لکھی [4]

— حافظ زین الدین عراقی (م ۸۰۶ھ) نے علاؤ الدین مغلطائی (م ۷۶۲ھ) کی سیرت کی بنیاد پر الفیہ کے نام سے ہزار اشعار پر سیرت کے وقائع نظم کئے ہیں: [5]

— الشمس الباعونی الدمشقی (م ۸۷۱ھ) نے منحۃ اللبیب فی سیرۃ الحبیب کے نام سے سیرت مغلطائی کو ہزار سے زائد ابیات میں نظم کیا۔ [6]

علامہ السخاوی نے ان کے علاوہ الفتح بن سیمار (م ۶۶۳ھ) کے [7]

الشہاب بن العماد الاقفہسی (م ۸۰۸ھ)، ابراھیم بن عمر البقاعی (م ۸۸۵ھ) اور العز الدیرینی، عبدالعزیز بن احمد (م ۶۹۷ھ تقریباً) کی منظوم سیر کے حوالے بھی دئے ہیں۔ [8]

— دور حاضر میں احمد محرم مصری (م ۱۹۴۵ء) نے طویل نظم میں صدر اسلام کی تاریخ اور خصوصیت سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بیان کیا ہے ان کا یہ ملحمۃ شعریۃ ان کی وفات کے بعد ۱۹۶۳ء کو شائع ہوا۔ [9]

— اسی طرح محمد ابراھیم جدع (ولادت ۱۳۳۰ھ بجدہ) نے احمد محرم کا تتبع کیا ہے اور "الالیاذۃ الاسلامیۃ الجدیدۃ" کے نام سے ۶۵۱ شعروں میں واقعات سیرت کو سترہ عنوانات کے تحت نظم کیا ہے۔ [10]

---

(۱) بستان المحدثین اردو : ص ۱۰۱، (۲) مشکواۃ المصابیح : ص ۱۰، ص ۱۱، (۳) مشکواۃ المصابیح : ص ۵۸۲۔

(۴) الاعلان بالتوبیخ علامہ سخاوی اردو ترجمہ : ص ۱۹۲، (۵) حوالہ مذکورہ۔ (۶) حوالہ مذکورہ : ص ۱۹۳

(۷) حوالہ مذکورہ : ص ۱۹۱ (۸) حوالہ مذکورہ : ص ۱۹۲، (۹) النصوص الادبیہ للصف الثانی المتوسط : ص ۱۱۵،

(۱۰) الالیاذۃ الاسلامیۃ الجدیدۃ محمد ابراھیم جدع : ص ۲۸ تا ۳۱،۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلسل حکایت و واقعہ کا انداز نعتیہ شاعری میں نمایاں نہیں رہا۔ یہاں شعراء اپنے جذباتِ محبت کے اظہار کیلئے بلا لحاظ ترتیب جس واقعہ کو ضروری سمجھتے کلام کا جزو بناتے۔ اس طرح جو بھی واقعات نظم ہوئے ان میں نہ تو ترتیبِ زمانی موجود ہوتی اور نہ ہی تمام پہلوؤں کا احصاء مقصود ہوتا بلکہ موضوع کی مناسبت سے مختلف واقعات کو بطور استعارہ یا بصورت تلمیح استعمال کیا جاتا۔ ان میں سیرتِ طیبہ کے عمومی احوال شامل ہیں اور فضائل و محامد کا بیان بھی، عظمت و رفعت کے تذکرے بھی ہیں اور متوسلین کی التجائیں بھی، ان میں معجزات کا شکوہ بھی ہے۔ اور حسن و جمال کی دلفریبیاں بھی، صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؑ کی محبت کے زمزمے بھی ہیں، اور مدینہ و نواحِ مدینہ کی فضیلت و تقدس کے ترانے بھی۔

ذیل میں موضوعاتِ مدح کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اور ان مقامات کی نشاندہی کی جا رہی ہے جن سے یہ موضوعات اخذ کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اندازہ ہو جائے کہ موضوعات کیلئے احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں منابع کیا ہیں۔ ان میں اختصار کے پیشِ نظر صرف "الصحاح الستۃ" کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ ورنہ دیگر کتبِ حدیث سے بھی شعراء حوالے چنتے رہے ہیں۔ اور انہیں شعری قالب عطا کرتے رہے ہیں۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تذکروں میں ولادت، ولادت کے واقعات، خاندانی شرف، یتیمی، حضانت، رضاعت، والدہ کی وفات، دادا، چچا کی پرورش، بحیرہ راہب کا واقعہ، بلند کرداری، پاکیزگی سیرت، دیانت و امانت کے چرچے، صادق و امین کے القاب، حجرِ اسود کی تنصیب، حلف الفضول، حضرت خدیجہؓ سے نکاح اور مکہ میں معاشرتی مقام، غارِ حرا، نزولِ وحی، ورقہ بن نوفل کی تصدیق، تبلیغ، مصائب و مشکلات، شعبِ ابی طالب میں محصوری، سفرِ طائف، ہجرتِ حبشہ، بیعتِ عقبیٰ اولیٰ و ثانیہ، ہجرتِ مدینہ، غارِ ثور میں قیام، ام معبد کے ہاں استراحت اور حلیہ مبارکہ کا پہلا موجود متن، قبا میں آمد، مسجد کی تعمیر، ورودِ مدینہ اور مسجدِ نبوی کی تعمیر کے مراحل وغیرہ شامل ہیں۔

— مدنی زندگی میں مدینہ کی محبت و پیار کی فضا، مواخات، میثاقِ مدینہ، غزوات کا طویل سلسلہ، بدر، احد، خندق، یہودِ مدینہ کا طرزِ عمل اور فیصلے، حدیثِ الافک، صلحِ حدیبیہ اور بیعتِ رضوان، غزوہ خیبر، سریۂ موتہ، فتحِ مکہ، غزوہ حنین، غزوہ تبوک، اشاعتِ اسلام، دین کی تکمیل اور وفات شامل ہیں۔

— حلیہ مبارک، عضو عضو کے اوصاف ظاہری، باطنی فضائل، خصائص نبوت، شمائلِ حسنہ، سراپائے حضورؐ، عادات و اطوار، شفقت و محبت، رحم و کرم، حسنِ سلوک، رہبرِ انسانیت، انسانِ کامل، خلق اول ظہور، قائدِ انبیاء، حاملِ قرآن، رحمۃ للعالمین

— معجزات میں قرآن، برہانِ عظیم، شقِ صدر، شقِ قمر، اسراء و معراج، کثرتِ طعام و شراب، شفائے امراض، موتیٰ، ردِ سوال

— حرمین شریفین، مدینہ منورہ کے فضائل و محاسن، خواہشِ مدینہ، خاکِ مدینہ، پہاڑ اور وادیاں، احد

— صحابہ کرامؓ، اہل بیت عظامؑ، اقرباء رسولؐ، جانثارانِ نبوت

— وارفتگیٔ محبت، فراق کا خوف، قرب کی تمنا، شفاعت کی خواہش۔

— احترام و عظمت، جانثاری و جاں سپاری، ذہنی رابطے، قلبی تعلقات۔

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت و کردار، فضائل و شمائل، فضائل و محامد، عادات و اطوار، اخلاق و آداب اور حسن و جمال کے متعلق تفصیلی اور جامع معلومات کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے مرتبین کی زیادہ توجہ احادیثِ احکام پر رہی ہے۔ اس لئے ان میں نسبتاً کم مگر صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی جامعیت کی وجہ سے ان میں مقابلتاً زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات و صفات کے حوالے موجود ہیں۔ ہم صحاح ستہ کی ہر کتاب کے ان تمام ابواب کا اشاریہ درج کر رہے ہیں، جن سے مداحین مستفیض ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

صحیح بخاری :

كِتَابُ الإِيمَانِ : باب : كيف بدء الوحی : ص : ۲ ، ۳ ، ۴ - باب : حُبُّ الرسولِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم من الایمان ص : ۷
باب : حلاوة الایمان ، ص : ۷ ، ۸ -
كِتَابُ العلم : باب : اِثم من كذب على النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ، ص : ۲۱ ،
كِتَابُ الوضوء : باب : التخفيف فی الوضوء ص : ۲۵ - باب : التماس الوضوء اذا حانت الصلوٰة ص ۲۹ -
باب : الماء الذی یغسل به شعر الانسان ، ص : ۲۹ - باب : استعمال فضل وضوء الناس ، ص : ۳۱ ،
باب : ۳۱ - باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح ، ص : ۳۲ ،
باب : اذا القی علی ظهر المصلی قذر او جیفة ، ص : ۳۷ ، ۳۸ ،
باب : غسل المرأة اباها الدم عن وجهه ، ص : ۳۸ ،
كِتَابُ الصلوٰة : باب : كيف فرضت الصلوٰة ، ص : ۵۰ : ۵۱ - باب : كراهية التعری فی الصلوٰة وغیرها ص : ۵۲
باب : قول النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جعلت الارض مسجداً و طهوراً ، ص : ۶۲ ،
باب : الخوخة والممر فی المسجد ، ص ، ۶۷ - باب : المساجد التی علی طرق المدينة ، ص : ۷۰
باب : المرأة تطرح عن المصلی شیئاً من الاذی ، ص : ۷۴
كِتَابُ الأذان : باب : الدعاء عند النداء ، ص : ۸۶ - باب : اهل العلم والفضل احق بالامامة ، ص : ۹۳ ، ۹۴ ،
باب : من دخل لیؤم الناس فجاء الامام الاول ، ص : ۹۴ - باب : اذا قام الرجل عن یسار الامام وحوله الامام ، ص : ۱۰۰
باب : الخشوع فی الصلوٰة ، ص ، ۱۰۲ - باب : رفع البصر الی الامام فی الصلوٰة ، ص : ۱۰۳ -
باب : الجهر بقراءة صلوٰة الفجر ، ص : ۱۰۶
ابواب الاستسقاء : باب : سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ، ص ، ۱۳۷ - باب : الاستسقاء فی المسجد الجامع ، ص : ۱۳۷ -
باب : الاستسقاء فی خطبة الجمعة ، ص : ۱۳۸ - باب : استسقاء علی المنبر ص : ۱۳۸ ، باب : من اكتفی
بصلوٰة الجمعة فی الاستسقاء ، ص ، ۱۳۸ - باب : الدعاء اذا انقطعت السبل من كثرة المطر ، ص : ۱۳۸
باب : اذا استشفعوا الی الامام لیستسقی لهم ، ص ، ۱۳۹ - باب : اذا استشفع المشركون
بالمسلمین عند القحط ، ص ، ۱۳۹ - باب : الدعاء اذا كثر المطر حوالینا ولا علینا ، ص : ۱۳۹ -
باب : رفع الناس ایدیهم مع الامام فی الاستسقاء ، ص : ۱۴۰ - باب : من تمطر فی المطر حتی یتحادر
علی لحیته ، ص : ۱۴۰ ، ۱۴۱ - باب : قول النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نُصِرتُ بالصبا ، ص : ۱۴۱
كتاب التهجد : باب : فضل الصلوٰة فی مسجد مكة والمدينة ، ص ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ - باب : فضل ما بین القبر والمنبر ص ، ۱۵۹
باب : الاشارة فی الصلوٰة ، ص ، ۱۶۵ -
كِتَابُ الجنائز : باب : الدخول علی المیت بعد الموت اذا اُدرج فی اكفانه ، ص ، ۱۶۶ -
باب : قول النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انا بك لمحزونون ، ص ، ۱۷۴ - باب : ما جاء فی قبر النبی والی بكر وعمر ، ص : ۱۸۶ ،
كتاب الزكوٰة : باب : اخذ صدقة التمر عند صرام النخل ، ص : ۲۰۱ -
كتاب المناسك : باب : الطیب عند الاحرام وما یلبس اذا اراد ان یحرم ، ص ، ۲۰۸ - باب : تقبیل الحجر ، ص : ۲۱۸
ابواب العمرة : باب : من اسرع ناقته اذا بلغ المدينة ، ص : ۲۴۲
فضائل المدينة : باب : حرم المدينة ، ص : ۲۵۱ - باب : فضل المدينة وانها تنفی الناس ، ص : ۲۵۲ -
باب : المدينة طابة ، ص : ۲۵۲ - باب : لابتی المدينة ، ص : ۲۵۲ - باب : رغبة عن المدينة ، ص : ۲۵۲ ،
باب : الایمان یأرز الی المدينة ، ص : ۲۵۲ - باب : اثم من كاد اهل المدينة ، ص : ۲۵۲ ،

صحيح مسلم الجلد الاول

المجلد الثانی

سنن ابی داؤد (المجلد الاوّل)

جامع ترمذی (المجلد الاوّل)

ابواب الفتن: باب: ما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحابہ بما هو کائن الی یوم القیامة، ص: ۵۲ - باب: ماجاء فی قول النبیؐ بعثت انا والساعة کهاتین، ص: ۵۳ - باب: ماجاء فی قتال الترک، ص: ۵۴ - باب: ماجاء اذا ذهب کسریٰ فلا کسریٰ بعده، ص: ۵۴ - باب: لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من قبل الحجاز، ص: ۵۵ - باب ماجاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون، ص: ۵۵ - باب: ماجاء فی قول النبیؐ من رانی فی المنام فقد رانی، ص: ۶۳

ابواب الزهد: باب: ماجاء فی معیشة النبیؐ واهله، ص: ۷۰، ۷۱ - باب: المرء مع من احب، ص: ۷۴ باب: کراهة المدحة والمداحین، ص: ۷۵ -

ابواب الایمان: باب: ماجاء فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص: ۱۰۶

ابواب الاستیذان والآداب: باب: ماجاء فی فداک ابی وامی، ص: ۱۲۵ - باب: ماجاء فی اسماء النبیؐ: ۱۲۵/۱۲۶ باب: ماجاء فی کراهیة الجمع بین اسم النبیؐ وکنیته، ص: ۱۲۶ -

ابواب التفسیر: ومن سورة الکوثر، ص: ۱۹۳ -

ابواب المناقب: باب: ماجاء فی فضل النبیؐ، ص: ۲۲۳ - باب: ماجاء فی میلاد النبیؐ، ص: ۲۲۴ - باب: ماجاء فی بدء نبوة النبیؐ، ص: ۲۲۵ باب: ماجاء فی مبعث النبیؐ وابن کم کان حین بعث، ص: ۲۲۵ - باب: ماجاء فی آیات نبوة النبیؐ ما قد خصه اللہ به، ص: ۲۲۵ -

باب: ص: ۲۲۵ - باب: ص: ۲۲۶ - باب: ص: ۲۲۶ - باب: ص: ۲۲۶ - باب: ماجاء کیف ینزل الوحی علی النبیؐ، ص: ۲۲۶ - باب: ماجاء فی صفة النبیؐ، ص: ۲۲۶، ۲۲۷ باب: ص: ۲۲۷ - باب: ص: ۲۲۷ - باب: ص: ۲۲۷ - باب: ماجاء فی ختم النبوة، ص: ۲۲۷ - باب: ۲۲۷ - باب: ص: ۲۲۸ - باب: ۲۲۸، - باب: ۲۲۸ - باب: ماجاء فی سن النبیؐ، ص: ۲۲۸ - باب، ص: ۲۲۸ - باب: ۲۲۸ - باب: ۲۲۸ - باب: ماجاء فی فضل من رای النبیؐ وصحبه، ۲۴۹ - باب: ماجاء فی فضل من بایع تحت الشجرة ص ۲۴۹ باب: فی من سب اصحاب النبیؐ ص: ۲۴۹ - باب: ماجاء فی فضل المدینه، ص: ۲۵۳، ۲۵۴

ان کے علاوہ ۸۲ - ابواب میں مناقب صحابہؓ، اہل بیت اطہارؓ اور مکہ، یمن وغیرہ کے بارے میں احادیث درج ہیں۔ ص: ۲۲۸ تا ۲۵۶

سنن النسائی (المجلد الاول)

کتاب الاذان: باب: الصلوٰة علی النبیؐ بعد الاذان، ص: ۱۱۰ -

کتاب المساجد: باب: فضل مسجد النبیؐ والصلوٰة فیه ص ۱۱۳ باب: ذکر المسجد الذی اسس علی التقویٰ، ص: ۱۱۳ - باب: فضل مسجد قباء والصلوٰة فیه، ص: ۱۱۳ - باب: ما تشد الرحال الیه من المساجد، ص: ۱۱۴ -

کتاب السهو: باب: التسلیم علی النبیؐ، ص: ۱۸۹ - باب: فضل التسلیم علی النبیؐ، ص: ۱۸۹ - باب: التمجید والصلوٰة علی النبیؐ فی الصلوٰة، ص: ۱۸۹ - باب: الامر بالصلوٰة علی النبیؐ، ص: ۱۸۹ - باب: کیف الصلوٰة علی النبیؐ، ص: ۱۹۰ تا ۱۹۱ - باب: الفضل فی الصلوٰة علی النبیؐ، ص: ۱۹۱ - باب: تخییر الدعا بعد الصلوٰة علی النبیؐ، ص: ۱۹۱

کتاب الجمعۃ: باب، أکثار الصلواۃ علی النبیؐ یوم الجمعۃ، ص: ۲۰۳ -
کتاب الجنائز: باب: کفن النبیؐ، ص: ۲۶۸ -
کتاب الصیام: باب: صوم النبیؐ بابی ھو و امی، ص: ۳۲۱ -

(المجلد الثانی)

کتاب الوصایا باب: ھل اوصی النبیؐ: ۱۲۹
کتاب المحاربۃ: باب: الحکم فیمن سب النبیؐ، ص: ۱۲۰ -
کتاب الایمان وشرائعہ: باب: علامۃ الایمان، ص: ۲۶۹، ۲۷۰ -
کتاب الزینۃ من السنن الفرع: باب: صفۃ خاتم النبیؐ، ص: ۲۸۸ - باب: صفۃ خاتم النبیؐ ص: ۲۹۳
باب: صفۃ نعل رسول اللہؐ، ص: ۳۰۱ -

کتاب الاستعاذۃ:

اس میں ۶۴ ابواب ہیں - ص: ۳۱۱ تا ۳۲۱ - متعدد ماثور درج ہیں - جن میں مختلف آلام و مصائب سے استعاذہ کیا گیا ہے - اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور حاکمیت اعلیٰ کا تصور نمایاں ہے -

سنن ابن ماجہ (المجلد الاول)

باب: اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص: ۲ - باب: تعظیم حدیث رسول اللہؐ والتغلیظ علی من عارضہ، ص: ۳، ۴ - باب: التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہؐ ص: ۴ - فضائل صحابہ: ۲۲ ابواب ہیں - ص ۱۰ تا ۱۵ - باب: الصلواۃ علی النبیؐ ص: ۶۵ - باب: ماجاء فی فضل الصلواۃ فی المسجد الحرام ومسجد النبیؐ، ص: ۱۰۲ -
باب: ماجاء فی غسل الرجل امرأتہ وغسل المرأۃ زوجھا، ص: ۱۰۶ -
باب: ماجاء فی غسل النبیؐ، ص: ۱۰۷ - باب: ماجاء فی الصلواۃ علی ابن رسول اللہؐ و ذکر وفاتہ، ص: ۱۰۹ - باب: ماجاء فی ذکر مرض رسول اللہؐ، ص: ۱۱۷ -
باب: ذکر وفاتہ و دفنہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم: ص: ۱۱۸ - باب: التی وھبت نفسھا للنبیؐ، ص: ۱۲۵ - باب: یمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص: ۱۵۲:

(المجلد الثانی)

باب: من ترک دینا او ضیاعا فعلی اللہ وعلی رسولہ، ص: ۱۲۶ - باب: ھل اوصی رسول اللہؐ، ص: ۱۹۸ - باب اسم اعتمر النبیؐ، ص: ۲۲۲ - باب: حجۃ رسول اللہؐ ص: ۲۲۷ تا ۲۲۹ - باب: فضل المدینۃ، ص: ۲۳۱، ۲۳۲ - باب: ما عوذ النبیؐ وما عوذ بہ، ص: ۲۵۱ - باب: لباس رسول اللہؐ، ص: ۲۶۳ - باب: الجمع بین اسم النبیؐ وکنیتہ، ص: ۲۷۳ - باب: وعاء رسول اللہؐ، ص: ۲۸۰،
باب: ما العوذ منہ رسول اللہؐ، ص: ۲۸۱ - باب: رویۃ النبیؐ فی المنام، ص: ۲۸۷،
باب: معیشۃ آل محمدؐ، ص: ۳۱۵ - باب: ضجاع آل محمدؐ ص: ۳۱۶،
باب: معیشۃ اصحاب النبیؐ، ص: ۳۱۶ - باب: صفۃ امۃ محمدؐ، ص: ۳۲۶ - باب: ذکر الشفاعۃ، ص: ۳۲۹ -

کتبِ مغازی و سیر

المدائح النبویۃ کے منابع میں کتبِ مغازی و سیر کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ"[1] کے ارشادِ ربانی نے رسول اللہؐ کی زندگی کے مطالعے اور اس سے کسبِ فیض کی ترغیب دلائی۔ اتباعِ احکام اور مطابقتِ افعال، معیارِ نجات اور ذریعہ کامرانی بنے۔ اسی لئے سب کی خواہش تھی۔ کہ وہ اس ذاتِ اقدس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانیں اور حتی الامکان ان کی تقلید و اطاعت کی کوشش کریں۔ اسی خواہش کے ساتھ معاشرتی ضرورتیں بھی شامل ہو گئیں۔ آنحضرتؐ ایک مملکت کے مؤسس اور ایک منفرد نظام حکومت کے بانی تھے۔ اسی لئے تاریخ کا کوئی طالب علم دنیائے انسانیت کے اس عظیم انقلاب سے صرفِ نظر نہ کر سکتا تھا۔ ایک عظیم سلطنت، مورخین کو دعوتِ مطالعہ دیتی تھی۔ کہ وہ ان گوشوں کو بے نقاب کریں۔ تاکہ وہ جان سکیں کہ آخر اس منجمد معاشرے میں اس قدر قوت کیسے آ گئی کہ اس وقت کی معلوم دنیا کی نظر میں گنوار اور غیر مہذب اور بے ترتیب قوم، مہذب اور متمدن معاشروں کو اصولِ جہانبانی کا درس دینے لگی۔ سیرتِ رسول اللہؐ کے مطالعے کے اسباب میں، دینی وجوب، کے ساتھ معاشرتی، سماجی اور سیاسی ضرورت کے عناصر بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس لئے قرنِ اول ہی سے سیرتِ پاک پر توجہ ہونے لگی تھی، ابتدائی چند صدیوں ہی میں اس قدر لکھا گیا کہ اس شرف و فضیلت میں بھی سہیم و شریک نظر نہیں آتا۔

ابتدائی سیرت نگاروں میں عروۃ بن الزبیر بن العوام (م ۹۴ھ)، ابان بن عثمانؓ (م ۱۰۰ھ) وھب بن منبہ (م ۱۱۰ھ)، عاصم بن عمر بن قتادہ الانصاری (م ۱۲۱ھ) اور شرحبیل بن سعد الانصاری (م ۱۲۳ھ) کے نام نمایاں ہیں[2] یہ سب تابعین میں سے ہیں۔ اور ان کی معلومات ان صحابہ کرام سے لی گئی ہیں۔ جو ذاتِ رسول اللہؐ کے عینی شاہد تھے۔ امام محمد بن مسلم جو ابن شہاب الزھری (م ۱۲۴ھ)[3] کے نام سے معروف ہیں۔ مشہور محدث اور 'کتاب المغازی' کے مولف تھے۔ تدوینِ حدیث میں ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اسی دور میں عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری (م ۱۳۰ھ) (یا بقول بعض ۱۳۵ھ) جو قاضی ابوبکر بن حزم (م ۱۲۰ھ) کے بیٹے اور جانشین تھے[4] نے سیرت و مغازی میں کئی روایات کی ہیں۔ ان مصنفین کی کوئی باقاعدہ کتاب موجود نہیں صرف چند حوالے ہیں۔ جو بعد کے مؤلفین کی کتب میں موجود ہیں۔ مثلاً واقدی (م ۲۰۷ھ)، ابن سعد (م ۲۳۰ھ)، البلاذری (م ۲۷۹ھ)، اور ابن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) کے ہاں ان کی بعض روایات مل جاتی ہیں[5]

ان سیرت نگاروں کے بعد چند ایسے علماء پیدا ہوئے جو 'السیر والمغازی'، کے ماہرین شمار ہوئے جنہیں اس سیرت نگاری کی وجہ سے احترام ملا۔ اور ان کی کاوشیں مستند قرار پائیں اور محفوظ بھی رہیں۔ ان میں چند مشہور علمائے سیرت و مغازی کے نام یہ ہیں:

— موسیٰ بن عقبہ الاسدی المدنی (م ۱۴۱ھ)، خاندانِ زبیر کے غلام تھے[6] تابعی ہیں[7]، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ثابت ہے[8] امام الزہری کے شاگرد تھے اور امام مالکؒ کے استاد[9] امام مالکؒ لوگوں کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ فنِ مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو[10]۔

ابوعروۃ معمر بن راشد الازدی (م ۱۵۰ یا ۱۵۲ھ) ابن الندیم نے ان کی کتاب المغازی کی نشاندہی کی ہے[11]۔

---

(۱) الاحزاب: ۲۱ (۲) سیرۃ النبی لابن ہشامؒ، مقدمہ محمد محی الدین عبدالحمید: ص ۱۵۰ (۳) حوالہ مذکورہ (۴) حوالہ مذکورہ: (۵) حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۰، ۱۷۲ (۶) دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲-۱، ص ۱۴۲ (۷) حوالہ مذکورہ و الاعلان بالتوبیخ، ص ۱۸۶ (۸) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲-۱، ص ۱۴۲ (۹) دائرہ معارف اسلامیہ: جلد ۱۱، ص ۵۷۵ (۱۰) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲-۱، ص ۱۴۲ (۱۱) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲-۱، ص ۱۴۲ (۱۲) الفہرست: ابن الندیم: ص ۲۲۹

۔ ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن یسار (م ۱۵۱ھ) ۔ کنیت ابوبکر بھی کہی گئی ہے [۱] قیس بن مخرمہ بن المطلب کے آزاد کردہ غلام تھے اس لئے "المطلبی" کہلائے [۲] تابعی ہیں حضرت انس بن مالک کو دیکھا ہے [۳] سیر و مغازی کے عالم تھے ۔ سیرت نگاری میں اس قدر شہرت پائی کہ امام فنِ سیرت و مغازی کہلائے ۔ امام زہری کے شاگرد ہیں [۴] الزہری کہتے ہیں "لایزال بالمدینۃ علم جم ما کان فیھم ابن اسحاق" [۵] ۔ امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کہتے ہیں "من أراد أن یتبحر فی المغازی فھو عیال علیٰ ابن اسحاق" [۶] ۔ کہا جاتا ہے کہ ابو جعفر المنصور (م ۱۵۸ھ) کی خواہش پر اس کے بیٹے المہدی (م ۱۶۹ھ) کے لئے ابن اسحاق نے "کتاب المغازی" لکھی ۔ کتاب المغازی تین اجزاء پر مشتمل ہے ۔ "المبتدا" ، "المبعث" ، اور "المغازی" ۔ بہت سے لوگوں نے انہیں روایت کیا ہے ۔ جن میں دو نام بہت مشہور ہیں ۔ ابو محمد زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی العامری (م ۱۸۳ھ) اور یونس بن بکیر الشیبانی (م ۱۹۹ھ) ۔ اول الذکر سے امام ابن ہشام نے روایت کی ہے [۸] [۹]

۔ الواقدی ۔ ابو عبداللہ محمد بن عمر الاسلمی الواقدی (م ۲۰۷ھ) بنو ہاشم کے موالی میں سے تھے ۔ مدینہ منورہ میں ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے سیر و مغازی کے بڑے عالم تھے خلیفہ المامون (م ۲۱۸ھ) نے مقرب بنایا اور بغداد میں قاضی رہے [۱۰] ابن الندیم (م ۳۸۵ھ) نے ۲۵ تصانیف گنوائی ہیں ۔ سیرت کی دو کتابیں "السیرۃ" اور "التاریخ فی المغازی والمبعث" ہیں [۱۱] ۔ ان کے علاوہ "التاریخ الکبیر" اور "الطبقات" جو ابن سعد (م ۲۳۰ھ) کی روایت میں موجود ہے مشہور کتابیں ہیں ۔ الواقدی کا سب سے بڑا ماخذ نجیح السندھی ابو معشر السندی (م ۱۷۰ھ) ہیں جو البا ، امام احمد بن حنبل ، مغازی میں بڑی بصیرت رکھتے تھے ۔ اکثر علماء نے الواقدی کی سند پر اور ان کے ثقہ ہونے پر شک کیا ہے مگر [۱۳] امام مالک (م ۱۷۹ھ) ان سے حسن ظن رکھتے تھے ۔ اور ابن اسحاق پر انہیں ترجیح دیتے تھے [۱۲] ۔ اپنے دادا "واقد" کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر الواقدی کہلائے

۔ ابن ہشام ۔ ابو محمد عبدالملک بن ہشام البصری الحمیری (م ۲۱۳ یا ۲۱۸ھ) نہایت ثقہ اور نامور سیرت نگار ہیں ۔ ابو محمد زیاد بن عبداللہ البکائی العامری (م ۱۸۳ھ) سے سیرت ابن اسحاق روایت کی ۔ چنانچہ علامہ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) کہتے ہیں "وابن ھشام ھذا ھو الذی جمع سیرۃ رسول اللہ ﷺ من المغازی والسیر لابن اسحاق وھذبھا ولخصھا ، وھی السیرۃ الموجودۃ بأیدی الناس المعروفۃ بسیرۃ ابن ہشام" [۱۴] علامہ السخاوی (م ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں "امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۸ھ) نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد البکائی سے سنا اور اس کو کانٹ چھانٹ کر ایسا صاف ستھرا بنا دیا کہ سب لوگ اسی پر ٹوٹ پڑے [۱۵] سیرت ابن ہشام چار جلدوں میں ۱۸۵۶ صفحات پر محیط ہے ۔ جس میں آنحضرت ﷺ کے نسب نامہ جو حضرت اسماعیل ؑ سے شروع کیا ہے ، سے لیکر وفات رسول اللہ ﷺ تک مفصل حالاتِ سیرت درج کئے گئے ہیں ۔ اسے کئی علماء نے نظم کیا جس کا ذکر احادیث کے ضمن میں گزر چکا ہے ۔ علامہ بدر الدین العینی (م ۸۵۵ھ) نے "السیرہ" کے ایک بڑے حصے کی شرح لکھی ہے اس کو بہت لوگوں نے روایت کیا ہے ۔ [۱۶]

۔ ابن سعد ۔ محمد بن سعد بن منیع الزہری (م ۲۳۰ھ) بنو زہرہ کے موالی میں سے تھے ۔ ۱۶۸ھ کو بصرہ میں پیدا ہوئے ۔ مدینہ کے شیوخ سے استفادہ کیا ۔ بغداد میں وفات پائی مشہور محدث تھے ۔ الواقدی کے شاگرد اور کاتب تھے [۱۷] محدثین نے لکھا کہا ہے کہ اساد اور رجال اعتماد نہیں ہے لیکن وہ خود مستند ہیں [۱۸] ، الطبقات الکبریٰ ایک کبیر الحجم اور علمی مواد سے بھرپور کتاب ہے اور پندرہ مجلدات پر مشتمل ہے [۱۹] ۔ بعض نے ۱۲ مجلدات کا ذکر کیا ہے ۔ مگر اب یہ کتاب دار صادر بیروت سے ۱۹۵۷ تا ۱۹۵۸م یعنی ۱۳۷۶ تا ۱۳۷۷ھ میں آٹھ مجلدات میں چھپ چکی ہے ۔ جو ۲۰۴۷ صفحات پر مشتمل ہے ۔ "الطبقات" کی پہلی دو جلدیں سیرت رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہیں ۔

---

① تاریخ بغداد ، ج ۱ ، ص ۲۱۴ ② الاعلان بالتوبیخ ، ص ۱۸۶ ③ حوالہ مذکور اور دائرہ معارف اسلامیہ ، جلد ۱۲ ، ص ۱۷۹ ۔ ④ دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱ ، ص ۵۰۷ ۔ ⑤ سیرت النبی ﷺ ابن ہشام ، مقدمہ محمد محی الدین عبدالحمید ص ۲۲ ۔ ⑥ حوالہ مذکورہ و الاعلان بالتوبیخ ص ۱۸۷ ۔ ⑦ سیرت النبی ﷺ ، ابن ہشام ، مقدمہ محمد محی الدین بن عبدالحمید ص ۲۵ ، ۲۶ ⑧ الاعلان بالتوبیخ ص ۱۸۶ ۔ ⑨ علوم الحدیث ، ڈاکٹر صبحی صالح ، ص ۳۳۲ ۔ ⑩ حوالہ مذکورہ اور دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ ، ص ۱۷۹ ⑪ دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ ، ص ۱۷۹ ۔ ⑫ علوم الحدیث ڈاکٹر صبحی صالح ، ص ۳۳۲ تا ۳۳۵ ۔ ⑬ الاعلان بالتوبیخ ، ص ۱۸۶ ۔ ⑭ سیرۃ ابن ہشام الجزء الاول ص ۳۰ ⑮ الاعلان بالتوبیخ ، ص ۱۸۷ ⑯ حوالہ مذکورہ ص ۱۸۸ ۔ ⑰ علوم الحدیث ، ڈاکٹر صبحی صالح ، ص ۳۳۰ ⑱ دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ ، ص ۱۷۹ ۔ ⑲ علوم الحدیث ، ڈاکٹر صبحی صالح ، ص ۳۳۶ ۔ ⑳ دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ ، ص ۱۷۹

ـ حافظ ابو سعید عبد الملک النیشاپوری (م ۴۰۶ یا ۴۰۷ھ) کی کتاب "شرف المصطفیٰ" کئی جلدوں پر محیط ہے [1]۔ بعض نے تحدید آٹھ جلدیں لکھی ہیں۔ [2]

ـ حافظ ابو محمد علی بن احمد (م ۴۵۶ھ) جو امام ابن حزم کے نام سے مشہور ہیں، کی جوامع السیرۃ مختصر مگر جامع کتاب ہے [3]۔

ـ حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ المعروف بابن عبد البر النمری القرطبی (م ۴۶۳ھ) صاحب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب کی "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" سیرت پر معروف کتاب ہے [4]۔

ـ ابو القاسم عبد الرحمٰن السہیلی (م ۵۸۱ھ) اکابر محدثین میں سے تھے۔ سیرت ابن ہشام کی مبسوط شرح "الروض الانف" کے نام سے لکھی۔ محدث ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے اس کا مختصر تیار کیا تھا۔

ـ حافظ عبد الرحمٰن الدمیاطی (م ۷۰۵ھ) کی "المختصر فی سیرۃ خیر البشر" تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے [6]۔

ـ ابو الفتح محمد بن محمد (م ۷۳۴ھ) الیعمری الاندلسی المعروف بابن سید الناس مشہور عالم اور عمدہ شاعر تھے۔ مدح رسول میں "بشری اللبیب بذکری الحبیب" اور سیرت میں "عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر فی غزوات ستہ تبار وسبعۃ ومضر" مشہور تالیفات ہیں [7]۔ السیرۃ النبویہ کے بارے میں علامہ الشوکانی (م ۱۲۵۰ھ) کہتے ہیں "السیرۃ النبویۃ المشہورۃ التی انتفع بہا الناس من اہل عصرہ فمن بعدہم" [8]۔

ـ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر (م ۷۵۱ھ) المعروف بابن قیم کی "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" عمدہ کتاب ہے۔ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خصوصی توجہ ہے [9]۔

ـ علاء الدین المغلطائی (م ۷۶۲ھ) نے سیرت ابن ہشام اور اس کی شرح "الروض الانف" کی بنیاد پر "الزہر الباسم" لکھی۔ علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے اس کی منقطع احادیث کی تخریج کی ہے [10]۔

ـ حافظ اسماعیل بن عمر ابن کثیر عماد الدین، ابو الفداء البصری الشافعی (م ۷۷۴ھ) تفسیر ابن کثیر کے مولف ہیں ان کی "السیرۃ النبویۃ" چار جلدوں پر محیط ہے [11]۔

ـ الشہاب احمد بن اسماعیل الابشیطی الشافعی الواعظ (م ۸۸۳ھ) کی جامع کتاب کے تیس اجزاء ہیں۔ ان میں سیرت ابن اسحاق مع تعلیقات السہیلی، ابن کثیر کی البدایہ اور واقدی کی مغازی اور دیگر کتب سیرت کو جمع کیا گیا ہے [12]۔

ـ ابراہیم بن محمد البرہان الحلبی، المعروف بسبط ابن العجمی (م ۸۴۱ھ) نے ابن سید الناس کی کتاب سیرت "عیون الاثر" کی دو جلدوں میں محققانہ شرح لکھی ہے [13]۔

ـ شمس الدین الشامی (م ۹۴۲ھ) کی "سبیل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد" السیرۃ الشامیہ کے نام سے معروف ہے [14]۔

ـ نور الدین علی بن برہان الدین الحلبی (م ۱۰۴۴ھ) کی تین جلدوں میں "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" جو السیرۃ الحلبیہ کے نام سے معروف ہے۔ متداول کتاب ہے [15]۔

ـ السید احمد زینی المشہور بہ دحلان (م ۱۳۰۴ھ) کی السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ معروف کتاب ہے۔ سیرت حلبیہ کے حواشی پر چھپتی ہے۔ ۱۳۲۰ھ میں مطبعۃ ازہریہ مصریہ نے شائع کیا [16]۔ علیحدہ بھی شائع ہوئی تھی۔

---

(۱) الاعلان بالتوبیخ، ص: ۱۹۷ (۲) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲، ق ۱، ص ۱۸۰ (۳) دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱، ص: ۵۰۸، جلد ۱۲، ق ۱، ص ۱۸۰

(۴) الاعلان بالتوبیخ، ص: ۱۸۹، بستان المحدثین، ص: ۱۱۲، ۱۱۵، دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۱، ص ۵۰۸، جلد ۱۲، ق ۱، ص: ۱۸۰

(۵) الاعلان بالتوبیخ، ص ۱۸۷، دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۱، ص: ۵۰۸ اور جلد ۱۲، ص: ۱۸۰ (۶) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۱، ص: ۵۰۸، جلد ۱۲، ص:

(۷) تاریخ الادب اللغۃ العربیۃ، الجزء الثالث، جرجی زیدان، ص: ۱۵۵ (۸) البدر الطالع، الجزء الثانی، ص: ۲۵۰ (۹) دائرہ معارف اسلامیہ جلد اول، صفحہ ۹۵۳، جلد ۱۱، ص: ۵۰۸، ۱۳، ق ۱، ص: ۱۸۲ (۱۰) الاعلان بالتوبیخ، ص: ۱۸۸ (۱۱) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۱، ص: ۵۰۸

(۱۲) الاعلان بالتوبیخ، ص: ۱۹۱ (۱۳) حوالہ مذکورہ، ص: ۱۹۰ (۱۴) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۱، ص: ۵۰۸ (۱۵) السیرۃ الحلبیہ مطبوعہ المطبعۃ الازہریۃ المصریۃ (۱۶) السیرۃ الحلبیۃ بہامشہا السیرۃ النبویۃ لزینی دحلان مطبوعہ مصر ۱۳۲۰ھ، دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۱، ص: ۵۰۸

کتبِ سیر کا یہ اجمالی جائزہ ہے۔ سیر نگاری اہل علم کا محبوب شغل رہا ہے۔ ہر دور اور ہر خطے میں اس پر کام ہوا ہے۔ جدید دور میں طرز نگارش بدلتے جا رہے ہیں۔ اور اب سیر رسول ﷺ کے معاشرتی حوالوں کو زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔ اور ہر زبان میں یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور تا قیامت جاری رہے گا۔

مندرجہ بالا کتب شعراء کو ذاتِ رسول ﷺ سے ذہنی قرب عطا کرتی رہی ہیں۔ اور وہ ان کے مشمولات سے متاثر ہو کر شعر کی زبان میں اپنے ضمیر کے تاثرات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ مگر چند کتب ایسی بھی ہیں۔ جو نعتیہ شاعری کے لئے سہل الحصول اور مطلوبہ مواد مہیا کرنے میں زیادہ توجہ کا موجب بنی ہیں شاعروں کی زیادہ توجہ ذاتِ رسول ﷺ کے ان گوشوں پر رہی ہے جو آپ کی شخصیت کی عظمت کے اظہار کے لئے نہایت واضح اور مقام رسالت ﷺ کی رفعت و علو کے لئے زیادہ اثر انگیز واقع ہوئے ہیں۔ یہ دراصل روایات کی زبانی منثور شعری جذبات ہوتے ہیں جو اثر آفرینی کی زیادہ قوت رکھتے ہیں۔ ایسی کتب شمائل و خصائص بہت ہیں۔ صرف چند متداول اور معروف کتب کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ امام محمد بن عیسیٰ الترمذی (۲۷۹ھ) صاحب "سنن الترمذی" مشہور محدث ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی کتاب کو فقہی اور فنی اوصاف کی وجہ سے شرف حاصل ہے۔ امام موصوف نے "سیرت النبی ﷺ" کے مختلف پہلوؤں یعنی اخلاق، آداب، عادات، لباس، ساز و سامان، متعلقات، ذات، خوراک، کلام، حلیہ مبارک، اسماء النبی ﷺ اور خاندانی وجاہت وغیرہ کے عنوانات کے تحت ۳۵ ابواب پر "الشمائل النبویۃ والخصائل المصطفویۃ" کے نام سے ایک عمدہ اور قابل اعتماد کتاب تحریر فرمائی جو "شمائل ترمذی" کہلاتی ہے اور بار بار جامع ترمذی کے ساتھ اور مستقل رسالے کی حیثیت سے چھپ چکی ہے[1]۔

۲۔ القاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی الاندلسی (۵۴۴ھ) مغرب کے شہر سبتہ میں ۴۹۶ھ کو پیدا ہوئے۔ اور وہیں نشوونما پائی اس لئے السبتی کہلائے، چونکہ سلسلہ نسب یحصب بن مالک سے ملتا ہے جو حمیر کا ایک قبیلہ ہے۔ اس لئے الیحصبی بھی کہے جاتے ہیں۔ کسب علوم کے لئے کئی سفر کئے، حدیث، نحو، فقہ، کلام عرب اور معرفت ایام و انساب میں مہارت تامہ رکھتے تھے[2]۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں "مشارق الانوار علی صحاح الآثار" اور "اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم"، علماء حدیث کی توجہ کا مرکز ہیں[3] "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ"، حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک منفرد کتاب ہے۔ جس سے ہر دور میں استفادہ کیا گیا ہے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) کہتے ہیں "اس باب میں جس قدر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان سب میں یہ کتاب عجیب اور بہت مقبول واقع ہوئی ہے"[4] الشفاء چار اقسام میں منقسم ہے جن کی تفصیل یوں ہے۔

القسم الاول: فی تعظیم العلی الاعلیٰ لقدر ھذا النبی قولاً و فعلاً۔ اس میں چار ابواب ہیں۔
الباب الاول میں دس فصول ہیں۔ الباب الثانی میں ۲۷۔ الباب الثالث میں ۱۵ اور الباب الرابع میں ۲۹ فصول ہیں اور یہ ساری کتاب کے اجزاء اول پر مشتمل ہیں۔

القسم الثانی: فیما یجب علی الانام من حقوقہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اس میں چار ابواب ہیں۔
الباب الاول میں ۵، الباب الثانی میں ۶، الباب الثالث میں ۷ اور الباب الرابع میں ۱۰ فصول ہیں

القسم الثالث: فیما تستحیل فی حقہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما یجوز علیہ وما یمتنع و تصح من الامور البشریۃ ان یضاف الیہ۔ اس میں دو ابواب ہیں۔ الباب الاول میں ۱۶ اور الباب الثانی میں ۹ فصلیں ہیں۔

القسم الرابع: فی تصرف وجوہ الاحکام علی من تنقصہ او سبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس میں تین باب ہیں۔ الباب الاول میں ۱۰، الباب الثانی میں ۵ اور الباب الثالث میں دس فصلیں ہیں۔ قاضی عیاض نے دیباچہ میں القسم الرابع کے دو ابواب کا ذکر کیا ہے۔ مگر فی الواقع متن کتاب میں تین ابواب ہیں[5] جیسا انہوں نے بطور تکملہ ذکر کیا ہے۔

۱۔ شمائل ترمذی، جامع الترمذی کے ساتھ ۳۶ صفحات میں چھپ چکی ہے۔ اس کے کئی زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔
۲۔ بستان المحدثین اردو، ص: ۲۲۲۔ ۳۔ حوالہ مذکورہ، ص: ۲۲۳۔ ۴۔ حوالہ مذکورہ، ص: ۲۲۲، ۲۲۳۔
۵۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، قاضی عیاض، ص: ۵، ۶ اور تفصیل پوری کتاب میں موجود ہے۔ القسم الرابع کا الباب الثالث، ص: ۳۳۶ پر موجود ہے جس کی ۱۰ فصلیں بھی ہیں۔

۳ - امام ابو الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی ۲ ۹۱۱ھ

آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا۔ مصر کے مشہور اساتذہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، طب وغیرہ علوم و فنون حاصل کئے۔ عمر بھر درس و تدریس کے ساتھ تصنیف کتب میں مشغول رہے۔ ۹۱۱ھ کو ۱۸ جمادی الاول میں وفات پائی۔ کثیر کتب کے مصنف و مولف ہیں۔ فلوگل نے تصنیفات کی تعداد ۵۶۱، نے ۴۱۵، جمیل بک نے عقود الجواہر میں ۵۷۶ بتائی ہے۔[1] ڈاکٹر نکلسن کا کہنا ہے۔

> " If we were asked to select a single figure who should exhibit as completely as possible in his own person the literary tendencies of the Alexandrian age of Arabic civilization, our choice would assuredly fall on Jalal-ud-Din Alsuyuti." [2]

علامہ السیوطی نے علوم و فنون کے تقریباً ہر شعبے میں تالیفات چھوڑی ہیں۔ ہمارے موضوع سے متعلق اُن کی معروف کتاب "کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب" ہے جو "الخصائص الکبریٰ" کے نام سے معروف ہے۔[3] الخصائص الکبریٰ دو اجزا میں منقسم ہے۔ اس میں خصائص نبویہ کا ہر پہلو شامل ہے۔ ولادت سے وفات تک، ذات سے صفات تک، حسن و جمال سے خصائل و شمائل تک، معاملات دنیوی سے آخرت و عظمت تک، اور عام حالات سے معجزانہ کیفیات تک سب کچھ اس میں موجود ہے۔ پوری کتاب پر محبت و خلوص کی فضا طاری ہے اور ہر ہر باب قاری کو متاثر کرتا ہے۔ اور عظمت رسالت کا نقش جا نگزیں کرتا ہے۔

۴ - شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی المصری الشافعی ۲ ۹۲۳ھ

اپنے دور کے بہت بڑے واعظ تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کا وعظ سننے کے لئے دنیا سمٹی تھی اور اس میں وہ اپنے وقت کے بے نظیر تھے۔ ان کی بات دل کو لگتی تھی۔ ایک مدت دراز کے بعد تصنیف و تالیف کا شوق ہوا۔ چنانچہ بہت سی مقبول تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔ 'ارشاد الساری' بخاری کی شرح ہے۔[4] المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیہ، علامہ قسطلانی کی سیر اور خصائص نبویہ پر ایک بے نظیر کتاب ہے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۱۲۳۹ھ کہتے ہیں 'المواہب اللدنیہ' بھی ان کی تصنیف ہے۔ جو اپنے باب میں لاثانی ہے[5] کتاب دس حصوں میں تقسیم کی گئی ہے جسے 'مقصد' کا نام دیا گیا ہے۔ المقصد الاول میں ولادت سے وفات تک کے حالات ہیں۔ المقصد الثانی میں اسماء نبویہ، اولاد، ازواج، بزرگ رشتہ دار، خونی اور رضاعی تعلقات، خدام و موالی، حارس اور کاتب، خطباء و شعراء وغیرہ کا ذکر ہے۔ المقصد الثالث میں حسن و جمال، اخلاق کریمانہ اور شمائل شریف کے تذکرے ہیں۔ المقصد الرابع معجزات کے بیان کے لئے وقف ہے۔ المقصد الخامس میں اسراء و معراج اور قرب الٰہی کے تذکرے ہیں۔ المقصد السادس میں ان آیات کا بیان ہے جس میں آنحضرتؐ کے بلند مراتب اور رفعت منزلت کے اشارے موجود ہیں۔ انبیاء پر سبقت اور کتب سابقہ کے مبشرات کا بھی ذکر ہے۔ المقصد السابع میں وجوب محبت اور فرضیت اطاعت بیان کی گئی ہے۔ المقصد الثامن میں بیماروں اور دردمندوں کے علاج معالجہ کا بیان آیا ہے۔ المقصد التاسع میں عبادات کے حقائق و لطائف ہیں۔ اور المقصد العاشر میں اتمام نعمت، وفات، زیارت قبر و مسجد، شفاعت عظمیٰ اور مقام محمود کے تذکرے ہیں۔[6] اس طرح حضور اکرمؐ کی حیات ظاہرہ اور باطنہ، مادی خصائص اور روحانی قدر و منزلت کا ایسے والہانہ پن سے ذکر کیا گیا ہے۔ کہ پوری کتاب سے محبت کی مہک اٹھتی محسوس ہوتی ہے۔

۵ - محمد بن عبد الباقی الزرقانی ۱۱۲۲ھ کی شرح المواہب اللدنیہ آٹھ ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ السہیلی کی "الروض الانف" کے بعد سب سے زیادہ جامع اور محققانہ تصنیف سمجھی جاتی ہے۔[7]

۶ - یوسف بن اسماعیل النبہانی ۱۳۵۰ھ بیروت کے محکمہ حقوق کے رئیس تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں "وسائل الوصول الی شمائل الرسولؐ"، "افضل الصلوات علی سید السادات"، "حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین"، نجوم المھتدین فی دلائل النبوۃ اور الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ[8] سیرت و شمائل سے متعلق ہیں۔

---

① دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۱، ص ۵۳۲، ② A Literary History of the Arabs BY R.A. NICHOLOSON, PAGE 454
③ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۱، ص ۵۲۹ - ④ بستان المحدثین اردو، ص ۲۰۳ - ⑤ حوالہ مذکورہ - ⑥ الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ، ص ۸۰۷ - ⑦ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲، ص ۱۸۱ - جلد ۱۹/۲ ص ۱۳۲۰ -
⑧ - الاعلام، الجزء التاسع، ص ۲۸۹ -

ان کے علاوہ منظوم قصائد بھی ہیں۔ جن کا تذکرہ عہد جدید میں عربی نعتیہ شاعری کے ضمن میں کیا جائے گا۔

اِن کتب سیرت کے علاوہ "دلائل النبوۃ" کے موضوع پر کئی اصحاب نے کام کیا۔ جن میں محدث ابو زرعۃ (م ۲۶۴ھ)، ابوالقاسم الطبرانی (م ۳۶۰ھ)، ابو نعیم الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) اور امام ابوبکر البیہقی (م ۴۵۸ھ) کے نام بہت مشہور ہیں۔ اعلام النبوۃ پر ابو محمد بن قتیبہ (عبد اللہ بن مسلم) (م ۲۷۶ھ) امام ابوداؤد صاحب السنن (م ۲۷۵ھ) اور علاء الدین المغلطائی (م ۷۶۲ھ) کی کتب کو قبولیت حاصل ہوئی [۲]۔ حلیہ مبارکہ پر ابوالبختری (م ۱۹۹ھ یا ۲۰۰ھ) اور ابوعلی محمد بن ہارون (م ۲۵۳ھ) نے تصنیفات چھوڑیں [۳]۔ نعلین پر ابوالیمن عبد الصمد بن عبد الوہاب، المعروف بابن عساکر الدمشقی کی تالیف ہے۔ شہاب الدین المقری (م ۱۰۴۱ھ) صاحب "نفح الطیب" کی نعلین کے موضوع پر "فتح المتعال فی وصف النعال" مطبوع کتاب ہے [۴]۔

کتب مغازی، سیر اور فتوح کے ساتھ ساتھ مکمل تاریخ لکھنے کا رواج بھی شروع ہو گیا تو مروجہ انداز نگارش کے قریب قریب تاریخی تسلسل کے ساتھ تاریخ اسلام پر کئی معتبر کتابیں تالیف ہوئیں۔ ان کتابوں کا موضوع واقعات تاریخ کا عہد بہ عہد یا قرن بہ قرن جائزہ لینا تھا۔ اس لئے ان میں خلفاء کے حالات و کوائف کا تذکرہ نسبتاً زیادہ رہا۔ مگر تاریخ اسلام کے بانی کی حیثیت سے اور اسلامی انقلاب کے داعی ہونے کے ناطے سے آنحضرتؐ کی سیرت طیبہ کو بھی ان تاریخ کی کتابوں میں نمایاں بلکہ بنیادی مقام حاصل رہا۔ تجسس پسند طبیعت نے قبل از تاریخ کے احاطے کی بھی کوشش کی۔ اس طرح ماضی میں بہت دور تک جانے کی خواہش نے کئی مفید یا غیر مفید معلومات مہیا کر دیں۔ انبیاء سابقین کے حالات پر بھی توجہ دی۔ اور ان کے آثار و اخبار سے آنے والے نبی کے اشارات تلاش کئے گئے۔ قرآن مجید نے آنحضورؐ کی بعثت سے بہت قبل انبیاء کرام کی بشارات کا تذکرہ کیا۔ "اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ" [۵] ۔۔۔ "وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" [۶] اور حضرت عیسیٰؑ کا یہ فرمانا کہ "وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" آنحضرتؐ کے بارے میں واضح طور پر پیشگی اشارے تھے۔ اور میثاق ازل میں تو دور نبی آخر الزمان کا ذکر اور ان پر ایمان لانے اور نصرت و تعاون پیش کرنے کا حکم بھی موجود ہے [۷]۔ ان حوالوں نے علماء سیر کو کتب سابقہ میں متعلقہ ارشادات کی تلاش کا شوق پیدا کیا۔ تورات، انجیل، زبور اور صحائف سابقہ کے اوراق کھنگالے گئے۔ اور نہایت مفید معلومات حاصل کی گئیں۔ یہ حوالے شرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر شاہد عادل تھے اس لئے مقام مدح میں ذکر کئے گئے۔ علامہ السیوطی (م ۹۱۱ھ) کی الخصائص الکبریٰ کے الجزء الاول کی ابتداء ہی ان مبشرات سے ہوتی ہے۔

علامہ القسطلانی (م ۹۲۳ھ) کی المواہب اللدنیہ کے المقصد السادس کا بیشتر حصہ مبشرات کی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ برصغیر میں یہ ذوق اور فروزاں ہوا اور ہندو مت، بدھ مت کی کتب سے ایسے حوالے تلاش کئے گئے جن میں آنے والے نجات دہندہ کا تذکرہ تھا۔ مولانا عبد الحق حقانی کی تفسیر حقانی عمومی طور پر اور ان کی کتاب "البیان" میں خصوصی طور پر ایسے تذکرے ملتے ہیں۔ قاضی سلیمان المنصورپوری کی رحمۃ للعالمین میں ایسے بیشتر حواشی موجود ہیں۔ مولانا رکن الدین کی کتاب "توضیح العقائد" [۱۰] میں متعدد روایات وغیرہ سے نقل کی گئی ہیں۔ جو آنحضرتؐ کی افضلیت اور اکملیت کا برملا اعلان کرتی ہیں۔

ہواتف اور کاہنین کی بعض عبارتوں سے بھی آمد رسول اللہؐ کے مفاہیم اخذ کئے گئے ہیں۔ اور بعض ذوق والوں نے ان موضوعات پر مستقل تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ مثلاً ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی (م ۳۲۷ھ) نے "ہواتف الجان وعجیب ما یحکی عن الکہان، مِمَّن بَشَّرَ بالنبیؐ و دافع البرہان"، اور ابوبکر عبد اللہ بن محمد المعروف بابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) نے "الہواتف" لکھی ہیں [۱۱]۔

مکمل تاریخ کی وہ کتابیں جن سے سیرت رسول اللہؐ کے بارے میں بھی اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں، بہت ہیں کیونکہ کوئی مورخ آپؐ کے تذکرے کو شامل تاریخ کئے بغیر تاریخ نویسی کا حق ادا نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے تمام کا احاطہ دور از کار ہو گا۔ چند نمایاں اور متداول کتب تاریخ جن کے حوالے سے ہم یہاں بعض واقعات اخذ کرتے رہیں گے یہ ہیں۔ امام احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (م ۲۷۹ھ) کی فتوح البلدان جس کے بارے میں المسعودی (م ۳۴۶ھ) کا کہنا ہے کہ بلدان پر اس سے بہتر کتاب انہوں نے نہیں دیکھی [۱۲]۔ انساب الاشراف، نسب ناموں کی نسبت آنحضورؐ کی ذات اور آپؐ کے نسب کے گرد، مال کر طبقات کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ پہلی جلد سیرت النبیؐ پر مشتمل ہے جسے محمد حمید اللہ نے دار المعارف مصر سے ۱۹۵۹ء میں شائع کیا [۱۳]۔ احمد بن ابی یعقوب بن واضح الیعقوبی (م ۲۸۴ھ) کی "التاریخ الکبیر" کو تاریخی دائرۃ المعارف کہا جا سکتا ہے [۱۴]۔ الوسیط نے الیعقوبی کی وفات ۲۷۸ھ میں لکھی ہے [۱۵]۔

---

① الاعلان بالتوبیخ، ص، ۱۹۴، ۱۹۵۔ ② حوالہ مذکورہ، ص، ۱۹۵، ۱۹۶۔ ③ حوالہ مذکورہ، ص، ۱۹۶۔ ④ الاعلام الجزء العاشر، ص ۳۰۔
⑤ الاعراف، ۱۵۷۔ ⑥ البقرہ: ۸۹۔ ⑦ الصف، ۶۔
⑨ آل عمران، ۸۹۔ ⑩ توضیح العقائد، مولانا رکن الدین، ص، ۵۲-۶۰۔ ⑪ الاعلان بالتوبیخ، ص، ۱۹۲۔
⑫ الاعلان بالتوبیخ، ص، ۳۰۳۔ ⑬ دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد ۲، ص، ۷۲۲، ۷۲۵۔ ⑭ دائرہ معارف اسلامیہ، ص، ۵۵۔
⑮ الوسیط لاحمد الاسکندری، ص، ۲۲۰ حاشیہ۔

- امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ) کی تاریخ الرسل والملوک، فن تاریخ نویسی میں نہایت جامع اور وقیع کتاب ہے۔ ابتدائے آفرینش سے ۳۰۲ھ تک کے حالات ہیں۔ انداز تجمیع روایات کا ہے۔ اپنا فیصلہ یا محاکمہ نہیں کرتے۔ واقعات تاریخی تسلسل کے اعتبار سے سن وار درج ہیں۔ یہ تاریخ کی کتاب سے زیادہ تاریخی معلومات کا دائرہ معارف ہے۔ "المسعودی کہتے ہیں" وہ تمام تالیفات میں نمایاں ہے اور ساری کتابوں سے جو لکھی گئی ہیں۔ بلند مرتبہ کی ہے، ہر قسم کی خبروں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ طرح طرح کی یادگاروں کو محیط ہے۔ اور علم کے تمام شعبوں پر مشتمل ہے اس کی نہایت فائدہ ہے اور بڑا نفع حاصل ہوتا ہے۔[1]

- ابوالحسن عزالدین علی بن محمد الشیبانی (۶۳۰ھ) المعروف بابن الاثیر الجزری مؤلف "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" جو ساڑھے سات ہزار صحابہ کے حالات ہیں، کی مشہور کتاب "الکامل فی التاریخ" یا "کامل التواریخ" ایک انتہائی بیش قیمت کتاب ہے ۶۲۸ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے[2] اور کئی مفید معلومات کو سمیٹے ہوئے ہے۔

- ابوالفداء اسماعیل بن علی (۷۳۲ھ) مورخ و جغرافیہ دان کی حیثیت سے شہرت پائی۔ "المختصر فی اخبار البشر" میں ۷۲۹ھ تک کے حالات ہیں۔ جو مؤلف نے بیس سے زائد کتابوں سے اخذ کئے تھے۔ ترتیب سنین میں ابن الاثیر کا تتبع کیا ہے[3]

- حافظ اسماعیل بن عمر، عماد الدین، ابوالفداء، المعروف بابن کثیر (۷۷۴ھ) کی تفسیر القرآن (چار مجلدات) السیرۃ النبویہ (چار مجلدات) کے علاوہ "البدایۃ والنہایۃ" معروف کتاب ہے جو ابتدائے آفرینش سے اپنے زمانے تک کے واقعات پر مشتمل ہے[4] اس میں سیرت کے واقعات پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اور سن وار حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔

- ابن خلدون، ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد، ولی الدین التونسی الحضرمی الاشبیلی (۸۰۸ھ) مشہور مورخ ہیں جو فلسفہ تاریخ کے بانی اور علوم اجتماعیہ پر گہری نظر رکھنے والے تھے تلمسان میں تاریخ لکھنے کی ابتدا کی[5]، تاریخ کا نام "العبر و دیوان المبتدا والخبر فی تاریخ العرب والعجم والبربر"[6] یہ تین حصوں میں سات مجلدات پر مشتمل تاریخ ہے۔ "معجم المؤلفین" میں تاریخ کے مذکورہ نام کے بعد اس قدر اضافہ کیا ہے۔ "ومن عاصرهم من ذوی السلطان الاکبر"[8]۔ تاریخ کی ایک جلد یعنی سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے حالات کے لئے موقوف ہے۔

ان کے علاوہ بھی قدیم و جدید دور میں متعدد کتب تاریخ اسلام کے وقائع کے بیان کیلئے لکھی گئی ہیں۔ اور ان میں ذات پیغمبر اعظم کو مناسب اور مرکزی مقام حاصل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مداحین کی کثیر تعداد اپنی علمی و ادبی حیثیت کے پیش نظر ان سے استفادہ کرتی رہی ہے۔

الغرض قرآن مجید، احادیث نبوی، کتب سیرت، مبشرات، پیش گوئیاں، کتب شمائل و مغازی اور عمومی کتب تاریخ آنحضرت کی ذات و صفات کے حوالوں سے مملو ہیں۔ اور یہی حوالے شعرائے کرام اور مداح نگاروں کے لئے خام مواد مہیا کرتے ہیں۔ جن کی بنیاد پر اور جن کے حوالے سے وہ دربار رسالت میں اپنے عقیدت و محبت کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ یہ دربار عالی صداقت و حق گوئی کا مرکز ہے۔ اس لئے اس دربار تک رسائی کے لئے حق و صداقت ہی معیار بنے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ واقعات سیرت اور فضائل و خصائص کے تذکروں میں وہ کڑا معیار قائم نہ رہے۔ جو عام محدثین یا صحاح ستہ اور ان میں بھی صحیحین کے مؤلفین نے قائم کر رکھا ہے۔ اس لئے واقعات نگار بعض اوقات منتشر خیالات کو ذہنی ربط مہیا کر دیتا ہے جو اگرچہ ظاہری روایت کے تابع نہیں مکمل طور پر منطبق نہیں ہوتا مگر حقائق سے دور بھی نہیں ہوتا۔ اور پھر شاعر کا معاملہ جدا گانہ ہے۔ اس کے شاہد کا انداز منفرد اور عام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے ہاں کئی ایسے واقعات بنیادی نوعیت کے سمجھے جاتے ہیں جو عام قاری کے لئے کشش کا باعث نہیں بنتے۔ ان رعایتوں کے باوجود احتیاط محبت کا قرینہ ہے۔ اور مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہر حال پیش نظر رہنا چاہئے۔ شاعر کی حدود کیا ہیں اور واقعات کے انتخاب و ترک میں اسے کن باتوں کا خیال رہنا چاہئے اس پر "فن" کے ضمن میں گفتگو زیادہ مناسب رہے گی۔

---

① الاعلان بالتوبیخ، ص: ۳۴۰ ۔ ② دائرہ معارف اسلامیہ جلد: ۱، ص: ۲۱۸ و جلد: ۶، ص: ۹۳۔

③ تاریخ الادب العربی، احمد حسن الزیات، ص: ۲۰۹ ۔ ④ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد: ۱، ص: ۶۵۲ مقالہ ابن کثیر از دائرۃ المعارف

⑤ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ الجزء الثالث جرجی زیدان ص: ۲۱۱

⑥ الاعلام الجزء الرابع ۔ ص: ۱۰۷ ۔ ⑦ تاریخ الادب العربی، احمد حسن الزیات، ص: ۲۱۱

⑧ معجم المؤلفین الجزء الخامس، ص: ۱۸۹ ۔

فن :

علماءِ ادب شعری تخلیقات کو مدح، ھجاء، نسیب اور رثاء میں تقسیم کرتے ہیں مگر ان اصناف کی تحدید کے لئے کوئی حتمی اور بے لاگ ضابطہ مقرر نہیں کرتے کیونکہ یہ چار اصنافِ سخن انسانی زندگی کی مختلف کیفیات کا شعری پیراہن ہیں اور انسانی زندگی اس قدر بوقلموں اور متنوع ہے۔ کہ اس میں ریاضی کے سے کلیئے یا کمپیوٹر کی سی حتمیت کام نہیں دیتی۔ حسیات کے تنوع کی بنا پر علماء کے ہاں تقسیمِ سخن کے سانچے مختلف اور متعدد رہے ہیں۔ یہ تو مطالعے کی ضرورت اور تحصیلِ علم میں سائنسی ربط کا تقاضا تھا کہ شعر کے بے پناہ پھیلاؤ کو چند حدود میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ طلباء کے لئے سہولت ہو، ہر مؤلف اور ہر ناقد پھر بھی آزاد رہا کہ وہ اپنے پیمانوں سے اس تقسیم میں ردوبدل کرتا رہے۔ الوسیط کے مؤلفین نے اغراضِ شعر کو نسیب، فخر، مدح، رثاء، ھجاء، اعتذار اور وصف میں بانٹ دکھا ہے۔ [۱] یہ تقسیم جاھلی دور میں عربی شعر کے اغراض کے نقطۂ نظر سے کی گئی ہے۔ بدوی زندگی متحرک اور فعال ضرور تھی مگر یہ تحرک ایک خاص دائرے کا پابند اور مخصوص مزاج کا رسیا تھا۔ بادل نا آشنا آسمان اور روئیدگی سے محروم بے توفیق زمین انہیں حسنِ فطرت کا گرویدہ نہ بنا سکتی تھی اسلئے حسنِ کائنات ان کے موضوعاتِ شعر کا حصہ نہ بن سکا۔ ان کی زندگی محبت و نفرت سے عبارت تھی اور یہ جذبے بڑے واضح اور شدید تھے، صحرا کی سادگی نے ان کے جذبات میں تہہ در تہہ پیچیدگیاں پیدا نہ کی تھیں۔ وہ خوش ہوتے تو سراپا سپاس ہوتے اور اگر بگڑ جاتے تو مثلِ شعلہ جوالہ لپک لپک پڑتے، اس دو طرفہ کیفیات کی بنا پر بعض علماء ادب نے ان کی شعری کاوشوں کو صرف دو اصناف میں تقسیم کیا ہے۔ ابن رشیق القیروانی (م ۴۵۳ھ) کہتے ہیں۔

"وقال قوم "الشعر کلہ نوعان مدح وھجاء، فالی المدح یرجع الرثا والافتخار والتشبیب وما تعلق بذلك من محمود الوصف کصفات الحمول والآثار والتشبیھات الحسان وکذلك تحسین الاخلاق کالامثال والحکم والمواعظ والزھد فی الدنیا والقناعۃ۔۔ والھجاء ضد ذلك کلہ۔" [۲]

مدح انسانی فطرت کی تاثر پذیری کا شعری اظہار ہے، فطرتِ سلیم حق آشنا ہوتی ہے اس لئے انسان میں فطرتاً یہ جذبہ ودیعت ہے کہ وہ محسنین کا بندۂ بے دام ہونے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ عبادت بھی اسی جذبہ انقیاد کا نام ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُمْ [۳] تخلیق ایک نعمت ہے۔ وجود بخشی ایک احسان ہے جو سب انعامات و احسانات سے بڑھ کر ہے اسلئے اس پر سپاس گزاری بھی بھرپور اور مکمل ہونی چاہیے اور یہی عبادت ہے، عبادت، زبان سے ہی نہیں ہر ہر عضوِ جسم سے مدحِ پروردگار کو کہتے ہیں۔ نیک طینت محسن کے احسان کو نہیں بھولتے بلکہ ہمیشہ ممنونیت کے احساس کے ساتھ مدح سرا رہتے ہیں۔ مدح نگاری انسانی فطرت کا اولین اقتضاء ہے۔ مگر جب انسان اسفل السافلین [۴] کے انحطاط کی طرف اترنے لگتا ہے تو اس کا موجود ذہنی بھی بدلتا ہے اور زاویۂ نگاہ بھی، حقائق کا چہرہ دھندلا جاتا ہے۔ تو اس کی نظر گردوپیش کے وقتی اور ہیجانی مغالطوں میں اسیر ہو جاتی ہے۔ عناصر مدح میں سوچ کی ناپختگی اور خیال کی نادرستی راہ پانے لگتی ہے۔ مدح و ستائش کا معیار بدل جاتا ہے۔ وقتی مصلحتیں اور مادی حوائج مدح میں 'ابتذال' کا تعفن پیدا کر دیتے ہیں۔ مدح نگاری کاروبار اور جنس فروخت ہوتی ہے اور ہر کوئی جسے وزن و قوافی کی کچھ سدھ بدھ ہو مدح نگاری کو حصولِ رزق کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ کم ظرف مداح اور غیر مستحق ممدوح ہوتے ہیں۔ یہ مدح کا ارذل ترین مقام ہے اور اسی کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مدح آسان

---

[۱] الوسیط فی الادب العربی وتاریخہ ص: ۳۶ تا ۳۸ ۔ [۲] العمدۃ لابن رشیق القیروانی الجزء الاول ص: ۷۸ ۔ [۳] البقرۃ: ۲۱

[۴] التین: ۵ ۔

ترین صنفِ سخن ہے حالانکہ مدح ایک پوتر جذبے کا لفظی اظہار ہے اور اسے ممدوح کا قرض سمجھتے ہوئے ادا کیا جاتا ہے۔ صاحب الوسیط کہتے ہیں "المدح هو الثناء على ذي شأن بما يستحسن من الأخلاق النفسية كرجاحة العقل والعدل والعفة والشجاعة" [1]

علی النجدی ناصف کا کہنا ہے: "فالمدح كما يجب أن يكون ... تصوير محاسن الممدوح بالقول الجميل تصويرًا كاشفًا مميزًا يجلي شخصيته وخصائص نفسه في وضوح لا يشوبه ابهام ولا لبس" [2]

مدحِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصنافِ سخن کے حوالے سے مدیح کا حصہ ہے مگر اپنی مخصوص ہیئت و عناصر ترکیبی کے لحاظ سے ایک نئی صنفِ سخن ہے۔ یہ خالص جذبوں اور معطر خیالات کا وہ حسین مرقع ہے جو سراسر محترم اور ہمہ تن مقدس ہے۔ یہ مدح نگار کے ضمیر کی آواز ہے اور سامع کے قلب کو متاثر کرتی ہے، یہ عام مدیح کی طرح نہ آسان ہے اور نہ ہر کسی کے بس کی بات ہے بلکہ ایک مشکل ترین صنف ہے۔ تاریخی عمل بتاتا ہے کہ وہ شعراء جو ہر کس و ناکس کی مدح میں مبالغے اور غلو کی تمام حدیں پار کر رہے تھے اور جنہیں رائی کا پہاڑ بنانے کا فن بھی آتا تھا مدحِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے تہی بیان ثابت ہوئے کہ ایک شعر بھی نہ کہہ سکے۔ سفلی جذبات اور مادی خواہشات کے دام میں اسیر اس روحانی سربلندی کے قابل نہ ٹھہرے تھے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور کے فحول شعراء کی طویل فہرست اس دعویٰ کے لئے بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ مدحِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب و بیان عام اندازِ مدیح سے قطعاً مختلف ہے اس لئے اسے عام مدحیہ شاعری کا جزو خیال کرنا اور اُسی کے پیمانوں سے ناپنا فنِ شریف سے انصاف نہ ہوگا۔

ذیل میں ہم 'المدائح النبویۃ' کے ان نمایاں اوصاف کا مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں جو اُنہیں ایک ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتے ہیں:

ممدوح یکتا اور بے مثال ہے۔ 'المدائح النبویۃ' میں مدح نگاروں کی کثرت ہے مگر ذاتِ ممدوح ایک ہی ہے۔ مقصودِ نظر ایک ذات ہے اسلئے مضامین مدح کی یکسانی کا احتمال ہے اور یہی مدح نگار کا امتحان ہے کہ وہ اُس ذات کے تذکرے میں جس کا ذکر ہر کہیں ہوتا رہا ہے، ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا، کون سا گوشہ منتخب کرے کہ مداحین کی جماعت کا ایک فرد ہوتے ہوئے بھی اپنی انفرادیت قائم کر سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ انفرادیت اُسکی ذات اور ذاتِ ممدوح کے ساتھ اُسکے مخصوص حوالے ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ سورج ایک ہے اور اُس کی روشنی بھی ایک اکائی ہے مگر دیکھنے والی آنکھ کی صلاحیت اور نظر کا زاویہ اُسے مختلف رنگوں میں دیکھتا ہے، مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ داخلی حوالہ عزیز تر ہے۔ اور اسی پر شعری عظمت اور بیان کی شوکت کا انحصار ہے شاعر کا دل گداز نہ ہو، ذاتِ ممدوح دل میں صدر نشین نہ ہو اور اُسکے جلوے دنیائے قلب میں عکس ریز نہ ہوں تو نعتیہ اشعار عروضی جمع تفریق بن کر رہ جاتے ہیں۔ جو مدح دل کی آواز نہ ہو اور دل پر اثر انداز نہ ہو وہ ایک تکلف ہے، ایک روایت ہے اور بس۔

ممدوح ہمہ صفت موصوف ہے۔ ممدوح اگرچہ ایک ہے مگر اس ایک ذات کے اوصاف اس قدر لامحدود اور لامتناہی ہیں کہ بہت کچھ کہنے کے باوجود بہت کچھ کہنے کی گنجائش رہتی ہے۔ ممدوح افضلیت و اکملیت کے اس بلند مقام پر فائز ہے کہ جس کے آگے کوئی اور وجہ شرف نہیں ہے۔ ہر ممکن شرف اُن میں ہے اور ہر متصور حسن اُنہیں عطا ہوا ہے۔

ع ما فيه لوٌ ولا لولا فتنقصه — وانما أدركته حرفة الأدب [3]

آپ کی ذات میں فی الواقع وہ کچھ موجود ہے جو انسانی فکر کا حاصل ہے اس لئے یہاں شاعر کی تخلیقات کی بلند پروازی سے زیادہ حقائق کے ادراک کا مسئلہ درپیش ہے۔ تخیل کی کارفرمائی بجا مگر اس بارگاہِ عالیہ میں صفات شماری ایک قرینہ چاہتی ہے جس کے لئے تحقیق درکار ہے۔ مداحین

---

[1] الوسیط فی الادب العربی وتاریخہ ص: ۲۸۱ – [2] الدین والاخلاق فی شعر الشوقی ص: ۵۱ –

[3] علی بن محمد لبسام کا شعر جو ابوالعباس عبداللہ بن المعتز (م ۲۹۶ھ) کے مرثیہ میں کیا گیا حوالہ وفیات الاعیان ترجمہ عبداللہ بن المعتز۔

پر لازم ہے کہ وہ اپنی نگارشات کی بنیاد حقائق پر رکھیں اور یہ تبھی ممکن ہے جب وہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ پر توجہ دیں گے، مقام و ممدوح کا درست ادراک اوصاف ممدوح سے کسب فیض کی دعوت دے گا اور یوں مدح نگاری ایک داخلی عمل اور انقلابی پیغام بن جائے گی۔ انبیاء کرام کی سیرت سے مضامین مدح چنے جائیں گے علی النجدی ناصف اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں " واذا كان المدح تصوير المحاسن و إبرازها فى ثوب فنى جميل فأولى ان يتخذ الشعراء من سيرهم وأخبارهم التى تمتلئ بها كتب السيرة مادة لغتهم الرفيع و يبعثوها حية أروع وأرقع ما تكون الحياة " [۱] علامہ یوسف النبہانی (م ۱۳۵۰ھ) مطالعہ سیرت کی ضرورت کے بیان میں لکھتے ہیں : فيلزم من يريد مدحه صلى الله عليه وسلم ان يقف على اخباره وسيره ومعجزاته وفضائله الواردة فى الكتاب والسنة وعلى السنة الاولياء العارفين الذين اطلعهم الله على بعض فضائله صلى الله عليه وسلم حتى يحكى ما يستطيعه منها فى شعره بعبارات فصيحة واساليب بليغة " پھر کہتے ہیں " فالشاعر الماهر من مداحه عليه الصلوٰة والسلام هو الذى يحفظ فضائله وشمائله و دلائله وسائر كمالاته المحمدية الحقيقية ويحسن التعبير عنها بكلامه " [۲]

مدح میں اعتراف عجز۔ ممدوح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائص اس قدر ہیں کہ مدح نگار کو ایک وسیع میدان ہاتھ آتا ہے کہ وہ اپنے خیالات و تصورات کو بہم وجوہ مطمئن کر سکے۔ جائز خواہشات اور مشروع داعیات کا کوئی پہلو تشنۂ اظہار نہیں رہتا بلکہ قدم قدم پر اپنی تنگ دامنی کا احساس ہوتا ہے۔ ابن فارض نے کہا تھا۔ (م ۶۳۲ھ)

أرىٰ كلّ مدحٍ فى النّبىِّ مُقصّرًا — وَاِنْ بَالَغَ المُثْنِى عَلَيْهِ وَاَكْثَرَا [۳]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کا ارشاد ہے۔

وآخر ما لمادحه اذا ما — احسّ العجز عن كنه الثناء [۴]

غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) کا فیصلہ یہ ہے۔

اوصافك الغرّاء هن كواكب — احصاءها أعيى لسان المنشد [۵]

اوصافه عن قبول الحصر آبيه — ما طول مدحته اولىٰ من القصر [۶]

علامہ بوصیری (م ۶۹۶ھ) مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عجز کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُولِ اللهِ لَيْسَ لَهُ — حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ ، [۷]

اس لئے شاعر کے لئے جذبات کے اظہار کے لئے پیراستہ کھلا ہے، وہ شرافت و عظمت اُن کی ذات سے منسوب کرتا ہے اور اس نسبت میں کمی کوتاہی یاد دوں ہمتی کا شکار نہ ہو۔

وَانْسُبْ اِلىٰ ذَاتِهِ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ — وَانْسُبْ اِلىٰ قَدْرِهِ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ [۸]

مدح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا بحر بےکراں ہے کہ جس کا کوئی ساحل نہیں ہے علامہ المقری اصفہانی (م ۱۰۴۱ھ) نے خوب

---

[۱] الدين والاخلاق فى شعر الشوقى ص : ۵۱ ۔ [۲] المجموعة النبهانيه الجلد الاول ص ۸ ۔ [۳] المجموعة النبهانيه الجلد الثانى ص : ۱۳۶ ۔ [۴] اطيب النغم ص : ۳۳ ۔ [۵] دیوان ثالث غلام علی آزاد ص : ۹ ۔ [۶] شعر غلام علی آزاد ۔ السلفانی ص : ۵۲ ۔ [۷] المجموعة النبهانيه الجلد الرابع ص : ۵ ۔ [۸] المجموعة النبهانيه الجلد الرابع ص ۵ ۔

کہا ہے کہ "فالامداح النبویة بحر لا ساحل له" [1]

اس بے حد و حساب قصیدہ خوانی کا سبب شعراء یہ بتاتے ہیں کہ یہ مدح سنت الٰہیہ ہے، مخلوق کی مدح جس قدر بھی کثیر ہو جائے خالق کی مدح کے ہم پایہ نہیں ہو سکتی بلکہ کم تر اور انتہائی حد تک فروتر ہی رہے گی۔

لسان الدین الخطیب (م ٧٧٦ھ) اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

أیَرُومُ مَخلُوقٌ ثَناءَكَ بَعدَ ما — أَثنیٰ عَلیٰ أَخلاقِكَ الخَلّاقُ۔ [2]

الشیخ عبد الغنی النابلسی (م ١١٤٣ھ) اپنے دیوان "نفحة القبول فی مدحة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے خطبہ میں کہتے ہیں۔ "اعلم ان الثناء علی نبینا و رسولنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بما هُوَ اهله لیس فی قدرة احد من الخلق ابداً اعلی طول المدیٰ ولو لنحت له الفصاحة حروفاً وقسمت له البلاغة اقساماً و صنوفا" اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ: کیف والفصاحة والفصیح والبلاغة والبلیغ کل ذلك مخلوق من نوره قبل اوان ظهوره وانما القدرة علی ذلك لیست الا للواحد القدیم الذی خلقه وهو به علیم" [3]

مبالغہ آرائی سے اجتناب۔ مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا ہونا محالات میں سے ہے۔ شعراء ساری عمر مدح سرائی کرنے کے باوجود صرف عجز بیان کا اعتراف کرتے ہیں۔ علامہ النبہانی (م ١٣٥٠ھ) کہتے ہیں۔ "تكون المبالغات فی المدح مهما بلغت قاصرة عن الوصول الی ما یستحقه صلی اللہ علیہ وسلم وجمیع مدائحه عبارة عن حكایة احوال ووصف اقوال وافعال واخبار عن حقائق هی ثابتة وموجودة حقیقة لا كما یتخیله الشعراء من المعانی فی مدیح غیره صلی اللہ علیہ وسلم" [4]

احوال و واقعات کی تصویر کشی اور حقائق و شواہد کی تزئین مبالغہ ہی کے حکم میں ہے۔ مگر غیر مستحسن نہیں کیونکہ اس سے شعراء کا مقصد نہ تو تجاوز عن الحد ہے اور نہ غلط حقائق کو ثابت کرنا ہے بلکہ یہ تو حقائق کو سامع تک اس انداز میں پیش کرنا ہے کہ تفہیم میں دقت نہ ہو، عبد الغنی النابلسی (م ١١٤٣ھ) کہتے ہیں۔ "فانه لا مواخذة فی حکم الشریعة بشیٔ من ذلك اصلاً اذا القائل لم یرد بکلامه حقیقة معنی ما قاله قطعاً من غیر شبهة وانما اراد الادعاء علی وجه التحسین فی الکلام" اور بطور دلیل تشبیہ بلیغ کی ایک مثال لاتے ہیں کہ "فان قولك رأیت اسداً فی الحمام وأنت ترید رجلا شجاعاً اخبار عن غیر الواقع ولکن مما کان قصدك الادعاء لا الاخبار بحقیقة ذلك لم یکن کذباً بل ینبغی ان یکفر من سمی البادیة کذبا لوقوعها فی القرآن والسنة" [5]

شاعر کو بعض امور میں نثر نگاروں سے زیادہ آزادی حاصل ہوتی ہے، اسے علماء شعر، ضرورت شعری کہتے ہیں۔ لفظی ضرورت میں تقدیم و تاخیر، حذف و اضافہ، ترکیب و ترخیم اور اسی قسم کی دیگر ضرورتیں شامل ہیں۔ [6] معنوی طور پر شاعر کو تشبیہ و استعارہ کی جدت طرازی اور مبالغہ آفرینی کا حق حاصل ہوتا ہے۔ شرط صرف سلیقے کی ہے کہ تشبیہ و استعارہ استعمال کرے یا مبالغہ آرائی سے کام لے مگر کلام غیر مانوس اور مفہوم دور از کار نہ ہو جائے۔

---

[1] نفح الطیب الجزء العاشر ص: ٣٥٩ [2] نفح الطیب الجزء السابع ص: ٩٣۔ [3] المجموعة النبهانیة الجلد الاول ص ٦۔

[4] المجموعة النبهانیة الجلد الاول ص: ٨ [5] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة، عبد الغنی نابلسی الجزء الثانی ص ٣٢٦

[6] قال ابو حاتم "أبیح الشاعر ما لم یبح المتکلم من قصر الممدود ومد المقصور وتحریك الساکن وتسکین المتحرك وصرف ما لا ینصرف وحذف الکلمة ما لم تلتبس بأخریٰ: العقد الفرید الجزء الثانی ص: ٣٢٨۔

مبالغہ کو بعض اوقات شاعرانہ کذب کہہ دیا جاتا ہے، یہ کذب صرف شعر میں سجتا ہے اور عام محاورے میں کذب کے مفہوم سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ یہ قابلِ گرفت نہیں اس کا استعمال دلنشیں ہو تو قاری کو مسحور کرتا ہے اور حسنِ شعر میں اضافہ کرتا ہے اور اگر استعمال ناقص ہو تو پھر مبالغے پر کیا موقوف ہے تشبیہ و استعارہ بھی خزف ریزوں کی طرح بدنما لگتے ہیں۔ امیر حسن سنجری (م ۷۳۶ھ) نے خواجہ نظام الدین دہلوی (م ۷۲۵ھ) سے شاعری میں مبالغہ آرائی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ایک مشہور کتاب کے حوالے سے جواب دیا "جھوٹ بولنا گناہ ہے لیکن وہ جھوٹ جو شعر میں بولا جائے اس میں گناہ نہیں"[1] اس سے مراد یہی ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بلکہ گفتگو میں زور پیدا کرنے اور قاری پر مفہوم ام نشرح کرنے کے لئے چند استعاروں اور کچھ مبالغہ آرائی کا سہارا ہے۔

یہاں ایک دو اشکال اُبھرتے ہیں ایک یہ کہ جب مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حد نہیں تو پھر مدح میں تجاوز عن الحد کا کوئی مقام نہیں اس لئے مبالغہ سے اجتناب کا کیا مفہوم ہے۔ دوسرے یہ کہ جب شاعر کو مبالغہ آرائی کا حق حاصل ہے تو پھر اُسے اس حق سے کیوں محروم کیا جاتا ہے۔ بادی النظر میں یہ اشکال بہت وزنی ہیں مگر سوال 'مدح' کے حدود کے تعین کا ہے۔ 'مدح سرائی' اُن ضابطوں کی پابند رہے جو ذاتِ ممدوح کے حوالے سے عائد کئے گئے ہیں تو مبالغہ آرائی بھی مستحسن ٹھہرے گی اور مدح بھی بے پایاں ہوگی۔ شریعت مطہرہ کے احکامات 'مدح سرائی' کو وسیع جولان گاہ مہیا کرتے ہیں جس میں تخیل کو جرأتِ پرواز کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے مگر جب قلتِ مطالعہ اور ذاتِ ممدوح کے اوصاف سے بے خبری، فریب خوردگی کا سبب بنتی ہے تو قدم صراطِ مستقیم سے بھٹکنے لگتا ہے اور مبالغہ ممدوح کی شخصیت کا ایسا مرقع پیش کرتا ہے جس میں توصیف کے بجائے تنقیص کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ تجاوز عن الحد ہے اس تجاوز کے دو بڑے مظہر ہیں۔

ایک یہ کہ عقیدت و محبت حدودِ شریعت میں نہیں رہتے اور ممدوح خیر البشر کے بجائے فوق البشر کے روپ میں نمودار ہوتا ہے۔ ذاتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں الوہی صفات تلاش کی جاتی ہیں۔ مبالغہ آرائی اگر ممدوح کی بشری صفات میں احسن البشر اور افضل البشر ہونے کو واضح کرے تو مستحسن ہے اور اگر 'مبالغہ آرائی' انہیں اللہ بنا دیں تو مردود اور لائق اجتناب ہے۔ الوہیت مسیح علیہ السلام کا نظریہ اسی اندھی عقیدت کا کرشمہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے پناہ محبت و گرویدگی کو مشاہدہ فرماتے تو اس خیال سے کہ کہیں مستقبل میں زمانی بُعد شانِ رسالت میں غلو کا باعث نہ بن جائے۔ ارشاد فرماتے: لا تُطرونی کما اَطرَتِ النصاریٰ عیسی ابنَ مریمَ فانّما انا عبدُہٗ ولکن قولوا "عبدُ اللہ ورسولہ"[2]
علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں "انما نہاھم صلی اللہ علیہ وسلم عن مجاوزۃ الحد فی المدح"[3]

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان ناموافق مسابقت کی کیفیت پیدا کی جائے
یہ درست ہے کہ آپ کو تمام کائنات کا رہبر و راہنما بنایا گیا[4]۔ آپ کو انبیاء کرام کے امام بننے کا شرف حاصل ہوا۔[5] آپ کی آمد پر تمام ادیان منسوخ قرار پائے[6] اور آپ کو اُن خصائص خمسہ سے نوازا گیا۔ جو کسی اور نبی کو عطا نہ ہوئے تھے۔[7] مگر اس شرف و عظمت کے باوجود آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ آپ کی مدح کسی اور نبی کی تنقیص کا باعث بنے چنانچہ آپ نے متعدد موقعوں پر صحابہ کرام کو اس تقابل اور تفاوق سے منع فرمایا:

---

[1] فوائد الفواد اردو ص: ۴۶۲۔ [2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم المجلد الاول ص: ۴۹۰ عن عمر بن الخطاب۔ [3] فتح الباری فی شرح البخاری الجزء السابع المکتبۃ مصطفی البابی الحلبی مصر۔ [4] وما ارسلناک الا کافۃ للناس (سورۃ سبا: ۲۸) انا سیدُ وُلدِ آدم۔ طبقات ابن سعد الجزء الاول ص: ۲۰۔ [5] سنن النسائی کتاب الصلوٰۃ باب فرض الصلوٰۃ المجلد الاول عن انس بن مالک ص: ۷۸۔ [6] لیظہرہ علی الدین کلہ (سورۃ التوبۃ: ۳۳) [7] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب قول النبی ؐ جعلت الارض مسجدًا وطہورًا المجلد الاول ص: ۶۲ عن جابر بن عبد اللہ رضؓ۔

"لا یقول ان احدکم انی خیر من یونس" ۔ ؎۱

"مَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ اَنْ یَقُوْلَ اِنِّیْ خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی" ؎۲

ایسے ہی روایت ہے کہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برگزیدگی کا ذکر کیا تو ایک مسلمان کو ناگوار گزرا ۔ اس پر مسلمان نے چپت رسید کردی ۔ شکایت دربار رسالت میں پہنچی ۔ وجہ پوچھی تو بتایا گیا اس پر آپ ناراض ہوئے ۔

فَغَضِبَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰی رُؤِیَ فِیْ وَجْھِہٖ ثُمَّ قَالَ : لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَاءِ اللہِ " ؎۳

ان تجاوزات سے بچتے ہوئے جو بھی مدح کی جائے گی مقبول ٹھہرے گی ۔ مداحین کی کثیر تعداد اس فرق کو ملحوظ رکھے ہوئے ہے ۔ اگرچہ یہ احتیاط انتہائی مشکل اور صبر آزما ہے ۔ مولانا احمد رضا خاں (م ۱۳۴۰ھ) کہتے ہیں ۔ "حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں ۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے ۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے ۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے غرض حمد میں ایک جانب کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے " ؎۴ ۔ علامہ بوصیری (م ۶۹۶ھ) نے اسی خطرے سے متنبہ کرتے ہوئے کہا تھا ۔

دَعْ مَا ادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّھِمٖ ـــ وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْہِ وَاحْتَکِمٖ ؎۵

ادب و احترام ۔ موضوع عظیم بھی ہے اور نازک بھی ، عظیم اس لئے کہ یہ سب سے بڑے رسول کی مدح ہے ۔ اس سے مدح نگار کے سماجی رویے اور معاشرتی نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے اور نازک یوں کہ یہاں جنبشِ لب یا لغزشِ قدم پر دنیا و عقبیٰ کی تباہی کا خطرہ ہے ۔ قصیدہ گو پر لازم ہے کہ وہ جذبات کے سیل رواں میں بھی حقائق کو مسخ نہ کرے ، دربار رسالت کی عظمت کا تصور ذہن نشین رہے اور شعوری طور پر اسے احساس رہے کہ وہ اس دربار میں قصیدہ خواں ہے جہاں "جنبشِ لب خارج از آہنگ خطا ہے" ۔ جو "عرش سے نازک تر" ہے ۔ اور جس کے آداب قرآنی تعلیمات کا حصہ ہیں ۔ اس سلسلے میں چند نمایاں تعلیمات یہ ہیں ۔

ا ۔ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آواز پست رہے ، صوتی آہنگ عاجزانہ ہو ۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ۔ ؎۶

ب ۔ طرز خطاب میں انکسار اور تواضع ہو " وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ " ۔ ؎۷

ج ۔ پکار بے باکانہ نہ ہو کہ یہ سوءِ ادب ہے اور لائق اجتناب ۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ" کے بارے میں "اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ" کا فیصلہ دیا جاچکا ہے ۔ ؎۸

د ۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آگے نکلنے کی کوشش مستحسن نہیں ، قابل قدر رویہ اُن کے تتبع کرنے کا ہے ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔ ؎۹

ہ ۔ اسم ذات سے 'ندا' غیر محمود ہے خود پروردگار عالم نے یوں نہیں پکارا ہے اس لئے اسماء صفات سے خطاب کیا جائے جن کی کثیر تعداد قرآن و حدیث

؎۱ صحیح البخاری باب قول اللہ تعالیٰ ان یونس لمن المرسلین الجلد الاول ص ۴۸۵ عن عبد اللہ بن عباسؓ ۔ ؎۲ حوالہ مذکورہ ۔ ؎۳ حوالہ مذکورہ عن ابی ہریرہ رضہ ۔ ؎۴ الملفوظ حصہ دوم ص : ۴ ۔ ؎۵ المجموعۃ النبھانیہ الجلد الرابع ص۲ ۔ ؎۶ الحجرات : ۲ ۔
؎۷ حوالہ مذکورہ ۔ ؎۸ الحجرات : ۴ ۔ ؎۹ الحجرات : ۱

میں وجود ہے۔

د۔ صفات الہیہ سے متصف نہ کیا جائے کہ سوءِ ادب ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ ایسا ہوا تو انہیں اس کی وضاحت اور برأت کا اعلان کرنا پڑا۔ " وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰہَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ "[1] اس لئے امت کو اپنے نبی کی حرمت اور بارگاہِ صمدیت کے تقدس کا خیال رکھنا چاہئے۔

ہ۔ ممدوح وہ ہے جسے " وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ "[2] کی سربلندی اور " وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا "[3] کی فضیلت حاصل ہے اس لئے اس رفعت و عظمت کا پاس رہنا چاہیئے۔

ح۔ ذاتِ عظیم کے متعلقین کی عزت و حرمت کا احساس دامنگیر رہے۔ کہ اُن کے حضور بھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو ملالِ خاطر ہو۔ اُن کی مدح میں عامیانہ رویہ ہرگز مناسب نہیں۔ بلکہ گفتگو اُن کے مقامِ بلند کے مطابق رہے۔ ان متعلقین میں صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور امہات المؤمنین شامل ہیں۔ اس سلسلے میں " رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ "[4] " قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی "[5] " یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ "[6] کے فرامین پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔ یہ اور اسی قبیل کے دیگر ارشادات مداحین کی حدود کا تعین کرتے ہیں تاکہ وہ افراط و تفریط سے بچ سکیں۔ انہیں حدود و قیود کی وجہ سے ' مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نازک ترین صنفِ سخن ' قرار پاتی ہے۔

المدائح النبویۃ میں تشبیب کی حیثیت: قصیدہ عربی شاعری میں ایک لائق احترام صنفِ سخن کی حیثیت سے قابلِ توجہ رہا ہے بمعلقات سبعہ جو عربی شاعری کا شہکار سمجھے گئے قصائد ہی تھے، اچھا قصیدہ گو ہی بہتر شاعر گردانا جاتا تھا، قصیدہ کا موضوع حالات اور شاعر کی پسند کے مطابق مختلف ہوتا تھا۔ مگر اسکی ترتیب و تدوین کا پیمانہ مقرر تھا۔ ترتیب میں اولین درجہ ' تشبیب ' کو حاصل تھا۔ عربی شاعری میں ' فراق ' کی چبھن دیگر زبانوں کی شاعری سے زیادہ تھی۔ اس کا سبب عربوں کی متحرک زندگی تھی وہ سیارگانِ فلک کی طرح رواں دواں رہتے، قیام کے لمحات مختصر ہوتے تھے اسلئے جدائی کے مواقع ناگزیر تھے۔ شاعر چشمِ تصور میں بیتے ہوئے لمحات کا مشاہدہ کرتا اور وصال کی حسین یادوں سے لذت اندوز ہوتا۔ ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) نے قصیدہ کے اجزائے ترکیبی میں سے تشبیب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔ " سمعتُ بعضَ اھل الادب یذکر اَنَّ مُقَصِّدَ القَصِیْدِ اِنَّمَا ابْتَدَأَ فِیْہَا بِذِکْرِ الدِّیَارِ وَالدِّمَنِ وَالْاٰثَارِ فَبَکٰی وَشَکٰی وَخَاطَبَ الرَّبْعَ وَاسْتَوْقَفَ الرَّفِیْقَ لِیَجْعَلَ ذٰلِکَ سَبَبًا لِذِکْرِ اَھْلِھَا الظَّاعِنِیْنَ ...... فَشَکَا شِدَّۃَ الْوَجْدِ وَاَلَمَ الْفِرَاقِ وَفَرْطَ الصَّبَابَۃِ وَالشَّوْقِ لِیُمِیْلَ نَحْوَہُ الْقُلُوْبَ وَیَصْرِفَ اِلَیْہِ الْوُجُوْہَ ...... لِاَنَّ التَّشْبِیْبَ قَرِیْبٌ مِنَ النُّفُوْسِ لَائِطٌ بِالْقُلُوْبِ، لِمَا قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ فِیْ تَرْکِیْبِ الْعِبَادِ مِنْ مَحَبَّۃِ الْغَزَلِ وَاِلْفِ النِّسَاءِ "[7] ابن رشیق (م ۴۵۳ھ) کہتے ہیں " لِلشُّعَرَاءِ مَذَاھِبُ فِیْ اِفْتِتَاحِ الْقَصَائِدِ بِالنَّسِیْبِ لِمَا فِیْہِ مِنْ عَطْفِ الْقُلُوْبِ وَاسْتِدْعَاءِ الْقَبُوْلِ بِحَسْبِ مَا فِی الطَّبَائِعِ مِنْ حُبِّ الْغَزَلِ وَالْمَیْلِ اِلَی اللَّھْوِ وَالنِّسَاءِ "[8] علماء ادب تشبیب کو انسانی فطرت کا اقتضاء سمجھتے اور شعراء اسے جذباتِ محبت کے اظہار کا ذریعہ خیال کرتے۔ اس وجہ سے تشبیب قصیدہ کے مطلع کے طور پر جزو لازم کی حیثیت اختیار کر گئی، بعض شعراء نے اس مروجہ عادت سے بغاوت کرنے کی کوشش کی جیسے ابو نواس[9] (م ۱۹۹ھ) المتنبی۔[10] (م ۳۵۴ھ)

---

[1] المائدہ: ۱۱۶۔ [2] الانشراح: ۴۔ [3] النساء: ۱۱۳۔ [4] المائدہ: ۱۱۹۔ [5] الشوریٰ: ۲۳۔ [6] الاحزاب: ۳۲۔

[7] الشعر والشعراء لابن قتیبہ ص: ۲۰۔ [8] العمدہ الجزء الاول ص: ۲۲۵۔ [9] A Literary History of the Arabs by R.A. Nicholson P: 286.

[10] تاریخ الادب العربی۔ الزیات ص: ۳۰۰۔

کے بعض قصائد میں بالترتیب شراب اور بے مہری زمانہ کو قصائد کا سرنامہ بنایا گیا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے قصیدہ اپنی قدیم ڈگر پر چلتا رہا۔ اور تشبیب کو اوّلیت حاصل رہی۔

المدائح النبویۃ، کی ہیئت ترکیبی کا ھیولہ جاہلی دور کے قصائد سے استوار ہوا تھا۔ اس لئے ان میں بھی وہی روش اپنائی گئی۔ اور مدح رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ابتداء میں بھی تشبیبی رنگ موجود رہا۔ اس اسلوب بیان اور ترتیب قصیدہ کا مدائح نبویۃ، میں کوئی جواز ہے؟ کیا یہ ضروری تھا کہ ان پاکیزہ قصائد میں ایسے جنسی جذبات شامل رہیں؟ اس قسم کے سوالات بعض سنجیدہ حلقوں کی طرف سے کئے جاتے رہے، عبدالمقصود الشلقامی ایسے ہی گروہ کی نمائندگی کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

فَهَل يُمكن اَنْ يكونَ ذلك شفاعة للشاعر اذ يقدمه بين يدی مديح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم؟ وَهل يَليق ذلك بمقام النَّبوّة؟ اَلاَ ينبغي للشاعر حينئذٍ اَنْ ينزع عَنِ الباطلِ؟ اِذ كيف يُقرن حديث الفسق وَاللّهو وَالصِّبا وَمغازل النساء بجلالِ النبوّة وعظم آثارِها وطهارةِ رُوحانيتها؟" ل

عام قصائد میں تشبیب کا 'سابقہ'، حیران کن نہیں کیونکہ گفتگو کا محور دنیا اور دنیا طلبی ہے۔ اور ایسے میں رسم و رواج کی سماجی و معاشرتی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ تشبیب ایک شعری ضرورت کے طور پر رواج پذیر ہوئی، نمائندہ شعراء نے بالاستمرار اسے اپنایا۔ چنانچہ شاعری کی دنیا میں اسے 'لزوم'، کی سی منزلت حاصل ہوگئی، بعد میں 'روایت پسندی'، کے جبر کے تحت اس کا تتبع کیا گیا، بزم شعر کے اور بھی تو کئی لوازمات ہیں جو شعراء کے تعامل سے ضروری قرار پا چکے تھے۔ سوال صرف یہ تھا کہ اس خالص جنسی طرز بیان کی مدحت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم میں کیا ضرورت تھی؟ مدح رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم اس رومانوی طرز ادا کی محتاج کیوں ہوگئی؟ اس سے تو مدح کا تقدس اور ذاتِ ممدوح کا احترام مجروح ہو رہا تھا، تو جب نفس مضمون اس کا متحمل نہ تھا تو صرف روایت کی پاسداری کے لئے اسے کیونکر اپنایا گیا۔ علی النجدی ناصف نے درست کہا تھا کہ:-

فهيهات اَن يكون له شفاعة من اَیّ وجه اذ يقدمه بين يدی مدح الرسول صلّی اللّٰہ علیه وسلّم۔ واَيسر مايوصف به النسيب فی هذا المقام انه عمل غير سائغ فی الذوق ولا مقبول فی رأی اللباقة والكيس۔ فالنّسيب فی اَبرأ صوره واَبعد حالاته من الفحش والخنا۔ عبث واتباع هوی ومدح الرسول صلّی اللّٰہ علیه وسلّم حقيق اَن يكون نزوعا عن الباطل، واقبالا على الحق، واَخذا باَسباب التَّقرُّب الى اللّٰہ، او اَنْ يكونَ فی القليل اليسير تماسكا وتكلفا لجد من الامر عظيم۔ فكيف يستقيم مع شئ من هذا اَحاديث الهوىٰ للغواء، وذكريات الصبابة والعشق؟ ٢ۓ۔

مجوزین تشبیب کا استدلال یہ ہے کہ حضرت کعب بن زہیرؓ (م ۲۴ھ) نے اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد دربار نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں پیش کیا تھا۔ تو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہ صرف یہ کہ اسے پسند فرمایا بلکہ اس پر اپنی چادر بطور انعام عطا کی تھی، اسی لئے تو یہ قصیدہ البردہ کہلاتا ہے۔ ۳ۓ۔ اس قصیدے میں تشبیب موجود ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے سماعت فرمایا اور ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس سے یہ استخراج کیا گیا کہ تشبیب کا مدحیہ قصائد میں ابتدائیہ کے طور پر شامل کرنا ممنوع نہیں بلکہ اسے تائید نبوی حاصل ہے۔ غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) کہتے ہیں:-

---

ل شعر غلام علی آزاد فی العربیہ۔ ص: ۹۸ (مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی) ٢ۓ الدین والاخلاق فی شعر شوقی۔ ص: ۳۵۔ ۳ۓ تاریخ الادب العربی۔ بروکلمان۔ الجزء الاوّل ص: ۱۵۶۔

فانظر الی کعب قد تغزل فی الطرف الغضیض المکحول ودقة الخصر وثقل الأرداف وزیادة علی هذا أنه أشبه ریق سعاد بالراح ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمع ولا ینکر۔[1]۔ اس لئے وہ بڑے اعتماد سے کہتے ہیں۔ "لکن لنا أسوة حسنة فی بانت سعاد"۔[2]۔ ڈاکٹر زکی مبارک بعض علماء کے اس قول کو "فمن الادب أن الابتدأ بالنسیب" کو مبنی بر حقائق نہیں سمجھتے اُن کی رائے ہے کہ "وھذا ایضاً خطأ لأن بدأ الشعر بالغزل کان من العادات العربیة المستملحة ولم یکن احد ینکرھا إذ ذاك حتی ینسب کعب الی ماھو منه براء"[3]۔ اور اس کی دلیل یہ لاتے ہیں "ولیس ھذا بغریب، فانّ المذاھب الادبیة لا تتغیّر فی عام أو عامین ومن الإسراف ان ننتظر ذلك۔"[4]

یہ سب کو تسلیم ہے کہ تشبیب جاھلی روایت تھی، یہ طرز ادا اسلامی افکار کا حامل نہ تھا، حضرت کعب رضی اللہ عنہ جاہلی دور کے شاعر تھے۔ اس لئے جاہلی روایت پر عمل پیرا رہے۔ "بانت سعاد" اُن کے جاہلی عہد حیات کے آخر اور عہد اسلامی کے اوّلین ایام کی شعری تخلیق ہے۔ اس لئے اس پر جاہلی روایات کی چھاپ گہری ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اشعار اُس شاعر سے سُن رہے تھے۔ جو ابھی ابھی حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا۔ اور اپنے قدیم ذوق کے مطابق عقیدت مندی کا اظہار کر رہا تھا۔ علی النجدی ناصف کہتے ہیں:۔

"فقد نظم کعب مدحته وھو لا یزال علی جاھلیته لمّا یدخل الدین قلبه الّا نیّةً وَاعتزاماً، ولم یکن الاسلام بعد قد طھر الحیاة العامة من کل رجسٍ وصفّی نفوسَ الناسَ جمیعاً من شوائب الجاھلیة ونوازع الضلال، فاذا أخذ کعب رضی اللہ عنہ أو غیرہ فی مدح الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی العادة من أمرہ فی الجاھلیة فالشفاعة فیه حاضرة والاعتذار عنه غیر مردود"[5] ڈاکٹر زکی مبارک تو یہاں تک کہہ گئے:۔

أن کعب رضی اللہ عنہ بن زھیر لم یقل لامیته وھو مأخوذ بعاطفة دینیّة قویة، تسمو به الی روح التصوف، إنما ھی قصیدة من قصائد المدیح یقولها الرجل حین یرجو أو یخاف ولیست من المدائح النبویه فی شیٔ۔[6]۔ اور مزید یہ کہ "فھی قصیدة جاھلیة تغلب علیھا قوة السبك ولٰکنّھا تکاد تخلو من روح الدین، ولا غرابة فی ذلك فان کعب بن زھیر لم یمدح الرسولؐ الا لینجو من الموت، ومن کان فی مثل حاله لا ینتظر منه صدق الثناء۔[7]

ان اقتباسات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ ہیجانی حالت میں حاضر دربار ہوئے۔ ایک مدحیہ قصیدہ بطور وسیلہ

---

[1] مسیجة المرجان۔ ص: ۲۲۱، ۲۲۲۔ سع غلام علی آزاد فی العربیة۔ ص: ۹۴۔ [2] حوالہ جات مذکورہ۔ [3] الموازنه بین الشعراء۔ ص: ۱۸۔ [4] المدائح النبویة فی الادب العربی۔ ص: ۳۱۔ [5] الدین والاخلاق فی شعر شرقی۔ ص: ۳۶۔ [6] المدائح النبویة فی الشعر العربی۔ ص: ۲۲۔ [7] حوالہ مذکورہ۔ ص: ۲۴۔

پیش کیا تاکہ جان کی امان پائیں۔ یہ تاثر اُس جذبۂ صادقہ کی نفی ہے جو حاضریٔ دربار کا محرکِ اصلی تھا۔ حضرت کعب رض کے بھائی حضرت بجیر سات ہجری میں مشرف باسلام ہوئے۔ اس قبول اسلام کے ردِّ عمل کے طور پر حضرت کعب رض کا رویہ معاندانہ رہا، اس پر قتل کے احکامات نافذ ہوئے۔ [1]۔ حضرت بجیر رض نے مخدوش مستقبل کی اطلاع دی تو پریشانی کے عالم میں چھپتے پھرے حتٰی معذرت خواہانہ حاضر ہوئے۔ [2]۔ تقریباً دو سال یونہی گزرے تھے۔ کیونکہ جناب کعب مدینہ منوّرہ اُس وقت حاضر ہوئے جب آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم طائف سے واپس لوٹے تھے۔ [3]۔ اور یہ نو ہجری کا واقعہ ہے۔ [4]۔ کیا یہ دو سال کا عرصہ اسلامی تعلیمات کی تفہیم کے لئے کافی نہ تھا؟ قرینِ قیاس ہے کہ یہ دو سال داخلی اضطراب کے سال تھے، اور یہ داخلی کرب آخر ایک فیصلہ تک لے آیا تھا اور جناب کعب رض پوری شعوری قوت کے ساتھ دین اسلام کی حقانیت پر ایمان لاکر ہی مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔ قصیدہ بانت سعاد وقتی فیصلہ نہ تھا مکمل شعوری کوشش تھی، قلبی کیفیات بدل چکی تھیں اور معذرت جان بخشی کے لئے نہیں، اپنے سابقہ کردار پر تھی، یہ دل کی پکار تھی اسی لئے تو اُس نے افصح العرب صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کو مائل بہ کرم کرلیا تھا۔ یہ سندِ قبولیت تھی یہ قبول عام قصیدے کے باطنی پہلوؤں کی نشاندھی کر رہا ہے وگرنہ الاعشٰی (م ۷ ھ) کا قصیدہ بھی تو تھا جسے آج صرف تاریخی حیثیت حاصل ہے دینی نہیں، قصیدہ بانت سعاد نے بڑے بڑے خوش عقیدہ اصحاب کو مبہوت کردیا ہے۔ قصیدے کا اسلوب جاہلی سہی مگر اندر کا جذبہ مومنانہ تھا۔ جس کی آنچ نے ہر کسی کو حلقہ بگوش بنا لیا ہے، دربار رسالت میں اس قدر پزیرائی ہوئی کہ مداحین کے لئے لائق رشک ثابت ہوئی۔ ہمارے خیال میں قصیدہ بانت سعاد کی ابتداء تشبیب سے اس لئے ہوئی تھی کہ حضرت کعب رض مسلک شعری میں اُسی قدیم روش پر چل رہے تھے۔ اور قدیم مسلک کی یہ پابندی اُنہی تک محدود نہ تھی۔ حضرت حسان رضی اللّٰہ عنہ کے بیشتر قصائد میں یہی رنگ نمایاں ہے حالانکہ وہ بہت پہلے دامن رحمت میں آچکے تھے۔ تشبیب کی موجودگی ناپختگیٔ ایمان کی مظہر نہ تھی شعری ضرورت تھی اور یہ ضرورت تو بہت بعد تک تھی امام بوصیری (م ۶۹۶ھ) اور احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) تک کو مجبور کرتی رہی تھی۔

ہر کیف تشبیب مدحیہ شاعری کے جزو اوّل کے طور پر ہمیشہ شامل قصیدہ رہی ہے، بعض اسے مدحیہ قصائد کے دیباچے کے طور پر تسلیم کرتے رہے اور اسے براعۃ استہلال [5]۔ قرار دیتے ہیں۔ ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۷ھ) کہتے ہیں: " اُن مثل ذلک النسیب ھو فی الأغلب تمھید المدیح والکلام عن تلك المواطن بالذات یقع فی المدائح النبویہ وکأنہ براعۃ استہلال [6]

ابن حجۃ مذکور اس میں اصلاح کے لئے کوشاں رہے تاکہ اس کی شکل تو برقرار رہے مگر اس سے نامحمود مضامین خارج کرکے اسے 'مشرف باسلام' کرلیا جائے چنانچہ اپنے بدیعیہ کے بیت اوّل کی شرح میں کہتے ہیں:۔

" ان الغزل الذی یصدر بہ المدیح النبوی یتعین علی الناظم أن یحتشم فیہ ویتأدب ویتضاءل، ویتشبب مطربا بذکر سلع ورامۃ وسفح العقیق وَالعُذیب والغویر ولعلع وأکناف حاجر ویطرح ذکر محاسن المرد والتغزل فی ثقل الردف

[1] الاصابہ الجزء الثالث ص: ۲۷۹۔ [2] سیرت النبیؐ لابن ھشام الجزء الرابع ص: ۱۵۱، ۱۵۲۔ [3] الاصابہ الجزء الثالث ص: ۲۷۹۔ [4] سیرت النبیؐ لابن ہشام الجزء الرابع ص: ۱۴۹۔ [5] براعت استہلال: آغاز کتاب یا کلام کے ابتداء میں ایسے الفاظ کا لانا ہے کہ اُن سے شاعر یا مصنّف کے موضوع کا پتہ لگ جائے، (مختصر حوالہ سید اظہر علی۔ ص: ۳۱)۔ [6] المدائح النبویہ فی الادب العربی ص: ۵۲۔

ودقة الخصر وبياض الساق وحمرة الخد وخضرة العذار وما أشبه ذلك [1] عبدالغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) اپنے بدیعیہ کے بیت اوّل کی شرح میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔" فیجتنب ذکرہ ویختار لکل شئی ما یناسبه ویحتشم فی غزل المدیح النبوی و یشبب فیه بذکر الجهات الحجازیة من سلع وراحه والبان والعلم وذی سلم ومافی معناها ویطرح ذکر التغزل فی الردف والخصر والخد والنحر ونحو ذلك۔ [2] ۔ یہ متوازن راہ عمل ہے۔ تشبیب کی اہمیت، دلوں پر اس پیرایۂ بیان کے اثرات اور اس فطری جذبے کی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ ضروری تو نہیں کہ یہ جذبہ 'ہوسناک' ہی ہو بلکہ عین ممکن ہے کہ اس میں روح کا گداز اور جذبات کا سیانا پن ہو۔ غزل جو فارسی اور اردو شاعری کی مقبول ترین صنف سخن ہے۔ تشبیب ہی کی شکل ہے۔ [3] ۔غزل کے لغوی مفاہیم تو حدیث دلبراں، اور تذکار حبیب' ہی تک محدود تھے۔ مگر پھر اس میں حیات انسانی کا ہر قابل اظہار جذبہ اور فرد سے اجتماع تک کے مسائل شامل ہوتے گئے، یہی حالت تشبیب کی ہے کہ یہ سامع کو متنبہ، جذبات کو برانگیختہ اور خیالات کو برآفروختہ کرنے کا باعث بنی تاکہ پیش آمدہ مضامین کے ادراک میں شعور کے ساتھ جذبات بھی شریک رہیں، یہ مجاز سے حقیقت تک کا سفر ہے جسے صوفیا "حقیقت شناسائی" کے لئے ایک لازمی زینہ خیال کرتے ہیں، امام البوصیری (م ۶۹۶ھ) کے قصیدہ بردہ کی تشبیب 'حدیث عشق' نہیں ہے۔ بلکہ ذکر محبوب کے ابتدائیہ کے طور پر خواشی حبیب' کا تذکرہ ہے۔" تاکہ آتش شوق تیز ہو اور جب وقت اصل مضمون آئیں اس وقت بیان کرنے والے کا جوش اور سننے والوں کا اشتیاق نقطۂ کمال پر پہنچ چکا ہو" [4] ۔ مگر موضوع کے تقدس کا تقاضا ہے کہ تشبیب کو پابند ادب کیا جائے تاکہ" جذباتِ عشق" منہ زور ہوکر نورانی فضا کو مکدر نہ کردیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کی رائے ہے کہ:۔

وان بَیَّنتَ فی المَنظُومِ وَجداً ـ فحاشا اَن تُشَبِّبَ بالنِّسَاءِ [5]

فتلك شرائعُ الشعر قدما ـ وقد نسخت بختم الانبیاء [6]

تشبیب کے مفردات مناسب، خیالات پوتر اور جذبات پاکیزہ ہوتے جائیں تاکہ قاری "جنسیت" کی طرف مائل نہ ہو بلکہ تشبیہات و استعارات ایسے منتخب کئے جائیں کہ ذہن "ذاتِ ممدوح" کا اشتیاق محسوس کرنے لگے۔ اور 'غبار ناقہ' سے 'محمل لیلیٰ' کا سراغ ملے۔ غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) اگرچہ تشبیب کو ناگزیر گردانتے ہیں اور اپنے قصائد میں بھرپور استعمال بھی کرتے ہیں مگر باین ہمہ وہ قاری کو محبوب عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس کی طرف ایسی وارفتگی سے کھینچے لئے جاتے ہیں کہ وہ جب سنبھلنے لگتا ہے تو حاضر دربار ہو چکا ہوتا ہے۔ تشبیب کی انتہائی صورت اور ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی پیوستگی ملاحظہ فرمائیں:۔ تبسمت فحسنا وجهها قمرا ـ مشققاً معجزاً من سید العرب [7] ۔ اور

وعشقت حاجبك الرفیع لشبهه ـ لهلال روضة سید الزوراء [8]

---

[1] خزانة الادب للحموی ص: ۱۴، المدائح النبویة فی الادب العربی ص: ۵۲،۵۱ ۔ [2] المجموعة النبهانیة المجلد الاوّل ص ۱۱ ۔ [3] دائرہ معارف اسلامیہ المجلد ۱۶/۲ ص: ۲۹۷۔ مقالہ: قصیدہ (فارسی میں) مقالہ نگار مقبول بیگ بدخشانی۔ [4] عربی میں نعتیہ کلام عبداللہ عباس ندوی ص: ۱۵۲،۱۵۱ ۔ [5] اطیب النغم ص: ۲۴۔ [6] حوالہ مذکورہ ص: ۲۵ ۔ [7] دیوان اوّل ص: ۷ ۔ [8] دیوان ثالث ص: ۳ ۔

نمایاں اسالیب اور ہیئتوں کا تنوع

۱۔ قصیدہ ۔ المدائح النبویۃ کا بنیادی ڈھانچہ قصیدے کا ہے اسلئے قصیدے کے اجزائے ترکیبی کی طرح اس میں بھی ابتدائیہ، گریز، نفس مضمون اور حرف آخر کی تقسیم موجود ہے ۔ شاعر عموماً عشقِ مجازی کے تذکرے سے ابتدا کرتے ہیں ۔ محبوبہ کا تذکرہ (جو عموماً روایتی انداز میں خیالی ہوتا ہے)، اُس کے اوصاف و عادات کا ذکر، گریز پائی، بے رُخی اور بے مہری کا شکوہ، ان شکایتوں میں دل کی حکایتوں کا بیان اور اپنی بے چارگی کے قصے، یہ قصیدے کا اولین حصہ ہوتا ہے ۔ عشق مجازی کے تذکرے مختلف مقاصد کے تحت کئے جاتے ہیں ۔ کہیں اسلئے کہ آخر پر بیزاری کا اظہار ہو تاکہ سامع پر واضح ہو جائے کہ ان محبوباؤں کا دور بیت گیا ۔ مولانا فیض الحسن سہارن پوری (م ۱۳۰۴ھ) کہتے ہیں ۔

فدع ذکر ما القاک فی ھوۃ الھوی — وخذ بالذی یلقیک فی ذروۃ الذرو [۱]

بعض کے ہاں مجاز کو ایک واسطے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور تلاش حقیقت کی ہوتی ہے جیسے صوفی شعراء کے ہاں یہ طرز ادا اختیار کی جاتی ہے ۔ بعض بے ثباتیٔ دُنیا ثابت کرنے کے لئے دُنیا کی نامہربانی کا حوالہ دیتے ہیں ۔ تاکہ قاری ان موانع سے ہوشیار ہو جائے اور مقصد کو عزیز تر رکھے ۔ بعض کے ہاں مجاز مطلوب ہی نہیں، یہ تو خرم سرائے حبیب، کی غلام گردشیں ہیں گھڑی دو گھڑی سستانے کا بہانہ ہے تاکہ تازہ دم ہو کر در حبیب تک رسائی کی سعی کی جا سکے ۔

استطراد یا گریز ۔ ابتدائیہ سے مضمونِ ثانی کی طرف مڑنے کا نام ہے اسے حُسن تخلص بھی کہتے ہیں ۔ [۲] یہ کبھی لفظی اعلان کے ساتھ ہوتا ہے جیسے حضرت حسان رضؓ کہتے ہیں ۔

فَدَعْ عَنْكَ التَّذَكُّرَ كُلَّ يَوْمٍ — وَرُدَّ حَزَازَةَ الصَّدْرِ الْكَئِيبِ ۔ [۳]

یا علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کہتے ہیں ۔

وَاللهِ مَا لِي مِنْ هَوَاكَ تَخَلُّصٌ — اِلَّا بِمَدْحِ الْمُصْطَفَى الْمَحْبُوبِ ۔ [۴]

اور کبھی بغیر کسی انتباہ کے مضمون ثانی شروع ہو جاتا ہے ۔ جیسے آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) کہتے ہیں ۔

احن شوقاً الی الندامی — حنین جذع اِلَی الْحَبِیبِ [۵]

مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) حکومت انگلیسیہ سے حوالات کی نفی کرتے ہوئے یکدم مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مڑ جاتے ہیں جیسے:

کیف الولاء وھم اعادی من لہ — خلق السماء والارض والانشاء ۔

ھو اوّل النورِ السنیّ تبلّجت — بضیائہ فی العالم الاضواءُ [۶]

مرکزی مضمون ۔ قصیدہ کا مرکزی مضمون مدح الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ مدح میں خصائص نبویہ کا تذکرہ، عظمت و شرافت کا ذکر، رحمت عالمین اور شافع مذنبین ہونے کا بیان ہوتا ہے ۔ مقامی یا ذاتی حالات سے فضائل کی ترتیب میں تبدیلی ممکن ہے ۔ مثلاً عالم اسلام پر نکبت و ادبار کا سایہ مسلط ہو تو "سپردم بتو مایۂ خویش را" کا سا انداز ہوتا ہے ۔ بے چارگی اور درماندگی میں رحمت و رأفت کا ذکر ہوتا ہے ۔ شوقِ زیارت فراواں ہو اور

---

[۱] دیوان الفیض ص: ۷۱ ۔ [۲] دائرہ معارف اسلامیہ المجلد ۱۶/۲ مقالہ قصیدہ فارسی میں ۔ مقبول بیگ بدخشانی ص ۲۹۷ ۔ [۳] دیوان حسان ص: ۱۵ ۔ [۴] دیوان ابن حجر ص: ۹ ۔ [۵] دیوان اول ص: ۸ [۶] باغی ہندوستان ۔ ص: ۳۰۹ ۔

دل عشقِ مصطفیٰ سے مسرور ہو تو حسن و جمال کی دلکشی موضوعِ سخن بنتی ہے۔ حاضری مدینہ کی تڑپ ہو تو دیارِ حبیب کی عظمتوں کو سلام کیا جاتا ہے، غرضیکہ ذاتی کیفیات مضامین مدح کے انتخاب میں فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ اور یہی ذہنی وابستگی، مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو سماجی منظر بناتی ہے، قصائد کے بین السطور یا لفظوں کے درمیان جھانکا جائے تو ان قصائد میں ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ماحول کا عکس ملے گا۔ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف، اصلاحِ احوال کی خواہش کا مظہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنے نقائص یا کمزوریوں کا 'اعتراف' 'اصلاح' کی طرف پہلا مثبت قدم ہوتا ہے۔ یہیں سے 'نعتیہ شاعری' کا کینوس وسیع تر ہو جاتا ہے۔

اختتامیہ:۔ قصیدے کا جزوِ آخر استمداد، استغاثے اور صلوٰۃ وسلام پر مشتمل ہوتا ہے۔ ممدوحِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی اور صفات شماری کے بعد اپنی بے بسی، بے چارگی اور قومی زبوں حالی کے تذکرے کی جرأت ہوتی ہے، مایوسیوں کے بحرِ عمیق میں غرقاب شاعر المدد پکار اٹھتا ہے۔ اُس کا وجدان اسے قرب کے لمحات مہیا کرتا ہے۔ اور اُس کی گفتگو کا لہجہ بالمشافہ خطاب کا ہو جاتا ہے۔ وہ 'قاسمِ عطایا' کے دروازے پر دہائیاں دیتا ہے اور 'رحمت اللعالمین' کی رحمت کو پکارتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔[1] کا قرآنی مژدہ اُس کی ہمت بندھاتا ہے۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ وہ ایسے دربار کا دریوزہ گر ہے جہاں سے کسی کو دھتکارا نہیں جاتا۔[2]۔ جہاں مایوسی گناہ ہے۔[3]۔ یقین کی یہ انتہا اس کے جذبات میں والہانہ پن پیدا کر دیتی ہے اور اعتماد کی یہ فضا اُسے دل کی بات زبان پر لانے کی جرأت عطا کرتی ہے۔ یہ تعلق باہمی کا وہ مقام ہے اور خلوص کا وہ درجہ ہے جو نعت کے سوا اور کہیں حاصل نہیں ہوتا اس لئے نعت اعلیٰ ترین صنفِ سخن قرار پاتی ہے۔

۲۔ قطعہ:۔ قطعہ تین سے دس بلکہ پندرہ اشعار تک کا مجموعہ ہوتا ہے۔[4] قطعے میں شاعر کم لفظوں اور چند ابیات کی مدد سے دل کی بات کہتا ہے۔ حجمی اختصار کی وجہ سے اس میں تمہیدی مباحث نہیں ہوتے بلکہ بغیر کسی تشریحی حواشی یا ثانوی مباحث کے مدح شروع ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند نمائندہ مداحین یعنی حضرت حسان رضؓ حضرت کعب بن زہیر رضؓ حضرت کعب بن مالک رضؓ حضرت ابوسفیان بن حارث رضؓ وغیرہ کے علاوہ اکثر صحابہ قطعات ہی میں مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔ جیسے حضرت عباس بن عبدالمطلب (م ۳۲ھ) حضرت عبداللہ ابن رواحہ (م ۸ھ) حضرت مالک بن عنظ۔ حضرت مالک بن عوف النصری رضؓ اور دیگر[5]۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ہاں بھی نعتیہ قطعات ہیں۔[6]

۳۔ معارضات:۔ کسی قصیدے کے تتبع میں وزن اور قافیہ کی ہمنوائی اختیار کرنا اور مطابقت میں قصیدہ کہنا 'معارضہ' کہلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے عارض فلانٌ فلاناً اى باراه واتى بمثل ما أتى به وعارضه فى الشعر[7]۔ شاعر کسی متقدم شاعر یا کسی قصیدے کی مقبولیت سے متاثر ہوتا ہے اور وہ ڈھانچہ اپنے قصیدے کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے قصائد اپنی مقبولیت اور شرف پذیرائی کے باعث بعد والوں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ حضرت حسان رضؓ کا همزیہ جس کا مطلع ہے:۔

عَفَتْ ذَاتُ الْاَصَابِعِ فَالْجِوَاءُ — اِلٰى عَذْرَاءَ مَنْزِلُهَا خَلَاءُ[8]

اور حضرت کعب رضؓ کا قصیدہ بانت سعاد جو لامیہ قصیدہ ہے۔ بعد کے شعراء میں مقبول رہے ہیں اس لئے اکثر شعراء نے ان کی اقتداء میں وزن و قافیے کی

---

[1] النساء: ۶۴۔ [2] صحیح بخاری المجلد الثانی کتاب الآداب باب حسن الخلق والسخاء ص: ۸۹۲ من جابر رضؓ۔ [3] الزمر: ۵۳۔
[4] دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲/۱۶ ص: ۲۸۸۔ مقالہ: عربی قصیدہ از ڈاکٹر محمد ظہور اظہر۔ [5] المجموعۃ النبہانیہ المجلد الاول ص: ۵۶ تا ۷۶۔
[6] دیوان حسان میں ایسے کئی قطعات شامل ہیں۔ [7] المعجم الوسیط الجزء الثانی ص: ۶۰۰ بذیل مادہ عرض۔ [8] دیوان حسان ص: ۱ تا ۱۰۔

رعائت کے ساتھ قصائد لکھے ہمزیہ قصائد کی تو ایک روایت چلی چنانچہ العزمری (م ۶۵۶ھ)۔ امام بوصیری (م ۶۹۶ھ) ابن نباتۃ المصری (۷۶۸ھ) علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) النواجی (م ۸۵۹ھ) اور متعدد دوسرے شعراء کے ہمزیے علامہ یوسف النبہانی نے نقل کئے ہیں [1] جدید دور کے شعراء میں احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) کا الہمزیۃ النبویۃ معروف اور مطبوع ہے ان کے علاوہ عبدالحمید الخطیب اور محمد ابراہیم جدح کے ہمزیہ قصائد بھی طبع ہو چکے ہیں۔ [2] برصغیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کا ہمزیہ [3]۔ غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) کے ہمزیہ قصائد [4]۔ مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) کا ہمزیہ [5]، نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷) کا ہمزیہ جسے انہوں نے "قصیدۃ العنبریۃ فی مدح خیر البریہ" کا نام دیا ہے۔ [6] مولانا خیرالدین (م ۱۳۲۶ھ) کا ایک مختصر ہمزیہ قصیدہ [7] مولانا اصغر علی روحی (م ۱۳۷۲ھ) کا ہمزیہ [8] اور مفتی جمیل احمد تھانوی کا ہمزیہ [9] زیادہ مشہور ہے۔

قصیدہ 'بانت سعاد' کے وزن اور قافیے کی مناسبت سے متعدد مدحیہ قصائد نظم ہوئے ان میں امام جاراللہ الزمخشری (م ۵۳۸ھ) العزمری (م ۶۵۶ھ)، ابوحیان الاندلسی (م ۷۴۵ھ) امام بوصیری (م ۶۹۶ھ)۔ ابن سید الناس صاحب السیرۃ (م ۷۳۴ھ) ابن نباتہ المصری (م ۷۶۸ھ) ابن جابر الاندلسی (م ۷۸۰ھ) برھان الدین القیراطی (م ۷۸۱ھ) عزالدین الموصلی (م ۷۹۰ھ) مجدالدین الفیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) النواجی (م ۸۵۹ھ) اور عبدالغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) کے لامیہ قصائد نسبتاً زیادہ معروف ہیں [10]۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے تتبع میں بائیہ قصیدہ لکھا جو 'اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم' میں موجود ہے۔ [11] اس اتباع کا وہ خود اعتراف کرتے ہیں۔ "

" این فقیر موفق شد دریں اثنا بنظم قصیدۂ بائیہ دریں باب کہ بہ تتبع قصیدۂ سواد بن قارب صحابی سر بر زدہ " [12]

اور قصیدے کے آخر پر بھی اس معارضے کا حوالہ دیتے ہیں:

وَانت شفیع یوم لا ذو شفاعۃ — بمغن کما اثنی سواد بن قارب [13]

ایک اور محترم شخصیت جن کا مدیح النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بلند ترین مقام ہے امام بوصیری (م ۶۹۶ھ) ہیں۔ امام موصوف کا قصیدۃ بردۃ شہرت کی اس بلندی پر ہے کہ اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے۔ اس بقائے دوام نے دیگر کئی شعراء کو 'بردہ' سے خوشہ چینی کی دعوت دی ہے۔ ان میں محمود سامی البارودی (م ۱۳۲۲ھ) کا 'کشف الغمۃ فی مدح سید الامۃ'، احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) کا نہج البردۃ کو بہت شہرت ملی۔ [14] برصغیر میں مولوی رضا حسن خان کاکوروی (تیرھویں صدی ہجری) نے ۱۲۶۴ھ کو 'انموذج الکمال' [15] اور شیخ محمد حسن فیضی الجہنی (م ۱۳۱۶ھ) نے 'علی نہج البردۃ' لکھا۔ [16]

---

[1] المجموعۃ النبہانیہ الجلد الاول ص: ۷۷ تا ۲۸۷۔ [2] الأدبیاۃ الاسلامیہ الجدیدۃ۔ محمد ابراہیم جدح، یوم المولد ص ۳۳ تا ۴۳ [3] اطیب النغم ص ۲۳، ۲۵ [4] ہر دیوان کے شروع میں ہمزیہ قصیدہ موجود ہے۔ [5] باغی ہندوستان اردو ص ۲۹۹ تا ۳۱۶۔ [6] مآثر صدیقی جلد دوم ص ۲۸ تا ۳۲۔ [7] درج الدرر البھیۃ جلد دوم ص ۲۹، ۳۰، ۳۹۔ [8] ما فی الاسلام جلد اول ص: ک تا ل۔ [9] انوار مدینہ ربیعین ۱۳۹۴ ص ۱۷ تا ۱۹۔ جمادی الاول ۱۳۹۴ھ ص ۱۷ تا ۲۱۔

[10] ان کے علاوہ بیشتر شعراء نے ہمزیے کہے ہیں جن کی تفصیل المجموعۃ النبہانیہ الجلد الثالث ص: ۲ تا ۱۷۶ دیکھی جا سکتی ہے۔ [11] اطیب النغم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۸ھ ص ۲ تا ۲۳۔ [12] اطیب النغم ص: ۲۔ [13] اطیب النغم ص: ۲۲۔ [14] المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص: ۱۶۷۔

[15] نزھۃ الخواطر الجزء السابع ص: ۱۲۹۔ [16] نزھۃ الخواطر الجزء الثامن ص: ۴۲۱۔

۴۔ تضمین:۔ شعراء کے ہاں ماضی کے تجربات سے استفادہ کی خواہش رہی ہے، مرورِ زمانہ سے متقدمین کی نگارشات شہرت حاصل کر لیتی ہیں اور ماحول پر اُن کی گرفت مضبوط ہو جاتی ہے۔ ان معروف قصائد کا حوالہ بعد کی تخلیقات کے رواج پذیر ہونے میں مستند سہارا بن جاتا ہے۔ متقدمین سے عقیدت اور اُن کے کلام سے پُرخلوص شیفتگی بھی اتباع پر اُکساتی ہے چنانچہ وزن و قافیے کی ہمنوائی کے علاوہ اسالیب و تراکیب میں بھی تقلید کی جاتی ہے۔ اس شعری تقلید اور فنی مماثلت کے کئی روپ ہیں۔ مثلاً

تشطیر۔ مصرعہ اولیٰ یا مصرعہ ثانیہ مستعار لے کر دوسرے مصرعے کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک مخلوط سا شعر تیار ہوتا ہے اسے تشطیر کہتے ہیں۔ یعنی مصرعے پر مصرعہ لگانا۔ شیخ احمد بن شرقاوی الخلفی (م ۱۲۵۰ھ) کی 'بردہ' پر تشطیر[1] اسی طرح داؤد بن سلیمان البغدادی (م ۱۲۹۹ھ) کی تشطیر البردہ[2]۔ امام بوصیری کے 'بردہ' پر تشطیر کے عمدہ نمونے ہیں جبکہ شیخ عبد الغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) نے ابن فارض (م ۶۳۲ھ) کے قصیدہ پر تشطیر کی۔[3]

تخمیس۔ پانچ پانچ مصرعوں پر مشتمل نظم کو مخمس کہا جاتا ہے۔ علامہ المقرّی (م ۱۰۴۱ھ) کی مخمس نفح الطیب میں موجود ہے۔[4] برصغیر میں مخمس کہنے کا عام رواج رہا مگر اس میں یہ التزام تھا کہ مصرعِ خامس، درود و سلام پر منتہی ہو۔ جیسے مخدوم محمد ہاشم تتوی (م ۱۱۷۴ھ) کی مخمس جس کا ٹیپ کا مصرعہ 'صلوا علی صدر الأنام وسلموا' ہے۔[5] مولانا خیر الدین (م ۱۳۲۶ھ) اور مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (م ۱۳۲۲ھ) نے بھی مخمس لکھیں۔ دونوں میں ٹیپ کا مصرعہ: صلوا علیہ وسلموا تسلیما ہے۔[6] فقیر سید نور الدین منور (م ۱۲۶۸ھ) نے مخمس لکھی (دیوان منور جس کے ۸ بند ہیں)[7] یہ اور اسی انداز کی بہت سی نظمیں مخمس کی شکل میں موجود ہیں۔ مگر شعراء کے ہاں تشطیر کی طرح تخمیس کی عادت بھی رہی ہے یعنی کسی شاعر کے شعر کے دونوں مصرعوں کے شروع میں تین مصرعوں کا اضافہ کر دینا۔ قصیدہ بردۃ پر تخمیس کہنا شعراء کے ہاں محبوب عمل تھا چنانچہ ایسی متعدد تخامیس کی ڈاکٹر زکی مبارک نے نشاندہی کی ہے۔[8] برصغیر میں ابن معصوم (۱۱۱۹ھ) نے بوصیریؒ کے بردہ پر تخمیس کہی تھی۔[9] بوصیری کے بردۃ کے علاوہ اور شعراء کے شعروں پر بھی تخمیس کہی گئی مثلاً عبد الغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) نے البرعی (م ۸۰۳ھ) کے قصیدہ پر[10] ابن جابر الغسانی نے لسان الدین الخطیب کے دو شعروں پر[11]۔ محمد اللہ مری نے عبد الغنی النابلسی کے قصیدہ پر تخمیس کہی ہے۔[12]

تسدیس۔ چھ مصرعوں کے گروپ پر مشتمل نظم مسدس کہلاتی ہے، عموماً کسی قدیم شاعر کے دو مصرعوں پر چار مصرعوں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ مخدوم محمد ہاشم تتوی (م ۱۱۷۴ھ) کی مسدس کا آخری مصرعہ 'صلوا علیہ وسلموا تسلیما' ہے[13] مخدوم محمد صالح (تیرھویں صدی ہجری) کی مسدس تحفۃ الرسول میں موجود ہے۔[14] مولانا دیدار علی شاہ (م ۱۳۵۴ھ) نے امام علی بن الحسین زین العابدین (م ۹۴ھ) سے منسوب استغاثہ پر[15] اور قاضی محمد الحنفی المعصومی کے قصیدہ ذوقافیتین[16] پر بھی مسدس کہی[17]

---

[1] المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص: ۱۹۵ ۔ [2] حدائق الحنفیۃ ص ۴۵۴ ۔ [3] المجموعۃ النبہانیہ الجزء الرابع ص: ۳۹۳ تا ۲۹۶ ۔
[4] نفح الطیب الجزء الاول ص: ۵۸ تا ۶۲ ۔ [5] قلمی نسخہ (فوٹو سٹیٹ موجود ہے۔) ص: ۱۴ تا ۱۷ ۔ [6] درج الدرر البھیۃ حصہ دوم ص: ۷۹ ۔ عطر الوردہ شرح البردۃ ص: ۱۰۶ تا ۱۰۸ ۔ [7] (قلمی نسخہ) ص: ۴۸۳ ۔ [8] المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص: ۱۶۶ ۔ [9] الأعلام الزرکلی الجزء العاشر ص: ۱۲۷ ۔ [10] المجموعۃ النبہانیہ المجلد الرابع ص: ۳۶۱ تا ۳۷۷ ۔ [11] نفح الطیب الجزء السابع ص: ۹۴ ۔ [12] المجموعۃ النبہانیہ المجلد الرابع ص: ۳۷۸ تا ۳۸۰ ۔ [13] قلمی نسخہ (فوٹو سٹیٹ) ص: ۴ تا ۱۲ ۔ [14] تحفۃ الرسول قلمی ص: ۱۷۵ تا ۱۷۸ [15] فروغ نبی ص: ۹۰ تا ۱۰۰ ۔
[16] عربی میں نعتیہ کلام ۔ ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی ص: ۲۸۸ ۔ [17] فروغ نبی ص: ۱۰۷ ۔

تسبیع ۔ سات مصرعوں پر مشتمل نظم جس میں پانچ یا چھ مصرعے لگا کر دو یا ایک مصرعہ کسی متقدم شاعر کا ملایا جاتا ہے۔ شہاب الدین احمد بن عبد اللہ المکی اور محمد المصری نے بردہ کی تسبیع کہی اور یہ التزام کیا کہ ہر ترتیب ہر بند اسم اللہ اور محمد سے شروع ہوا۔[1] مولانا احمد حسن امروہی (م ۱۳۳۰ھ) نے شیخ سعدی (م ۶۹۱ھ) کی مشہور رباعی 'بلغ العلیٰ بکمالہٖ' پر چھ مصرعوں کا اضافہ کیا[2]۔ مولانا محمد اعظم قادری (م ۱۳۷۵ھ) نے بھی بلغ العلیٰ بکمالہٖ پر چھ چھ مصرعوں کا اضافہ اور اس رباعی کے چار مصرعوں کی مناسبت سے چار بند لکھے[3]

تعشیر :۔ دس مصرعوں کی نظم کو معشّر کہتے ہیں، دو مصرعوں پر آٹھ مصرعوں کا اضافہ کافی مشکل کام ہے۔ اس لئے تعشیر کے نمونے بہت کم ہیں، ڈاکٹر زکی مبارک نے ایک گمنام مولف کی ایک تعشیر کی موجودگی کا تذکرہ کیا ہے۔[4] برِ صغیر میں مولانا محمد اعظم قادری (م ۱۳۷۵ھ) نے بلغ العلیٰ بکمالہٖ، کشف الدجیٰ بجمالہٖ، پر آٹھ مصرعوں کی گرہ لگائی ہے۔[5]

رُباعی :۔ بحرِ ہزج کے چند مخصوص اوزان میں چار مصرعوں والی نظم رُباعی کہلاتی ہے۔ یہ خالص عجمی صنفِ سخن ہے، کہا جاتا ہے "رُباعی از مخترعاتِ اہلِ عجم است"۔[6] رُباعی کے تمام اوزان بحرِ ہزج سے استخراج کئے گئے ہیں اور ان کے دو گروپ یا شجرے بنائے گئے ہیں، ابتدا یا تو 'مَفعُولُ' سے ہوتی ہے یا 'مَفعُولُن'، سے جو رکنِ اصلی 'مفاعیلن' سے اخرب یا اخرم ہیں۔ 'مفعول' سے بارہ اوزان شروع ہوتے ہیں اور 'مفعولن' سے بھی اسی قدر اوزان کی ابتداء ہوتی ہے اس طرح رُباعی کے کل چوبیس اوزان ہیں۔[7] عربی میں یہ صنف سخن موجود نہ تھی مگر بعد میں عربی ذوق اس سے قدرے مانوس ہوا اور ابن الفارض (م ۶۳۲ھ) قریباً پہلے شاعر تھے۔ جنہوں نے عربی میں رُباعیات لکھیں مگر عربی شعر اس کا ساتھ نہ دے سکا اور ابن الفارض ہی اس کے پہلے اور آخری شاعر ثابت ہوئے۔[8] عصرِ حاضر میں حافظ محمد افضل فقیر جو فارسی شاعری پر ماہرانہ دسترس رکھتے ہیں اور عربی ادب سے بھی گہرا لگاؤ ہے، نے رُباعی کے مختلف اوزان میں پہلی مرتبہ نعتیہ رُباعیات تحریر کی ہیں، اُن کے نعتیہ مجموعے 'جان جہان' میں گیارہ رُباعیات شامل ہیں۔ جو ہر دو شجروں یعنی اخرب و اخرم کے اوزان پر کہی گئی ہیں۔[9] ان کوششوں کے باوجود عربی ادب میں 'رُباعی' کا مستقبل درخشندہ نہیں ہے۔ آخر یہ عجمی رنگ کب تک عربی ذوق کا ساتھ دے گا؟

مُوَشَّح :۔ شاعری میں نت نئے تجربات ماحول کے اقتضاء اور انسان کی خوب سے خوب تر کی جستجو کے فطری اثرات ہوتے ہیں۔ جدّت پسندی بسا اوقات مفید اور مثبت نتائج اور ابتکار کا سبب بنتی ہے۔ مگر بعض اوقات "کُلُّ جدیدٍ لَذیذ" کے مصداق صرف لاحاصل تغیّر اور بے معنی تبدیلی پر منتج ہوتی ہے۔ شعر کا بنیادی عنصر اُس کا وزن ہے جو نثر و نظم کے درمیان امتیازی جوہر کی حیثیت سے ہمیشہ موجود رہا ہے۔ جاہلی دَور کے جو اوزان خلیل بن احمد (م ۱۷۰ھ) نے علم عروض کی شکل میں مدوّن کئے تھے وہی شاعری کا معیار بنے تھے اور انہیں ہر دور میں معمولی زحافات کے ساتھ یوں اپنایا گیا کہ بنیادی تصوّر میں کوئی فرق نہیں پڑا۔[10] قصیدہ، قطعہ اور ارجوزہ سب انہیں اوزان کے پابند رہے۔ بنیادی اوزان میں کوئی قابلِ ذکر تبدیلی نہ ہو سکی تو جدّت پسند طبائع نے اُن کی ترتیب و ترکیب میں من پسند تبدیلیاں کیں اور اس مئے کو نئے ساغر عطا کرنے کی کوشش کی۔

---

[1] المدائح النبویہ فی الادب العربی ص: ۱۶۶، ۱۶۷۔ [2] نقل فوٹو سٹیٹ ذاتی نسخہ۔ [3] شریف التواریخ جلد ۳ حصّہ ۷ ص: ۲۹۲۔ [4] المدائح النبویہ فی الادب العربی ص: ۱۶۷۔ [5] شریف التواریخ جلد ۳ حصّہ ۷ ص: ۲۹۳۔ [6] شجرۃ العروض۔ منشی ظفر علی، مطبوعہ نولکشور ۱۸۷۳ء ص: ۱۰۶۔ ماخوذ از دائرہ معارف اسلامیہ جلد دہم ص: ۱۴۸ مقالہ "رُباعی"۔ [7] دائرہ معارف اسلامیہ جلد دہم ص ۱۴۵۔ [8] جان جہان۔ دیباچہ حافظ محمد عبید اللہ خاں ص: ۶۔ [9] جان جہاں ص: ۱۸۳ تا ۱۹۳۔ [10] دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۳، ص ۲۴۳۔ مقالہ "عروض"۔

مُوَشّح بھی ایک ہی کوشش کا نام ہے۔ 'وشاح' ہیروں اور جواہر سے مرصع پٹی ہے جو بائیں کندھے کے اوپر سے دائیں پہلو سے باندھی جاتی ہے جیسا کہ احرام میں ہوتا ہے، دایاں کندھا ننگا رہتا ہے اور بائیں کندھے پر سے گزر کر دائیں بغل تک جاتی ہے، یہ خوبصورتی اور نمائش کی خاطر کیا جاتا تھا۔ 'مُوَشّح' کا نام بھی اسی مناسبت کی وجہ سے دیا گیا ہے کہ قوافی کی کثرت، متعدد اوزان اور لفظوں کے حُسن کی وجہ سے اس کی شوکت بڑھ جاتی ہے۔ اندلس کے زرخیز اور جدّت آشنا ذہنوں نے اسے خوب سنوارا، زبان کا معیار وہی رہا جو فصحیٰ کے لئے مقرر تھا۔ مگر اُسے تغیرات کے مسلسل عمل نے جاذبِ نظر اور لائق التفات بنا دیا۔ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کہتے ہیں :- "وأما أهلُ الأندلسِ فلمّا كثُرَ الشعرُ في قُطرِهِم وتهذَّبت مناحيه وفنونُه وبلغَ التّنميقُ فيه الغايةَ استحدثَ المتأخرونَ منهُم فنّاً منهُ سمّوه بالموشّح ينظمونَه أسماطاً أسماطاً وأغصاناً أغصاناً يُكثِرونَ من أعاريضِها المختلفةِ ويُسمّونَ المتعدّدَ منها بيتاً واحداً ويلتزِمونَ عندَ قوافي تلكَ الأغصانِ وأوزانِها متتالياً فيما بعدُ إلى آخرِ القطعةِ وأكثرُ ما تنتهي عندَهُم إلى سبعةِ أبياتٍ ويشتمِلُ كلُّ بيتٍ على أغصانٍ عددُها بحسبِ الأغراضِ والمذاهبِ..... واستظرفَهُ النّاسُ جملةَ الخاصّةِ والكافّةِ لسهولةِ تناولِه وقُربِ طريقِهِ"۔ [۱]

مُوَشّح کے اجزاء متعدد ہوتے ہیں عموماً سات کہے جاتے ہیں، جزو اوّل کو مطلع کہتے ہیں اور اس مطلع کے ہر جزو کو غصن کہا جاتا ہے۔ پھر وزن قوافی کی ترتیبی ساخت کے تنوع کے ساتھ دَوْر کے مصرعے آتے ہیں۔ ہر دور کے بعد 'قُفل' جسے مطلع ثانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اوزان بحور میں تبدیلی تو نہیں کی جاتی مگر ممکن حد تک آزادروی اختیار کی جاتی ہے کہ ہر جزو ارکان وزن کے اعتبار سے مختلف نظر آتا ہے۔ اگرچہ سب کا وزن ایک ہی ہوتا ہے۔ سہولت ادائیگی کی وجہ سے بحر طویل، کامل، وافر اور خفیف کا استعمال بہت کم ہوتا ہے۔ ابن زُمرک الاندلسی (م ۷۹۳ھ) کا مُوَشّح یہ ہے :-

مطلع:
لَوْ تَرْجِعُ الْأَيَّامُ بَعْدَ الذَّهَابْ — لَمْ تَقْدَحِ الْأَيَّامُ ذِكْرَى حَبِيبْ
وَكُلُّ مَنْ نَامَ بِلَيْلِ الشَّبَابْ — يُوقِظُهُ الدَّهْرُ بِصُبْحِ الْمَشِيبْ!

دور:
يَا رَاكِبَ الْعَجْزِ أَلَا نَهْضَةٌ — قَدْ ضَيَّقَ الدَّهْرُ عَلَيْكَ الْمَجَالْ
لَا تَحْسَبَنَّ أَنَّ الصِّبَا رَوْضَةٌ — تَنَامُ فِيهَا تَحْتَ فَيْءِ الظِّلَالْ
فَالْعَيْشُ نَوْمٌ وَالرَّدَى يَقْظَةٌ — وَالْمَرْءُ مَا بَيْنَهُمَا كَالْخَيَالْ!

قفل [۲]:
وَالْعُمْرُ قَدْ مَرَّ كَمَرِّ السَّحَابْ — وَالْمُلْتَقَى بِاللّٰهِ عَمَّا قَرِيبْ!
وَأَنْتَ مَخْدُوعٌ بِلَمْعِ السَّرَابْ — تَحْسَبُهُ مَاءً وَلَا تَسْتَرِيبْ!

مطلع میں چار مصرعے ہیں جو چار اغصان کہلاتے ہیں، دور میں تین ابیات اور قُفل میں مثل مطلع چار مصرعوں کا ایک بیت اس طرح کُل پانچ ابیات ہیں مطلع اور قفل کے ارکان دور کے ابیات کے ارکان سے دوگنا ہیں۔

مُوَشّح کی ایک شکل یہ بھی ہے۔ کہ پورے مصرعے کے بعد یا شروع میں اُسی کا ہم وزن مگر طوالت میں بہت کم لاحقہ لگایا جائے، یہ شکل فارسی اُردو کے مستزاد سے مشابہ ہے یا ہو سکتا ہے مستزاد اسی کا چربہ ہو۔ [۳] فرق صرف یہ ہے کہ فارسی اُردو میں مستزاد مصرعے کے آخر پر لاحقے

---

[۱] ابن خلدون۔ مقدمہ ص ۵۸۳، ۵۸۴۔ [۲] نفح الطیب الجزء العاشر ص ۲۰۴۔ [۳] مراۃ الشعر عبدالرحمٰن ص ۵۴۲۔

کے طور پر لایا جاتا ہے۔ جبکہ موشحات میں اسے مستزاد کو شروع یا آخر میں لایا جا سکتا ہے۔ جیسے احمد بن خلوف التونسی کہتے ہیں (م ۸۹۹ھ)

یَا أَشْرَفَ مُرْسَلٍ وَ یَا خَیْرَ نَبِی ..... مَنْ غَرَبِیِّ

إِقْبَلْ مَدْحِی وَجَازِ وَاکْشِفْ کُرَبِیْ ..... وَاشْفِ وَصَبِی۔ [۱]

یا جیسے ابو عبید کہتے ہیں:۔

کَذَّلِي ..... مَدْحُ النَّبِيِّ المُصْطَفٰی المُرْسَلِ

فَاجْتُلِي ..... عَرَائِسًا مِنْ مَدْحِهِ تَنْجَلِی۔ [۲]

یہ فنِ شعر اندلس سے باقی ممالک اسلامیہ میں بھی رواج پذیر ہوا مگر جلد ہی اس کی مقررہ شکل کے اعتبار سے یہ طرزِ سخن ختم ہو گیا۔

بحور :۔ 'بحر' کا لغوی معنی سمندر ہے، اصطلاحِ عروض میں بحر وہ وزن ہے جس پر شعر کہا جاتا ہے۔ [۳] جس طرح سمندر کے اندر کئی دریا شامل یا داخل ہوتے ہیں اسی طرح ایک بحر میں متعدد اوزان شامل ہوتے ہیں۔ [۴] خلیل بن احمد الفراہیدی (م ۱۷۰ھ) [۵] علم عروض کا بانی ہے: "فاول مَنْ اَلَّفَ الاوزان وجمع الأعاریض والضروب الخلیل بن احمد"۔ [۶] خلیل نے پندرہ بحور ایجاد کی تھیں جو ارکان اصلیہ کی خماسی وسباعی نوعیت کے اعتبار سے پانچ دائروں میں منقسم ہیں۔ [۷] ابو الحسن الاخفش الاوسط (م ۲۲۱ھ) نے بعد میں سولھویں بحر 'متدارک' کا استدراک کیا۔ [۸] ابتداءً یہی سولہ بحور مستعمل رہیں مگر بعد میں بحور کے مختلف ارکان کی ترکیب وترتیب کے تنوع سے چند اور بحور دریافت کی گئیں، اور تعداد ۲۲ تک پہنچ گئی۔ [۹]

المدائح النبویة : اوزان وبحور کی ترتیب وساخت میں عربی قصیدہ کے مطابق رہے۔ اس لئے ان میں بحرِ رجز جس کا وزن: مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ ۔ مرتین ہے، کے سوا ہر بحر استعمال ہوئی "عہد جاہلی میں یہ بحر شتربانوں کی حدی خوانی اور میدانِ جنگ میں رزمیہ اشعار کے ذریعے جذبۂ قتال کو ابھارنے تک محدود تھی" اور پھر "صدر اسلام میں عربی قصیدے کے اوزان وبحور بھی وہی رہیں۔ جو عصرِ جاہلی میں متداول تھیں، البتہ بحر رجز میں طویل قصیدے کہنے کا سلسلہ شروع ہوا"۔ [۱۰] مگر یہ تبدیلی 'المدائح النبویة' کے ذخیرے میں کم نظر آتی ہے، یوں تو بحر رجز کے سوا تمام دیگر بحور استعمال ہو رہی تھیں، مگر چند بحور ایسی ہیں جو مداحین کو زیادہ محبوب رہیں اور اکثر وبیشتر ان بحور کا ہی کینوس استعمال کیا گیا۔ ہم صرف تین بحور کی وضاحت پیش کر رہے ہیں تاکہ ان کے انتخاب کے اسباب کا اندازہ کیا جا سکے۔

بحر کامل :۔ دائرہ مؤتلفہ کی وہ نمایاں بحر جس کا بنیادی وزن مُتَفَاعِلُنْ مُتَفَاعِلُنْ مُتَفَاعِلُنْ ۔ مرتین ہے۔ تین سباعی ارکان پر مشتمل ہے۔ اخفش کے استفسار پر خلیل بن احمدؒ اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی تھی۔ " قال لأن فیه ثلاثین حرکة لم تجتمع فی غیرہ من الشعر"۔ [۱۱] بیالیس حروف میں سے تیس متحرک ہیں، حرکات کی کثرت نے بحر کامل کو متحرک اور رواں دواں بحر بنا دیا ہے۔ اور اسے مترنم وموسیقیت سے بھر دیا

[۱] المجموعة النبهانية المجلد الرابع ص: ۴۲۹ دراصل ۵۴۴ ہے۔ [۲] المجموعة النبهانية المجلد الرابع ص: ۳۰۴ جو دراصل ۴۴۶ ہے۔ [۳] المختصر، سید اظہر علی ص: ۸۱۔ [۴] دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۳ ص: ۳۰۲ عروض، بتکملہ سید جابر علی۔ [۵] الوسیط فی الادب العربی ص: ۲۳۰۔ مگر الزیات نے تاریخ الادب العربی ص: ۲۷۱ پر ۱۷۴ لکھی ہے۔ جبکہ دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸ ص ۳۲ ۱۰ پر ہے کہ وفات ۱۷۰ اور ۱۷۵ کے درمیان ہے۔ [۶] العمدہ الجزء الاول باب الاوزان ص: ۸۸۔ [۷] حوالہ مذکورہ ومحیط الدائرہ ص: ۱۷۔ [۸] دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۳ ص: ۳۰۲۔ مقالہ عروض تکملہ سید جابر علی۔ [۹] محیط الدائرہ ص ۱۷ تا ۲۷۔ الفصل الثانی فی الدوائر۔ [۱۰] دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۶/۲، مقالہ قصیدہ (عربی)، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ص: ۲۹۲۔ [۱۱] العمدہ الجزء الاول باب فی الاوزان ص: ۸۹۔

ہے "یصلح هذا البحر للغناء والدندنة الموسیقیة"۔ [1] اس لئے یہ بحر جذباتِ عشق کے اظہار، جوشِ عقیدت کی تسکین اور فخر و حماسہ کے بیان کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ المجذوب کہتے ہیں "انما یصلح الکامل للحماسة والفخر والغزل واظهار العواطف البسیطة کالفرح والشوق والغضب والی ذالک" [2] جذباتِ محبت کے والہانہ پن اور عقیدت و محبت کی فریفتگی کے لئے یہ بحر بہترین ذریعہ اظہار ہے۔ اس لئے مدح نگاروں کے ہاں یہ مقبول بحر ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا مشہور قصیدہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر بطور مرثیہ کہا گیا اور جس میں جذبات امڈے ہوئے ہیں اسی بحر میں ہے۔ مطلع یہ ہے۔

مَا بَالُ عَیْنِكَ لَا تَنَامُ كَأَنَّمَا ـــ كُحِلَتْ مَآقِیهَا بِكُحْلِ الْأَرْمَدِ [3]

اور آپ کے یہ دو شعر جو قلبی سوز اور فراق کی چبھن سمیٹے ہوئے ہیں۔ اسی بحر میں کہے گئے ہیں۔ شعر یہ ہیں۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِی ـــ فَعَمِیَ عَلَیْكَ النَّاظِرُ ،

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْیَمُتْ ـــ فَعَلَیْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ ، [4]

امام ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کے دیوان میں مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کہے گئے قصائد میں پہلا دوسرا اور چوتھا قصیدہ بحر کامل میں ہے۔ [5] شیخ سعدی (م ۶۹۱ھ) کا معروف قطعہ بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ .... [6]، احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) کا الهمزیة النبویة [7] غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) کے متعدد قصائد مثلاً الدیوان الاول سے الهمزیة، البائیه، الدالیه، الرائیه، اللامیه، [8] الدیوان الثانی سے الهمزیه [9]، الدیوان الثالث سے الهمزیه، الدالیة، النونیة [10] بحر کامل میں کہے گئے ہیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) کا همزیه جو ایام اسیری کی تلخیاں لئے ہوئے ہے اور شدید جذبات کا عکاس ہے اسی بحر میں ہے یہ ۱۸۶ اشعار پر مشتمل طویل قصیدہ ہے۔ [11] مولانا فیض الحسن سہارن پوری (م ۱۳۰۴ھ) نے بلغ العلیٰ بکمالہ کے تتبع میں بحر کامل میں قصیدہ کہا۔ اسکے علاوہ الذالیہ قصیدہ بھی اسی بحر میں ہے۔ [12] غرضیکہ بحر کامل نعت گو شعراء کے ہاں ایک مقبول اور ہر دلعزیز بحر ہے جو اُن کے قلبی جذبات کی ترجمانی کے لئے نہایت مناسب ہے۔

__بحر طویل۔__ دائرہ مختلفہ کی سب سے پہلی بحر ہے اسکا وزن فَعُوْلُنْ مَفَاعِیْلُنْ فَعُوْلُنْ مَفَاعِیْلُنْ ۔ مرتین ہے۔ لمبی بحر ہے اور نغمۂ صوت مسلسل منخفض ہوتا جاتا ہے۔ عبداللہ الطیب المجذوب کہتے ہیں: "نغمة هادئة ودیع حتی تکاد موسیقاه تختفی وراء کلام الشاعر ومعانیه" [13] طوالت مسلسل حکایت کے لئے، اور لہجے کا دھیما پن، علمی مضامین اور عقل و دانش کی باتوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔ غزل چونکہ جذبات کا تیکھا پن چاہتی ہے اس لئے اس بحر میں نہیں کہی گئی۔ "اما الغزل فلا یصلح منه فی هذا البحر الا ما خالطه جد وعمق لا یخلو من أسی" [14]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا مدحیہ قطعہ " أَغَرُّ عَلَیْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ ـــ مِنَ اللّٰهِ مَشْهُوْدٌ یَلُوْحُ وَیُشْهَدُ [15]

---

[1] المرشد الی فہم اشعار العرب للمجذوب الجزء الاول ص ۲۶۴ تا ۲۷۸ بحوالہ شعر غلام علی آزاد فی العربیۃ ص: ۲۵۶ تا ۲۵۷ [2] حوالہ مذکورہ۔ [3] دیوان حسان شرح البرقوقی ص: ۹۷ تا ۹۹ [4] دیوان حسان شرح البرقوقی ص: ۱۶۵ [5] دیوان امام ابن حجر العسقلانی ص: ۲ تا ۱۱، ۱۷ تا ۲۰ [6] گلستان سعدی ص: ۳ [7] الهمزیۃ النبویۃ ترجمہ حافظ قاری فیوض الرحمٰن المکتبۃ العلمیۃ لاہور۔ [8] الدیوان الاول ص: ۲ تا ۵، ۱۰ تا ۱۱، ۱۵ تا ۱۷، ۲۵ تا ۲۷، ۳۲ تا ۳۹ [9] الدیوان الثانی ص: ۳۰۲ [10] الدیوان الثالث ص: ۲ تا ۴، ۵ تا ۶، ۱۵ تا ۱۷ [11] باغی ہندوستان اردو ص: ۲۹۹ تا ۳۱۶ [12] دیوان الفیض ص: ۵۸ تا ۶۰، ۱۹ تا ۲۰ [13] المرشد الی فہم اشعار العرب ص ۳۲۳ بحوالہ شعر غلام علی آزاد فی العربیہ ص ۲۵۷۔ [14] حوالہ مذکورہ [15] دیوان حسان شرح البرقوقی ص: ۷۸، ۷۹۔

اظہار عقیدت کے ساتھ عقلی استدلال اور امور واقعیہ کی نشاندہی کر رہا ہے اسلئے بحر طویل کا وزن اسکے لئے بہت مناسب رہا ہے ۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر ایک مرثیہ بھی اسی بحر میں کہا تھا جسکا مطلع ہے ۔

بِطَيْبَةَ رَسْمٌ لِلرَّسُولِ وَمَعْهَدُ — مُنِيرٌ وَقَدْ تَعْفُو الرُّسُومُ وَتَهْمَدُ ۱

مرثیہ یوں تو شدید ردّ عمل کا اظہار ہوتا ہے مگر اس مرثیے کی ساری فضا پر اعترافِ عظمت کا شعوری رنگ چھایا ہوا ہے جیسے کوئی غم کی شدت کو ممدوح کے باقی رہنے والے اوصاف کے تذکرے سے تسلی دے رہا ہے ۔ جبکہ "مَا بَالُ عَيْنِكَ لَا تَنَامُ كَأَنَّمَا" کا مرثیہ غم والم سے نڈھال انسان کی داستان ہے ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کا بائیہ قصیدہ ۲ جو حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے تتبع میں کہا گیا ۔ غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) کا قصیدہ رائیہ اور عینیہ ۳ مولانا فیض الحسن سہارن پوری (م ۱۳۰۴ھ) کے متعدد قصائد ۴ ۔ حافظ محمد افضل فقیر کا القافیۃ المصطویۃ ۵ بحر طویل ہی میں کہے گئے بیشمار قصائد میں سے ہیں ۔

بحر بسیط ۔ یہ بھی بحر طویل کی طرح دائرہ مختلفہ کی بحر ہے اس کا وزن مُسْتَفْعِلُنْ فَاعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ فَاعِلُنْ ۔ مرتین ہے ۔ تمام ارکان بحر کے ابتدائی حصے اسباب پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ہلکے ہوئے ہیں ۔ اور بعد میں وتد مجموع سے لہجے میں تیزی آجاتی ہے ۔ اور گرج پیدا ہو جاتی ہے ۔ بحر طویل کی طرح لمبی اور وسیع بحر ہے ۔ عبداللہ المجذوب کہتے ہیں :۔ ھو أخ للطويل فى الأبهة والجلال لانه تفعيلاته من الطول بحيث تشتمل وتتسع للموضوعات والمعانى الكبيرة " ۶ یہ بحر اپنی طوالت اور متحرک وساکن حروف کے مسلسل اجتماع کی وجہ سے کئی نمایاں اوصاف رکھتی ہے ۔ مثلاً یہ طویل مضامین اور کثیر معانی کو اپنے اندر سمونے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے ۔ بحر یہ اس کا آہنگ گرجدار ہے اس لئے خوف ودحشت سے اکھڑے ہوئے اور مچلتے ہوئے جذبات کے اظہار کے لئے اس کا ہچکولے کھاتا ہوا سٹریس (Stress) بہت اثر رکھتا ہے ۔ مزید کہ داخلی موسیقیت اور لہجوں کا زیر وبم ، شدتِ احساس سے ہم نوا ہو کر اسے درد مند اور پُر تاثیر آہنگ عطا کر دیتے ہیں اسی لئے تو عبداللہ المجذوب کہتے ہیں " والغزل فى هذا البحر يمتاز بالحنين والشوق والتحسر على الماضى " ۷

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بنی تمیم کے وفد کے سامنے اپنی شعری صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑا تو یہی بحر استعمال ہوئی ۔ ۸ حضرت کعب بن زہیر رضی جب معذرت خواہی کے لئے حاضر دربار ہوئے تو اپنا مشہور قصیدہ 'بانت سعاد' بحر بسیط ہی میں ترتیب دیا ۔ امام بوصیری (م ۶۹۶ھ) کا قصیدہ بردہ جسے نعتیہ شاعری میں ایک منفرد اور بلند مقام حاصل ہے اور جسے والہانہ کیف وسرور کے ساتھ بطور وظیفہ پڑھا جاتا ہے اسی بحر میں ہے ۔ حضرت کعب بن زہیر رض کے قصیدہ بانت سعاد کے معارضات میں متعدد قصائد لکھے گئے ۔ ۹ غلام علی آزاد کا لامیہ قصیدہ بھی بانت سعاد کا معارضہ ہے ۔ ۱۰ امام بوصیری کے قصیدہ بردہ کے معارضات میں محمود سامی البارودی (م ۱۳۲۲ھ) کا کشف الغمۃ فی مدح سید الامۃ ۱۱ اور احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) کا نہج البردۃ مشہور ہیں ۔ غلام علی آزاد (م ۱۲۰۰ھ) کے متعدد قصائد مثلاً الدیوان الاوّل میں البائیہ ، القافیہ ، الدالیہ (دو قصائد) ، الرائیہ اور النونیہ ۱۳ اور کئی

---

۱ دیوان حسان شرح البرقوقی ۸۹ تا ۹۷ ۔ ۲ اطیب النغم ص : ۲ تا ۲۲ ۔ ۳ الدیوان الاوّل ص : ۲۲ ، ۲۴ ص : ۲۷ ، ۲۸ ۔ ۴ دیوان فیض ص : ۱۳ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۷۰ وغیرہ ۵ جان جہاں ص : ۱۳۹ تا ۱۵۲ ۶ المرشد الی فہم اشعار العرب للمجذوب ۴۶۹/۱ بحوالہ شعر غلام علی آزاد فی العربیہ ص : ۲۵۸ ۔ ۷ المرشد الی فہم اشعار العرب للمجذوب الجزء الاوّل ص : ۴۶۹ بحوالہ شعر غلام علی آزاد فی العربیۃ ص : ۲۵۹ ۔

۸ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو دیوان حسان شرح البرقوقی ص : ۲۴۳ تا ۲۵۲ ۹ المجموعۃ النبہانیہ الجلد الثالث ص ۲ تا ۱۷۶ پر کئی قصائد درج ہیں ۔ ۱۰ الدیوان الثالث ص : ۹ تا ۱۲ ۔ ۱۱ المدائح النبویۃ زکی مبارک ص : ۱۹۷ ۔ ۱۲ حوالہ مذکورہ ۔ ۱۳ الدیوان الاوّل ص : ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۲۱ ، ۲۲ ۔

دیگر قصائد اسی بحر میں ہیں۔ مولانا فضل حق خیرآبادی (م ۱۲۷۸ھ) کا دالیہ قصیدہ [۱] سو اشعار پر مشتمل ہے جو بحر بسیط میں ہے۔ ان کے علاوہ المدائح النبویہ کی کثیر تعداد اسی بحر میں موجود ہے۔ یہ بحر نعتیہ قصائد کے لئے مقبول ترین بحر شمار ہوتی ہے۔

ان بحور کے علاوہ بحر وافر، بحر خفیف، بحر رمل اور کئی دیگر بحور نعتیہ قصائد کے لئے استعمال کی گئی ہیں۔ عجمی اثرات سے ان کے ارکان کی تعداد اور تناسب میں تغیر بھی آیا مثلاً مسدس کو مثمن الارکان کیا گیا، بعض بحور کو ترجیح حاصل رہی [۲] اور بعض صرف عربوں کے ساتھ خاص ہو کر رہ گئیں۔ برصغیر میں مقامی اثرات کے تحت بعض تبدیلیاں ہوئیں اور کچھ سہولتیں حاصل کر لی گئیں، ان کا مفصل ذکر ہم باب چہارم میں برصغیر کی شاعری پر بحث کے دوران میں پیش کریں گے۔

چند ضمنی مباحث۔

عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا درست ادراک ہر کسی کے بس میں نہیں۔ اس کے لئے قلبی تعلق، روحانی رابطہ اور شریعت مطہرہ کی محبت درکار ہے، اظہارِ عقیدت کے لئے قوتِ اظہار کی صلاحیت کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ اسے ملکۂ شعر کہا جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ خیالات کا تذکیہ، اعمال کا تقویٰ اور خیالات و میلانات کا توازن بھی ضروری ہے اور مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی مشکل ترین مرحلہ ہے۔ یہاں اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ آخر فحول شعراء، مدح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے گریزاں کیوں رہے۔ اُن کے ہاں شعر کہنے کی صلاحیت بدرجۂ احسن موجود تھی وجہ یہ تھی کہ یہ صلاحیت تو مدح کے مشتملات میں صرف ایک جزو کی حیثیت رکھتی ہے اس کے لئے بہت کچھ چاہیئے تھا جو انہیں نصیب نہ تھا۔ درحقیقت جو چیز انہیں اس نعمت سے محروم رکھے ہوئے تھی وہ اُن کا شعری رویہ تھا۔ یہ تذکرہ صداقت ہے اور اُن کے ہاں "أصدق الشعر أكذبه" [۳] کی حکمرانی تھی۔ اصمعی (م ۲۱۶ھ) کا کہنا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار جاہلی دور میں بہتر تھے یہ بات خود حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے پوچھی گئی کہ "لان شعرك اوهرم شعرك في الاسلام يا أبا الحسام فقال للقائل يا ابن اخي ان الاسلام يحجز عن الكذب أو يمنع من الكذب وانّ الشعر يزينه الكذب" [۴] اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علماء شعر کے شعری پیمانے کیا تھے اور وہ کن زاویوں سے شعر کو پرکھ رہے تھے۔ ان معاییر کی موجودگی میں فحول شعراء کا مدح رسالت کی طرف متوجہ نہ ہونا بخوبی سمجھ آتا ہے۔ 'المدائح' کے محتویات کا بہتر احساس تو صاحب دل اور حاملِ شریعت اصحاب ہی کر سکتے تھے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم علماء دین اور صوفیاء کرام کے ذوق کے مطابق تھی اسلئے وہی اس کی خدمت میں کوشاں رہے۔ صوفیانہ طرز عمل مدحیہ شاعری کی بنیادی شرط ہے اور اس شاعری کو صوفیانہ محافل اور خانقاہیں ہی راس آئیں۔ ڈاکٹر زکی مبارک کہتے ہیں۔

"المدائح النبوية، من فنون الشعر التي أذاعها التصوف، فهي لون من التعبير عن العواطف الدينية وباب من الأدب الرفيع، لأنها لا تصدر الا عن قلوب مفعمة بالصدق والإخلاص" [۵]۔

فحول الشعراء کا رویہ۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ مدحیہ شاعری میں دوسرے درجے کے شعراء نے زیادہ حصہ لیا ہے اور فحول شعراء اس کی طرف ملتفت نہیں ہوئے اسلئے یہ صنفِ سخن دیگر اصناف سے کمزور تر رہے اور اسی بنا پر ادب کی بیشتر کتب میں اس کے لئے کوئی نمایاں مقام متعین نہیں ہوا۔ اس ابہام میں کئی مغالطے شامل ہیں۔

---

[۱] باغی ہندوستان اردو ص ۳۱۷ تا ۳۲۸۔ [۲] بحر الفصاحت نجم الغنی ص: ۱۷۹۔ [۳] دیوان حسان شرح البرقوقی، رائی نقدۃ العرب فی شعر حسان ص: ۱ مکررۃ۔ [۴] الاستیعاب لابن عبدالبر الجلد الاوّل ص: ۱۲۷۔ [۵] المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص: ۱۷۔

۱۔ ایک یہ کہ یہ دعویٰ 'المدائح النبویۃ' کے ابتدائی ذخیرے کی نسبت سے اتنا وزنی نہیں جتنا اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ 'مدحیہ شاعری' کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہوئی اور شروع ہی میں چند بڑے نام مداحین کی فہرست میں موجود ہیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ 'اشعر اھل المدر' [۱] ہیں تو کعب بن زہیر، خاندان زہیر بن ابی سُلمیٰ کا سب سے بڑا زندہ شاعر ہے۔ الاعشیٰ (م نحو ۴ ھ) تو صاحبِ معلقہ تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ابتدا ہی میں کیسے قدآور شعراء اس صنف سخن کی تراش خراش میں شریک تھے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ یہ اعتراض بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد خلافت میں نعتیہ شاعری کے خمول کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اور اُسے پھر تمام ادوار تک بغیر کسی تاریخی تصدیق کے پھیلا دیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ بنو امیہ (۴۱ تا ۱۳۲ ھ) اور بنو عباس (۱۳۲ تا ۶۵۶ ھ) کے زمانوں میں مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پذیرائی نہیں رہی جو لبعد کے ادوار میں نظر آتی ہے۔ ان ادوار کی سیاسی تاریخ اس کا سب سے بڑا سبب تھی۔ شخصی حکومت، اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاسی رقابت اور دولت کی ریل پیل مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ نہ ہونے دیتی تھی۔ مدح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدح اہل بیت سے منسلک کر دیا گیا تھا اور اہل بیت اُس دور کی سیاست میں معتوب قرار پا چکے تھے اس لئے نعت بھی اس سیاست کاری کی بھینٹ چڑھ گئی۔ اس کے باوجود امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ ھ) ابو العتاھیۃ (م ۲۱۱ ھ) امام الزمخشری (م ۵۳۸ ھ)، ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ ھ)، ابن الفارض (م ۶۳۲ ھ)، ابن العربی (م ۶۳۸ ھ) اور الصرصری (م ۶۵۶ ھ) ایسے بزرگ موجود ہیں جو اس فنِ شریف کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ تنقید شعر کے ایسے معیار قائم ہو گئے تھے جن میں جاہلی شعر کی سطوت قائم تھی۔ امرؤ القیس، زہیر اور نابغہ شاعری کے امام قرار پائے تھے، ان کے قصائد کا تتبع اور لبا اوقات نقالی شاعری کا سرمایہ بن گئی تھی۔ ابو عمرو بن العلاء (م مابین ۱۵۴ تا ۱۵۹) [۲] نے تو محض اس لئے الاخطل (م ۹۵ ھ) کو عظیم شاعروں میں شمار نہ کیا کہ اُس نے جاہلی دور نہ دیکھا تھا۔ [۳] اور الاصمعی (م ۲۱۶) کا کہنا ہے کہ "الشعر نکد بابہ الشر [۴] فاذا دخل فی الخیر ضعف" ان مخاصمانہ رویوں نے 'مدائح نبویۃ' کی شعری قدر و قیمت متعین نہیں ہونے دی، حتیٰ کہ معروف ناقد کو یہ توفیق تک نہ ہوئی کہ وہ اس صنفِ شعر کا غیر جانبدارانہ جائزہ لے اور ان کے شعری و فنی محاسن کا سراغ لگائے تاکہ ان کی ادبی حیثیت کا اندازہ ہو سکے۔ اس عدم توجہی کی شکایت ڈاکٹر زکی مبارک نے بھی کی ہے۔ [۵]

۴۔ چوتھے یہ کہ المدائح النبویۃ کی پذیرائی زیادہ تر دینی حلقوں میں ہوئی اسلئے خالص ادبی حلقے اسے دینی ادب کا حصہ سمجھ کر اسے علماء و صوفیاء کے لئے خاص قرار دیتے رہے، 'ادب' کے ناقدین کے ہاں کسی ادبی تخلیق میں دینی عنصر کا وجود ہی کافی سمجھا گیا کہ اُسے دوسرے درجے کا ادب قرار دے دیا جائے۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کہتا ہے:

For the great majority of People who love Poetry 'religious Poetry' is a variety of minor Poetry: The religious Poet is not a poet who is treating the whole subject matter of Poetry in a religious spirit

---

[۱] عن ابی عبیدہ۔ الاستیعاب لابن عبد البر الجلد الاوّل ص ۱۲۷۔ [۲] دائرہ معارف اسلامیہ الجلد الاوّل ص: ۸۷۰۔ [۳] A Literary History of the Arabs By R.A. Nicholson P: 242 [۴] الشعر والشعراء لابن قتیبہ ص: ۱۰۴ اور اسی قسم کا مضمون الاصمعی سے الاستیعاب لابن عبد البر الجلد الاوّل ص ۱۲۷ پر بھی مروی ہے۔ [۵] المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص: ۱۸۔

but a poet who is dealing with a confined part of this subject matter: who is leaving out what men consider their major passions. and then by confessing his ignorance of them" [۱]

جہاں ادبی حلقوں میں انہیں دینی ادب کی طرح نظرانداز کیا گیا وہاں دینی حلقوں میں بھی اس کا جائزہ حق ادا نہ کیا گیا کیونکہ اُن حلقوں میں قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر درسی علوم کو فوقیت حاصل رہتی اسلئے مدحیہ شاعری، صرف استراحت کے لمحات ہی میں قابل التفات ٹھہری۔ برصغیر میں تصوف کے زاویوں میں فارسی کی حکمرانی تھی اسلئے یہاں بھی عربی لغت کو ثانوی درجہ ملا، 'المدائح النبویۃ' کے فنی جائزے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خوش عقیدگی اور خوف فسادِ خلق بھی تھا کہ ایسے مقدس کلمات کو کیسے نقد و نظر کے تختے پر چُن دیا جائے۔ ان مختلف اسباب کی وجہ سے مدحیہ شاعری کا باقاعدہ اور سنجیدہ فنی جائزہ نہ لیا گیا اس لئے جو رائے بھی قائم ہوئی وہ مفروضوں پر مبنی تھی، ضرورت علمی سطح پر ان کی قدر و قیمت کے تعین کی ہے تاکہ جو رائے بھی قائم کی جائے اس کی بنیاد میں علمی وجاہت اور تحقیقی پختگی ہو۔

۵۔ 'المدائح النبویۃ' کی شعری حیثیت کو خود مدح نگاروں کے طرزِ عمل سے بھی نقصان پہنچا ہے۔ شعری صلاحیت رکھنے والے لوگ عموماً وہ لوگ تھے جو قابل احترام شخصیات کے مالک تھے، وہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نزاکتوں کو بھی سمجھتے تھے اور شاعری کے رموز و غوامض کو، مگر وہ مدح کو اپنے ضمیر کی آواز اور اپنی عقیدت کا اظہار سمجھتے تھے جس کی نمائش مستحسن نہ تھی، وہ ڈرتے تھے کہ یہ خالص جذبہ کہیں 'ریاکاری' میں شمار نہ ہو جائے۔ وہ شعر کہتے تھے اور اسے اپنی عقیدت کا مظہر سمجھ کر خود ہی حظ اٹھاتے یا گرد و پیش کے چند لوگ متمتع ہوتے، ان مدائح کی شہرت سے بچتے تھے اس طرح بے شمار قصائد دستبُردِ زمانہ کی نذر ہو گئے اور ان کا ذکر صرف سوانحی تذکروں میں ملتا ہے۔ اس کے برعکس شعر کی پُرکاری کے قائل اصحاب اپنے جذبات کے لئے یہی پیمانہ استعمال کرنا ضروری سمجھتے تھے، خلوص و محبت تو تھا ہی مگر بدقسمتی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اس ارادت کا اظہار سوائے شعر کے ہو ہی نہیں سکتا اسطرح ہر وہ شخص جو وزن و قوافی کی سدھ بدھ رکھتا تھا شعر کہنے لگا، عوام نے محبت سے انہیں سُنا، اسطرح یہ شعوری کوشش جو زیادہ تر تصنع کے ذیل میں آتی تھی مقبول ہوتی گئی، ایسے محنت پسند لوگ، اپنی محنت کو ضائع بھی نہیں ہونے دیتے اور یوں ایسا کلام محفوظ بھی ہوتا گیا۔ ایسے درجہ دوم یا اس سے بھی کم تر شعراء کو علماء کرام کی اس تائید نے مزید حوصلہ عطا کر دیا کہ "وَمِنَ المعلوم انّ الهدايا علىٰ قَدْرِ مهديها وحيث لايمكن الوصف على قدر الموصوف بل على قدر الواصف"۔ [۲] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ عمل تو نیک اعمال میں سے ہے اور جسے توفیق حاصل ہو وہی بجا لاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ توفیق ایسے کو ملے جو پوری صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو۔ بخشش کرنا حق تو مالدار ہی کا ہے مگر کیا ضروری ہے کہ وہی ایسا کرے بسا اوقات ایک تنگ دست کو اس سے زیادہ توفیق حاصل ہو جاتی ہے، یہ دلائل اور حقائق اپنی اپنی جگہ بہت وزنی ہیں، مگر سوال پھر بھی یہ ہے کہ اس توفیق کے اظہار کیلئے شعر ہی کا لبادہ کیوں ضروری ہے۔ جبکہ شعر ایک موہبت ہے اور جسے حاصل ہو اُسے ہی حق ہے کہ اس سے کام لے۔ الغرض المدائح النبویۃ کے عظیم ذخیرے میں سے انتخاب کی ضرورت ہے تاکہ معیاری شاعری اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ سامنے آئے۔ مدحیہ شاعری کو کسی ابو تمام (م ۲۳۱ھ) کا انتظار ہے جو کتاب الحماسہ کے انداز پر کتاب المدائح، مرتب کرے تاکہ ایک نکھرا اور ستھرا مجموعہ تیار ہو، تبھی ممکن ہو گا کہ دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں اس صنفِ شریف کو پیش کیا جا سکے اور حالات کا موجودہ دھارا یقین دلا رہا ہے کہ کوئی 'ابو تمام' آیا ہی چاہتا ہے:۔

---

۱ Selected Essays By T.S. Eliot Page : ۳۹۰۔ ۲ عبدالغنی النابلسی۔ نفحۃ القبول فی مدحۃ الرسول کا دیباچہ منقول از المجموعۃ النبھانیہ المجلد الاول ص: ۷۔

"اَلمَدائِحُ النَّبَوِيَّة فِی بَاکِستان وہِند"

برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعِری

"اَلبَابُ الثَّانِی"

۱- مدیح کے مفاہیم،

۲- قدیم عربی روایات،

۳- اسلامی تعلیمات،

الشعر: اظہارِ خیال کے مختلف پیرایوں کو دو وسیع زمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جنہیں نثر اور نظم کہتے ہیں۔ نثر اپنے لغوی مفہوم کی رعایت سے ان حدود کی پابند نہیں ہوتی جو نظم کیلئے ضروری قرار دیے جاتے ہیں۔ نظم میں پیوستگیٔ الفاظ اور موسیقیٔ اصوات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ تاکہ اس کا صوتی آہنگ مربوط اور تاثر منضبط ہو جائے۔ ایسے منضبط اور مربوط کلام کو ہی شعر کہا جاتا ہے۔

شعر کیا ہے! اس بارے میں علمأ ادب نے مختلف او متفاوت نظریات پیش کیے ہیں۔ ان باہم متضاد خیالات کے باوجود شعر کی صنفی تعریف کے ضمن میں اس رائے کو عمومی تائید حاصل رہی ہے کہ "الشعر کلام یُقصد بہ الوزن والتقفیۃ"[1] ابن سیرین (م ۱۱۰ھ) کا قول ہے "الشعر کلام عُقد بالقوافی" ابن قدامہ، ابو الہلال عسکری اور ابن رشیق القیروانی اسی تعریف کے قائل ہیں[2] وزن اور قافیہ شعر کے بنیادی اوصاف ہیں جن کے بغیر شعر کی صورت نمودار نہیں ہوتی اگرچہ قافیہ کی حیثیت وزن کے مقابلے میں ثانوی رہی ہے قافیے کا التزام کیا گیا مگر اسے وزن کی طرح جزوِ لازم نہ گردانا گیا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ مقالہ فن شعر و شاعری ص ۵۲۰ تا ۵۲۲) لیکن یہ اوصاف شعر کی ظاہری صورت اور صوتی آہنگ کے مظاہر ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک خاص ترتیب سے ایک مخصوص ہیئت کا تعین ہی سب کچھ ہے کیا لفظوں کے ڈھیر معانی جو مقصودِ اصلی ہیں کسی ضابطے یا قانون کے پابند نہیں ہیں علمأ شعر اس سوال کے جواب میں بعض ایسی شرائط کا بھی ذکر کرتے ہیں جو صورت (FORM) اور مواد (MATTER) کو محیط ہیں۔ ابن رشیق مقومات شعر کو چار عناصر پر مشتمل قرار دیتا ہے "اللفظ والوزن والمعنی والقافیۃ"[3] اس کے نزدیک وزن و قافیہ اور ان ہر دو کے علاوہ الفاظ اور معانی بھی شعر کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں بلکہ وہ تو انہیں شعر کا جسم و روح قرار دیتا ہے۔[4] اور متعدد علما کا یہ قول نقل کرتا ہے "الشعر ما اشتمل علی المثل السائر والاستعارۃ الرائعۃ والتشبیہ الواقع وما سوی ذلک فانما یقال لہ فضل الوزن"[5] الفاظ اور معانی کا باہمی ربط ہی شعر کی جان ہے۔ الفاظ ذریعہ ہیں معانی تک پہنچنے کا۔ اور اگر الفاظ یہ فریضہ باحسن طریق انجام نہ دیں تو شعر ابلاغ کے بنیادی وصف سے محروم ہو کر ناقابلِ التفات ٹھہرتا ہے! اور اگر معانی مرغوب و محبوب نہ ہوں تو الفاظ کی تراش خراش سعی لاحاصل قرار پاتی ہے اسلئے ان دونوں کا معیارِ مطلوب تک پہنچنا ہی شعر کا حسن ہے۔

"ویروی ان اللفظ جسم و روحہ المعنی وارتباطہ بہ کارتباط الروح والجسم۔ فلابد للشاعر - فی رأیہ - ان یتخیر الالفاظ التی تلیق بالمعانی فاذا اسلم المعنی واختل بعض اللفظ کان ذلک عیبا فی الشعر اما اذا اختل المعنی کلہ وفسد بقی اللفظ فانہا لاقیمۃ لہ، حتی ولو کانت الالفاظ مختارۃ من احسنہا فانہا تعتبر بذلک الفاظا مرصوفۃ لاقیمۃ لہا لفساد معانیہا"[6]

الفاظ و معانی میں جسم و روح کا تعلق ان کی قیمت کا تعین کر دیتا ہے جسم کی سج دھج قابلِ لحاظ ہے۔ مگر یہ سب کچھ روح کے رابطے کے حوالے سے ہے یہ رابطہ نہ ہو تو جسم مردہ ہے۔ اور مردے کو کس قدر بھی عملِ مومیائی سے گزارا جائے باعثِ نشاط نہیں لائقِ عبرت ہی ہے۔

شعر میں معانی کی عظمت کا اعتراف اسکی شعور سے لغوی نسبت کے حوالے سے بھی کیا گیا ہے اور شعر کو شعور کا انعکاس سمجھا گیا ہے ابن رشیق نے واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے کہتا ہے "وانما سمی الشاعر شاعرا لانہ یشعر بما لا یشعر بہ غیرہ۔ فاذا لم یکن عند الشاعر تولید معنی ولا اختراعہ او استظراف لفظ وابتداعہ او زیادۃ فیما اجحف فیہ غیرہ من المعانی او نقص مما اطالہ سواہ من الالفاظ او صرف معنی الی وجہ عن وجہ آخر کان اسم الشاعر علیہ مجازا لا حقیقۃ"[7] امام راغب (م ۵۰۲ھ) نے کہا "وسمی الشعر...

---

[1] محیط الدائرہ ص ۳۱ [2] مرآۃ الشعر ص ۱۹ [3] العمدہ الجزء الاول ص ۷۷ [4] حوالہ مذکورہ ص ۸۰،۱ [5] حوالہ مذکورہ ص ۷۹
[6] الاتجاہات الاسلامیۃ الجدیدہ ص ۱۷۸ [7] العمدہ الجزء الاول ص ۷۳

شاعر اُتیعقطنتہ فی دقتہ مخرفتیہ [1] عربی ادب کے مشہور شاعر و ادیب سید مصطفیٰ لطفی المنفلوطی م ۱۳۴۳ھ کے خیال میں شعر التصویر ناطق ' ہے شاعر اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ اوڑھا کر یوں مشخص کر دیتا ہے کہ سامع اس کے ادراک میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا بلکہ شاعر کے خیالات سے یوں مانوس ہوتا ہے جیسے یہ اس کے اپنے خیالات ہیں۔ اسے ہی تاثیر کہا جاتا ہے جو مقصد شعر ہے المنفلوطی کہتا ہے "لأن قاعدة الشعر المطردة هي التأثير وميزان جودته ما يترك في النفس من الأثر .... وتصوير ما في نفسه للسامع تصويرًا يكاد يراه بعينه ويلمسه ببنانه فيمتزج شريكه في حسه ووجدانه" [2]

شعر یوں تو وزن و قافیہ کے ضابطوں سے ترتیب دیا ہوا ایک تلی کلام ہے مگر حقیقتاً اس میں شاعر کے اندرونی خواہشات اور داخلی شعور کی ایسی سچی جھلک ہوتی ہے کہ ہر سامع اسے اپنے دل کی آواز اور اپنی روح کی تڑپ خیال کرتا ہے اس لیے شعر اپنے مجموعی کیفیت میں نہ تو صرف وزن و قوافی کا مظہر اور نہ صرف لغوی تراکیب کا مجموعہ اور خیالات شاعر کا مرقع ہے بلکہ یہ سب جوانب کا جامع ہے۔ اور تمام مقومات کا ایسا مجموعہ ہے جس میں یہ سب ایک دوسرے سے پیوست ہو کر ایک اکائی بن گئے ہیں خواد اکرام البستانی کہتا ہے:

" ليس الشعر بالمعاني وبالصور ولا بالتراكيب اللغوية ولا بالصناعة العروضية ولا بالموسيقى اللفظية، انما الشعر كل هذا متوحدًا حتى لا انفصام لأجزائه" [3]

یہ تاثر کی اکائی ہے اور اسی صورت میں ممکن ہے کہ جذبہ صادقہ سے ناشی ہو۔ عربوں کے ہاں شعر کا یہی رخ معتبر تھا۔

عربوں کے ہاں شاعری کی حیثیت:

عرب بادیہ نشین تھے اور بادیہ پیمائی ان کی عادت تھی۔ زمین کا سبزہ روئیدگی کی ہر نعمت سے محروم تھا۔ اس لیے حصول رزق کیلئے سفر ان کی مجبوری تھا۔ اس سفر نے انہیں مشاہدے کی بے پناہ قوت عطا کر دی تھی۔ کھلا آسمان اور زمین کی بے رونق جہاتی انہیں دور تک دیکھنے کی عادی بنا گئی تھی۔ رواں دواں زندگی میں صحرائی رابطوں نے ان میں محبت و نفرت کے جذبات کو شدید تر کر دیا تھا۔ اس کھلی فضا میں قبائلی طرز معاشرت ہی تحفظ ذات کا باعث بن سکتی تھی۔ اس لیے عرب مختلف قبیلوں میں بٹ چکے تھے۔ قبائلی عصبیت نے اپنوں سے پیار اور دیگر قبائل سے بگڑنے کا شعور عطا کیا تھا اور یوں عرب چند متحارب قبائل کے روپ میں زندگی گزارنے پر مجبور رہتے۔ حرف ناآشنائی نثری ادب کیلئے معاون نہیں ہوتی۔ اسلیئے صحرائی ادب عموماً شعری صورت ہی اختیار کرتا ہے۔ عربوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ شاعری ان کی مجبوری بھی تھی اور ان کے بدویانہ جذبات کے اظہار کیلئے مناسب بھی۔ اسلامی سلطنت کی ابتداء تک شاعری ہی عربوں کا واحد ذریعۂ اظہار تھی۔ ڈاکٹر نکلسن نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

In Those days Poetry was no
Luxury for the Cultured few, but the Sole medium of Literary
expression.[4]

---

[1] المفردات فی غریب القرآن ص ۲۶۲ ماده شعر [2] المطالعہ للصف الثالث الثانوی ص ۲۲۴ [3] الروائع (۲) ابو الطیب المتنبی ص: ۷۲۔

[4] A Literary History of the Arabs By R. A Nicholoson P. 72

عربوں کی شاعری ان کے داخل کی ترجمان ان کے خیالات کی مبلغ اور ان کے مشاہدات کی حکایت تھی۔ وہ کھلی آنکھ سے فطرت کا مشاہدہ کرتے تھے۔ اور آنکھ جو دیکھتی تھی لب اس کے اظہار کا ذریعہ بنتے تھے ان کا اپنا خیال لفظوں میں ڈھلتا تھا اور ان کے اپنے نظریات و معتقدات شعروں کے روپ میں عکس ریز ہوتے تھے۔ وہ نہ الفاظ مانگتے تھے اور نہ خیالات چراتے تھے تصنع، بناوٹ، خود فریبی یا فریب دہی نہ انہیں مرغوب تھی اور نہ وہ دوسروں سے اس کی توقع رکھتے تھے۔ ان کے خیالات ذاتی اور مشاہدات واردات تھے اسلئے ان میں تاثیر کی بے پناہ قوت تھی۔ ڈاکٹر نکلسن کا کہنا ہے کہ

"Their unwritten words flew across the desert faster than arrows and came home to the hearts and bosoms of all who heard them."[1]

صحرائی فطرت نے عربوں کو تہذیبی منافقت سے دور رکھا تھا۔ اسلئے ان کے نزدیک شعری حقیقت واقعاتی حقیقت سے مختلف چیز نہ تھی شعر کا حسن یہ تھا کہ اس کی صداقت سب کے نزدیک مسلم ہو ہر سامع پکار اٹھے کہ قَدْ صَدَقْتَ تو نے سچ کہا زہیر بن ابی سلمیٰ شعر کی اس حیثیت کا یوں تذکرہ کرتا ہے کہ

وان احسن بیت انت قائلہ بیت یقال اذا انشدتہ صدقا[2]

یہی صداقت شعاری تھی جس نے شعر کو عظمت عطا کی تھی عربوں کے ہاں شاعر ہونا قابل فخر وصف تھا۔ شاعری عربوں کے نزدیک بے کاروں کا مشغلہ نہ تھی بلکہ موہبت خاص کی دلیل تھی۔ شاعر عرب معاشرت کا دستکار اور افرد نہ تھا بلکہ معزز و محترم شخصیت تھا جس کی بات سنی جاتی تھی جس کا حکم مانا جاتا تھا علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء) نے سچ کہا تھا کہ "عرب میں قوم کی باگ شعراء کے ہاتھوں میں تھی وہ قوم کو جدھر چاہتے تھے جھونک دیتے تھے اور جدھر سے چاہتے روک لیتے تھے"[3] ڈاکٹر نکلسن کا کہنا ہے * The Pagan Shair is the oracle of his tribe, their guide in Peace and their Champion in War."[4]

عرب شاعر عزت کا محافظ قومی عزت کا امین اور قبائلی کارناموں کا ناقوس تھا۔ اسلئے کسی قبیلے میں شاعر کی نمود ایک جشن کا ساسماں پیدا کر دیتی تھی ابن رشیق کہتے ہیں

" کانت القبیلۃ من العرب اذا نبغ فیھا شاعر اتت القبائل فھنأتھا وصنعت الاطعمۃ واجتمع النساء یلعبن بالمزاھر کما یصنعون فی الاعراس ویتباشر الرجال والولدان لانہ حمایۃ لاعراضھم وذب عن احسابھم وتخلید لمآثرھم واشادۃ بذکرھم۔ وکانوا لا یھنؤن الا بغلام یولد او شاعر ینبغ فیھم او فرس تنتج"[5]

عربوں میں شاعر کی عظمت کا تصور عجم کے حوالے سے نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ عجمی شاعر کی وہ منزلت نہ تھی جو ایک عرب شاعر کو حاصل تھی۔ "ایران بلکہ تمام ایشیا میں شاعری تفریح طبع کی چیز تھی اس لیے الوری نے ایک قطعہ میں ثابت کیا ہے کہ انسانی جماعت میں شاعر کی اتنی بھی ضرورت نہیں جتنی کہ بھنگی اور خاکروب کی ہے لیکن عرب میں شاعر ایک جرنیل ایک فاتح اور ایک سردار قوم کا رتبہ رکھتا تھا"[6] اسی لیے آپ جیسے جرنل فاتح، سردار کی دریافت پر مسرت وشادمانی کے زمزمے بجاتے اور جشن مناتے جبکہ " خلاف اس کے ایران میں کوئی شخص شاعری میں در آتا تھا تو قوم سمجھتی تھی کہ گداگروں کی فہرست میں ایک نام کا اور اضافہ ہوا ہے"[7]

عربی شاعری کے بے پناہ اثرات کا حوالہ ڈاکٹر لی بان نے ان الفاظ میں دیا:

" ان (یعنی عرب شعراء) کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ قریش نے اعشیٰ شاعر کو سو اونٹ محض اس لیے دیے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدح میں جو اشعار اس نے لکھے تھے ان کی اشاعت نہ کرے"[8]

---

① حوالہ مذکورہ ② العقد الفرید الجزء الثالث ص: ۳۱۳ ③ شعر العجم جلد چہارم ص: ۸۴ ④ A Literary History of the Arabs by R.A. Nicholson P. 73 ⑤ العمدۃ الجزء الاول ص ۴۶ ⑥ شعر العجم علامہ شبلی نعمانی جلد دوم ص: ۲۶ ⑦ حوالہ مذکورہ ص: ۲۶ ⑧ تمدن عرب اردو ترجمہ ص: ۳۹۴

ان بیانات سے مترشح ہوا کہ عربوں کے ہاں شعراء نہایت بلند مقام پر فائز تھے۔ .. عزت و ناموس کے محافظ اور قومی مفاخر کی تشہیر کے ذمہ دار سمجھے جاتے تھے یہ قدر و منزلت انہیں اس لیے حاصل تھی کہ وہ خلوصِ دل سے اپنی قوم کی سربلندی کے خواہاں تھے۔ وہ قوم کیلئے جیتے تھے اور قوم انہیں اپنا محسن گردانتی تھی وہ اپنے جذبات میں مخلص اور اظہار میں صداقت شعار تھے۔ وہ قومی تفاخر کو معنوی بیساکھیاں مہیا کرتے تھے بلکہ ان کے الفاظ کا ہر ہر لفظ تاریخی صداقتوں کا مظہر اور ناقابلِ تردید حقائق کا عکس ہوتا تھا ان کی عظمت کا اعتراف دراصل صداقت و خلوص کا اعتراف تھا شاعری کی یہ قابلِ رشک حیثیت اور شاعر کا محمود مقام ذمہ داری کا متقاضی تھا عرب معاشرے نے شاعر کو بلند رتبہ عطا کیا تھا اس لیے ضروری تھا کہ ایسی حیثیت کا حامل شاعر جب کسی موضوع کو اپنے فنی اظہار کیلئے منتخب کرے تو اس کا اندازِ اخذ و ترک بھی پروقار اور قومی وقار کے لائق ہو مختلف اصنافِ سخن کے حوالوں سے شاعر کی حیثیت اور شخصیت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے مگر اختصار کے پیشِ نظر صرف ایک دو اصناف کے تذکرے پر اکتفا مناسب ہوگا۔

نسیب :

عشقیہ شاعری پوری دنیا کے شعراء کے ہاں مشترک صنفِ سخن ہے انسان فطرتاً اس کی جانب جھکاؤ رکھتا ہے اور غزلیہ اشعار دل پر اثر بھی بہت چھوڑتے ہیں عربوں کے ہاں جذباتِ محبت کی فراوانی ہے اور وہ برملا ان جذبات کا اظہار بھی کرتے ہیں وہ نازیبا انتسابات اور وضعی قولوں سے متنفر ہیں۔ وہ جذباتِ محبت پر معنوی تقدیس لگا کر اسے "در حدیثِ دیگراں" بیان کرنے کے عادی نہیں ہیں وہ جس کو چاہتے ہیں بلا خوف لومۃ لائم اس کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اس فطری جذبے کے بہاؤ کے آگے خودساختہ بندشوں کے بند نہیں باندھتے۔ اس لیے ان کے جذبات میں اپنائیت اور ان کے اظہار میں والہانہ پن ہے۔ امرؤ القیس ہو یا زہیر، طرفہ ہو یا عمرو بن کلثوم ان کے ہاں محبوب ایک زندہ اور متحرک وجود ہے صرف شاعری کے تخیل کی صورت گری نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں امرد پرستی کوئی مقام حاصل نہ کر سکی وہ غیر فطری تصورِ محبت سے مانوس نہ تھے۔

فخریہ شاعری :

عربی شاعری کا معتدبہ حصہ فخریہ اشعار پر مشتمل ہے مگر یہ فخر اپنی صلاحیت کے اظہار، اپنی حیثیت کے تعین اور اپنے خصائل و فضائل کے بیان کا ایک ذریعہ ہے۔ ان کی فخریہ شاعری کا بغور جائزہ لیا جائے تو ایک باہمت انسان ہی کا وجود مترشح ہوتا ہے وہ بہادر تھا کے زعم میں نہ خوشے سمیٹتے ہیں اور زعمِ من بلکہ وہ سیدھے سادے صاحبِ عزت و حمیت انسان تھے جنہوں نے غیرت پسندی کے شوق میں اپنی جان کو بہت سستا بنا رکھا تھا نہ وہ خود کمینگی کو پسند کرتے تھے اور نہ ہی انہیں کمینہ دشمن پسند تھا وہ معزز تھے اس لیے معزز دشمنوں سے ہی مقابلہ روا تھا کم حیثیتوں کو منہ لگانا بہادری نہیں شرافت کی نفی سمجھا جاتا تھا اور اس معاملے میں وہ طبقاتی کشمکش کا شکار ہو گئے تھے ان کی انا اس قدر منہ زور تھی کہ اپنے سے کم تر کے وجود کو گوارا ہی نہ کرتے تھے۔ جنگِ بدر میں عتبہ بن ربیعہ کا انصارِ مدینہ کے ساتھ رزم آرائی کو کسرِ شان سمجھنا[1] اسی خودنفسی کا اثر تھا۔

اسی طرح دیگر اصنافِ سخن میں بھی ان کی فطرت پسندی اور حقیقت آشنائی نمایاں ہے۔ وہ اظہار کے سچے اور کھرے تھے اُن کا شعور واقعاتی تھا اس لیے ان کے شعروں میں صدقِ روایت کی ایک جھلک ہے۔ حسن الزیات کہتے ہیں "فمن خصائصه الصدق في تصوير العاطفة وتمثيل الطبيعة فلا تجد فيه كلفاً بالزخرف ولا تكلفاً في الأداء"[2]

---

① سیرۃ النبی لابن ہشام، الجزء الثانی ص: ۲۶۵ ② تاریخ الادب العربی للزیات ص: ۳۲

یہ تھی عربی شاعری کی فضا اور یہ تھا شاعر کا مرتبہ و مقام جب جزیرہ نمائے عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینِ اسلام کی طرف دعوت کا آغاز کیا۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس لیے اسلامی تعلیمات فطری جذبات و احساسات کی تسکین کے تمام اسباب کی حامل ہیں۔ بے جا قدغنیں یا بے جا آزادی اسلام کی معتدل روش کے مطابق نہیں ہیں۔ اسلام کے نزدیک تحسین و تفریح کے ضابطے بڑے واضح اور قابلِ فہم ہیں۔ قوتِ اظہار انسان کا فطری جذبہ ہے اس لیے انسان سے اسلام یہ فطری حق سلب نہیں کرتا بلکہ اسے اخذ و ترک کے درست پیمانے عطا کر کے فیصلے کا حق عطا کرتا ہے "وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ"[1] اور "فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ"[2] کے ارشادات اسی اختیار کی توثیق کرتے ہیں۔ قوتِ اظہار کا حق انسان کو اختیار دیتا ہے کہ چاہے تو نثر میں اس حق کو استعمال کرے اور چاہے تو نظم میں۔ نظم و نثر دو مختلف اندازِ کلام ہی تو ہیں۔ اور دونوں ہی پر انسان کا حق تسلیم کیا گیا ہے اس لیے دورِ اسلامی میں بھی شاعری کسی بنیادی پابندی کے بغیر رواج پذیر رہی۔ اور اسلامی دنیا کے نہایت محترم افراد اسے اظہار کے ذریعے کے طور پر استعمال کرتے رہے۔ اسلام چونکہ صورت سے زیادہ سیرت کی اہمیت کا قائل ہے "إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَلَا إِلَى أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ"[3]۔ اس لیے بہ حیثیت نثر کی ہو یا نظم کی اس پر کوئی حکم نافذ نہیں کیا جا سکتا جب تک ان کے مندرجات کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے۔ برا خیال فاسد نظریہ بہر حال قابلِ مذمت ہے نظم میں ہو یا نثر میں جبکہ اچھا خیال اور عمدہ نظریہ قابلِ قدر ہے نظم کے قالب میں ہو یا نثر کے روپ میں۔ باطل نظریات کا مبلغ شعر قابلِ مذمت ٹھہرا تو یہ مغالطہ پیدا ہوا کہ شاید شعر فی نفسہٖ قابلِ نفرت ہے یہ استنتاج کا سقم اور استخراج کی کوتاہی تھی اس مغالطے نے بعض اہلِ علم تک کو متاثر کیا اور شعر کے خلاف ایک معاندانہ سی فضا قائم ہو گئی بہتر ہو گا کہ آگے بڑھنے سے پہلے ہم اس مغالطے کو دور کر لیں تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

الشِّعرُ فی رأیِ النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تعلیماتِ اسلامیہ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں "شعر" کا مقام اور شاعری کی حیثیت کے تعین کیلیے ضروری ہے کہ موافق و مخالف تمام روایات کا ممکن حد تک احصار کر لیا جائے تاکہ طرفین کی موجودگی میں محاکمے کا عمل آسان رہے۔ موضوع کی مناسبت سے چند مشہور روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ موافق روایات

ا۔ "إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً"[4]

۔ "إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكَمًا"[5]

۔ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا وَإِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكَمًا[6]

اسی قبیل کی ایک قدرے تفصیلی حدیث سنن ابی داؤد میں صخر بن عبداللہ بن بریدہ سے اپنے باپ اور دادا کے حوالے سے مذکور ہے

---

① البلد ۱۰ ② الکہف ۲۹ ③ صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم ظلم المسلم الجلد الاوّل ص ۳۱۷

④ جامع الترمذی الجلد الثانی ص ۱۲۶ عن عبداللہ باب ما جاء ان من الشعر حکمۃ، سنن ابی داؤد الجلد الثانی صفحہ ۶۸۴ عن ابی بن کعب کتاب الادب باب ما جاء فی الشعر، سنن ابن ماجہ الجلد الثانی صفحہ ۲۷۳ عن ابی بن کعب باب الشعر، تاریخ بغداد الجلد الثالث صفحہ ۹۸ عن عبدالرحمٰن بن عبداللہ عن ابیہ ⑤ جامع ترمذی جلد ثانی باب ما جاء ان من الشعر حکمۃ ص ۱۲۶ عن ابن عباس، سنن ابن ماجہ الجلد الثانی باب الشعر ص ۲۷۳ عن ابن عباس ⑥ سنن ابی داؤد الجلد الثانی کتاب الادب باب ما جاء فی الشعر ص ۶۸۴ عن ابن عباس، طبقات الشافعیہ الکبریٰ الجزء الاول ص ۱۱۶

وروی ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قال لیلۃ وھو فی بعض اسفارہ این حسان بن ثابت؟ فقال حسان لبیک یا رسول اللہ وسعدیک قال: احد فجعل ینشد ویصغی الیہ فما زال یستمع الیہ وھو سائق راحلتہ حتی فرغ من انشادہ فقال علیہ السلام لھذا اشد علیھم من وقع النبل ۱؎

۔ خزاعی الاذور کے حالات میں ہے کہ جب حاضر دربار ہوئے تو آپ نے شعر کہے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ھیہ" پس انہوں نے چار شعر کہے ۲؎

۔ خنساء مشہور شاعرہ نے جب اسلام قبول کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کئی اشعار سنے اور بلکہ وہ پڑھتی تو آپ فرماتے ھیہ یا خناس ۳؎

۵ ۔ عن عائشۃ قالت استاذن حسان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھجاء المشرکین قال کیف بنسبی فقال حسان لاسلنک منھم کما تسل الشعرۃ من العجین ۴؎

۔ عن عائشۃ قالت قال حسان یا رسول اللہ ائذن لی فی ابی سفیان قال کیف بقرابتی منہ قال والذی اکرمک لاسلنک منھم کما تسل الشعرۃ من الخمیر ۵؎

۵ ۔ عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یضع لحسان منبرا فی المسجد فیقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما ینافح او یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۶؎

۔ عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع لحسان منبرا فی المسجد فیقوم علیہ یھجو من قال فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس مع حسان ما نافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷؎

۔ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی لحسان بن ثابت فی المسجد منبرا ینشد علیہ الشعر ۸؎

۔ عن سعید بن المسیب قال انشدک اللہ اسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر عمر فی المسجد وحسان ینشد فقال کنت انشد فیہ وفیہ من ھو خیر منک ثم التفت الی ابی ھریرۃ فقال انشدک اللہ اسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اجب عنی اللھم ایدہ بروح القدس قال نعم ۹؎

ایک روایت میں حضرت عمرؓ کے گزرنے اور ٹوکنے جیسے الفاظ کے ساتھ ہی واقعہ موجود ہے ۱۰؎

۔ عن عروہ بن الزبیر قال ذھبت اسب حسان عند عائشۃ فقالت لا تسبہ فانہ کان ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وفی روایۃ لابی یعلیٰ) ۱۱؎

عن اسماء بنت ابی بکرؓ قالت مر الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بمجلس اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحسان ینشدھم وھم غیر اذنین لما یسمعون من شعرہ فقال مالی اراکم غیر اذنین لما تسمعون من شعر ابن الفریعۃ لقد کان ینشد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیحسن استماعہ ویجزل علیہ ثوابہ ولا یشتغل عنہ اذا انشدہ ۱۲؎

۔ عن ابن عائشۃ قال انشد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قول عنترۃ:

ولقد ابیت علی الطوی واظلہ ۔ حتی انال بہ کریم المأکل ۔

فقال صلی اللہ علیہ وسلم ما وصف لی اعرابی قط فاحببت ان اراہ الا عنترۃ ۱۳؎

۔ عن ابی ھریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اشعر کلمۃ تکلمت بھا العرب کلمۃ لبید۔

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل ۱۴؎

۔ عن جابر بن سمرۃؓ قال جالست النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من مائۃ مرۃ فکان اصحابہ یتناشدون الشعر ویتذاکرون اشیاء من امر الجاھلیۃ وھو

---

① المؤلفۃ من الشعراء لکنہ سیارک ص ۳؎ ② اسد الغابۃ الجزء الثالث ص ۳؎ ③ الاصابۃ الجزء الرابع ص ۲۸۰ ④ صحیح البخاری المجلد الاول کتاب المناقب باب من احب ان لا یسب نسبہ ص ۵۰۰ ⑤ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الفضائل باب فضائل حسان ص ۳۰۱ ⑥ جامع الترمذی المجلد الثانی باب ما جاء فی انشاد الشعر ص ۱۳۶ ۔ المجلد الثانی کتاب المغازی باب الافک ص ۵۹۶ ⑦ سنن ابی داؤد المجلد الثانی کتاب الادب باب ما جاء فی الشعر ص ۶۸۴ ⑧ العمدۃ الجزء الاول ص ۹ ⑨ صحیح البخاری المجلد الاول کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ ص ۴۵۶ ، سنن نسائی المجلد الاول کتاب المساجد باب الرخصۃ فی انشاد الشعر ص ۱۱۸ ⑩ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الفضائل باب فضائل حسان ص ۳۰۰ ⑪ صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب المغازی باب الافک ص ۵۹۶ والمجلد الاول کتاب المناقب باب من احب ان لا یسب نسبہ ص ۵۰۰ ⑫ العمدۃ الجزء الاول ص ۱۲ ⑬ کتاب الاغانی المجلد الثامن ص ⑭ جامع الترمذی المجلد الثانی باب ما جاء فی انشاد الشعر ص ۱۳۶

سامعت مزبا یتبسم معهم [۱]

۹ ۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کیلئے منبر کا بچھایا جانا، مسجد نبوی میں شعر پڑھنا اور بے سنانا۔ یہ سب شعر کی قدر و قیمت کے مظاہر ہیں جن کے حوالے درج کیے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے اشعار پر تحسین اور دیگر صحابہ کے اشعار پر خوشگوار ردعمل بھی شعر کو سند قبولیت عطا کر رہا ہے۔ دربار رسالت میں شعراء کا کلام اور اس پر انعامات و نوازشات کی فہرست طویل ہے چند ایک کا ذکر مناسب ہوگا۔

حضرت حسان نے جب دربار رسالت میں اپنا ہمزیہ قصیدہ پیش کیا اور یہ شعر پڑھا

هجوت محمداً فاجبت عنه . وعند الله في ذاك الجزاء .

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جزاؤك على الله الجنة يا حسان" [۲]

اسی طرح جب آپ اس شعر پر پہنچے

فان ابي ووالده وعرضي . لعرض محمد منكم وقاء

تو ارشاد ہوا "وقاك الله يا حسان حر النار" [۳]

روایت ہے کہ جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ قصیدہ پڑھا جس کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔

شهدت باذن الله ان محمداً . رسول الذي فوق السموت من عل

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "كان يقول بعد كل بيت وانا اشهد" [۳]

۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ جب اپنے سابقہ کردار پر منفعل ہو کر حاضر دربار ہوئے تو اپنا مشہور مدحیہ قصیدہ بانت سعاد پیش کیا، قصیدہ مکمل ہوا تو دربار رسالت سے نوازش ہوئی فكساه النبي صلی اللہ علیہ وسلم بردة اشتراها معاوية بن ابي سفيان من آل كعب بن زهير بمال كثير وهي البردة التي يلبسها الخلفاء في العيدين [۴]

الاصابہ میں ہے "فكساه النبي صلی اللہ علیہ وسلم بردة له فاشتراها معاوية من ولده وهي التي يلبسها الخلفاء في الاعياد [۵]

العمدہ نے قیمت خرید کی وضاحت کی۔ "وصيله بردته فاشتراها منه معاوية بثلاثين الف درهم ... وقال العتبي لعشرين الفاً وهي التي يتوارثها الخلفاء ويلبسونها في الجمع والاعياد تبركا بها" [۶]

ڈاکٹر شوقی ضیف نے بھی بیس ہزار کا ذکر کیا ہے [۷]

بروکلمان نے قصیدے کی شہرت اور دوام کا بھی ذکر کیا۔ کہا ہے "فكسا النبي بردة اشتراها معاوية بعد ذلك بعشرين الف درهم وهي التي كان يلبسها الخلفاء في العيدين سميت قصيدة البردة وهي من اشهر اشعار العرب، والبيت السائر حلة مجد لا يبلى" [۸]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں خریم بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے سنا آپ کہہ رہے تھے "يارسول الله اني اريد ان امتدحك فقال له النبي صلی اللہ علیہ وسلم قل لا يفضض الله فاك" پھر آپ نے نامیہ قصیدے کے چند اشعار پڑھے [۹]

۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چہرہ انور کی ضوفشانی پر اظہار مسرت فرمایا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا

---

(۱) جامع الترمذی المجلد الثانی باب ما جاء فی انشاد الشعر ص ۱۲ (۲) دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۸ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۹ (۴) شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۳۶ (۵) طبقات الشافعیۃ الکبری الجزء الاول ص ۳۱ (۵) الاصابہ الجزء الثالث ص ۲۶۹ (۶) العمدہ الجزء الاول ص ؟ (۷) تاریخ الادب الاسلامی ؟ العصر الاسلامی ص ۸۵ (۸) تاریخ الادب العربی بروکلمان الجزء الاول ص ۱۵۶

(۹) الاستیعاب المجلد الاول ص ۱۶۱ ۔ الملل والنحل الجزء الثالث ص ۲۸۹ حاشیہ

کہ وجہ حیرت کیا ہے۔ عرض کیا آپ کی پیشانی سے نور پھوٹ رہا ہے۔ ابوکبیر الہذلی نے یہ نورانیت دیکھی ہوتی تو وہ اپنے شعروں کا مصداق اپنی جگہ پوچھا کون سے شعر۔ عرض کیا

ومبرّءٍ من کل غبّر حیضۃ — وفساد مرضعۃ وداء مغیل

واذا نظرت الی اسرۃ وجھہ — برقت کبرق العارض المتھلل

قالت فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبّل بین عینیّ وقال جزاک اللہ یا عائشۃ عنی خیراً ما سررت منی کسروری منک۔ ۱۔

النابغۃ الجعدی اپنے قبیلے بنی جعدۃ کے ساتھ حاضر دربارِ رسالت ہوئے تو اپنا قصیدہ پیش کیا جب اس شعر پر پہنچے کہ

بلغنا السماء مجدنا وجدودنا . وانا لنبغی فوق ذلک مظھرا

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی این یا ابا لیلیٰ قال فقلت الی الجنۃ قال نعم ان شاء اللہ تعالیٰ فلما انشدتہ

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن لہ — بوادر تحمی صفوہ أن یکدرا

ولا خیر فی جھل اذا لم یکن لہ — حلیم اذا ما اورد الأمر اصدرا

فقال رسول صلی اللہ علیہ وسلم لا یفضض اللہ فاک ۔ قال وکان من احسن الناس ثغراً وکان اذا سقطت لہ سن نبتت اخری ۲۔
عبداللہ بن جراد کی روایت ہے قال فنظرت الیہ کان فاہ البرد المنھل ثلاثاً ودبیرق ما سقطت لہ سن ولاتفلتت لقول رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اجدت لا یفضض اللہ فاک ۳۔

العباس بن مرداس نے مدحیہ اشعار کہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقطعوا عنی لسانہ قالوا بما ذا یا رسول اللہ فامرلہ بحلۃ قطع بھا لسانہ ۴۔
اسی روایت کا حوالہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ھ) کو دیا گیا ۵۔

عبداللہ بن رواحۃ رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مدحیہ اشعار پڑھے تو ان میں یہ بھی پڑھا۔

فثبت اللہ ما آتاک من حسن . تثبیت موسیٰ ونصراً کالذی نصروا

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانت فثبتک اللہ یا ابن رواحۃ ۶ طبقات ابن سعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یوں روایت ہوئے ہیں
"فاقبل بوجھہ متبسماً وقال : وایاک فثبت اللہ ۔ ۷

اسی طرح غزوۃ الفنا میں عبداللہ بن رواحۃ رضی اللہ عنہ کے اشعار سن کر ارشاد ہوا۔ اللّٰھم ارحمہ فقال عمر رضی اللہ عنہ وجبت ۸۔
ابوجرول زہیر بن صرد رضی اللہ عنہ نے جنگ حنین کے موقع پر جبکہ بنو ہوازن کے بچے اور عورتیں اسیر کرلیے گئے۔ رضاعت کا وہ واسطہ دیا جو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہوازن میں قائم ہوچکا تھا کہ " امنن علی نسوۃ قد کنت ترضعھا اذ فوک تملاہ من محضھا الدرر اور
چند دیگر اشعار بھی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اما ما کان لی ولبنی عبدالمطلب فلکم وقالت الانصار ما کان لنا فللہ ولرسولہ فردت الانصار ما
کان فی ایدیھا من الذراری والاموال ۹ ۔ عبداللہ بن الزبعری مکے کے ان شعراء میں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکالیف پہنچاتے
اور شدید ہجو لکھتے مگر جب اسلام قبول کیا تو معذرت چاہی اور سابقہ اعمال کی تلافی کیلئے مدحیہ اشعار کہے ان میں یہ بھی تھے ۔

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۲۵۳ معمولی تغیر الفاظ کے ساتھ حلیۃ الادباء الاصفہانی الجزء الثانی ص ۴۶ ۔ (۲) الاستیعاب المجلد الاول ص ۳۱۱ الفاظ کی معمولی تغیر کے ساتھ یہی روایت الاصابہ الجزء الثالث ص ۵۰۹ ، ۵۱۰ ۔ اسد الغابۃ الجزء الخامس ص ۳ ، العقد الفرید الجزء الاول ص ۲۸۶ تاریخ الادب العربی (۲) الشعر الاسلامی ص ۱۰۱ پر بھی موجود ہے
(۳) الاستیعاب جلد الاول ص ۳۱۱ (۴) العقد الفرید الجزء الثالث ص ۱۰۲ (۵) وفیات الاعیان الجزء الثالث ص ۱۵۹ حاشیہ ۔ (۶) الاستیعاب المجلد الاول ص ۳۵۰ ۔ اسد الغابۃ الجزء الثالث ص ۱۵۶ (۷) طبقات ابن سعد الجزء الثالث ص ۱۳۶ ، العقد الجزء الاول ص ۸۶ ۔ (۸) طبقات ابن سعد الجزء الثالث ص ۵۲۶ (۹) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد اول ص ۱۳۸ ۔ الاستیعاب المجلد الاول ص ۱۹۹ ۔ تاریخ بغداد المجلد السابع ص ۱۰۲ بتغیر یسیر

انی لمعتذر الیک من الذی . اُسدیت إذا أنا فی الضلال اھیم

۔ ۱ اور چند دیگر اشعار کہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطرحت الحلیۃ یعنی خلوت انعام میں دینے کا حکم دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے سفر پر تھے کہ عامر بن الاکوع نے شعر سنائے اس پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرحمہ اللہ فقال عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وجبت واللہ یا رسول اللہ ۔ ۲ ۔

قیس بن الربیع نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی پھر مدینہ آنے سلام کیا تو آپ نے اعراض فرمایا اس پر معذرت چاہنے کیلئے چند شعر کہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنے فطاب قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لحسن اعتذارہ وقال من لم یقبل من متنصل عذرا صادقا کان اوکاذبا لم یرد علی الحوض ۳ ۔

قتیلہ بنت النضر بن الحارث کا باپ النضر بن حارث قتل کر دیا گیا۔ قتیلہ نے باپ کی جان بخشی کیلئے چند اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھے یا ارسال کیے۔ فلما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک بکی حتی اخضلت الدموع لحیتہ وقال لو بلغنی شعرھا قبل ان اقتلہ لعفوت عنہ ۴ ۔

عن عبداللہ بن دینار عن ابیہ قال سمعت ابن عمر یتمثل بشعر ابی طالب :

وَ ابیض یُستسقی الغمامُ بوجھہ . ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

وقال عمر بن حمزۃ حدثنا سالم عن ابیہ وربما ذکرت قول الشاعر وانا انظر الی وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یُستسقی فما ینزل حتی یجیش کل میزاب ۵

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مدینہ میں قحط پڑا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور بارش کی دعا کی۔ فوراً بارش ہوئی جو اس قدر شدید تھی کہ لوگ غرق ہوجانے سے ڈرنے لگے۔ آپ نے پھر دعا مانگی۔ اَللّٰھُمَّ حوالینا ولا علینا تو بادل پھٹ گیا۔ اس پر فرمایا "لوادرک ابوطالب ھذا الیوم لسرہ" بعض صحابہ نے وابیض یُستسقی الغمام بوجھہ..... کا حوالہ دیا تو فرمایا اَجل ۶ ۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصدق کلمۃ قالھا الشاعر کلمۃ لبید :

اَلا کلُّ شیئٍ ماخلا اللہ باطل وکاد اُمیۃ بن ابی الصلت (ان یسلم) ۔ ۷ ۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اشعر کلمۃ تکلمت بھا العرب کلمۃ لبید

اَلا کلُّ شیئٍ ماخلا اللہ باطل ۸ ۔

رجزیہ انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اشعار کی ادائیگی منقول ہے۔ مثلاً

مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر صحابہ نے رجزیہ اشعار پڑھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ شعر پڑھ کر جواب دیتے

اَللّٰھُمَّ لا خیرَ الا خیرُ الآخرہ . فاغفر الانصار و المھاجرۃ ۹

---

① الاصابۃ الجزء الثانی ص ۳۰۰ ۔ ② طبقات ابن سعد الجزء الرابع ص ۳۰۳ ③ اسد الغابۃ الجزء الرابع ص ۲۱۳ ④ الاستیعاب المجلد الثانی ص ۷۵۶، العمدہ الجزء الاول ص ۳۱ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ الجزء الاول ص ۱۳۲ ⑤ صحیح البخاری جلد اول ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ص ۳۴ ⑥ سیرت ابن ہشام جزء اول ص ۲۹۸ ۔ ⑦ صحیح البخاری جلد اول کتاب المناقب باب ایام الجاھلیۃ ص ۵۴۱ ۔ ⑧ جامع الترمذی جلد ثانی ص ۱۲۶ باب ماجاء فی انشاد الشعر۔ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الشعر ص ۲۳۹، ۲۴۰ مسند احمد جلد ثانی باب الشعر ص ۲۴۵ پر بھی بروایت بتغیر یسیر موجود ہے۔ ⑨ صحیح بخاری المجلد الاول کتاب الصلوۃ باب ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ص ۶۱

اکثر روایات میں یہ شعر معمولی تغیر کے ساتھ غزوہ خندق کی مناسبت سے نقل ہوا ہے مثلاً

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ صحابہ کو خندق کھودتے دیکھا تو فرمایا

اللّٰھُمَّ اِنَّ العَیشَ عَیشُ الآخِرَۃ — فاغفِر الانصار والمہاجِرۃ

قالوا مجیبین لہٗ: نحن الذین بایعوا محمداً — علی الجہادِ ما بقینا ابداً [1]

ایک دوسری روایت میں شعر کی ترتیب یوں ہے: اللھم انہ لاخیر الا خیر الآخرہ — فبارک فی الانصار والمہاجرۃ [2]

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ — فاکرم الانصار والمہاجرۃ [3]

ایک روایت میں فاکرم کے بجائے فاصلح [4] اور دوسری میں فاغفر المہاجرین والانصار کے الفاظ مروی ہیں۔ یہی روایت بخاری الجلد الثانی کتاب المغازی باب غزوہ خندق ص ۵۸۸ پر سہل بن سعد اور حمید از حضرت انس سے منقول ہے۔ صحیح بخاری کے علاوہ بھی یہ روایت متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔ [5]

غزوہ خندق ہی کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے شعر کی ادائیگی کے مزید واقعات ملتے ہیں مثلاً البراء روایت کرتے ہیں قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب ینقل التراب وقد واری التراب بیاض بطنہ وھو یقول:

لولا انت ما اھتدینا — ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینۃ علینا — وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الاولیٰ قد بغوا علینا — اذا ارادوا فتنۃ ابینا [6]

صحیح البخاری ہی میں ان الاولیٰ کے بجائے ان الاعداء کے الفاظ ہیں اور آخر میں یرفع بہا صوتہ کا اضافہ ہے [8]

اور دوسری روایت میں ہے کہ ورفع بہا صوتہ ابینا ابینا [9]

صحیح البخاری ہی میں سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے کہ قال خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی خیبر فسرنا لیلاً فقال رجل من القوم لعامر یا عامر الا تسمعنا من ھنیھاتک وکان عامر رجلاً شاعراً فنزل یحدو بالقوم یقول:

اللھم لولا انت ما اھتدینا — ولا تصدقنا ولا صلینا

فاغفر فداءً لک ما ابقینا — وثبت الاقدام ان لاقینا

والقین سکینۃ علینا — انا اذا صیح بنا ابینا

وبالصیاح عولوا علینا

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھذا السائق قالوا عامر بن الاکوع قال یرحمہ اللہ قال رجل من القوم وجبت یا نبی اللہ لولا امتعتنا بہ [10] طبقات ابن سعد میں بھی یہ روایت بعینہٖ موجود ہے [11]

عن جندب بن سفیان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی بعض المشاہد وقد دمیت اصبعہ فقال ھل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ ما لقیت [12] صحیح البخاری کی جلد ثانی ص ۹۰۸ پر کتاب الادب کے ضمن میں باب ما یجوز من الشعر کے تحت یہی حدیث دوبارہ روایت ہوئی ہے وہاں یہ وضاحت

---

(۱) صحیح البخاری الجلد الاول کتاب الجہاد باب التحریض علی القتال ص ۳۹۶ (۲) صحیح البخاری الجلد الاول کتاب الجہاد باب حفر الخندق ص ۳۹۶ (۳) حوالہ مذکور باب البیعۃ فی الحرب ص ۴۱۵ (۴) طبقات ابن سعد الجزء الثالث ص ۲۵۲ طبقات ابن سعد ص ۲۵۲/۳

(۵) صحیح البخاری الجلد الاول کتاب المناقب باب دعاء النبی ص ۵۳۵ (۵) حوالہ مذکور (۶) مثلاً صحیح مسلم الجلد الثانی کتاب الجہاد باب غزوۃ الاحزاب ص ۱۱۳ (۷) صحیح البخاری الجلد الاول کتاب الجہاد باب حفر الخندق ص ۳۹۸

(۸) صحیح البخاری الجلد الاول کتاب الجہاد باب الرجز فی الحرب ص ۴۲۵ (۹) صحیح البخاری الجلد الثانی کتاب المغازی باب الخندق ص ۵۸۹ (۱۰) صحیح البخاری الجلد الثانی کتاب المغازی باب غزوہ ذات القرد ص ۶۰۳

اور باب ما یجوز من الشعر ص ۹۰۸ (۱۱) طبقات ابن سعد الجزء الثانی ص ۱۱۱ مگر ص ۱۱۱ پر معمولی تغیر کے ساتھ دوبارہ درج ہے الجزء الرابع ص ۳۰۳ تاریخ بغداد الجلد الرابع ص ۲۱۰ (۱۲) صحیح البخاری الجلد الاول کتاب الجہاد باب من ینکب او یطعن فی سبیل اللہ ص ۳۹۳

بھی ہے کہ آپ چل رہے تھے "اذا اصابه حجر فعثر فدمیت اصبعه" تو آپ نے یہ شعر پڑھا۔ شارحین نے غزوہ احد کی مناسبت کو ترجیح دی ہے

کہ یہ واقعہ اسی غزوے کا ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قال قیل لها هل کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتمثل بشیء من الشعر قالت کان یتمثل بشعر ابن رواحة ویقول:

ویأتیك بالاخبار من لم تزود [1]

ایسی ہی روایت طبقات ابن سعد میں ہے۔ عن عکرمة قال سألت عائشة رضی اللہ عنہا هل سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یتمثل شعراً قط قالت کان احیانا اذا دخل بیته یقول

ویأتیك بالاخبار من لم تزود [2]

جنگ حنین میں مشرکین کے شدید حملے کے نتیجے میں پاؤں اکھڑ گئے تو مسلمانوں کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی ایسی حالت میں سرور انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام سوار ہو کر نکلے ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ لگام تھامے تھے اور آپ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ فلما غشیه المشرکون نزل فجعل یقول "انا النبی لا کذب ـ انا ابن عبد المطلب" قال فما رأی من الناس اشد منه [3]

یہی روایت ابو عمارۃ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے [4]

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ یذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اخا لکم لا یقول الرفث یعنی بذلك

ابن رواحة قال: وفینا رسول اللہ یتلو کتابه ـ اذا انشق معروف من الفجر ساطع

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا ـ به موقنات ان ما قال واقع

یبیت یجافی جنبه عن فراشه ـ اذا استثقلت بالکافرین المضاجع [5]

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس خلقا وکان لی اخ یقال له ابو عمیر احسبه فطیم وکان اذا جاء قال یا ابا عمیر ما فعل النغیر نغر کان یلعب به [6]

عن الزہری قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهم یبنون المسجد

هذا الحمال لا حمال خیبر ـ هذا ابر ربنا واطهر [7]

بخاری میں صراحت ہے کہ یہ شعر تعمیر مسجد قبا کے وقت پڑھا گیا [8]

پھر آپ نے پڑھا اللهم ان الاجر اجر الآخرة ـ فارحم الانصار والمهاجرة۔

فتمثل بشعر رجل من المسلمین لم یسم لی. قال ابن شہاب ولم یبلغنا فی الاحادیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمثل ببیت شعر تام

غیر هذه الابیات [9]

---

(۱) جامع الترمذی الجزء الاول ص ۱۲۶ (۲) طبقات ابن سعد الجزء الاول ص ۲۸۳ (۳) صحیح البخاری المجلد الاول کتاب الجہاد باب من قال خذها ص ۴۲۴. باب من قاد دابة غیره فی الحرب ص ۴۰۴ وتفسیر بعید المجلد الثانی کتاب المغازی باب قول اللہ تعالی ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم ص ۶۱۷. (۴) حوالہ بخاری جلد ثانی کتاب المغازی باب قول اللہ تعالی ویوم حنین ص ۶۱۷. (۵) صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الادب باب ہجاء المشرکین ص ۹۰۹ (۶) صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الادب باب الکنیة للصبی ص ۹۱۵ (۷) طبقات ابن سعد الجزء الاول ص ۲۴۱ (۸) صحیح البخاری المجلد الاول باب بنیان الکعبة ص ۵۵۵ باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینة (۹) صحیح البخاری المجلد الاول الباب بنیان الکعبة ہجرت النبی واصحابہ الی المدینة ص ۵۵۵۔

ح ۔ حضرت مسلی رضی اللہ عنہ کا قول ہے الشعر میزان القوم (یا میزان القول) یعنی شعر کسی قوم کے حق و کذب یا شائستگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔[۱]

- کتب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الی ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ مر من قبلک بتعلم الشعر فانہ یدل علی معالی الاخلاق وصواب الرای ومعرفۃ الانساب[۲]

- وقال معاویہ رحمہ اللہ یجب علی الرجل تادیب ولدہ الشعر اعلی مراتب الادب[۳]

- کانت عائشۃ رضی اللہ عنہا کثیرۃ الروایۃ الشعر یقال انہا کانت تروی جمیع شعر لبید[۴]

- قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا علموا اولادکم الشعر تعذب السنتہم[۵]

- کانت فاطمۃ الزہراؓ تقول الشعر ورثت لہا اشیاء کثیرۃ[۶]

- لیس من بنی عبد المطلب رجلاً ونساءً من لم یقل الشعر حاشی النبی صلی اللہ علیہ وسلم[۷]

- ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے کہ انہ کان اذا فرغ من درس التفسیر والحدیث یقول لتلامذتہ احمضوا یاسوھم بالاخذ فی ملح الکلام خوفاً علیہم من الملال[۸]

- قال انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما فی الانصار بیت الا وھو یقول الشعر قیل لہ وانت ابا حمزۃ قال وانا[۹]

- عن ابن سیرین انہ انشد شعراً فقال لہ بعض جلسائہ مثلک ینشد الشعر یا ابا بکر فقال ویلک یا لکع وھل الشعر الا کلام لا یخالف سائر الکلام لا یخالف سائر الکلام الا فی القوافی فحسنہ حسن وقبیحہ قبیح[۱۰]

- قیل لسعید بن المسیب ان قوماً بالعراق یکرھون الشعر فقال نسکوا نسکاً اعجمیاً[۱۱]

موافق روایات کا جائزہ۔

سطور بالا میں شعر کی منفعت و افادیت کے آٹھ مختلف حوالے درج ہوئے ہیں بہتر ہوگا کہ ان کے مندرجات کا جائزہ لے لیا جائے تاکہ ان سے ترشح ہونے والے مفہوم تک رسائی ممکن ہو سکے۔

جزو (۱) میں شعر کی عمومی حالت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ شعر فی نفسہٖ کن اوصاف کا حامل ہوتا ہے ان من الشعر حکمۃً یا حکمۃً کے الفاظ اپنے لیے دو معانی رکھتے ہیں شعر میں حکمت کی موجودگی کے امکان کا اظہار ہیں من تبعیض کیلئے ہو تو بعض شعروں کا حکمت سے پر ہونا ثابت ہوگا۔ اور اگر یہ تبیین کیلئے ہے تو ہر شعر کا پر از حکمت ہونے پر دلیل ہوگا۔ کم سے کم تر توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہر شعر نہ سہی بعض شعر یقیناً حکمت خیز ہوتے ہیں اس مفہوم کے مطابق شعر کی وسیع تر کائنات میں بعض اشعار کا قابلِ اخذ اور لائقِ التفات ہونا واضح ہو جاتا ہے اور اگر اس مفہوم کے ساتھ وہ حدیث بھی پیشِ نظر رہے جو ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۵۲۹ مقالہ فن شعر و شاعری (۲) کتاب العمدۃ الجزو الاول ص ۱۱ (۳) حوالہ مذکورہ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۱۱ (۵) العقد الفرید الجزء الاول ص ۹ (۶) العمدہ الجزء الاول ص ۶ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۱۵ (۸) ابجد العلوم ص ۲۰۹ (۹) العقد الفرید الجزء الثالث ص ۳۹۸۔
(۱۰) ابجد العلوم ص ۲۰۸ (۱۱) الموازنہ بین الشعراء زکی مبارک ص ۲۸۔

الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث ما وجدھا فھو احق بھا[1]

کلمۂ حکمت تو مومن کی متاع گم شدہ ہے جہاں سے بھی اسے ملے وہ اس کا بہتر حقدار ہے دونوں احادیث کو منطقی ربط کے ساتھ پڑھا جائے تو فوری نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ کلمہ حکمت مومن کی متاع گم گشتہ ہے اور بعض شعر کلمۂ حکمت ہوتے ہیں اس لیے بعض شعر مومن کی متاع گم گشتہ ہیں یعنی شعر کا ایک حصہ مومن کا مطلوب ٹھہرا اس لیے قابل اخذ قرار پایا متاع مومن عزیز تر ہوگی اور قابل حصول بھی ہوگی۔

عربوں کے ہاں شعر جادو صفت اور سحر آفریں وجود ہے عظیم شاعر وہ ہے جو لفظوں کا جادو جگائے اور حرفوں میں سحر بھر دے۔ سامع اس سے بہت متاثر ہو کر سحر زدہ دکھائی دے۔ شاعری اپنے نقطۂ کمال میں ساحری ہے۔ اس لیے شاعر خود بھی سحر زدہ سمجھا جاتا تھا اور سحر پھونکنے والا بھی خیال کیا جاتا تھا۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ شعر کیلئے ایسے مناسب الفاظ کو چنے جن سے پرکیف اور وجد آفریں معانی کا صدور ہو۔ زہیر بن ابی سلمیٰ کی شعری صلاحیت کا اعتراف بدیع الزماں ہمدانی (م ۳۹۸ھ) بالواسطہ ان الفاظ میں کرتا ہے کہ یدعو الشعور والسحر بحبیبۃ۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شعر کی اس فسوں کاری کی طرف بھی اشارہ ہے چنانچہ صاحب مرآۃ الشعر کہتا ہے "یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شعر اسی حد تک شعر ہے کہ شعور کا رنگ واثر غالب رہے۔ اپنی اصل و حقیقت سے دور نہ ہو بہ ہی راز حدیث نبوی میں آیا ہے ان من البیان لسحرا وان من الشعر لحکمۃ یعنی بیان اصل میں حکمت و حقیقت ہے لیکن کبھی کبھی حدود شعر میں داخل ہو جاتا ہے اور سحر بن جاتا ہے اور کبھی کوئی شعر حدود خطابت میں آجاتا ہے اور سحر سے حکمت بن جاتا ہے۔ کیونکہ خطابت کا منتہائے کمال یہ ہے کہ حکمت ہو اور تاثیر میں جادو بن جائے۔ سننے والا سنے اور مسحور ہو جائے۔ اور انتہائے کمال شعر کا یہ ہوتا ہے کہ شعر اگرچہ فی حد ذاتہٖ شعور و جذبات کا نتیجہ اور جادو ہے لیکن اس سحر و ساحری کے باوجود دانش و حکمت کے ذروۂ بلند تک پہنچے اہل نظر جانتے ہیں کہ کلام انسانی کے درجۂ کمال کا وہ بلند ترین نقطہ ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا اور جن کو نصیب ہوتا ہے بہ وقت نہیں ہوتا اسی لیے بعض از بیان اور بعض از اشعار کے بارے میں ارشاد ہوا جو کچھ ارشاد ہوا"[2]

ان روایات سے شعر کہنے یا سننے کی تحریک ہوتی ہے کہ یہ کلام کا منتہا ہے اور تاثیر کی بے پناہ قوت رکھتا ہے۔ جذب کی روایات میں شعر کو انسانی علم کا ایک البادرخ قرار دیا گیا ہے جو اپنے مفاہیم کی مناسبت سے حسین بھی ہو سکتا ہے اور قبیح بھی۔ کلام ہوتے کی حد تک یہ کسی حکم کا مصداق نہیں بلکہ عربوں کی مخصوص معاشرت کے حوالے سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے۔ عربوں کا صحرائی ماحول ہو یا قوت تقریر سے انکی محبت کا اثر کہ شعر کو ان کے ذوق سے ایک گونہ نسبت رہی ہے حتیٰ کہ ابن رشیق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں تک روایت کیا ہے کہ انہ قال لا تدع العرب الشعر حتی تدع الابل الحنین[3] شعر عربوں کی عادت ثانیہ اور صلاحیت اظہار کا سب سے عمدہ اور قابل تقدد ذریعہ تھا نثر کی گفتگو میں وہ کاٹ نہ تھی جو جزیرہ فطرت کا اقتضا تھی ایسے کاٹ دار ہتھیار کو وہ بھلا کیسے چھوڑ سکتے تھے اسلام ان کی فطرت کے عمدہ مظاہر کی نفی نہیں کرتا بلکہ انہیں بہتر قوت عطا کرتا ہے تاکہ ان کا رخ طلب خیر کی طرف مڑ جائے اسلام "خذ ما صفا ودع ما کدر" کا مبلغ ہے اس لیے شعر کو بھی اسی عمل کلیے کے مطابق قبول کر لیا گیا شعر تو اظہار خیال کا ایک مقبول ترین ذریعہ تھا اسلام نے اسے

---

(۱) سنن ابن ماجہ الجزء الثانی ابواب الحکمۃ ص ۳۱۷ (۲) مرآۃ الشعر عبدالرحمٰن ص ۶۵، ۶۶

(۳) العمدہ الجزء الاول ص ۱۱۔

بہتر مقاصد کی تکمیل کیلئے مباح بلکہ بعض اوقات ضروری قرار دے دیا ہے جو اپنی حق کلام عزیز ٹھہرا اور شعر کے قالب میں جو تیز تر ہی ثابت ہوا اس نے حسن کلام کو محبوب قرار دیا گیا۔ کلام طیب، کلمہ طیبہ کا عکس بنا اور دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں محمود ٹھہرا قبولیت کی صرف ایک شرط تھی کہ کلام حق ہو کلام کا حسن و قبح سانچوں کے اعتبار سے نہیں، مضامین کی نسبت سے متعین ہوا امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) شعر کی اس حیثیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الشعر: و ذلک لا یخرج الا من حنجرة الانسان فیقطع بإباحة ذلک لانه ما زاد الا کونه مفهوماً،

و الکلام المفهوم غیر حرام و الصوت الطیب الموزون غیر حرام فاذا لم یحرم الاحاد فمن این یحرم المجموع"

. . . . و مهما الفهم مباح لم یحرم الا اذا تضمن المجموع محظوراً لا تتضمنه الاحاد و لا محظور ههنا و کیف ینکر انشاد الشعر و قد انشد بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قال علیہ السلام: إن من الشعر لحکمة"[1]

مزید فرماتے ہیں "نعم ینظر فیما یفهم منه فان کان فیه امر محظور حرم نثره و نظمه و حرم النطق به سواء کان بالحان او لم یکن[2]

ڈاکٹر زکی مبارک شعر گوئی کو انسان کا فطری حق قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ مسلمان بحیثیت حامل دین فطرت اس سے انکار کیسے کر سکتے ہیں۔

"ولکن الشعر من الفنون الفطریة التی کلف بها الانسان منذ عهد بعید، والمسلمون کمثل الامم لم یکن لهم بد من حیاة الفنون"[3]

جزو "ج" اور "د" میں شامل روایت سے شعر کی دفاعی حیثیت اور ضرورت کا احساس ہوتا ہے حق باطل کی آویزش میں ہر جائز اور ضروری حربہ استعمال کرنا ہوتا ہے تاکہ حق آشکار ہو اور باطل سرنگوں رہے، قتال بھی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور جہاد باللسان بھی ہر ایک کا اپنا مقام ہے بعض اوقات الفاظ کی کاٹ شمشیر سے کہیں زیادہ شدید ہوتی ہے عرب ماحول میں طلاقت لسانی ایک نہایت کارآمد ہتھیار تھا لفظوں کے تیر زہر آلود لوہے کے تیروں اور بھالوں سے زیادہ کاری ہوتے تھے اشاعت اسلام کے ابتدائی ایام میں ہی کفر نے یہ حربہ آزمایا اسلئے انسدادی تدابیر اور حفاظتی تراکیب ضروری تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حملوں کا جواب دینے کا ارادہ فرمایا تو مدینہ منورہ میں موجود شعراء نے اس ذمہ داری کو باحسن طریق نبھایا حضرت حسان رضی اللہ عنہ مدافعتی گروہ کے سرخیل تھے اس لئے ان کو ہی بار بار یہ فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا اجبهم قرآن کی ہجو کرو یا اجب عنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دو کے احکامات دفاعی شاعری کو ایک فریضہ بنا رہے ہیں مگر اس ردعمل میں بھی توازن کا درس دیا گیا تاکہ تجاوز عن الحد سرزد نہ ہو جائے۔

امیہ بن ابی الصلت کے حکمت آمیز شعروں کی سماعت فرما کر اور حطیئہ یعنی مزید ہجو کا مطالبہ کر کے آپ نے ایک طریق کار متعین کر دیا کہ حکیمانہ اشعار اور ناصحانہ ابیات کی خواہش رکھنا سنت پیغمبر ہے اسی طرح حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو دعوت حدی دینا فراز بن الازور رضی اللہ عنہ کی خواہش پر شعر سماعت فرمانا اور الخنساء سے ہیہ یا خناس کہہ کر شعر گوئی کا تقاضا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعر کے بارے میں رویہ کو واضح کرتے ہیں شعر گوئی محمود کی تھی اس لئے کبھی شاعر کی خواہش پر سماعت قبول کر لی تو کبھی خود تقاضا فرما کر شعر گوئی کی ترغیب دی۔ روایات کی کثیر تعداد اس بات کی دلیل ہے کہ شعر خوانی یا شعر فہمی کے اس ماحول میں عام اسلامی تعلیمات نے عربوں کے اس رجحان کی حوصلہ شکنی نہ کی بلکہ ہر مناسب موقع پر دعوت سخن دے کر حوصلہ افزائی کی۔

---

① احیاء علوم الدین الجزء الثانی ص ۲۷۰ ۔ ۲۷۱ ② حوالہ مذکور ص ۲۷۰
③ الموازنۃ بین الشعراء زکی مبارک ص ۲۶؟

۔ جنوں نے بھی شعر گوئی کی اس حیثیت کو واضح کیا گیا ہے کہ دربارِ رسالت میں اس کا کس قدر اہتمام تھا۔ شعر خوانی مثل عبث ہوتا تو دربارِ رسالت میں راہ کیسے پاتا! اور مسجد میں اس کی اجازت کیسے دی جاتی۔ مسجد تو وہ مقدس مقام ہے جہاں ذکر کی محافل منعقد ہوتی ہیں جہاں احکامات الٰہیہ کی توضیح و تشریح کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔ قرآن مسجد کے تقدس کی اہمیت کا اظہار ان الفاظ کرتا ہے:

"وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا" ۱

مساجد اظہار عبودیت کے مقامات ہیں اسلیے ان کو دنیاوی آلائشوں سے منزہ رہنا چاہیے اور پھر مسجد نبوی جو نسبت حضور کریم ﷺ کی بنا پر تقدس کے اعلیٰ مرتبہ کی حامل ہے جہاں نماز کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام ۲

ایسی متبرک اور مقدس جگہ میں کسی عمل کا انجام پانا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں "فعل" کی حلت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ الوہی اوامر و نواہی نافذ کرنے والے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہوں اور اللہ کا حکم پس پشت ڈال دیا جائے۔ مسجد نبوی میں شعر خوانی، شعر کو حلت اور آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں شعر کو تقدس عطا کرتی ہیں پھر اسی پر بس نہیں سماعت شعر کا یہ اہتمام کہ شعر خوان کیلئے منبر بچھایا جاتا ہے اور پڑھنے والوں کو "روح الامین" کی تائید حاصل ہونے کی نوید سنائی جاتی ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا مقدر کتنا سربلند تھا کہ دربار نبوی میں بشارتوں سے نوازے جاتے ہیں۔ حضرت عمر کا خشمگین ہونا اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا پُر اعتماد لہجے میں اپنے عمل کی صداقت پر اصرار کرنا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اپنے دعویٰ کی دلیل چاہنا اور ان کا تائید فرمانا شعر خوانی کے خلاف تمام شکوک و شبہات کو دور کرتے ہیں۔ شرط صرف ایک ہی ہے کہ شعر ایسا ہو کہ یناضح او ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی شعر دفاع اسلام اور شارع اسلام کے فرائض ادا کر رہا ہو۔ اور اگر شعر میں یہ بنیادی اوصاف نہیں ہیں تو پھر بتیجہ تیغ کے حکم کے تحت لائق اجتناب ہے۔

شعر پسندیدگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ عمدہ شعر ہی اللہ کا پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جاہلی شاعر سے ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے "عنترہ" کو دیکھنے کی خواہش اس کے ذاتی اوصاف یا کمالات کی بنا پر نہ تھی اس کے شعر کی عظمت اور مضمون کی رفعت کی وجہ سے تھی۔ اس سے دربار رسالت میں شعر کی قدر و منزلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کے مصرعے کو پسندیدگی کی سند عطا کرنا اور بار بار ادا کرنا اسی موافق رہنے کا غماز ہے صحابہ کی محفل میں شعر خوانی عام تھی اور بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہوتے اور تبسم فرما کر حوصلہ افزائی فرماتے۔ یہ سب روایات اسلامی معاشرے میں شعر کا مقام متعین کرتی ہیں۔

ان واضح تصریحات کے باوجود بعض علماء نے ان روایات کو پیش نظر رکھا ہے جن میں مسجد میں شعر خوانی کی نفی کی گئی ہے مثلاً عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیٰ عن تناشد الاشعار فی المسجد ۳

---

۱ سورۃ الجن، ۱۸ ۲ جامع الترمذی المجلد الاول ابواب الصلوٰۃ باب ، ما جاء فی ای المساجد افضل ص: ۶۸

۳ سنن نسائی المجلد الاول کتاب المساجد باب النہی عن تناشد الاشعار فی المسجد ص: ۱۱۷

نسائی کے علاوہ جامع ترمذی میں بھی یہ حدیث ایک مفصل حدیث کے جزو کے طور پر مذکور ہے[۱] اگرچہ ترمذی نے عمرو بن شعیب پر ضعیف ہونے کا قول بھی نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں: قال ابو عیسیٰ ومن تکلم فی حدیث عمرو بن شعیب انما ضعّفہ لانہ یحدث عن صحیفۃ جدہ کانھم راوا انہ لم یسمع ھذہ الاحادیث من جدہ[۲]۔ اسی طرح یحیٰی بن سعید حدیث عمرو بن شعیب کو واہ کہہ کر ضعیف قرار دیتے ہیں[۳]۔ امام ترمذی نے اس کے برعکس بھی روایت کیا ہے لکھتے ہیں: "وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غیر حدیث رخصۃ فی انشاد الشعر فی المسجد"[۴]

امام نووی شارح مسلم (م ۶۷۶ھ) نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے مسجد میں شعر پڑھنے کے بارے میں روایت حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرح میں فرمایا:

منہ جواز انشاد الشعر فی المسجد اذا کان مباحا واستحبابہ اذا کان فی ممادح الاسلام واھلہ او فی ھجاء الکفار والتحریض علی قتالھم او تحقیرھم ونحو ذلک"

پھر ہجو کفار کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وکان ھجوہ لھم مستحبا لذلک مع ما فیہ من کف اذاھم وبیان نقصھم والانتصار لھجائھم المسلمین"[۵]

ہجو کفار تقابلی سیاست میں ایک ضرورت کے طور پر اپنی اہمیت منوا لیتی ہے کیونکہ مدمقابل کا ہر حربہ ناکام کرنا جنگ میں اپنے دفاع کی خاطر ضروری ہو جاتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی اور شعر کو بطور دفاع استعمال کرنے پر تحسین فرمائی۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شعر کے بارے میں قرآنی آیت کے نازل ہونے پر جب صحابہ میں تشویش پیدا ہوئی تو آپ نے فرمایا: "ان المومن یجاھد بسیفہ ولسانہ"[۶]

جہاد بالسیف کے ساتھ جہاد باللسان بھی ایک ملی ضرورت ہے اسلامی تعلیمات میں اس کی صفت تسلیم کی گئی ہے۔ جو کئی روایات میں موجود ہے کہ حضور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعرا سے روا رکھا تھا۔ شعر گوئی کی ترغیب کے ساتھ ساتھ برمحل اور عمدہ شعر پر تحسین فرمائی گئی۔ اور شعر کی اس اثر آفرین حیثیت کا اعتراف کیا گیا جو شعر کا مقصود واصلی ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعر پر بار بار جنت کی بشارت اور نار دوزخ سے محفوظ رہنے کی نوید شعر کی قوت اور اچھے شعر کی مقبولیت کو تسلیم کئے جانے کا ثبوت ہے۔ ایک ایماندار شاعر کیلئے اس سے بڑا اور کون سا انعام ہو سکتا تھا کہ اس کیلئے دائمی نجات مقدر ہو جائے۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ بانت سعاد جان بخشی اور قبولیت کا ایسا معیار بنا کہ بار بار شعر اکیلئے ایک نمونہ بن گیا اور ابن جوزی جلیل القدر حسن لکھتے ہیں:

"صار شعرھذا القصیدۃ احسن الوسائل الی الشفاعۃ واوثق الذرائع الی الامان من الشفاعۃ وفازت بحسن القبول من جنابہ وجازی قائلھا بعطیۃ من بردہ"

پھر لکھتے ہیں: "وقد قالوا افضل ھذہ القصیدۃ علی القصائد الاخر الموشحۃ بمدحہ صلی اللہ علیہ وسلم کفضل الصحابۃ علی التابعین"[۷]

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت النابغۃ الجعدی کے اشعار پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی "لا یفضض اللہ فاک" کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دانت موتیوں کی طرح تا عمر درخشاں رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روشن پیشانی کے حوالے سے ابو کبیر الہذلی کے اشعار گوش گزار کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور فرط مسرت سے پیشانی پر بوسہ دیا۔

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کو خلعت عطا ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کیلئے اللہ کے رحم کی دعا فرمائی۔ ابو جرول کے استدعائیہ لہجے پر عام معافی اور مال غنیمت کی واپسی کا اعلان فرما دیا۔ عبداللہ بن الزبعری رضی اللہ عنہ کی معاندانہ سرگرمیوں کو معذرت کے اشعار نے معافی دلا دی بلکہ انعام کا مستحق ٹھہرایا۔ قیس بن الربیع رضی اللہ عنہ کی سابقہ کردار پر معذرت

---

① جامع الترمذی المجلد الاول الواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی کراھۃ البیع والشراء والنشاد الضالۃ والشعر فی المسجد ص ۶۲۔ ② جامع ترمذی حوالہ مذکور ③۔ ④ حوالہ مذکورہ ترمذی ⑤ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الفضائل باب فضائل حسان ص ۳۰۰ حاشیہ۔ ⑥ مشکوٰۃ کتاب الآداب باب البیان والشعر الفصل الثانی ص ۴۱۰ بحوالہ شرح السنۃ والاستیعاب ⑦ ابجد العلوم ص: ۲۰۸

کو نہ صرف قبول فرمایا بلکہ السیٰ سنت کی تقریب کا اصول بھی مقرر فرما دیا۔ قتیلہ بنت النضر بن الحارث کے درد مندانہ اشعار پر اسی قدر توجہ دی کہ ارشاد ہوا "لو بلغنی شعرها قبل ان اقتله لعفوت عنه" واضح کر دیا کہ قتیلہ کے اشعار اتنے اثر آفریں ہیں کہ اگر پہلے کہے جاتے تو اس کا باپ جو اسلام دشمنی کا ایک نشان بن چکا تھا بھی دربار رسالت سے معافی کا حق دار ٹھہرتا۔

جناب ابوطالب کی یاد مناسب موقع پر برمحل شعر خوانی کا اشارہ تھا۔ خوشی کے مواقع پر ماضی کی پرانی یادوں کو تازہ کرنے کیلئے شعر کا حوالہ نہایت اثر آفریں ہوتا ہے اس سے یہ بھی مترشح ہوا کہ عمدہ شعر کیسے ذہن میں محفوظ رہتے ہیں اور ان کو سننے کی خواہش کا کیا مقام ہے۔

یہ سب روایات دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شعر گوئی کے عام رواج کی خبر دیتے ہیں اور یہ بھی کہ شعر کے اثرات کس قدر گہرے ہوتے ہیں کہ کئی فیصلے ان کی وساطت سے انجام پاتے ہیں۔

"جزو دوم" کی روایات ان پسندیدہ اور منتخب اشعار کی خبر دیتی ہیں جنہیں دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں باریاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ باریابی شعر کی مقبولیت اور ان میں متضمن خیالات کے بارے میں اسلام کے مزاج کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اظہار جذبات کیلئے شعر کا قالب ہمیشہ سے تر رہا ہے اسلامی تعلیمات نے اس کی عمدگی اور برتری پر کوئی قید نہیں لگائی بلکہ اسے مخلصانہ جذبات اور امڈتے ہوئے احساسات کے اظہار کیلئے موزوں گردانتے ہوئے اپنایا ہے۔ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کے شعر پر اصدق کلمۃ کا تبصرہ مضامین شعر کی عظمت پر شاہد ہے۔ جنگ کی حالت ایک تازہ ولولے اور تند و تیز جذبات کا تقاضا کرتی ہے اس لیے رجزیہ اشعار بطور اشعار ہی بطور عقیدہ استعمال ہوتے رہے ہیں۔ سیرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے کئی واقعات پنہاں ہیں جہاں شعر بطور رجز، لشکر اسلامی کی تگ و تاز کیلئے مہمیز ثابت ہوئے۔ حالات کے مطابق اور ماحول کی مناسبت سے کہے گئے اشعار نے مقبولیت کی سند پائی اور زبان رسالت پر جاری ہو کر محترم و مکرم قرار پائے۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہو یا خندق کی جنگ کے مشکل ترین لمحات شعر، ایک امید ایک ڈھارس اور ایک طمانیت ثابت ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہم نوائی میں

اللھم لا خیر الا خیر الاخرۃ۔ فاغفر الانصار والمهاجرۃ یا اسی قبیل کے ہم معنی یا قریب المعنی کلمات وجدانی کیفیات کے حامل ہوتے اور مجاہدین یا جاں نثاروں کیلئے بارگاہ ایزدی میں عاجزانہ دعائیں تھے۔ غزوہ خندق کے روح فرسا حالات میں اسلامی لشکر کی ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کا کرم تھی اور راہ یابی کی دلیل بھی۔ ایسے ناساعد حالات میں پروانہ وار جاں نثار ہوتے جانا "اعتماد" کا غماز اور پختگی ایمان کا بین ثبوت تھا۔ اس ہدایت آشنائی پر شکر ادا کرنا بھی ضروری تھا۔ اور جب یہ ممنونیت کا جذبہ شعر بن کر ادا ہو تو اس کا اثر کئی گنا ہو جاتا ہے "ولولا انت ما اهتدینا..." میں اعتراف کرم تھا اور "فانزلن سکینۃ علینا" میں مزید کی درخواست تھی۔ آخری شعر میں کفر کی خودسری کا ذکر کیا تو ساتھ ہی ایمان کی پختگی کا اعلان بھی کر دیا۔ "ابینا" کی تکرار اس عزم کی دلیل تھی کہ ایمان اب کسی کفر کے سامنے سرنگوں نہ ہوگا۔ الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ یہ بار بار دہرائے جانے والے اشعار اہل ایمان کی قلبی کیفیات کے غماز تھے۔ اسی لیے تو عامر بن الاکوع کیلئے اللہ کی رحمت کی نوید سنائی گئی جو بہر حال انہیں حاصل ہوئی۔

معتبر روایات کے مطابق غزوہ احد میں انگلی کو زخم آیا تو اس زخم پر ملال ہونے کی بجائے مسرت کا اظہار فرمایا۔ انگلی زخمی تو ہوئی مگر یہ خدا ہی کی راہ میں خون آلود ہوئی ہے اسلئے یہ زخم بھی معزز اور یہ دکھ بھی باعث افتخار ہے۔ جبکہ میں سکون کے جذبے کو شعر کی صورت ہی میں ادا کیا جانا چاہیے تھا۔ تاکہ مختصر الفاظ میں دل کی حالت منعکس ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے متعدد اشعار لسان نبوت پر جاری رہے کہ بچوں میں سنجیدگی تھی۔ اور وہ ماہر تھا ایک معصوم بچے کیلئے ہم وزن لفظوں کا انتخاب شعر کے موزوں اثرات کی خبر دے رہے ہیں۔ جنگ حنین میں سراسیمگی کے عالم میں پسپا ہوتے

دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرانہ جلال کے ساتھ پیش قدمی فرماتے ہیں صحابہ میں ہلچل تھی۔ اکثر اطراف میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی ایسے میں قائد لشکر کے جذبات کی شدت کا اندازہ کرنا مشکل ہے بپا ہوئے ہوئے جذبات کو شعر ہی کی زبان ملی اور

انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب کے نعرہ حق نے شکست کو فتح میں بدلا۔ زبان نبوت سے ادا ہونے والے یا دوزن اور ہم قافیہ کلمات نوید جانفزا ثابت ہوئے۔ اور بھاگے والوں کے قدم رک گئے۔ شعر کے فوری اور قوی اثر کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

یہ اور ان کی مثل دیگر روایات یہ حقیقت اظہر تشریح کر رہی ہیں کہ شعر کا برمحل استعمال جذبات کو تسکین بھی بخشتا ہے اور سامعین کے دلوں کو مسخر بھی کرتا ہے اس طرح جذبات کی ہم نوائی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

آخری جز میں صحابہ کرام اور تابعین کرام کی آراء کی ایک مختصر فہرست دی گئی ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اسوہ پیغمبر علیہ السلام کی اتباع میں ان برگزیدہ اصحاب نے اس شعر کی قدر و قیمت کیا تھی۔ شعر کو میزان القوم قرار دینا شعر کا وہ شرف ہے کہ نثر اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوجود اسے حاصل نہ کر سکی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تحصیل شعر کیلئے ترغیب دینا اور اسے معالی اخلاق اور اعلیٰ مراتب ادب قرار دینا ان بزرگوں کے ہاں شعر کی بلند منزلت کی خبر دیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شعر کی تعلیم پر زور دینا اور خود کثرت سے روایت کرنا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شعر کہنا خاندان بنی عبد المطلب اور انصار مدینہ کے ہر فرد کا شعر کہنا اور شعر کی ترغیب دینا۔ ابن سیرین کا شعر کی عظمت پر گواہی دینا اور سعید بن المسیب کا ترک شعر پر عجمی ہونے کا طعنہ دینا دلیل ہے کہ عرب فطرتاً شعر پسند لوگ تھے۔ اور اسلام نے عربوں کے اس امتیازی وصف کو نہ صرف بنظر استحسان دیکھا بلکہ اسے مقاصد کی تکمیل کیلئے بھی استعمال کیا۔

مذکورہ صدر روایات اسلام کے شعر کے بارے میں رویہ کو واضح کرتے ہیں۔ شعر کے بنیادی خصائص کا اعتراف، شعر میں حکمت آمیزی کی شہادت، عمدہ اشعار کی تحسین اور ترغیب۔ خواہش شعر کا لحاظ، دنیا میں عزت کیلئے شعر کی اہمیت عمدہ مضامین کے حامل اشعار پر پسندیدگی کا اظہار اور انعام و اکرام کا اعلان مزید یہ کہ ایسے اشعار کو یاد کرنا اور حفظ لینا شعر کی عظمت کے اشارے ہیں اسی لئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت شعر کا شوق رکھتے تھے اور آئندہ نسلوں کو شعر خوانی کی ترغیب دیتے تھے۔ یہ سب روایات شعر کو وہ بلند مقام عطا کرتے ہیں جس کا وہ مستحق تھا کیونکہ

"شعر تو وہ کلام ہے جو لفظی و معنوی حسن و جمال کا تصویر ہو ایسی تصویر جو کمال شعور سے ناشی ہو اور سننے والوں میں شعور و احساس پیدا کرے۔ خود جذبات میں ڈوبا ہوا اور جذبات سے اپیل کرے"[1]

---

[1] مرآۃ الشعر عبد الرحمٰن ص ۲۶

غیر موافق روایات۔

اسلامی تعلیمات میں شعر گوئی کی تردید کیلئے بعض روایات سے استشہاد کیا جاتا ہے اور یہ تاثر قائم کرنے کیلئے بعض حلقوں کی طرف سے کوشش کی جاتی ہے۔ کہ شعر، خواہ کسی نوعیت کا ہو اور کسی مضمون پر مشتمل ہو معتوب اور لائق اجتناب ہے اس دعویٰ کی تائید میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل تلاش کیئے جاتے ہیں اور ان شعر کے بعض اشارات کو عمومی حیثیت عطا کر کے شعر خوانی یا شعر گوئی کو غیر اسلامی حرکت قرار دیا جاتا ہے۔ ہم اس نوعیت کی نمایاں روایات کا احصاء کر کے ان کے مطالب کی درست سمت متعین کرنے کیلئے چند روایات پر تبصرہ پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ شعر کی حیثیت کے تعین میں افراط و تفریط سے بچا جا سکے

سب سے پہلے قرآن مجید کی وہ آیات ہمارے پیش نظر ہیں جن سے شعر و شاعری کی نفی کیلئے استدلال کیا جاتا ہے۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝ ۱

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۝ ۲۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ۝ ۳۔

مذکورہ صدر آیات کے علاوہ بھی بعض کلمات سے اشارۃً شعر کی مذمت کا استنباط کیا جاتا ہے مگر بنیادی طور پر یہی آیات مخالفین شعر کے استدلالات کا مرکزی نقطہ ہیں۔ قرآن مجید کے علاوہ احادیث نبویہ کے بعض حوالوں سے شعر کی مذمت استخراج کی جاتی ہے وہ یہ ہیں

احادیث:- عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ الرَّجُلِ قَيْحًا حَتَّى يَرِيَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا۔ ۴

یہی حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ اور سعدؓ سے بھی روایت ہوئی ہے ۵۔ (بتغیر یسیر) سنن ابن ماجہ[7] میں یہ حدیث انہیں ہر دو صحابہ سے روایت ہے جبکہ جامع الترمذی[6] میں صرف حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی گئی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لأن يمتلئ جوف احدكم قيحا خير له من أن يمتلئ شعرا - ۹

جامع الترمذی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سنن ابی داود[8] میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث منقول ہے

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یمتلی احدکم قیحا حتی یریہ خیر لہ من ان یمتلی شعراً ھجیت بہ ''[10] یہی روایت حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی روایت ہے۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یمتلی جوف احدکم قیحا ودما خیر لہ من ان یمتلی شعراً فقالت عائشہ رضی اللہ عنہا لم یحفظ الحدیث انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یمتلی جوف احدکم قیحا ودما خیر لہ

---

(۱)۔ سورۃ الشعراء ۲۲۴ تا ۲۲۷ ۔ (۲)۔ سورۃ یٰسین ۶۹ ۔ (۳)۔ سورۃ الحاقۃ ۴۱ ۔ (۴)۔ صحیح البخاری جلد ثانی کتاب الادب باب مایکرہ ان یکون الغالب علی الانسان الشعر حتی لیصدہ عن ذکر اللہ والعلم والقرآن ص ۹۰۹ ۔ (۵)۔ صحیح مسلم جلد ثانی کتاب الشعر ص ۲۴۰ (۶) جامع الترمذی ابواب الاستئذان والادب ص ۱۲۷ (۷) سنن ابن ماجہ الجلد الثانی باب ما کرہ من الشعر ص ۲۷۵ ۔ (۸)۔ سنن ابی داود جلد ثانی کتاب الادب باب ماجاء فی الشعر ص ۶۸۳ (۹)۔ صحیح بخاری جلد ثانی کتاب الادب باب ما کرہ ان یکون الغالب علی الانسان الشعر حتی لیصدہ عن ذکر اللہ والعلم والقرآن ص ۹۰۹ (۱۰) جامع الترمذی جلد ثانی ابواب الاستئذان والادب ص ۱۲۷ ۔ (۱۱)۔ طبقات ابن سعد الکبریٰ جز اول ص ۱۳۰ بحوالہ ابن عدی (۱۲) حوالہ مذکور ص ۱۱۹ بحوالہ کتاب النقعا

من أن يمتلئ شعرا هجيت به ۔۱

عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه قال بينا نحن نسير مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعرج اذ عرض شاعر ينشد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خذوا الشيطان او امسكوا الشيطان لان يمتلئ جوف رجل قيحا خير له من ان يمتلئ شعرا ۔۲

نصوص قرآنیہ کا جائزہ: قرآن مجید کی وہ آیات جن پر اکثر شعر کی ساری عمارت استوار کی جاتی ہے، درحقیقت شعر کی مذمت میں وارد نہیں ہوئیں بلکہ اس قوت اظہار کو درست روش اور روشن طریق کا پابند کر کے اس فطری صلاحیت کو انسانیت کیلئے کارآمد بنانا چاہتی ہیں۔ ذوق شعری انسان کی قوت گویائی کا حسین تر پرتو ہے۔ اور اسلام دین فطرت ہونے کے ناطے سے اس سے صرف نظر نہ کر سکتا تھا۔ اسلئے اسلامی تعلیمات نے کہیں بھی شعر کو بحیثیت شعر قابل نفرت نہیں گردانا بلکہ اس پیکر جمیل کیلئے حسین مضامین کے انتخاب پر زور دیا۔ اس طرح اس فطری تڑپ کو اسلام نے دین کی سند عطا کر دی ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارک نے درست لکھا کہ "الشعر من الفنون الفطرية التي عرفها الانسان منذ عهد بعيد والمسلمون ككل الأمم لم يكن لهم بد من حياة الفنون، وكذلك لم يعضوا داعين الى رواية الشعر واجازة الشعراء ولكنهم لم يدعوا الى الشعر باعتبار أنه فن جميل وانما دعوا اليه بما هم الدين ۔۳

قرآن مجید کے احکامات میں یہی نکتہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ والشعراء يتبعهم الغاوٗن اور اسکے مابعد کی آیات بظاہر شعراء کیلئے ایک تہدید ہے مگر ان آیات کی مراد جاننے کیلئے سیاق و سباق کا حوالہ اور مفسرین کی آراء جاننا ضروری ہے۔ چند مشہور تفاسیر کا حوالہ افہام مطلب کیلئے کافی ہوگا۔

امام فخر الدین الرازی آیات مذکورہ صدر کی شرح میں فرماتے ہیں۔ (م ۶۰۶ھ)

فقد ظهر بهذا الذي بيناه ان حال محمد صلى الله عليه وسلم ما كان يشبه حال الشعراء ثم ان الله تعالى لما وصف الشعراء بهذه الاوصاف الذميمة بيانا لهذا الفرق استثنى عنهم الموصوفين بأمور اربعة (احدها) الايمان وهو قوله تعالى الا الذين آمنوا (وثانيها) العمل الصالح وهو قوله وعملوا الصالحات (وثالثها) ان يكون شعرهم في التوحيد والنبوة ودعوة الحق الى الحق وهو قوله وذكروا الله كثيرا (ورابعها) ان لا يذكروا هجو احد الا على سبيل الانتصار ممن يهجوهم وهو قوله وانتصروا من بعد ما ظلموا ۔۴

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ "قال اكثر المفسرون اراد به شعراء الكفار الذين يهجون رسول الله صلى الله عليه وسلم وذكر مقاتل اسماءهم فقال عبد الله بن الزبعرى السهمي وهبيرة بن ابي وهب المخزومي ومسافع بن عبد مناف وابو عزة عبد الله بن عمر الجمحي وامية بن ابي الصلت الثقفي فتكلموا بالكذب والباطل وقالوا نحن نقول مثل ما يقول محمد ۵ پھر چند احادیث سے استشہاد کیا اور آخر پر

۱۔ طبقات الشافعیة الکبری الجزء الاول ص ۱۱۹ بحوالہ ابن عدی ۔ ۲۔ صحیح مسلم جلد ثانی کتاب الشعر ص ۲۴۰

۳۔ الموازنة بين الشعراء ص ۲۹ ۔

۴۔ مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر الجزء [illegible] ص ۳۹۶ تحت آیۃ والشعراء يتبعهم الغاوٗن

۵۔ التفسیر المظہری الجلد السابع ص ۸۹ ۔

کما ثبت من ہذہ الاحادیث ان الشعر لا باس بہ ما اجتنب الکذب واشباھہ من المحرمات" مزید فرماتے ہیں "الشعر طاعۃ ان کان فیہ ذکر للہ او علماً من علوم الدین او نفعاً ووعظاً للمسلمین"۔ ۱

علامہ بیضاوی (م ۶۹۱ھ) الم تر انھم فی کل واد یھیمون کی وجہ بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں "لان اکثر مقدماتھم خیالات لا حقیقۃ لھا واغلب کلماتھم فی النسیب بالحرم والغزل والابتھار وتمزیق الاعراض والقدح فی الانساب والوعد الکاذب والافتخار الباطل ومدح من لا یستحقہ والاطراء فیہ"۔ ۲ تشریحات مذکورہ سے واضح ہوا کہ آیات کا ہدف مطلق شعر نہیں مضمون شعر ہے۔ مضامین کے حسن و قبح پر شعر کی قدر و قیمت کا انحصار ہے۔ اسلام حسن ظاہر کو ناپسند نہیں کرتا بلکہ ہر پہلو حسن کا متلاشی ہے۔ بلکہ مقصود اصلی اس جوہر ذات کو قرار دیتا ہے جس پر خارج کا ہیولہ مرتب ہوتا ہے۔ اگر شعر کی تقسیم قابل مذمت ہوتا تو الا الذین کے بعد کا لاحقہ کبھی نہ آتا۔ الا کے استثنائے مضامین شعر کی نسبت سے شعر کو محمود اور غیر محمود میں تقسیم کر دیا۔ اسلئے عمدہ خیالات اور بہتر تراکیب و اسلاب کا حامل شعر مرغوب ٹھہرا اور ایسے ہی شعر دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں باریاب ہوئے۔ علامہ ابن رشیق نے منطقی کن لفظ دیتے ہوئے لکھا "فاما احتجاج من لا یفہم وجہ الکلام بقولہ تعالیٰ: والشعراء یتبعھم الغاوٗن الم تر انھم فی کل واد یھیمون وانھم یقولون ما لا یفعلون" فھو غلط وسوء تاویل لان المقصودین بھذا النص شعراء المشرکین الذین تناولوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالھجاء ومسوہ بالاذی فاما من سواھم من المؤمنین فغیر داخل فی شیئ من ذلک الا تسمع کیف استثناھم اللہ عزوجل۔ ۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں والشعراء یتبعھم الغاوون فنسخ من ذلک واستثنی وقال الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وذکروا اللہ کثیراً۔ ۴

روایت ہے کہ جب مذکورہ صدر آیات کی پہلی تین آیات نازل ہوئیں تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اشکبار ہو کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "الا الذین ...." کی استثنائی آیت پڑھی ۵ اور انہیں تسلی ہوئی۔

مشکوٰۃ کی روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب ان آیات کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا "ان المؤمن یجاھد بسیفہ ولسانہ"۔ ۶

الغرض ارشادات ربانی میں ان خیالات کی نفی کی گئی ہے جس سے بدی فروغ پاتی ہے۔ کردار مجروح ہوتا ہے اور نیکی کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے دور از کار دعوے، بے سروپا حکایات، غیر حقیقی روایات اور بیجا استعارات و تشبیہات اسلام کی پاکیزہ تعلیم سے کوئی نسبت نہیں رکھتے اور جب انہیں شعر کے بارے میں مزین کر دیا جائے۔ تو فساد فکری اور زیغ قلبی کے اندیشے بڑھ جاتے ہیں۔ اسلئے ان سے اجتناب پر زور دیا گیا لیکن حسین خیالات، پرتاثیر جذبات اور صالح نظریات کو شعر کا پیرایہ عطا کر دیا جائے تو ان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور معاشرے پر نیکی کے اثرات فزوں تر ہو جاتے ہیں۔

۱۔ التفسیر المظہری المجلد السابع ص ۹۲ ۲۔ انوار التنزیل واسرار التاویل الجزء الثانی ص ۱۳۴

۳۔ العمدہ الجزء الاول ص ۱۲ ۔ ۴۔ سنن ابی داود جلد ثانی کتاب الادب باب ما جاء فی الشعر ص ۶۸۴

۵۔ تفسیر القرآن العظیم لاسماعیل بن کثیر الجزء الثالث ص ۳۵۲

۶۔ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب باب البیان والشعر الفصل الثانی ص ۴۱۰ بحوالہ شرح السنۃ والاستیعاب

دوسری آیت: "وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کی تعلیم کی نفی ہوئی اور یہ بھی واضح ہوا کہ شعر کہنا آپ کی ذات وصفات سے مناسبت نہیں رکھتا۔ آپ کی ذات گرامی کی شعر سے برأت سے بعض اوقات یہ مراد لے لی جاتی ہے کہ شعر قابل نفرت چیز ہے اسلیئے تو ذات رسالت کو اس سے منزہ رکھا گیا۔ آیت کے کلمات کی ترتیب اور سیاق کلام پیش نظر رہے، تو شعر کے بارے میں اس تحدی کا کوئی مقام نہیں بنتا مفسرین کرام نے اپنے اپنے ذوق اور معلومات کے مطابق اسکی تفسیر میں کوشش کی ہے۔ چند ایک تفاسیر کی تفسیری وضاحتیں تفہیم مطالعہ کے لیے مفید ہوں گی نزول قرآن کے دور میں عرب اپنی زبان کی ساخت و پرداخت میں اس قدر محنت کر چکے تھے کہ انہیں اپنی زبان پر ناز سا ہو چلا تھا، زبان آوری اور فصاحت لسانی کا وہ اپنے آپ کو حقدار سمجھتے تھے اور باقی دنیا انکی نظر میں ژولیدہ بیانی کا شکار تھی۔ ایسے میں قرآن کی معجز نما عبارت نے انہیں متوجہ کیا فصاحت اور بلاغت پر غرور کی حد تک عبور رکھنے والے قرآن کے بلیغ اسلوب کے سامنے بے زبان ثابت ہو چکے تھے۔ وہ حیران تھے کہ اس کتاب مقدس کی تاثیر شعر کی قوت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ان کے ہاں تو کلام کی قوت کا انتہائی درجہ شعر ہی تھا۔ قرآن ان کے مروجہ شعری اسالیب میں فٹ نہ بیٹھتا تھا مگر اپنی اثر آفرینی میں شعر کو کہیں پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ ایسے بدحواسی کے عالم میں وہ قرآن کی پر تاثیر عبارت کو شعر کے سوا کیا کہہ سکتے تھے انسان اپنے دائرہ معلومات کے اندر ہی سوچتا ہے۔ بدوؤں کے ہاں کسی کلام کا نقطہ عروج شعر تھا اسلیئے وہ قرآن کو شعر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہہ کر اپنے طور پر اُن کو مناسب مقام دے رہے تھے۔ مگر خالق کا کلام اور علیم و خبیر خدا کا تعلیم یافتہ نبی، اُن کے اندازوں سے بہت بڑھ کر تھا۔ شاعر کہہ کر نبی علیہ السلام اور شعر کہہ کر قرآن کا مرتبہ گھٹ جاتا تھا (اگرچہ ارادی طور پر شاید وہ ایسا نہ کر رہے تھے) پھر جاہلی دور کے اثرات شعر کو وراثت میں ملے تھے۔ عرب انہی اثرات کے حوالے سے شعر کا مرتبہ متعین کرتے تھے ایسے میں قرآن کو شعر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنا ان خصائص و حدود کا پابند کرنا تھا جو شعر کے وجود کا حصہ بن چکے تھے اسلیئے ضرورت تھی کہ ایسی سوچ کی نفی کی جائے تاکہ ماحول کے بد اثرات آنے والوں کو بھی انہیں کے حوالے سے سوچنے پر مجبور نہ کر دیں۔ اس سیاق میں قرآنی ارشاد کی تفسیر میں کہے گئے الفاظ کا جائزہ حقیقت حال کی وضاحت کا سبب بنے گا۔

علامہ رازی نے تعلیم شعر کی نفی کے ضمن میں یہ نکتہ اُٹھایا کہ آخر شعر کی ہی نفی کیوں کی گئی۔ حالانکہ جاہل انسان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور کاہن بھی تو کہتے تھے۔ اور یہ صریحاً جسارت تھی۔ بے ادبی تھی۔ مگر کیوں نہ فرمایا کہ "ما علمناہ السحر" علامہ موصوف کے نزدیک، قرآن ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور دائمی معجزہ تھا اسلیئے ایسے معجزے کو روایات کے غبار میں گرد آلود کر دینا دین اسلام کی دائمی حقیقت پر ضرب لگانا تھا۔ معجزات کے وقتی اثرات ظاہر بین نظروں کو ساحر نظر آئے تو یہ نظر کا قصور ہے مگر یہ دائمی فساد کا باعث نہ تھا اسلیئے تو اس کی تردید میں وہ شدت نہ تھی جو شعر کی نفی میں استعمال ہوئی کہ یہ دائمی اور ابدی خطرے کا الارم تھا۔ علامہ فرماتے ہیں۔

"أما الشعر فکانوا ینسبونه الیه عندما کان یتلوا القرآن علیهم لکنه صلی الله علیه وسلم ما کان یتحدی الا بالقرآن کما قال تعالیٰ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله الی غیر ذلک ولم یقل ان کنتم فی شک من رسالتی فانطقوا الجذوع او اشبعوا الخلق العظیم او اخبروا الغیوب فلما کان تحدیه صلی الله علیه وسلم بالکلام وکانوا ینسبونه الی الشعر عند الکلام خص الشعر بنفی التعلیم" [1]

۱۔ مفاتیح الغیب المشتهر بالتفسیر الکبیر الجزء السابع ص ۱۱۰

بعض مفسرین نے اس نفی تعلیم شعر سے یہ استنباط کیا کہ شعر چونکہ جاہلی دور میں خواہشات نفسانی اور خیالات باطلہ کا موثر ترین ذریعہ تھا اس طرح شعر بدی کے فروغ میں اہم کردار انجام دے رہا تھا اسلئے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ وصف مناسب نہ تھا۔ چنانچہ افصح العرب ہونے کے باوجود بھی آپ شعر گوئی سے علاوہ بیضاوی (م ۷۹۱ھ) وما ینبغی له کی وضاحت میں فرماتے ہیں "وما یصح له الشعر ولا یتأتی له ان اراد قرضه" ۱

اس نفی کے نتیجے میں یہ خلجان پیدا ہوا کہ یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وقتاً فوقتاً شعر نما جملے ادا ہوتے رہے ہیں ان کی حیثیت کیا ہے (اہم واقعی روایات میں متعدد حوالے نقل کئے گئے ہیں) اسکے جواب دو طرح دیے گئے۔ ایک یہ کہ یہ امر اتفاقی تھا اور اتفاقیہ طور پر ایسے جملے کا ادا ہو جانا جس میں شعر گوئی کا کوئی قصد بھی شامل نہ ہو شعر نہیں کہلاتا۔ نہ ایسا قائل شعر شاعر کہلاتا ہے۔ اہل زبان اور بھی افصح اللسان کی عام گفتگو میں وزن در آئے تو تعجب کی بات نہیں۔ صاحب تفسیر مظہری کہتے ہیں (کہ انا النبی یا هل انت الا اصبع دمیت ... کے جملے) "فاتفاقی من غیر تکلف وتصنع وقعت بغیر قصد منه الی ذلک ومثله لا یعد شاعراً وقد یقع مثله کثیراً فی التعاریف المنثورات" ۲

امام زمخشری (م ۵۳۸ھ) اس ضمن میں فرماتے ہیں۔ "قلت: ما هو الا کلام من جنس کلامه الذی کان یرمی به علی السلیقة من غیر صنعة ولا تکلف الا انه اتفق ذلک من غیر قصد الی ذلک ولا التفات منه الیه ان جاء موزوناً کما یتفق فی کثیر من انشاءات الناس فی خطبهم ورسائلهم ومحاوراتهم اشیاء موزونة لا یسمیها احد شعراً ولا یخطر ببال المتکلم ولا السامع انها شعر" ۳.

بعض علماء عروض وادب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہونے والے موزوں جملوں کو عروضی قاعدوں کے سہارے صنف شعر سے نکال دیا ہے تاکہ یہ عبارات شعر کی حدود میں داخل ہی نہ ہوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعر ہونے کا اتہام نہ لگایا جا سکے چنانچہ آپ سے ادا ہونے والے ان جملوں
"انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب یا هل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل الله ما لقیت" کے بارے میں کہا گیا۔
"وقد روی انه صلی الله علیه وسلم حرک الباءین من کذب وعبد المطلب وکسر التاءین من دمیت بلا اشباع وسکن التاءین لقیت"
اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ یہ شعر نہیں ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲) لکھتے ہیں کہ یہ خیال درست نہیں "فانه یصیر من ضرب آخر من الشعر وهو من ضرب البحر الملقب بالکامل وفی الثانی زحاف جائز" ۴۔ اس کے جواب میں یہ بھی کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا [illegible] (م ۳۶۰) نے جزماً فرمایا کہ عبد اللہ بن رواحہ کے ہیں اور اسکی تائید ابن ابی الدنیا نے کی ہے مزید کہ یہ شعر غزوہ موتہ کے موقع پر انگلی زخمی ہونے پر کہے گئے تھے ۵۔

مولانا انوار علی (م ۱۳۴۳ھ) اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اگر کسے دیدۂ اعتبار کشودہ و زنگ تعصب از آئینہ خاطر زدودہ باشد بسہولت تمام بر حکمت نا بودن شاعر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آگاہ می آید زیرا چہ رتبہ شاعری دون رتبہ نبوت و رسالت است رضی اللہ خاصة حضرت ختم المرسلین کہ اعلی تر از غیر او سبحانہ و تعالی است چہ طور عقل سلیم جائز دارد کہ امر مبتذل با فراد نوع انسانی مناسبت عائد" ۶۔ اس کے بعد یہ بحث اٹھی کہ کیا رسالت مآب اسکو ادا فرمانے کی صلاحیت سے منزہ تھے۔ الزمخشری (م ۵۳۸ھ) کہتے ہیں "وما یصح له ولا یتطلب لو طلبه ای جعلناه بحیث لو اراد قرض الشعر لم یتأت ولم یتسهل" ۷ پھر خلیل کا یہ قول نقل کیا کہ "کان الشعر احب الی رسول اللہ من کثیر من الکلام ولکن کان لا یتأتی له" ۸.

خلیل بن احمد (م ۱۷۰/۱۷۵ھ) کے حوالے سے یہ بھی کہا گیا کہ انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب عربی اوزان میں بحر رجز کا شعر بنتا ہے حالانکہ رجز کہنے والا الا رجز شاعر نہیں ۹۔ یہ بھی کہا گیا کہ خلیل کے ہاں مشطور رجز شعر ہی نہیں ہے "ان الخلیل ما عد المشطور من الرجز شعرا" ۱۰۔ اس سے یہ استنباط کیا گیا کہ آنحضرت شاعر نہ تھے۔ اس دعوی پر کسی کو اعتراض نہ تھا کیونکہ مقام نبوت ان مناصب سے بہت بلند اور برتر تھا۔ شاعر قرار دیئے جانے سے بلندی [illegible] منزلت سے گرانے والے توہین ذات کا پہلو نکلتا ہے

۱ تفسیر بیضاوی الجزء الثانی ص ۲۷۴ ۲ تفسیر المظہری الجزء الثانی ص ۹۷ ۳ الکشاف الجزء الثانی ص ۵۹۳ ۔ ۴ فتح الباری شرح البخاری الجزء العاشر ص ۴۱۱ ۵ حوالہ مذکورہ ۶ حبیب عجم ص ۲۶ ۷ الکشاف الجزء الثانی ص ۵۹۳ ۸ حوالہ مذکورہ ۹ روح المعانی الجزء الثالث والعشرون ص ۴۵ ۱۰ تفسیر المظہری الجزء الثانی ص ۹۷ ۔

قرآن مجید نے "ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ"[1] فرما کر جہاں کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا وہاں یہ بھی واضح کر دیا کہ ذات رسول کی عظمت کو مادی سہارے سے منسلک نہ کرو۔ باپ محترم و مکرم سہی مگر نبی کہیں بڑھ کر شرف و عزت ہوتا ہے اسی طرح عربوں کے ذہن میں شاعر کی ایک عظمت تھی وہ اپنے ماحول کی مناسبت سے شاعر کو ایک مقام دے چکے تھے۔ خدشہ یہی تھا کہ ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حوالے سے جاننے کی کوشش نہ کریں اسلئے شعر کی نفی اور شاعر ہونے کے تمام کا ابطال کر دیا گیا۔ رہی یہ بحث کہ کیا زبان رسالت سے موزوں مصرعے کا ادا ہو جانا بھی ممکن تھا یا نہیں۔ اس سلسلے میں مختلف آراء موجود رہی ہیں۔ نفی شعر پر شدت کے قائل اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک موزوں مصرعے کی بھی تردید کر دیتے ہیں۔ اور حتماً کہتے ہیں کہ شعر کسی صورت میں آپ سے ادا نہ ہوا۔ اس ضمن میں ابن سعدؒ طبقات میں دو واقعات کی طرف اشارہ کیا۔

عن الحسن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتمثل بھذا البیت۔

کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا۔ فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ یا رسول اللہ انما قال الشاعر "کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول۔ کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا۔ فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ اشھد انک رسول اللہ ما علمک الشعر وما ینبغی لک[2]۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے العباس بن مرداس کو مؤلفۃ القلوب کی مناسبت سے چار اونٹ دیے انہوں نے خشمگیں انداز میں چند شعر (جو شاکی تھے) پڑھے جن میں ایک شعر یوں تھا۔

فاُصبح نہبی ونہبُ العُبَید بین عیینۃ والاقرع

جب یہ اشعار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں پیش کیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت العباس سے فرمایا یہ شعر تیرا ہے "أصبح نہبی ونہب العبید بین الاقرع وعیینۃ" فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ بابی وامی یا رسول اللہ لیس ھکذا قال، فقال کیف؟ قال فانشدہ ابوبکر کما قال عباس فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سواء ما یضرک بدات بالاقرع او بعیینۃ فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ بابی انت ما انت بشاعر ولا راویۃ ولا ینبغی لک[3]۔

ان روایات سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ شاعر نہ تھے اسلئے شعر بھی درست نہ پڑھتے تھے۔ حالانکہ شاعر نہ ہونے سے یہ کبھی مترشح نہیں ہوتا کہ جو شاعر نہ ہو وہ شعر درست نہ پڑھے شعر درست نہ پڑھنا ایک عیب ہے اور نبی علیہ السلام ہر عیب سے منزہ ہیں اسلئے افصح العرب سے شعر نہ پڑھنے کی روایت کی نفی وضاحت کی بھی نفی ہو گی۔ آپ سے متعدد واقعات منقول ہوئے ہیں کہ آپ نے بعض اشعار کو پڑھا اور پسند بھی فرمایا۔ دوالبتہ کسی شعر کے کلمات میں رد و بدل اسی شعر کے بارے میں آپ کی ناپسندیدگی یا ترتیب کلام میں کسی خامی کی نشاندہی کا باعث بھی تو ہو سکتی ہے لیکن الشیب والاسلام للمرء ناھیاً میں الشیب اور الاسلام کی ترتیب بدل کر آپ نے اسلام کو اولیت عطا کر دی اور دوسرے مذکورہ مصرعہ کی ترتیب بدل کر اسی میں متضمن خیالات کی بے ترتیبی کو کلمات میں نمایاں کر دیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ بھی شاعر ہونے یا راوی ہونے کی نفی پر محمول ہیں، صلاحیت شعر خوانی کی تردید نہیں۔ اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں آپ نے بعض اشعار کو کاملاً اور بعض کے ایک مصرعے کو ادا فرمایا اور نہ صرف یہ کہ شعر کے مصرعے کو ادا

۱۔ سورۃ الاحزاب : ۴۰

۲۔ طبقات ابن سعد الجزء الاول ص ۳۸۲، ۳۸۳

۳۔ طبقات ابن سعد الجزء الرابع ص ۲۷۲، ۲۷۳

فرمایا بلکہ شعر کی عمدگی پر تبصرہ بھی فرمایا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار کو سماعت فرمانا اور مناسب موقع پر برمحل دعائیہ جملوں سے نوازنا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے اشعار کو اسرع فیھم من نضح النبل کی قوت سے مزین قرار دینا۔ امیۃ بن ابی الصلت کے اشعار کا بار بار تقاضا کرنا، عنترہ کے شعر پر شاعر سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرنا۔ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کے مصرعہ کو اشعر کلمۃ تکلمت بھا العرب، کہہ کر سرفراز فرمانا اور ساتھ ہی یہ واضح کر دینا کہ میں عربوں کے کلام سے آشنا ہوں اسلئے تو سب سے بہتر قرار دے رہا ہوں یاد رہے کہ نبی کا ہر دعویٰ صداقت پر مبنی اور مطابق واقعہ ہوتا ہے کیونکہ وہ صداقت شعار اور صداقت کا مبلغ ہوتا ہے۔ حضرت عباس، نابغۃ الجعدی، ابوجرول، عامر بن الاکوع اور قتیلہ بنت النضر کے اشعار پر داد تحسین دینا شعر فہمی کے مختلف مظاہر ہیں۔ غزوہ خندق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمنوائی پسندیدگی شعر کا واضح ثبوت ہے۔ انگلی زخمی ہونے پر جذبے کے اظہار کیلئے شعر کا قالب اختیار کرنا شعر سے قلبی مناسبت پر شاہد ہے۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے مدحیہ شعر میں سے سیوف الھند کو سیوف اللہ سے بدل کر قصیدہ کی قیمت بڑھا دی۔ یہ تبدیلی ذوق ادبی اور شعر فہمی کی عمدہ ترین مثال ہے۔ عمدہ ذوق ادب اور شعر فہمی کا یہ بلند مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونچی شعر پر قدرت کو واضح کرتے ہیں۔ یہ تو عام حالات میں بھی ممکن نہیں کہ اچھے ذوق کا حامل انسان شعر غلط پڑھے تو پھر افصح العرب جیسے ملکی مناسب مواقع پر شعر خوانی ذوق شعر کی دلیل ہوتی ہے۔ برمحل شعر کا پڑھنا آنحضرتؐ سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا۔

ھل سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتمثل شعراً قطُ قالت کان احیانا اذا دخل بیتہ یقول ویأتیک بالاخبار من لم تُزَوِّد ۱

تعمیر مسجد کے موقع پر آپ نے فرمایا۔ ھذا الحمال لا حمال خیبر ھذا ابر ربنا واطھر ۲

امام زہری (م: ۱۲۴ھ) کہا کرتے تھے " ان لم یقل شیأ من الشعر الا قد قیل قبلہ او روی ذلک الا ھذا ۳۔

صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) نے قدرت شعر اور انشاء شعر کے بارے میں " وما علمناہ الشعر" کے تحت تفصیل سے گفتگو کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "... لکونہ علیہ الصلوۃ والسلام فی المرتبۃ العلیا من الفصاحۃ والبلاغۃ فی الشریس بابعد من قول الشعر لکونہ مظنۃ تطرق التھمۃ علیہ وربما یتخیل انعاقم من قول الشعر فی ذلک، ولو کانت علۃ منعہ علیہ الصلوۃ والسلام من الشعر ما ذکر لزم ان یمنع من الکلام الفصیح البلیغ سدا لباب الریبۃ و حسما لتشبعۃ للحجۃ ۴۔ فصاحت و بلاغت کے مقام بلند پر فائز ہونے کی بنا پر ایسی قوت کا موجود ہونا قرین قیاس ہے جس سے انشاء شعر کی تحریک ہو سکے مگر ایسا بوجوہ نہ ہوا۔ اسکا ایک سبب تو آپ کے مقام کی بلندی اور رتبے کی عظمت تھی جیسا کہ روح المعانی میں ہے

" انہ علیہ الصلوۃ والسلام لم یعط طبیعۃ شعریۃ اعتناء بشانہ ورفعا لقدرہ وتبعیداً لہ صلی اللہ علیہ وسلم من ان یکون فیہ میل الی مخل بمنصبہ فی الجملۃ وانما لم یعط القدرۃ علی الشعر مع حفظہ عن الشائنۃ لان ذلک سلب القدرۃ علیہ فی الابعاد عما یخل بمنصبہ الجلیل علیہ الصلوۃ والسلام " ۵ ۔ شعر گوئی سے ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مجتنب رہنا یہ دلیل نہیں کہ آپ کسی شعر کو ادا کرنے پر قدرت ہی نہ رکھتے تھے یا کسی شعر کا پڑھنا آپ کے منصب جلیل کی نفی تھا۔ علامہ محمود فرماتے ہیں۔ " ولیس فی الایۃ ما یدل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی لہ التکلم بشعر ما لہ لبعض الشعراء والتمثل بہ ۶۔

نواب صدیق حسن (م ۱۳۰۷ھ) کا خیال ہے کہ "ان فی قولہ تعالی وما ینبغی لہ اشعاراً بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان قادرا علی الشعر ولم یقلہ بناء علی انہ ما کان ینبغی لہ فانہ سبحانہ نفی الانبغاء دون القدرۃ علیہ ۷

---

(۱) طبقات ابن سعد جلد اول ص ۳۸۳ (۲) صحیح بخاری جلد اول باب ہجرۃ النبی و الاصحاب الی المدینۃ ص ۵۵۵ (۳) طبقات ابن سعد جلد اول ص ۳۸۳
(۴) روح المعانی الجزالثالث والعشرون ص ۴۳، ۴۴ (۵) حوالہ مذکور ص ۴۴ (۶) حوالہ مذکور ص ۴۴ (۷) ابجد العلوم ص ۲۱۰

اور اسی قسم کی بات بہت پہلے علامہ القسطلانی (م ۹۲۳ھ) نے المواھب اللدنیہ میں کہی تھی کہ بعض علماء یہ رائے رکھتے ہیں "انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان لہ قدرۃ علی الشعر الا انہ یحرم علیہ انشاؤہ" ۱

قرآن مجید کی متعلقہ آیات پر سیاق کلام کے ساتھ غور کیا جائے تو اس سے آنحضرت ؐ کی ذات کے کسی وصف کی نفی مترشح نہیں ہوتی بلکہ یہ گفتگو قرآن کی تنزیلی حیثیت کے حوالے سے ہو رہی ہے۔ قرآن مجید کی پرشکوہ عبارت اور پرتاثیر انداز کلام نے عربوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ وہ اپنی حیثیت اور ذوق کے مطابق اسے شعر کا سا بلکہ اس سے بڑھ کر اثر آفریں پاتے تھے۔ اور اپنی دانست کے مطابق اسے شعر کہہ کر حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے اور یہ ان کی سوچ کا منتہیٰ تھا اور انسان اپنی محدود سوچ سے باہر جا بھی کیسے سکتا ہے۔ الہامی کلمات کو اپنے ذوق ادبی کے حوالے سے شعر کی صف میں کھڑا کر دینا ان کے خیال کی آخری حد تھی مگر کیا اس کلام کو ان کی محدود فکر کے حوالے سے جانچا جائے اور جاہلی دور کے شعر کے حوالے سے اس کی قدر متعین کی جائے۔ یہ الہامی کتاب کے ساتھ ناانصافی تھا۔ قرآن بار بار اس کی نفی کرتا ہے۔ تاکہ قرآن اپنی آفاقیت منوا سکے اور اسے محدود پیمانوں سے ماپ کر اسے کسی فصیح اللسان عرب کے کلام کا مثل قرار دے کر اس کی الہامی حیثیت مجروح نہ کر دی جائے۔ آیت زیر بحث کا مقصود بھی یہی تھا۔ بلکہ بیشتر مفسرین کا خیال ہے کہ جب عرب قرآن کو بزعم خویش شعر کہنے لگے تو اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) آیت مذکورہ صدر کی شرح یوں فرماتے ہیں:

أی ما علمناہ بتعلیم القرآن الشعر یعنی أن القرآن لیس بشعر وما ھو من الشعر فی شیء وأین ھو عن الشعر، والشعر إنما ھو کلام موزون مقفی یدل علی معنی فأین الوزن وأین التقفیۃ وأین المعانی التی ینتحیھا الشعراء عن معانیہ وأین نظم کلامھم عن نظمہ وأسالیبہ فإذا لا مناسبۃ بینہ وبین الشعر إذا حققت اللھم إلا أن ھذا لفظہ عربی کما أن ذلک کذلک ۲

تفسیر بیضاوی میں ہے: قیل الضمیر للقرآن أی وما یصح للقرآن أن یکون شعراً ۳

اسی طرح تفسیر المظہری میں یہ وضاحت ہے کہ قیل الضمیر للقرآن أی وما ینبغی للقرآن أن یکون شعراً ۴

علامہ مصطفی المراغی نے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا: صاحب روح المعانی کہتے ہیں "وإذا جعل الضمیر لہ بأنہ ضمیر لہ للقرآن المعلوم من السیاق أی وما ینبغی للقرآن أن یکون شعراً" (روح المعانی الجزء الثالث والعشرون ص: ۴۵) فالمراد من نفی تعلیمہ الشعر نفی أن یکون القرآن شعراً لأن الذی علمہ القرآن وإذا لم یکن العلم الذی علمہ القرآن شعراً البتۃ، وھذا رد لزعم أن القرآن شعر وأن محمداً شاعر وتعریض لھم بأنہ افتراء وتخیلات وأباطیل لیس لھا [illegible] ۵

امام زہری سے روایت ہے "انہ قال معناہ الذی علمناہ شعراً وما ینبغی لہ أن یبلغ عنا شعراً ... وقال غیرہ أی وما ینبغی لہ أن یبلغ عنا ما لم نعلمہ لیس ھو من یفعل ذلک لأمانتہ وشعور صدقہ" ۶

ان روایات و تشریحات سے صاف ظاہر ہے کہ نفی تعلیم شعر کی اس حیثیت سے ہے کہ قرآن کی عبارات فصیحہ کو شعر کا نام دے کر شعراء قرآن شعر نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تعلیم دی ہے شعر نہیں۔ آپ کے مقام بلند کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ آپ کو شعراء کی صف میں کھڑا کر دیا جائے۔ لہذا تردید آپ کی عظمت اور قرآن کی حقیقت پر دال ہے لیکن اس سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ شعر فی نفسہ معیوب ہے۔

① المواھب اللدنیۃ بحوالہ روح المعانی الجزء الثالث والعشرون ص ۴۲۔ ② تفسیر الکشاف الجزء الثالث ص ۵۹۳ ③ تفسیر بیضاوی الجزء الثانی ص ۲۳۶
④ تفسیر المظہری المجلد الثانی ص ۹۷ ⑤ تفسیر المراغی الجزء الثالث والعشرون ص ۳۱ ⑥ العمدۃ الجزء الاول ص ۶۔

نہیں نکلتا کہ شعر فی نفسہ معتوب ہے اور لسانِ پیغمبر سے اسکی ادائیگی ہی ممنوع تھی۔ نفی کا سارا زور اس پر ہے کہ قرآن کی تعلیمات کو شاعرانہ خیال کی مناسبت دے کر صرف ذوقِ ادب کی چیز نہ بنا دیا جائے یقیناً قرآن کی زبان، اسلوب اور لہجہ پر تاثیر اور دلکش ہے اس میں شعر سے کہیں بڑھ کر جذب کی قوت ہے مگر یہ اس کا ایک پہلو ہے اصل مقصد تعلیمات ہیں جو ان پرشکوہ الفاظ میں ودیعت کی گئی ہیں قرآن کا اصرار ہے کہ اسے شعر کی سطح پر لاکر صرف حظ اٹھانے کی چیز نہ بنا دیا جائے کیونکہ جس دور میں قرآن اپنی ابدی تعلیمات واضح کر رہا ہے اس میں شعر کی پریشان خیالی عام تھی علامہ المراغی اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "سمعہ ذلک منعہ قول الشعر حتی لا یکون لھم حجۃ ان یدعوا علیہ أن القرآن من المفتریات التی یتقولھا او لا ما الملیل التی سیجمعھا ولیس بوعت مندوبۃ"[1]

ان وضاحتوں سے مقصود یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شاعر نہ ہونا یہ دلیل نہ بن جائے کہ شعر مذموم فی الذات ہے شعر کی عظمت اور رفعت کا اندازہ اس کے مضامین سے لگایا جائے گا۔ اور درست اور صادق جذبات پر مشتمل اشعار اسلامی معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ "وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ" کی آیت سے بھی مراد ہے کہ قرآن شاعر کے خیالات کا عکس یا جذبات کا پرتو نہیں یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کے مقابلے میں مخلوق کا کلام خواہ کیسا ہی عمدہ ہو نہیں لایا جا سکتا۔

احادیث کے بارے میں چند گزارشات

شعر اور روایتِ شعر کی تردید میں عموماً یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی شاعر کو بے تحاشا شعر پڑھتے دیکھا تو نفرت کا اظہار فرمایا "شیطان" کہہ کر خطاب فرمایا اور "لأن يمتلئ جوف رجل قيحاً خير له من أن يمتلئ شعراً" ارشاد فرما کر شعر سے بچنے کی ترغیب دی۔ یہ حدیث معمولی اختلافِ لفظی سے بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہے بعض روایات میں "قیحاً" کے بعد "حتی یریہ" کا اضافہ بھی روایت ہوا ہے حدیث کے الفاظ اور شدتِ تردید کے انداز سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ مخاطب کوئی غیر مسلم شاعر ہے۔ "وأما تسمية هذا الرجل الذي سمعه ينشد شيطاناً فلعله كان كافراً او كان الشعر هو الغالب عليه او كان شعره هذا من المذموم وبالجملة فتسميته شيطاناً انما هو في قضية عين تتطرق اليها الاحتمالات المذكورة وغيرها ولا عموم لها فلا يحتج بها"[2]

"شیطان" کہہ کر کسی گنہگار سے گنہگار انسان کو بھی پکارنا لسانِ نبوت سے متوقع نہیں یہ تو اس شاعر کے بارے میں کہا جا سکتا ہے جس کا انداز شعری خرافات سے مملو ہے ہدایت اور کتابِ ہدایت نے اس کے اندر کوئی مقام پیدا نہیں کیا ہے نبی کے اشارے نے واضح کر دیا ہے کہ شعر بحیثیت شعر ہی مقصود ہے اور یہی کائناتِ حیات ہے اور شعر بھی ان مضامین پر مشتمل ہے جو غلاظت کے تعفن سے بھرپور ہیں۔ "قیحاً" فرما کر اس فاسد مواد کی نشاندہی کر دی گئی کہ جس کے خارج ہو جانے میں بھلا ہے وگرنہ وہ فساد کا سبب بنے گا۔ اس سے شعری مواد کے ناقص اور غیر محمود ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس روایت کا مفہوم جاننے کیلئے چند کتب تشریح کا مطالعہ مفید ہوگا۔

علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) شرحِ حدیث کے ضمن میں وضاحت فرماتے ہیں:

"ظاهره العموم في كل شعر لكنه مخصوص بما لم يكن مدحاً حقاً كمدح الله ورسوله وما اشتمل على الذكر والزهد وسائر المواعظ مما لا افراط فيه"[3] اور پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے اس کی توجیہہ یہ بیان فرماتے ہیں۔

---

① تفسیر المراغی الجزء الثالث والعشرون ص ۳۱ ② صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الشعر ص ۲۴۰ حاشیہ شرح النووی

③ فتح الباری شرح البخاری الجزء العاشر ص ۴۱۸

"لکن وجهه عندی ان یمتلئ قلبه من الشعر حتی یغلب علیه فیشغله عن القرآن وعن ذکر الله فیکون الغالب علیه. فاما اذا کان القرآن والعلم الغالبین علیه فلیس جوفه ممتلئاً من الشعر" [1]

علامہ العینی (م ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری شرح البخاری میں لکھتے ہیں:

"یؤخذ من معناه لان امتلاء الجوف بالشعر کنایة عن کثرة الاشتغال به حتی یکون وقته مستغرقاً به فلا یتفرغ لذکر الله عز وجل ولا لقراءة القرآن وتحصیل العلم وهذا هو المذموم وفیه اشارة الی أن ذکر الله تعالیٰ وقراءة القرآن والاشتغال اذا کانت غالبة علیه فلا یدخل تحت هذا الذم" [2]

امام بخاری علیہ الرحمۃ (م ۲۵۶ھ) نے باب کے نام سے ہی رائے کا اظہار کر دیا تھا کہ

"باب ما یکره ان یکون الغالب علی الانسان الشعر حتی یصده عن ذکر الله والعلم والقرآن" [3]

امام النووی (م ۶۷۶ھ) شرح مسلم میں وضاحت فرماتے ہیں۔

"إن المراد أن یکون الشعر غالباً علیه مستولیاً علیه بحیث یشغله عن القرآن وغیره من العلوم الشرعیة وذکر الله تعالیٰ وهذا مذموم من ای شعر کان فاما اذا کان القرآن والحدیث وغیرهما من العلوم الشرعیة هو الغالب علیه فلا یضر حفظ الیسیر من الشعر مع هذا لان جوفه لیس ممتلئاً شعراً"........ مزید لکھا کہ

"وقال العلماء کافة هو مباح ما لم یکن فیه فحش ونحوه قالوا هو کلام حسنه حسن وقبیحه قبیح وهذا هو الصواب فقد سمع النبی صلی الله علیه وسلم الشعر واستنشده وامر به حسان فی هجاء المشرکین وانشده اصحابه بحضرته فی الاسفار وغیرها وانشده الخلفاء وائمة الصحابة وفضلاء السلف ولم ینکره احد منهم علی اطلاقه وانما انکروا المذموم منه وهو الفحش ونحوه" [4]

امیہ بن ابی الصلت کے بارے میں روایت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ففیه جواز انشاد الشعر الذی لا فحش فیه وسماعه سواء شعر الجاهلیة وغیرهم.

وان المذموم من الشعر الذی لا فحش فیه انما هو الاکثار منه وکونه غالباً علی الانسان فاما یسیره فلا بأس بانشاده وسماعه وحفظه" [5]

ابن رشیق (م ۴۶۳ھ) کی رائے بھی یہی ہے کہ مذمت شعر کے غلبے کی ہے کہ دین کے فرائض اور ذکر اللہ سے طبیعت منقطع ہو ورنہ شعر کے جواز پر کوئی قید نہیں ہے۔[6] مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہو کہ روایات مذکورہ میں تردید اس کیفیت کی ہے کہ شعر انسان کے قلب و ذہن پر اس طرح مستولی ہو جائے کہ اسے دینداری کے دیگر امور کی معاملات سے بے خبر کر دے۔ دینی فرائض سے کوتاہی اور معاملات مزید سے اغماض ہونے لگے ایسے حالات میں تو ہر قسم کے مباح اعمال بھی قابل مذمت ٹھہرتے ہیں صرف شعر پر ہی کیا منحصر ہے۔ عرب ماحول میں اس قدر غلو قرینِ امکان تھا اس لیے اس کی تردید میں سخت لہجہ اختیار کیا گیا۔ اس سے شعر کی نہیں غلوِ شعر کی نفی مقصود تھی

---

① فتح الباری شرح البخاری الجزء العاشر ص ۴۱۸ ② عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الجزء الثانی والعشرون ص: ۱۸۸

③ صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الادب ص ۹۰۹ ④ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الشعر حاشیہ شرح النووی ص: ۲۴۰

⑤ سنن ابی داؤد المجلد الثانی کتاب الادب باب ما جاء فی الشعر ص ۶۸۳ پر بھی انہی خیالات کا اظہار ہے۔ ⑥ العمدۃ الجزء الاول ص ۱۲۰

اسلام دینِ معتدل ہے افراط و تفریط کا ہر عمل اسلامی تعلیمات سے انحراف ہے اس لیے شعر ہی نہیں ہر عمل میں راہِ اعتدال ہی مناسب اور قابلِ قبول ہے
بعض روایات میں حدیث کے آخر پر ایک جملے کا اضافہ موجود ہے جیسا کہ طبقات الشافعیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
سے "هجيتُ به" کے الفاظ روایت ہوئے ہیں اس سے بعض شارحین نے یہ استخراج کیا کہ مذمت ایسے اشعار کی ہوئی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی گئی
اور اس طرح یہ احادیث خاص ماحول اور مخصوص حالات کی نشاندھی کرتی ہیں، یہ تردید عمومی نوعیت کی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ توضیح ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے مگر
بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ اپنے مفاہیم پر مبنی بر صداقت معلوم نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی 'ھجو' کی مذمت کے لئے
"امتلاء" کی قید غیر ضروری ہے، ہجو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں کہا گیا ایک شعر یا ایک مصرعہ بھی قابلِ گرفت اور لائقِ مذمت ہے۔ اس میں کمیت
کا کچھ اعتبار نہیں، علامہ محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) هجيت به کے لاحقے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: وَلَا يخفى انه ببعد الحمل المذكور التعبير
بيمتلئ فانّ الكثير والقليل مما فيه فحش أو هجو لسيد الخلق صلى الله عليه وسلم سواء" [۱] علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)
رقمطراز ہیں۔

"قال ابن بطّال ذكر ابو عبيد ان معنى خير له من أن يمتلئ شعرا يعنى الشعر الّذى هجى به النّبىّ صلى الله عليه وسلم وقال
ابو عبيد والّذى عندى فى هذا الحديث غير هذا القول لان هجى به النبى صلى الله عليه وسلم لو كان شطر بيت
لكان كفراً فكانه اذا حمل وجه الحديث على امتلاء القلب منه انه قد رخص فى القليل منه" [۲]

یہی رائے امام النووی (م ۶۷۶ھ) کی ہے کیونکہ ھجو رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک کلمہ بھی موجب کفر ہے فرماتے ہیں۔

"وقد اجمع المسلمون على ان الكلمة الواحدة من هجاء النبى صلى الله عليه وسلم موجبة للكفر" [۳]۔

ثابت ہوا کہ 'هجيتُ به' سے اس تردید شعر کو مخصوص کرنا ممکن نہیں اسلئے یہی توجیہ مناسب ہے کہ اس میں غلوّ شعر اور کثرتِ روایتِ شعر
کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ شعر پوری زندگی کا مشن نہیں زندگی کا ایک حصہ ہونا چاہئیے اور دوسری فرائض و واجبات کو بھی اُن کا جائز مقام ملنا چاہیئے۔
یہاں مناسب ہوگا ایک دو ضمنی مباحث کا بھی ذکر کر دیا جائے تاکہ ابہام کی ہر صورت ختم ہو جائے۔ بعض اوقات شعر کی تردید میں اس
قدر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے کہ اسے غیر شرعی عمل قرار دیتے ہوئے اسے ایسا گناہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ جسے کم از کم مسجد میں نہ ہونا چاہیئے۔
موافق روایات پر گفتگو کے دوران میں جزء ۵ کی بحث میں ہم اس موضوع پر تفصیلی تبصرہ کر چکے ہیں۔ جو وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔
دوسرا ضمنی مبحث یہ کہ کیا شعر خوانی سے پہلے 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے، یہ بحث دراصل اسی خیال کا حصہ ہے
کہ شعر معتوب ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارک لکھتے ہیں۔

"ولا يزال شيوخ الازهر مختلفين فى بدء الشعر بالبسملة، لأنه فيما يرون ليس من الامور ذوات البال" [۴]

پھر اس تردد کی وجہ بتاتے ہیں:۔

"وهذا كله أثر الحملة التى وجهت الى الشعر والشعراء" [۵]۔

---

[۱] روح المعانی الجزء التاسع عشر ص: ۱۳۶ [۲] فتح الباری شرح الصحیح البخاری الجزء العاشر ص: ۴۱۸۔ [۳] صحیح مسلم المجلد الثانی
کتاب الشعر، ص: ۲۴۰ حاشیہ شرح النووی، بسنن ابی داؤد المجلدات [۴] الموازنہ بین الشعراء زکی مبارک ص: ۲۹۔
[۵]، حوالہ مذکورہ۔

ابن رشیق نے ابو جعفر النحاس (م ۳۳۸ھ) سے روایت کیا ہے:-

"قال ابوجعفر النحاس اختلف العلماء فی کتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امام الشعر فکرہ ذلک سعید بن المسیب والزہری و اجازہ النخعی وکذا یروی عن ابن عباس رضؓ قال الکتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امام الشعر"[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا حکماً اجازت دینا مخالف روایات کی نفی کے لئے کافی ہے پھر اختلاف کو 'مذموم اشعار' کے ساتھ منسلک کر کے عمومی اجازت استنتاج ہو سکتی ہے۔

ایک اور تردیدی مبحث وہ روایت ہے جس میں جاہلی شاعر 'امرءالقیس' کی نسبت قیادتِ دوزخ کی وعید موجود ہے۔ مسند احمد کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرءالقیس صاحب لواء الشعراء الی النار"۔[2]

تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امرءالقیس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"یجیئی یوم القیامۃ معہ لواء الشعراء یقودھم الی النار"[3]۔

امرءالقیس کے بارے میں اس ارشاد کو شعر کی مذمت کے لئے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے حالانکہ یہ تردید صرف شاعر ہونے کی وجہ پر نہیں جاہلی شاعر کی وجہ سے ہے ورنہ تمام شعراء معتوب ٹھہرتے" جبکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شعر کی وجہ سے ہی جنت کی بشارت مل چکی ہے۔[4] یہ نفرت دراصل امرءالقیس کے باطل نظریات اور فاسد خیالات کا نتیجہ ہے اس سے تو بقول ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ:-

"کسی فنی و ادبی تخلیق کی اہمیت اور قدر و قیمت اسکے فنی و ادبی حسن ہی سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کے مضامین و معانی کی حیات بخشی اور حیات افروزی کی خاصیت سے متعین ہوتی ہے"۔[5]

اس سلسلے میں بعض علماء کے اقوال بھی نقل کئے جاتے ہیں جن سے 'شعر' سے نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض نے اسے 'رفث القول'[6] کہا تو بعض نے شعر پڑھنے وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جس پر ابن سیرین نے عملاً تردید کی کہ شعر پڑھا اور نماز کی امامت شروع کردی۔[7]، سعید بن المسیب سے کتابت بسم اللہ کی کراہت کا ذکر اوپر کیا گیا مگر انہیں سے یہ بھی روایت ہو اکہ عراقیوں میں سے کچھ لوگوں کی کراہت شعر پر آپ نے فرمایا "نسکوا نسکاً أعجمیاً"۔[8] امام ابو جعفر الطحاوی نے تردید شعر کی روایت نقل کر کے آخر پر اپنی رائے کا یوں اظہار فرمایا، جیسے علامہ العینی نے اپنی وضاحت کے ساتھ عمدۃ القاری میں رقم فرمایا-

"فکرہ قوم روایۃ الشعر واحتجوا بھذہ الآثار قلت اراد بالقوم ھولاء مسروقاً وابراھیم النخعی وسالم عبداللہ و الحسن البصری وعمرو بن شعیب فانھم قالوا یکرہ روایۃ الشعر و إنشادہ واحتجوا فی ذلک بھذہ الاحادیث المذکورہ وروی ذلک عن عمر بن الخطاب وابنہ عبداللہ و سعد بن ابی وقاص و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنھم ثم قال الطحاوی وخالفھم فی ذلک آخرون فقالوا لا بأس بروایۃ الشعر الذی لا قذع فیہ قلت اراد بالآخرین الشعبی وعامر بن سعد

---

[1] العمدہ الجزوالثانی ص ۲۳۷۔ [2] طبقات الشافعیہ الکبریٰ الجزوالاوّل ص ۱۱۹۔ [3] تاریخ بغداد المجلد الثانی ص: ۲۷۴۔ [4] دیوان حسان شرح البرقوتی ص: ۸۔ [5] ادب کا اسلامی نظریہ ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی ص: ۲۳، ۲۴۔ [6] الموازنہ بین الشعراء زکی مبارک ص ۲۸ [7] حوالہ مذکورہ۔ [8] حوالہ مذکورہ۔

بن المسیبؒ والقاسم والثوری والاوزاعی وأبا حنیفة ومالکا والشافعی وأحمد وأبا یوسف ومحمد واسحٰق بن راھویہ وأبا ثور وأبا عبید فانھم قالوا لا بأس بروایة الشعر الذی لیس فیہ ھجاء ولا نکث عرض احد من المسلمین ولا فحش وروی ذلک عن أبی بکر الصدیق وعلی بن أبی طالب والبراء بن عازب وأنس بن مالک وعبداللہ بن عباس وعمرو بن العاص وعبداللہ بن الزبیر ومعاویة بن أبی سفیان وعمران بن الحصین والاسود بن سریع وعائشة ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین "۔[1]

اس طویل اقتباس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اسلام اور صحابہ کرام کی کثیر جماعت شعر کے جواز کی قائل ہے ۔ اور جن علماء اور صحابہ سے مذمت شعر کے سلسلے میں کچھ روایت ہوا ہے وہ بھی 'شعر' کے عمومی رویے کے بارے میں نہیں 'شعر' کے مضامین کی نسبت سے ہے کہ بُرے خیالات جب شعر کا دامن اوڑھتے ہیں تو اپنے اثرات میں کئی گنا شدید ہو جاتے ہیں اس لئے شعر جیسا تیز آلہ کسی بدکردار اور بد اعمال کے ہاتھ آجائے تو خطرہ بھی بہت ہوتا ہے کہ کہیں وہ اپنی اس صلاحیت سے معاشرے میں بدی کو پھیلنے کے مواقع فراہم نہ کردے ۔ کاٹ دار شعر کو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر سے تیز تر اثر آفرین بتایا ہے ۔ شعر گوئی کی کثرت کو اس لئے بھی روکا گیا کہ 'شعر' اپنے اسلوب میں نثر سے مختلف ہونے کی بنا پر قوتِ فکر کا متقاضی ہے ، 'شعر فہمی' بھی ایک صلاحیت چاہتی ہے ۔ مگر عوام الناس میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ وہ شعر کے مشتملات کو فوری طور پر ذہن نشین کرسکیں ۔ اس لئے مغالطے پیدا ہونے کا امکان بھی ہوتا ہے ۔ پھر شعر تشبیہات و استعارات کے ذریعے سے حقائق منکشف کرتا ہے ۔ جبکہ سامعین اور قارئین کی بہت بڑی تعداد انکی تفہیم کی صلاحیت نہیں رکھتی ، مجاز سے حقیقت تک کا سفر شعر کو مشکل بنا دیتا ہے ۔ اور عین ممکن ہوتا ہے کہ 'قاری' شاعر کے ساتھ ساتھ چلنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور اپنے ناقص خیالات کو شاعر کے الفاظ میں تلاش کرنے لگے ، ان مشکلات کی وجہ سے شعر کے استعمال میں احتیاط کا درس دیا گیا ہے ۔ کہ بعض اشعار اچھے خیالات اور پاکیزہ نظریات پر مبنی ہونے کے باوصف اچھے اثرات مرتب نہیں کرتے ، امام غزالی علیہ الرحمۃ (م ۵۰۵ھ) نے واعظین کے لئے کثرتِ شعر کو نامناسب قرار دیا ہے ۔ اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں :

" واکثر ما اعتادہ الوعاظ من الأشعار ما یتعلق بالتواصف فی العشق وجمال المعشوق وروح الوصال و ألم الفراق والمجلس لایحوی الا أجلاف العوام وبواطنھم مشحونة بالشھوات وقلوبھم منفکة عن الالتفات الی الصور الملیحة فلا تحرک الأشعار من قلوبھم الا ما ھو مسکن فیھا فتشتعل فیھا نیران الشھوات فیزعقون و یتواجدون واکثر ذلک أو کلہ یرجع الی نوع فساد "۔[2]

مگر خواص کی محفل میں شعر خوانی کی اجازت دیتے ہیں ، اس سے معلوم ہوا کہ 'شعر' کے مضامین عمدہ ہوں محل شعر مناسب ہو اور سامعین باصلاحیت ہوں تو 'شعر' پڑھا اور سنا جا سکتا ہے ۔ حاصل یہ ہوا کہ شعر فی نفسہ ہی اسلام کی نظر میں مردود نہیں بلکہ اسلام اسے ایک بہتر انداز تکلم اور عمدہ طرز کلام کے طور پر تسلیم کرتا ہے مگر جیسے اسلام ہر معاملے میں " خذ ما صفا اور دع ما کدر" کا

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الجزء الثانی والعشرون ص : ۱۸۹ ۔ [2] احیاء علوم الدین الجزء الاوّل ص : ۴۲ ۔

دائمی ہے شعر میں بھی اسی معیار کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تاکہ اس صلاحیت سے عمدہ نتائج نکلیں اور معاشرے کی عمومی بھلائی کا کام ہو سکے۔ ڈاکٹر شوقی ضیف نے سچ کہا تھا:

"فالقرآن لم يهاجم الشعر من حيث هو شعر" [۱]

یہ بھی حقیقت ہے کہ مذمتِ شعر کی اکثر روایات کی اسناد قابل اعتماد نہیں ہیں۔ امام ابن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کہ "الشعر مزامیر الشیطان" اور حضرت مسروق کی روایت "انه تمثل باول بيت شعر ثم سكت فقيل له فقال أخاف ان أجد في صحيفتي شعراً" اور یہ کہ شیطان کو مخاطب کرکے فرمایا گیا "قرآنك الشعر" کو غیر ثقہ قرار دیا ہے بلکہ کہا "بانها اخبار واهية" [۲]

علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے علماءِ امت کے کلام سے استنباط کرتے ہوئے آخری فیصلہ دیا کہ:

"والذي يتحصل من كلام العلماء في حد الشعر الجائز انه اذا لم يكثر منه في المسجد وخلا عن هجو وعن الإغراق في المدح والكذب المحض والتغزل بمعين لا يحل وقد نقل ابن عبد البر الاجماع على جوازه اذا كان كذلك" [۳]

اور یہ اسی اجماع کا اثر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک مسلم دنیا میں شعر ایک زندہ حقیقت ہے، شعراء کی طویل فہرست اس صنفِ ادب کی ساخت و پرداخت کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ اور اس فہرست میں صحابہ کرام، ائمہ کرام، فقہائے عظام، مفسرین و محدثین غرضیکہ عالم اسلام کی تمام برگزیدہ ہستیاں شامل ہیں اور ان میں بیشتر وہ علماء ہیں جن کے دیوان موجود ہیں، تیسرے باب میں ہم ان علماء کی ایک مختصر سی فہرست پیش کریں گے جس سے شعر کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے گا۔

'شعر کے جواز' سے شعری دنیا کے تمام اصنافِ سخن کو جواز کی سند حاصل ہوتی ہے اس لئے مسلمان شعراء نے ہر صنف سخن پر توجہ دی ہے۔ ہمارا موضوع چونکہ صرف مدح ہے اس لئے ہم آگے بڑھنے سے پہلے مدح کے بارے میں چند گزارشات پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ دیگر اصناف میں اس صنف کا مقام متعین ہو جائے۔ اسکے مشتملات کا اندازہ ہو جائے اور اس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت ہو جائے۔

---

[۱] تاریخ الادب العربی (۲) العصر الاسلامی ص: ۴۴۔ [۲] فتح الباری بشرح صحیح البخاری الجزء العاشر ص: ۴۱۰، ۴۱۱۔ [۳] فتح الباری بشرح الصحیح البخاری الجزء العاشر ص: ۴۰۹۔

مَدُحَ

'مَدحَ'، مَدَحَ (وزن مَنَعَ) یَمْدَحُ کا مصدر ہے جس کے مفہوم میں بہتر اور عمدہ اوصاف کا بیان کرنا شامل ہے۔ مِدْحَة بھی مصدر ہے اگرچہ اسے اسم بھی کہا گیا ہے۔ مجدالدین الفیروز آبادی (م ۸۱۷ ھ) کہتے ہیں:

"مَدَحَهُ: کَمَنَحَهُ مَدْحاً وَمِدْحَةً: أَحْسَنَ الثَّنَاءَ عَلَيْهِ"۔[۱]

علامہ مرتضیٰ الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"(مَدَحَهُ كَمَنَحَهُ) يَمْدَحُهُ (مَدْحاً وَمِدْحَةً)، بالكسر وهذا قول بعضهم والصحيح أن المَدْحَ المصدر والمِدْحة الاسم ... (أحسن الثناء عليه) ونقيضه الهجاء وقال شيخنا قال أئمة الاشتقاق وفقهاء اللغة المدح بمعنى الوصف بالجميل يقابله الذم وبمعنى عدّ المآثر ويقابله الهجو"[۲]

ہمارا موضوع چونکہ 'مدح' کا معنی ثانی یعنی 'عدّ المآثر' سے متعلق ہے اس لئے اس کی ضد هجو یا هجاء ہی شمار ہوگی، 'مدح' میں کونسے اوصاف شمار کئے جاتے ہیں اسکی وضاحت کرتے ہوئے علامہ الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) المصباح کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"وفي المصباح مدحته مدحاً كنفع: أثنيت عليه بما فيه من الصفات الجميلة خلقية كانت أو اختيارية ولهذا كان المدح أعم من الحمد"[۳]

جن کلمات یا عبارات میں یہ اوصاف جمیلہ بیان کئے جائیں انہیں 'مدیح' کہتے ہیں، صاحب القاموس المحیط کے نزدیک یہ غیر مشروط ہے کہ[۴] یہ کلمات نثر میں ہوں یا نظم میں مگر صاحب تاج العروس نے کہا ہے (مايمدح به) من الشعر۔

(ج) مدیح (مدائح)[۵] کہ یہ کلمات مدح شعر کے ساتھ خاص ہیں اس طرح 'مدیح ج مدائح' کو شعری نگارشات کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔

'مدح' وصفِ جمیل ہے، یہ وصف وھبی (خلقی) بھی ہو سکتا ہے اور کسبی (یعنی اختیاری) بھی، حسن و جمال، قد و قامت، موزونیت جسم اور وہ تمام اوصاف جو پیدائشی طور پر انسان کو ودیعت کئے گئے ہوں مدح کے مشتملات میں سے ہیں اور ایسے ہی وہ اوصاف جو کاوش و کوشش اور جہد و محنت سے حاصل کئے جائیں جیسے علم و حکمت، دانش و بینش، حکومت و سطوت وغیرہ، یہ اوصاف وقتی بھی ہو سکتے ہیں اور نسبتاً دائمی بھی مگر چونکہ ان کے حصول میں صاحبِ وصف کی سعی و محنت کو دخل حاصل ہے اس لئے انہیں اختیاری اوصاف کہا جاتا ہے۔"

مدح سے قریب تر کلمہ حمد ہے، حمد اپنے مشتملات کے حوالے سے مدح کا سا عموم نہیں رکھتا بلکہ حمد میں صفات شماری چند وجوہ سے محدود ہو جاتی ہے۔ ان کے فرق اور حدود کو واضح کرتے ہوئے علامہ فخرالدین الرازی (م ۶۰۶ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"فنقول الفرق بين الحمد والمدح من وجوه (الأول) أن المدح قد يحصل للحي ولغير الحي، ألا ترى أن

---

[۱] القاموس المحیط المجلد الاوّل ص: ۱۵۵۔ [۲] تاج العروس المجلد الثانی ص: ۲۳۱،۲۳۰۔ [۳] تاج العروس حوالہ مذکورہ۔
[۴] القاموس المحیط المجلد الاوّل ص: ۱۵۵۔ [۵] تاج العروس المجلد الثانی ص: ۲۳۱۔

من رأى لؤلؤة فى غاية الحسن أو ياقوتة فى نهاية الحسن فانه قد يمدحهما ويستحيل أن يحمدها فثبت أن المدح أعم من الحمد، (الوجه الثانى) فى الفرق أن المدح قد يكون قبل الإحسان وقد يكون بعده أما الحمد فانه لا يكون الا بعد الإحسان، (الوجه الثالث) فى الفرق أن المدح قد يكون منهيا عنه قال عليه الصلوٰة والسلام أحثوا التراب فى وجوه المداحين، أما الحمد فهو القول الدال على كونه مختصا بفضيلة معينة وهى فضيلة الإنعام والإحسان، فثبت بما ذكرنا أن المداح اعم من الحمد." [۱]

علامہ محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) نے حمد اور مدح کے فرق میں چھ وجوہ کا ذکر کیا ہے، تین تو امام رازی علیہ الرحمۃ کے ذکر کردہ صفات سے متماثل ہیں مگر تین وجوہ مختلف ہیں مثلاً:

"الحمد يشترط صدوره عن علم لا ظن، وأن تكون الصفات المحمودة صفات كمال والمدح قد يكون عن ظن وبصفة مستحسنة وان كان فيها نقص ما، أن فى الحمد من التعظيم والفخامة ما ليس فى المداح وهو أخص بالعقلاء والعظماء واكثر اطلاقا على الله تعالى، أن الحمد إخبار عن محاسن الغير مع المحبة والإجلال وللمدح إخبار عن المحاسن ولذا كان الحمد إخباراً يتضمن إنشاء والمدح خبراً محضاً." [۲]

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"أما المدح فهو أعم من الحمد لأنه يكون للحى وللميت وللجماد أيضاً كما يمدح الطعام والمكان ونحو ذلك ويكون قبل الإحسان وبعده وعلى الصفات المتعدية واللازمة ايضاً فهو أعم" [۳]

اس تقابلی جائزہ سے مدح اور حمد کی حدود کا تعین ہو گیا کہ:

۱۔ مدح کا اطلاق عام ہے۔ ممدوح زندہ بھی ہو سکتا ہے اور وفات پانے والا بھی۔ انسان بھی ہو سکتا ہے اور دیگر مخلوقات میں سے بھی حتی کہ جمادات میں سے بھی ممکن ہے۔

۲۔ مدح میں تمام صفات شامل ہو سکتی ہیں خواہ اکتسابی ہوں یا وھبی،

۳۔ صفات مذکورہ کا درجہ کمال تک پہنچنا ضروری نہیں، یہ کسی بھی معیار کی ہو سکتی ہیں یہ تو مداحین کی تاثر پذیری ہے۔ کہ وہ کس کے ذکر کو ضروری سمجھتے ہیں۔

۴۔ مدح میں مداح کی قلبی فعالیت کا نمایاں ہونا بھی ضروری نہیں، یہ صرف حکایتِ اوصاف تک محدود ہو کر خبر محض کی سطح پر بھی آ سکتی ہے۔

۵۔ صفات شماری محمود بھی ہو سکتی ہے۔ اور مذموم بھی، داخلی فعالیت کی عدم موجودگی کی بنا پر یہ صرف کسی غرضِ خاص کے حصول کا ذریعہ بھی ہو سکتی ہے یا کسی معاشرتی جبر یا معاشی ضرورت کا اثر بھی ہو سکتی ہے۔

حمد کے مقابلے میں مدح کی سطح کم تر ہے۔ اس لئے اس میں غیر صالح خیالات کا راہ پا جانا ممکن ہوتا ہے۔ اور یہ امکانی خطرہ اسے مشکل تر بنا دیتا ہے۔ قدم قدم پر بہک جانے کا امکان، لفظ لفظ میں غیر معیاری ہو جانے کا اندیشہ مدح نگاری میں احتیاط کا

---

[۱] تفسیر کبیر الرازی الجزء الاول ص: ۱۱۲۔ [۲] روح المعانی، الجزء الاول ص: ۷۰۔ [۳] تفسیر ابن کثیر الجزء الاول ص: ۲۲۔

متقاضی ہے، ہر لمحہ یہ خطرہ درپیش رہتا ہے کہ کہیں ممدوح کی ذات کے ساتھ بے انصافی نہ ہو جائے کیونکہ اس میں افراط بھی ممکن ہے اور تفریط بھی، اسی حد بندی نے مدح نگاری کو مشکل ترین صنفِ سخن بنا دیا ہے، ممدوح وہ ذات گرامی ہو کہ جسکے تقدس و احترام پر عقاید کی دیوار کھڑی ہو تو یہ مزید مشکل ہو جاتی ہے، حمد میں ایسے خطرات کم ہیں اس میں راہ واضح بھی ہے اور کوئی شریکِ صفات بھی نہیں ہے۔ ہم 'فن' کے بارے میں گزارشات کے ضمن میں مولانا احمد رضا خان بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) کا یہ قول نقل کرآئے ہیں کہ

"حقیقۃً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پہ چلنا ہے، اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے، البتہ حمد آسان ہے۔ کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے"۔[1]

مدح، نثر میں بھی ممکن ہے اور نظم میں بھی اگرچہ علامہ الزبیدی نے 'مدائح' کو شعر کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔ ہمارا موضوع چونکہ شعری تخلیقات ہی ہیں اس لئے علامہ الزبیدی کی بات ہمارے دائرہ کار کی مزید توثیق کرتی ہے۔ مدحیہ شاعری تک محدود رکھتے ہوئے ہم عربوں کے ہاں مدح نگاری کے فن کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ اس صنفِ سخن کا مقام متعین ہو جائے۔

مدح نگاری اور عرب :۔ مدح ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں مدح نگار ذاتِ ممدوح کے حضور خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے اور اس طرح ممدوح کے بعض فضائل سے اپنی 'تاثر پسندی' کا اعلان کرتا ہے۔ عرب ایک خود سر اور انانیت پسند قوم تھی اس لئے ان کے کردار کی مکمل جھلک مدح میں نمایاں نہ ہو سکی تھی۔ بھلا ایک جاہلی شاعر کو جسے اُس کے معاشرے نے بلند و بالا مقام دے رکھا تھا۔ کیسے گوارا تھا کہ وہ کسی اور کو اس قدر اہمیت دے کہ اُسکی تعریف میں رطب اللسان ہو جائے، یہ اُن کے خیال میں اپنے وجود کی نفی تھی جو اُن کی نہ جھکنے والی سرشت سے مناسبت نہ رکھتی تھی، یہی بنیادی وجہ کہ یہ صنفِ شعر عربوں میں زیادہ پذیرائی نہ پا سکی، مدح تکلف و تصنع اور نامحمود مبالغہ آمیزی کی متقاضی تھی اور لہجے کی مسکینی چاہتی تھی جسے اُن کی فطرت پسندی اور اُن کے لہجے کا کھردرا مگر کھرا پن برداشت نہ کرتا تھا۔ عرب معاشرے میں صرف دو بڑے شاعر ایسے ملتے ہیں جو اپنی شعری عظمت منوا چکے تھے۔ مگر مدح نگاری اور قصیدہ خوانی کے رسیا تھے، ایک النابغۃ الذبیانی اور دوسرا الاعشیٰ تاریخ ادب عربی میں ان کی عظمت کو سلام کیا جاتا ہے مگر ساتھ ہی قصیدہ خوانی کی عادت کی بنا پر خفگی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن رشیق کہتے ہیں۔ (النابغۃ کے بارے میں) "مدح الملوك وقبل الصلة على الشعر وخضع للنعمان بن المنذر وكان قادراً على الامتناع منه بمن حوله من عشيرته او من سار اليه من ملوك غسان فسقطت منزلته وتكسب مالا جسيما حتى كان أكله وشربه فى صحاف الذهب والفضة وأوانيه من عطاء الملوك"[2] پھر الاعشیٰ کے بارے میں کہتے ہیں:

"فلما جاء الأعشى جعل الشعر متجراً يتجر به نحو البلدان وقصد حتى ملك العجم فأثابه وأجزل عطيته علماً بقدر ما يقول عند العرب واقتداءً بهم فيه"[3]

ان دو نمایاں مدح نگاروں کے ساتھ اکثر زہیر بن ابی سُلمٰی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ کہ اس کے دیوان کے اکثر قصائد مدحیہ ہیں۔ جو بیشتر ھرم بن سنان، کی مدح میں کہے گئے ہیں (دیوان زہیر بن سُلمٰی کے مختلف صفحات اسکے گواہ ہیں) مگر زُہیر کو النابغۃ اور الاعشیٰ کی طرح

---

[1] الملفوظ حصہ دوم ص: ۴۴۔ [2] العمدہ الجزء الاول ص ۹۴۔ [3] حوالہ مذکورہ۔

صف میں کھڑے کرنا زُہیر کے نیک جذبات اور پاکیزہ تصورات کی توہین ہوگا اور ایسے قابل قدر شاعر کے ساتھ انصاف بھی نہ ہوگا
زُہیر کے مدحیہ قصائد کا جذبہ محرکہ طلب داد اور خواہش زر نہ تھا بلکہ قابل تعریف افعال کی ترسیخ تھا تاکہ ایسے جذبات فروغ پائیں
اور معاشرے میں حُسنِ اخلاق کی سطوت قائم ہو۔ علامہ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) کہتے ہیں "کان زھیر لا یمدح الاّ مستحقا کمدحہ
سنان بن أبی حارثۃ وھرم بن سنان" [۱]

حرب داحس وغبراء کے نتیجے میں عبس و ذبیان کے قبائل کشت وخون میں نہا چکے تھے۔ اور قریب تھا کہ اُن کا آخری قطرۂ خون
بھی باہمی خون آشامی کی نذر ہو جائے، صُلح کی کوشش بار آور ہوئی تو ایک منتقم مزاج فرد کے کردار نے دوبارہ آتشِ جنگ سلگا دی۔
ایسے مخدوش حالات میں ان سرداروں نے صُلح پسندی کا ثبوت دیا اور بیٹے تک کی جان پیش کر دی۔ یہ وہ کارنامہ تھا جسے آج کی
مہذب دُنیا بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ صُلح جوئی کے لئے ایسا جرأت مندانہ اقدام زھیر کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسلئے
وہ ان سرداروں کے اخلاقِ کریمانہ کے ترانے گانے لگا۔ [۲] یہ مدح نگاری خواہش نفس کا اثر نہیں نیک نفسی کی غماز ہے۔
زھیر کی بلندیٔ کردار تو اُس کے اُس طرزِ عمل سے بھی ظاہر ہے۔ کہ ھرم بن سنان کے اس اعلان پر کہ جب بھی زھیر اسکی مدح کرے گا
یا سوال کرے گا یا سلام کرے گا تو وہ اُسے غلام یا لونڈی یا گھوڑا انعام دے گا، زھیر نے دولت سمیٹنے کی کوئی خواہش نہ کی بلکہ عام شعراء
کے طرزِ عمل کے برعکس کہ وہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اُس نے اُسے سلام کرنے سے بھی احتراز کیا۔ کبھی بھری محفل میں
مجبوراً سلام کہنا ہوتا تو وہ کہتا "عِمُوا صباحاً إلاّ ھرمًا وخیرکم استثنیت" [۳]۔ زھیر کا یہ جذبہ ہر دور میں محترم رہا حتیٰکہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے ھرم کے بیٹے کو احساس دلاتے ہوئے کہا:

"ذَھَبَ مَا أعطیتموہ وبقی ما أعطاکم" [۴]

زھیر کے اس طرزِ عمل سے عربوں کی عمومی فطرت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ عرب شاعر مدح نگاری کو کسب زر کا ذریعہ
نہ بناتے تھے۔ اسی لئے اُن کے مدحیہ قصائد استحقاقِ حقیقت اور اعترافِ عظمت کا فطری اظہار ہیں۔ ادریس احمد الاسکندری کہتے ہیں:

"کانت غایۃ المادحین من قدماء الشعراء فی الجاھلیۃ إمّا تشکر الممدوح علی حُسن صنیعہ وإمّا التباھی
بمناقبہ والافتخار بانتماء الیہ، أمّا التذرع الی الاستنجاد بہ ونحو ذلک لاطمعاً فی قنص مالہ واستجداء لمعروفہ
حتّی نشأ فیھم مَنْ قبل الثواب علی المدح بلا مسألۃ لہ کزھیر" [۵]

پھر کیا تھا مدح اپنے مقام سے گرنے لگی النابغہ اور الاعشٰی نے اسے حصولِ زر کا ذریعہ بنایا اور آخر یہ کشکول گدائی بن کر رہ گئی
"فأصبح الشعر مھنۃ کسب بمقتھا الأشراف" [۶]

جاہلی دور کے بعد صدرِ اسلام میں 'مدح نگاری' کا جذبہ محرکہ قابلِ قدر ہی رہا مگر پھر بادشاہت کے روپ میں شعر
کو سرپرست مل گئے اور عجمی اثرات بھی راہ پانے لگے، اُموی دور سے جلبِ زر کی عادت پڑی جو وقت کے ساتھ پختہ تر ہوتی

---

[۱] العقد الفرید الجزء الثالث ص: ۳۸۰ ۔ [۲] دیوان زھیر ص ۷۲ پر معلقہ زھیر اور دیگر کئی قصائد جو دیوان میں شامل ہیں۔
[۳] تاریخ الادب العربی الزیات ص: ۵۲ ۔ [۴] العمدہ الجزء الاوّل ص: ۵۰ ۔ [۵] الوسیط ص: ۱۵۱ ۔ [۶] حوالہ مذکورہ

گئی حتیٰکہ وہ وقت بھی آیا کہ شعراء "کشکولِ شعر" لئے مملکت کے اطراف و اکناف میں ممدوحین کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے، اب "معیار" دولت تھا۔ اوصافِ ممدوح نہ تھے، ممدوحین بھی اپنے کم تر درجے کو سمجھتے تھے اس لئے اپنی پستی کا ازالہ داد و دہش کے پیمانوں سے کرنے لگے، شعر گوئی کاروبار ٹھہرا اور اشعار دولت کے ترازو میں تولے جانے لگے، خراسان و سجستان کے علاقوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر شوقی ضیف کہتے ہیں:

"وإذا ولينا وجوهنا نحو خراسان وسجستان وجدنا الولاة والعمّال هناك يكيلون الأموال والعطايا للشعراء كيلاً، وهم بدورهم ينشرون عليهم رياحين مديحهم نثراً"۔[1]

بروکلمان نے مدح نگاری کا تاریخی تناظر میں جائزہ لیتے ہوئے کہا:

"وكثيراً ما كان الشاعر يتجه لغنه أيضاً إلى مدح بطل أو أمير من قبيلته، ولكنّه لم يكن يفكّر قديماً في الجائزة الرنانة، التي نزلت بمكانة "شعراء المديح المحترفين في بعض الأحيان ـــــ منذ عهد النبي صلّى الله عليه وسلّم ـــــ إلى درك المتسولين بالغناء"[2]

بہتر ہوگا کہ جاہلی دَور کے مدحیہ قصائد کے مشتملات کا ایک سرسری جائزہ لے لیں تاکہ اسلامی دَور اور خاص طور پر عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدحیہ شاعری کے تقابل میں سہولت رہے۔

علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۳ھ) عربوں کی مدحیہ شاعری کی تین شرائط کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ جس کی مدح کی جائے درحقیقت مدح کے قابل ہو۔

۲۔ مدح میں جو کچھ کہا جائے سچ کہا جائے۔

۳۔ مدحیہ اوصاف اس انداز سے بیان کیے جائیں کہ جذبات کو تحریک ہو۔

پھر کہتے ہیں: عرب اولاً تو کسی کی شاعرانہ مدح کرنا عار سمجھتے تھے اور مدح کرتے تھے تو کبھی صلہ اور انعام لینا گوارا نہ کرتے تھے پھر جو کچھ کہتے تھے سچ کہتے تھے۔ ایک رئیس نے ایک عرب شاعر سے کہا کہ میری مدح لکھو، اس نے کہا:

إفْعَلْ حَتّٰى أقُول، یعنی تم کچھ کرکے دکھاؤ تو میں کہوں"[3]

علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۳ھ) نے مدح کے چند بنیادی اصول بھی تحریر فرمائے ہیں مثلاً:

۱۔ الفاظ گزیدہ اور شستہ ہوں، سوقیانہ الفاظ اور محاورے نہ آنے پائیں۔

۲۔ زیادہ اشعار نہ ہوں چنانچہ بحتری سلاطین کی جب مدح لکھتا تھا تو بہت کم شعر لکھتا تھا، جریر مشہور شعر کہا کرتا تھا "اذا مدحتم فلا تطیلوا"۔

۳۔ مدح میں تفاوت مراتب کا لحاظ رکھا جائے یعنی بادشاہ، وزیر، دبیر، افسرِ فوج، حاکم عدالت ہر ایک کی مدح میں اس کے خاص اوصاف کا خیال رکھا جائے۔

---

[1] تاریخ الادب العربی (۲) العصر الاسلامی دکتور شوقی ضیف ص ۲۱۸۔ [2] تاریخ الادب العربی بروکلمان الجزء الاوّل ص ۱۰۷۔ [3] شعر العجم جلد پنجم ص: ۲۶، ۲۷۔

۴۔ ممدوح جب بادشاہ ہوتو اُس کے اوصاف ذیل کا ذکر کرنا چاہیئے یعنی عقل، عدل، شجاعت وغیرہ، چنانچہ شعراء متقدمین انہیں اوصاف کا بیان کرتے تھے۔

۵۔ زیادہ تر اصلی اور ذاتی اوصاف بیان کرنے چاہئیں جو اوصاف عارضی ہیں مثلاً حُسن، دولت مندی، جاہ و جلال وغیرہ ان چیزوں کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ [1]

اوصافِ مدح کی تحدید کرتے ہوئے صاحبِ الوسیط نے لکھا:

"المدح ھو الثناء علی ذی شان بما یستحسن مِنَ الأخلاق النفیسة، کرجاحة العقل والعدل والعفة والشجاعة وأن ھذہ الصفات عریقة فیه وفی قومه، وتعداد محاسنه الخلقیة کالجمال وبسطة الجسم" [2]

حسنِ اخلاق جس میں ذہانت، عدالت، عفت، شجاعت شامل ہے۔ مدحیہ شاعری کے بنیادی عناصر ہیں، ظاہری حُسن و جمال بھی تاثر پسندی کے اظہار کے لئے مذکور ہوئے، صفاتِ حسنہ میں سے جود و سخا کو نمایاں مقام حاصل رہا، خاندانی شرافت اور گروہی سیادت کا ذکر بھی مستحسن سمجھا گیا، مگر ان سب اوصاف کا ذکر مجملاً ہوتا رہا، طوالت عیب قرار دی گئی، ابن الرومی (م ۲۸۴ھ) نے لکھا

ے وإذا امرءٌ مدح امرءً لنواله – وأطال فیه فقد أراد ھجاءہ۔ [3]

اجمال کے ساتھ ساتھ رکھ رکھاؤ کا معیار بھی پیش نظر رہا، الفاظ و کلمات کے انتخاب پر خصوصی توجہ دی گئی۔ امرءالقیس اسی انتخابِ کلمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:-

أَذُوْدُ القَوَافِیَ عَنِّی ذِیَاداً ــ ذِیَادَ غُلَامٍ جَرِیٍّ جَرَادا

فَلَمَّا کَثُرْنَ وَعَنَّیْنَہُ ــ تَخَیَّرَ مِنْهُنَّ شَتَّی جِیَادا

فَأَعْزِلُ مُرْجَانَها جانباً ــ وَآخُذُ مِنْ دُرِّها المُسْتَجَادا۔ [4]

مدحیہ شاعری کا عمومی انداز یہی تھا جبکہ اسلام کی آمد آمد ہوئی، اسلام زندگی کے تمام مسائل کے بارے میں فطری مگر محتاط روش کا قائل ہے، اس لئے تعلیمات اسلامیہ کے تحت مدح نگاری پر حدود و قیود کی کڑی بندش رہی، ہم اُن احکامات و اشارات کا جائزہ لینا مناسب سمجھتے ہیں جو مدح کے ضمن میں اسلام نے ارشاد فرمائے کہ یہ صنف سخن فقیرانہ صدا کے بجائے ایک معزز شعبہ فن کے طور پر زندہ رہے۔

مدح نگاری اور اسلامی تعلیمات

اسلامی تعلیمات اپنی عمومی روشِ اعتدال کے ساتھ مدح نگاری میں جلوہ ریز ہیں، مدح نگاری ایک انفعالی عمل کا فعّالی اظہار ہے۔ اس لئے مدح نگار بیک وقت تاثر پذیر بھی ہوتا ہے اور تاثیر آفرین بھی، وہ ممدوح کی شخصیت سے مترشح ہونے والی صفات کو قبول کرتا ہے۔ اور پھر اس قبولیت کا اظہار اپنی شدّتِ جذبات کے سہارے کرتا ہے۔ اس دو گونہ عمل میں اگر کسی ایک کی تہذیب و تنقیح مناسب نہ ہو سکے تو نتیجہ غیر تسلی بخش نکلتا ہے۔ اس لئے مدح نگار کی تاثر پذیری کی اصلاح بھی ضروری ہے، اور

---

[1] مقالات شبلی جلد دوم ص: ۴۰، ۴۱ - [2] الوسیط ص: ۸۴۔ [3] شذرات الذھب الجلد الثانی ص: ۱۸۹ -
[4] دیوان امرءالقیس ص: ۹۰ -

اُس کے اندرونی جذبات کے اظہار کی تہذیب بھی درکار ہے، اسلام طرفین کی اصلاح کا ضامن بنتا ہے تاکہ کسی پہلو بھی غیر صالح خیالات پرورش نہ پا سکیں۔ ممدوح کا انتخاب بھی غور و فکر چاہتا ہے تاکہ غیر مستحق ممدوح نہ بن جائے اور مستحق نظر انداز نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ مدح کو بھی آداب آشنا ہونا چاہیئے تاکہ فرقِ مراتب کی فطری ضرورت کا احساس باقی رہے، قرآن مجید میں انبیاء کرام اور مومنین کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ موجود ہے اور اندازِ بیان اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہے، کفار و مشرکین کے کردار کے سیاہ گوشے بھی موضوع سخن ہیں اور طرزِ اظہار موضوع سے ہم جہت ہم آہنگ ہے، اسی طرح احادیث نبویہ میں متعدد مثالیں وصفِ جمیل اور بیانِ نامقبول کی مذکور ہوئی ہیں، صالح اعمال پر تحسین اور غیر صالح افعال پر نفرین صرف ذاتی جذبے کی تسکین کے لئے ہی نہیں ہیں بلکہ اس سے ان متضاد و متفاوت اعمال کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنا بھی مقصود ہوتا ہے تاکہ بہتر کی ترغیب ہو اور بدتر سے نفرت پیدا ہو،

کسی خوش آئند عمل پر اظہار خوشنودی اور کسی قابلِ گرفت عمل پر اظہار ناراضی انسان کی فطرت کا خاصہ ہے، وہ خوش ہوتا ہے تو اس کا اعلان بھی کرتا ہے اور اگر ناراض ہو تو ردعمل بھی دیتا ہے۔ یہ فطرتِ انسانی کا اقتضاء ہے اور اسلام انسان کو اس فطری حق سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں وہ اس حق کو عین فطرت اور عین واقعہ بنانے کا خواہش مند ضرور ہے۔ اسلام کی یہی فیاضانہ مگر محتاط روش تھی کہ مدح نگاری پر کوئی ناروا پابندی عاید نہ کی گئی بلکہ مناسب اظہارِ جذبات کی راہ دکھائی گئی تاکہ یہ فطری تقاضا فطری حدود کے اندر پورا ہوتا رہے۔ روایاتِ حدیث کے عظیم ذخیرے میں ایسی متعدد احادیث تلاش کی جا سکتی ہیں جو مدح کو آزادی بھی عطا کرتی ہیں مگر صنوبر کی طرح پابہ گل بھی دیکھنا چاہتی ہیں۔ ہم موضوع کی مناسبت سے صرف چند احادیث کے تذکرے پر اکتفا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ لَا یشکُرُ النّاسَ لایشکُرُاللّٰہ، [۱]

۔ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یشکر النّاسَ لم یشکرِاللّٰہ، [۲]

خالق کائنات کے بے پایاں انعام و اکرام انسان کو سپاس گزاری کی دعوت دیتے ہیں اور یہ تبھی ممکن ہے انسان طبعاً حق شناس ہو اس کے مزاج میں محسن کے احسانات پر ممنونیت پسندی کا عنصر موجود ہو، یہ ہمہ تن ممنونیت اور غیر محدود انقیاد تبھی ممکن ہے جبکہ انسان کی فطرت، حق شناس اور حق آگاہ ہو۔ انسان کا دوسرے ہم جنسوں کے سامنے اس اخلاقی قوت کا مظاہرہ یہ اشاریہ ہوگا کہ وہ خالق کے سامنے بھی ایسا ہی طرز عمل اختیار کی صلاحیت رکھتا ہے، بندوں کے حسنِ سلوک کے جواب میں شکرگزاری کی عادت اُسے اپنے آقا کے سامنے سرنگوں ہونے کا ابتدائیہ بنے گی۔ اسی لئے فرمایا کہ بندوں کا شکر ادا نہ کرنے والا اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا، نہ ایسا کبھی ہوا ہے اور نہ آئندہ ممکن ہے، ان ارشادات میں ترغیب ہے کہ محسنین کے احسان پر اُن کا شکریہ ادا کیا جائے اور یہی شکریہ، شعر کے قالب میں ڈھلے تو مدح بنتا ہے اور پھر مدح، حمد کی تمہید بنتی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

"قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أرأیتَ الرجلَ یعملُ العملَ من الخیرِ ویحمدہ النّاس علیہ قَالَ تِلکَ عَاجِلُ

---

[۱] جامع الترمذی المجلد الثانی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی الشکر لمن احسن الیک ص: ۲۵ - [۲] حوالہ مذکورہ۔

بُشری المؤمن"۔ ؎۱

عمل خیر پر تعریف کو جنت کی پیشگی بشارت ارشاد فرماکر واضح کر دیا کہ نیک اعمال کو سراہا جانا چاہیئے تاکہ اُن کی ترویج ہو اور یہ سراہنا، مدح کے لوازمات میں سے ہے، بالفاظ دیگر نیک خصائل پر مدح کا حکم ہی نہیں اُس پر خوش خبری بھی ارشاد فرمادی گئی ہے۔

جاہلی دور میں مدح کا معیار نہایت بلند تھا مگر اجزائے مدح میں خالق کی ذات کے حوالے سے دینی عناصر شامل نہ تھے، اسلام نے سب سے بڑی تبدیلی یہ کی کہ نظریہ حیات کو ایک بنیادی وصف مدح کی حیثیت سے مدح نگاری کا حصّہ بنا دیا، ڈاکٹر شوقی ضیف اسی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وإذ تحولنا إلى المديح وجدناه يتحول فى كثير من جوانبه إلى تصوير الفضيلة الدينية فى الممدوح"۔ ؎۲

خود رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے حق میں کلمۂ خیر ارشاد فرمایا مثلاً حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: "كل الناس قالوالى كذبت وقال لى ابوبكر صدقت"۔ ؎۳

اسی طرح دیگر صحابہ میں سے اکثر کے بارے میں تعریفی جملے بیان فرمائے، کتب احادیث میں ایسی مرویات کے لئے کتاب المناقب یا کتاب الفضائل ترتیب دیئے گئے جن میں فضائل صحابہ کو فرداً فرداً بیان کیا گیا، یہ کثیر احادیث، مدح نگاری، کے لئے مہمیز ثابت ہوئیں اور یوں صنفِ سخن کو پیغمبرانہ تائید حاصل ہوئی۔

یہ فن مدیح کا روشن پہلو ہے مگر احادیث کی خاصی تعداد میں، مدح، کی کسی نہ کسی شکل میں مذمت بھی موجود ہے، ان روایات کا سرسری جائزہ اور علماء امت کی آراء کا تجزیہ ضروری ہے تاکہ بظاہر متضاد کیفیات میں تطبیق پیدا ہو سکے۔

۔ عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرة عن ابیه قال أثنى رجل على رجل عند النبى صلّى الله عليه وسلّم فقال ويلك قطعت عُنُقَ صَاحِبِكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صاحبك مراراً ثم قال من كان منكم مادحا اخاه لامحالة فليقل أحْسِبُ فلاناً والله حَسِيْبُهُ وَلاأزكّى على اللهِ احداً احسبه كذاكذا ان كان يعلم ذلك منه"۔ ؎۳

یہی روایت حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ عن ابیہ سے معمولی اختلاف کلمات کے ساتھ صحیح مسلم ؎۴ سنن ابی داؤد ؎۵ اور سنن ابن ماجہ ؎۶ میں بھی موجود ہے۔

۔ عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سمع النبی صلّى الله عليه وسلّم رجلاً يُثنِى على رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ فى مُدحهِ فقال أهلكتم أو قطعتم ظهرَ الرَّجُلِ"۔ ؎۷

؎۱ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب البر والصلة والادب باب اذا اثنى على الصالح فهى بُشرىٰ ص: ۳۳۲۔ ؎۲ تاریخ الادب العربی (۲) العصر الاسلامی ص: ۱۷۸۔ ؎۳ عمدة القاری بشرح البخاری الجزء الثانی والعشرون ص: ۱۲۴۔ ؎۳ صحیح البخاری المجلد الاوّل کتاب الشهادات باب اذا زكّى رجل رجلاً كفاه ص: ۳۶۶ و باختلاف یسیر المجلد الثانی کتاب الادب باب مایکره من التمادح ص: ۸۹۵۔ ؎۴ صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الزهد باب النهى عن المدح ص: ۴۱۴۔ ؎۵ سنن ابی داؤد المجلد الثانی کتاب الادب باب کراهية التمادح ص: ۶۶۲۔ ؎۶ سنن ابن ماجة المجلد الثانی باب المدح ص: ۲۷۴۔ ؎۷ صحیح البخاری المجلد الاوّل کتاب الشهادات باب مایکره من الاطناب فى المدح ص: ۳۶۶۔ المجلد الثانی کتاب الآداب باب مایکره من التمادح ص: ۸۹۵۔

یہ روایت ۔صحیح مسلم [1] میں بھی موجود ہے۔

"عن مطرف قال قال ابی انطلقت فی وفد بنی عامر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا انت سیدنا فقال السید اللہ قلنا وافضلنا فضلاً واعظمنا طولاً فقال قولوا بقولکم وبعض قولکم ولا یستجرینکم الشیطان" [2]

"عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لقد رأیت او امرت ان اتجوز فی القول فان الجواز ھو خیر" [3]

ان روایات سے چند ایک اصول مستنبط کئے جا سکتے ہیں مثلاً

۱۔ ثنا یا مدح ممدوح کے لئے ابتلا کا باعث ہوتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس سے اُس کی شخصیت کی اٹھان مجروح ہو اور وہ غلط روش پر چل کر ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

۲۔ روبرو مدح انسان کو غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور باعث ہلاکت ہوتی ہے۔

۳۔ مدح میں اطناب یعنی کثرتِ مدح بھی ہلاکت آفرین ہے۔ اختصار پسندی بہترین طرزِ عمل ہے۔

۴۔ مدح میں غیر محتاط الفاظ جن سے بدگمانی یا غلط فہمی کا امکان ہو قابلِ گرفت ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کلمات کے استعمال کو بھی روک دیا۔ جو اگرچہ آپ کی ذات کے سزاوار تھے مگر مداحین چونکہ نومسلم تھے آداب اسلامی سے ابھی بخوبی آگاہ نہ تھے۔ اس لئے جائز کلمات سے بھی روک دیا کہ شرک کا کوئی پہلو نہ نکل آئے۔

مندرجہ بالا احادیث نے مدح نگاری کی تردید کے بجائے اس کی تہذیب کی ہے تاکہ مداحین پابند آداب رہیں۔ اور انہیں خصائل و خصائص کو موضوع گفتگو بنائیں جو فی الواقعہ موجود ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خصائل و شمائل میں سے حصّہ دیا ہے اور وہ عالم ما فی الصدور اور محرم کائنات ہی بہتر جانتا ہے کہ کسے کیا تفویض کیا جانا چاہیئے، مداحین حبیب اللہ کی نوازش سے بڑھ کر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایک طرح سے اپنے آپ کو ذات ممدوح کا زیادہ خیر خواہ اور بھلا چاہنے والا ثابت کرتے ہیں جو توہین بھی ہے اور خلاف واقعہ بھی اس لئے ارشاد ہوا کہ مدح میں اپنے بیان کو ظن کی حد تک ہی رہنے دو بالجزم رائے نہ دو بلکہ تمام بیانات کو اللہ کی طرف لوٹا دو۔ تاکہ کذب بیانی اور خلاف واقعہ مدح سرائی سے بچ سکو۔

اُلا طواء' مدح میں حد درجہ کا مبالغہ ہی ہے جسے ہلاکت سے موسوم کیا گیا ہے۔ مبالغہ کی حاجت زود کلامی میں پیش آتی ہے اس لئے اس کی بنیاد ہی کاٹ دی کہ مدح میں اختصار اپنانا چاہیئے تاکہ دور از کار باتیں نہ تراشنا پڑیں۔ ان واضح اشارات کے باوصف انسان فطرتاً تجاوز عن الحد کی طرف مائل رہتا ہے اور یہی بگاڑ و فساد کا باعث بنتا ہے۔ ایسے بسیار گویوں کے لئے تہدیداً ارشاد فرمایا کہ ایسے بے ہودہ گو اس قابل ہیں کہ ان کا منہ بند کر دیا جائے۔ چنانچہ کتب احادیث میں متعدد ایسی احادیث موجود ہیں جن میں سختی سے بے حقیقت مدح سرائی کو روکا گیا ہے، چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں تاکہ سختی کی شدت کا اندازہ ہو سکے۔

"عن ابی معمر قال قام رجل یثنی علی امیر من الامراء فجعل المقداد یحثی علیہ التراب وقال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نحثی فی وجوہ المداحین التراب" [4]

---

[1] صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الزھد باب النھی عن المدح ص: ۴۱۴ ۔ [2] سنن ابی داؤد المجلد الثانی کتاب الادب باب کراھیۃ التمادح ص: ۶۶۲ ۔ [3] سنن ابی داؤد المجلد الثانی کتاب الادب باب التشدید فی الکلام ص: ۶۸۳ ۔ [4] صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الزھد باب النھی عن المدح۔ ص: ۴۱۴ ۔

جامع الترمذی [۱] میں یہی حدیث معمولی لفظی تغیر کے ساتھ موجود ہے۔

"عن همام ابن الحارث رضی ان رجلا جعل یمدح عثمان فعمد المقداد فجثی علی رکبتیه وکان رجلا ضخما فجعل یحثو فی وجهه الحصا فقال له عثمان ماشانك فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوههم التراب" [۲]

سنن ابی داود [۳] میں ہمام ہی سے چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے۔

"عن المقداد بن عمرو قال امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نحثو فی وجوه المداحین التراب" [۴]

"عن ابی هریرة رضی الله عنه قال امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نحثو فی افواه المداحین التراب" [۵]

"عن معاویة رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ایاکم والتمادح فانه الذبح" [۶]

"عن البیهقی فی شعب الایمان مطولا وفیه: وایاکم والمدح فانه من الذبح" [۷]

ان احادیث میں اگرچہ روایت کے اختلاف کی نسبت سے الفاظ میں بھی کچھ تغیر موجود ہے مگر بایں ہمہ مفاہیم مشترک ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حکم تو بہر حال پہنچا کہ 'مداحین' کے چہروں یا مونہوں کو آپ نے خاک آلود قرار دیا اور صحابہ جن میں حضرت مقداد پیش پیش ہیں اس حکم کی عملی توجیہہ کے قائل تھے اور آپ نے متعدد بار اس کا عملی مظاہرہ بھی فرمایا۔ 'تمادح' میں مدح سے کہیں بڑھ کر مدح کی کیفیات موجود ہیں اور اس کے اندر مبالغہ کی خاصیت بھی پوشیدہ ہے حدیث بیہقی میں بھی شاید مدح سے تمادح ہی مراد ہے۔ 'مدح' میں مبالغہ آرائی کا عنصر اسے یقیناً غیر محمود بنا دیتا ہے جبکہ مبالغہ غیر مانوس اور دور از کار بھی ہو۔ چہروں کو خاک آلود کرنے سے کیا مراد ہے حضرت مقداد تو اسے ظاہری معنیٰ میں لے رہے ہیں جبکہ بعض دیگر اصحاب رائے کے نزدیک مدح کی بنا پر عنایات و نوازشات سے محروم رکھنا ہے [۸] تاکہ یہ جلب زر کا وسیلہ نہ بن جائے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کے نزدیک اس سے مراد ایسے افراد ہیں جو لوگوں کے منہ در منہ جھوٹی مدح کرتے ہیں۔ [۹] مگر علامہ النووی (م ۶۷۶ھ) اثباتی اور تردیدی احادیث کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال العلماء وطریق الجمع بینهما ان النهی محمول علی المجازفة فی المدح والزیادة فی الاوصاف او علی من یخاف علیه فتنة من الحجاب ونحوه اذا سمع المدح واما من لا یخاف علیه ذلك لکمال تقواه ورسوخ عقله ومعرفته فلا نهی فی مدحه فی وجهه اذا لم یکن فیه مجازفة بل ان کان یحصل بذلك مصلحة کنشطه للخیر او الازدیاد منه او الدوام علیه او الاقتداء به کان مستحبا" [۱۰]

'تجاوز عن الحد' کی عادت جب راسخ ہو جاتی ہے تو انسان کی زبان بے باک بلکہ بسا اوقات بے لگام ہوتی ہے، وہ خواہشات کے دام میں

---

[۱] جامع الترمذی المجلد الثانی ابواب الزهد کراهیة المدحة والمداحین ص: ۷۵۔ [۲] صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الزهد باب النهی عن المدح ص ۴۱۴ [۳] سنن ابی داؤد المجلد الثانی کتاب الادب باب کراهیة التمادح ص: ۶۶۲۔ [۴] سنن ابن ماجه المجلد الثانی باب المدح ص: ۲۷۴۔ [۵] جامع الترمذی المجلد الثانی ابواب الزهد باب کراهیة المدحة المداحین ص: ۷۵۔ [۶] سنن ابن ماجه المجلد الثانی باب المدح ص: ۲۷۴۔ [۷] فتح الباری لشرح الصحیح البخاری الجزء العاشر ص: ۳۶۶۔ [۸] صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الزهد باب النهی عن التمادح ص ۴۱۴ حاشیه شرح النووی۔ [۹] فتح الباری لشرح صحیح البخاری الجزء الثانی والعشرون ص ۱۳۲۔ [۱۰] صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الزهد باب النهی عن المدح ص ۴۱۴ حاشیه شرح النووی

اسیر ہوکر تمام فنون البلاغت نے لگتا ہے ایسی چرب زبانی کو بنظرِ استحقار دیکھا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "ما اُعطی العبدُ شرّاً من طلاقۃ اللسان"[۱] یہ طلاقتِ لسانی 'ممدوحین' کے لئے ایسے ایسے اوصاف بیان کرنے پر مجبور کرتی ہے جو کسی طور روا نہیں ہوتے، پھر جراُت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ بندہ اور خدا کا تعلق معرضِ خطر میں پڑتا ہے۔ منعموں کے لئے ایسے القاب تراش لئے جاتے ہیں جن سے دربارِ ایزدی میں توہین کا پہلو نکلتا ہے اور شرک کی بو آنے لگتی ہے۔ اسی لئے ایسے خطابات و القابات سے روک دیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"اِنّ اخنع اسم عند اللہ رجلٌ یُسمّیٰ ملکَ الاملاک ۔ زاد ابن ابی شیبۃ فی روایتہ:
'لا مالک الا اللہ' قال الاشعثی قال سفیان مثل 'شاھان شاہ'۔"[۲]

دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت فرمائی۔

"عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ ۔ ۔ ۔ ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اغیظ رجل علی اللہ یوم القیامۃ و اَخبَثُہ و اَغیَظُہُ علیہ رجل کان یُسَمّٰی مَلِکَ الاملاک، لا مَلِکَ الّا اللہ"[۳]۔

مَلِکُ الاملاک یا ملک الملوک یا اسی قبیل کے دوسرے القاب جن میں حدود الوہیت سے تجاوز کا خطرہ پیدا ہو ممنوع قرار دے دیئے گئے اور ایک معیار مقرر کر دیا کہ افراطِ مدح یا اغراقِ عقیدت سے اجتناب ضروری ہے۔ مدح مناسب حال اور لائق مقام و شخصیت ہونی چاہئے، 'زبان' پر محاسبہ کی کڑی شرائط اسی لئے نافذ کی گئیں کہ یہیں سے فتنے پھوٹتے ہیں۔ دریدہ دہنی ایک عیب ہے اور قابلِ مذمت ہے۔ انسان کو زبان کے استعمال میں احتیاط اختیار کرنا چاہئے اور یہ تبھی ممکن ہے جبکہ گفتگو سلیقے سے کی جائے اور ممکن حد تک اختصار سے کام لیا جائے۔ روایت ہے کہ ایک شخص دربارِ رسالت میں کلام کرنے پر دلیر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کَمْ دونَ لسانک من جواب" کہنے لگا: "شفتای و اُسنانی" تو اس پر ارشاد ہوا:

"اِنّ اللہ یکرہ الانبعاق فی الکلام فنضّرَ اللہ وجہ رَجُلٍ اُوجز فی کلامہ واقتصر علی حاجتہ"[۴]

محتاط کلامی ایک حسن ہے اور شرف آدمیت ہے۔ قرآن مجید کا یہ اشارہ کہ: "مَا یَلفِظُ مِن قَولٍ اِلّا لَدَیہِ رَقِیبٌ عَتِیدٌ"[۵] بھی لفظ لفظ پر احتیاط کا درس دے رہا ہے۔ حدود مدح کا تعین کرتے ہوئے حافظ اَبو نعیم الاصفہانی (م ۴۳۰ھ) نے الاسود بن سریع رض کی روایت سے استشہاد کیا ہے، حضرت الاَسود فرماتے ہیں "اُتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت قد حمدت ربی بمحامد و مدح و ایاک" یعنی حمد و نعت کی اجازت چاہی ارشاد ہوا "اِنّ ربّکَ عزّ و جل یحبّ الحمد" اجازت ملنا تھی انہوں نے مدح سرائی شروع کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے اُسکُت کہہ کر روک دیا پھر شروع کیا تو پھر ایسا ہی ہوا کئی بار ہوا تو پوچھا کہ یہ کون ہیں فرمایا:

"ھذا عمر رجل لا یحب الباطل" یا یوں فرمایا "ھذا عمر بن الخطاب، ولیس من الباطل فی شیٔ"

اس روایت پر حافظ ابو نعیم تبصرہ فرماتے ہیں:

فالاستدعاء من النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رخصۃ واباحۃ لاستماع المحامد والمدائح، فقد کان تشدیدہ،

---

[۱] العقد الفرید الجزء الثانی ص: ۱۶ [۲] صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الاداب باب تحریم التسمی بملک الاملاک ص: ۲۰۸ [۳] حوالہ مذکورہ۔
[۴] العمدہ الجزء الاوّل ص: ۱۶۱۔ [۵] سورۃ ق: ۱۸۔

الثناء علی ربه عزوجلّ والمدح لنبیه صلی الله علیه وسلّم، واخباره علیه الصلوٰة والسلام أنّ عمر رضی الله عنهٗ لا یحب الباطل

أی من اتخذ التمدح حرفة واکتسابا فیحمله الطمع فی الممدوحین علی أن یهیم فی الأودیة ویشین بقرنیه المحافل

والأندیة، فیمدح من لا یستحقه، ولیضع من شأن من لا یستوجبه إذا حرمه نائله، فیکون رافعا لمن وضعه الله

عزّوجل بطمعه أو واضعا لمن رفعه الله عزوجل لغضبه. فهذا الاکتساب والاعتراف باطل فلهذا قال النبی

صلی الله علیه وسلم إنّه لا یحبّ الباطلَ، فاما الشعر المحکم الموزون فهو من الحکم الحسن المخزون، یخص الله تعالیٰ

به البارع فی العلم ذا الفنون، وقد کان ابوبکر وعمر وعلی رضی الله عنهم یشعرون" [۱]

طمع، خواہشِ نفسانی اور حرص و آز، مدح کے محرک بن جائیں تو مدح باطل قرار پائے گی۔ لیکن جذبۂ صادقہ اور اظہارِ ممنونیت کا مخلصانہ رویہ مدح کو قابلِ احترام بنا دے گا۔ اصل چیز وہ محرک ہے جس کی کوکھ سے مدح جنم لے رہی ہے۔ اسلام خیالات کو شائستگی اور الفاظ کو متانت عطا کرتا ہے۔ اظہارِ محبت میں بھی شرفِ انسانی کی پاسداری اور اعلانِ بیزاری یا نفرت میں بھی سلیقہ مندی اسلامی تعلیمات کا امتیازی نشان ہے۔ محبت میں غلو اور نفرت میں اغراق، قابلِ قبول نہیں اسلئے اسلامی تعلیمات کے مطابق مدح نوازش نہیں، موافقِ واقعہ، خصائل کا اعتراف ہے اور ہر فطرتِ سلیم پر اسکا ادا کرنا واجب ہے۔ 'ھجو نگاری' اس کے برعکس برائی سے نفرت اور غیر صالح کردار و خصائل سے مجتنب رہنے کا اعلان ہے اس لئے یہاں بھی احتیاط شرط ہے کہ اس میں نفیٔ محاسن نہ ہونے پائے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہٗ کو 'ھجو' لکھنے سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ سے مشورہ کرنے کا حکم فرمایا تھا تاکہ جوشِ کلام میں خلافِ واقعہ نسبتیں قائم نہ ہو جائیں۔ [۲] اسی کی مزید وضاحت ابن ماجہ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ نے ھجو میں کسقدر محتاط رہنے کی تلقین فرمائی ہے اور دشمنی میں غلط بیانی سے کیسے روکا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ اعظمَ النّاس فریۃ الرجل ھاجیٰ رجلاً فھجا القبیلۃ باسرھا و رجل انتفیٰ من ابیہ وزنیٰ امّہٖ" [۳]

ایسے بدزبان کے بارے میں تو یہاں تک فرمادیا:

"مَنْ قَالَ فی الاسلام ھجاءً مقذعا فلسانه هدر" [۴]

الغرض اسلامی تعلیمات میں مدح کے حدود متعین ہیں۔ یہ موافقِ واقعہ، غلو سے مبرا، حسین الفاظ کا مرقع، بلاغت کا پیکر اور مداحین کی دلی آواز کا پرتو ہوتی ہے۔ اس میں نفسانی خواہشات اور مادی مفادات کے حصول کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، یہ ممدوح کا قرض سمجھ کر ادا کی جاتی ہے۔ اور ممدوح کے مقام کے لائق الفاظ و مفردات پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسلام جب عام مدح نگاری کو اسقدر پابند ضوابط بنانے کا داعی ہے تو اس کی ارفع ترین قسم یا اس کا بلند ترین مقام یعنی مدحِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم میں کیسے غیر حقیقی جذبات، مصنوعی خیالات اور غیر معیاری کلمات برداشت کرے گا۔ مدحِ خواجہ گردوں پناہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں صداقت شعاری ضروری ہی نہیں فرض ہے۔ یہ تذکرہ کائنات کے سب سے بڑے 'صادق' کا ہے جس کی پوری زندگی رنگِ صداقت سے عکس ریز ہے۔ جو صداقت کا پیغام بر بھی ہے اور صداقت شعاری کا اعلیٰ ترین اسوہ بھی۔ 'مداحین' کے لئے قدم قدم پر احتیاط لازم ہے کہ یہاں صرف ایک صنفِ سخن

---

[۱] حلیۃ الاولیاء الجزء الاول ص: ۴۶، ۴۷۔ [۲] صحیح مسلم المجلد الثانی کتاب الفضائل باب فضائل حسان ص: ۳۰۰۔ [۳] سنن ابن ماجہ المجلد الثانی باب ماکرہ من الشعر ص: ۲۷۵۔ [۴] العمدہ الجزء الاول ص ۱۶۱۔

کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا ہی مسئلہ نہیں اپنے ایمان کی سالمیت کا سوال بھی ہے۔ یہ راہ پُرخطر ہے اسلئے حزم واحتیاط کی متقاضی ہے۔ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی بے پایاں عظمت اور مقام نبوّت کی بے حد و حساب رفعت پرواز خیال کے لئے مہمیز ہے مگر ہر جنبش پر محاسبہ ضروری ہے کہ کہیں راہ مستقیم سے قدم لڑکھڑا تو نہیں گیا۔ 'ذاتِ گرامی' کا ہمہ صفت موصوف ہونا سہولت بھی بہم پہنچاتا ہے اور راستے کی مشکلات کی خبر بھی دیتا ہے۔ قلم بے خودی میں غیر متوازن نہ ہونے پائے، افراط و تفریط کی دوطرفہ حد بندی نے اس راہ کو پل صراط بنا دیا ہے جہاں بڑے بڑوں کا قدم لرزتا ہے۔

'مدحِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم' ایک مشکل ترین صنفِ سخن ہے مگر اہل اسلام نے اس پر کامیابی سے چل کر اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا ہے۔ چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ قریہ قریہ، شہر شہر مدحتِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلّم کے ترانے گائے جاتے رہے۔ عوام ہوں یا خواص اس میں سے مجسم عقیدت بنے شریک رہے۔ یہ صنفِ سخن تاریخ عالم کی ایک منفرد صنف ہے کہ جو مسلمانوں کے لئے خاص رہی، غیر مسلم بھی جب اظہار محبت کے لئے نغمہ سرا ہوئے تو زبان مشک و عنبر سے باوضو کر کے حاضر دربار ہوئے۔ 'مدائحِ نبویہ' کی طویل روایت اسلامی تاریخ کے لئے وجہٗ افتخار بھی ہے اور دامنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی بے پایاں وسعتوں کی غماز بھی۔ یہ سلسلہ ازل سے چلا اور تا ابد جاری رہے گا۔ ہم اس مقالے کی محدود وسعت کے پیش نظر تمام مداحین کا احصاء تو نہ کرسکیں گے۔ مگر پھر بھی حتی الامکان اس سلک جواہر کی تابناکیوں سے صفحہ قرطاس کو بقعۂ نور بنانے کی سعی ضرور کریں گے۔

'برصغیر پاک و ہند' میں مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے جائزے سے قبل مناسب ہوگا کہ ہم ایک طائرانہ نظر اُس عظیم ذخیرے پر ڈال لیں جن سے یہ خطہ ارض کسب فیض کرتا رہا ہے۔ عہد رسالت سے ہی یہ شعری کاوشیں شروع ہو گئی تھیں اس لئے ابتدا بھی اسی مبارک عہد سے کی جا رہی ہے۔ واللہ المستعان۔

"المدائح النبویۃ فی پاکستان وہند"

برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری

"الباب الثالث"

المدائح النبویۃ کی روائت

ا۔ صحابہ کرام کے عہد میں،
۲، اموی و عباسی عہد میں،
۳، زوالِ بغداد کے بعد،
۴، اندلس میں،
۵، دورِ جدید میں،
۶، ایران میں،

ابتدائی مدح نگار

مدحِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی سفر آغازِ کائنات سے شروع ہوا اور تخلیق کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ جاری رہا، رشد و ہدایت کے تمام سلسلوں نے صراحۃً یا کنایۃً آنے والے نبی کی خبر دی اور کتب آثار و روایات نے اس صبحِ نو کی نوید سنائی، پیش گوئیوں کا طویل سلسلہ روایت ہوا ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی جانفزا خبر سنائی گئی۔ بعض اہلِ علم نے ان پیش گوئیوں کے بین السطور کی نشاندہی کے لئے خاصی محنت کی۔ کتبِ سیرت میں بھی ان بشارات کو اہمیت دی گئی یہ موضوع طویل تحقیق چاہتا ہے جس کا یہ محل نہیں اس لئے کتبِ سابق کے حوالوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف قرآن مجید کی صراحت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ قرآن کی گواہی ہے کہ اہلِ کتاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے باخبر تھے کیونکہ آپ کا ذکر اُن کی کتب میں موجود تھا "يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ"[1]۔ قرآن مجید نے اہلِ کتاب کے سابقہ کردار کی وضاحت کرتے ہوئے یاد دلایا کہ یہ لوگ کس طرح ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے جس کی آمد کے حوالے سے یہ اپنے مصائب کے حل کی دعائیں کرتے رہتے تھے۔

"وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا"[2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو قربِ عہد کے باعث برملا اعلان کیا "وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ"[3]۔ طلوعِ آفتاب کے آثار ہویدا ہوئے تو مطلع گلنار ہونے لگا، اشتیاق بڑھا اور خوشی کی لہر غیر محسوس طور پر دلوں میں گھر بنانے لگی۔ فطرت شناس فطرت کے اشارے سمجھ رہے تھے اور بعض اوقات دل کی بات زبان پر بھی آجاتی تھی۔ قربِ بعثت کا زمانہ پیش گوئیوں کا دور تھا، ہاتف پکارتے، بت اپنی بے بسی کی کہانیاں سناتے، حضرت سواد بن القارب کے زیرِ تحویل رئی نے بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار نوید دی[4] کوہ بوقبیس کے مقام حجون پر جنات نے ولادتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری سنائی[5]۔ حضرت خریم بن فاتک رض کو ہاتف پکار پکار کر متوجہ کرتا رہا۔[6] حضرت ذباب الحارث رض کو سعد البشرۃ کا بت "فراص" "بُعِثَ مُحَمَّدٌ بِالْكِتَابِ يَدْعُو بِمَكَّةَ فَلَا يُجَابُ" کہہ کر دعوتِ فکر دے رہا تھا[7]۔ تو راشد بن حفص رض کو سلیم کا بت "سواع" صبحِ ہدایت کے طلوع ہونے کے اشارے سمجھا رہا تھا[8]۔

ایسی فضا تھی کہ پوری کائنات محوِ انتظار تھی، راہب اپنے علم کی برتری کی وجہ سے سراپا اشتیاق تھے، ہر کسی سے پوچھتے سطیح کاہن ہو یا بحیرہ راہب[9] سب دم بخود تھے۔ مکہ کی بت پرستانہ فضا میں "حنفاء" کا مختصر گروہ طلوعِ ہدایت کے آثار دیکھ رہا تھا ان حنفاء میں زید بن عمرو بن نفیل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور ورقہ بن نوفل شامل تھے[10]۔ ان میں ورقہ بن نوفل نے تو نزولِ وحی کی کیفیات کا بھی مشاہدہ کیا اور اپنی کوتاہی قسمت پر افسوس بھی کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اطلاع پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

صدقی خدیجۃ فاتینی لاخبرھا ۔ وما لنا بخفی الغیب من خبر
بان احمد یاتیہ فیخبرہ ۔ جبریل انک مبعوث الی البشر
فقلت عل الذی ترجین ینجزہ ۔ لہ الا لہ فرجی الخیر وانتظری[12]

ادیبِ عرب قس بن ساعدہ الایادی کے حوالے سے ورقہ کہتے ہیں۔

بان محمدا سیسود قوما ۔ ویخصم من یکون لہ حجیجا[13]

اوس بن الحارثہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اذا بعث المبعوث من آل غالب ۔ بمکۃ فیما بین زمزم والحجر
ھنالک فابغوا نصرہ ببلادکم ۔ بنی عامر ان السعادۃ فی النصر[14]

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۱۵۷ (۲) سورۃ البقرۃ: ۸۹ (۳) سورۃ الصف ۶ (۴) سیرت ابن ہشام ص ۲۲۷ (۵) الوفاء باحوال المصطفیٰ ابن جوزی ص ۱۴۹
(۶) اسد الغابۃ ص ۲۹۳ (۷) الاصابہ ص ۴۹۹ (۸) اسد الغابۃ ص ۱۴۹ (۹) الخصائص الکبریٰ ص ۳۵ (۱۰) حوالہ مذکور ص ۸۳، سیرت ابن ہشام ص ۱۹۲ تا ۱۹۶ (۱۱) سیرت ابن ہشام ص ۲۴۲ (۱۲) الاصابہ ص ۵۹۸، الخصائص الکبریٰ ص ۹۸ (۱۳) الخصائص الکبریٰ ص ۹۶، سیرت ابن ہشام ص ۲۰۸ (۱۴) الخصائص الکبریٰ ص ۲۹

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب اپنے یتیم پوتے کی منفرد حیثیت کا شعور رکھتے تھے۔ پیدائش پر کہنے لگے

الحمد للہ الذی اعطانی ۔ ھذا الغلام الطیب الاردان ۱

روایت ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہؓ آپ کو واپس لائیں تو آپ اچانک گم ہو گئے اسیر دادا کا اضطراب دیدنی تھا کعبہ کا طواف تھا اور پوتے کی بازیابی کی دعائیں:

لاھم رد راکبی محمدا ۔ اردہ الیّ واصطنع عندی یدا
انت الذی جعلتہ عضدا ۔ لا یبعد الدھر بہ فیبعدا ۔
انت الذی سمیتہ محمدا ۲

اپنی وفات پر وصیت کرتے ہیں: اوصیک یا عبد مناف بعدی ۔ بموجد بعد ابیہ فردا ۳

مبشرات کے سلسلے میں سب سے قدیم روایت 'تبع الحمیری' سے منسوب ہے جو یمن کا طاقتور بادشاہ تھا اور جزیرہ نمائے عرب کے پار ایران پر حملہ آور ہوا تھا نام "تبان اسعد ابوکرب" تھا، اپنی اس مہم جوئی میں اس کا گذر مدینہ منورہ سے ہوا تھا وہ یثرب کو اپنے بیٹے کے بدلے تباہ کرنا چاہتا تھا کہ بنو قریظہ کے دو عالموں نے اسے اس ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ایسا کرنا اس کے بس میں نہیں ہے کیونکہ "ھی مھاجر نبی یخرج من ھذا الحرم من قریش فی آخر الزمان، تکون دارہ وقرارہ" ۴ وہ اہل مدینہ کے کردار سے متاثر ہوا، ارادہ بدل دیا اور نبی مولود کا مشتاق ہوا، اسی اشتیاق میں اپنے مولود ممدوح کے حضور تہنیت پیش کرتے ہوئے کہا:

شھدت علی احمد انہ ۔ رسول من اللہ باری النسم
فلو مد عمری الی عمرہ ۔ لکنت وزیرا لہ وابن عم ۵

مزید کہا: یسمی احمد یا لیت انی ۔ اعمر بعد مبعثہ بعام ۶

یہ شعر لکھے اور مدینہ منورہ کے ایک بزرگ کو دیے کہ وہ انہیں نبی منتظر کو پہنچا دے، یہ نوشتہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے پاس پہنچا ۷ ہجرت مدینہ پر انہوں نے پیش کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا "مرحبا بتبع الاخ الصالح" ۸

عسقلان بن عواکن الحمیری بھی اُن دور اندیش انسانوں میں سے تھا جو آمدِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منتظر رہتا تھا مکہ سے جب بھی کوئی یمن آتا تو باتوں باتوں میں کسی متوقع خبر کی جستجو کرتا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ سفرِ یمن کے دوران اس سے ملاقات رہتی تو وہ کرید نے والے سوال کرتا ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تو کہنے لگا "ان اللہ قد بعث فی الشھر الاول من قومک نبیا ارتضاہ صفیا وانزل علیہ کتابا وفیا ینھی عن الاصنام ویدعو الی الاسلام یامر بالحق ویفعلہ وینھی عن الباطل ویبطلہ وھو من بنی ھاشم لاخوالہ یا عبد الرحمن وازرہ وصدقہ واحمل الیہ ھذہ الابیات:

اشھد باللہ ذی المعالی ۔ وفالق اللیل والصباح
اشھد باللہ رب موسی ۔ انک ارسلت بالبطاح
فکن شفیعی الی ملیک ۔ یدعو البرایا الی الفلاح ۔

کل چھ شعر ہیں ۹

---

① طبقات ابن سعد ص ۱/۱۰۳، الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی اردو ترجمہ ص ۱۳۵ ② طبقات ابن سعد ص ۱/۱۱۲، الاصابہ ص ۱/۳۶۵ صرف پہلا شعر ③ مختصر تاریخ طبری اردو ترجمہ ص ۱۸ ④ سیرت ابن ہشام ص ۱/۱۷ ۔ نکلسن تاریخ ادب عربی انگریزی ص ۲۱، ۲۲ ⑤ وفا الوفا للسمہودی ص ۱/۱۸۹، العمدہ ص ۲/۱۷۶ ⑥ العمدہ ص ۲/۱۷۶، حجت اللہ علی العالمین ص ۱۳۸ ⑦ وفا الوفا علامہ السمہودی ص ۱/۱۸۹ ⑧ حجت اللہ علی العالمین ص ۱۳۹ بحوالہ ابن عساکر ⑨ الاصابہ ص ۲/۱۰۶، ۱۰۷، الخصائص الکبریٰ ص ۱/۱۰۱ اس میں پانچ شعر ہیں

اُمیہ بن ابی الصلت "حنفاء" میں شمار ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا تھا "امن قلبه وکفر لسانه" بدقسمت نکلا، ذہنی قرب کے باوجود تعصب قومی اور ذاتی انا کا شکار ہوا، مدح رسالت میں اس کے قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

محمداً ارسله بالهدیٰ ۔ فعاش غنیاً ولم یهتضم
عطاء من الله اعطیته ۔ وخص به الله اهل الحرم
وقد علموا انه خیرهم ۔ وفی بیتهم ذی الندی والکرم
اطیعوا الرسول عباد الاله ۔ تنجون من شر یوم اَلم [1]

یہ اور انہیں کے قبیل کے دوسرے لوگ انوار نبوت کی ضیاء پاشیوں کا دور سے نظارہ کرتے رہے مگر چند وہ بھی ہیں جنہیں در رحمت کے قریب ہونے یا رہنے کے مواقع ملے، ان میں سرِ فہرست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب ہیں۔

ابو طالب بحیثیت مداحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نام عبد مناف بن عبد المطلب اور کنیت ابو طالب تھی، کنیت کی اس قدر شہرت ہوئی کہ نام قرار پائی، حضرت عبد اللہ کے ماں جائے بھائی یعنی فاطمہ المخزومیہ کی اولاد تھے [2] خاندان بنی ہاشم کے برگزیدہ افراد میں سے تھے، سردار مکہ جناب عبد المطلب نے اپنے یتیم پوتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت ان کے سپرد کی تھی، تجارت پیشہ تھے، اکثر سفر در پیش رہا، ان اسفار نے ان کے مشاہدے کو پختگی عطا کر دی تھی، اسی قسم کے ایک سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے کہ بحیرہ راہب سے ملاقات کا واقعہ پیش آیا۔ الشہرستانی کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اس وقت لکھی جبکہ آپ دودھ پیتے بچے تھے اور عرب قحط سالی کا شکار تھے [3] اعلان نبوت پر ابو طالب کا کردار ایک دردمند محافظ اور خیر خواہ نگران کا رہا۔ مکے کے طوفانی حالات میں ان کی ثابت قدمی ان کی اخلاقی قوت کا بیّن ثبوت ہے، شعب ابی طالب کی روح فرسا کہانی ان کے فضائل اعمال کی درخشاں دلیل ہے۔ محافظت کی پختگی کا یہ عالم تھا کہ وفات کا سال عام الحزن کہلایا، کفار مکہ کی حد سے بڑھی ہوئی مخالفت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شفیق سایے کی خواہش کرتے تھے، "ما نالت منی قریش شیئاً اکرهه حتی مات ابو طالب" [4]

ابو طالب کے دور کے عرب معاشرے پر شعر کی سطوت قائم تھی، خاندان رسالت کے اکثر افراد شعر فہم اور شعر شناس تھے اس میں مرد و عورت کا فرق نہ تھا، حضرت عبد المطلب کی وفات پر آپ کی صاحبزادیوں کے مرثیے جذبات کے والہانہ پن اور قدرت کلام کے شاہد ہیں [5] ابو طالب کا شعری ذوق بلند پایہ تھا ان کی نثر میں بھی شعری طمطراق اور جاذبیت موجود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے موقع پر خطبہ نکاح قادر الکلامی کا شہکار ہے۔ [6]

جناب ابو طالب کے اشعار میں جاہلی شاعری کے تمام خصائص موجود ہیں۔ منتخب الفاظ، جاذب عبارات، پر شکوہ اسلوب بیان کے علاوہ خیالات کے بہاؤ اور جذبات کی صداقت آفرینی نے ان کے کلام کو بلند مقام عطا کر دیا ہے۔ دیوان "شیخ الاباطح ابی طالب" کے نام سے ایک دیوان ان سے منسوب ہے [7] بروکلمان نے ان کے دیوان کے ایک مخطوطے کی خبر بھی دی ہے۔ مگر اس کی رائے ہے "لعل بعض هذا الدیوان صحیح تتناسب صداه مع حقیقة مواقف ابی طالب ولکن اکثره منحول" [8] الزرکلی کہتے ہیں "فیه من الرکاکة ما یبرئه منه" [9] اس دیوان کے علاوہ سیرت ابن ہشام میں واقعات کی مناسبت سے کثیر اشعار روایت ہوئے ہیں، حماسہ ابن شجری، شرح نہج البلاغۃ از ابن ابی الحدید میں بھی بعض اشعار موجود ہیں جو دیوان میں نہیں ہیں [10]

جناب ابو طالب کے اشعار میں اپنے خاندان کی عظمت اور اپنی نسل کی برتری کا احساس بڑا نمایاں ہے۔ اور عرب معاشرت

---

① مجلہ تحقیق، کلیہ علوم اسلامیہ وادبیات شرقیہ پنجاب یونیورسٹی شمارہ ۲ ص ۱۰۱/۴ ② الاصابۃ ص ۱۱۵/۴ ③ الملل والنحل بحوالہ ازھار الادب ص ۵۲، ۵۹
④ سیرت ابن ہشام ص ۲۶/۲ ⑤ سیرت ابن ہشام ص ۱۸۰ تا ۱۸۶/۱ ⑥ دیکھئے سیرت ابن ہشام ص ۲۰۲/۱ حاشیہ
⑦ الاعلام ص ۳۱۵/۷ ⑧ تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ۱۷۵/۱ ⑨ الاعلام الجزء السابع ص ۳۱۵
⑩ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۸۳۵/۱

میں یہ احساس ہی تفاخر کی بنیاد تھا۔ قریش کی برتری مسلّم تھی، کعبے کی تولیت نے انہیں اور بھی معزز کر دیا تھا، قبائلی تفاخر کے اس جذبے سے سرشار ابوطالب جب اپنے بھتیجے کی سیرت و کردار کا جائزہ لیتے تو ان کا سر فخر سے بلند ہو جاتا۔ اس عرب جوان کا ایک زمانہ مداح تھا، ابوطالب اپنے جذبات تفاخر کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

إِذَا اجْتَمَعَتْ يَوْمًا قُرَيْشٌ لِمَفْخَرٍ ـ فَعَبْدُ مَنَافٍ سِرُّهَا وَصَمِيمُهَا
فَإِنْ حُصِّلَتْ أَشْرَافُ عَبْدِ مَنَافِهَا ـ فَفِي هَاشِمٍ أَشْرَافُهَا وَقَدِيمُهَا
وَإِنْ فَخَرَتْ يَوْمًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا ـ هُوَ الْمُصْطَفَى مِنْ سِرِّهَا وَكَرِيمِهَا [۱]

جناب ابوطالب کا لامیہ قصیدہ اپنی طوالت اور طنطنہ کے باعث ان کے مجموعہ اشعار میں سب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے۔ البدایہ والنھایہ [۲] میں اس کے ۹۲ اور سیرت ابن ہشام [۳] میں ۹۴ شعر نقل ہوئے ہیں۔ اس طویل قصیدے کے مجموعی تاثر کے بارے میں حافظ ابن کثیر کی رائے ہے " ھذہ قصیدۃ عظیمۃ بلیغۃ جدا، لا یستطیع یقولھا الا من نسبت الیہ وھی افحل من المعلقات السبع وأبلغ فی تادیۃ المعنی فیھا جمیعھا " [۴] معلقات سبعہ سے برتر اور افضل ہونے کا دعویٰ محل نظر ہے کیونکہ عربی ادب کی تاریخ اپنا فیصلہ دے چکی ہے اور عرب ایسے شعر پسند معاشرے میں شعر کی قدر و قیمت کا معیار برسوں سے متعین ہو چکا ہے۔ اس رائے کے برعکس ان کے دیوان کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ " کہ اس میں شعری سقم اتنے ہیں کہ ابوطالب ایسے قادر الکلام کی طرف اس پورے مجموعے کا انتساب محل نظر ہے۔" [۵] ان متضاد آراء کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اس قصیدے میں سے بعض اشعار ادب عالیہ میں جگہ پانے کے قابل ہیں خصوصاً یہ شعر:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ـ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ [۶]

تو دنیائے مدح میں ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔ حسن صورت حسن سیرت کا ایسا نقشہ کہ شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ایک ہی شعر میں یکجا کر دیا گیا ہے تشبیہات کا ایسا ہالہ بنا گیا ہے کہ مجاز و حقیقت میں فرق محال ہو رہا ہے۔ موضوع کی مناسبت برقرار ہے اور مدح کے تمام مروجہ ضابطوں اور معلوم پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس طرح پورا قصیدہ مدحیہ رنگ میں رنگا ہوا ہے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں:

يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ ـ فَهُمْ عِنْدَهُ فِي رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلِ
لَعَمْرِي لَقَدْ كُلِّفْتُ وَجْدًا بِأَحْمَدٍ ـ وَأَحْبَبْتُهُ دَأْبَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ
فَلَا زَالَ فِي الدُّنْيَا جَمَالًا لِأَهْلِهَا ـ وَزَيْنًا لِمَنْ وَالَاهُ رَبُّ الْمَشَاكِلِ
فَمَنْ مِثْلُهُ فِي النَّاسِ أَيُّ مُؤَمَّلٍ ـ إِذَا قَاسَهُ الْحُكَّامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ
فَأَيَّدَهُ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِهِ ـ وَأَظْهَرَ دِينًا حَقُّهُ غَيْرُ بَاطِلِ [۷]

قریش کے مقاطعہ سے بنو ہاشم جن مشکلات کا شکار ہوئے ان کا سارا بوجھ ابوطالب کو بحیثیت رئیس قوم اٹھانا پڑا مگر وہ اپنے باپ سے کیے ہوئے وعدے پر قائم رہے۔

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا ـ نَبِيًّا كَمُوسَى خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ
وَأَنَّ عَلَيْهِ فِي الْعِبَادِ مَحَبَّةً ـ وَلَا خَيْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِالْحُبِّ
فَلَسْنَا وَرَبِّ الْبَيْتِ نُسْلِمُ أَحْمَدًا ـ لِعَزَّاءَ مِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا كَرْبِ
أَلَيْسَ أَبُونَا هَاشِمٌ شَدَّ أَزْرَهُ ـ وَأَوْصَى بَنِيهِ بِالطِّعَانِ وَبِالضَّرْبِ [۸]

مگر جب صحیفہ مقاطعہ کی بے ثباتی کی خبر ملی تو مسرت سے پکار اٹھے۔

فَيُخْبِرُهُمْ أَنَّ الصَّحِيفَةَ مُزِّقَتْ ـ وَأَنَّ كُلَّ مَا لَمْ يَرْضَهُ اللّٰهُ مُفْسَدُ [۹]

---

① سیرت ابن ہشام ص ۱/۲۸۲ ② البدایہ والنھایہ ص ۳/۵۳ تا ۵۷ ③ سیرت ابن ہشام ص ۱/۲۸۶ تا ۲۹۸
④ البدایہ والنھایہ ص ۳/۵۷ ⑤ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۱/۸۳۵ ⑥ سیرت ابن ہشام ص ۱/۲۹۱
⑦ سیرت ابن ہشام ص ۱/۲۹۱ تا ۲۹۲ ⑧ سیرت ابن ہشام ص ۱/۳۷۳ تا ۳۷۵ ⑨ سیرت ابن ہشام ص ۱/۴۰۰

حفاظتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جناب ابو طالب کا والہانہ پن صرف نسلی پاسداری تک محدود نہیں بلکہ اس سے ان کی قلبی کیفیات اور ذہنی رجحانات کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور تو اور وہ اپنے بھائی ابو لہب تک کو اس پر کوستے اور دشنام الفاظ میں للکارتے ہیں:

کَذَبْتُمْ وَبَیْتِ اللّٰہِ نُبْزِی مُحَمَّدًا ۔ وَلَمَّا تَرَوْا یَوْمًا لَدَی الشِّعْبِ قَائِمًا [1]

یہ صرف زبانی دعویٰ ہی نہیں تھا اُن کے دل کی آواز تھی وہ دل جس میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگزیں تھی، روایات کا ایک طویل سلسلہ ان کے قلبی جذبات کی تصویر کشی کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے موافق و مخالف روایات کے انبوہ میں سے حقیقت تلاش کرنے کی سعی بھی ہو سکتی ہے مگر یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے اسلئے ہم ان کے اشعار کے ذریعے ہی ان کی دلی حالت کا اندازہ کر رہے ہیں

تبلیغ اسلام کے حق میں کفار مکہ کا رویہ سخت معاندانہ تھا وہ اپنی قوت کے اظہار کیلئے ابو طالب کے ہاں اکٹھے ہوئے کہ کثرت کا خوف دلا کر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے سے باز رکھ سکیں اس موقعہ پر آپ کی ثابت قدمی تاریخی حقیقت ہے۔

چنانچہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَاللّٰہِ لَنْ یَصِلُوا اِلَیْکَ بِجَمْعِہِمْ ۔ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیْنًا

فَاصْدَعْ بِاَمْرِکَ مَا عَلَیْکَ غَضَاضَۃٌ ۔ وَابْشِرْ بِذَاکَ وَقَرَّ مِنْکَ عُیُوْنًا [2]

پھر دینِ حق کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَدَعَوْتَنِیْ وَزَعَمْتَ اَنَّکَ صَادِقٌ ۔ وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَکُنْتَ ثَمَّ اَمِیْنًا

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ ۔ مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا [3]

الغرض ابو طالب مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش رو تھے ان کے دل میں مدحتِ سرکار کا جذبہ اس قدر پاکیزہ تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس شعر کی سماعت کی خواہش کا اظہار فرمایا

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہِ ۔ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ [4]

الأعشیٰ (۷ ھ)

مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں دوسرا بڑا نام الاعشیٰ کا ہے جس کے ادبی مقام کا عربی ادب میں اعتراف کیا جاتا ہے۔ اس کا نام میمون بن قیس، کنیت ابو بصیر اور لقب الاعشیٰ تھا (ضعفِ بصارت کی وجہ سے لقب ملا)۔ عموماً اعشیٰ بکر بن وائل یا الاعشیٰ الکبیر کے نام سے معروف ہے۔ یمامہ کے علاقے منفوحہ میں پیدا ہوا اور اصحابِ معلقات میں شمار ہوا [5] شعر کو کسبِ زر کا ذریعہ بنایا اس لئے کشکولِ گدائی لئے عرب و ایران میں گھوما۔ غیر عربوں سے میل جول کی وجہ سے اس کے کلام میں خالص عربی کلمات کے پہلو بہ پہلو عجمی الفاظ نے بھی جگہ پائی مگر اس نے ان برآمد شدہ الفاظ کو اپنے فطری ذوق سے عربی میں یوں سمو کر بدنما نہ لگے بشری بود و باش اور خوشحال زندگی نے اس کی شاعری کو مجلسی آہنگ عطا کیا اور اس میں غنائی عنصر نمایاں ہوا، مترنم بحور میں بلا کی روانی آگئی اس لئے وہ صناجۃ العرب کہلایا [6] استاد عزہ محمد ابراہیم کہتے ہیں:

فمن قائل ان سببھا جودۃ شعرہ وما یسمح لہ فیہ من حلیۃ و ضجیج ومن قائل لأن شعرہ کان یتغنی بہ ومن قائل لأنہ اول ما ذکر الصنج فی شعرہ" [7]

الاعشیٰ کا ایک قصیدہ والیہ مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مشہور ہے، بحرِ طویل کا یہ قصیدہ سیرت ابن ہشام [8] کے حوالے سے ۲۳ اور "الصبح المنیر فی شعر ابی بصیر [9] کے مطابق ۲۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الاعشیٰ دربارِ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا، معاہدہ حدیبیہ کی وجہ سے مکہ و مدینہ کی فضا میں قدرے سکون تھا

---

① سیرت ابن ہشام ص ۱/۳۹۲ ② درج الدرر البہیۃ مولانا خیر الدین ص ۱/۲۹ ③ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۱/۷۲، الاصابہ ص ۴/۱۱۶ ④ صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ص ۱/۱۳۶، سیرت ابن ہشام ص ۱/۲۹۸ ● ⑤ الاعلام الجزء الثامن ص ۳۰۰، معجم المؤلفین ص ۴/۶۵، الوسیط ص ۸۰ ⑥ الاعلام الجزء الثامن ص ۳۰۰ ⑦ الاعشیٰ صناجۃ العرب، المجلۃ العربیہ ذوالحجۃ ۱۳۹۰ھ ص ۴۴ ⑧ سیرت ابن ہشام ص ۱/۴۱۱، ۴۱۲ ⑨ الصبح المنیر فی شعر ابی بصیر ص ۱۰۱، ۱۰۲

قریش مکہ کو الاعشیٰ کی یوں حاضری کی اطلاع ملی تو تشویش ہوئی کہ الاعشیٰ کا مدحیہ قصیدہ عرب کے ریگزاروں میں گونجنے لگے گا، ابوسفیان نے اسے راستے ہی میں جا لیا جاہلی حس کو برانگیختہ کرنے کیلئے اسلام کی محرمات سے اجتناب کیلئے کڑی شرائط بتائیں اور جب اس نے شراب کی حرمت پر قدرے توقف کیا تو سو اونٹوں کے انعام کے لالچ نے اُس کو منحرف کر دیا اور وہ اونٹ لئے واپس لوٹ گیا، منفوحہ پہنچا ہی تھا کہ اونٹ نے جھٹک دیا، اس بری طرح گرا کہ دم دے دیا۔ یہ واقعہ معمولی اختلافِ کلمات کے ساتھ تمام کُتب ادب و تاریخ میں موجود ہے ١

اِس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ الاعشیٰ مدحِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مخلص نہ تھا اس کا مقصد حصولِ زر تھا جب خواہش پوری ہو گئی تو درِ رحمت سے محروم لوٹ گیا۔ زکی مبارک کا خیال ہے کہ یہ قصیدہ المدائح النبویہ میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہے اسلئے کہ "لأن الاعشیٰ لم یقل ھذا الشعر وھو صادق النیة فی مدح الرسول، وانما کانت محاولة اراد بھا التقرب من بنی الاسلام وآیة ذلك انه انصرف حین صرفته قریش ولو کان صادقاً ما تحول" پھر نتیجۃً رائے دیتے ہیں:

"وھذہ القصة تدل علی أن مدحه للرسول لم یکن الا محاولة کسائر محاولات الشعراء الذین یتکسبون بالمدح ولیست قصیدته اثراً لعاطفة دینیة قویة حتی یلحق بالمدائح النبویة" ٢ اسی استاد عزہ محمد ابراہیم کا گمان ہے کہ:

"واغلب الظن ان الاعشیٰ لم یکن صادق النیة فی رغبته فی الاسلام وانما دفعه الطمع الی مال یصیبه، أو من أحدوثة تناله، وکان قد رحل کثیراً فی سبیل مدح الملوك والاقبال بدافع من مثل ھذہ الدوافع" ٣

بعض ناقدین نے قصیدہ کی الاعشیٰ سے نسبت کو لائقِ اعتماد نہیں گردانا، بروکلمان کہتا ہے:

اما القصیدة الدالیة المنسوبة الیه فی مدح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فلم تعد أن تکون مزاولة للتکسب بالشعر، ولا یحتمل أن تکون لھا اذاً علاقة بعقیدته علی أن طه حسین قد ساق فی الادب الجاھلی أدلة راجحة تثبت انتحالھا علیه ورأیه فی ذلك قوّاه أخرم البستانی ولم ترد ھذہ القصیدة فی روایة دیوانه ولا شك أنھا منحولة" ٤

قصیدہ الاعشیٰ کے دیوان میں شامل نہ تھا اسی لئے بعض علماء ادب کو اس کا انتساب مشکوک دکھائی دیا مگر جب الاعشیٰ کے تمام اشعار کی تدوین ہوئی تو اسے بھی شامل کیا گیا اسلئے اب یہ قصیدہ "الصبح المنیر فی شعر ابی بصیر" ٥ میں شامل ہے۔ قصیدے کی نسبت درست بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی حقیقت ہے کہ قصیدہ ذوقِ دینی یا تعلقِ قلبی کے زیرِ اثر مدون نہیں ہوا بلکہ یہ کسبِ زر کی پرانی عادت کا ایک مظہر ہے۔ وہ اعتراف کرتا ہے

یمّمتُ راحلتی أمامَ محمدٍ - أرجو فواضلَهُ وحُسنَ نداهُ ٦

قصیدے کا داخلی مطالعہ اس کے مقام کے تعین میں مدد دیتا ہے۔ مطلع کلام ہے۔

ألم تغتمض عیناكَ لیلةَ أرمدا - وعادكَ ما عادَ السلیمَ المسھّدا ٧

پانچویں شعر میں الاعشیٰ مقصد تصنیف واضح کر دیتا ہے۔

وما زلتُ أبغی المالَ مذ أنا یافعٌ - ولیداً وکھلاً حین شبتُ وأمردا ٨

دولت کی جستجو میں سفر اس کی عادت ہے، یہ یثرب کا سفر ہے کہ اب وہاں سے امید ہے۔ انعام کی خواہش اور زرِ کثیر کی ہوس اسے راستے میں ٹکنے نہیں دیتی وہ جلد از جلد پہنچنا چاہتا ہے تاکہ بتعجیل مراد کو پہنچے۔

ألا أیّھذا السائلی أین یمّمتْ - فإنّ لھا فی أھلِ یثربَ موعدا - ٩

---

① مثلاً الوسیط فی الادب العربی ص ٨١، تاریخ الادب العربی للزیات ص ٥٦، الاعلام الجزء الثامن ص ٣٠٠، المدائح النبویة زکی مبارک ص ٢٠، تاریخ ادب عربی لکلسن انگریزی ص ١٢٩ ② المدائح النبویة زکی مبارک ص ١٩، ٢٠ ③ الاعشیٰ صناجة العرب، المجلة العربیة ذوالحجة ١٣٩٧ ص ٤٤، ٤٥ ④ تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ١٣٨/١ ⑤ الصبح المنیر فی شعر ابی بصیر ص ١٠٢، ١٠٣ ⑥ حوالہ مذکورہ ص ٢٣٥ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ١٠٢ ⑧ حوالہ مذکورہ ص ١٠٢ ⑨ حوالہ مذکورہ۔

سواری کی برہنہ پائی سے بے نیاز وہ ابن ہاشم کے در دولت پر حاضری کیلئے بے چین ہے۔

فَآلَیْتُ لَا أَرْثِیْ لَهَا مِنْ کَلَالَةٍ - وَلَا مِنْ حَفًی حَتّٰی تَزُوْرَ مُحَمَّدًا
مَتٰی مَا تُنَاخِیْ عِنْدَ بَابِ ابْنِ هَاشِمٍ - تُرِیْحِیْ وَتَلْقِیْ مِنْ فَوَاضِلِهِ نَدًا [1]

پھر حاضری دربار کے قرینے کے مطابق مدح خوانی کرتا ہے۔ مگر اس میں بخشش و کرم اور فیاضی کے تذکرے پر زیادہ اصرار ہے۔

نَبِیٌّ یَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَذِکْرُهٗ - أَغَارَ لَعَمْرِیْ فِی الْبِلَادِ وَأَنْجَدَا
لَهٗ صَدَقَاتٌ مَا تُغِبُّ وَنَائِلٌ - وَلَیْسَ عَطَاءُ الْیَوْمِ مَانِعَهٗ غَدَا
أَجِدَّكَ لَمْ تَسْمَعْ وَصَاةَ مُحَمَّدٍ - نَبِیِّ الْإِلٰهِ حِیْنَ أَوْصٰی وَأَشْهَدَا [2]

نیک اعمال کی رغبت، حمد النبی کے تذکرے اور دولت کی بے ثباتی کے ذکر پر قصیدہ ختم ہوتا ہے۔ قصیدے کی پوری فضا بتا رہی ہے کہ الاعشیٰ نے اس کی ترتیب میں شعوری کوشش کی ہے۔ کہ اشعار کو یوں ایک دوسرے سے پیوست کیا جائے کہ تشبیب ہو، مدح، گریز ہو یا خاتمہ دولت کا تذکرہ اتنی بار ہو جائے کہ ممدوح کسی طور یہ ضروری حصہ فراموش یا نظر انداز نہ کر دے۔ قصیدے کا مقصد مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں خواہش زر ہے۔ جسے ایک پاکیزہ جذبے کا پیراہن عطا کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارک اگر اسے مدائح نبوتہ کا حصہ نہیں سمجھتے تو وہ اس اخراج پر کافی وزنی دلائل رکھتے ہیں‘ مدح چونکہ دل کی آواز نہ تھی اسلئے اس کے دام کھرے کر لئے گئے‘ الاعشیٰ نے مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام مدح کی سطح پر لاکر ’مدح نبوی‘ کے پاکیزہ جذبے کو نقصان پہنچایا ہے۔

---

(۱) الصبح المنیر فی شعر ابی بصیر ص ۱۰۲، ۱۰۳ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۱۰۳

عہد صحابہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے نفوس قدسیہ ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عینی شاہد اور گفتار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمشافہ سامع تھے اسلئے تعلیمات کی جامعیت اور دعوت و ارشاد کی جاذبیت سے کہیں زیادہ وہ ذات محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی شخصیت کے حسن و جمال سے متاثر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ انہیں دعوتِ فکر دے رہا تھا اور آپ کی سیرت و کردار کا ہر گوشہ اُن کیلئے خوشگوار حیرت اور ممنونیت کا احساس بن رہا تھا، آپ انہیں قرآن کی زبان میں پکارتے کہ:

"فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" [1]

عرب زندگی کے عملی گوشوں سے جلد تاثر لیتے تھے، اُن کے ہاں "جسم وجود" خیالی تصور" سے کہیں بڑھ کر تھا، اسلئے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود میں اپنے خیالات و تصورات کا عکس دیکھنا چاہتے تھے اور جب اس وجود مقدس نے صحرائے عرب کو بقعۂ نور بنا دیا تو وہ بے خودی کے عالم میں تعریف و توصیف کے زمزمے بجانے لگے، یہ سلسلہ مکی زندگی سے ہی شروع ہو گیا تھا مگر وہاں گھٹن تھی، سرکشی تھی اور سخت ناموافق فضا تھی اسلئے جذبات اندر ہی اندر مچلتے رہے۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد "ذات مصطفوی" کے جلوے نمایاں تر ہو گئے اور شخصیت کے متعدد پہلو آشکارا ہوئے۔ مکہ میں تو آپ ایک قریشی النسل نیک طینت النساں تھے جو معاشرے کی اصلاح کی خاطر اور دینِ حق کی تبلیغ کیلئے مسلسل مصائب کا شکار تھے۔ جبکہ مدینے میں آپ ایک سلطنت کے بانی، ایک معاشرے کے خالق ایک تہذیب کے موجد اور ایک منفرد طرز حیات کے پیغام بر تھے۔ وہاں آپ مبلغ بھی تھے اور مفکر بھی مصلح جو بھی تھے اور بر سر پیکار مجاہد بھی، راہنما بھی تھے اور راہبر بھی نظریات کے شارح بھی تھے اور عامل بھی، سپہ سالار بھی تھے اور سیاہی بھی معروف عمل بھی تھے اور شب زندہ دار بھی غرضیکہ وجود منظہر کے بوقلموں رخ تھے اور متعدد گوشے، ہر رخ مثل مہر ضوفشاں اور ہر گوشہ مثل ماہ نوری تھا عرب فطرت" تاثر پسند تھی اور دل کے جذبے کو شعر کی زبان عطا کرنے کا فن جانتی تھی اسلئے یہ مقدس وجود ان کے دلوں کی دھڑکن بھی بنا اور ان کے لبوں کی آواز بھی، صحابہ کرام آفتاب نبوت سے بلا فصل مستفیض ہوئے اسلئے سراپا سپاس بن گئے اور اپنی اپنی توفیق اور استطاعت کے مطابق ممدوح کائنات کے حضور اپنی عقیدت کے نذرانے گذارنے لگے اور جب دشمنوں کی دریدہ دہنی کے جواب میں انہیں اذنِ کلام عطا ہوا تو جذبوں کا بند ٹوٹ پڑا، کفار کی ہجو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وقت کی آواز بنی اور چند ہی سالوں میں مدحیہ اشعار کا ایک عظیم ذخیرہ تاریخ کے سینے میں محفوظ ہو گیا۔

تاریخ صحابہ پر ایک طائرانہ نظر ہی یہ حقیقت منکشف کر دیتی ہے کہ صحابہ کی کثیر تعداد مدح رسالت کے مشن میں شریک ہے۔ جاہلی دور کے قرب اور شعری روایت کی عظمت کی وجہ سے ان کا ذوق نکھرا ہوا تھا۔ ان کی نظر ناقدانہ تھی جس کا اعتبار آج تک قائم ہے۔ [2] ابن رشیق (م ۴۶۳ ھ) کی تصریح کے مطابق بنو عبد المطلب کے مرد و عورت میں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ایسا نہ تھا جو شعر نہ کہتا ہو [3]۔ انصار مدینہ کے ہاں شعر گوئی اتنی عام تھی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَدِمَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَمَا فِي الْأَنْصَارِ بَيْتٌ إِلَّا وَهُوَ يَقُولُ الشِّعْرَ، قِيلَ لَهُ وَأَنْتَ أَبَا حَمْزَةَ قَالَ وَأَنَا [4]

حافظ ابن عبد البر (م ۴۶۳ ھ) نے ایک سو بیس مدح گو صحابہ کے نام گنوائے ہیں۔ حافظ فتح الدین ابن سید الناس (م ۷۳۴ ھ) نے اس موضوع پر میمیہ قصیدہ لکھا اور پھر خود ہی اس کی شرح منح المدح کے نام سے کی جس میں حسب حروف ہجا دو سو کے قریب صحابہ کے نام کی فہرست مرتب کی [5] تلاش و جستجو سے اس فہرست میں اضافہ ممکن ہے، یہ مختصر مقالہ تمام صحابہ کے تذکرے کا متحمل نہیں صرف چند نمایاں نام مختصر تعارف کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ یونس، ۱۶ (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ناقدانہ بصیرت کا اعتراف ابن رشیق نے بھی کیا ہے ملاحظہ ہو۔ العمدہ ص ۱۳/۱ (۳) "العمدہ" ص ۱۵/۱ (۴) "العقد الفرید" ص ۳۸۸/۳ (۵) الوافی بالوفیات للصفدی ص ۹۳، ۹۴ فی ترجمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بذکر من مدحہ۔

حسان بن ثابت الانصاری (م ۵۴ ھ)

حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام رضی اللہ عنہ "انصار مدینہ" میں سے قبیلہ خزرج کی شاخ بنو نجار سے تھے۔ والدہ الفریعۃ بنت خالد بھی اسی قبیلہ خزرج سے تھیں[۱]۔ آپ یثرب یعنی مدینۃ النبی میں ۵۶۳ء کے قریب پیدا ہوئے اس طرح آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً سات آٹھ برس بڑے تھے[۲]۔ اسی روایت کے مطابق ہجرت مدینہ کے وقت آپ کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔ بروکلمان اس روایت کی صحت کو مشتبہ قرار دیتا ہے۔ اور ولادت ۵۹۰ء بتاتا ہے۔ مزید کہتا ہے۔

"واذا فلا یکاد یصح أن حسانا کان یناهز الستین عند هجرة النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) الی المدینة"[۳]

مگر اکثر مؤرخین قول اول کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں۔

"ولم یختلفوا انه عاش مائة وعشرین سنة منها ستون فی الجاهلیة وستون فی الاسلام"[۴]

علامہ ابن حجر مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

"ذکر ابن اسحاق ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینة ولحسان ستون سنة والجمهور انه عاش مائة وعشرین سنة... وقال ابن سعد عاش فی الجاهلیة ستین وفی الاسلام ستین ومات وهو ابن عشرین ومائة"[۵]

ڈاکٹر شوقی ضیف[۶]، احمد الاسکندری[۷]، حسن الزیات[۸] نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے مزید وضاحت کیلئے شعر الدعوة الاسلامیہ[۹]، شذرات الذهب[۱۰] اور کتاب مشاہیر علماء الامصار[۱۱] کا مطالعہ مفید رہے گا۔ وہ روایات جن میں آپ کے بڑھاپے اور اس کے اثرات کا ذکر ہے بھی اسی قول کی مؤید ہیں۔

حضرت حسان نے یثرب کے شہری ماحول میں پرورش پائی۔ یثرب کے رہنے والوں کے بارے میں علماء شعر کی رائے ہے کہ وہ "اشعر اهل المدر" میں[۱۲] اسلئے وہاں شعر و شاعری کے تذکرے عام تھے، فطرتاً ذوق شعر عربی تھا اسلئے جلد نامور ہو گئے دور جاہلی کی مناسبت سے قوت شعر کو اپنے قبیلے کی حفاظت کیلئے استعمال کرنے لگے۔ اہل یثرب باہمی آویزش کا شکار تھے اسلئے حسان رض بھی ان آویزشوں میں خزرجی شاعر کی حیثیت سے شریک رہے۔ حضرت حسان رض کی جولانگاہ شعر کیلئے یثرب کا محدود ادبی ماحول ناکافی ثابت ہوا تو ملوک شام کی طرف نظر اٹھی آل جفنہ یعنی بنو غسان اور آل لخم یعنی المناذرہ کے درباروں میں حاضر ہونے لگے۔ عبد الرحمن البرقوقی کے خیال میں ان درباروں سے ان کے قرب کی وجہ یہ احساس بھی تھا کہ یہ قبائل ان کے مدنی قبائل کی طرح یمنی تھے اور یوں وہ ان سے نسلی تعلق بھی کرلیتے تھے[۱۳] ملوک غسانہ سے ان کے تعلقات اسقدر گہرے تھے کہ عہد اسلامی میں بھی یہ رابطہ نہ ٹوٹا۔

ہجرت کے بعد حضرت حسان رض اوس و خزرج کے قبائل کے ساتھ حلقہ اسلام میں آئے، آپ عمر کی اس منزل پر تھے جہاں حتمی خام طبیعت پراگرتی ہے اور فیصلے جذباتی سطح یا روا روی میں نہیں عقل و دانش کی بنیاد پر ہوتے ہیں چنانچہ آپ کا فیصلہ آپ کے گہرے غور و فکر کا نتیجہ تھا۔ بعد کی زندگی فیصلے کی پختگی کیلئے بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ مدینہ منورہ کی بدلی ہوئی فضا میں شعر کے انداز بھی بدل گئے قرآنی تعلیمات نے مضامین شعر میں تغیر پیدا کر دیا، حضرت حسان رض بدلتے ہوئے حالات سے کسی طرح ہم آہنگ ہوئے یہ ان کی قبول اسلام کے بعد کی شاعری سے مترشح ہے۔ دور اسلامی کی شاعری کو سہولت مطالعہ کیلئے متعدد خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ساری شاعری ایک ہی محور کے گرد رقصاں ہے اور وہ محور ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ ساری شاعری کا حوالہ بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ ہی کی ذات گرامی تھی۔ آغاز اسلام سے معاندانہ فضا قائم ہو چکی تھی مگر ہجرت مدینہ کے بعد مکی شاعروں کو کھل کر مخالفت کا موقعہ ملا ان کی ہرزہ سرائی نے قلب انور کو رنجیدہ کر دیا تو ارشاد ہوا:

"ما یمنع القوم الذین نصروا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسلاحهم ان ینصروه بالسنتهم" حضرت حسان پکارے

---

(۱) الاستیعاب ص ۱/۱۲۵، الاصابہ ص ۱/۳۲۵ (۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۸/۲۰۷ (۳) تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ۱/۱۵۲ (۴) الاستیعاب ص ۱/۱۲۹ (۵) الاصابہ ص ۱/۳۲۵ (۶) تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۷۷ (۷) الوسیط ص ۱۰۹ (۸) تاریخ الادب العربی للزیات ص ۱۵۳ (۹) شعر الدعوة الاسلامیہ ص ۷۳ (۱۰) شذرات الذهب ص ۱/۶۰ (۱۱) کتاب مشاہیر علماء الامصار محمد بن حبان البستی ص ۱۳ (۱۲) الاستیعاب ص ۱/۱۲۷ (۱۳) شرح دیوان حسان البرقوقی دیباچہ: ف

"أنا لها" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیرت بھرے انداز میں پوچھا "کیف تھجوھم و أنا منھم" تو عرض کیا:
"وَاللہ لاسلنک منھم کما تسل الشعرۃ من العجین" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورے
کا حکم دیا[1] کہ کہیں مخاصمت کی اس لہر میں شرفاء پر حرف زنی نہ ہونے لگے اس طرح دفاعی شاعری کا آغاز ہوا۔

دفاعی شاعری میں بیشتر صحابہ شریک تھے مگر ان مدافعین میں حضرت حسان رض کو امتیازی مقام حاصل ہے انہوں نے اپنی
شعری صلاحیت کا اس قدر والہانہ پن استعمال کیا کہ ایک ایک شعر دربار نبوی میں بار یاب ہوا۔ بروکلمان نے اس دعوت شعر کو
"احتیاج الی الشعر" کا نام دیا[2] حالانکہ یہ احتیاج نہ تھی تربیت کا سامان تھا اور راہنمائی تھی کہ مسلم معاشرے میں شعراء کے
فرائض کیا ہوں گے۔

اس عظیم کارنامے پر "اللھم أیدہ بروح القدس"[3] اور "اھجھم وجبریل معک"[4] کی بشارتیں ملیں جن سے آپ
کے مرتبے اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے اسقدر انس تھا کہ آپ ان کے لئے مسجد نبوی میں منبر
بچھاتے اور اصحاب کی محفل میں شعر سماعت فرماتے۔ یہ وہ منفرد شرف ہے جس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں بروکلمان نے
امام السیوطی (م ۹۱۱ ھ) کی شرح شواھد المغنی سے اس روایت کا حوالہ لیا اور صحت روایت پر یوں تبصرہ کیا:

فھو مشکوک فی صحتہ لکل الاخبار المرویۃ فی شان ھذا المسجد[5]

حیرت ہے کہ بروکلمان ایسی روایت پر شک کا اظہار کر رہا ہے جو صحاح ستہ کی اکثر کتب یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی
میں موجود ہے[6]

حضرت حسان رض مدت العمر مدح رسالت میں زمزمہ سنج رہے اور جب وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدمے نے ان
کی شاعری کو الم آشنا کر دیا تو انہوں نے دلگداز مرثیے لکھے صحابہ کبار کی مدح بھی وظیفہ حیات رہا یہاں تک کہ طویل عمر گزار کر ۵۴ ھ
میں داعی اجل کو لبیک کہا آخر عمر میں بینائی جاتی رہی جس پر کہتے ہیں:

إن یأخذ اللہ من عینی نورھما - ففی لسانی وقلبی منھما نور
قلب ذکی وعقل غیر ذی زلل - وفی فمی صارم کالسیف مأثور[7]

حضرت حسان رض کی شخصیت کے معالم حسنہ کے تذکرے کے ساتھ بعض مورخین یہ طعنہ بھی دیتے ہیں کہ آپ مرد میدان
نہ تھے۔ اس سلسلے میں آپ کا قلعہ اُطُم میں مستورات کے نگران کی حیثیت سے متعین کیا جانا اور جنگ خندق میں جاسوسی پر مامور
یہودی کے قتل سے انکار کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ یہ الزام دینے سے قبل یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ آپ مدینہ
منورہ کے خوشحال افراد میں سے تھے شہری طرز بود و باش، آسودہ حالی اور شاعرانہ مزاج نے ان میں بالفعل حرکت کا وہ
جوش کم کر دیا تھا جو ایک بدوی کا امتیازی وصف ہے اس پر آپ کی پیرانہ سالی مستزاد تھی، حالت جنگ میں تنظیم کار کا اصول
بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ معروف جہاد قوم کے سب افراد محاذ پر ہی نہیں ہوتے دیگر ضروری معاملات نپٹانے والے افراد
اتنے ہی اہم ہوتے ہیں جتنے کہ رزم گاہ میں شریک افراد، حضرت حسان رض کے فرائض کی نوعیت کا تعین ان کی حیثیت کے مطابق ہی
کیا گیا تھا وہ اپنے ہی قلعہ میں تمام مخدرات کو پناہ دیئے ہوئے تھے یہودی کے قتل کا واقعہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ
آپ کا مکالمہ سیرت ابن ہشام میں تفصیلاً نقل ہوا ہے[8] اس واقعہ کی تفصیلات کا جائزہ لیا جائے تو اس سے حضرت حسان رض کی بزدلی
کا اظہار قطعاً نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ ان کی عدم توجہی اور آرام طلبی کا احساس ابھرتا ہے اسلئے اس واقعے کو ان کے کردار کا تاریک
پہلو بنا کر پیش کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا جبکہ اکثر علماء نے اس واقعہ کی صحت سے انکار بھی کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ ھ)
نے اس واقعے کا حوالہ دے کر کہتے ہیں "وذکر علت ذکر ھا انکار تھا" اور دیگر اہل علم کی رائے نقل کرتے ہیں:

"وانکر بعض اھل العلم بالخبر ذلک وقالوا لو کان حقا لھجی بہ"[9]

---

(۱) الاستیعاب ص ۱/۳۶ یہ اور اسی قبیل کی متعدد روایات کا حوالہ ہم الشعر فی راس البنی ﷺ کے ضمن میں جزو ج عربی میں دے چکے ہیں ملاحظہ ہو مقالہ ص: ... (۲) تاریخ الادب العربی ص: ۱/۱۵۲ (۳) صحیح البخاری جز ثانی کتاب الادب باب ہجاء المشرکین ص: ۹۰۹ (۴) صحیح بخاری جلد اول کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ ص: ۴۵۷ (۵) تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ۱/۱۵۳ (۶) صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر ملائکہ ص ۱/۵۶، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل حسان ص ۲/۳۰۰، جامع ترمذی باب ما جاء فی انشاد الشعر ص ۲/۱۳۶، سنن ابی داؤد جز ثانی کتاب الادب باب ما جاء فی الشعر ص ۶۸۲، سنن نسائی جلد اول کتاب المساجد باب الرخصۃ فی انشاد الشعر ص ۱۱۸ (۷) دیوان حسان ص ۱۶۵ (۸) سیرت ابن ہشام ص ۳/۲۷۰ (۹) الاستیعاب ص ۱/۱۲۸ شرح البرقوقی

شخصیت کا یہ سقم تو مخالفین کا سب سے بڑا ہتھیار بننا چاہیئے تھا حالانکہ تاریخ ادب میں ایسا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں کہ اس اخلاقی کمزوری کو بہانہ بنا کر حضرت حسان رضؓ کی ہجو کی گئی ہو۔ مخالف شعراء کی خاموشی واقعے کی صحت کو مشکوک بنا رہی ہے۔ سیرت ابن ہشام کے مرتب و محشی محمد محی الدین عبد الحمید نے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: "انکر قوم منہم ابوذر شارح السیرۃ ھذا الحدیث واستبعد ان یکون حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ من الجبن فی ھذہ المنزلۃ بل انکر ان یکون جبانا وذھب الی انہ یبعد ان یکون ھذہ الخلیقۃ من اخلاقہ وقد کان یھاجی کثیراً من الشعراء ویرمیھم بالاقاءۃ وکثیر من الصفات فما نسبہ احد منہم الی الجبن ولو کان جبانا لما کانو ترکوا ذلک فی مناقضاتھم لہ" [۱]

پھر اس تخلف پر دربارِ رسالت سے کوئی عتاب یا ناخوشی کا اظہار نہ ہوا بلکہ باوجودیکہ آپ معروف معنوں میں شریکِ جہاد نہ تھے غنائم سے حصہ دیا گیا۔ عام حالات میں بھی نوازشیں ہوتی رہیں، باغ ملا اور تو اور حضرت ام المومنین ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ سیرین کو ان کے حبالۂ عقد میں دے دیا گیا جن سے ان کے صاحبزادے عبد الرحمٰن متولد ہوئے [۲] ان نوازشات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے کردار میں کوئی ایسا جھول نہ تھا جسے بہانہ بنا کر ان کی عظمت سے انکار کیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسان رضؓ تا دمِ آخر محترم و مکرم رہے۔

بحیثیتِ شاعر :

حضرت حسان رضؓ کو بقول ابو عبیدہ تین اعزاز حاصل ہیں۔

"کان شاعر الانصار فی الجاھلیۃ، شاعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ایام النبوۃ، شاعر الیمن کلھا فی الاسلام" [۳]

مزید یہ کہ "اجتمعت العرب علی ان اشعر اھل المدر اھل یثرب ثم عبد القیس ثم ثقیف وعلی ان اشعر اھل المدر حسان بن ثابت" [۴]

ابو عمرو بن العلاء کا فیصلہ ہے کہ "حسان بن ثابت اشعر اھل الحضر" [۵] ہیں۔ الحطیئۃ (م ۵۹ ھ) نے اعلان کیا کہ

"ابلغوا الانصار ان شاعرھم اشعر العرب حیث یقول۔

یُغشون حتی ما تھر کلابھم ـ لا یسألون عن السواد المقبل

اموی خلیفہ عبد الملک یہ رائے رکھتا ہے کہ "ان امدح بیت قالتہ العرب بیت حسان ھذا [۶]

شعر حضرت حسان رضؓ کا اوڑھنا بچھونا تھا، اُن کے باپ ثابت، دادا المنذر، پردادا حرام بھی شاعر تھے جبکہ ان کا بیٹا عبد الرحمٰن اور پوتا سعید مشہور شعراء میں شمار ہوتے ہیں [۷]۔ اپنے خاندان کی شعری حیثیت کا خود اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فمن للقوافی بعد حسان وابنہ ـ ومن للمثانی بعد زید بن ثابت [۸]

حضرت حسان رضؓ جاہلی دور کے معروف شعراء میں سے تھے، حضری شعراء میں تو کوئی ان کا مدِ مقابل نہ تھا، بدوی شعراء سے بھی ان کا تعلق قائم تھا اور اکثر مبارزتِ شعری کے مواقع ملتے رہتے تھے۔ ناقدین ان کے دورِ جاہلی کے اشعار کو عمدہ ترین اور قابلِ استناد قرار دیتے ہیں، آلِ جفنہ کی مدح میں ان کے قصائد کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ان کے ہم عصر جاہلی شعراء کے مدحیہ قصائد کا ان کے قصائد سے تقابل کیا جائے تو حضرت حسان رضؓ کے اشعار میں خلوص تعلق کی کارفرمائی نمایاں نظر آتی ہے۔ النابغہ اور الاعشیٰ نے مدحیہ قصائد کہے مگر ان کے قصائد اپنی فنی پختگی کے باوجود کشکول گدائی بن گئے اسی لئے تو علمائے ادب نے انہیں بنظر استحسان نہیں دیکھا، ابن رشیق (م ۳ ۶۳ ھ) نے النابغہ کے مدحیہ قصائد پر خفگی کا اظہار کیا اور رائے دی "فسقطت منزلتہ" الاعشیٰ کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ اس نے "جعل الشعر متجراً یتجر بہ" [۹] مگر حضرت حسان رضؓ کے آلِ جفنہ کی مدح میں کہے جانے والے متعدد قصائد میں ان کے قلبی تعلق اور پرخلوص رابطے کے اشارے ملتے ہیں، ان کے قصائد کو خلوصِ نسبت کا وہ شرف حاصل ہے جو دیگر شعراء کو نہ مل سکا خواہش زر سے کہیں زیادہ اس احساس نے کہ یہ قبائل ان کے وجود کا حصہ ہیں ان کے شعر کو عواطف قلبیہ کا مرکز بنا دیا ہے

---

(۱) سیرت ابن ہشام ص ۳/ ۲۲۷ حاشیہ (۲) سیرت ابن ہشام ص ۳/ ۳۵۲ (۳) الاصابۃ ص ۱/ ۳۲۵
(۴) الاستیعاب ص ۱/ ۱۲۷ (۵) الاستیعاب ص ۱/ ۱۲۷ (۶) حوالہ مذکورہ (۷) العمدہ ص ۲/ ۲۳۵
(۸) دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۶۷، العقد الفرید ص ۳/ ۵ (۹) العمدہ ص ۱/ ۴۹

أَوْلَادُ جَفْنَةَ حَوْلَ قَبْرِ أَبِيهِمْ — قَبْرِ ابْنِ مَارِيَةَ الْكَرِيمِ الْمُفْضِلِ
يُغْشَوْنَ حَتَّى مَا تَهِرُّ كِلَابُهُمْ — لَا يَسْأَلُونَ عَنِ السَّوَادِ الْمُقْبِلِ
بِيضُ الْوُجُوهِ كَرِيمَةٌ أَحْسَابُهُمْ — شُمُّ الْأُنُوفِ مِنَ الطِّرَازِ الْأَوَّلِ
فَلَبِثْتُ أَزْمَانًا طِوَالًا فِيهِمُ — ثُمَّ ادَّكَرْتُ كَأَنَّنِي لَمْ أَفْعَلِ
نَسَبِي أَصِيلٌ فِي الْكِرَامِ وَمِذْوَدِي — تَكْوِي مَوَاسِمُهُ جُنُوبَ الْمُصْطَلِي [1]

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری کا محور ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ آپ کی مدح، آپ کے کارہائے نمایاں کی تشہیر اور مخالف شعراء کی بیہودہ سرائی کی مذمت یہ موضوعات تھے جن پر آپ نے طبع آزمائی کی۔ اسلامی دور کی شاعری دو واضح حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ہجو کفار۔ مگر آپ نے عموماً ان میں خط تفریق نہ کھینچا بلکہ مدح و ہجو بیک وقت موضوع کلام رہے۔ تاریخ اسلام کا یہ دور ایک انقلاب آفریں دور تھا۔ نظریات بدل رہے تھے، قدریں تبدیل ہو رہی تھیں اور جنگیں شکست و ریخت کا ہدف تھیں ایسے ہنگامی دور میں شعر کو بھی وقت کا ساتھ دینا تھا اسلئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری پر اس کے اثرات مرتب ہونے۔ آپ کے اکثر قصائد جواب آں غزل کے طور پر ارتجالاً کہے گئے ان میں زہیر کے حولیات یا حطیئہ کے متکلف قصائد کا سا انداز نہ پیدا ہو سکا کیونکہ طویل غور و فکر کے مواقع نصیب نہ تھے۔ ایسے قصائد میں کسی لفظی سقم، اسلوبی کوتاہی کی نشاندہی ممکن ہے مگر ان کی بنیاد پر یہ فیصلہ ہرگز مناسب نہیں کہ عہد اسلام میں آپ کی شاعری کمزور پڑ گئی تھی۔ بہتر ہوگا کہ ان آراء کا مختصر سا جائزہ لے لیا جائے جن میں آپ کی شاعری میں نقاہت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

الاصمعی (م ۲۱۶ھ) کہتا ہے "ھذا حسان فحل من فحول الشعراء فی الجاھلیۃ فلما جاء الاسلام سقط شعرہ" [2] جاھلی دور کی شاعری کے بارے میں اس کی رائے ہے کہ "شعر حسان فی الجاھلیۃ اجود الشعر" [3] مگر اسلامی شاعری کی نسبت اس کا خیال یہ ہے کہ شعر اپنے بلند مقام سے گر گیا ہے اس کی وجہ الاصمعی کے نزدیک یہ ہے کہ:

الشعر نکد یقوی فی الشر ویسھل فاذا دخل فی الخیر ضعف ولان [4] اسد الغابہ میں بھی اس کی اس رائے کا حوالہ موجود ہے [5]۔ یہی اعتراض اکثر کتب ادب میں دہرایا گیا ہے اگرچہ الاصمعی اسکی ایک وجہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ، "تنسب الیھا اشیاء لا تصح عنہ" [6] اور یہی توجیہ ابن سلام (م ۲۳۰ھ) پیش کرتے ہیں،

"قد حمل علیہ ما لم یحمل علی احد" [7] ابن ھشام نے بھی بار بار اس غلط انتساب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ اکثر کسی قصیدے یا قطعے کو نقل کر کے لکھتے ہیں "و بعض اھل العلم بالشعر ینکرھا لحسان" [8]۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی رائے ہے "اگرچہ سب اشعار جو حضرت حسان بن ثابت کی طرف منسوب ہیں سچ پوچھئے تو وہ ان پر اتہام ہے" [9]

انتحال شعر کے اسباب متعدد ہوتے ہیں اور یہ عمل شعوری یا غیر شعوری طور پر ہر دور میں ہوتا رہتا ہے۔ اس میں قباحت تب پیدا ہوتی ہے جب اسے ذاتی اغراض کیلئے استعمال کیا جاتا ہے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعروں میں یہ غلط انتساب کچھ تو حافظے کی فطری عمل کی وجہ سے ہوا اور کچھ ان سیاسی حالات کے باعث جو خلافت راشدہ کے بعد نمودار ہونے جبکہ ہر سیاسی فریق نے اپنے طریق کار کی صداقت کے لئے ایسے حوالے تلاش کرنے شروع کر دیے جن سے عوام کو متاثر کیا جا سکے۔ ڈاکٹر شوقی ضیف اسے واضح طور پر سیاسی عمل بتاتے ہیں، لکھتے ہیں:

فان کثیراً منھا وضعہ الاموییون لیظھروا للناس ان شاعر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کان فی صفھم اسی لئے ان کی رائے ہے کہ "وکان الاحزاب السیاسیۃ لعبت دوراً فی وضع الشعر علی لسانہ" حاصل کلام یہ کہ "والحق ان شعر حسان الاسلامی کثیر الوضع فیہ وھذا ھو السبب فیما یشیع فی بعض الاشعار المنسوبۃ الیہ من رکاکۃ وعلۃ لا لأن وضعف فی الاسلام کما زعم الاصمعی ولکن لأنہ دخلہ کثیر من الوضع والانتحال" [10]

---

(۱) دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۲ (۲) الاستیعاب ص ۱/۱۲۷، الشعر والشعراء ابن قتیبہ ص ۱۰۲ (۳) حوالہ مذکورہ (۴) حوالہ مذکورہ (۵) اسد الغابہ الجزء الثانی ص ۶، ۵ (۶) الاستیعاب ص ۱/۱۲۷ (۷) تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۷۹ (۸) مثلاً ملاحظہ ہو سیرت ابن ھشام الجزء الثالث ص ۸۸، ۱۱۰، ۱۳۲، ۱۷۳، ۱۸۳ وغیرہ (۹) مسلمانوں کی سیاسی تاریخ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن اردو ترجمہ ص ۶۵۳ (۱۰) تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۸۱

اس وضاحت و دفاع کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ حضرت حسان رضؓ کے دورِ جاہلی اور عہدِ اسلامی کے اشعار میں واضح فرق موجود ہے۔ اسلام لانے سے ان کے خیالات ہی نہیں بدلے الفاظ و تراکیب اور اسلوبِ کلام میں بھی تبدیلی آ گئی۔ اسکی تعلیل خود حضرت حسان رضؓ نے بیان کی جبکہ ان سے اس کمزوری اور ضعف کا سبب دریافت کیا گیا "إِنَّ الإِسْلَامَ يَحْجُزُ عَنِ الْكَذِبِ وَالشِّعْرُ يَزِينُهُ الْكَذِبُ"۔ [1] جاہلی اندازِ شعر اسلامی نظریات کا ساتھ دے بھی کیسے سکتا تھا جبکہ اسلام کا مزاج پروقار مگر متحمل اور اس کی تعلیمات بے لاگ مگر متعین ہیں علماء و نقد کا معیار جاہلی شعر تھا تنقیدِ شعر کے تمام پیمانے اسی حوالے سے متعین ہوئے تھے اس لئے جاہلی ترازو میں جنسِ ایمان بے وزن محسوس ہو رہی تھی ناقدین یہ فراموش کرتے رہے کہ اسلامی شاعری نے شعر کو خلوص سے آشنا کر دیا ہے۔ یہ تو زاویہ نگاہ کی تبدیلی اور نقطۂ نظر کا تغیر تھا اس لئے اس کیلئے پیمانے بھی بدلنے چاہئیں تھے

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی اسلامی شاعری کا بنظرِ عمیق جائزہ لیا جائے تو ہر صنفِ سخن میں اجتہادی تبدیلیوں کا احساس ہوتا ہے مثلاً

فخریہ اشعار

جاہلی شاعری میں تفاخر کی شاعری کی کمیت سب سے زیادہ ہے اس کے عناصرِ ترکیبی میں حسب و نسب اور قبائلی کارہائے نمایاں شامل تھے اسلام نے یہ وجوہ افتخار موقوف کر دے اب التقاء و شرافت حبِ رسول اور اتباعِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام معاشرتی بہبود اور نیکی کے فروغ اور جہاد و قتال کی سطوت قائم ہو چکی تھی حضرت حسان رضؓ ان متبدل حالات سے مکمل طور پر ہم آہنگ تھے اسلئے ان کے فخریہ اشعار کا لہجہ قدیم طرزِ کلام سے قطعاً مختلف ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

لَنَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مِنْ مَعَدٍّ — سِبَابٌ أَوْ قِتَالٌ أَوْ هِجَاءُ
فَنُحْكِمُ بِالْقَوَافِي مَنْ هَجَانَا — وَنَضْرِبُ حِينَ تَخْتَلِطُ الدِّمَاءُ
أَلَا أَبْلِغْ أَبَا سُفْيَانَ عَنِّي — فَأَنْتَ مُجَوَّفٌ نَخِبٌ هَوَاءُ
بِأَنَّ سُيُوفَنَا تَرَكَتْكَ عَبْدًا — وَعَبْدُ الدَّارِ سَادَتُهَا الْإِمَاءُ
لِسَانِي صَارِمٌ لَا عَيْبَ فِيهِ — وَبَحْرِي لَا تُكَدِّرُهُ الدِّلَاءُ [2]
وَهَلْ يَسْتَوِي ضُلَّالُ قَوْمٍ تَسَفَّهُوا — عَمًى وَهُدَاةٌ يَهْتَدُونَ بِمُهْتَدِ [3]
إِنَّ الذَّوَائِبَ مِنْ فِهْرٍ وَإِخْوَتِهِمْ — قَدْ بَيَّنُوا سُنَّةً لِلنَّاسِ تُتَّبَعُ
تَقْوَى بِهَا كُلُّ مَنْ كَانَتْ سَرِيرَتُهُ — تَقْوَى الْإِلَٰهِ وَبِالْأَمْرِ الَّذِي شَرَعُوا
إِنْ كَانَ فِي النَّاسِ سَبَّاقُونَ بَعْدَهُمُ — فَكُلُّ سَبْقٍ لِأَدْنَى سَبْقِهِمْ تَبَعُ
وَلَا يَضَنُّونَ عَنْ جَارٍ بِفَضْلِهِمِ — وَلَا يَمَسُّهُمُ فِي مَطْمَعٍ طَبَعُ
أَعِفَّةٌ ذُكِرَتْ فِي الْوَحْيِ عِفَّتُهُمْ — لَا يَطْبَعُونَ وَلَا يُرْدِيهِمُ الطَّمَعُ [4]
أُولَٰئِكَ قَوْمِي سَادَةٌ مِنْ فُرُوعِهِمْ — وَمِنْ كُلِّ قَوْمٍ سَادَةٌ وَفُرُوعُ
بِهِمْ يُعِزُّ اللهُ حِينَ يُعِزُّنَا — وَإِنْ كَانَ أَمْرًا يَا سُخَيْنُ فَظِيعُ [5]
مُلُوكٌ وَأَبْنَاءُ الْمُلُوكِ كَأَنَّنَا — سَوَارِي نُجُومٍ طَالِعَاتٍ بِمَشْرِقِ
لِكُلِّ نَجِيبٍ ذُخِرَتْ بِهِ — مُصَرَّبَةٌ أَعْرَاقُهَا لَمْ تُرَهَّقِ [6]
فَمِنَّا وُلَاةُ النَّاسِ فِي كُلِّ مَوْطِنٍ — مَتَى مَا نَقُلْ فِي النَّاسِ قَوْلًا نُصَدَّقِ [7]
أُولَٰئِكَ قَوْمِي خَيْرُ قَوْمٍ بِأَسْرِهِمْ — وَلَيْسَ عَلَى مَعْرُوفِهِمْ أَبَدًا قُفْلُ
يَرُبُّونَ بِالْمَعْرُوفِ مَعْرُوفَ مَنْ مَضَى — فَمَا عُدَّ مِنْ خَيْرٍ فَقَوْمِي لَهُ أَهْلُ [8]

---

① الاستیعاب ص ۱/۱۲۷ ② دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۱۰۶ ③ حوالہ مذکورہ ص ۸۸ ④ حوالہ مذکورہ ص ۲۴۸/۲۴۹ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۳۵۹ ⑥ حوالہ مذکورہ ص ۲۸۶ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۲۹۰ ⑧ حوالہ مذکورہ ص ۳۲۸

وَنَحْنُ وَلَدْنَا مِنْ قُرَيْشٍ عَظِيمَهَا - وَلَدْنَا نَبِيَّ الْخَيْرِ مِنْ آلِ هَاشِمِ -
لَنَا الْمُلْكُ فِي الْإِشْرَاكِ وَالسَّبْقُ فِي الْهُدَىٰ - وَنَصْرُ النَّبِيِّ وَابْتِنَاءُ الْمَكَارِمِ - ١
فِي كُلِّ مُعْتَرَكٍ تُطِيرُ سُيُوفُنَا - فِيهِ الْجَمَاجِمَ عَنْ فِرَاخِ الْهَامِ
يَنْتَابُنَا جِبْرِيلُ فِي أَبْيَاتِنَا - بِفَرَائِضِ الْإِسْلَامِ وَالْأَحْكَامِ
فَنَكُونُ أَوَّلَ مُسْتَحِلٍّ حَلَالَهُ - وَمُحَرِّمٍ لِلَّهِ كُلَّ حَرَامِ
نَحْنُ الْخِيَارُ مِنَ الْبَرِيَّةِ كُلِّهَا - وَنِظَامُهَا وَزِمَامُ كُلِّ زِمَامِ ٢

ہجویہ اشعار

ہجو میں الزام تراشی کے بجائے اُن معایب کی نشاندھی کرتے ہیں جن کا ترک احسن ہے۔ ہجویہ اشعار دشمن کو داغدار کرنے کے بجائے اسے اسکے غلط اقدام پر انتباہ کا فریضہ انجام دیتے ہیں تاکہ معاندت کی اندھی فضا کا پردہ چاک ہو اور حقائق منکشف ہو جائیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ قَدْ أَرْسَلْتُ عَبْداً - يَقُولُ الْحَقَّ إِنْ نَفَعَ الْبَلَاءُ
شَهِدْتُ بِهِ فَقُومُوا صَدِّقُوهُ - فَقُلْتُمْ لَا نَقُومُ وَلَا نَشَاءُ
أَتَهْجُوهُ وَلَسْتَ لَهُ بِكُفْءٍ - فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ ٣
إِذَا اللّٰهُ حَيَّا مَعْشَراً بِحَيَاتِهِمْ - وَنَفَّرَهُمُ الرَّحْمٰنُ رَبُّ الْمَشَارِقِ
فَأَخْزَاكَ رَبِّي يَا عُتَيْبَ بْنَ مَالِكٍ - وَلَقَّاكَ قَبْلَ الْمَوْتِ إِحْدَى الصَّوَاعِقِ
بَسَطْتَ يَمِيناً لِلنَّبِيِّ مُحَمَّدٍ - فَدَمَّيْتَ فَاهُ قُطِّعَتْ بِالْبَوَارِقِ
فَهَلَّا خَشِيتَ اللّٰهَ وَالْمَنْزِلَ الَّذِي - تَصِيرُ إِلَيْهِ عِنْدَ إِحْدَى الصَّفَائِقِ
لَقَدْ كَانَ خِزْياً فِي الْحَيَاةِ لِقَوْمِهِ - وَفِي الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ إِحْدَى الْعَوَالِقِ ٤
سَمَّاهُ مَعْشَرُهُ أَبَا حَكَمٍ - وَاللّٰهُ سَمَّاهُ أَبَا جَهْلِ
فَمَا يُحْيِي الرَّئِيسُ مَعْشَراً - إِلَّا مِنْ جَبَلٍ بِجَهْلِهِ يُغْنِي
وَكَأَنَّهُ مِمَّا يَجِيشُ بِهِ - مُبْدِي الْفُجُورِ وَسَوْرَةِ الْجَهْلِ ٥
لَا تَجْزَعُوا أَنْ تُنْسَبُوا الْأَنْبِيَاءَ - فَاللُّؤْمُ يَبْقَى وَالْجِبَالُ تَزُولُ ٦
تَبْكِي الْقُبُورُ إِذَا مَا مَاتَ مَيِّتُهُمْ - حَتَّى يَضِجَّ مَنْ فِي الْأَرْضِ دَاعِيهَا ٧

مدح نبوی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ۔

مدح نگاری عربوں میں موجود تھی، زھیر بن ابی سُلمیٰ نے اسے اخلاقی معنویت کا پاکیزہ پیراہن عطا کیا تھا۔ اسلام کا مزاج اس طرز مدح سے ہم آہنگ ہے کہ ممدوح کے خصائل و فضائل کا اظہار ان کے وقوع پذیر ہونے کی حیثیت کے مطابق کیا جائے تاکہ مدح خام خیالی یا مبالغہ آمیزی کی داستان طرازی کے بجائے حکایت واقعہ بن جائے۔ اسلام کی آمد سے مدح نگاری کو ایسی ذات مل گئی تھی جو صفات حسنہ اور خصائل حمیدہ کا پیکر تھی ان کے خیالات کی بلند پروازی بھی یہاں شکستہ پا تھی اسلئے جولانگاہ فکر وسیع و عریض تھی، دینی روح نے شاعری کے افق کو کئی نئے زاویے عطا کئے اور پاکیزہ جذبات شعروں میں ڈھلے اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پرکیف ابتدا ہوئی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس قافلہ مداحین کے سرخیل اور شاعر اسلام ہے

---

① دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۳۸۲ ② حوالہ مذکورہ ص ۳۸۹ ③ حوالہ مذکورہ ص ۸، صاحب شذرات الذھب اس شعر کے بارے میں کہتے ہیں "قیل وھذا المنصف بیت قالتہ العرب" (شذرات الذھب ص ۱/۶۰) ④ دیوان حسان شرح برقوقی ص ۲۹۱،۲۹۲ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۳۲۲،۳۲۵،۳۲۴ ⑥ حوالہ مذکورہ ص ۳۵۸ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۲۲۴

ان کا دیوان مدحِ رسالت کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ شدتِ جذبات، پختگیٔ خیال سے ہم کنار ہوئی تو شاعری کو نیا آہنگ ملا اور حضرت حسان رضی مدحیہ شاعری کے امام قرار پائے۔ جذبہ جب عقیدت آشنا ہوا تو روحانی فضا قائم ہوئی اسے ہی تو اکثر لوگ مبارک بولود تصوف کہتے ہیں اور یہیں سے مدائحِ نبویہ کی آبیاری ہوتی ہے ①۔ مدحیہ اشعار کی کثرت میں انتخاب ایک مشکل مرحلہ ہے۔ پھر بھی ذوق کی تسکین کی خاطر چند متفرق اشعار پیش کئے جا رہے ہیں۔

أغرُّ عليه للنبوة خاتمٌ - من الله مشهودٌ يلوح ويشهدُ
وضمَّ الإله اسمَ النبي إلى اسمه - إذا قال في الخمس المؤذن أشهدُ
وشقَّ له من اسمه ليُجِلَّه - فذو العرش محمودٌ وهذا محمدُ
نبيٌّ أتانا بعد يأسٍ وفترةٍ - من الرسل والأوثان في الأرض تُعبدُ ②
نبيٌّ يرى ما لا يرى الناس حوله - ويتلو كتاب الله في كل مسجدِ
وإن قال في يوم مقالة غائبٍ - فتصديقها في اليوم أو في ضحى الغدِ ③
متى يبدُ في الداجي البهيم جبينه - يلُح مثل مصباح الدجى المتوقدِ
فمن كان أو من قد يكون كأحمدٍ - نظامٌ لحقٍ أو نكالٌ لملحدِ ④

ظاہری حسن وجمال بھی حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری کے موضوعات میں سے ہیں چنانچہ آپ اکثر چہرۂ انور کی ضیا پاشیوں کا ذکر کرتے ہیں مگر اس توصیف ومدح میں ایک تقدس اور احترام موجود ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وأحسنُ منك لم ترَ قطُّ عيني - وأجملُ منك لم تلدِ النساءُ
خُلقتَ مبرأً من كل عيبٍ - كأنك قد خُلقتَ كما تشاءُ ⑤
مباركٌ كضياء البدر صورته - ما قال كان قضاءً غير مردودِ ⑥

مراثیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرام کا کرب اس قدر شدید تھا کہ مدینہ منورہ کی فضا نے کسی کی وفات پر یہ منظر نہ دیکھا تھا۔ اُمڈتے ہوئے جذبات نے کئی رخ اختیار کیے، شاعر کا جذبہ شعر میں ڈھلتا ہے اسلئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے متعدد اشعار اس غم کے اظہار کے لئے کہے۔ شدتِ غم میں ان امور کی نشاندہی بھی کی جن کا صرف ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق تھا اور فرطِ محبت میں اپنی زندگی سے بیزاری اور محبتِ محبوب کی خاطر سفرِ آخرت تک کی تمنا بھی کی۔ ہر ہر شعر ان کے دل کی آواز اور غم کا مرقع ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ظللتُ بها أبكي الرسول فأسعدت - عيونٌ ومثلاها من الجفن تسعدُ
فبوركتَ يا قبر الرسول وبوركت - بلادٌ ثوى فيها الرشيد المسددُ
يبكون من تبكي السموات يومه - ومن قد بكته الأرض فالناس أكمدُ
وهل عدلت يوماً رزيةُ هالكٍ - رزيةَ يومٍ مات فيه محمدُ
وما فقد الماضون مثل محمدٍ - ولا مثله حتى القيامة يُفقدُ ⑦
ما بال عينك لا تنام كأنما - كُحلت مآقيها بكحل الأرمدِ
جزعاً على المهدي أصبح ثاوياً - يا خير من وطئ الحصى لا تبعدِ
أأقيم بعدك بالمدينة بينهم - يا ليتني صُبِّحت سمَّ الأسودِ

---

① المدائح النبویۃ ص ۳۲ ② دیوان حسان برقوقی ص ۷۸ ③ حوالہ مذکورہ ص ۸۸ ④ حوالہ مذکورہ ص ۱۰۱
⑤ دیوان حسان شرح برقوقی ص ۱۰۔ بعض نے اس قطعہ کی نسبت کو مشکوک قرار دیا ہے صاحب لجنۃ الاماثل عن صحبۃ المحافل کمال الدین ابی بکر العامری نے ابیات بنی دہار کی کسی خاتون سے منسوب کیا ہے (شائع کردہ مقانی مدینہ منورہ ص ۷۶، ۷۷ حوالہ عبداللہ عباس ندوی عربی میں نعتیہ کلام ص ۵۶ علامہ النبہانی نے مفکک کا اظہار کیا ہے۔ المجموعۃ النبہانیہ ص ۱/۹۳ ⑥ دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۸۱ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۵

وَاللّٰہِ أُسمِحُ مَا بَقِيتُ بِهَالِكٍ - إِلَّا بَكَيتُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدِ [1]
فَلَبِثْنَا يَوْمَ وَارَوْهُ بِمَلْحَدِهِ - وَغَيَّبُوهُ وَأَلْقَوْا فَوْقَهُ الْمَدَرَا
لَمْ يَتْرُكِ اللّٰهُ مِنَّا بَعْدَهُ أَحَداً - وَلَمْ يَعِشْ بَعْدَهُ أُنْثَى وَلَا ذَكَرَا [2]
كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِي - فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ - فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ [3]

مندرجہ بالا موضوعات کے علاوہ حضرت حسان رض کی شاعری میں ہم عصر تاریخ کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جس کے مطالعے سے عہد رسالت کے مدنی دور کے "واقعات" کی تاریخی سند حاصل ہو سکتی ہے۔ عربوں کی شاعری ویسے بھی تاریخی سچائی کے مصداق تھی اور اسلام کی صداقت شعاری نے تو اسے موجودہ حالات کا عکس جمیل بنا دیا تھا۔ تاریخ اسلام کا کوئی طالب علم حضرت حسان رض کی شاعری سے بے نیاز نہیں رہ سکتا

حضرت حسان رض کے کلام کے مجموعی جائزہ سے مضامین شعر اور اسلوب بیان کی واضح تبدیلیوں کی نشاندہی ہوتی ہے قرآن کے الفاظ اصطلاحات اور تراکیب شعروں میں استعمال ہونے لگے تھے احادیث کے ٹکڑے نگینوں کی طرح زینت شعر بنے۔ ان الہامی کلمات اور مقدس تراکیب نے زبان کا آہنگ بدل دیا، اب خشونت الفاظ اور غرائب کلمات کی خواہش نہ رہی عام زندگی سے مفردات و جمل تلاش کئے جانے لگے اسطرح نئے الفاظ و مفردات اور جدید اصطلاحات و تراکیب وضع ہوئیں اور عربی زبان کے وسیع سرمایے میں اور اضافہ ہوا

الغرض حضرت حسان رض نے عربی ادب میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں عربی ادب کا کوئی طالب علم ان سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ان کا انداز اور ان کا لہجہ بعد کی مدحیہ شاعری کیلئے راہنما بنا۔ اور آج تک عربی نعتیہ شاعری میں اُن کی آواز سب سے زیادہ محترم اور قابل تقلید ہے۔ آخر میں ہم آپ کے ان نعتیہ شعروں میں گفتگو ختم کرتے ہیں جو دیوان تو نہیں مگر الاصابہ اور روض الانف نے آپ سے منسوب کئے ہیں۔

يَا رُكْنَ مُعْتَمِدٍ وَعِصْمَةَ لَائِذٍ - وَمَلَاذَ مُنْتَجِعٍ وَجَارَ مُجَاوِرِ
يَا مَنْ تَخَيَّرَهُ الْإِلٰهُ لِخَلْقِهِ - فَحَبَاهُ بِالْخُلُقِ الزَّكِيِّ الطَّاهِرِ
أَنْتَ النَّبِيُّ وَخَيْرُ عُصْبَةِ آدَمَ - يَا مَنْ يَجُودُ كَفَيْضِ بَحْرٍ زَاخِرِ
مِيكَالُ مَعَكَ وَجِبْرِيلُ كِلَاهُمَا - مَدَدٌ لِنَصْرِكَ مِنْ عَزِيزٍ قَادِرِ [4]

لبید بن ربیعہ (م ۴۱ھ)

لبید بن ربیعہ بن عامر مخضرم شعراء میں سب سے بلند مرتبہ ہیں، شہسوار عرب تھے جاھلی دور میں شاعری میں نام پیدا کیا صاحب معلقہ ہیں، النابغۃ الذبیانی نے ان کی جوانی کے ایام ہی میں ان کے بارے میں کہا تھا "انت اشعر ھوازن" اپنی قوم بنو جعفر کے ساتھ حاضر دربار مدینہ ہوئے اور اسلام قبول کیا [5] کوفہ میں رہائش کر لی تھی اور وفات تک وہیں مقیم رہے حضرت لبید نے اسلام قبول کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت کو دن رات کا وظیفہ بنا لیا اور شعر کہنا ترک کر دیا اگرچہ بعض اوقات ایک دو شعر کہتے رہے مگر باقاعدہ شاعری ترک کر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اُن سے کسی تازہ قصیدہ کا مطالبہ کیا تو جواب دیا: "ما كنت لا قول شعراً بعد أن علمني الله البقرة وآل عمران فزاده عمر رضي الله عنه في عطائه خمسائة وكان الفين" [6]

---

(۱) دیوان حسان شرح البرقوقی ص (۹۸) (۹۶) (۳)(۲) حوالہ مذکورہ ص ۱۶۳، ۱۷۰ (۴) شمس الدعوۃ الاسلامیۃ ص ۲۵۳
(۵) الوسیط ص ۸۶ (۶) الاستیعاب الجزء الاول ص ۲۲۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ایک مصرعہ دہراتے اور فرماتے ۔ اشعر کلمۃ تکلمت بھا العرب کلمۃ لبید
"الا کل شیء ما خلا اللہ باطل" ۱

حضرت لبید رضی اللہ عنہ کا علامہ ابن حجرؒ نے وفد قیس کے ساتھ حاضر دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا ذکر کیا ہے اور چند اشعار بھی نقل کئے ہیں جو قحط سالی سے درماندگی کے خلاف بطور استغاثہ پڑھے گئے

اتیناک یا خیر البریۃ کلھا ۔ لترحمنا مما لقینا من الازل
اتیناک والعذراء تدمی لبانھا ۔ وقد ذھلت ام الصبی عن الطفل ۲

پہلا شعر مواہب اللدنیہ کے حوالے سے علامہ النبھانی نے کسی اعرابی کے اشعار میں بھی درج کیا ہے ۳ ہو سکتا ہے توارد ہو اور ممکن ہے وزن و قافیہ کی مناسبت سے اختلاط ہو گیا ہو ۴

کعب بن زہیرؓ (م ۲۴ ھ)

حضرت کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ المازنی دور صحابہ کے دوسرے بڑے شاعر ہیں جن کا قصیدہ بانت سعاد تاریخ ادب عربی میں ایک وقیع اضافہ ہے مخضرم ہونے کے ناطے سے جاہلی دور کی شعری روایت سے بخوبی آگاہ تھے اور ایک قابل احترام شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے، اُن کی شعری صلاحیت میں ان کے والد زہیر بن اُبی سلمیٰ اور ان کے مسکن بلاد غطفان یعنی سرزمین نجد کا نمایاں حصہ ہے۔ زہیر بن اُبی سلمیٰ صاحب معلقہ شاعر تھا اور اپنی جودت طبع اور نیک نفسی کی وجہ سے جاہلی معاشرے میں منفرد مقام کا مالک تھا، حضرت کعب نے اپنے بھائی بجیر اور ہم عصر الحطیئۃ کی معیت میں اپنے باپ سے کسب شعر کیا تھا مگر موخر الذکر ہر دو سے بلند مقام پایا حتیٰ کہ الحطیئہ کو ان کے سہارے کی ضرورت کا احساس ہونے لگا ۵
حضرت کعب ایک شاعر کی حیثیت سے معروف تھے کہ دعوت اسلام کا آغاز ہوا، آپ اور آپ کے قبیلے نے ابتداءً اسلام کو تشویش کی نظر سے دیکھا مگر جب اسلام جزیرہ نمائے عرب پر محیط ہونے لگا تو اشتیاق پیدا ہوا۔ دونوں بھائی مدینہ منورہ کے ارادے سے روانہ ہوئے وابرق، (مدینہ کے نواح میں بستی) کے مقام پر آئے تو کعب رک گئے اور اپنے بھائی بجیر کو کشف حالات کے لئے مدینہ بھیجا ۶ بجیر دربار نبوی میں حاضر ہوئے تو وہیں کے ہو رہے، کعب کو یہ انداز پسند نہ آیا اسلئے بپھر گئے اور بجیر کو خطاب کرتے ہوئے ایک قطعہ کہہ ڈالا اس قطعہ کے تین شعر روایت ہوئے ہیں ۷ شعروں میں قدرے اختلاف ہے ۸ ان میں بجیر کو متنبہ کرنے کے ساتھ شان رسالت میں گستاخی کے مرتکب بھی ہوئے، اس پر دربار رسالت سے خون ہدر یعنی قتل کا حکم صادر ہوا۔ التبریزی کی روایت کے مطابق قتل کے حکم کی اصل وجہ تشبیب بنساء المسلمین تھی ۹ بجیر نے بربنائے اخوت اطلاع دی کعب بھاگ نکلے فتح مکہ تک یہی حالت رہی بجیر ایک سچے مسلمان کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہتے ۔ فتح مکہ کے موقعہ پر عمومی بخشش کا اعلان ہوا مگر ان بدکرداروں کے قتل کے احکامات بھی صادر ہوئے جو ایذا رسانی میں حد سے تجاوز کر رہے تھے چنانچہ ابن خطل اور ابن صبابۃ قتل ہوئے جبکہ ابن الزبعری اور ھبیرہ بن ابی وھب نے بھاگ کر جان بچائی ۱۰
بجیرؓ نے کعب کو خط لکھا ۔ فان کانت لک فی نفسک حاجۃ فطر الی رسول اللہ فانہ لا یقتل احداً جاءہ تائباً وان انت لم تفعل فانج الی نجائک من الارض ۱۱ خبر سنا تھی کعب پر بقول ابن اسحاق، ضاقت بہ الارض، زمین تنگ ہو گئی۔ ۱۲ اور کعب صحرائے عرب میں مارے مارے پھرتے رہے، صحرائے عرب میں مختلف قبائل سے پناہ چاہی مگر کسی نے حامی نہ بھری حتیٰ کہ اپنے قبیلے مزینہ نے منہ پھیر لیا اس بے بسی نے وہ راہ دکھائی جس سے وہ صرف نظر کر رہے تھے، کفر کا زنگ اترا تو معذرت طلبی کے لئے ایک قصیدہ کہا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ طائف سے واپس لوٹے ہی تھے کہ فجر کی نماز کے بعد کعب حاضر ہوئے ۱۳ روایات شاہد ہیں کہ مدینہ پہنچ کر کسی مردِ دل صحابی کا دریافت کیا، سب نے حضرت ابوبکرؓ کا نام لیا چنانچہ ان سے ملے اور آپ کی معیت میں مسجد نبوی میں حاضر ہو گئے ۔

---

(۱) جامع الترمذی الجلد الثانی باب ماجاء فی انشاد الشعر ص ۱۲۶ (۲) الاصابہ ص ۳۰۸/۳ ۔ (۳) المجموعۃ النبھانیہ ص ۲۵/۱

(۴) مفصل حالات کیلئے ملاحظہ ہوں، الاستیعاب ص ۳۲۸ تا ۳۳۰ ۔ اسد الغابہ الجزء الرابع ص ۲۶۱، ۲۶۲، الاصابہ الجزء الثالث ص ۳۰۸، ۳۰۹، الاعلام ص ۱۰۲/۹، طبقات ابن سعد ص ۳۲/۹، معجم المؤلفین ص ۱۵۲/۸، تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۸۹، ۹۵ اور دیگر کتب ادب (۵) تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی شوقی ضیف ص ۸۲ (۶) الاصابہ ص ۳۴۹/۲، الاستیعاب ص ۲۱۹/۱ (۷) حوالہ جات مذکورہ

(۸) سیرت ابن ہشام الجزء الرابع ص ۱۵۰ بر بیت ۸۲ بر حاشیہ تاریخ الادب العربی ص ۸۲ بر حاشیہ شرح بانت سعاد (۹) الاعلام ص ۸۱/۱ (۱۰) طبقات ابن سعد ص ۱۳۶/۲ (۱۱) سیرت ابن ہشام ص ۱۵۰/۴ (۱۲) سیرت ابن ہشام ص ۱۵۱ (۱۳) سیرت ابن ہشام ص ۱۴۹، ۱۵۳ طبقات الشافعیہ ص ۲۳۳/۱

حاضری کا نقشہ عجیب تھا علامہ السبکی (م ۷۷۱ھ) کہتے ہیں۔

"عن سعید بن المسیبؒ قال قدم کعب بن زھیر متنکرا حین بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أوعدہ فأتی أبا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فلما صلی الصبح اتاہ بہ وھو متلثم بعمامتہ فقال یا رسول اللہ رجل یبایعک علی الاسلام فبسط یدہ فحسر عن وجھہ فقال بأبی أنت وأمی یا رسول اللہ ھذا مکان العائذ بک أنا کعب بن زھیر"[1] انصار مدینہ کا رویہ سخت تھا مگر مہاجرین کی خواہش تھی کہ کعب اسلام میں داخل ہو جائیں[2]۔ اس پر حضرت کعب نے اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" پیش کیا جو دربار رسالت میں باریاب ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بطور انعام مرحمت فرمائی جسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعبؓ کے صاحبزادے سے خرید لیا۔ ابن حجر کہتے ہیں "فکساہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بردۃ فاشتراھا معاویۃ من ولدہ فھی التی یلبسھا الخلفاء فی الأعیاد"[3] اس مناسبت سے قصیدہ کا نام بردہ ہو گیا" فسمیت قصیدۃ البردۃ وھی من أشھر اشعار العرب وألبست الشاعر حلۃ مجد لا تبلی"[4]۔

کعبؓ قبول اسلام کے بعد وطن کو لوٹ گئے، گمنامی کی زندگی گزاری اور امیر معاویہؓ کے دور میں ۲۴ھ کے قریب وفات پائی۔

بحیثیت شاعر اور مدح خوان۔

حضرت کعب کا گھرانہ شعر گوئی میں ید طولی رکھتا تھا ان کا باپ زھیر تو اصحاب معلقات میں سے تھا آپ کا بیٹا عقبہ اور پوتا العوام بھی شاعر تھے ابو عمرو کہتے ہیں، "کان کعب بن زھیر شاعراً مجوداً کثیر الشعر مقدماً فی طبقتہ"[5]۔

حضرت کعب نے جاہلی دور میں ہی شہرت حاصل کر لی تھی، متعدد قصائد کہے تھے ان میں سے چند کا وجود ملتا ہے یہ متفرق قصائد دیوان کعب بن زھیر کے نام سے یورپ مصر اور لبنان سے شائع ہو چکے ہیں[6] عبد الاول جونپوری نے ۱۳۱۸ھ میں جونپور سے عربی تفسیرات و تعلیقات کے ساتھ اور محمد صدر الدین نے ۱۹۰۲ء میں لاہور سے اردو پنجابی شرح کے ساتھ شائع کیا تھا[7] قصیدہ بانت سعاد کے کل ۵۸ شعر ہیں جو سیرت ابن ھشام میں موجود ہیں[8]، امام السبکی (م ۷۷۱ھ) نے طبقات الشافعیہ[9] میں ۵۲ شعر روایت کئے ہیں۔

عہد اسلامی کی یادگار کے طور پر حضرت کعب کا قصیدہ "بانت سعاد" شہرت کے اس اُفق پر ہے جس سے بلند تر کی امید نہیں کی جاتی دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں باریابی کی وجہ سے اسے وہ قبولیت حاصل ہوئی کہ یہ قصیدہ علماء و صوفیاء کے وظائف میں شامل ہوا۔ ابو جعفر الالبیری (م ۷۷۹ھ) روایت کرتے ہیں۔

"حدثنی بعض شیوخنا بالاسکندریۃ باسنادہ أن بعض العلماء کان لا یستفتح مجلسہ الا بقصیدۃ کعب فقیل لہ فی ذلک فقال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ قصیدۃ کعب أنشدھا بین یدیک فقال نعم وأنا أحبھا وأحب من یحبھا قال فعاھدت اللہ ان لا أخلو من قراءتھا کل یوم"[10]

برصغیر میں بھی یہ قصیدہ بہت مقبول رہا، شیخ مبارک ناگوری (م ۱۰۰۱ھ) کے بارے میں ملا بدایونی لکھتا ہے "جن دنوں شیخ یہ تفسیر (یعنی منبع نفائس العیون) لکھ رہے تھے آپ وظیفے کے طور پر ابن فارض کا قصیدہ تائیہ جو سات سو اشعار پر مشتمل ہے اور قصیدہ کعب بن زھیر اور دیگر وظائف پڑھا کرتے تھے"۔[11]

قصیدہ بانت سعاد کا اسلوب جاہلی قصائد جیسا ہے، کل ۵۹ شعر ہیں جن میں ابتدائی ۱۲ تشبیب کے ہیں جن کا لہجہ جاہلی ہے ان میں محبوبہ سعاد کے فراق میں وصف محبوب کا خیالی پیکر، خواہش وصال اور فاصلوں کی دقتیں بیان ہوئی ہیں۔

---

[1] طبقات الشافعیہ الکبریٰ ص ۱/۱۲۱ [2] تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ۱/۱۵۶ [3] الاصابہ ص ۲/۲۷۹ بروکلمان نے وضاحت کی ہے کہ یہ بردہ بیس ہزار درھم میں خریدا گیا۔ تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ۱/۱۵۶
[4] تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ۱/۱۵۶ [5] الاستیعاب ص ۱/۲۱۹ [6] کعب بن زھیر اور قصیدہ بانت سعاد علی حسن صدیقی ص ۱۹
[7] تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ۱/۱۵۶ [8] سیرت ابن ھشام الجزء الرابع ص ۱۵۲ تا ۱۶۶ [9] طبقات الشافعیہ الکبریٰ ص ۱۲۱ تا ۱۲۷
[10] نفح الطیب ص ۸/۱۱۱، المدائح النبویۃ زکی مبارک ص ۳۶ [11] رسالہ نقوش لاہور نمبر ص ۶۷۱ مقالہ علمائے کرام اور دینی مدارس از محمد نجم الدین سالک

بَانَت سُعَادُ فَقَلبِي اليَومَ مَتبُولُ - مُتَيَّمٌ إِثرَهَا لَم يُفدَ مَكبُولُ
وَمَا سُعَادُ غَدَاةَ البَينِ إِذ رَحَلُوا - إِلَّا أَغَنُّ غَضِيضُ الطَّرفِ مَكحُولُ
فَيَا لَهَا خُلَّةً لَو أَنَّهَا صَدَقَت - بِوَعدِهَا أَو لَوَ انَّ النُّصحَ مَقبُولُ
أَرجُو وَآمُلُ أَن تَدنُو مَوَدَّتُهَا - وَمَا إِخَالُ لَدَينَا مِنكِ تَنوِيلُ ١

چودھویں شعر سے چونتیسویں شعر تک اُس اونٹنی کے اوصاف کا تذکرہ ہے جو محبوبہ سعاد تک لے جانے کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ یہ حصہ بھی قدیم شاعری کی نہج پر اور اُسی ماحول کا عکاس ہے۔

أَمسَت سُعَادُ بِأَرضٍ لَا يُبَلِّغُهَا - إِلَّا العِتَاقُ النَّجِيبَاتُ المَرَاسِيلُ
تَمُرُّ مِثلَ عَسِيبِ النَّخلِ ذَا خُصَلٍ - فِي غَارِزٍ لَم تَخَوَّنهُ الأَحَالِيلُ
قَنوَاءُ فِي حُرَّتَيهَا لِلبَصِيرِ بِهَا - عِتقٌ مُبِينٌ وَفِي الخَدَّينِ تَسهِيلُ ٢

پھر گریز کی منزل آتی ہے۔

تَسعَى الغُوَاةُ جَنَابَيهَا وَقَولُهُمُ - إِنَّكَ يَا ابنَ أَبِي سُلمَى لَمَقتُولُ ٣

اب سفر دربار محبوب کا مفہوم بدل جاتا ہے، اونٹنی کا رخ دیارِ سعاد کے بجائے دربار محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مڑ جاتا ہے اور شاعر نفسِ مضمون کی طرف لوٹتا ہے۔ موت کی دھمکی سے وہ بے نیاز ہے کہ موت تو بہرحال آئے گی ہی۔

كُلُّ ابنِ أُنثَى وَإِن طَالَت سَلَامَتُهُ - يَومًا عَلَى آلَةٍ حَدبَاءَ مَحمُولُ ٤

مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس حیات آفریں دربار سے ایسی دھمکی ملے اسلئے وہ پکار کر کہتے ہیں

نُبِّئتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَوعَدَنِي - وَالعَفوُ عِندَ رَسُولِ اللّٰهِ مَأمُولُ ٥

مگر دربار کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے معذرت خواہ بھی ہیں اور عفو و کرم کے خواستگار بھی

لَا تَأخُذَنِّي بِأَقوَالِ الوُشَاةِ وَلَم - أُذنِب وَلَو كَثُرَت فِيَّ الأَقَاوِيلُ ٦

معذرت خواہی میں حاضری کا ساماں ہوتا ہے اور حضرت کعبؓ مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک لافانی بیت کہہ جاتے ہیں۔

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُستَضَاءُ بِهِ - مُهَنَّدٌ مِن سُيُوفِ اللّٰهِ مَسلُولُ ٧

مدح کے لاحقے کے طور پر اوصاف صحابہ کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ اور یوں ۵۹ اشعار کا یہ قصیدہ مروجہ ترتیب کے مطابق اختتام پذیر ہوتا ہے۔

بظاہر پورے قصیدے میں مدحِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی شعر ہے جسے حاصل قصیدہ یا بیت الغزل کہا جا سکتا ہے۔ لیکن بنظرِ امعان دیکھا جائے تو سارا قصیدہ اسی شعر کا ابتدائیہ معلوم ہوتا ہے۔ شاعر سے سعاد بچھڑ چکی ہے جو روایت کے مطابق محبوبہ کا نام ہے مگر شاعر اب کسی سعاد کی تلاش میں نہیں ہے بلکہ اُسے تو اس "سعادت" سے دوری کا تذکرہ کرنا ہے جسے اس کا بھائی بجیر حاصل کرنے میں سبقت لے گیا ہے۔ محرومی میں کعبؓ نے اس منزل اندازی کی ہوئی سعادت کا پیچھا کیا، تیز رفتار اونٹنی کی ہمراہی کے باوجود آپ کئی سال تک خواہش وصال میں بے چین رہے، رقیبوں نے محروم وصال رکھنے کی کوشش کی مگر جذبۂ صادق اور محبوب مکرم کی فیض بخشی سے آپ "وصال محبوب" کے حصول میں کامیاب رہے، ایک محروم الوصال عاشق کا سرمایۂ حیات کیا ہے؟ صرف ایک نظر سو وہ جناب کعبؓ کو نصیب ہوئی، ساری بے چینیوں کا مداوا ہو گیا۔ اب زبان سے زیادہ نظر کا معاملہ تھا، حضرت کعبؓ نور ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا پاشیوں سے راہ یاب ہوئے تھے اس طویل سفر میں مشعل راہ یہی نور تھا اور یہی امید کی کرن تھی جو انہیں منزل آشنا ہونے میں معاون بنی تھی، یہ روشنی سرمایۂ حیات اور حاصل زندگی تھی اس لئے اسی کے تذکرے پر اُن کے شعری تخیل کی انتہا ہوئی تھی، قصیدہ کا قالب جاہلی سہی مگر اس کے اندر خالص دینی جذبہ موجزن ہے۔

ع "نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے میری" ٨

---

١ سیرت ابن ہشام ص ۱۵۲ تا ۱۵۷ ج ٢ ٢ حوالہ مذکورہ ص ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸ ٣ حوالہ مذکورہ ص ۱۶۰
٤ حوالہ مذکورہ ص ۱۶۱ ج ٢ ٥ حوالہ مذکورہ ٦ حوالہ مذکورہ ص ۱۶۲ ٧ حوالہ مذکورہ ص ۱۶۴
٨ کلیات اقبال "اردو" ص ۱۷۰

بعض اوقات اس پاکیزہ جذبے کی نفی کر کے قصیدے کے ظاہری ڈھانچے پر حکم لگا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ قصیدہ 'بانت سعاد' میں 'روحِ دینی' کارفرما نہیں ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارک کہتے ہیں:

"فھی قصیدۃ جاھلیۃ تغلب علیھا قوۃ البداوۃ ولکنھا تکاد تخلو من روح الدین" [1]

پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس کی یوں تاویل کرتے ہیں:

"ولا غرابۃ فی ذلک فان کعب بن زھیر لم یمدح الرسول الا لینجو من الموت، ومن کان فی مثل حاله لا یستظر منه صدق الثنا" [2]

اس سے انکار نہیں کہ یہ قصیدہ خوف کی حالت میں تصنیف ہوا مگر یہ خوف حضرت کعبؓ کی قلبی کیفیات میں تبدیلی کا سبب بنا، اب صرف موت سے بچاؤ کی بات نہ تھی قبول اسلام کا مرحلہ تھا، معذرت جاں بخشی کی خواہش کے لئے اپنے سابقہ کردار پر بھی کیونکہ اب دل کی دنیا بدل چکی تھی اسی لئے اس کی پکار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو متاثر کیا اور قصیدے کو وہ مقام ملا کہ آج تک کوئی اس کا سہیم نہیں ہے۔ نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

"صارت ھذہ القصیدۃ احسن الوسائل الی الشفاعۃ واوثق الذرائع الی الاغتنام من الشفاعۃ وقد قالوا فضل ھذہ القصیدۃ علی القصائد الاخر الموشحۃ بمدحہ صلی اللہ علیہ وسلم کفضل الصحابۃ علی التابعین" [3]

ابو الجعز الابیوی (م ۷۷۹ھ) کہتے ہیں:

"فھی حجۃ الشعراء فیما سلکوہ وملاک أمرھم فیما سلکوہ" [4]

اگر اس قصیدے میں اخلاص کی گرویدگی نہ ہوتی تو یہ بھی قصیدہ الاعشیٰ کی طرح صرف ادبی یادگار بن کے رہ جاتا، دونوں قصائد کی مقبولیت کا فرق بہرحال ملحوظ رہنا چاہیئے (قصیدہ بانت سعاد میں تشبیب کی موجودگی اور اس پر اعتراضات پر مکمل گفتگو متن شعر کے ضمن میں درج ہے۔)

قصیدہ بانت سعاد کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ایک عمدہ نمونے کے طور پر بعد کے مدیح نگاروں کے پیشِ نظر رہا ہے۔ اس کی بحر اور قافیے کی رعایت میں متعدد قصائد لکھے گئے۔ معارضات، مخمسات، مسدسات اور تخمیسات کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہوا جن میں الابیوردی (م ۵۰۷ھ)، امام زمخشری (م ۵۳۸ھ)، امام صرصری (م ۶۵۶ھ)، ابو حیان الاندلسی (م ۶۹۲ھ)، امام بوصیری (م ۶۹۶ھ)، ابن سید الناس (م ۷۳۲ھ)، ابن نباتۃ المصری (م ۷۶۸ھ)، ابن جابر الاندلسی (م ۷۸۰ھ)، فخر الدین الموصلی (م ۷۹۰ھ)، مجد الدین الفیروز آبادی (م ۸۱۷ھ)، النواجی (م ۸۵۹ھ)، عبد الغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) اور یوسف النبھانی (م ۱۳۵۰ھ) کے نام نہایت وقیع ہیں،

بانت سعاد کی عربی، فارسی، ترکی، اردو اور دیگر زبانوں میں شرحیں لکھی گئیں جن میں حجۃ الحموی (م ۸۳۷ھ)، شہاب الدین الدولت آبادی (م ۸۴۸ھ)، جلال الدین المحلی (م ۸۶۴ھ)، جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)، ابن حجر الہیتمی (م ۹۷۴ھ) کے علاوہ لاتعداد اصحاب شریک ہیں (ان معارضات و مخمسات وغیرہ اور شروح کی تفصیل آخر پر بطور ضمیمہ شامل کی جا رہی ہے)

غرضیکہ بانت سعاد ہر ادیب اور عالم کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ المقری (م ۱۰۴۱ھ) کہتے ہیں:

"ولم تزل الشعراء من ذلک الوقت الی الآن ینسجون علی منوالھا ویقتدون باقوالھا تبرکا بمن أنشدت بین یدیہ ونسب مدحھا الیہ" [5]

قاضی محی الدین عبد الظاہر نے جب 'بانت سعاد' کے انداز پر مدحیہ قصیدہ لکھا تو اس میں حضرت کعبؓ کی عظمت کا اعتراف کیا۔

لقد قال کعب فی النبی قصیدۃ - وقلنا عسی فی مدحہ نتشارک

فان شملتنا بالجوائز رحمۃ - کرحمۃ کعب فھو کعب مبارک [6]

---

[1] المدائح النبویۃ زکی مبارک ص ۲۲ [2] حوالہ مذکورہ [3] ابجد العلوم ص ۲۰۸ [4] نفح الطیب ص ۲/۱۴۴

[5] حوالہ مذکورہ [6] حوالہ مذکورہ ص ۲۴۴

عبداللہ بن رواحۃ (۸ھ)

حضرت عبداللہ بن رواحۃ رضی اللہ عنہ، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی طرح انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں کی طرح مدافعت اسلام کے مقدس مشن میں شریک تھے، مدینہ منورہ کے معزز افراد میں ان کا شمار تھا اور اس دور کے عربی معاشرے میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے جبکہ ایسے افراد انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، ابن سعد کہتے ہیں "وکان عبداللہ بن رواحۃ یکتب فی الجاھلیۃ وکانت الکتابۃ فی العرب قلیلۃ"[۱] اسی لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کتّاب میں شریک رہے [۲]۔ آپ ان بارہ نقباء میں شامل تھے جنہوں نے مقام عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی [۳]۔ بلکہ ان ستر خوش قسمت انصار کے بھی ساتھ تھے جو اگلے سال مکہ حاضر ہوئے تھے اور وفادِ اسلام کا عہد کیا تھا [۴]

ہجرت مدینہ کے بعد حضرت عبداللہ نے دفاعِ اسلام میں شمشیر و قلم سے حصہ لیا، غزوہ بدر، احد، خندق، صلح حدیبیہ، غزوہ خیبر، عمرۃ القضا غرضیکہ تاحینِ حیات غزوات میں شریک اور جہاد میں شامل رہے [۵]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ذات پر بہت اعتماد تھا اسی لئے انہیں بھاری ذمہ داریاں سپرد کیے کرتے تھے یہاں تک کہ جب آپ غزوۂ بدر الموعد کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ابن رواحہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا [۶]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نیک فطرتی اور حبِّ خیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

"رحم اللہ ابن رواحۃ انہ یحب المجالس التی تتباھی بھا الملائکۃ" [۷]

سریہ موتہ میں آپ زید بن حارثہؓ، جعفر طیار اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم کی طرح سپہ سالاران لشکر کی فہرست میں شامل تھے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو تمام اہل مدینہ کی دعائیں ساتھ تھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بسلامت واپس لائے مگر آپ نے برجستہ کہا،

لکنّنی اسأل الرحمٰن مغفرۃ ـ وضربۃ ذات فرع تقذف الزبدا

أو طعنۃ بیدی حرّان مجھزۃ ـ بحربۃ تنفذ الاحشاء والکبدا

حتی یقال اذا مرّوا علی جدثی ـ ارشدہ اللہ من غازٍ وقد رشدا [۸]

دلی تمنا بھر آئی اور آپ سریہ موتہ میں جمادی الاولیٰ ۸ھ میں راہ حق میں شہید ہوئے [۹]

حضرت عبداللہ بن رواحہ پُرگو شاعر تھے حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع و حادثات کی مناسبت سے ایسے برمحل شعر کہتے کہ دربار نبوی میں مقبول ہوتے شعر گوئی میں بلند مقام حاصل تھا المرزبانی معجم الشعراء میں لکھتے ہیں:

"کان عظیم القدر فی الجاھلیۃ والاسلام" [۱۰]۔ اتنے زود گو اور حاضر دماغ تھے کہ ہشام بن عروہ کے والد روایت کرتے ہیں کہ "قال سمعت ابی یقول ما سمعت احداً اجرأ ولا اسرع شعراً من عبداللہ بن رواحۃ" [۱۱]

اسی سرعت کلام کے پیش نظر حضور اکرمؐ نے استفسار فرمایا تھا کہ عبداللہ تم شعر کیسے کہتے ہو آپ نے جواباً عرض کیا "انظر فی ذالک ثم اقول" [۱۲]

آپ نے اس خداداد صلاحیت کو خدمت اسلام کیلئے وقف فرمانا چاہا تو مشورہ دیا کہ قریش مکہ کی ہجو بھر تو جر دیا کرو، سریہ موتہ پر روانگی کے موقعہ مدینہ سے وداع ہوتے ہوئے کہنے لگے۔

انی تفرّست فیک الخیر نافلۃ ـ واللہ یعلم ان ما خاننی البصر

انت النبی ومن یحرم شفاعتہ ـ یوم الحساب لقد ازری بہ القدر

فثبّت اللہ ما آتاک من حسن ـ تثبیت موسیٰ ونصراً کالذی نصروا

"فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانت فثبّتک اللہ یا ابن رواحۃ [۱۳]

سیرت ابن ہشام[۱۴] اور طبقات ابن سعد میں چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یہ اشعار موجود ہیں، طبقات نے تو ایک شعر زائد بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے،

یا ھاشم الخیر ان اللہ فضّلکم ـ علی البریۃ فضلاً ما لہ غیر [۱۵]

---

[۱] طبقات ابن سعد ص ۳/۵۲۶ [۲] الاصابہ ص ۲/۲۹۸ [۳] الاستیعاب ص ۱/۳۴۹، الاصابہ ص ۲/۲۹۸ [۴] طبقات ابن سعد ص ۳/۵۲۶ [۵] الاستیعاب ص ۱/۳۴۹، طبقات ابن سعد ص ۳/۵۲۵ [۶] طبقات ابن سعد ص ۳/۵۲۶ [۷] الاصابہ ص ۲/۲۹۸ [۸] سیرت ابن ہشام ص ۳/۴۲۸، الاستیعاب ص ۱/۳۵۰، اسد الغابہ ص ۳/۱۵۸ [۹] الاستیعاب ص ۱/۳۴۹، طبقات ابن سعد ص ۳/۵۲۶ [۱۰] الاصابہ ص ۲/۲۹۹ [۱۱] الاستیعاب ص ۱/۳۵۰ [۱۲] العمدہ ص ۱/۲۰ [۱۳] الاستیعاب ص ۱/۳۵۰، اسد الغابہ ص ۳/۱۵۷ [۱۴] سیرت ابن ہشام ص ۴/۲۹ [۱۵] طبقات ابن سعد ص ۳/۵۲۸

عمرۃ القضا کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انزل فحرک بنا الرکاب" عرض کیا "یا رسول اللہ انی قد ترکت قولی" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ "اسمع و اطع" چنانچہ سواری سے اترے اور رجز پڑھنے لگے۔

(یارب) لولا انت ما اھتدینا - ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا - وثبت الاقدام ان لاقینا۔
ان الکفار قد بغوا علینا ۔[1]

بعض نے ایک مصرعے کا اضافہ نقل کیا "وان ارادوا فتنۃ ابینا" شعر سن کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللھم ارحمہ، فقال عمر رض وجبت۔

محمد بن عمر کہتے ہیں: "انما طاف عبداللہ بن رواحۃ البیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عمرۃ القضیۃ فی ذی القعدہ سنۃ سبع"[2]۔ یہی روایت صحیح البخاری میں البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سلم بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہوئی ہے اور غزوہ خندق کے واقعات میں درج ہے[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحۃ رض نے عمرۃ القضا میں بھی یہ رجز پڑھی۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ - الیوم نضربکم علی تأویلہ
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ - ویذھل الخلیل عن خلیلہ

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متنبہ کرتے ہوئے کہا: "یا ابن رواحۃ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی حرم اللہ تقول الشعر" فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "خل عنہ یا عمر فواللہ لفنی بیدہ لھذا اشد علیھم من وقع السیف"۔[4]

یہ روایت جامع الترمذی اور سنن نسائی میں بھی موجود ہے[5]۔ بعض روایات میں یہ شعر حضرت کعب بن مالک رض کی طرف منسوب ہے جس کے بارے میں الترمذی میں ہے کہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ عبداللہ بن رواحۃ جنگ موتہ میں شہید ہو چکے تھے اور عمرۃ القضاء بعد کا واقعہ ہے[6]۔ لیکن تاریخی طور پر یہ معاقبہ درست نہیں ہے عمرۃ القضا ذی قعدہ ۷ھ میں ہوا ہے۔ جبکہ یہ موتہ جمادی الاولی ۸ھ کا واقعہ ہے[8] اس لئے حضرت عبداللہ بن رواحۃ کی عمرۃ القضا میں موجودگی ممکن ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بعض مصرعوں کو گنگنایا کرتے تھے اور صحابہ بھی ساتھ آواز ملاتے تھے، تعمیر مسجد نبوی کے موقعہ پر[9] اور بعض روایات میں غزوہ خندق کے ایام میں یہ شعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زبان پر جاری تھا۔

اللھم ان الاجر اجر الآخرۃ - فارحم الانصار والمھاجرۃ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے "قیل لھا، ھل کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتمثل بشئی من الشعر قالت کان یتمثل بشعر ابن رواحۃ و یقول

و یأتیک بالاخبار من لم تزود[11]

شعر گوئی میں حضرت عبداللہ بن رواحۃ رض کا رنگ سب سے منفرد ہے۔ بجز کفار ہو تو کفر لسندی یا ترک دوستی کا طعنہ دیتے تھے اسی لئے حالت کفر میں اہل مکہ کو ان کے شعروں کی کاٹ کا اندازہ نہ ہو سکا جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو پھر ان کے ہجویہ اشعار کی شدت کو محسوس کرنے لگے[12]۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۳/۵۲۷ [2] حوالہ مذکورہ [3] صحیح البخاری المجلد الاول کتاب الجھاد باب حفر الخندق ص ۲۹۸ باب الرجز فی الحرب ص ۴/۲۹۹ کتاب المغازی باب الخندق ص ۵۸۹ باب غزوہ ذات القرد ص ۶۰۳ اور باب ما یجوز من الشعر ص ۹۰۸ [4] حلیۃ الاولیاء ص ۱/۲۹۲ [5] جامع الترمذی باب ما جاء فی انشاد الشعر ص ۲/۱۳۶ سنن نسائی المجلد الثانی کتاب مناسک الحج باب انشاد الشعر فی الحرم ص ۲۹ [6] جامع الترمذی ص ۲/۱۳۶ [7] سیرت ابن ھشام ص ۳/۳۲۴ [8] حوالہ مذکورہ ص ۴۲۷ [9] صحیح البخاری ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ ص ۵۵۵ کتاب الصلاۃ باب ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ص ۶۱ [10] صحیح البخاری کتاب الجھاد باب التحریض علی القتال ص ۱/۳۹۶ و باب حفر الخندق ص ۳۹۸ طبقات ابن سعد ص ۳/۳۵۲ [11] طبقات ابن سعد ص ۳۸۳ جامع ترمذی ص ۱۳۶ کتاب المناقب باب ما جاء فی انشاد الشعر [12] تاریخ الادب

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار میں ہجو کے مضامین وقتی یا ہیجانی نہ تھے بلکہ ان کا اثر دیرپا اور دوامی تھا اور یہ بھی ممکن ہو سکا کہ آپ نے حقیقت پسندانہ مضامین کا انتخاب کیا جن کی نوعیت اور کیفیت وقت کے ساتھ ساتھ کم ہونے کے بجائے بڑھتی رہتی ہے، یہ علامت ان کی شاعری کے لئے بقائے دوام کی ضامن ہے۔

مدحِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان کا انداز نہایت متین اور پُرتاثیر ہے، ان کے اشعار میں ان مستقل حقائق کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی قدر و قیمت ہر دور میں مسلم رہی ہے اور رہے گی تعلیمات اسلامیہ کو موضوعِ شعر بنانا اور بندگی کو مقام مدح میں ذکر کرنا حضرت ابن رواحہؓ کی شاعری کا امتیازی وصف ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں

وَفِينَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ ۔ إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ

أَرَانَا الْهُدَىٰ بَعْدَ الْعَمَىٰ فَقُلُوبُنَا ۔ بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ ۔ إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْكَافِرِينَ الْمَضَاجِعُ [1]

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ [2] اور اسد الغابہ [3] میں پہلا شعر معمولی تغیر کے ساتھ یوں روایت ہوا ہے۔

أَتَانَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ ۔ كَمَا لَاحَ مَشْهُورٌ مِنَ الصُّبْحِ سَاطِعُ ،

باقی شعر وہی ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے وہ شعر جنہوں نے اُن کے کلام کو انفرادیت بخشی ہے اور جن میں سراپائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خصوصاً چہرہ انور کے بیان میں ایک لافانی شعر ان کی زبان سے ادا ہوا ہے یہ ہیں۔

رُوحِي الْفِدَاءُ لِمَنْ أَخْلَاقُهُ شَهِدَتْ ۔ بِأَنَّهُ خَيْرُ مَوْلُودٍ مِنَ الْبَشَرِ

عَمَّتْ فَضَائِلُهُ كُلَّ الْعِبَادِ كَمَا ۔ عَمَّ الْبَرِيَّةَ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ

لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ ۔ كَانَتْ بَدِيهَتُهُ تُغْنِي عَنِ الْخَبَرِ [4]

آخری شعر تو امام ابن حجرؒ نے بھی نقل کیا ہے اور تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: وَمِنْ أَحْسَنِ مَا مُدِحَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [5]

حاصل گفتگو یہ کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ایک پرگو اور پرغوز شاعر تھے اُن کے خیالات دائمی نوعیت کے حامل اور اپنے اثرات میں دیرپا تھے، زبان پر اسلامی ہدایت کا اثر ہے اور جاہلی دور کی گنجلک طرز گفتگو سے مجتنب رہتے تھے، مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اشعار کی تعداد باقی شاعری کی نسبت کم ہے مگر جو ہے وہ نمائندہ اور قابلِ توجہ ہے۔

---

[1] صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب الادب باب ھجاء المشرکین ص ۹۰۹ ، [2] طبقات الشافعیہ الکبریٰ ص ۱/ ۱۴۰

[3] اسد الغابہ ص ۵/ ۶۳۵ [4] المجموعۃ النبھانیہ المجلد الاول ص ۶۲ ۔ [5] الاجابہ الجزء الثانی ص ۲۹۹

حضرت کعب بن مالکؓ (م ۵۰ھ)

حضرت کعب بن مالکؓ کا تعلق بھی انصار مدینہ کے مشہور قبیلے خزرج سے تھا' مدینہ کے نمایاں افراد میں شمار ہوتے تھے' ابن حبان لکھتے ہیں "کان ممن له شجاعة فی شبابه و براعة فی یفاعه"۔ [1] عقبہ ثانیہ کے نقباء میں سے تھے اور وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی' ہجرت مدینہ کے بعد دفاع اسلام کی جنگ میں شریک ہوئے' غزوۂ بدر اور تبوک کے سوا تمام غزوات میں داد شجاعت دی۔ [2] حتیٰ کہ غزوہ احد میں اس مردانگی سے حملہ آور ہوئے کہ گیارہ زخم آئے [3] غزوۂ تبوک کے تخلف پر تو سب کو اتفاق ہے مگر غزوۂ بدر میں شرکت یا عدم شرکت پر علامہ ابن عبدالبر نے اختلاف نقل کیا ہے۔ [4] مگر حضرت کعبؓ نے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس کی وضاحت فرماتے ہوئے غزوۂ بدر میں عدم شرکت کا اعتراف کیا ہے۔ فرماتے ہیں "لم اتخلف عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی غزوة غزاها الا فی غزوة تبوك غیر انی کنت تخلفت فی غزوه بدر ولم یعاقب احدا تخلف عنها"

غزوۂ تبوک میں اس خیال سے کہ لمبا سفر ہے چند حوائج نبٹا کر ساتھ جائیں گے تاخیر کرتے رہے اور یہ تاخیر اتنا طویل ہوا کہ لشکر اسلام واپس لوٹ آیا' اس تخلف کی بنیاد پر تین افراد کا معاشرتی مقاطعہ کیا گیا ان میں حضرت کعبؓ کے علاوہ مرارہ بن ربیعہ اور ہلال بن امیۃ شامل تھے' پچاس روز تک یہ لوگ مدینہ منورہ کے بھرے شہر میں اعزاء اقرباء کی موجودگی کے باوجود تنہا رہ گئے' یہ دن کس قدر روح فرسا تھے اس کا اندازہ قرآن مجید کے الفاظ سے ہی لگایا جا سکتا ہے "وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ الآیة" [6] احادیث وسیرت کی کتابوں میں واقعے کی تمام جزئیات کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ [7]

حضرت کعبؓ نے معتبر روایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۵۰ھ یا ۵۳ھ میں انتقال فرمایا۔ [8]

آپ جاہلی دور ہی میں شعر و شاعری میں نام پیدا کر چکے تھے' مطبوع شاعر تھے اور عربی شاعری کے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے تھے' حضری ہونے کی وجہ سے حضری شعراء کے ڈگر پر چلتے تھے اسلئے کلمات شعر میں خشونت کم ہے علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں: "کان مجودا مطبوعا' قد غلب علیه فی الجاهلیة امر الشعر و عرف به" [9]

اسلام قبول کرنے کے بعد ملکۂ شعر کے بارے میں متردد رہے کہ اسلام کس حد تک اجازت عطا کرتا ہے' یہ خلجان بڑھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کر لیا کہ اے اللہ کے رسول ماذا تری فی الشعر' ارشاد ہوا "المؤمن یجاهد بسیفه و لسانه" [10] اجازت ملنا تھی کہ اشہب قلم جولانیاں دکھانے لگا' دفاع اسلام کی جنگ میں آپ حضرت حسانؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ شریک رہے اور بھرپور کردار ادا کیا' ابن سیرین (م ۱۱۰ھ) لکھتے ہیں

"کان شعراء النبی صلی اللہ علیه وسلم حسان بن ثابت و کعب بن مالک و عبداللہ بن رواحة فکان کعب بن مالک یخوفهم الحرب وکان حسان یقبل علی الانساب وکان عبداللہ بن رواحة یعیرهم بالکفر" [11] مدینہ منورہ کے ان ارکان ثلاثہ نے کفر کے حملوں کا اس عمدگی سے دفاع کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اس پر داد تحسین دی۔

حضرت کعبؓ کو غزوات کے حوالے سے شعر گوئی کا ملکہ حاصل تھا اسی لئے آپ کے اشعار کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو غزوات نبوی کا تاریخی پس منظر نظروں کے سامنے جھلملانے لگتا ہے آپ کی شاعری کی تاریخی حیثیت قابل استناد ہے اسی لئے سیرت ابن ہشام میں بیان سیرت کے ساتھ ساتھ واقعات کی تائید کیلئے جو اشعار نقل کئے گئے ہیں ان میں معتد بہ حصہ حضرت کعبؓ کے شعروں کا ہے۔ واقعات سرائی اور ہجو کفار کے بیان میں آپ کی نظر بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب

---

[1] کتاب مشاهیر علماء الامصار محمد بن حبان البستی ص ۱۸ [2] الاستیعاب ص ۱/۲۱۶' الاصابة ص ۳/۲۸۵' اسد الغابة ص ۴/۲۴۷
[3] اسد الغابه ص ۴/۲۴۸ [4] الاستیعاب ص ۱/۲۱۶ [5] صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب المغازی حدیث کعب بن مالکؓ ص ۶۳۲
[6] سورۃ التوبہ: ۱۱۸ [7] مثلاً صحیح البخاری المجلد الثانی کتاب المغازی باب حدیث کعب ص ۶۳۴ تا ۶۳۶ [8] الاستیعاب ص ۱/۲۱۶
[9] حوالہ مذکورہ [10] حوالہ مذکورہ [11] اسد الغابة ص ۴/۲۴۸

اہمیت ہے اور آپ مدحِ رسالت میں بھی شعروں کے ہدایا پیش کرتے جاتے ہیں، ہم موضوع کی مناسبت سے ان طویل قصیدوں سے چند اشعار کا انتخاب پیش کر رہے ہیں تاکہ آپ کی شاعری منزلت کا احساس اور مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شیفتگی کا اندازہ ہو سکے۔

غزوہ بدر کے موقعہ پر اور اس کے بعد اس حوالے سے آپ نے متعدد قصائد کہے ان میں مدح کا رنگ ملاحظہ ہو

نبیٌ لہ فی قومہ ارثُ عزۃٍ ۔ واعراقُ صدقٍ ھذّبتھا ارومُھا ۱

رسولُ اللہ یَقدمُنا بامرٍ ۔ من امرِ اللہ اُحکِم بالقضاءِ ۲

شھدنا بانّ اللہ لا ربَّ غیرہ ۔ وانّ رسولَ اللہ بالحقّ ظاھرُ ۳

غزوہ احد کے ضمن میں مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

وفینا رسولُ اللہ نتبعُ امرَہُ ۔ اذا قال فینا القولَ لا نتطلّعُ

تدلّی علیہ الروحُ من عندِ ربّہ ۔ ینزّلُ من جوّ السماءِ ویُرفعُ ۴

لنا حومۃٌ لا تستطاعُ یقودُھا ۔ نبیٌّ اتی بالحقّ عفٌّ مصدّقُ ۵

ابن الزبعری کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

تبکّت تبکی رسولَ المکیْ ۔ قاتلک اللہ جلفاً لعینا

تقول الخنا ثم ترمی بہ ۔ نقیّ الثیاب تقیّاً امینا ۶

فینا الرسولُ شھابٌ ثم یتبعُہ ۔ نورٌ مضیءٌ لہ فضلٌ علی الشُّھُبِ

الحقُّ منطقُہ والعدلُ سیرتُہ ۔ فمن یُجبہ الیہ ینجُ من تبَبِ

نجدُ المقدَّمِ ماضی الھمِّ معتزمٌ ۔ حینَ القلوبُ علی رجفٍ من الرُّعُبِ

یمضی ویذمرُنا عن غیرِ معصیۃٍ ۔ کانّہ البدرُ لم یُطبع علی الکذبِ

بدا لنا فاتّبعناہ نصدّقُہ ۔ وکذّبوہ فکنّا اسعدَ العربِ ۷

غزوہ خندق کے موقعہ پر کہے گئے اشعار میں نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

وکان لنا النبیُّ وزیرَ صدقٍ ۔ بہ نعلو البریّۃَ اجمعینا ۸

جاءت سخینۃُ کی تغالبَ ربَّھا ۔ فلیُغلَبنّ مغالبُ الغلّابِ

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لقد شکرک اللہ یا کعب علی قولک ھذا" ۹

من یتّبع قولَ النبیّ فانّہ ۔ فینا مطاعُ الامرِ حقٌّ مصدّقُ

انّ الذین یکذّبون محمّداً ۔ کفروا وضلّوا عن سبیلِ المتّقی ۱۰

غزوہ طائف پر روانگی کے موقعہ پر کہے گئے اشعار میں سے

یکیّسھم النبیُّ وکان صلباً ۔ نقیَّ القلبِ مصطبراً عزوفا

رشیدَ الامرِ ذا حکمٍ وعلمٍ ۔ وحلمٍ لم یکن نزقاً خفیفا

نطیعُ نبیّنا ونطیعُ ربّاً ۔ ھو الرحمٰنُ کان بنا رؤوفا ۱۱

الغرض حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی شعری صلاحیت کو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وصیانت کے لئے ڈھال بنایا۔ ان کے اشعار میں استدلالی جدلیت بھی اور اپنے ایمان پر پختگی پر منکسرانہ ناز بھی، اسلامی تعلیمات اور عبادات کی عظمت اور اس پر افتخار کا بار بار ذکر کرتے ہیں، الفاظ دلنشین اور عام فہم مگر بندش مضبوط اور اسلوب جاذب قلب و نظر ہے ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے دعبل نے کہا:

وببئر بدرٍ اذ یردُّ وجوھَھم ۔ جبریلُ تحت لوائنا ومحمّدُ (کتاب العمدہ ص ۲/۱۱۵)

---

① سیرت ابن ہشام ص ۲/۳۹۵ ② حوالہ مذکورہ ③ حوالہ مذکورہ ص ۲/۳۷۹ ④ حوالہ مذکورہ ص ۳/۹۱
⑤ حوالہ مذکورہ ص ۴/۱۱۲ ⑥ حوالہ مذکورہ ص ۱۲۵ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۱۲۶، ۱۲۷ ⑧ حوالہ مذکورہ ص ۲۷۷ ⑨ حوالہ مذکورہ ص ۲۹۰، شذرات الذھب ص ۱/۵۶ ⑩ سیرت ابن ہشام ص ۳/۲۹۳ ⑪ حوالہ مذکورہ ص ۴/۱۲۴

ابوسفیان بن الحارث (م ۲۰ ھ)

ابوسفیان بن الحارث خاندان ھاشم کے نونہال اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد تھے، شکل وشباہت میں بھی آپ سے بڑی مناسبت تھی[1]۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے رضاعت کی بناء پر دودھ شریک بھائی بھی تھے اور ہم جولی بھی، اس لئے نوخیزی کے ایام سے ہی آپس میں محبت کے تعلقات قائم تھے[2]۔ مگر جب دعوت اسلامی کی ابتداء ہوئی تو بگڑ گئے، پختہ مشق شاعر تھے اس صلاحیت سے نا جائز فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور اکرم کی ہجو کی جسارت کر بیٹھے بلکہ اس رسم بد کے بانی بنے[3]، ابن سعد کہتے ہیں:

"فلما بُعِثَ رسولُ اللہ علیہ وسلم عاداہ وھجاہ وھجاء اصحابہ..... وکان مباعداً للاسلام شدیداً علی من دَخَلَ فیہ"[4] اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جوابی کارروائی کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت حسانؓ[5] نے "اَلَا اَبْلِغْ اَبَا سُفیانَ عَنِّی ـ مُغَلْغَلَةً فقد برح الخفاءُ"[5] کے طرز خطاب سے ایسی ہجو کہی کہ تھرا گئے، بیس برس کا طویل عرصہ ابوسفیان بن الحارث اسلام دشمنی کی روش پر قائم رہے[6]۔

۸ھ کو جب لشکر اسلام فتح مکہ کے ارادے سے مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو جنس قدمی عمر کے الابواء کے مقام پر حاضر خدمت ہوئے اور دربار فیض آثار کے منور کرم سے مستفیض ہوئے[7]، اس جان بخشی پر وارفتگی کے عالم میں مدح سار رسالت میں رطب اللسان ہوئے۔

"لَعَمْرُكَ اِنِّی یَوْمَ اَحْمِلُ رَایَةً ـ لِتَغْلِبَ خَیْلُ اللَّاتِ خَیْلَ مُحَمَّدٍ
لَكَالْمُظْلِمِ الحَیْرَانِ اَظْلَمَ لَیْلُهُ ـ فَهٰذَا اَوَانِی حِیْنَ اُهْدٰی فَاَهْتَدِی
هَدَانِی هَادٍ غَیْرُ نَفْسِی وَدَلَّنِی ـ عَلَی اللّٰهِ مَنْ طَرَّدْتُهُ كُلَّ مُطَرَّدِ
اَصُدُّ وَاَنْاٰی جَاهِدًا عَنْ مُحَمَّدٍ ـ وَاُدْعٰی وَاِنْ لَمْ اَنْتَسِبْ مِنْ مُحَمَّدِ"[8]

قال ابن اسحاق فذکروا انہ حین انشد رسول اللہ علیہ وسلم قولہ: "مَنْ طَرَّدْتُهُ كُلَّ مُطَرَّدِ" ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ وقال اَنْتَ طَرَّدْتَنِی كُلَّ مُطَرَّدِ[9] (ان اشعار میں سے پہلے دو شعر الاصابۃ[10] اور آخری دو شعر طبقات ابن سعد[11] میں بھی موجود ہیں)۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے سابقہ کردار کا اس قدر احساس رہا کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سر اٹھا کر نہ دیکھا[12]۔

حضرت ابوسفیان کے فضائل اعمال کا درخشاں باب غزوہ حنین میں ان کی شرکت اور جاں سپاری ہے، اسلامی لشکر اپنی کثرت تعداد پر نازاں ہوا تو شکست کے آثار ہویدا ہوئے اور اکثر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے، ایسی افراتفری کے عالم میں حضرت ابوسفیان کی ثابت قدمی دیدنی تھی، صاحب شذرات کی روایت ہے کہ "وھو الذی اخذ یوم حنین بلجام بغلۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وثبت یومئذ معہ"[13]

حضرت ابوسفیان مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے اور اپنی شاعری کو دعوت اسلام کے لئے وقف کئے رہے، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں وفات پائی، اس جاں گداز واقعے نے آپ کی طبیعت پر اس قدر اثر کیا کہ ایک دلگداز مرثیہ کہا جس کا ایک ایک شعر ان کے دل کی آواز اور ان کی داخلی کیفیات کا غماز ہے، کہتے ہیں۔

اَرِقْتُ وَبَاتَ لَیْلِی لَا یَزُوْلُ ـ وَلَیْلُ اَخِی المُصِیْبَةِ فِیْهِ طُوْلُ
فَقَدْ عَظُمَتْ مُصِیْبَتُنَا وَجَلَّتْ ـ عَشِیَّةَ قِیْلَ قَدْ قُبِضَ الرَّسُوْلُ
فَقَدْنَا الْوَحْیَ وَالتَّنْزِیْلَ فِیْنَا ـ یَرُوْحُ بِهِ وَیَغْدُوْ جِبْرَئِیْلُ

پھر آپ کی تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے ان کی بے مثل تبلیغی مساعی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

نَبِیٌّ كَانَ یَجْلُو الشَّكَّ عَنَّا ـ بِمَا یُوْحٰی اِلَیْهِ وَمَا یَقُوْلُ
وَیَهْدِیْنَا فَلَا نَخْشٰی ضَلَالًا ـ عَلَیْنَا وَالرَّسُوْلُ لَنَا دَلِیْلُ

---

[1] الاستیعاب ص ۶۸۴/۲، اسد الغابہ ص ۲۱۳/۵ [2] طبقات ابن سعد ص ۵۰/۴ [3] الاستیعاب ص ۶۸۴/۲، اسد الغابہ ص ۲۱۳/۵
[4] طبقات ابن سعد ص ۵۰/۴ [5] الاستیعاب ص ۶۸۴/۲ [6] طبقات ابن سعد ص ۵۰/۴ [7] حوالہ مذکورہ والاستیعاب ص ۶۸۴/۲
[8] الاستیعاب ص ۶۸۴/۲، ۶۸۸ المجموعۃ النبہانیہ ص ۵۷/۱ [9] حوالہ مذکورہ الاستیعاب [10] الاصابۃ ص ۹۰/۴ [11] طبقات ابن سعد ص ۵۱/۴
[12] الاستیعاب ص ۶۸۴/۲، الاصابۃ ص ۹۱/۴ [13] شذرات الذہب ص ۳۱/۱

فَلَا نَرَىٰ مِثْلَهُ فِي النَّاسِ حَيًّا - وَلَيْسَ لَهُ مِنَ الْمَوْتَىٰ عَدِيلُ

شدت غم میں صاحبزادی رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہوتے ہیں۔

أَفَاطِمُ إِنْ جَزِعْتِ فَذَاكَ عُذْرٌ - وَإِنْ لَمْ تَجْزَعِي فَهُوَ السَّبِيلُ

فَعُوذِي بِالْعَزَاءِ فَإِنَّ فِيهِ - ثَوَابَ اللهِ وَالْفَضْلُ الْجَزِيلُ

فَقَبْرُ أَبِيكِ سَيِّدُ كُلِّ قَبْرٍ - وَفِيهِ سَيِّدُ النَّاسِ الرَّسُولُ ۱

الغرض ابوسفیان بن حارث خاندان قریش کے نمایاں شعراء میں سے ہیں، ان کے اشعار میں ملی زندگی کے اثرات نمایاں ہیں، الفاظ فصیح، تراکیب متوازن اور طرز خطاب باوقار ہے۔

العباس بن مرداس

العباس بن مرداس شہسوار عرب تھے، مشہور عرب شاعرہ الخنساء کے سوتیلے بیٹے اور قبیلہ سلیم کے نامور افراد میں سے تھے ۲۔ مگر عربوں کی راسخ عادات کے برعکس شراب کو جاہلی دور ہی سے اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا ۳۔ شعر گوئی پر خوب دسترس حاصل تھی ایک زبان آور اور قادر الکلام شاعر تھے شاعری میں بدوی خصائص اور جاہلی آنا صاف جھلکتی ہے۔ ایک مرتبہ عبدالملک خلیفہ اموی نے حاضرین سے سوال کیا "من أشجع الناس في شعره" لوگ اپنا اپنا خیال ظاہر کرنے لگے۔ عبدالملک نے کہا "أشجع الناس العباس بن مرداس في قوله:

أُكَرُّ عَلَى الْكَتِيبَةِ لَا أُبَالِي - أَحَتْفِي كَانَ فِيهَا أَمْ سِوَاهَا ۴

فتح مکہ سے کچھ قبل دوران سفر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے جبکہ اسلامی لشکر مکہ جا رہا تھا ان کے ساتھ سات سو کے قریب قبائلی تھے چنانچہ یہ سب لوگ فتح مکہ میں شریک تھے غزوہ حنین کے موقعہ پر انہیں باوجودیکہ آپ مولفۃ القلوب میں سے تھے الاقرع بن حابس اور عیینہ ابن حصن سے کم حصہ ملا تو شکوہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔

أَتَجْعَلُ نَهْبِي وَنَهْبَ الْعُبَيْدِ - بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَالْأَقْرَعِ

وَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ - يَفُوقَانِ مِرْدَاسَ فِي مَجْمَعِ ۵

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذهبوا فاقطعوا عني لسانه" لوگوں نے پوچھا کیسے تو آپ نے "فامر له بحلة قطع بها لسانه" (العقد الفرید ص ۳/۲۰۱) اس پر انہیں غنائم سے مزید حصہ دے دیا گیا۔ ۶ بدوی خصائل کے حامل تھے اور بادیہ میں رہنا پسند کرتے تھے۔ اسلئے مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ میں آباد نہ ہوئے جیسا کہ طبقات نے روایت کیا کہ "ولم يكن العباس بن مرداس مكة ولا المدينة وكان يغزو مع النبي صلى الله عليه وسلم ويرجع إلى بلاد قومه" ۷ بنو سلیم کے علاقے میں مقیم رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ تھے ۸

بادیہ نشینی نے ان کے ملکہ شعر کو جلا بخشی تھی، درجہ اولیٰ کے نہ سہی درجہ متوسط کے نمایاں شعراء میں سے تھے۔ مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

أَلَا مَنْ مُبْلِغٌ عَنِّي خُفَافًا - وَسَوْفَ إِخَالُ يَأْتِيهِ الْخَبِيرُ

بِأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدٌ رَسُولٌ - لِرَبٍّ لَا يَضِلُّ وَلَا يَجُورُ

وَجَدْنَاهُ نَبِيًّا مِثْلَ مُوسَىٰ - فَكُلُّ فَتًى يُخَايِرُهُ مُخِيرُ ۹

---

۱ الاستیعاب ص ۲/۲۴۳ [۲] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۲/۷۳ [۳] الاستیعاب ص ۲/۸۸ الاصابہ ص ۲/۲۶۲ [۴] الاصابہ ص ۲/۲۶۲ اسد الغابہ ص ۳/۱۱۲ بعض جگہ یہی شعر معمولی اختلاف کلمات کے ساتھ [۵] الاصابہ ص ۲/۲۶۳، اسد الغابہ ص ۳/۱۱۲ [۶] الاستیعاب ص ۲/۸۸ [۷] طبقات ابن سعد ص ۴/۲۷۳ [۸] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۱۲/۷۳۸ [۹] سیرت ابن ہشام ص ۲/۸۱

يا خاتم النباء إنك مرسل - بالحق كل هدى السبيل هداكا
إن الإله بنى عليك محبة - في خلقه ومحمدا سماكا [1]
يا خير من ركب المطي ومن مشى - فوق التراب إذا تعد الأنفس [2]
رأيتك يا خير البرية كلها - نشرت كتابا جاء بالحق معلما
ونورت بالبرهان أمرا مدمسا - وأطفأت بالبرهان نارا مضرما
فمن مبلغ عني النبي محمدا - وكل امرئ يجزى بما قد تكلما
تعالى علوا فوق عرش إلهنا - وكان مكان الله أعلى وأعظما [3]
نبي أتانا بعد عيسى بناطق - من الحق فيه الفضل منه كذلكا
رأيتك يا خير البرية كلها - توسطت في القربى من المجد مالكا
أمينا على الفرقان أول شافع - وآخر مبعوث يجيب الملائكا
فأنت المصطفى من قريش إذا سمت - علاصمها تبغي القروم الفواركا [4]
قل للقبائل من سليم كلها - أودى ضمار وعاش أهل المسجد
إن الذي ورث النبوة والهدى - بعد ابن مريم من قريش مهتد
أودى ضمار وكان يعبد مرة - قبل الكتاب إلى النبي محمد [5]

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں قدرت کلام حاصل تھی اور بات کہنے کا سلیقہ بھی آتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی بحیثیت ہادی و رہنما زیادہ ذکر کیا گیا مگر ساتھ ہی خصائص نبویہ کو بھی موضوع شعر بنایا، ختم نبوت کا تذکرہ اس دور میں عام نہ تھا مگر العباس کے ہاں بڑا واضح ہے، نبوت کا تسلسل انہیں تسلیم ہے انبیاء سابقین کے حوالے سے آپ کی نبوت پر حجت لاتے ہیں مگر بعد میں ختم نبوت کو خاصہ نبوت سمجھتے ہوئے اس پر اصرار کرتے ہیں۔ ذاتی شرف، خاندانی وجاہت، صاحب قرآن، ہادی اعظم، قریشی نسبی ان کے خاص موضوعات ہیں جن کے انتخاب میں ان کی جدت طبع کو خاص مقام حاصل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن الزبعریٰ

حضرت عبداللہ بن الزبعریٰ قبیلہ قریش کی شاخ بنو سہم سے تھے، آغاز اسلام ہی سے مخالفت پر کمر بستہ ہوئے ہر ممکن طریق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دکھ پہنچاتے رہے، ابن عبدالبر کہتے ہیں "کان من اشد الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی اصحابہ بلسانہ ونفسہ"[6] مکہ کے ان شعراء میں ان کا شمار ہوتا تھا جنہیں اسلام دشمنی میں شہرت حاصل تھی، شعر پر مکمل قدرت حاصل تھی اور ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ قبیلہ قریش کے سب سے بڑے شاعر تھے علامہ ابن حجر نے انہیں "اشعر قریش"[7] میں سے کہا جبکہ صاحب الاستیعاب نے بالجزم فیصلہ دیا کہ "انہ اشعر قریش قاطبۃ"[8] ابن سلام کہتے ہیں "کان بمکۃ شعراء فابدعہم شعرا عبد اللہ بن الزبعری"[9] ہجو گوئی میں خوب تاک تھے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے مقابلہ رہتا تھا، فتح مکہ کے وقت جان کے ڈر سے نجران کی طرف بھاگ گئے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے حملوں کی تاب نہ لاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، معذرت چاہی اور حظیرہ اسلام میں داخل ہوئے، پھر رفاقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر غزوہ میں شریک ہوئے اور جہاد بالسیف کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ پختہ فکر شاعر تھے اسلئے اپنی اس صلاحیت کو بھی دربار رسالت میں نذر کر دیا۔ تلافیٔ مافات کی خاطر مدح رسالت مآب

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ٤/٩٥، المجموعۃ النبہانیہ ص ١/٧٥، الاستیعاب ص ٢/٢٨٨ [2] سیرت ابن ہشام ص ٤/١٠٧ شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ٣٠٠ [3] وفیات الاعیان ص ٣/١٥٦ حاشیہ، شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ٣٥٢ [4] المجموعۃ النبہانیہ ص ١/٧٥
[5] سیرت ابن ہشام ص ٤/٥١، حجۃ اللہ علی العالمین للنبہانی ص ١٩٢ [6] الاستیعاب ص ١/٣٥٥، کتاب الملل والنحل ص ٣/١٤١ حاشیہ
[7] الاصابہ ص ٢/٣٠٠ [8] الاستیعاب ص ١/٣٥٥ [9] حوالہ مذکورہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم میں عقیدت و محبت کے پھول پیش کرتے رہے۔ گزرے ماسبق پر معذرت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

يَا خَيْرَ مَنْ حَمَلَتْ عَلَى أَوْصَالِهَا ـ عَيْرَانَةٌ سُرُحُ الْيَدَيْنِ غَشُومُ
إِنِّي لَمُعْتَذِرٌ إِلَيْكَ مِنَ الَّتِي ـ أَسْدَيْتُ إِذْ أَنَا فِي الضَّلَالِ أَهِيمُ
فَالْيَوْمَ آمَنَ بِالنَّبِيِّ مُحَمَّدٍ ـ قَلْبِي وَمُخْطِئُ هَذِهِ مَحْرُومُ
فَاغْفِرْ فِدًى لَكَ وَالِدَايَ كِلَاهُمَا ـ زَلَلِي فَإِنَّكَ رَاحِمٌ مَرْحُومُ
وَعَلَيْكَ مِنْ سِمَةِ الْمَلِيكِ عَلَامَةٌ ـ نُورٌ أَغَرُّ وَخَاتَمٌ مَخْتُومُ [1]
وَلَقَدْ شَهِدْتُ بِأَنَّ دِينَكَ صَادِقٌ ـ حَقٌّ وَأَنَّكَ فِي الْعِبَادِ جَسِيمُ
وَاللهُ يَشْهَدُ أَنَّ أَحْمَدَ مُصْطَفًى ـ مُتَقَبَّلٌ فِي الصَّالِحِينَ كَرِيمُ
قَرْمٌ عَلَا بُنْيَانُهُ مِنْ هَاشِمٍ ـ فَرْعٌ تَمَكَّنَ فِي الذُّرَى وَأُرُومُ [2]

مدح نگاری کے ساتھ استغفار اور اعتراف ماسلف کی عمدہ مثال حضرت عبداللہ کے یہ شعر ہیں۔

يَا رَسُولَ الْمَلِيكِ إِنَّ لِسَانِي ـ رَاتِقٌ مَا فَتَقْتُ إِذْ أَنَا بُورُ
إِذْ أُجَارِي الشَّيْطَانَ فِي سُنَنِ الْغَيِّ ـ وَمَنْ مَالَ مَيْلَهُ مَثْبُورُ
آمَنَ اللَّحْمُ وَالْعِظَامُ بِمَا قُلْتَ فَنَفْسِي الشَّهِيدُ أَنْتَ النَّذِيرُ
إِنَّ مَا جِئْتَنَا بِهِ حَقُّ صِدْقٍ ـ سَاطِعٌ نُورُهُ مُضِيءٌ مُنِيرُ
جِئْتَنَا بِالْيَقِينِ وَالْبِرِّ وَالصِّدْقِ ـ وَفِي الصِّدْقِ وَالْيَقِينِ سُرُورُ
أَذْهَبَ اللهُ ضَلَّةَ الْجَهْلِ عَنَّا ـ وَأَتَانَا الرَّخَاءُ وَالْمَيْسُورُ [3]

ان اشعار کی اٹھان بتا رہی ہے کہ شاعر کس شدت سے سابقہ طرز عمل سے نفرت کر رہا ہوں اور اس کو کس قدر احساس ہے کہ وہ راہ بھولا ہوا تھا اب جبکہ اسے راہ حق پر چلنا نصیب ہوا ہے تو وہ اس راہ کے ہادی پر جان و دل سے نچھاور ہو رہا ہے اور اس کا دل اُن کے احسان سے معمور ہے۔ لہجہ قدیم ہے مگر اسلامی خیالات اور الفاظ جگہ پا رہے ہیں اور یہ تبدیلی شاعری کا رخ بدلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

النابغة الجعدی

ابو لیلیٰ قیس بن عبداللہ [4] الجعدی جو النابغة الجعدی کے نام سے معروف ہیں، معمرین شعراء میں سے تھے۔ "النابغة" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تیس سال تک کوئی شعر نہ کہا تھا پھر اچانک چشمہ شعر ان کے اندر سے پھوٹ پڑا اسی لئے "النابغة" کہلائے [5]۔ طول عمر یا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ النابغة الذبیانی سے عمر میں بڑے تھے [6] اکثر مورخین متفق الرائے ہیں کہ وہ جاہلی دور میں بھی صفت پسند تھے، عرب معاشرے کی قابل فخر برائیوں سے اجتناب کرتے تھے، علامہ ابن حجر کہتے ہیں:
"قال ابو عبیدة معمر بن المثنی: کان النابغة ممن فکر فی الجاھلیة وانکر الخمر والسکر وھجر الأزلام واجتنب الاوثان" [7]
اسی سے اندازہ کیا گیا ہے کہ آپ دین حنیف پر تھے، اس پر شاہد ان کا قصیدہ میمیہ ہے جو آپ نے جاہلی دور میں کہا تھا مگر اس میں اسلامی نظریات مثلاً اقرار توحید، اقرار بعث، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کا اعتراف موجود ہے۔ مطلع یہ ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا شَرِيكَ لَهُ ـ مَنْ لَمْ يَقُلْهَا فَنَفْسَهُ ظَلَمَا [8]

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۴/۴۰، الاستیعاب ص ۱/۳۵۶، الجمرة النبھانیة ص ۱/۶۶ [2] سیرت ابن ہشام ص ۴/۴۱، المجموعة النبھانیة ص ۱/۶۷، الملل والنحل ص ۲/۲۶۲ حاشیہ [3] اسد الغابة ص ۳/۱۶۰، الاستیعاب ص ۱/۳۵۶ پر معمولی اختلاف روایت کے ساتھ یہی شعر موجود ہیں۔ الملل والنحل ص ۲/۲۶۱، ۲۶۲ حاشیہ، المجموعة النبھانیة ص ۱/۶۸، سیرت ابن ہشام ص ۴/۳۹ پر چھ تین شعر ہیں۔ [4] نام کے بارے میں اختلاف ہے قیس بن عبداللہ، عبداللہ بن قیس، حسان بن عبداللہ یا حبان بن قیس۔ تفصیل کیلئے دیکھئے الاستیعاب ص ۱/۳۱۰، الاصابة ص ۳/۵۰۸، الاعلام الزرکلی ص ۶/۵۸ [5] الاستیعاب ص ۱/۳۱۰ اسد الغابة ص ۵/۳، الاصابة ص ۳/۵۰۸، تاریخ الادب العربی ص ۹۶ [6] الاستیعاب ص ۱/۳۱۰، الاصابة ص ۳/۵۰۸ [7] الاصابة ص ۳/۵۰۹ [8] الاستیعاب ص ۱/۳۱۰ الاصابة ص ۳/۵۰۹، اسد الغابة ص ۵/۳، تاریخ الادب العربی الاسلامی ص ۱۰۲

اسی نیک نفسی اور حق جوئی کا اثر تھا کہ ۹ ھ میں اپنی قوم کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کیا اور دربار نبوی میں اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا [1]۔ ابن عبد البر کی روایت کے مطابق یہ تقریباً دو سو اشعار کا یہ رائیہ قصیدہ تھا جو مکمل دربار رسالت میں پیش کیا گیا [2]۔ قصیدہ عربی قصائد کے تمام لوازمات لئے ہوئے ہے "وھو من أحسن ما قیل من الشعر فی الفخر بالشجاعة سباطة ولقاوة و جزالة وحلاوة [3]"۔ قصیدہ رائیہ کے چند شعر:

أتیت رسول اللّٰہ إذ جاء بالھدیٰ ۔ ویتلو کتاباً کالمجرّة نیّرا [4]

جب آپ اس شعر پر پہنچے کہ

بلغنا السماء مجدنا وجدودنا ۔ وإنا لنرجو فوق ذلك مظھرا

تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الی أین یا ابا لیلیٰ قال فقلت الی الجنة قال نعم ان شاء اللہ تعالیٰ اور جب یہ شعر پڑھے

ولا خیر فی حلم إذا لم تکن لہ ۔ بوادر تحمی صفوہ ان یکدرا

ولا خیر فی جھل إذا لم یکن لہ ۔ حلیم إذا ما أورد الأمر أصدرا

فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یفضض اللّٰہ فاك" دعاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اثر ہوا کہ ان کے دانت ہمیشہ آبدار رہے "وکان من احسن الناس ثغرا وکان اذا سقطت لہ سن نبتت أخریٰ" [5]۔ البیھقی اور ابو نعیم نے یعلی بن الاشدق سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے خود النابغة سے سنا کہ وہ کہتے تھے میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور شعر پیش کئے تو آپ کو پسند آئے تو آپ نے فرمایا "اجدت لا یفضض اللّٰہ فاك" یعلی کہتے ہیں "فلقد رأیتہ ولقد أتی علیہ نیف ومائة سنة وما ذھب لہ سن" [6]

النابغة نے طویل عمر پائی، خدمت اسلام میں کوشاں رہے جہادمیں بھی شریک ہوتے رہے مدینہ منورہ میں اکثر رہائش رہی مگر بادیہ نشینی کے شوق میں اپنی قوم کی طرف لوٹتے رہے۔ آخر اصبہان میں وفات پائی [7]

النابغة اسلامی تعلیمات سے اسقدر متاثر تھے کہ اشعار میں اس کے حوالے بکثرت ملتے ہیں، آپ قرآن پاک سے الفاظ چنتے اور اپنے اشعار کو ان سے مزین فرماتے، عمدہ شاعر تھے لیکن کبھی عصبیت جاھلی کی وجہ سے "ہجو" میں شدید تر ہو جاتے اور اپنے مخالفین سے خوب ٹکراتے اور مغلوب ہو جاتے "ہجو" کے چند اشعار کے علاوہ ان کی شاعری اسلامی اثرات کا اعلیٰ نمونہ ہے جس سے شاعری کے بدلتے ہوئے رنگ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ الغرض "وھو من ھذہ الناحیة من خیر الامثلة علی أثر الاسلام فی شعر المخضرمین و مدیٰ ھذا الاثر [8]

---

[1] تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۱۰۰ [2] الاستیعاب ص ۳۱۱/۱، طبقات الشافعیہ الکبریٰ ص ۱۳/۱ [3] الاستیعاب ص ۳۱۱/۱
[4] حوالہ مذکورہ ص ۳۱۰ [5] حوالہ مذکورہ ص ۳۱۰، ۳۱۱، الاصابة ص ۵۰۹/۳، ۵۱۰، اسد الغابہ ص ۳/۵، العمدہ ص ۲۸/۱
العقد الفرید ص ۱۸۴/۱، طبقات الشافعیہ الکبریٰ ص ۱۲۹/۱ [6] حجت اللہ علی العالمین ص ۵۸۸ [7] تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۱۰۲ [8] حوالہ مذکورہ ص ۱۰۳

دیگر صحابہ کرام اور ان کی مدح نگاری:۔

اوراق گزشتہ میں ان صحابہ کرام کا ذکر ہوا ہے جن کی شعری حیثیت مسلم اور جنگی پہچان کا ایک اہم حوالہ شعر گوئی بھی تھا۔ ان کے علاوہ کثیر تعداد ایسے اصحاب کی بھی معلوم ہے جنہوں نے یا تو شاعری کو بطور فن نہیں اپنایا بلکہ بعض اوقات موقعہ محل کی مناسبت یا شدت جذبات کے زیر اثر ان سے شعر سرزد ہو جاتے یا بطور شاعر تو ان کا کچھ مقام تھا مگر مداح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے وہ معروف نہ تھے کتب سیر اور تاریخ صحابہ میں استقدر شعری حوالے روایت ہوئے ہیں کہ یہ مختصر مقالہ ان کے تفصیلی تذکرے کا متحمل نہیں ہو سکتا، عمومی جائزے کی خاطر ان کے ذکر یا حسب ضرورت ان کے بعض شعروں کے حوالے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے، حفظ مراتب کے پیش نظر ابتدا خلفاء راشدین کے اسماء گرامی سے کی جا رہی ہے بعد میں حروف ہجاء کی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند صحابہ کا تذکرہ کیا جائے گا اور آخر میں ان مخدرات اسلام کے ذکر سے اس مقالے کو نکہت بار بنایا جائے گا جنہوں نے کبھی کبھار اپنے پاکیزہ جذبات کو شعر کا پیراہن عطا کیا ہے۔

خلفاءِ راشدین

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (م ۱۳ ھ)

آپ سابق الاسلام، مصدق رسالت، جانثار نبی، بے لوث ساتھی، رفیق سفر و حضر، صاحب غار اور خلیفہ اول ہونے کے ناطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے قلبی تعلق اور دلی لگاؤ رکھتے تھے، فنافی الرسول تھے، اپنے جذبات کو شعر کی زبان عطا کرتے، تاریخ و سیر اور ادب کی کتابوں میں آپ سے متعدد شعر روایت ہوئے ہیں ۱۔ وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کہے گئے چند شعر ملاحظہ ہوں

يَا عَيْنُ فَابْكِي وَلَا تَسْأَمِي ـ وَحُقَّ الْبُكَاءُ عَلَى السَّيِّدِ
فَصَلَّى الْمَلِيكُ وَلِيُّ الْعِبَادِ ـ وَرَبُّ الْبِلَادِ عَلَى أَحْمَدِ
فَكَيْفَ الْحَيَاةُ لِفَقْدِ الْحَبِيبِ ـ وَزَيْنِ الْمَعَاشِرِ فِي الْمَشْهَدِ
فَلَيْتَ الْمَمَاتَ لَنَا كُلِّنَا ـ فَكُنَّا جَمِيعًا مَعَ الْمُهْتَدِي ۲

أَعَتِيقُ وَيْحَكَ إِنَّ حِبَّكَ قَدْ ثَوَى ـ وَبَقِيتَ مُنْفَرِدًا وَأَنْتَ حَسِيرُ
يَا لَيْتَنِي مِنْ قَبْلِ مَهْلَكِ صَاحِبِي ـ غُيِّبْتُ فِي جَدَثٍ عَلَيَّ صُخُورُ ۳
لَيْتَ الْقِيَامَةَ قَامَتْ بَعْدَ مَهْلَكِهِ ـ وَلَا نَرَى بَعْدَهُ مَالًا وَلَا وَلَدًا
كَمْ لِي بَعْدَكَ مِنْ هَمٍّ يُنَصِّبُنِي ـ إِذَا تَذَكَّرْتُ أَنِّي لَا أَرَاكَ أَبَدًا
كَانَ الْمُصَفَّى فِي الْأَخْلَاقِ قَدْ عَلِمُوا ـ وَفِي الْعَفَافِ فَلَمْ نَعْدِلْ بِهِ أَحَدًا ۴
أَجِدَّكَ مَا لِعَيْنِكَ لَا تَنَامُ ـ كَأَنَّ جُفُونَهَا فِيهَا كِلَامُ ۵

مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نہایت بھرپور شعر:

أَمِينٌ مُصْطَفًى لِلْخَيْرِ يَدْعُو ـ كَضَوْءِ الْبَدْرِ زَايَلَهُ الظَّلَامُ ۶

ان کے علاوہ بھی متعدد اشعار آپ کی طرف منسوب ہیں مگر اہل نقد ایسے انتساب کے بارے میں متردد ہیں اسی لئے ابن عبدالبر کہتے ہیں "عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان ابا بکر لم یقل بیت شعر فی الاسلام حتی مات" ۷

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (م ۲۳ھ)

آپ شعر فہم اور شعر شناس تھے، آپ کی تنقیدی نظر کا تو رب نے اعتراف کیا ہے، صاحب "شعر الدعوۃ الاسلامیہ" کا کہنا ہے۔ "ہو یقول الشعر الحسن، کان ناقدا جیدا، لہ نظرات عمیقۃ فی نقد الشعر و تفضیل بعض الشعراء علی بعض" ۸

---

① مثلاً طبقات الشافعیہ الکبریٰ، صفوۃ الکتیب بوفاۃ الحبیب، طبقات ابن سعد، کتاب العمدہ وغیرہ اور جدید دور میں امین اللہ وثیر کی کتاب "اشعار ابی بکر" ② طبقات ابن سعد ص ۲/۳۱۹، حجۃ اللہ علی العالمین للنبہانی ص ۷۱۲ ③ طبقات ابن سعد ص ۲/۳۲۰ ④ حوالہ مذکورہ ⑤ المجموعۃ النبہانیہ ص ۱/۴۸ ⑥ طبقات الشافعیہ الکبریٰ ص ۱/۱۶۱ ⑦ الاستیعاب ص ۱/۳۳۵ ⑧ شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۶۶

اس ادبی منزلت کے باوجود آپ سے شعر کا صدور بہت کم ہوا، نہایت قلیل تعداد روایت ہوئی ہے اور وہ بھی کامل بحور سے کے قابل نہیں ہے مدح کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

نبيُّ صدقٍ أتانا بالحقِّ من ثقةٍ - وافي الامانةِ ما في عودِه خَوَرُ ۱
فأمسى رسولُ الله قد عزَّ نصرُهُ - وأمسى عداه من قتيلٍ وشاردِ ۲

مرثیے کے شعر میں جذبات کا ارتعاش دیدنی ہے۔

مازلتُ مذ وضعوا فراشَ محمدٍ - كيما يُمرَّضَ خائفاً أتوجّعُ ۳

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (م ۳۵ھ)

مستند ماخذ آپ کی شعر گوئی کے تذکرے سے خالی ہیں مگر برصغیر میں عبدالستار النور الملتانی نامی کسی شخص نے دیوان غنی کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا جس میں آپ کے اور آپ کے بارے میں دیگر صحابہ کے شعر درج ہیں۔ ۸۲ صفحات کا یہ رسالہ جس پر مولانا محمد عبدالتواب محدث ملتانی کی تقریظ موجود ہے۔ حد درجہ مشکوک اور غیر مستند ہے۔ جس پر اعتماد کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ کتاب العمدہ میں اخلاقیات کے بارے میں البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دو شعر روایت ہوئے ہیں، ۴ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر دیگر صحابہ کی طرح آپ سے بھی ایک شعر منسوب ہے۔ مگر بروایت ابن سعد یہ حضرت ابوبکر رض کا شعر ہے۔ ۵

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص حسنہ میں فصاحت زبان اور بلاغت کلام بھی شامل ہے نثر ہو یا نظم آپ کے کلام میں شوکت الفاظ اور سلاست معانی کا بحر زخار موجزن ہے، آپ کے خطبات نثر بلیغ کے عمدہ نمونے ہیں، شعر میں آپ کی پختہ روش کی مثال دی جاتی ہے۔ خلفاء اربعہ میں آپ کی طرف سب سے زیادہ شعر منسوب ہیں حتیٰ کہ "دیوان علی" کے نام سے مکمل دیوان بارہا چھپ چکے ہیں۔ مگر ان کے تمام مندرجات کو آپ ہی کا نتیجہ فکر قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ سیرت ابن ہشام میں چند شعر آپ کے نام پر درج ہیں اگرچہ "صاحب سیرت" کو خود بھی ان کی نسبت پر اعتماد نہیں ہے، کہتے ہیں۔

"ولم أرَ أحداً من أهل العلم بالشعر يعرفها ولا نقيضتها" ۶ دیوان میں سے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

وقيت بنفسي خيرَ من وطئ الحصى - ومن طاف بالبيت العتيق وبالحجر
أرادت به كفرَ الإله تبتّلاً - وأضمرته حتى أوسدني قبري ۷
فأمسى رسولُ الله قد عزَّ نصرُهُ - وكان رسولُ الله أُرسل بالعدلِ
فجاء بفرقانٍ من الله منزلٍ - مبيّنةٍ آياتُه لذوي العقلِ ۸
فأصبح أحمدُ فينا عزيزاً - عزيزَ المقامةِ والموقفِ ۹
إلهي بحقِّ الهاشميِّ وآلِه - وحرمةِ إبراهيم خليلك أخشعُ
إلهي فانشرني على دينِ أحمدٍ - تقيّاً نقيّاً قانتاً لك أخضعُ
ولا تحرمنّي يا إلهي وسيّدي - شفاعتَه الكبرى فذاك المشفّعُ
وصلِّ عليه ما دعاك موحّدٌ - وناجاك أخيارٌ ببابك رُكّعُ ۱۰

---

۱ شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۶۶ ۲ حوالہ مذکورہ ص ۶۷ ۳ المجموعۃ النبہانیہ ص ۴/۸۹ ۴ العمدہ ص ۱۲/۱ ۵ طبقات ابن سعد ص ۲/۳۱۹ ۶ سیرت ابن ہشام ص ۲/۳۷۳ ۷ دیوان حضرت علی ص ۵۴ ۸ دیوان حضرت علی ص ۹۶ سیرت ابن ہشام ص ۲/۳۷۳ ۹ سیرت ابن ہشام ص ۳/۲۰۱ ۱۰ دیوان بدیع البیان ص ۱۱۵۔

وَزِيرٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ فِينَا فَقَدْ مَضَى ۔ بِذَالِكَ عَدِيلاً مَا حَيِينَا مِنَ الْوَرَى

فَيَا خَيْرَ مَنْ ضَمَّ الْجَوَانِحَ وَالْحَشَا ۔ وَيَا خَيْرَ مَيِّتٍ ضَمَّهُ التُّرْبُ وَالثَّرَى ۱

نَفْسِي عَلَى زَفَرَاتِهَا مَحْبُوسَةٌ ۔ يَا لَيْتَهَا خَرَجَتْ مَعَ الزَّفَرَاتِ

لَا خَيْرَ بَعْدَكَ فِي الْحَيَاةِ وَإِنَّمَا ۔ أَبْكِي مَخَافَةَ أَنْ تَطُولَ حَيَاتِي ۲

أَلَا طَرَقَ النَّاعِي بِلَيْلٍ فَرَاعَنِي ۔ وَأَرَّقَنِي لَمَّا اسْتَهَلَّ مُنَادِيًا ۳

ان دواوین میں الحاق کا اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے جو دوسرے شعراء کے ہیں مگر دیوان علیؓ میں درج ہیں جیسے ۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِي ۔ فَبَكَى عَلَيْكَ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ ۔ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ ۔

یہ دونوں شعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ہیں اور ان کے تمام دواوین میں موجود ہیں ۴ پھر دیوان میں شامل اشعار کا جھول اور تکلف انداز داخلی شہادت دے رہا ہے کہ ان میں سے اکثر حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے فصیح اللسان اور بدیع البیان سے غلط طور پر منسوب ہیں اور کسی اور طالع آزمائی کا ثمر ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

چند دیگر صحابہ کرام

ابو مُکعت الاسدی ۔ دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ۔

يَقُولُ أَبُو مُكْعِتٍ صَادِقًا ۔ عَلَيْكَ السَّلَامُ أَبَا الْقَاسِمِ

سَلَامُ الْإِلٰهِ وَرَيْحَانُهُ ۔ وَرَوْحُ الْمُصَلِّينَ وَالصَّائِمِ

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "یا ابا مکعت علیک السلام تحیۃ الموتی ۵

اُبو الهیثم بن التیهان الاوسی الانصاری : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر کہتے ہیں ۔

لقد جدعت آذاننا و اُنوفنا ۔ غداة فجعنا بالنبی محمدٍ ۶

ابو عَزَّة الجمحی : جنگ بدر میں قید ہوا ، معافی کا خواستگار ہوا آپ نے معاف کر دیا ' احسان کی درخواست قبول ہوئی مگر پھر مرتد ہو گیا اور کفار سے مل کر مسلمانوں کے خلاف معروف عمل رہا ، دوبارہ قید ہوا پھر معذرت چاہی مگر معافی اس کی قسمت میں نہ تھی ارشاد ہوا " اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يُلْدَغُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ " چنانچہ عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور ابو عزہ قتل کر دیا گیا ۔ بحالت اسلام میں مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کہے گئے چند شعر :

مَنْ مُبْلِغٌ عَنِّي الرَّسُولَ مُحَمَّدًا ۔ بِأَنَّكَ حَقٌّ وَالْمَلِيكُ حَمِيدُ

فَإِنَّكَ مَنْ حَارَبْتَهُ لَمُحَارَبٌ ۔ شَقِيٌّ وَمَنْ سَالَمْتَهُ لَسَعِيدُ ۸

اسماد بن یاب الجری ، مدینہ حاضر ہوئے تھے اور چند شعر کہے تھے ۹

اُسود بن مسعود الثقفی ۔ اپنے قبیلے کے ساتھ مدینہ آئے اور اسلام قبول کیا ، مدح کا ایک شعر :

أَنْتَ الرَّسُولُ الَّذِي تُرْجَى فَوَاضِلُهُ ۔ عِنْدَ الْقُحُوطِ إِذَا مَا أَخْطَأَ الْمَطَرُ ۱۰

---

(۱) دیوان حضرت علی ص ۶ (۲) دیوان حضرت علی ص ۳۹ (۳) دیوان بدیع البیان ص ۲۱۸ ' المجموعۃ النبھانیہ ص ۸/۱ ۴

(۴) مثلاً دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۱۶۵ (۵) اسد الغابہ ص ۲۰۶/۵ (۶) الاصابہ ص ۲۱۰/۴ (۷) سیرت ابن ہشام ص ۳/۵۶ ، طبقات ابن سعد ص ۲ /۴۳ ۔ الاعلام ص ۲۵۱/۵ (۸) سیرت ابن ہشام ص ۳۰۶/۴ (۹) الاصابہ ص ۵۵/۱

(۱۰) الاصابہ ص ۶۱/۱

اُسَید بن ابی ایاس بن زنیم الکنانی۔ قبیلہ کنانہ میں زنیم کی اولاد کے اکثر افراد اسلامی لشکر میں شریک رہے۔ شرف صحابیت سے مشرف ہوئے ان میں انس بن زنیم، ساریہ بن زنیم نے بہت شہرت پائی۔ ان کا بھتیجا اُسید بن ابی ایاس بن زنیم بھی نامور ہوا۔ مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نظم ان کے خاندان کے مختلف افراد کے نام منسوب ہے۔ الاصابہ نے اسے انس بن زنیم کی مدح قرار دیا ۱۔ مگر ساریہ بن زنیم کے حالات میں بھی درج کر دیا ۲ اور اُسید بن ابی ایاس بن زنیم سے بھی منسوب کیا۔ ۳۔ اسد الغابہ نے اسے اسید بن ابی ایاس ۴ ابو ایاس الکنانی ۵ اور اُسید کے بیٹے انس بن اسید ۶ کی طرف منسوب کیا۔ الاستیعاب نے اسے ابو ایاس کنانی کے شعر قرار دیا ۷۔ علامہ ابن حجر نے مختلف انتسابات کے بارے میں عمر بن شبہ کا یہ یقین نقل کیا کہ یہ شعر انس بن زنیم کے ہیں ۸ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

تعلم رسول اللہ أنک قادر - علی کل حی من تہام ومنجد ۹
ونبی رسول اللہ أنی ہجوتہ - فلا رفعت سوطی إلیّ إذا یدی ۱۰

اور اس میں ایک نہایت مشہور شعر یہ ہے جس کے بارے میں دعبل بن علی نے کہا۔
"أصدق بیت قالتہ العرب" ۱۱

فما حملت من ناقۃ فوق رحلہا - أعف وأوفی ذمۃ من محمد ۱۲

اُسَید بن سعیۃ السُلمی۔ بنو سلیم کے ساتھ اسیر ہو کر مدینہ آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس پر بوڑھے باپ نے شکوہ آمیز شعر کہہ بھیجے اس کے جواب میں اُسَید کہتے ہیں۔

إن الذی سمک السماء بقدرۃ - حتی علا فی ملکہ فتوحدا
بعث الذی لا مثلہ فیما مضی - یدعو لرحمتہ النبی محمدا ۱۳
ضخم الدسیعۃ کالغزالۃ وجہہ - قرنا فأزر بالمکارم وارتدی ۱۴

الاعشی المازنی۔ عبد اللہ بن الاعور أو الاطول، الاعشی المازنی کے نام سے معروف ہیں۔ اپنی بیوی کی بازیابی کے سلسلے میں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں طلب اعانت کے سلسلے میں عرض کیا۔

یا سید الناس ودیان العرب - إلیک أشکو ذربۃ من الذرب
خرجت أبغیہا الطعام فی رجب - فخلفتنی بنزاع وحرب
أخلفت العہد ولطت بالذنب - وہن شر غالب لمن غلب

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہن شر غالب لمن غلب ۱۵

اَوس بن خذام القریظی۔ مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک طویل قصیدہ کہا ۱۶

ایاس بن سلمۃ بن الأکوع۔ ابن عبد البر نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا اور مدح کا حوالہ دیا علامہ ابن حجر ان کے صحابہ ہونے کے بارے میں متردد ہیں ۱۷۔

بُجَیر بن بجرۃ الطائی۔ دومۃ الجندل کے معرکے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے واپسی پر مدح کے شعر کہے۔ ۱۸

بکر بن جبلۃ الکلبی۔ مدح کا ایک شعر

أتیت رسول اللہ إذ جاء بالہدی - فأصبحت بعد الجحد للہ مؤمنا ۱۹

---

(۱) الاصابہ ص ۱/۸۲ (۲) الاصابہ ص ۲/۳ (۳) الاصابہ ص ۱/۶۲ (۴) اسد الغابہ ص ۱/۹۰ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۵/۱۲۱ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۱۳۶ (۷) الاستیعاب ص ۲/۶۲۱ (۸) الاصابہ ص ۲/۳ (۹) اسد الغابہ ص ۱/۹۰، الاصابہ ص ۲/۳ (۱۰) حوالہ جات مذکورہ والاصابہ ص ۱/۸۲ (۱۱) الاصابہ ص ۱/۸۲، ص ۲/۳ (۱۲) الاصابہ ص ۱/۸۲، ص ۲/۳، الاستیعاب ص ۲/۶۲۱، اسد الغابہ ص ۱/۹۰، ص ۵/۱۳۶، ۱۲۱ (۱۳) الاصابہ ص ۱/۹۸، اسد الغابہ ص ۱/۱۰۱ (۱۴) اسد الغابہ ص ۱/۱۰۱ (۱۵) الاستیعاب ص ۱/۳۳۸، ۳۳۹۔ یہی روایت معمولی اختلاف کے ساتھ الاصابہ ص ۲/۲۶۱، ص ۲/۵۲۹، اسد الغابہ ص ۱/۱۰۲، ص ۵/۱۹، ۵۲۶ اور طبقات ابن سعد ص ۷/۵۳، ۵۲ پر بھی ہے۔ (۱۶) الاصابہ ص ۱/۱۲۲ (۱۷) حوالہ مذکورہ ص ۱۰۱، ۱۰۰ (۱۸) الاصابہ ص ۱/۱۶۳، ۱۶۹ اسد الغابہ ص ۱/۱۶۳ (۱۹) الاصابہ ص ۱/۱۶۴

وَأکرمنَا بالهاشمی محمدٍ - وَکشَّفتَ عنَّا ما نُلاقی مِن الغُمَمِ ۱

ذباب ابن الحارث المذحجی - 'فراض' کی بت کو (البنا رکھا تھا) پھر اسے توڑا اور اسلام قبول کر لیا اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں

تبعت رسول الله إذ جاء بالهدی - وخلفت فراضا بدار هوان

ولما رأیت الله أظهر دینه - أجبت رسول الله حین دعانی ۲

راشد بن حفص 'بنو سلیم کے بت 'سواع' کے پروہت تھے' داخل اسلام ہوئے تو کہا۔

لو ما شهدت محمداً وقبیله - جاء الفتح حین تکسر الاصنام

لرأیت نور الله أضحی ساطعا - والشرك یغشی وجهه الاظلام ۳

رافع بن عمیرہ الطائی، کہتے ہیں کہ جنگل میں بھیڑیے کی پکار سے آمد رسول اللہ علیہ وسلم کی خبر سنی تو کہا۔

دعیت الضأن أحمیها بکلبی - من اللصت الخفی وکل ذیب

ولما أن سمعت الذئب نادی - یبشرنی بأحمد من قریب

سعیت الیه قد شمرت ثوبی - علی الساقین قاصده الرکیب

وألفیت النبی یقول حولی - أسامی ان سعیت ومن جنوبی ۴

زهیر بن صرد الجشمی - ابو صرد کنیت تھی مگر شہرت ابو جرول کنیت کو حاصل ہے۔ قبیلہ ہوازن میں سے تھے اور رئیس قوم تھے جنگ حنین کے اسیروں میں قبیلہ ہوازن کے ساتھ یہ بھی قید ہوئے، حاضر کئے گئے اسلام قبول کیا اور اس نسبت کا حوالہ دیا جو حضرت حلیمہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قبیلے کو حاصل تھی، استمداد کے طالب ہوئے اور شعر کہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اور بنی عبد المطلب کا مال غنیمت واپس کر دیا اس پر انصار نے بھی یہی عمل کیا۔ شعر یہ تھے۔

أمنن علینا رسول الله فی کرم - فإنك المرء نرجوه وننتظر

أمنن علی بیضة قد عاقها قدر - مزق شملها فی دهرها غیر

أمنن علی نسوة قد کنت ترضعها - إذ فوك تملؤه من محضها الدرر

إذ أنت طفل صغیر کنت ترضعها - وإذ یزینك ما تأتی وما تذر

یا خیر من مرحت کمت الجیاد به - عند الهیاج إذا ما استوقد الشرر

انا لنؤمل عفواً منك تلبسه - هدی البریة أن تعفو وتنتصر

فالبس العفو من کنت ترضعه - من امهاتك ان العفو مشتهر ۵

سراقة بن مالك بن جعشم المدلجی الکنانی۔ ہجرت مدینہ میں انعام کے لالچ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے گھوڑا زمین میں دھنس گیا، تین بار ایسا ہوا آخر معذرت چاہی تو دربار کسریٰ کے کنگن پہننے کی بشارت ملی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کسریٰ کا مال آیا تو آپ نے سراقہ کو بلایا اور کنگن پہنائے اور فرمایا "الله اکبر الحمد لله الذی سلبهما کسریٰ بن هرمز الذی کان یقول انا رب الناس والبسهما سراقه بن مالك بن جعشم الاعرابی رجل من بنی مدلج" تعاقب سے واپس لوٹے تو مکہ میں ابو جہل کو خطاب کرتے ہوئے کہا

أبا حکم والله لو کنت شاهدا - لأمر جوادی إذ تسوخ قوائمه ۶

---

① شعر الدعوة الاسلامیة ص ۱۲۹ بحوالہ فتوح الشام ۳۲،۳۱/۱ ② الاصابہ ص ۴۹۹/۱ پہلا شعر اسد الغابہ ص ۱۳۶/۲ پر ہے ③ اسد الغابہ ص ۱۴۹/۲ ④ اسد الغابہ ص ۱۵۶/۲ ⑤ تاریخ بغداد ص ۱۰۶،۱۰۵/۷ طبقات الشافعیہ الکبریٰ ص ۱۳۸/۱، الاستیعاب ص ۱۹۹/۱، نفح الطیب ص ۳۱۸/۳، اسد الغابہ ص ۲۰۸/۲ باختلاف الفاظ، شعر اسد الغابہ میں ہے۔ ⑥ الاستیعاب ص ۵۸۱/۲، الاصابہ ص ۱۹/۲

جلیح بن محشی۔ صحابی شاعر تھے، اپنی معاونتِ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

نصرنا النبیَّ بأسیافنا ۔ وکنّا بمکّةَ نستبشر

بأمر الإلٰهِ وأمرِ النبی ۔ وما فوقَ أمرهما مأمرٌ ۱

الجارود العبدی۔ ۹ھ میں اسلام قبول کیا اور ۲۱ھ میں فارس کی فتوحات میں شہادت پائی۔

شهدتُ بأنّ اللهَ حقٌّ وسامحتُ ۔ بنات فؤادی بالشهادة والنهض

فأبلغ رسولَ اللهِ عنّی رسالةً ۔ بأنّی حنیفٌ حیث کنتُ من الأرض ۲

جُنیش بن أوس النخعی۔ بنی مذحج کے ساتھ حاضرِ دربار ہوئے اور چند شعر کہے جن میں سے دو یہ ہیں۔

ألا یا رسولَ اللهِ أنتَ مُصدَّقٌ ۔ فبورکتَ مهدیاً وبورکتَ هادیا

شرعتَ لنا دینَ الحنیفةِ بعدما ۔ عبدنا کأمثالِ الحمیرِ طواغیا ۳

الحارث بن عبد کلال الحمیری۔ مدینہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل ازیں خبر دی کہ

"یدخل علیکم من هذا الفجّ رجلٌ کریمُ الجدین صبیحُ الخدین" ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ودینُک دینُ الحقِّ فیه طهارةٌ ۔ وأنت بما فیه من الحقِّ آمر ۴

حباب بن المنذر الخزرجی الانصاری۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت پر گفتگو کے وقت موجود تھے، حمایتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

نصرنا وآوینا النبیَّ وما لهُ ۔ سوانا من اهل الملّتین نصیر ۵

جنیش الأسدی، طلحہ بن خویلد الاسدی کے فتنہ ارتداد میں ثابت قدم رہے اور لوگوں کو دین پر جمے رہنے کی تلقین کرتے رہے۔

شهدتُ بأنّ اللهَ لا ربَّ غیرهُ ۔ طلیح وأنّ الدینَ دینُ محمد ۶

حمزة بن عبد المطلب الهاشمی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، سابق الاسلام اور اسد رسول اللہ تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے، جنگ احد میں شہید ہوئے، دولت اسلام کے حصول پر تحدیثِ نعمت کے طور پر کہتے ہیں۔

رسائلُ جاءَ أحمدُ من هداها ۔ بآیاتٍ مُبیَّنةِ الحروفِ

وأحمدُ مصطفًی فینا مطاعٌ ۔ فلا تغشوهُ بالقولِ العنیفِ

فلا واللهِ نُسلمهُ لقومٍ ۔ ولمّا نقضِ فیهم بالسیوفِ ۷

حمید بن ثور الهلالی بقول المرزبانی فصیح شعراء میں سے تھے اسلام لائے حاضر ہوئے اور شعر پیش کئے

أصبح قلبی من سلیمی مقصدا ۔ إن خطأ منها وإن تعمدا

حتی أتیتُ المصطفٰی محمداً ۔ یتلو من اللهِ کتاباً مرشدا ۸

خارج بن خویلد الکعبی،

إذا ما رسولُ اللهِ فینا رأیتنا ۔ کلجّةِ بحرٍ مال فیها سریرها۔

إذا ما ارتدینا سامعاً بأن محمداً ۔ لها نامر عزت وعن نصرها ۹

خالد بن الولید المخزومی، سیف اللہ کا لقب ملا، عظیم سپہ سالار اور بے مثال فاتح تھے ۲۱ھ میں وفات پائی۔

بدء الحمد مولانا علی نعمةٍ ۔ وشکراً لما أولیتَ من سابغِ النِّعَمِ

مننتَ علینا بعد کفرٍ وظلمةٍ ۔ وأنقذتنا من حندسِ الظلمِ والظُلَمِ

---

(۱) الاصابہ ص ۱/۱۷۰، شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۲۸۹ (۲) الاستیعاب ص ۱/۹۵، ۹۶ (۳) الاصابہ ص ۱/۲۵۶ (۴) الاصابہ ص ۱/۲۸۳ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۱/۳۰۳ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۳۰۳ (۷) شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۵۸، ۱۸۹ (۸) الاصابہ ص ۱/۳۵۵، اسد الغابہ ص ۲/۵۴ (۹) الاصابہ ص ۱/۳۹۸

علمتم لم تشکک بأن محمداً - رسول بہرحان ممن ذا لقاومہ ۱

سعد بن ابی وقاص الزھری القرشی۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اسلام لانے والوں میں ساتویں تھے اسلئے السابقون الاولون میں سے تھے 'فارس الاسلام' کا لقب ملا' اسلام میں پہلے تیر انداز کہلائے 'قادسیہ' کے فاتح اور عظیم سپہ سالار تھے۔ ۵۵ھ میں وفات پائی' تیر اندازی کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں.

أَلا هَلْ أَتَى رَسُولَ اللهِ أَنِّي - حَمَيْتُ صَحَابَتِي بِصُدُورِ نَبْلِي

فَمَا يَعْتَدُّ رَامٍ فِي عَدُوٍّ - بِسَهْمٍ يَا رَسُولَ اللهِ قَبْلِي ۲

ابن ھشام کہتے ہیں "اکثر أھل العلم بالشعر ینکرھا لسعد" ۳

سلمۃ بن عیاض الأسدی۔ وفد کی شکل میں حاضر ہوئے اور یہ شعر پڑھے۔

رأیتک یا خیر البریۃ کلھا - نشرت کتابا جاء بالحق معلما

شرعت لنا فیہ الھدی بعد جورنا - عن الحق لما أصبح الأمر مظلما ۴

سواد بن قارب الاوسی' کاہن تھے کہتے ہیں میرے تابع جن تھا جس نے تین روز مسلسل بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی اسلئے میں حاضر مدینہ ہوا اور اپنا واقعہ بیان کیا' اسلام لایا اور ابیات پیش کئے۔

فَأَشْهَدُ أَنَّ اللهَ لَا رَبَّ غَيْرُهُ - وَأَنَّكَ مَأْمُونٌ عَلَى كُلِّ غَائِبِ

وَأَنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِينَ وَسِيلَةً - إِلَى اللهِ يَا ابْنَ الْأَكْرَمِينَ الْأَطَايِبِ

فَمُرْنَا بِمَا يَأْتِيكَ يَا خَيْرَ مُرْسَلٍ - وَإِنْ كَانَ فِيمَا جَاءَ شَيْبُ الذَّوَائِبِ

وَكُنْ لِي شَفِيعاً يَوْمَ لَا ذُو شَفَاعَةٍ - سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبِ ۵

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم میں اسکا معارضہ لکھا ہے۔

الشماخ بن ضرار الغطفانی مشہور شاعر تھے حضرت لبیدؓ سے تقابل کیا جاتا ہے اور کہا گیا کہ ایک ہی طبقہ سے تھے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

تَعَلَّمْ رَسُولَ اللهِ أَنَّا كَأَنَّنَا - أَفَأْنَا بِأَنْمَارٍ ثَعَالِبَ ذِي غَسْلِ

تَعَلَّمْ رَسُولَ اللهِ لَمْ نَرَ مِثْلَهُمْ - أَجَرَّ عَلَى الْأَدْنَى وَأَحْرَمَ لِلْفَضْلِ ۶

ضرار بن الخطاب القرشی الفھری' الزبیر بن بکار کہتے ہیں "لم یکن فی قریش أشعر منہ ومن ابن الزبعری۔۔۔ ویقدمونہ علی ابن الزبعری لانہ أقل منہ سقطا وأحسن صنعتہ" یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرماتے ہیں

یا نبی الھدی إلیک لجا - حی قریش وأنت خیر لجاء

حین ضاقت علیھم سعۃ الأرض وعاداھم إلہ السماء ۸

طالب بن أبی طالب، غزوہ بدر کے حوالے سے مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کہے گئے اشعار میں چند منتخب شعر۔

كَأَنْ لَمْ تَكُونُوا فِي قُرَيْشٍ عَشِيَّةً - سِوَى أَنْ حَمَيْنَا خَيْرَ مَنْ وَطِئَ التُّرْبَا

أَخَا ثِقَةٍ فِي النَّائِبَاتِ مُرَزَّأً - كَرِيماً ثَنَاهُ لَا بَخِيلاً وَلَا ذَرِبَا

يُطِيفُ بِهِ الْعَافُونَ يَغْشَوْنَ بَابَهُ - يَؤُمُّونَ بَحْراً لَا نَزُوراً وَلَا صَرْبَا ۹

الطفیل بن عمرو الدوسی۔ مکہ آئے تو کفار کی انگیخت پر کان میں روئی لئے پھرتے رہے مگر جب آواز حق پڑی تو گھر حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا' عمدہ شاعر تھے' یمامہ کے معرکے میں شہید ہوئے۔ ۱۰' نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے چند شعر یہ ہیں

---

(۱) الاستیعاب ص ۲/۵۸۱' الاصابہ ص ۲/۱۹' اسد الغابہ ص ۲/۳۶۶ (۲) الاستیعاب ص ۲/۵۸۶' النجوم الزاھرہ ص ۱/۱۲۷' سیرت ابن ھشام ص ۲/۲۲۹ (۳) سیرت ابن ھشام ص ۲/۲۲۹ (۴) الاصابہ ص ۲/۶۵ (۵) سیرت ابن ھشام ص ۱/۲۲۹ حاشیہ الاستیعاب ص ۲/۵۸۲' الاصابہ ص ۲/۹۵' اسد الغابہ ص ۲/۲۵۵' الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی اردو ترجمہ ص ۱۸۸' ۱۸۹ (۶) الاصابہ ص ۲/۱۵۱' دیوان الشماخ ص ۱۱۶ (۷) الاستیعاب ص ۱/۳۲۶' اسد الغابہ ص ۳/۴۲ (۸) حوالہ جات مذکورہ والاصابہ ص ۲/۲۰۱ (۹) سیرت ابن ھشام ص ۲/۳۹۷ (۱۰) الاستیعاب ص ۱/۲۱۳' اسد الغابہ ص ۳/۵۴

وَأَنَّ محمداً عبدٌ رسولٌ - دليلُ هُدًى وَمُوضِحُ كلِّ رُشدِ
وَأَنَّ اللهَ جَلَّلَهُ بَهَاءً - وَأَعْلَى جَدَّهُ فِي كُلِّ جَدٍّ ١

ظبیان بن کرادۃ الإیادی، مدینہ آئے اسلام قبول کیا اور شہادت دی۔
فأشهدُ بالبيتِ العتيقِ وبالصفا - شهادةَ مَن إحسانُه مُتَقَبَّلُ
بأنكَ محمودٌ لدينا مباركٌ - وفيٌّ أمينٌ صادقُ القولِ مُرسَلُ ٢

عامر بن الاکوع سے خیبر کے رستے میں رجز روایت ہوئی ہے مگر یہ شعر عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ بھی بعض روایات میں منسوب ہیں ہو سکتا ہے شعر حضرت عبداللہؓ کے ہوں اور حضرت عامر نے مناسبت موقعہ کی خاطر پڑھے ہوں۔ شعر یہ ہیں
اللهم لولا أنت ما اهتدينا - ولا تصدقنا ولا صلينا
فاغفر فداءً لك ما أبقينا - وثبت الأقدام إن لاقينا
وألقين سكينة علينا - انا اذا صيح بنا أبينا ٣

عامر بن الطفیل بن الحرث الأزدی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مرثیے کے چند شعر کہے۔
بكت الأرض والسماء على النبي - والذي كان للعباد سراجا
من هدينا به إلى سبيل الحق - وكنا لا نعرف المنهاجا ٤

عباس بن عبدالمطلب الہاشمی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی قدر چچا تھے۔ غزوہ بدر میں اسیر ہو گئے، فتح مکہ کے روز اسلام کا اعلان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے واسطے سے بارش کی دعا کی، قبول ہوئی تو لوگ انہیں ساقی الحرمین کہنے لگے۔ لمبی عمر پائی ۳۲ھ میں ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی ۵ خریم بن اوس کی روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "اريد أن امتدحك" فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "قل لا يفضض الله فاك" ٦ پس آپ نے یہ شعر کہے۔
مِن قبلِها طِبتَ في الظلالِ وفي - مستودعٍ حيثُ يُخصفُ الورقُ
وأنتَ لما وُلدتَ أشرقتِ الأ - رضُ وضاءت بنورك الأفقُ
فنحن في ذلك الضياءِ وفي النورِ وسُبُلَ الرشادِ نخترقُ ٧

بعض روایات میں یہ شعر بھی ہے۔
وَرَدتَ نارَ الخليلِ مُكتتماً - في صُلبِه أنتَ كيف يحترقُ ٨

عبداللہ بن انیس کے مرثیے کے شعر
تطاول ليلي واعترتني القوارع - وخطبٌ جليلٌ للبلية جامع
غداةَ نعى الناعي إلينا محمداً - وتلك التي تستكُّ منها المسامع
فلو ردَّ ميتاً قتلُ نفسي قتلتها - ولكنه لا يدفعُ الموتَ دافعُ ٩

عبداللہ بن الحرث ہجرت حبشہ کے حوالے سے ان کے متعدد شعر روایت ہوئے ہیں مثلاً
تلك قريشٌ تجحدُ اللهَ حقَّه - كما جحدت عادٌ ومدينُ والحِجرُ
فإن أنا لم أبرق فلا يسعنَّني - من الأرض برٌّ ذو فضاءٍ ولا بحرُ
بأرضٍ بها عبدُ الإلهِ محمدٌ - أبيِّنُ ما في النفس إذ بلغ النَّقرُ ١٠

---

① الاصابہ ص ۲/۲۱۷ ② الاستیعاب ص ۱/۲۱۶، اسد الغابہ ص ۳/۲۰، الاصابہ ص ۲/۲۳۲ ③ صحیح بخاری جلد ثانی کتاب المغازی باب غزوہ ذات القرد ص ۶۰۳، طبقات ابن سعد ج۲ ص ۱۱۱ ④ الاصابہ ص ۲/۲۴۳ ⑤ الاصابہ ص ۲/۲۶۳ الاستیعاب ص ۲/۴۴۸ تا ۴۸۷ اسد الغابہ ص ۳/۱۱۰ تا ۱۱۳، طبقات الشافعیہ الکبریٰ ص ۲/۶۹، ۷۰ ⑥ الملل والنحل ص ۲/۲۸۹ حاشیہ۔ الاستیعاب ص ۱/۱۶۱ ⑦ اسد الغابہ ص ۲/۱۱۱، الاستیعاب ص ۱/۱۶۱، الملل والنحل ص ۲/۲۸۹، الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۵۰، ۵۱ ⑧ الاستیعاب ص ۱/۱۶۱، الوفا باحوال المصطفیٰ ص ۵۰ ⑨ طبقات ابن سعد ص ۲/۳۲۰، ۳۲۱ ⑩ سیرت ابن ہشام ص ۱/۳۵۴

عبداللہ بن مجزۃ السلمی، ابن غنیمہ کے نام سے معروف ہیں، فتح مکہ کے موقع پر کہے گئے اشعار:

نصرنا رسول اللہ من غضب لہ ۔ بألف کمی لا تعد حواسرہ

جزی اللہ خیراً من نبی محمداً ۔ و أیدہ بالنصر واللہ ناصرہ ۱

عمرو بن الجموح: بنو سلمہ کے سرداروں میں سے تھے، انصار میں سب سے آخر پر اسلام لائے اور بتوں سے منہ موڑ لیا اسی بارے میں کہتے ہیں

ھو الذی أنقذنی من قبل أن ۔ أکون فی ظلمۃ قبر مرتھن

بأحمد المھدی النبی المؤتمن ۲

عمرو بن سالم بن کلثوم الخزاعی۔ جب قریش مکہ نے قبیلہ خزاعہ پر حملہ اور قبیلہ بنو بکر کا ساتھ دیا تو عمرو بن سالم طالب مدد ہو کر مدینہ حاضر ہوئے اور یہ شعر پڑھے:

یا رب انی ناشد محمداً ۔ حلف أبیہ وأبینا الاتلدا

قد جعلوا لی بکراً و رصدا ۔ فادع عباد اللہ یأتوا مددا

فیھم رسول اللہ قد تجردا ۔ ابیض مثل البدر ینمو صعدا ۳

عمرو بن سبیع الرھاوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ جنگ صفین میں شہادت پائی

إلیک رسول اللہ من سرو حمیر ۔ أجوب الفیافی سملقا بعد سملق

فما الاجر عندی راحۃ أو تحملی ۔ بباب النبی الھاشمی الموفق ۴

عمرو بن مرۃ الجہنی، خواب میں بشارت پائی بت توڑا اور حاضر دربار ہوئے:

شھدت بأن اللہ حق و إننی ۔ لآلھۃ الاحجار أول تارک

لأصحب خیر الناس نفسا و والداً ۔ رسول ملیک الناس فوق الحبائک ۵

إلی خیر من یمشی علی الارض کلھا ۔ وافضلھا عند اعتکار العزائم ۶

غنیسم بن قیس المازنی ۔ وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جذبات کا اظہار ایک مثلث میں کیا ۷

فراس الخزاعی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے روز ان کے یہ اشعار پڑھتے تھے۔

اذا ما رسول اللہ فینا رأیتنا ۔ کلجۃ بحر عام فیھا سریرھا

وان حوربت کعب فان محمداً ۔ لھا ناصر عزت وعز نصیرھا ۸

فروۃ بن مسیک: ۱۰ ہجری میں سلطنت کندہ کو چھوڑ کر اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کی، اسی طرز عمل کے بارے میں کہتے ہیں۔

لما رأیت ملوک کندۃ اعرضت ۔ کالرجل خان الرجل عرق نسائھا ۔

قربت راحلتی أؤم محمداً ۔ أرجو فواضلھا وحسن ثرائھا ۹

الفضل بن العباس القرشی الھاشمی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے

أقروا بأن اللہ أرسل أحمداً ۔ نبیاً کریماً للخلائق ھادیاً ۱۰

فضالۃ بن عمیر اللیثی۔ فتح مکہ کے روز بت ٹوٹتے دیکھے تو کہنے لگے۔

لو ما رأیت محمداً وجنودہ ۔ فی الفتح یوم تکسر الأصنام

لرأیت دین اللہ أصبح بیناً ۔ والشرک یغشی وجھہ الأظلام ۱۱

---

(۱) الاصابہ ص ۲/۳۳۶ (۲) سیرت ابن ہشام ص ۲/۹۳، اسد الغابہ ص ۴/۹۲ مگر تیسرا مصرعہ نہیں ہے۔ (۳) الاستیعاب ص ۲/۴۹۶، الاصابہ ص ۲/۵۲۹، اسد الغابہ ص ۴/۱۰۵ (باختلاف یسیر) (۴) اسد الغابہ ص ۴/۱۰۶ (۵) الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی اردو ص ۱۰۶/ شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۱۰۹ (۶) حوالہ جات مذکورہ (۷) اسد الغابہ ص ۴/۱۴۳

(۸) الاصابہ ص ۳/۱۹۷ (۹) سیرت ابن ہشام ص ۴/۲۵۱، اسد الغابہ ص ۴/۱۸۰ (۱۰) شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۳۵

(۱۱) الاصابہ ص ۳/۲۰۲، اسد الغابہ ص ۴/۱۸۲ سیرت ابن ہشام ص ۴/۳۷ باختلاف یسیر۔

قرۃ بن نفاثۃ السلولی، بنو سلول کے ساتھ آئے اور اسلام قبول کیا، تحدیث نعمت کے طور پر کہتے ہیں۔

الحمد لله اذ لم یاتنی اجلی ۔ حتی اکتسیت من الاسلام سربالا ۱

یہ شعر حضرت لبید کی طرف بھی منسوب ہے مگر دیوان لبید کے مرتب نے المعجم للمرزبانی کے حوالے سے نقل کیا کہ "والصواب انه لقردة بن نفاثة سلولی" ۲ ۔ علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ شاید توارد ہے اسی لئے لبید کے شعر میں "حتی تسربلت بالاسلام سربالا" معمولی تغیر ہے۔ ۳

قرۃ بن ہبیرہ العامری، حجۃ الوداع میں شریک تھے ۴۔ رسول اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار عرض کئے۔

حباها رسول الله اذ نزلت به ۔ فأمكنها من نائل غير منفد

فأضحت بروض الخضر وهي حثيثة ۔ وقد أنجحت حاجاتها من محمد ۵

قطن بن حارثۃ العلیمی، دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور شعر نذر کئے۔

رأيتك يا خير البرية كلها ۔ نبت نضارا في الأرومة من كعب

أغر كأن البدر سنة وجهه ۔ اذا ما بدا للناس في حلل العصب

أقمت سبيل الحق بعد اعوجاجها ۔ ودنت اليتامى في السقاية والجدب ۶

قیس بن بحر بن طریف الأشجعی، مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شعر،

مجانا بروح القدس ينكي عدوه ۔ رسولا من الرحمن حقا معلم ۷

قیس بن بحر الاشجعی کے چند اشعار میں سے

نبي تلافته من الله رحمة ۔ ولا تسألوه أمر غيب مرجم ۔

رسولا من الرحمن يتلو كتابه ۔ فلما أنار الحق لم يتلعثم

ان اشعار کے انتساب میں اختلاف ہے ابن ہشام نے انہیں ابن لقیم العبسی کے قصیدے سے ماخوذ مانا ہے جبکہ الاصابہ میں یہ قیس بن طریف کا نام پر درج ہیں مگر سیرت ابن ہشام میں یہ قیس بن بحر کے نام پر بھی درج ہیں ۸۔

قیس بن الربیع تیز زبان شاعر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہی پھر حاضر ہو کر معذرت چاہی اور شعر پیش کئے ۹

قیس بن نشبۃ السلمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حبر بنی سلیم کہتے تھے، قیس کہتے ہیں۔

تابعت دين محمد ورضيته ۔ كل الرضا لأمانتي ولديني

قد كنت آمله وأنظر دهره ۔ فالله قدر أنه يهديني

أعني ابن آمنة الأمين ومن به ۔ أرجو السلامة من عذاب الهون ۱۰

کلیب بن أسد الحضرمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہیں۔

أنت النبي الذي كنا نخبره ۔ وبشرتنا بك الاحياء والرسل ۱۱

مازن بن الغضوبۃ الطائی عرض گزار ہیں۔

إليك رسول الله خبت مطيتي ۔ تجوب الفيافي من عمان الى العرج

لتشفع لي يا خير من وطئ الحصى ۔ فيغفر لي ربي فارجع بالفلج ۱۲

مالک بن عوف النصری، رئیس ہوازن تھے غزوہ حنین میں بھاگ گئے پھر حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مال واپس کر دیا تو کہنے لگے

ما إن رأيت ولا سمعت بواحد ۔ في الناس كلهم كمثل محمد

أوفى وأعطى للجزيل لمجتدي ۔ ومتى تشأ يخبرك عما في غد ۱۳

---

① الاستیعاب ص ۲/۵۳۶، الاصابہ ص ۳/۲۲۲ ② دیوان لبید ص ۲۳۶ ③ الاصابہ ص ۳/۲۲۲ ④ اسد الغابہ ص ۴/۲۰۴
⑤ الاصابہ ص ۳/۲۲۲ ⑥ الاصابہ ص ۳/۲۲۹ ⑦ الاصابہ ص ۳/۲۳۳ ⑧ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الاصابہ ص ۳/۲۴۲، سیرت ابن ہشام ص ۴/۱۹۹، ۲۰۰ ⑨ اسد الغابہ ص ۴/۲۱۳ ⑩ الاصابہ ص ۳/۲۵۰ ⑪ الاصابہ ص ۳/۲۸۹
طبقات ابن سعد ص ۱/۳۵۶ بتغییر یسیر ⑫ اسد الغابہ ص ۴/۲۷۰، الاستیعاب ص ۱/۲۷۸، الاصابہ ص ۳/۳۱۴، الاعلام ص ۶/۱۲۷ حرف بہ اختلاف شعر ⑬ الاستیعاب ص ۱/۲۷۷ حرف بہ اختلاف شعر، اسد الغابہ ص ۴/۲۹۰، الاصابہ ص ۳/۳۳۲، سیرت ابن ہشام ص ۴/۱۳۸

حالد بن عنط الہمدانی ہمدان کے رؤساء میں سے تھے مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ذکرت رسول اللّٰہ فی فحمۃ الدجیٰ - ونحن بأعلیٰ رحرحان وصلدد
بأن رسول اللّٰہ فینا مصدق - رسول أتی من عند ذی العرش مہتدی
فما حملت من ناقۃ فوق رحلھا - أشد علیٰ أعدائہ من محمد
وأعطیٰ اذا ماطالب العرف جاءہ - وأمضی بحد المشرفی المہند - ۱

بجفیۃ بن النعمان العتکی الازد کے شاعر تھے ارتداد میں حضرت عمرو بن العاص متفکر ہوئے تو کہنے لگے۔

یا عمرو إن کان النبی محمد قد - أتی بہ الأمر الذی لا یدفع
فتلوبنا قرحی وجاء دموعنا - جاروا أعناق البریۃ خضع ۲

دوسری جگہ پر بجفیۃ بن النعمان العتکی الازدی کے نام سے یہی شعر ہیں۔ ۳

عمران بن ذی عمیر الہمدانی - رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی وفات پر کہتے ہیں۔

إن حزنی علی الرسول طویل - ذاک منی علی الرسول قلیل
بکت الارض والسماء علیہ - وبکاہ خدیمہ جبریل ۴

محمد بن بشر بن معاویۃ - معاویہ اپنے بیٹے بشر کے ساتھ حاضر ہوئے اور کہا "یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم امسح وجہ ابنی ہذا ففعل" اس پر محمد بن بشر کہتے ہیں۔

وأبی الذی مسح النبی برأسہ - ودعا لہ بالخیر والبرکات
بورکت من منح وبورک مانح - وعلیہ منی ما بقیت صلاتی ۵

مسلمۃ بن حاران الحدانی - مدح کا شعر ہے۔

أتانا بقرآن من اللّٰہ صادق - أضاء بہ الرحمن من ظلمۃ الکرب ۶

معاویہ بن الحکم السلمی - قصیدے کے اشعار میں سے، پاؤں پر چوٹ آئی حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے مسح فرمایا تو تکلیف دور ہو گئی۔

فقال محمد صلی علیہ - حدیث الناس قولا غیر فعل
فحالک فاستمر بھا سویا - وکانت بعد ذاک أصح رجل ۷

النمر بن تولب العکلی الشاعر، وفد میں آئے اور کہا۔

إنا أتیناک وقد طال السفر - نقود خیلا ضمرا فیھا ضرر ۸

نوفل بن حارث بن عبد المطلب الہاشمی، بنو ہاشم میں اسلام لانے والوں میں سب سے بزرگ تھے حتیٰ کہ اپنے چچا حمزہ رضی اور العباس رضی سے بھی

شہدت علی أن النبی محمدا - أتی بالھدیٰ من ربہ والبصائر
وأن رسول اللّٰہ یدعو الی التقیٰ - وأن رسول اللّٰہ لیس بشاعر ۹

اب ان شعراء کا کلام پیش کیا جا رہا ہے جن کی "صحبت" دربار رسالت میں متحقق نہیں ہے مگر ان کی ذاتی اہمیت اسقدر ہے کہ اکثر ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ابو ذویب الہذلی، دور جاہلی کے معروف شاعر، علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں "کان مسلما علی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولم یرہ" ۱۰

وفات حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خبر حالت سے سنی جو کہہ رہا تھا۔

خطب اجل اناخ بالاسلام - بین النخیل ومعقد الآطام

---

① اسد الغابہ ص ۲/۲۹۵، الاستیعاب ص ۱/۴۷۲، الاصابہ ص ۱/۳۳۵، ۳۳۶ ② الاصابہ ص ۳/۳۴۵ ③ حوالہ مذکورہ ص ۳۶۳م ④ الاصابہ ص ۳/۳۶۵م ⑤ الاصابہ ص ۱/۱۹۱، اسد ص ۴/۱۰۴م ⑥ الاصابہ ص ۳/۳۹۹ ⑦ الاستیعاب ص ۱/۲۵۶، الاصابہ ص ۲/۵۰۰، حجۃ اللّٰہ علی العالمین النبہانی ص ۱۳۰م ⑧ الاستیعاب ص ۱/۳۰۹، الاصابہ ص ۳/۵۲۳ ⑨ طبقات ابن سعد ص ۴/۴۵م، ۴۶م ⑩ الاستیعاب ص ۲/۶۴۶

قبض النبي محمد فعيوننا - تذري الدموع عليه بالتسجام

ابوذویب مشوش ہوئے اور تدفین میں شریک ہوئے اور مرثیہ کے شعر کہے۔ ۱

فهناك صرت الى الهموم ومن يبت - جار الهموم يبيت غير مروح

كسفت لمصرعه النجوم وبدرها - وتزعزعت آطام بطن الابطح (اسد الغابہ میں تفصیلات ہے)

وتزعزعت اجبال يثرب كلها - ونخيلها لحلول خطب مفدح ۲

عمرو بن معدیکرب الزبیدی۔ مشہور شاعر اور شہسوار، شجاعت میں ضرب المثل، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک سے واپسی پر مسلمان ہوئے مگر فتنہ ارتداد میں پھر گئے پھر واپس آگئے اور اسلامی لشکر کے ساتھ فتوحات میں شریک رہے۔ خصوصاً قادسیہ میں، اور اُس وقت ان کی عمر ایک سو دس سال تھی۔ ان کے اشعار کا داخلی اشارہ یہی ہے کہ وہ مسلمان تھے مگر صحابی نہ تھے مثلاً یہ شعر

انني بالنبي موقنة نفـ --- سي وان لم أر النبي عيانا

سيد العالمين طرا وأدنا --- هم إلى الله حين بان مكانا

فعليه السلام والتحية منا --- حيث كنا من البلاد وكانا

ان نكن لم نر النبي فانا --- قد تبعنا سبيله إيمانا ۳

ابودہبل الجمحی۔ مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کہتے ہیں۔

ان البيوت معادن فنجاره - ذهب وكل بيوته ضخم

عقم النساء فما يلدن شبيهه - ان النساء بمثله عقم

متهلل بنعم بلا متباعد - سيان منه الوفر والعدم

نزر الكلام من الحياء تخاله - ضمنا وليس بجسمه سقم ۴

کلثوم بن اوفی بن زرین بن عبداللہ الفقیمی۔ زرین بن عبداللہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا تو آپ نے ان کو دعا دی اس پر ان کے پوتے کے شعر ہیں۔

جرى الذي مسح النبي جبينه - بيمينه وانا الجواد السابق ۵

چند مدحیہ اشعار جن کی نسبت واضح نہیں اسلئے مجہول شعراء کے نام پر لکھے جاتے ہیں مثلاً

حابس بن دغنۃ الکلبی کی کسی وادی میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا،

يا حابس اسمع ما أقول ترشد - ليس ضلول حائر كمهتدي

لا تتركن نهج الطريق الأقصد - قد نسخ الدين بدين أحمد ۶

اعرابی کے شعر، قحط سالی کے عالم میں ایک اعرابی بارش کے لئے طالب دعا ہوا اور عرض کیا

أتيناك والعذراء يدمى لبانها - وقد شغلت أم الصبي عن الطفل

وألقى بكفيه الفتي لاستكانة - من الجوع ضعفا ما يمر ولا يحلي

ولا شيء مما يأكل الناس عندنا - سوى الحنظل العامي والعلهز الفسل

وليس لنا إلا إليك فرارنا - وأين فرار الناس إلا إلى الرسل ۷

رجل کنانی۔ قحط سالی میں دعا کے زیر اثر بارش پر جناب ابوطالب کے شعر کے حوالے سے کہے گئے۔

لك الحمد والحمد ممن شكر - سقينا بوجه النبي المطر

دعا الله خالقه دعوة - إليه وأشخص منه البصر

وكان كما قاله عمه - أبو طالب أبيض ذو غرر ۸

---

① الاستیعاب ص ۱/۴۶۲، ۴۶۳، الاعلام ص ۳۴۳/۲ ② الاستیعاب ص ۶۲۷/۲ ③ شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۱۳۱، ۱۳۲ بحوالہ البدایۃ ۷/۲۱ ④ الوسیط ص ۱۲۲ ⑤ اسد الغابہ ص ۲۰۴/۲ ⑥ الخصائص الکبریٰ ص ۱۰۹/۱، الاصابہ ص ۲۷۴/۱
⑦ المجموعۃ النبہانیۃ ص ۱/۵۵ بحوالہ المواہب اللدنیۃ ⑧ شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۳۶۲، ۳۶۳

کسی شاعر کے علی ابن زیاد کے بارے میں شعر جن میں ان کے باپ زیاد کو رسول اللہ علیہ وسلم نے چھوا تھا تو وہ جگہ چمک اٹھی تھی

یا ابن الذی مسح النبی برأسہ ۔ ودعا لہ بالخیر عند المسجد
أعنی زیاداً لا أرید سواءہ ۔ من غائر أو متہم أو منجد
ما زال ذاک النور فی عرنینہ ۔ حتی تبوأ بیتہ فی الملحد [1]

مالک بن مالک الجنی کے اشعار جو خریم بن فاتک کو صحرا میں سنائی دیئے اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف تھا

ھذا رسول اللہ ذو الخیرات ۔ جاء بیاسین و حامیمات
یأمر بالصوم و بالصلاۃ ۔ و یزجر الناس عن الھنات [2]

ھاتف۔ الجعد بن قیس کہتے ہیں کہ ہم چار افراد حج کو گئے رات سوئے تو وادی کے اطراف سے ہاتف کی آواز آئی

ألا أیھا الرکب المعرس بلغوا ۔ إذا ما قدوا وقفتم بالحطیم و زمزما
محمداً المبعوث منا تحیۃ ۔ تشیعہ من حیث سار و یمما
و قولوا لہ إنا لدینک شیعۃ ۔ بذلک أوصانا المسیح ابن مریما [3]

ھاتف : ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بشارت دیتے ہوئے :

تردی لمولود اضاءت بنورہ ۔ جمیع فجاج الارض بالشرق والغرب
وخر لہ الاوثان طراً وارعدت ۔ قلوب ملوک الارض طراً من الرعب [4]

عمر جن کا قصیدہ ۔ ایک معروف قصیدہ جو چالیس اشعار پر مشتمل ہے ایک جن سے منسوب ہے جسکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی نام عمر الجنی ہے ۔ یہ کئی بار چھپ چکا ہے خواجہ حسن نظامی دہلوی نے اسے اپنے زیر اہتمام چھپوایا اور قسطنطنیہ کے قدیم کتب خانے کو اسکا ماخذ بتایا ہے ۔ قصیدہ کیا ہے مترادف اور ہم صوت الفاظ کا جل ترنگ ہے ۔ ترنم سے پڑھا جائے تو جناتی آواز معلوم ہوتا ہے ۔ بہر کیف اس کی تشبیب ۲۲ شعروں پر مشتمل ہے جس میں عرب روایت کے مطابق اونٹنی اور اسکے شمائل کا ذکر کیا ہے ۔ پھر گریز ہے اور آخر پر چند مدحیہ اشعار ۔ ان آخری اشعار کا انتخاب پیش خدمت ہے ۔

فأرخ بنبی إلہ الخلق ۔ أتت لبعضا بلہ الکتب
لنبی ھدی و نبیج تقی ۔ فبذاک تزین لہ الترب
محمد المبعوث ذوی الخیرات ۔ عنا لہ الترحب
و إلیک محمد إبتعثت ۔ نحوک باخشتمعا تبوا
یتجود منی متعطفی ۔ بشوالع لیس لھا تلب
فاللہ حباک و أنت صفوتہ ۔ کم لک تمسک الذھب
فصلوۃ إلہ الخلق علیک ۔ وبجاد فتملکت السحب [5]

ایک جن کی بشارت ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر مقام حجون کوہ ابو قبیس پر ایک جن نے بشارت دی ۔

فاقسم ما انثی من الناس انجبت ۔ و لا ولدت انثی من الناس واحدۃ
کما ولدت زھریۃ ذات مفخر ۔ مجنبۃ من لوم القبائل ماجدۃ
و قد ولدت خیر البریۃ احمد ۔ فاکرم مولود و اکرم والدہ
واحدۃ من خیر قوم مثلھا ۔ جنینھا مثل النبی التقی [6]

قدوم مدینہ پر استقبالی اشعار ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ داخل ہو رہے تھے تو بچیاں اور پردہ نشین عورتیں گھروں کی چھتوں پر تھیں اور خیر مقدم کے ترانے گا رہی تھیں ۔

طلع البدر علینا ۔ من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ۔ ما دعا للہ داع
اور مزید یہ کہ ۔ ایھا المبعوث فینا ۔ جئت بالأمر المطاع [7]

---

(۱) طبقات ابن سعد ص ۱/۳۱۰ (۲) اسد الغابہ ص ۲/۲۹۲، ۲۹۳، الاصابہ ص ۳/۳۳۳ باختلاف یسیر (۳) الخصائص الکبریٰ ص ۱/۱۰۹ (۴) الخصائص الکبریٰ ص ۱/۵۲ (۵) ایک جن کی نعت ص ۱۶ تا ۱۹ (۶) الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی اردو ترجمہ ص ۱۲۵، ۱۲۶ (۷) وفا الوفاء السمہودی ص ۱/۲۶۲

- الاساب ص ۱۷۴

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی دار ابی ایوبؓ کے سامنے بیٹھ گئی تو بنی النجار کی بچیاں دف بجاتے ہوئے استقبال کر رہی تھیں اور مسرت سے کہہ رہی تھیں

نحن جوار من بنی النجار - یا حبذا محمدٌ من جارِ ۱

مجہول شاعر کے شعر:

ادخل الی یثرب ذات النخلِ - وسرّ الیھا سیر مستعجلٍ

تمرّن بدین القائم المصلی - محمد المرسل خیر الرسل ۲

ومن رسول صادق الکلام - أعدل ذی حکم من الاحکام

یأمر الصلاۃ والصیام - والبر والصلات للارحام

من هاشم فی ذروۃ السنام - مستعلناً فی البلد الحرام ۳

ان الذی ورث النبوۃ والھدی - لعبد ابن مریم من قریش مھتد ۴

مواجھہ الشریفہ پر مکتوب اشعار - روضہ اقدس کے مواجہہ شریفہ پر دو شعر کندہ ہیں، علامہ النبہانی نے سعادۃ الدارین میں یہ اشعار کسی مستغیث اعرابی کے بتائے ہیں جو حاضر دربار ہوا۔ جان پرگناہ کے ظلموں کا ذکر کیا اور حسب ارشاد باری استغفار چاہی

یا خیر من دفنت فی القاع اعظمہ - فطاب من طیبھن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ - فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

علامہ النبہانی نے ان کے درمیان تیسرا شعر بھی روایت کیا ہے جو روضہ اطہر پر نہیں ہے۔

أنت النبی الذی ترجی شفاعتہ - عند الصراط اذا ما زلت القدم ۵

مخدرات اسلام۔

صنف نازک کی طبعی ساخت اور قلبی کیفیت میں تاثر پسندی اور اس کے اظہار کی بے ساختہ رجحان پایا جاتا ہے اس لئے "عورت" کا مشاہدہ زیادہ حسی نوعیت کا ہوتا ہے، شاعری کی مختلف اصناف میں غزل اور مرثیہ عورت کی طبیعت سے زیادہ قریب ہوسکتے ہیں، مدح نگاری میں نصف بہتر کا حصہ نہایت کم ہے مگر اس کے باوجود ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کشش ہر دل نے محسوس کی ہے اور مستورات نے بھی اس میدان میں اپنی بساط کے مطابق کارنامے انجام دیئے ہیں، دور صحابہ میں ایسی متعدد خواتین کے نام ملتے ہیں جو اپنی عقیدت و محبت کو نظم آشنا کرتی رہی ہیں مگر "المدائح النبویۃ" میں ان کا زیادہ تر حصہ مراثی کی شکل میں ہے کہ اس میں جذبات کا والہانہ پن نمایاں ہوتا ہے۔ دور اوّل کی چند نمایاں شخصیات کا تذکرہ "حضرت آمنہ" سے شروع کرنا مناسب ہوگا کہ انہی کی گود میں اس ذات والا تبار نے پہلا ظہور کیا تھا۔

حضرت آمنہ: آمنہ بنت وھب قریش کی شاخ بنو زھرہ سے تھیں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے شادی ہوئی، جوانی ہی میں بیوہ ہوگئیں مگر قدرت نے بیواؤں کا سہارا عطا فرمادیا، ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قسمت کا ستارا یوں چمکا کہ سب حسرتیں مٹ گئیں، مدینہ منورہ حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کو گئیں واپسی پر ابواء کے مقام پر واپسیں آگیا، حسرت سے در یتیم پر نظر ڈالی اور جذبات کو شعر کی زبان مل گئی۔

بارک فیک اللہ من غلام - یا ابن الذی من حومۃ الحمام

فانت مبعوث الی الانام - تبعث فی الحل وفی الحرام

تبعث فی التحقیق والاسلام - دین ابیک البر ابراھام ۶

حضرت حلیمہؓ کو اپنا لخت جگر تفویض کرتے ہوئے کہا

أعیذہ باللہ ذی الجلال - من شر ما مر علی الجبال

حتی اراہ حامل الحلال - ویفعل العرف الی الموالی

وغیرھم من حشوۃ الرجال ۷

---

① وفا الوفاء للسمہودی ص ۱/۲۶۲، تاریخ بغداد ص ۱۳/۵۶ ② شعر الدعوۃ الاسلامیہ ص ۳۱ ③ حوالہ مذکورہ ص ۳۰ ④ حوالہ مذکورہ ص ۷۰ ⑤ سعادۃ الدارین للنبہانی ص ۱۴۲، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۷۸۵ ⑥ الخصائص الکبریٰ ص ۱/۷۹، ام النبی مستورہ الشامی ص ۱۵۲ بر بعد شعر ⑦ طبقات ابن سعد ص ۱/۱۱۱

ان اشعار سے ماں کے جذبات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ اور رضاعی والدہ ہیں، خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھوں میں تھام کر لوری دیتے ہوئے کہتی ہیں۔

یا رب اذا اعطیتہ فأبقہ - وأعلہ الی العلا وأرقہ
وادحض أباطیل العدا بحقہ [۱]

حضرت شیماء بنت الحارث : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن جو آپ کو کھلایا کرتی تھیں اور خوشی سے گاتی تھیں

یا رب أبق لنا محمداً - حتی نراہ یافعاً وامردا
ثم نراہ سیداً مسوّدا - واکبت اعادیہ معاً والحسد
وأعطہ عزاً یدوم أبدا [۲]

اروی بنت عبدالمطلب ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں آپ کی وفات پر مرثیے لکھے ،

ألا یا رسول اللّٰہ کنتَ رجاءَنا - وکنتَ بنا برّاً ولم تکُ جافیا
وکنتَ بنا رؤفاً رحیماً نبیّنا - لیبکِ علیک الیومَ من کانَ باکیا
أفاطمُ صلّی اللّٰہُ ربُّ محمّدٍ - علی جدثٍ أمسی بیثرب ثاویا
فدًی لرسولِ اللّٰہ أمّی وخالتی - وعمّی وعمّی ونفسی قصرۃً ثم خالیا [۳]

عاتکہ بنت عبدالمطلب ، یہ بھی حضور صلی اللہ کی پھوپھی ہیں، شعر کا ذوق خوب ہے، بعض علماء نے ان کے اسلام میں شک کیا ہے مگر اکثر نے انہیں صحابیات میں شمار کیا ہے [۴]۔ وفات رسول اللہ علیہ وسلم پر ان کے متعدد مرثیے ہیں ان میں سے چند شعر یہ ہیں۔

یا عینِ فاحتفلی بالدمعِ واجتهدی - للمصطفیٰ دون خلقِ اللّٰہ بالنورِ
من فقدِ أزھرَ ضافی الخلقِ ذی فخرٍ - صافٍ من العیبِ والعاھاتِ والزورِ
أنّی لکِ الویلاتُ مثلَ محمّدٍ - فی کلِّ نائبۃٍ تنوبُ ومشھدِ
أم من لوحیِ اللّٰہ یترکُ بیننا - فی کلِّ ممسیٰ لیلۃٍ أو فی غدِ
أعینیَّ جودا بالدموعِ السواجمِ - علی المصطفیٰ بالنورِ من آلِ ھاشمِ
علی الطاھرِ المیمونِ ذی الحلمِ والندیٰ - وذی الفضلِ والداعی لخیرِ التراحمِ
أعینیَّ ماذا بعدَ ما قد فجعتما - بہ تبکیانِ الدھرَ من ولدِ آدمِ [۵]
أتاکم بما جاءَ النبیّون قبلہٗ - وما ابنُ أخی البحرُ الصدوقُ بشاعرِ [۶]

صفیہ بنت عبدالمطلب ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت زبیر بن العوام کی والدہ اور غزوہ احزاب میں یہودی جاسوس کا خاتمہ کرنے والی تھیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن ہیں [۷] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی مرثیے لکھے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

لیتَ شعری وکیفَ أمسی صحیحاً - بعدَ أن بینا بالرسولِ القریبِ
أعظمُ الناسِ فی البریۃِ حقاً - سیدِ الناسِ حبّہُ فی القلوبِ
فإذ خشتِ الأدمعُ من فقدہِ - وأی البریۃِ لا ینکبُ
وتبکی الأباطحُ من فقدہِ - وتبکیہِ مکّۃُ والأخشبُ
أعینیَّ جودا بدمعٍ سجمٍ - یبادرُ غرباً بماءٍ منھدمٍ
علی صفوۃِ اللّٰہ ربّ العبادِ - وربِّ السماءِ وباری النسمْ

---

(۱) الخصائص الکبریٰ ص ۱/۵۹، حجۃ اللہ علی العالمین النبہانی ص ۲۶۰ (۲) الاصابہ ص ۴/۳۳۶، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۶۰ (۳) طبقات ابن سعد ص ۲/۳۲۵، ۳۲۹، نکر الاستیعاب ج ص ۱/۲۱، الطریف الادیب الظریف شیخ عبدالاول بن علی الجونفوزی ص ۱۳۶ بریہ شعر حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے نام منسوب ہیں اور شاید یہی درست ہے۔ (۵) تفصیل کیلئے دیکھئے الاصابہ ص ۴/۳۴۷ (۵) طبقات ابن سعد ص ۲/۳۳۶، ۳۲۷ (۶) شعر الدعوۃ الاسلامیہ (۷) الاصابہ ص ۴/۳۳۹، ۳۴۰، اسد الغابہ ص ۵/۴۹۲، ۴۹۳، طبقات ابن سعد ص ۸/۴۱، ۴۲

ثمال المعدمين وكل جار – ومأوى كل مضطهد غريب

فاما تمس في جدث مقيما – فقد ما عشت ذا كرم وطيب

فاتح خاتم رحيم رؤوف – صادق القيل طيب الأثواب

مشفق ناصح شفيق علينا – رحمة من الهنا الوهاب

طيب العود والضريبة والشيم محض الأنساب وارى الزناد

أبلج صادق السجية عف – صادق الوعد منتهى الرواد ۱

صفیہ بنت الحارث بن عبدالمطلب کے مرثیے کے پانچ شعر روایت ہوئے ہیں ۲

صفیہ بنت اثاثہ بن عباد بن المطلب بن عبد مناف، مسطح بن اثاثہ کی بہن ہیں۔ مرثیے کے شعر:

وانجدهم خير من ركب المطايا – وألومهم . إذا لبثوا جدودا

قد كنت بدراً ونوراً يستضاء به – عليك تنزل من ذي العزة الكتب ۳

عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل کے مرثیے کے شعر:

فكيف حياتي بعد الرسول – وقد حان من ميتة حينها ۴

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کی خادمہ تھیں، حضرت زید بن حارثہ کی زوجہ اور اسامہ بن زید کی والدہ محترمہ، وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مرثیہ کہتی ہیں۔

عين جودي فإن بذلك للدمع – شفاء فأكثري من البكاء

حين قالوا الرسول أمسى فقيدا – ميتا كان ذاك كل البلاء

فلقد كان ما علمت وصولا – ولقد جاء رحمة بالضياء

ولقد كان بعد ذلك نورا – وسراجا يضيء في الظلماء

طيب العود والضريبة والمعـ – ـدن والخيم خاتم الأنبياء ۵

حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدة النساء، البضعة النبوية، أم الحسنين، زوج علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں اسلئے بہت پیاری تھیں ۲ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی جبکہ آپ کی عمر ۱۵ سال ۵ ماہ تھی۔ بقول اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں ۶۔ اور غم انگیز کیفیت طاری رہی، شعروں میں بھی یہ غم کی چھاپ نمایاں ہے۔

انا فقدناك فقد الأرض وابلها – وغاب مذ غبت عنا الوحي والكتب ۷

فليت قبلك كان الموت صادفنا – لما نعيت وحالت دونك الكتب ۷

اغبر آفاق السماء وكورت – شمس النهار وأظلم العصران

والأرض من بعد النبي كئيبة – أسفا عليه كثيرة الأحزان

يا خاتم الرسل المبارك ضوءه – صلى عليك منزل القرآن ۸

فإن كنت تمسي في التراب مغيبا – فما كنت عن قلبي الحزين بغائب ۹

أمسى بخدي للدموع رسوم – أسفا عليك وفي الفؤاد كلوم

والصبر يحسن في المواطن كلها – إلا عليك فإنه مذموم

لا عتب في حزني عليك لو انه – كان البكاء لمقلتي يدوم ۱۰

حضرت فاطمہ رض کے دو شعروں کو تو بقائے دوام حاصل ہے وہ یہ ہیں۔

ماذا على من شم تربة احمد – ان لا يشم مدى الزمان غواليا

صبت علي مصائب لو انها – صبت على الايام صرن لياليا ۔ ۱۱

---

① طبقات ابن سعد ص ۲/۳۲۸ تا ۳۳۰ ② حوالہ مذکورہ ص ۳۳۰، ۳۳۱ ③ حوالہ مذکورہ ص ۳۳۱، ۳۳۲
④ حوالہ مذکورہ ص ۳۳۲ ⑤ طبقات ابن سعد ص ۲/۳۳۲، ۳۳۳ ⑥ اردو دائرہ معارف الاسلامیہ جلد ۱۵ ص ۹۱، ۹۲
⑦ العقد الفرید ص ۲/۱۵۳، ۱۵۲ ⑧ دیوان حضرت علی ص ۶ حاشیہ، الحمدہ ص ۲/۱۳۳ پر یہ شعر الکمیت بن زید الاسدی سے منسوب ہیں ⑨ حوالہ مذکورہ ص ۱۹ حاشیہ ⑩ حجة الله على العالمين النبهاني ص ۷۱۲ ⑪ حوالہ مذکورہ، الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی ص ۸۳۱، مدارج النبوۃ رکن چہارم ص ۷۸۶ طبع سکھر

قُتَیلہ بنت النضر بن الحارث۔ مشہور مکی سردار النضر بن الحارث کی بیٹی تھیں، النضر اسلام دشمنی میں مشہور تھا۔ فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کا حکم دیا چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا، بیٹی نے دردناک شعر کہے اور بعض روایات میں ہے کہ طواف کے دوران چادر کھینچ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے جس سے آپ کا کندھا بھی ننگا ہو گیا آپ ان اشعار سے اسقدر متاثر ہوئے کہ روتے رہے حتی اخضلت الدموع لحیتہ وقال لو بلغنی شعرھا قبل ان اقتلہ لعفوت عنہ۔ شعر یہ ہیں

یا راکباً إن الأثیل مظنۃ ۔ من صبح خامسۃ وأنت موفق۔

أمحمد ولأنت ضنء نجیبۃ ۔ من قومھا والفحل فحل معرق۔

ما کان ضرک لو مننت وربما ۔ منّ الفتی وھو المغیظ المحنق [1]

صحابہ کرام کی مدحیہ شاعری کا عمومی جائزہ

عہد صحابہ کرام میں قرآن مجید کے نزول، احکامات الٰہیہ کے نفاذ اور تبلیغ اسلام کی عملی جدوجہد کی وجہ سے شعر کی وہ حیثیت نہ رہی جو اسے جاہلی دور میں حاصل تھی، یہ کیفیت شعر سے نفرت یا تعلیمات اسلامیہ کی شعر پر کسی قدغن کی بنا پر نہ تھی بلکہ بتقاضائے حالات اور ضروری مسائل کی طرف ذہنی جھکاؤ کا نتیجہ تھی۔ جونہی یہ فضا بدلی شعر اپنی پوری قوت کے ساتھ عرب معاشرے میں اپنی سطوت منوانے لگا۔ اس "تموجی عرصہ" کے دور میں بھی اس عطیۂ فطرت سے مکمل صرف نظر نہ ہو سکا تھا بلکہ صحابہ کرام کی کثیر تعداد "عروس شعر" کی تزئین و آرائش میں مصروف رہی تھی۔ اس حقیقت کے ادراک کے لئے تاریخ صحابہ کی امہات الکتب میں سے کسی ایک کا مطالعہ ہی کافی ہوگا۔ الاستیعاب لابن عبدالبر، اسد الغابۃ لابن اثیر، الاصابہ لابن حجر، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، تاریخ طبری یا سیرت النبی لابن ھشام کے صفحات گواہ ہیں کہ شاعری کا ایک سیل رواں تھا۔ قبائل دربار رسالت میں حاضر ہوتے تو اپنی عرضداشت شعر کے روپ میں پیش کرتے، تنگ دستی کا عالم ہو یا بدحالی کا، معاشرتی پریشانی ہو یا معاشی قحط سالی، ان کے جذبات شعر کے قالب میں ڈھلتے اور یہ شعری گذارشات، دربار رسالت میں باریاب ہوتیں اور ان کے جذبات کا اعتراف کیا جاتا۔

مختلف اصناف سخن میں مدح نگاری کو زیادہ توجہ ملی، ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شیفتگی اور محبت کو شعر کی زبان ملی تو وجود مقدس کا ہر پہلو شعر کا موضوع بنا اور مدح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک مستقل صنف کی حیثیت سے رواج پذیر ہوئی۔ مدح نگاری کا ہیئتی ڈھانچہ قدیم اسلوب سے مستعار تھا مگر اس میں اسلامی تعلیمات کے اثرات راہ پا رہے تھے، یہ اثرات دو گونہ تھے، الفاظ و جمل کی ہیئت ظاہرہ کی شکل میں بھی اور موضوع و معانی کے داخلی حوالے سے بھی۔

الفاظ و مفردات میں خشونت کم ہو گئی۔ یہ لہجہ کی درشتی جاہلی دور کی صحرائی زندگی کا تقاضا تھی، ہمہ وقت برسر پیکار قبائل لفظوں کے تیر بھی برساتے تھے اس لئے وحشی کلمات کا انتخاب زیب دیتا تھا۔ اسلام میں سلامتی مقصد حیات تھی حسن خلق کی دولت بٹ رہی تھی اس لئے مزاج کے دھیمے پن نے ان کی زبان کو بھی شائستہ اور نرم خو بنا دیا تھا۔ قرآن کا لہجہ انہیں دعوت فکر دیتا تھا اور قرآنی کلمات وعبارات ان کے ذوق ادب کی تہذیب کر رہے تھے اس لئے پاکیزگی کی فضا قائم ہو گئی، دور از کار تشبیہات اور غیر مانوس استعارات متروک ہوتے گئے۔ اور زبان عام زندگی کے قریب آ گئی، اسلامی طرز حیات اور طریق عمل سے کئی نئے مفردات و جمل پیدا ہوئے۔ اس طرح جاہلی دور کے چند کلمات کا ترک بے شمار نئے الفاظ کی تولید کا سبب بنا اور زبان مالا مال ہو گئی۔

مضامین کے اعتبار سے فخر و مباہات، جوانمردی و دلاوری، سرفروشی و جانثاری حسب سابق موضوع شعر رہے مگر ان میں پاکدامنی و عفت مآبی۔ ایثار و قربانی، خدا ترسی و خدا شناسی، حسن خلق و حسن سیرت کا اضافہ ہوا۔ مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں روحانی عنصر اور اخلاقی تعلق کو تمام صفات سے برتر مقام ملا۔ عہد صحابہ کی مدح نگاری کا بعد کی مدحیہ شاعری سے تقابل کیا جائے تو ان کے ہاں ہوشمندانہ فریفتگی کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ کہیں تجاوز عن الحد نہیں، کہیں مقام نبوت کی تفہیم یا اعتراف میں بے قاعدگی نہیں۔ پیغمبرانہ جلال کا تذکرہ، حسن و جمال کا لطف اور حسن سیرت کا مرقع اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت بھی طاری ہوتی ہے اور انس بھی بڑھتا ہے۔ انداز نگارش میں سلاست اور اسلوب کلام میں جاذبیت ہے، مافی الضمیر میں کوئی ابہام یا ذہنی گرہ نہیں، بس وہ سیدھی ہے۔

---

(۱) الاستیعاب ص ۷۵۶/۲، ۷۵۷، الاصابہ ص ۴/۳۷۸، اسد الغابہ ص ۵/۵۳۳۔ المجموعۃ النبھانیہ ص ۳۸/۱
حالات کیلئے الاعلام ص ۲۸/۶

اسلئے الفاظ عام فہم اور اثر آفریں ہیں۔
صحابہ کرام کی مدحیہ شاعری کے متعلقات کا طائرانہ جائزہ حسب ذیل مضامین کی نشاندہی کرتا ہے
۱۔ انہیں ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ عظمت کا اعتراف اور آپ کی فرستادہ الٰہی ہونے کی حیثیت پر یقین ہے اس لئے آپ ان کی توجہ و عقیدت کا مرکز ہیں۔ العباس بن مرداس کہتے ہیں۔

یا خاتمَ النُّبَآءِ إنّکَ مُرسَلٌ - بالحقِّ کلُّ ھُدی السّبیلِ ھُداکا
إنّ الإلٰہَ بَنیٰ علیکَ محبّۃً - فی خلقِہٖ و محمّداً سمّاکا ۱

بحفیۃ بن النعمان العتکی الازدی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یا عمرو إن کان النبیّ محمد قد - أتی بہ الأمر الذی لا یدفع
فقلوبنا فرحی وما دموعنا - جارع أعناق البریۃ خضع ۲

۲۔ انہیں یقین تھا کہ آپ انسان ہیں مگر بے مثل ہیں کہ آپ کا وجود تخلیق کا شہکار ہے۔
ابو سفیان بن الحارث کہتے ہیں:

لَم تَرَ أمثالَہُ فی النّاسِ حَیّاً - وَلیسَ لہُ مِنَ الموتیٰ عَدیلُ ۳

انس بن زنیم کا یقین ہے کہ

فما حملت من ناقۃ فوق رحلہا - أعفّ وأوفیٰ ذمّۃ من محمد ۴

اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ قطعہ تو ضرب المثل ہو چکا ہے۔

وَأحسنُ منکَ لم ترَ قَطُّ عَینی - وَأجملُ منکَ لم تلدِ النّساءُ
خُلقتَ مُبرّءاً من کلِّ عیبٍ - کأنّکَ قد خُلقتَ کما تشاءُ ۵

۳۔ آپ کا ہر عمل قابل تقلید اور واجب الاتباع ہے کہ آپ کی زندگی الٰہی پناہ میں ہے۔
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

نطیعُ نَبیّنا وَنطیعُ رَبّاً - ھُو الرّحمٰنُ کانَ بِنا رَؤُفا ۶

الطفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَأنّ محمداً عبدٌ رسولٌ - دلیلُ ھُدیً وَمُوضحُ کُلِّ رُشدِ
وَأنّ اللہَ جَلَّلَہُ بَہاءً - وَأعلیٰ جَدَّہُ فی کُلِّ جَدِّ ۷

۴۔ حسن صورت، حسن سیرت کی طرح راہبر و راہ نما ہے۔
حضرت حسان کہتے ہیں۔

متیٰ یَبدُ فی الدّاجی البَہیمِ جَبینُہُ - یَلُحْ مثلَ مِصباحِ الدُّجیٰ المُتوَقِّدِ
فمَن کانَ أو مَن قد یکونُ کأحمدٍ - نظامٌ لِحقٍّ أو نکالٌ لِمُلحِدِ ۸

حضرت عبداللہ بن رواحہ کہتے ہیں۔

رُوحی الفداءُ لِمَن أخلاقُہُ شَہِدَت - بأنّہُ خیرُ مولودٍ مِنَ البَشَرِ
لَو لَم یکُن فیہِ آیاتٌ مُبیّنۃٌ - کانَت بَدیہتُہُ تُغنی عَنِ الخَبَرِ ۹

۵۔ دین و دنیا میں انہیں کی ذات قابل توجہ ہے طالب نجات ان کے در کا گدا اور حسنات دنیا کا طلبگار انہیں کا ذکر رہا ہے۔
حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

عَمّت فضائلُہُ کُلَّ العِبادِ کما - عَمَّ البَریّۃَ ضَوءُ الشّمسِ وَالقَمَرِ ۱۰

---

① سیرت ابن ہشام ص ۴/۹۵ - الاستیعاب ص ۲/۴۸۸، المجموعۃ النبہانیہ ص ۱/۷۵ ② الاصابہ ص ۳/۳۲۵
③ اسد الغابہ ص ۵/۲۱۵، الاستیعاب ص ۲/۶۸۸ ④ الاصابہ ص ۱/۸۲، ص ۲/۳، الاستیعاب ص ۲/۶۳۱، اسد الغابہ ص ۱/۱۹۵
ص ۵/۱۳۲، ۱۲۱ ⑤ دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۱۰ ⑥ سیرت ابن ہشام ص ۴/۱۲۲ ⑦ الاصابہ ص ۲/۲۱۶
⑧ دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۱۰۱ ⑨ المجموعۃ النبہانیہ ص ۱/۶۳ ⑩ حوالہ مذکورہ۔

اسود بن مسعود الثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

أَنْتَ الرَّسُولُ الَّذِي تُرْجَى فَوَاضِلُهُ ۔ عِنْدَ الْقُحُوطِ إِذَا مَا أَخْطَأَ الْمَطَرُ ۱

طالب بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

يُطِيفُ بِهِ الْعَافُونَ يَغْشَوْنَ بَابَهُ ۔ يَؤُمُّونَ بَحْرًا لَا نَزُورًا وَلَا صَرًى ۲

ایک اعرابی حاضر دربار ہو کر مستغیث ہوا

وَلَيْسَ لَنَا إِلَّا إِلَيْكَ فِرَارُنَا ۔ وَأَيْنَ فِرَارُ النَّاسِ إِلَّا إِلَى الرُّسُلِ ۳

۶۔ آغاز اسلام میں عربوں کی مخالفت بالکل فطری رد عمل تھا ۔ انسان کو اپنا دین اور اپنا عقیدہ ہمیشہ ہی عزیز رہا ہے۔ یہ حق عربوں کو بھی حاصل تھا، اسی لئے مخالفت کی اس تیز اندھی کے باوجود رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بد دعا کے لئے نہ اٹھے، بڑے بڑے مخالف حاضر ہوئے تو خوشدلی سے معاف کر دیا گیا، ذات سرکار صلی اللہ علیہ وسلم پر تشدد روا رکھنے والے بھی عفو و در گذر کے مستحق ٹھہرے مگر اس عمومی عفو کی فضا میں کچھ ایسے واقعات بھی ہوئے جن کا سدباب ضروری تھا۔ یہ زبان درازی اور دشنام طرازی کے اثرات تھے اس لئے مسلمان شعراء کو رد عمل کے طور پر ہجو نگاری کی اجازت ملی اور ہجو یہ شاعری کی بنیاد پڑی۔ اسلامی تعلیمات نے اس صنف سخن کو بھی آداب آشنا کر دیا اور شخصیت کشی کی ممانعت ہوئی ۔ دفاع مقصود تھا حملہ نہیں اسلئے عہد صحابہ کی ہجو یہ شاعری "دفاعی شاعری" کے زمرے میں آتی ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس میدان میں "اسلامی لشکر" کے سپہ سالار تھے فرماتے ہیں۔

أَتَهْجُوهُ وَلَسْتَ لَهُ بِكُفْءٍ ۔ فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ ۴

سَمَّاهُ مَعْشَرُهُ أَبَا حَكَمٍ ۔ وَاللَّهُ سَمَّاهُ أَبَا جَهْلِ

فَمَا يَجْنِي الدَّهْرُ مُعْتَبَرًا ۔ إِلَّا وَمِنْ جَهْلِهِ يَغْلِي ۵

۷۔ عربوں میں خاندانی شرافت و نجابت پر فخر ان کی شاعری کا اہم موضوع تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے ایک معزز اور قابل احترام قبیلے میں سے تھے اسلئے مداحین کی نظریں اس وجہ افتخار کی طرف اٹھتی رہیں، اسلام نے تفاخر بالآباء کی حوصلہ شکنی کی ہے اسلئے اس پر محتاط روش رہی اور ذوق تفاخر کی تسکین کے لئے "نسبی عظمت" کو تخلیقی انفرادیت سے ہم آہنگ کر لیا گیا اور خلقت آدم کے حوالے سے بات کی گئی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اشعار میں یہ تصور بڑا واضح ہے۔

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَفِي ۔ مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ ۶

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اسی عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

نَبِيٌّ لَهُ فِي قَوْمِهِ إِرْثُ عِزَّةٍ ۔ وَأَعْرَاقُ صِدْقٍ هَذَّبَتْهَا أُرُومُهَا ۷

۸۔ جزیرۂ عرب کی معاشی مشکلات نے عربوں کو اکثر قحط سالی کا شکار کیا، ندی نالوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے بارش ہی حصول آب کا واحد ذریعہ تھی اور جب یہ رک جاتی عربوں کی جان پر بن آتی ، اب انہیں ایک ایسا دربار مل گیا تھا جہاں وہ ان پریشانیوں کا مداوا بھی تلاش کرتے تھے "بدوی عرب مدینہ منورہ آتے تو بارش کی دعا کی استدعا کرتے، اللہ کا کرم ہوتا تو ممنونیت کے جذبات کو شعر کا قالب عطا کرتے، عمر بن الخطاب کہتے ہیں۔

یا نبی الھدی الیک لجا ۔ ی قریش وانت خیر لجاء

حین ضاقت علیھم سعة الأرض وعاداھم إلٰه السماء ۸

جناب ابوطالب کے اشعار میں اس طلب رحمت کا بڑا واضح حوالہ موجود ہے۔

۹۔ مرثیہ نگاری عربوں کے قدیم ادب میں بھی موجود ہے۔ مگر اس میں متوفی کے حسب و نسب کا حوالہ اس کے معاشرتی درجے کا ذکر اور کارہائے نمایاں کی فہرست گنوائی جاتی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میں صرف ایک عرب سردار کی وفات کا منظر نہ تھا ۔ کائنات کے محسن اور ملت اسلامیہ کے ہادی کی پردہ پوشی تھی اسلئے جذبات میں ہیجان تھا ۔ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ایک رسول کے روپ میں دیکھا تھا اور آپ سے کسب فیض کیا تھا ۔

---

① الاصابہ ص ۶۱/۱ ② سیرت ابن ہشام ص ۲/ ۳۹۷ ③ المجموعۃ النبھانیہ ص ۱/ ۲۵ ④ دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۸/ ⑤ شرح دیوان حسان البرقوقی ص ۳۲۲، ۳۲۵ ⑥ اسد الغابہ ص ۲/ ۱۱۱ - الاستیعاب ص ۱/ ۱۶۱، الملل والنحل ص ۳/ ۲۸۹، الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۵۰ ⑦ سیرت ابن ہشام ص ۲/ ۳۹۵

⑧ الاستیعاب ص ۱/ ۳۳۶، اسد الغابہ ص ۳/ ۷۰، الاصابہ ص ۲/ ۲۰۱

وہ چاہتے تھے کہ یہ راہنمائی انہیں تا ابد حاصل رہے' ان کی نظروں نے جلوۂ محبوب کا مشاہدہ کیا تھا۔ اس لئے وہ اس محرومی نگاہ پر نوحہ کناں تھے' اس سلسلے میں مستورات کے جذبات زیادہ شدید تھے' خاندان نبوت کی تقریباً سب عورتوں نے مراثی لکھے' مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

وَاللّٰهِ أَسْمَعُ مَا حَيِيتُ بِهَالِكٍ - إِلَّا بَكَيْتُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدِ (حضرت حسان رض) ۱

وَمَا فَقَدَ الْمَاضُونَ مِثْلَ مُحَمَّدٍ - وَلَا مِثْلُهُ حَتَّى الْقِيَامَةِ يُفْقَدُ (حضرت حسان رض) ۲

أَفَاطِمُ إِنْ جَزِعْتِ فَذَاكَ عُذْرٌ - وَإِنْ لَمْ تَجْزَعِي فَهُوَ السَّبِيلُ (ابو سفیان بن الحارث رض) ۳

فَقَبْرُ أَبِيكِ سَيِّدُ كُلِّ قَبْرٍ - وَفِيهِ سَيِّدُ النَّاسِ الرَّسُولُ

وَتَبْكِي الْأَبَاطِحُ مِنْ فَقْدِهِ - وَتَبْكِيهِ مَكَّةُ وَالْأَخْشَبُ (صفیہ بنت عبد المطلب) ۴

فَيَا قَبْرَ النَّبِيِّ وَصَاحِبَيْهِ - أَلَا يَا غَوْثَنَا لَوْ تَسْمَعُونَا (النابغۃ الجعدی) ۵

رَسُولَ اللّٰهِ فَارَقْنَا وَكُنَّا - نُرَجِّي أَنْ يَكُونَ لَنَا خُلُودًا (صفیہ بنت اثاثہ) ۶

مگر پھر یہ جذبات سکون آشنا ہوتے گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تا ابد رسالت کا تصور اس حسی محرومی کا نعم البدل بنا اور مرثیہ نگاری کا عمل موقوف ہو گیا۔ مدحیہ شاعری کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مرثیہ نگاری کا وجود تقریباً ناپید ہے۔ روحانی رابطے نے شخصی تعلق کی جگہ لی اور قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے درمیان ہی پایا۔

الغرض صحابہ کرام کی مدحیہ شاعری سے عرب ادب ایک نئی صنف سخن سے متعارف ہوئی جسے 'المدائح النبویۃ' کے نام سے موسوم کیا گیا' صحابہ نے اس صنف میں پیش رو کا کردار ادا کیا' اس کے اصول و ضوابط متعین کئے اور اس راہ پر چلنے کا سلیقہ بتایا' یہی شاعری بعد کی شاعری کے لئے معیار بنی' جو جس قدر قریب آیا اسی قدر محترم قرار پایا۔

العصر الاموی والعباسی

صحابہ کرام اور ان کے معاصرین کی مدحیہ شاعری کے جائزے کے بعد ہم جب اموی و عباسی عہد پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک خلا سا نظر آتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جو عہد اسلامی تہذیب و تمدن کی ترسیخ اور علوم و فنون کی ترویج کے لئے ممتاز ہوا وہ مدحیہ شاعری کے سلسلے میں کوئی قابل فخر یا لائق اعتناء نمونہ پیش نہ کر سکا' المدائح النبویۃ' کے اس تعطل کے اسباب اس دور کے سیاسی حالات میں تلاش کئے جا سکتے ہیں۔

خلافت راشدہ کے اختتام پر ملت اسلامیہ انتہائی پریشان کن حالات کا شکار ہوئی' وہ تلوار جو خدمت اسلام کے لئے بے نیام ہوئی تھی اپنوں کا گلا کاٹنے لگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخر بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہی سے افتراق نے قدم جما لئے تھے' بنو ہاشم اور بنو امیہ کا قضیہ نیا نہ تھا مگر اسلامی تعلیمات نے اسے غیر موثر بنا دیا تھا' جونہی گرفت کمزور ہوئی اس قبائلی فتنے نے سر اٹھایا' اب اس کا دائرہ اثر بہت وسیع تھا حتیٰ کہ استحقاق خلافت و نجابت کے معیار سے ہٹ کر قبائلی تعصب پر انحصار کرنے لگا۔ کہنے کو تو بنو امیہ کے دور میں بھی صحابہ کرام کی کثیر تعداد موجود تھی مگر اب ان کی جمعیت منتشر تھی' انہوں نے حالات کا رخ دیکھ لیا تھا اس لئے تبلیغ اسلام کی خاطر وہ پوری سلطنت اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ اس سے تبلیغی مقاصد کو بڑی تقویت ملی مگر ساتھ ہی مدینہ کی مرکزیت دمشق منتقل ہو گئی' وہاں شامی گروپ برسر اقتدار تھا جو بنو امیہ کا سب سے بڑا سہارا تھا۔ بنو امیہ کے نوے سالہ (۴۱ھ تا ۱۳۲ھ) دور حکومت میں سلطنت کی حدود بہت وسیع ہوئیں مگر باہمی چپقلش اور قبائلی رزم آرائی بھی شدید ہوتی گئی' سلطنت کی توسیع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مخالف گروہ اپنے مراکز کی تلاش میں مصروف عمل رہے تاکہ دار الحکومت سے دور مضبوط پناہ گاہیں قائم کر سکیں اور یوں حکومت کی گرفت سے آزاد ہو کر من مانی کر سکیں' عراق و ایران' کا علاقہ اس لحاظ سے زیادہ محفوظ تھا اسلئے بنو امیہ کی خلافت کو ختم کرنے میں کامیاب ہوا۔ عباسی دور حکومت تقریباً پانچ صدیوں پر محیط ہے (۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ)

---

(۱) دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۹۸' سیرت ابن ہشام ص ۴/۳۵۰' طبقات ابن سعد ص ۲/۳۲۳ (۲) دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۹۵' سیرت ابن ہشام ص ۴/۳۴۹ (۳) اسد الغابہ ص ۵/۲۱۵' الاستیعاب ص ۲/۶۸۸ (۴) الاستیعاب ص ۱/۳۱۳ (۵) طبقات ابن سعد ص ۲/۳۲۸ (۶) طبقات ابن ص ۲/۳۳۱

اسلامی سلطنت اس وقت کی معلوم دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی اس لئے ہر طالع آزما ادھر کا رخ کرنے لگا۔ خلفاء کے دربار میں ان کی بڑی پزیرائی ہوئی اس طرح پوری دنیا کا علم وفنون سمٹ کر دربار بغداد کی زینت بنا۔ دولت کی فراوانی اور آسائشوں کی بہتات نے اس خوشحال معاشرے میں کئی قباحتوں کو بھی جنم دیا۔ علوم وفنون کے ارتقاء کے باوصف یہ دور خالص اسلامی اقدار سے ہٹنے لگا اور برائی کی کئی شکلیں تہذیب کا لبادہ اوڑھے پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جانے لگیں۔

جہاں تک شعر وشاعری کا معاملہ ہے تو اس میں بھی محسوس تغیر رونما ہوا۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے دور میں شعر کا قبلہ درست ہوا شعر اب لیست خیالات کے اظہار کا ذریعہ نہ رہا بلکہ یہ ملت اسلامیہ کے لئے ایک موثر ہتھیار ثابت ہوا۔ مقصدیت پسندی نے جاہلی انداز فکر بدلا اور مضامین شعر میں انقلاب آیا مگر بدقسمتی سے اموی دور میں شعر رجعت قہقہری کا شکار ہوا اور پھر سے جاہلی روش پر چل نکلا۔ اس ترقی معکوس کے اسباب معاشرتی بھی ہیں اور سیاسی بھی، معاشرتی یہ کہ سلطنت کی حدود تیزی سے پھیل رہی تھیں مگر تعلیمات اسلامیہ کا اثر ونفوذ اس مناسب سرعت سے راسخ نہ ہوا خلافت راشدہ میں توسیع سلطنت کا مقصد اشاعت اسلام تھا۔ اموی دور میں یہ مقصد اتنا واضح نہ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ ھ) کے دور میں پھر سے اس کی طرف توجہ دی گئی اور کچھ نتائج بھی برآمد ہوئے مگر یہ دور بہت مختصر تھا۔ عہد عباسی کا معاشرہ اموی معاشرے کی ایک توسیعی صورت تھی سیاسی طور پر اب سلطنت پر شخصی حکمرانی تھی، خلیفہ قوم کے نمائندے کی بجائے ذات کا نمائندہ تھا اس لئے قومی بہبود سے کہیں زیادہ تحفظ ذات اور تعمیر شخصیت کے مقاصد پیش نظر تھے۔ عہد صحابہ میں مدحیہ شاعری ایک ایسی شخصیت کے گرد گھومتی تھی جو سب کے لئے محترم اور ہر ایک کی محبوب تھی، اسی لئے تو خلفاء اربعہ کی اپنی سیاسی حیثیت کے باوجود مدح کا موضوع ایک ہی ذات رہی اور کسی کے ہاں بھی شعراء کی ناز برداری نہ ہوئی مگر بعد کے دور میں خلیفہ کی ذات ممدوح کی حیثیت سے سامنے آئی، شعراء اس کی مدح میں ساری توانائیاں خرچ کرتے رہے۔ مدح خوانی کا مرکز خلیفہ کی ذات یا اس کے خدام وحشم تھے، شعراء ان کے درباروں کا رخ کرتے اور داد ودہش سے نوازے جاتے، شعراء کی معاشرتی حیثیت کے پیش نظر انہیں اپنایا جاتا اور سیاسی مخالفین کی آواز دبانے کیلئے ان کی بیساکھی استعمال کی جاتی۔ ایسے ماحول میں المدائح النبویۃ، ایک مجبولی لیری روایت بن کر رہ گئے۔

عہد اموی وعباسی میں المدائح النبویہ سے عدم توجہی کے اسباب:

۱۔ سیاسی گروہ بندیاں۔

مسلم معاشرہ سیاسی وابستگیوں کی بنیاد پر کئی گروہوں میں بٹ چکا تھا مثلاً حامیان بنی امیہ، مداحین اہل بیت وخوارج وغیرہ، ہر گروہ اپنی سیاسی ساکھ کی بحالی کیلئے کوشاں تھا اور سب کو اپنی اس جدوجہد میں شعراء کی ضرورت تھی، سرپرستوں کے حوالوں سے شعراء بھی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر شاعر کا اپنا ممدوح تھا جس کی تعریف وتوصیف اس کے فرائض میں شامل تھی، اس تعریف وتوصیف میں مدمقابل کو نیچا دکھانا مقصود ہوتا تھا اسلئے ہر قسم کا مبالغہ روا رکھا گیا، حد سے تجاوز معمول بنا اور اس تجاوز میں اسلامی عقائد ارکان کا بھی لحاظ نہ رہا۔ احمد الاسکندری کہتے ہیں۔

"ولقد تملق كثير من الشعراء بالروح الدينى، أغرق الشعراء فى تملق الممدوحين بأوصاف الإلهة الانبياء وتبع ذلك كثرة المبالغات فى كل اوصاف الشعر وأحكامه"[1]

خلفاء اپنی سیاسی ضرورت کے دباؤ کی وجہ سے بعض ناگفتنی باتوں سے صرف نظر کرتے رہے۔ بنو امیہ کی ابتداء سے ہی یہ طریق کار اپنایا گیا اور پھر "توسع فى ذلك بنو مروان فاستمعوا له فى حق وغير حق وأجازوا عليه الجوائز السنية"[2]۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "تسابق الشعراء إلى اختراع المعانى التى تعجب أولياء الأمر فكالوا منحا لكل ما لا يستحق"[3]

خلفاء کے ہاں شعر بحیثیت شعر اتنا اہم نہ تھا جتنا اس کا اثر اور نتیجہ اسلئے کہ ان کی پسند سیاسی تھی، زکی مبارک کہتے ہیں "ان رجال السياسة لا يحبون الشعر للشعر ولا العلم للعلم وإنما يتخذون الشعراء والعلماء مطايا لأغراضهم السياسية"[4]

---

(۱) المفصل فى التاريخ الادب العربى للمدارس الثانويه۔ احمد الاسكندرى ص ۱/۱۲۴ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۱۲۹
(۳) حوالہ مذکورہ (۴) الموازنہ بين الشعراء زكى مبارك ص ۱۵

۲۔ مذہبی فرقہ بندیاں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مسلم معاشرے میں مذہبی گروپ نمایاں ہونے شروع ہوئے۔ ہر گروہ کا مرکزِ عقیدت وہ تھا جس سے اس کی پہچان ہوتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے عقیدت مسلمان ہونے کا نشان تو بن سکتی تھی کسی گروپ کا خاص نشان ثابت نہ کرتی تھی اور ضرورت اپنے گروہی پہچان کی تھی اسلئے شعراء نے اپنے اپنے گروپ کے نمایاں افراد کو موضوعِ مدح بنایا۔ اہلِ سنت کے ممدوحین خلفاء راشدہ تھے تو حامیانِ اہلِ بیت کا مرکز بنو ہاشم تھے۔ اگر عبداللہ بن قیس الرقیات خاندانِ قریش پر فخر کرتا تھا ⑴۔ تو ابوالاسود الدؤلی اور الکمیت اہلِ بیت کے تذکروں سے اپنے اشعار کو زینت دیتے تھے مثلاً

أيها المشتهي فناء قريش ۔ بيد الله عمرها والفناء
أن تودع من البلاد قريش ۔ لا يكن بعدهم لحي بقاء (عبداللہ بن قیس الرقیات) ⑵
كأن الناس إذ فقدوا عليا ۔ نعام جال في بلد سنينا (ابوالاسود الدؤلی) ⑶
بني هاشم رهط النبي فإنني ۔ بهم ولهم أرضى مرارا وأغضب (الکمیت) ⑷

۳۔ ہوسِ زر

شاعری دل کی آواز نہ تھی ایک روزگار بلکہ بہر وقتی کاروبار تھی، اُس دور میں مجموعہ یا دیوان مرتب ہو کر چھپنا تو ممکن نہ تھا کہ اس کی رائلٹی سے پیٹ بھرا جا سکے، اس زمانے میں تو خلفاء و امراء کی نوازشات ہی تھیں جو روزگار کا ذریعہ تھیں اس لئے ہر ممکن طریق سے ان کی توجہ حاصل کی جاتی، آخر شاعر انسان تھے ان کی ضرورتیں تھیں ابن التعاویذی نے انہیں کے حوالے سے عضد الدین کی توجہ چاہی تھی، کہتا ہے۔

"فيا مولاي حل حرفة عني ۔ جاني من ملائكة السماء
وهل في الناس لو انصفت خلق ۔ يعيش كما أعيش من الهواء ⑸

شاعر فرشتہ نہ تھے اسلئے وہ اپنی مادی حوائج کو پوری کرنے کے لئے کشکولِ شعر لئے حاضرِ دربار ہوتے۔ ہر جائز و ناجائز ذریعہ آزماتے تاکہ خلیفہ متاثر ہو اور کچھ حاصل ہو جائے خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) ایک شاعر مروان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے (المتوکل باللہ (م ۲۴۷ھ) کی مدح میں یہاں تک کہا۔

كانت خلافة جعفر كنبوة ۔ جاءت بلا طلب ولا تنحل
وهب الإله له الخلافة مثلما ۔ وهب النبوة للنبي المرسل

تو خلیفہ نے خوش ہو کر پچاس ہزار درہم انعام دیا ⑹ اسی ہوسِ زر کا نتیجہ تھا کہ دادو دہش کے پیمانوں سے ممدوح ماپے جانے لگے، جہاں آب و دانہ زیادہ نظر آیا یہ مرغانِ خوش نوا وہیں اُڑ گئے حتٰی کہ بقول جرجی زیدان؛

"فلم يكن ينبغ شاعر من قبيلة أو بلد إلا وفد على الخلفاء أو غيرهم بالقصيدة يمدح يلتمس العطاء ⑺
شاعر کس طرح اپنے شعر کو زرِ خالص بناتے اسکی عمدہ مثال بشار بن برد (م ۱۶۷ھ) کے ہرجائی پن سے ظاہر ہے۔
"قيل إن بشارا امدح ابراهيم بن عبد الله العلوي لما خرج على بني العباس بالبصرة بقصيدة ميمية فضلها أبو عبيدة على ميميتي جرير والفرزدق۔ فلما انهزم ابراهيم غير بشار عنوان قصيدته ومدح بها المنصور ⑻

۴۔ دین سے بیزاری۔

دولت کی کثرت، حکومت کے تسامح اور غیر دینی عناصر کی آمد نے شرائع اسلامیہ کی محبت کم کر دی تھی اور معاشرہ آہستہ آہستہ آزاد روی کی طرف مائل ہوتا جا رہا تھا، شراب جس پر اسلام نے سخت پابندی لگائی تھی

⑴ تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۲۱۹ ⑵ حوالہ مذکورہ ص ۳۱۸، ۳۲۴ ⑶ تاریخ الادب العربی الزیات ص ۱۲۷ ⑷ اسد الغابہ ص ۴/۴۰ ⑸ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ جرجی زیدان ص ۱۳/۳ ⑹ تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۱۵۴ ⑺ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ص ۲/۵۰ ⑻ تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ۱۴/۲

دمشق اور بغداد میں جنس کم یاب نہ تھی۔ اخطل (م ۹۲ھ) ایک نصرانی شاعر تھا مگر مسلمان خلفاء کے دربار میں یوں آتا کہ "فی عنقه سلسلة ذهب فیها صلیب ذهب تنفض لحیته خمرا" [1]

اس رعایت نے اس حد تک دلیر کر دیا تھا کہ عقائد اسلام کی توہین کرنے لگا تھا:

ولستُ بصائمٍ رمضان طوعا - ولست بآکلٍ لحم الاضاحی
ولست منادیا أبدا بلیلٍ - کمثل العیر حی علی الفلاح [2]

اس کے باوجود وہ شاعر امیر المومنین تھا کیونکہ وہ خلیفہ کی ذات کے دفاع میں قلمی جنگ لڑ رہا تھا [3]

اخطل کے علاوہ دیگر مسلمان شعراء میں بھی یہ ام الخبائث مقبول ہوتی جا رہی تھی اور اس کے اوصاف پر قصیدے لکھے جانے لگے تھے بات یہاں تک بڑھی کہ ابو نواس (م ۱۹۹ھ) تو خمریات کا امام قرار پایا۔ اس کے بارے میں بروکلمان کہتا ہے "وکان ابو نواس مجاهرا بالفسوق --- وکثیرا ما افتخر بارتکاب جمیع الموبقات ما عدا الشرک --- کما سخر من الحدیث المروی فی النهی عن الخمر وأعلن طاعة إبلیس فی شربها --- واستهزأ أیضا بالحج ووقت الصلاة" [4]

روز و شب بد اعمالیوں کا دائرہ بننے والوں سے مدح رسالت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مدح ان کے بس میں نہ تھی ہاں ہزل گوئی سے دیوان بھرے جا سکتے تھے صاحب النجوم الزاهرة ابو عبد اللہ الحسین بن احمد (م ۳۹۱ھ) کے بارے میں رقمطراز ہیں

"دیوانه کبیر اکثر ما یوجد فی عشرة مجلدات والغالب علیه الهزل" [5]

۵۔ قدیم شعری روایت کے اثرات

عہد اموی میں جاہلی دور کی شاعری روایت کو استحکام ملا اور اسی کو معیار گردانا گیا لیکن اس میں بھی مبالغہ آمیزی کی بدولت خلاف واقعہ ہونے کی قباحت پیدا ہو گئی۔ جرجی زیدان کہتا ہے "کان فی الجاهلیة أقرب الی الواقع وأبعد عن المبالغة ثم أخذ یزداد مبالغة بازدیاد الحضارة والارکان الی الرخاء واضطرار الشعراء الی التزلف والتملق" [6] اور اس غلو کی مثال منصور النمری کے ہارون الرشید کی مدح میں اشعار ہیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

من لم یکن بامین اللہ معتصما - فلیس بالصلوات الخمس ینتفع [7]

مدح نبوت قدیم اغراض شعر میں موجود نہ تھی اس لیے محبوب نہ تھی کہ یہ تو دینی جذبے اور عقیدے کے حوالے سے خالص مذہبی چیز تھی، علماء و زہاد کے ہاں کی صنف شاعری فحول شعراء کو پسند نہ آتی تھی بلکہ وہ اسے کم تر شاعری کا درجہ دیتے اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اس عدم توجہی کی بعض مداح نعت پسند لوگ یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ فحول شعراء نے مدح رسالت سے اغماض نہیں کیا بلکہ وہ خود کو اس کے کم تر سمجھتے ہوئے ہمت نہ کر سکے اسی قسم کی بات ابو نواس نے کہی تھی جبکہ اس نے امام علی رضا کی مدح ترک کی۔ جب پوچھو تو میں نے ان کی عظمت و بلندی کی وجہ سے ان کی مدح ترک کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ جیسا بے حیثیت ان جیسی بلند شخصیت کی مدح نہیں کر سکتا [8]۔ علامہ النبہانی (م ۱۳۵۰ھ) اسی قسم کی بہانہ تراشی کا ذکر کرتے ہیں۔

"وقال بعض العلماء ان سبب عدم مدح البعض من مشاهیر الشعراء کالمتنبی وابی تمام والبحتری للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انما هو علمهم انهم عاجزون عما یلیق به صلی اللہ علیہ وسلم من المدح فترکوا مدحه ادبا معه علیه الصلاة والسلام"

اور پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں، "اقول لا شک فی عجزهم عما یلیق به صلی اللہ علیہ وسلم من المدح وعجز الناس کافة عن ذلک بل عجز الخلق اجمعین عن معرفة حقیقة فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم" [9]

حالانکہ ان فحول شعراء کی بے اعتنائی کا اصل سبب ان کی محرومی قسمت ہے کہتے ہیں۔

"وان مدحه من جملة الطاعات والعبادات فیحتاج للتوفیق من اللہ تعالی للعبد حتی یتیسر له فعله وهؤلاء وامثالهم لم یوفقوا لهذه الطاعة العظیمة مع علمهم لها بسبب ما اتصفوا به من اخلاق الشعراء من نحو توغلهم فی الکذب بالغ المجاوزات فی المدح ان رضوا والزم ان غضبوا فضلا عن تحدیهم علی أعراض الناس --- [10]"

---

(۱) تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۲۶۴ (۲) العمدہ ص ۲۲/۱ ۲۳۳ العقد الفرید ص ۲۰۷/۱ (۳) تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۲۶۴ (۴) تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ۲۸/۲ (۵) النجوم الزاهرة ص ۲۰۴/۴ (۶) تاریخ آداب اللغة العربیة جرجی زیدان ص ۴۶/۲ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۴۷ (۸) مسلمانوں کی سیاسی تاریخ جلد دوم ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ترجمہ محمد علیم اللہ صدیقی ص ۳۴۰، ۳۴۱ (۹) المجموعة النبهانیه ص ۱۲/۱ (۱۰) حوالہ مذکورہ ص ۱۸ (۱۱) حوالہ مذکورہ

خلاصہ کلام یہ کہ عہد اموی و عباسی کے سیاسی، گروہی اور اخلاقی حالات مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سازگار نہ تھے شعراء کو مدحِ خلفاء سے فرصت نہ تھی اور ناقدین کو صنفِ نعت میں ادبی چاشنی دستیاب نہ تھی مادی حوائج کا حصول انتہائے خواہش تھا اور اس خوشحال معاشرے میں زندگی کی تلخی بھی نہ تھی کہ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی دی جائے، مدحِ رسالت زبان کا وظیفہ نہیں دل کی پکار ہے وہ دل جو دردِ محبت سے سرشار اور فراقِ محبوب میں بے قرار ہو، اس عمومی بے اعتنائی کے دور میں علماء کی محافل اور اہلِ دل کے زاویے ایسے جزیرے تھے جہاں روحانی رابطوں کی قدر و قیمت تھی اسلئے وہاں نعت پیغمبر علیہ السلام سے کچھ رونق نظر آتی ہے ہم ان چند منتخب لوگوں کا اجمالی تذکرہ مناسب خیال کرتے ہیں جو اس عظیم فن کی آبیاری میں مصروف رہے ہیں۔

بنو امیہ کے عہدِ خلافت کے فحول شعراء کو مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، الاخطل نصرانی تھا اس لئے اس سے ایسا تقاضا نہ کیا جاسکتا تھا۔ جریر (م ۱۱۰ھ) خاندان امیہ کا مداح رہا اور اسے اس مداح خوانی سے فرصت نہیں ملی الفرزدق (م ۱۱۰ھ) کے دل کے کسی گوشے میں حبِ اہلِ بیت کی ایک رمق موجود تھی مگر وہ بھی حصولِ زر کی خاطر اموی خلفاء کے گروہی چکر لگاتا رہا۔ البتہ کبھی کبھی لگتا ہے اس کے اندر کی آواز اس کے اشعار میں سنائی دیتی، ایسی ہی ایک آواز اس کے لئے امتحان ثابت ہوئی تھی، الفرزدق (م ۱۱۰ھ) اور الکمیت کے ہاں مدحِ اہلبیت کے عمدہ اشعار ملتے ہیں جنہیں المدائح النبویۃ سے ایک اضافی نسبت ہے اس لئے بہتر ہوگا کہ ان کا ذکر مدحِ اہلِ بیت کے مستقل عنوان کے تحت آخر پر کیا جائے۔

بنو عباس کے دور میں بھی مدحِ رسالت کے لئے فحول شعراء مثلاً بشار ابن برد (م ۱۶۷ھ) ابو تمام (م ۲۳۱ھ) ابو نواس (۱۹۹ھ) البحتری (م ۲۸۴ھ) المتنبی (م ۳۵۴ھ) اور المعری (م ۴۴۹ھ) کا رویہ مناسب نہ تھا۔ صرف ابو العتاھیہ (م ۲۱۱ھ) ایک استثناء ہے کہ جس کے کلام میں مدحِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند نمونے دستیاب ہیں۔ البتہ اس دور کے علماء میں ذوقِ شعری کی کمی نہ تھی اسلئے ان کے ہاں مدحیہ شاعری تلاش کی جاسکتی ہے، عباسی دور کے آخر پر امام البوصیری کا وجود غنیمت ہے جنہوں نے مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کا مشن بنایا اور قابلِ فخر قصائد کہے جن میں فنی پختگی اور قلبی حرارت کا حسین امتزاج ہے

چند مدح نگار:

بنو امیہ کے دور کی ابتداء ہی میں دو نہایت قابلِ احترام وجود ایسے ہیں جن کے گرد عقیدت و محبت کا ہالہ بنا ہوا ہے اسلئے ان کے بارے میں ہر اچھی خبر مستند تصور کر لی جاتی ہے اور معاصر تاریخی نوشتوں کی سند حاصل کرنے کی سعی بھی نہیں کی جاتی۔ امام علی بن الحسین زین العابدین (م ۹۴ھ) تاریخ اسلام کی محترم شخصیت ہیں خاندانِ اہلِ بیت کی نسبت کی وجہ سے ان کی ذات عقیدت کی آماجگاہ ہے آپ سے دس شعروں کا ایک قطعہ منسوب ہے۔ جس میں ماحول کی تلخی اور حالات کی ناسازگاری کا عکس نمایاں ہے اور ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی ہے کہ وہی ذات دنیا و آخرت میں غمزدہ انسانوں کی پناہ گاہ ہے۔ قصیدہ برصغیر کی عقیدت مندانہ فضاؤں میں نہایت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اس کے اشعار زبان زدِ خاص و عام ہیں بلکہ اس پر تضمین بھی لکھی گئیں ۱۔ مگر ان اشعار کی تاریخی سند کیا ہے اور اس استناد کا علمی مقام کیا ہے۔ اس کا جواب تسلی بخش نہیں ہے قصیدے کا داخلی ہیولہ عربی ذوق سے مانوس نہیں ہے اور فارسی شاعری کے اثرات صاف دکھائی دیتے ہیں اس لئے ان اشعار کی شعری عظمت، کے باوجود ان کا انتساب محلِ نظر ہے۔ نمونۃً چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

إن نلتَ یا ریحَ الصبا یوماً إلی أرضِ الحرم — بلّغ سلامی روضۃً فیہا النبیُّ المحترم
من وجہہ شمس الضحیٰ من خدّہ بدرُ الدجیٰ — من ذاتہ نورُ الہدیٰ من کفّہ بحرُ الہمم
یا رحمۃً للعالمین أنت شفیعُ المذنبین — أکرم لنا یوم الحزین فضلاً وجوداً والکرم
یا رحمۃً للعالمین أدرک لزینِ العابدین — محبوسِ أیدی الظالمین فی الموکب والمزدحم ۲

امام ابو حنیفۃ علیہ الرحمۃ (م ۱۵۰ھ)

دوسری بڑی شخصیت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی علیہ الرحمۃ کی ہے جو فقہ حنفی کے بانی اور ملتِ اسلامیہ کی کثیر آبادی کے امام فقہ ہیں۔ آپ کی دینی بصیرت اور فقہی مہارت پر آپ کو ہر دور میں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ مستند رائے یہ ہے کہ آپ تابعین میں سے تھے کیونکہ آپ نے متعدد صحابہ کو دیکھا تھا ۳

---

(۱) فروغِ نبی دیوان دیدار علی ص ۹۰ تا ۱۰۰ (۲) ارمغانِ نعت شفیق بریلوی ص ۳۴

(۳) الفہرست ابن ندیم اردو ترجمہ ص ۴۸۲

ملا علی القاری نے الطبقات الحنفیہ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا بعض صحابہ کو دیکھنا بالتحقیق ثابت ہے ۱۔ آپ سے متعدد کتابیں منسوب ہیں ان میں ایک مدحیہ قصیدہ بھی جسے العقیدۃ النعمانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو صاحب کشف الظنون کے مطابق مطبع مجرا آستانہ میں ۱۲۶۸ھ میں شائع ہوا ۲۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ اس قصیدے کی نسبت امام ابوحنیفہ سے قابل اعتماد نہیں بلکہ محل نظر ہے ۳۔ تاریخی حوالے کے علاوہ قصیدے کا داخلی مطالعہ بھی اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ اس کا آہنگ اور اسلوب عرب ذوق کے مطابق نہیں ہے مگر یہ اعتراض شاید اتنا وزنی نہیں ہے کیونکہ یہ انداز و اسلوب عربی شاعری میں مروج رہا ہے ۴۔ اس لئے صرف داخلی شہادت قصیدے کے انتساب کی نفی کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہ قصیدہ متعدد بار چھپ چکا ہے اس کی شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ الحاج ابراہیم بن محمود التواجی نے ۱۲۶۵ھ میں استنبول میں 'مجموعۃ القصائد' کے نام سے متعدد قصائد و قطعات کا مجموعہ مرتب کیا تو اسے اس میں شامل کیا گیا ۵۔ قصیدے کا عمومی لہجہ توسل اور استغاثے کا ہے مگر اس میں خصائل و شمائل نبویہ کے اکثر تذکار بھی شامل ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِداً - أَرْجُو رِضَاكَ وَاحْتَمِي بِحِمَاكَ
وَاللهِ يَا خَيْرَ الخَلَائِقِ إِنَّ لِي - قَلْباً مَشُوقاً لَا يَرُومُ سِوَاكَ
أَنْتَ الَّذِي لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُؤٌ - كَلَّا وَلَا خُلِقَ الوَرَى لَوْلَاكَ
أَنْتَ الَّذِي لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ - مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ أَبَاكَ
لَكَ مُعْجِزَاتٌ أَعْجَزَتْ كُلَّ الوَرَى - وَفَضَائِلٌ جَلَّتْ فَلَيْسَ تُحَاكَى ۶
قَدْ فُقْتَ يَا طٰهٰ جَمِيعَ الأَنْبِيَاءِ - طُرّاً فَسُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَاكَا
وَاللهِ يَا يٰسِينُ مِثْلُكَ لَمْ يَكُنْ - فِي العَالَمِينَ وَحَقِّ مَنْ نَبَّاكَ ۷
يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الوَرَى - جُدْ لِي بِجُودِكَ وَارْضِنِي بِرِضَاكَ
أَنَا طَامِعٌ بِالجُودِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ - لِأَبِي حَنِيفَةَ فِي الأَنَامِ سِوَاكَ ۸

ابو العتاہیہ (م ۲۱۱ھ)

ابو اسحاق اسماعیل بن القاسم عہد عباسیہ کے نامور شعراء میں سے تھا جس نے اپنے شاعری میں زہد و تقویٰ کے موضوعات کو جگہ دی۔ دربار مہدی (م ۱۶۹ھ) میں ایک لونڈی عتبہ سے دل لگا بیٹھا مگر حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا اس لئے دنیا سے دل برداشتہ ہو کر بے رغبتی دنیا کو موضوع سخن بنایا۔ قادر الکلام شاعر تھا۔ یہاں تک کہ اس کا دعویٰ تھا کہ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَجْعَلَ كَلَامِي كُلَّهُ شِعْراً لَفَعَلْتُ ۹۔ شعراء کی فہرست کا یہی نمایاں شاعر تھا جس نے مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اپنے فن کا ہدیہ پیش کیا اسے احساس تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے ممدوحین سے برتر ہیں اسی لئے ان کی مدح کی جانی چاہیئے کہتا ہے۔

مُرْسَلٌ لَوْ يُوزَنُ النَّاسُ بِهِ - فِي التُّقَى وَالبِرِّ خَفُّوا وَرَجَحَ
فَرَسُولُ اللهِ أَوْلَى بِالعُلَى - وَرَسُولُ اللهِ أَوْلَى بِالمِدَحِ ۱۰

ابو العتاہیہ جدت خیال اور بداوت معانی میں ایک منفرد مقام رکھتا تھا۔ مدحیہ شعر میں اس کی جولانی طبع دیکھیئے۔

إِمَامُ هُدًى يَنْجَابُ عَنْ وَجْهِهِ الدُّجَى - كَأَنَّ الثُّرَيَّا عُلِّقَتْ بِجَبِينِهِ ۱۱

سلام بحضور خیر الانام ملاحظہ ہو۔

عَلَى رَسُولِ اللهِ مِنِّي السَّلَامُ - مَا كَانَ إِلَّا رَحْمَةً لِلأَنَامِ
أَحْيَا بِهِ اللهُ قُلُوباً كَمَا - أَحْيَا مَوَاتَ الأَرْضِ صَوْبُ الغَمَامِ ۱۲

روضۂ اطہر پر سلام کی کیفیت دیکھئے۔

سَلَامٌ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ - نَبِيِّ الهُدَى وَالمُصْطَفَى وَالمُؤَيَّدِ
نَبِيٌّ هَدَانَا اللهُ بَعْدَ ضَلَالَةٍ - بِهِ لَمْ نَكُنْ لَوْلَا هُدَاهُ لِنَهْتَدِي ۱۳

---

① حدائق الحنفیہ ص ۵۰ ② کشف الظنون ص ۲۱۱ ③ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۱/۸۴۶ ④ مدح خیر البشر نفح الطیب الورق ص ۲/۲۳۵، ۲۳۷ ⑤ مجموعۃ القصائد الحاج ابراہیم بن محمد التواجی ص ۲۰ تا ۲۴ ⑥ مجموعۃ القصائد ص ۲۰ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۲۱ ⑧ حوالہ مذکورہ ص ۲۴ ⑨ تاریخ الادب العربی للزیات ص ۲۶۸ ⑩ عربی میں نعتیہ کلام عبد الکریم نوری ص ۱۲۸ ⑪ حوالہ مذکورہ ص ۱۳۱ ⑫ حوالہ مذکورہ ص ۱۳۰ ⑬ حوالہ مذکورہ ص ۱۲۹

ابوالعتاھیۃ کی شاعری میں صحابہ کرام کی مدح کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ھدایت کا تذکرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہدایت یابی پر ممنونیت۔ مردہ دلوں کی مسیحائی اور کائنات بر رحمت تام کی کرم فرمائی، ابوالعتاھیہ کی شاعری کے بنیادی موضوعات ہیں اور یہی موضوعات صحابہ کرام کے ہاں زیادہ توجہ کے مستحق گردانے گئے تھے۔

★ محمد بن المستنیر بن احمد، ابو علی القطرب (م ۲۰۶ھ) معتزلی عالم اور کتاب "المثلث" کا مؤلف تھا۔ ۲۷ اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ جسے یاقوت الحموی (م ۶۲۶ھ) نے معجم الادباء میں نقل کیا ہے جس میں معجزات کے تذکرے کو بڑی اہمیت حاصل ہے خصوصاً ایسے معجزات کو جن میں ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوئیں یا ان میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار کے اقتباسات بھی مضمون شعر کی مناسبت سے دیئے ہیں۔ آپ کی نسبت سے شجر و حجر میں برکات کا نزول ہوا چند شعر ملاحظہ ہوں:

وَایدکَ رسولَ اللہ ۔ منّا تحیّۃٌ ۔ وَصلّی علیکَ العابدُ المتہجّدُ

فأنتَ رسولُ اللہ ھادٍ و معتبرٌ ۔ نبیٌّ مَعَ مُحَمَّدٍ الانبیاءُ خُویّدُ

فلا یقبلُ التوحیدُ اِلّا بذکرہٖ ۔ لیقرنہٗ عندَ النداءِ الموحِّدُ

مُطَھّرُ التّرکیبِ من کلِّ آفۃٍ ۔ مبارکۃ الافعالِ ما مثلُھا یُدُ

تُسلّمُ اَحجارٌ علیہ فصیحۃٌ ۔ اذا ما خلا فی حاجۃٍ یتفرّدُ

حلیمٌ رحیمٌ لیّنٌ متواضعٌ ۔ سخیٌّ حییٌّ عابدٌ متہجّدُ

وَکانَ رسولُ اللہ خوفَ صفاتِنا ۔ لیقعرَ فیہ مَن یقولُ فیجحدُ ۔ [۱]

★ ابوالطیب احمد بن الحسین المتنبی (م ۳۵۴ھ) کے ہاں نعتیہ اشعار کا ملنا ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں شاعر نے نہ معلوم کس خیال سے ابوالمنتظر شجاع بن محمد کی مدح کے دوران میں یہ شعر کہہ دیا جسے بہرحال نعت کا شعر کہا جانا چاہیئے۔

لم یخلقِ الرّحمنُ مثلَ محمدٍ ۔ اَبداً وَظنّی اَنّہٗ لا یَخلقُ [۲]

★ شیخ عبدالقادر الجیلانی الحسنی الحسینی (م ۵۶۱ھ) دنیائے تصوف کے مہر منیر اور صوفیاء کے امام سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کو شعر کا عمدہ ذوق حاصل تھا۔ ان سے متعدد اشعار اور بعض قصائد منسوب ہیں۔ قصیدہ لامیہ جسے قصیدہ غوثیہ کہا جاتا ہے سلسلۂ قادریہ میں ورد کے طور پر پڑھا جاتا ہے اس میں اپنے حوالے سے ذاتِ اقدس سے جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَکلُّ وَلیٍّ لَہٗ قَدَمٌ وَاِنّی ۔ عَلیٰ قَدَمِ النّبیِّ بدرِ الکمالِ

نبیٌّ ھاشمیٌّ مکّیٌّ حجازی ۔ وھو جدّی بہ نلتُ الموالی

اَنا عبدالقادرِ المشہورُ اسمی ۔ وجدّی صاحبُ العینِ الکمالِ [۳]

ایک اور قصیدہ جسے قصیدہ باز اشہب کہا جاتا ہے اس کا ایک شعر ہے:

اَفلَتْ شموسُ الاوّلینَ وشمسُنا ۔ اَبداً علیٰ فلکِ العلیٰ لا تغربُ [۴]

دوامِ رسالت اور رفعت بے زوال کی طرف کس عمدگی سے اشارہ کیا گیا ہے۔ "شمس" سے ذاتِ رسالت اور شموس انبیاء ماسبق مراد ہے کس خوبصورتی سے "لا نفرّق بین احدٍ منھم" [۵] کی حقیقت سمجھائی اور ساتھ "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض" کے حفظ مراتب کا احساس بھی دلا دیا [۶]

الشقراطیسی (م ۴۶۶ھ)

ابو عبداللہ بن ابی زکریا الشقراطیسی التوزری، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خلق ہونے کے بارے میں کہتے ہیں مگر اس میں مقامی اثرات اور عرب کا جغرافیائی ماحول منعکس ہو رہا ہے:

خیرُ البریّۃِ من بَدوٍ ومن حَضَرٍ ۔ واکرمُ الخلقِ من حافٍ ومنتعلِ

اَلستَ اکرمَ من یمشی علیٰ قدمٍ ۔ من البریّۃِ فوقَ السہلِ والجبلِ [۷]

---

① عربی میں نعتیہ کلام عباس ندوی ص ۱۳۲ تا ۱۳۵ ② شرح دیوان المتنبی البرقوقی ص ۹۵/۲
③ نزھۃ الخواطر الفاتر فی مناقب شیخ عبدالقادر از ملا علی القاری ص ۱۱۹، ۱۲۰ ④ حوالہ مذکورہ ص ۹۸ و زبدۃ الآثار تلخیص بہجۃ الاسرار از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۲۶ ⑤ البقرہ ۱۳۶ ⑥ البقرہ ۲۵۳
⑦ المجموعۃ النبہانیہ ص ۱۹۸/۳، ۲۱۰

۱۳۵ اشعار کا لامیہ قصیدہ معجزات، غزوات اور واقعات سیرت کے حوالوں سے بھرا پڑا ہے۔ انداز کلام عام فہم اور اثر آفریں ہے۔

اسماعیل بن محمد بن عبدوس الدھان النیسابوری، اسماعیل بن حماد الجوہری صاحب (م ۳۹۳ھ یا ۴۰۰ھ) الصحاح فی اللغۃ کے خوشہ چین تھے۔ پانچویں صدی ہجری کے آخر میں وفات پائی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور زیارت مدینہ کے لئے ان کے جذبات کی شدت ملاحظہ ہو

أُشيدك راجلاً وَوَردت آتي - تملكني سواد عيني أمتطيه
وما لي لا أسير على المآقي - إلى قبر رسول الله فيه

بالفاظ دیگر یہی بات یوں کہتے ہیں۔

أيا خير مبعوث إلى خير أمة - نصحت وبلغت الرسالة والوحيا
فلو كان في الإمكان سعي بمقلتي - إليك رسول الله أفنيتها سعيا ۱

الأبيوردي (م ۵۰۷ھ)

ابو المظفر محمد بن احمد الاموی الابیوردی، ادیب لغوی، شاعر اور مشہور مورخ تھے الابیورد خراسان میں ایک شہر ہے جو سرخس اور نسا کے درمیان واقع ہے اسکے قریب کچھ کوس پر کوفن کا قصبہ ہے جہاں ابو المظفر پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے الابیوردی کہلائے اور اصفہان میں زہر دے کر ہلاک کئے گئے۔ ۳۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں تاریخ ابیورد، تاریخ نساء، المختلف والمؤتلف اور دیوان شعر مشہور ہیں۔ ان کے دیوان کے تین حصے ہیں۔ النجدیات، العراقیات اور الوجدیات جو مخطوطوں کی شکل میں محفوظ ہیں۔ مقطعات الابیوردی ۱۲۷۷ھ کو قاہرہ سے اور دیوان ۱۳۱۷ھ کو لبنان سے چھپا تھا ۶۔ الابیوردی نے بانت سعاد کے معارضے کے طور پر لامیہ قصیدہ لکھا جس میں مروجہ انداز سے تشبیب سے ابتدا کی اور پھر گریز کرتے ہوئے شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر تذکرہ کیا دو شعر ملاحظہ ہوں۔

تحكي شمائله في طيبها زهراً - يفوح والروض مرحوم ومشمول
ممن أحبهم نال النجاة بهم - ومن أبى حبهم فالسيف مسلول ۷

الزمخشري (م ۵۳۸ھ)

محمود بن عمر، ابو القاسم الزمخشری، زمخشر بلاد خراسان میں ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے اور جرجانیہ خوارزم میں وفات پائی ۸۔ مدت دراز تک مکہ میں قیام رہا اسلئے جار اللہ کہلائے ۹۔ عربی ادب کے بلند پایہ عالم جنہیں علوم اسلامیہ پر ماہرانہ دسترس حاصل تھی، اعتزال کی طرف مائل تھے اسلئے ان کی تصنیفات میں کلامی بحثوں پر بہت توجہ دی گئی ہے۔ تصنیفات میں الکشاف فی التفسیر، المفصل فی النحو، المستقصی فی الامثال اور کئی دیگر کتابیں شامل ہیں ۱۰۔ ان کے علاوہ شعراء کا ایک دیوان بھی مرتب ہو چکا ہے ۱۱ امام الزمخشری عربی زبان کے ماہر اور ادب عربی کے شناور تھے اسلئے جب خود انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا تو انہیں شعر گوئی کا سلیقہ اور تدوین شعر کا ملکہ حاصل تھا۔ ان کے اشعار میں پختہ کلامی اور موضوعات شعر سے مکمل آگاہی مترشح ہے فرماتے ہیں۔

تهوي إلى قبر النبي محمد - خبباً كما دق الظليم النافر
لله ميت بالمدينة قبره - فهو مشيد والقصور مقابر ۱۲

امام موصوف نے بانت سعاد کا معارضہ بھی لکھا جس میں ان کی دسترس شعر کا اندازہ ہوتا ہے۔

والحق ما الحق ما جاء الرسول به - سيف على هام أهل الشرك مسلول
ما الله ما لاقه قلب ولا رحيم - إلا على الطهر والإنجاب مجبول
محمد إن تصف أدنى خصائله - فيا لها قصة في شرحها طول

---

① معجم الادباء الجزء السابع ص ۱۴۱ ② معجم الادباء الجزء السابع عشر ص ۲۳۴ ③ معجم المؤلفین الجزء الثامن ص ۲۱۴
④ بغیۃ الوعاۃ ص ۱۶ ⑤ النجوم الزاهرة ص ۲۰۶/۵، الاعلام ص ۲۰۹/۸ ⑥ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۹۵۶/۱
⑦ المجموعۃ النبہانیہ ص ۳۳،۳۱/۴ ⑧ تاریخ الادب اللغۃ العربیۃ جرجی زیدان ص ۴۶/۳ ⑨ معجم الادباء الجزء التاسع عشر ص ۱۲۹، النجوم الزاهرة ص ۲۷۴/۵ ⑩ بغیۃ الوعاۃ ص ۳۸۸ ⑪ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۹۱/۱۰
⑫ المجموعۃ النبہانیہ ص ۱۳۵/۲

هو الذی ان یخالج فی نبوته - ریب فما القول بالتوحید مقبول
یا خاتم الرسل ان الطول منك عمنی - وراجی الشفاعة یوم الحشر مأمول ۱

علی بن محمد العمرانی الخوارزمی (م ۵۶۰ تقریباً) حجة الأفاضل وفخر المشائخ کا لقب پایا۔ ابوالحسن کنیت تھی اچھے شعر کہتے تھے قصیدہ کعب بن زہیر کے معارضے میں لکھا۔ تشبیب کے بعد مدح کے بیان میں صحابہ کرام کا تذکرہ نمایاں ہے۔

هدی الی دین ابراهیم امته - وکلهم بعقال الشرع معقول
وکل اصحابه أهوی وأمدحهم - ومن یری بغضهم فی الدین مدخول ۲

الحسن بن أبی الحسن صافی (م ۵۶۸ھ) علم نحو کا امام جنکہ نحویوں میں ملك النحاة کہلایا دمشق میں قیام رہا اور وہیں وفات پائی، دیوان شعر یادگار چھوڑا جس میں کئی نعتیہ قصائد ہیں مثلاً لامیہ قصیدے میں کہتے ہیں مثلاً

یا قاصداً یثرب الفیحاء مرتحیا - أن یستجیر بعلیا خاتم الرسل
قل یا ابن الفخر موقوف علیه فان - تذکر الفخر لم یصدف ولم یمل
أتیتك غر قوافی فی المدح خاصعة - لدیك فاقبل ثناء غیر منتحل
ثناء من لم یجد وجداً یحمله - الیك أوصد بالاقصار عن جمل ۳

چند مزید اشعار

یا من رأی الملأ الأعلی فراعهم - وعاد وهو علی الکونین یحتکم
یا من له دانت الدنیا وزخرفت الـ - أخری ومن لعلاه یعنو العظم
علوت عن کل مدح یستفیض فما الـ - جلال الا الذی تنحوه والعظم
علی علاك سلام الله متصلا --- ما طاب باسمك فی هذا الوجود فم
وسدة العاطه التی انتظمت --- بطیب علیاك فی الوری عبق
تفوح من محرك الاثیل اذا انتعی - تعیذ ذکری طیب فینتشق ۴

سید احمد الرفاعی (م ۵۷۸ھ) ابو العباس مشہور صوفیا میں سے ہیں، روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور یہ شعر پڑھے۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها - تقبل الارض عنی وهی نائبتی
وهذه نوبة الاشباح قد حضرت - فامدد یمینك کی تحظی بها شفتی ۵

البوصیری المغربی (م ۵۹۴ھ) امام الاولیاء الشیخ، مشہور صوفیا اور راویاوں میں سے تھے فرماتے ہیں۔

قد زاد خدك من الزوام تلهفی - وإلی اشتکی هذا الجفا ما ینتفی
فی القلب نیران الجفا قد أشعلت - فمتی بوصلك نار قلبی تنطفی
هو النبی محمد وهو الذی - ترجی شفاعته غداً فی الموقف
یا خیر مبعوث واکرم شافع - کن منقذی من هول یوم مرجف ۶

ابن الفارض (م ۶۳۲ھ) عمر بن علی الحموی، ابو حفص جو ابن الفارض کے نام سے معروف ہیں عربی ادب میں صوفیانہ شاعری کے امام ہیں، ان کا دیوان ایسے اشعار سے بھرا ہوا ہے جن کی تشریحات میں شارحین کو خاصی محنت کرنا پڑتی ہے۔ حسن البورینی اور عبد الغنی النابلسی نے شرحیں لکھی ہیں، اول الذکر نے ظاہر معانی کا ساتھ دیا جبکہ النابلسی نے صوفیانہ شرح لکھی ہے آپ کا التائیة الکبری ہے نظم السلوک بھی کہا جاتا ہے نہایت معروف قصیدہ ہے جو اطالوی ترجمہ کے ساتھ ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا تھا ۸
شیخ الفارض کی شاعری میں رمزیت بہت ہے صوفیانہ تخیلات کو شعروں کا لبادہ اوڑھاتے ہیں، مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے

---

① المجموعة النبھانیه ص ۳/ ۳۴، ۳۵ ② معجم الادباء ص ۶۴/۱۵ ③ معجم الادباء ص ۸/ ۱۲۴، ۱۲۵ وفیات الاعیان ص ۱۸۳/۴ حاشیه
④ وفیات الاعیان ص ۱۸۷/۱، ۱۸۸ حاشیه ⑤ سعادة الدارین النبھانی ص ۲۹۹ ⑥ المجموعة النبھانیه ص ۲/ ۳۹۷، ۳۸۰
⑦ تاریخ الادب اللغة العربیه جرجی زیدان ص ۳/ ۱۲ ⑧ حواله مذکوره۔

میں انکے اشعار کم ہیں مگر اکثر میں اشارہ موجود ہے۔ مثلاً عینیہ قصیدے میں کہتے ہیں۔

فیا ربِّ بالخِلِّ الحبیبِ نبیِّنا ۔ رسولِکَ وھو السیّدُ المتواضعُ
أنِلنا مع الأحبابِ رؤیتَکَ التی ۔ إلیھا قلوبُ الأولیاءِ تُسارعُ ①

ایک مرتبہ عالم وجد میں بے ہوشی طاری تھی جب سکون آیا تو سجدہ کیا اور اپنا یہ شعر پڑھا۔

وعلی تفنّن واصفیہ بحسنہ ۔ یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف ②

حسن البورینی لکھتے ہیں کہ شیخ نے فرمایا تھا اگر مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اسکے سوا اور کوئی شعر نہ ہوتا تو بھی کافی تھا مدحت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ ابن الفارض کے دو شعر تو بقائے دوام کے حامل ہیں جن میں مداحین کی بے بضاعتی کا بھی ذکر ہے اور اسکا سبب بھی، فرماتے ہیں۔

أری کلَّ مدحٍ فی النبیِّ مقصِّرا ۔ وإن بالغ المثنی علیہ وأکثرا
إذا اللہ أثنی بالذی ھو أھلہ ۔ علیہ فما مقدار ما تمدح الوری ③

شیخ ابن الفارض کی اسی ایمانی شاعری کو فارسی شاعری میں بہت پذیرائی ہوئی اور مدحت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ تخیلات تصوف سے قریب تر ہوا۔

عبد المحسن التنوخی الحلبی (م ۶۴۳ھ) دمشق میں انتقال ہوا انکی کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں ایک دیوان شعر بھی ہے ④ ان کا قصیدہ لامیہ بانت سعاد کا معارضہ ہے اور ۱۲۰ اشعار کا خوبصورت مدحیہ قصیدہ ہے جس میں تشبیب سے آغاز کیا اور روایتی انداز میں اونٹنی کا ذکر اور مدینہ کی حاضری کا تذکرہ اور وہاں کی عظمت کے ترانے ہیں معجزوں کو خراور نعتوں کا حوالہ دیتے ہوئے تبلیغ دین کی مساعی کا بیان ہے اور آخر پر صحابہ کرام کا ذکر ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

حا طیبۃ طیبۃ یفتر فیک ساکنہ ۔ لہ علی کل خلق اللہ تفضیل
فیھا النبی الذی لولا شفاعتہ ۔ ما فکّ من ربقۃ العصیان مغلول
ولیس لی غیر تسلیمی علیک وتقبیل الضریح الذی یحویک تأمیل
مدیحک الیوم تفضیل لقائلہ ۔ وفی غد ھو فی المیزان تثقیل ⑤

یوسف سبط ابن الجوزی (م ۶۵۴ھ) اپنے نانا ابن الجوزی کے ہاں تربیت پائی اسلئے سبط ابن الجوزی کے نام سے مشہور ہوئے مرأۃ الزمان فی تاریخ الاعیان جو بقول چالیس مجلدات میں انہوں نے لکھی تھی مطبوعہ کتاب ہے۔ منتھی السول فی سیرۃ الرسول اور ۲۹ جلدوں میں تفسیر القرآن کے علاوہ کئی اور کتب ان کی تصانیف میں سے ہیں۔ ⑥ حملہ تاتار کے دوران میں شہادت پائی ⑦ مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کہتے ہیں۔

فضل النبی المرسول محمد ۔ منحو ما وزادھم تعظیما
ویتیم فی النجار وإنما ۔ خیر الآلی إن یکون یتیما ⑧

شیخ جمال الدین الصرصری (م ۶۵۶ھ) عہد عباسی کے آخری ایام میں امام الصرصری مدحیہ شاعری کے امام اور مداح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے نہایت معروف ہیں بغداد کے قریبی مقام صرصر کے رہنے والے تھے اسلئے صرصری کہلائے ⑨ بغداد مسکن رہا۔ نابینا تھے مگر اپنی خداداد بصیرت کی وجہ سے علماء و صلحاء میں شمار ہوتے تھے، شعر و شاعری میں تو انہیں منفرد مقام حاصل تھا اور بقول صاحب النجوم الزاھرہ "وشعرہ فی غایۃ الجودۃ" ⑩ مدحت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا موضوع شعر تھا اور اسقدر قصائد لکھے کہ کہا جاتا ہے کہ ان کا مجموعہ شعر ۲۰ جلدوں پر مشتمل تھا اور حسان وقت کہلائے ⑪ حافظے کا یہ عالم تھا کہ پوری الصحاح فی اللغۃ للجوھری یاد تھی ⑫ فقہ حنبلی کے مسائل پر مشتمل، اسکے علاوہ اسماء النبی، درود و سلام

---

① دیوان ابن فارض ص ۸۶ ② مقالات ابن فارض عربی صوفیانہ شاعری کی ایک منفرد شخصیت ڈاکٹر غلام مصطفی خان رسالہ معارف جون ۱۹۶۸ ص ۴۱۸ ③ شذرات الذھب ص ۵/۱۵۳ ④ الاعلام ص ۴/۲۹۵ ⑤ المجموعۃ النبھانیہ ص ۳/۴۲، ۴۳، ۴۵ ⑥ الاعلام الجزء التاسع ص ۲۲۴، معجم المؤلفین ص ۱۳/۳۲۴ ⑦ التاج المکلل نواب صدیق حسن ص ۲۲۵ ⑧ حوالہ مذکورہ ص ۳/۲۲۷، ۱۲۴۷ المجموعۃ النبھانیہ ص ۴/۳۲ ⑨ الاعلام الجزء التاسع ص ۲۲۵ ⑩ النجوم الزاھرہ ص ۷/۶۶، شذرات الذھب ص ۵/۲۸۶ ⑪ النجوم الزاھرہ المجلد السابع ص ۶۶ ⑪ شذرات الذھب ص ۵/۲۸۶

⑫ حوالہ مذکورہ

غزوات، معجزات اور خاندانِ رسالت کی عظمت بھی ان کے موضوعات میں شامل ہیں غرضیکہ العمری نے اپنی مدحیہ شاعری میں ظاہری شمائل اور باطنی فضائل کا اس قدر احصار کیا ہے کہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے گوشے قاری کی نظروں کے سامنے منکشف ہو جاتے ہیں۔

یہ تو تھی اس دور کے نمایاں مدح خوانوں کی فہرست مگر ان کے علاوہ ایسے اصحاب بھی ہیں جنہوں نے بعض اوقات اپنی شعری کاوشوں کو ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ عطا کیا ہے ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں۔
الحارث بن الدیلمی (م ۱۱۰ھ کی ابتدا) ۱ عمر بن شبۃ النمیری (م ۲۶۲ھ) ۲۔ علی بن عیسیٰ المعروف لبشاعر السنۃ (م ۲۲۱ھ) مدح صحابہ خصوصی موضوع رہا ۳۔ علی بن فضال بن علی المجاشعی (م ۴۷۹ھ) ۴۔ ابو حفص عمر (م ۵۳۲ھ) ۵ العراقی بن محمد القزوینی المعروف بالطاووسی (م ۶۰۰ھ) سیرت ابن ہشام کو منظوم کیا ۶۔ ھبۃ الزین جعفر المعروف بابن سناء الملک (م ۶۰۸ھ) غزوات رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظم کئے ۷۔ شیخ عبد السلام بن مشیش (م ۶۲۵ھ) ۸ عز الدین ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قصیدہ لکھا ۹

مدحِ اہل بیت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت شرطِ ایمان ہے۔ اور یہی معیار ہے پختگیٔ ایمان کا، دعویٰ ایمان بلا اطاعت و محبت نہ دنیا میں معتبر ہے اور نہ آخرت میں، فرمانات کے ضمن میں اطاعت و محبت پر تفصیلی گفتگو ہو چکی مگر یہاں یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ محبوب کی ہر ادا اور ہر حوالہ محبوب ہوتا ہے اسی لئے تو مدح نگار ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حواشی سے بھی عقیدت و محبت کا معاملہ کرتے رہے ہیں۔ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کو جو قرب اس پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا وہ محتاج تعارف نہیں قرآن پاک کی نص صریح "مودت فی القربیٰ" کا حکم دے رہی ہے۔

قُلْ لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۱۰

اس ارشادِ ربانی کے مطابق تمام مداحین حبِ اہلبیت کو عزیز تر رکھتے رہے اور ہدیہ عقیدت پیش کرتے رہے۔ یہ ایک دینی ضرورت تھی جسے ہر مخلص مسلمان نے نبھایا، درود و سلام میں اہل بیت کا خصوصی تذکرہ تو ہر مدحیہ قصیدے کا جزو بن گیا، امام شافعی (م ۲۰۴ھ) تو اس حبِ اہل بیت کو اپنی شناخت قرار دیتے رہے اور معاند پرست عناصر کے دعویٔ محبت کا رد کرتے ہوئے اپنی محبت کو بطور دلیل پیش کرتے رہے۔ فرماتے ہیں۔

إِنْ كَانَ رَفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ — فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّي رَافِضِي ۱۱

مزید فرماتے ہیں۔

يَا آلَ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ حُبُّكُمُ — فَرْضٌ مِنَ اللهِ فِي الْقُرْآنِ أَنْزَلَهُ
يَكْفِيكُمْ مِنْ عَظِيمِ الْفَخْرِ أَنَّكُمْ — مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلَاةَ لَهُ ۱۲

مگر اس محبت میں نفرت کا کوئی منفی جذبہ نہ تھا اور نہ ہی یہ محبت کسی سے نفرت کا ردِ عمل تھا مگر بنو امیہ کی حکومت میں یہ ایک ناگوار سا احساس ابھرنا شروع ہوا کہ جیسے مسلمان ہونے کی شرائط میں بنو امیہ یا اہل بیت میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی ضروری ہے اس سوچ نے عالم اسلام کو دو متوازی فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ اور ایک والیہ قصیدہ لکھا جو ۲۷۷ اشعار کا ہے ان کی تالیفات میں سے "المنتقی من مدائح الرسول" "الوصیۃ الکرمیۃ" جن کے مسودے مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں ۱۳

---

① تاریخ بغداد ص ۸/۱۲۱ ② تاریخ بغداد ص ۱۰/۲۰۹، ۲۱۰ ③ الاعلام ص ۵/۱۳۲، تاریخ بغداد ص ۱۰/۱۷
④ معجم الادباء ص ۱۴/۹۱ تا ۹۸ ⑤ معجم الادباء الجزء التاسع ص ۱۹۱، ۱۹۲ ⑥ معجم المؤلفین ص ۴/۲۷۵
⑦ الاعلام الجزء التاسع ص ۵۷ ⑧ Foundation of Islam DiAjmill ⑨ کشف الظنون ص ۱/۹۱
⑩ سورۃ الشوریٰ: ۲۳ ⑪ دیوان الامام الشافعی ص ۵۵ ⑫ دیوان الامام الشافعی ص ۷۲
⑬ الاعلام الجزء التاسع ص ۲۲۵، ۲۲۶
تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ جرجی زیدان ص ۳/۳۶

امام الوری اپنی بے بصری کے باوجود امت مسلمہ کے ہر غم میں شریک رہے۔ جب عالم اسلام پر تاتاری جیشوں کی یلغار ہو رہی تھی تو الوری کا احساس دل خونی کے آنسو رو رہا تھا اور وہ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قوم کی حالت زار بیان کر کے ان کے الطاف و اکرام کی دہائی دیتے رہے۔ وہ صرف زبان کی حد تک ہی معروف جہاد نہ تھے بلکہ اپنی فروی کے باوجود عملی مشارکت بھی کرتے رہے۔ جب تاتاری لشکر بغداد میں داخل ہوا تو الوری اپنا عصا اٹھائے ان پر پل پڑے اور بارہ تاتاریوں کو قتل کر دیا۔ یہ ان کی جواں ہمتی اور ان کے شوق جہاد کا عملی اظہار تھا۔ مگر یہ تک شکست خوردہ قوم کا سہارا بنے آخر تاتاریوں نے انہیں شہید کر دیا! امام الوری نے جہاد میں عملی مشارکت اور شہادت کی سعادت حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ جس کا رشتہ دربار رسالت سے استوار ہوتا ہے۔ وہ کسی مخلوقت کو خاطر میں نہیں لاتا۔

امام الوری کے جو اشعار علامہ النبہانی نے المدائح النبویۃ میں شامل کئے ہیں ان کی تعداد ۳۰۶۸ ہے جو مختلف دیوانوں میں ساتھ قصائد کی شکل میں موجود ہیں۔ بعض قصائد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری پر لکھے گئے، کہا جاتا ہے کہ انہیں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے انہیں سنۃ پر موت کی بشارت دی جس پر آپ نے طویل قصیدہ لکھا[2]
جہاں تک قصائد کے فنی تجزیے کا تعلق ہے۔ ظاہری ہیئت یہ قصائد قدیم اسلوب کے مطابق ہیں۔ تشبیب سے گریز ہے۔ اور مدینہ کے شوق کی روداد اور حاضری کی خواہش اور تڑپ آخر پر اشعار درود و سلام" یہ ترتیب تقریباً" تمام قصائد میں برقرار ہے۔ ان قصائد میں الوری کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اشتیاق اپنے کمال پر ہے۔ وارفتگی کا عالم ہے اور شعر جذبات کی رو میں بہے چلے آتے ہیں الفاظ منتخب انداز کلام موزوں اور معانی کتب و آثار سے اخذ کئے گئے ہیں، الوری کی شاعری کا سب سے بڑا امتیاز ان کی طبعی بصیرت ہے وہ عالم اسلام کے ادبار کو بھانپ رہے تھے اور وہ مسلسل اس کی نشاندہی کرتے رہے' تاتاری حملے کی حشر سامانیوں کے حوالے ان کے شعروں میں تاریخی حیثیت رکھتے ہیں ان کے بے شمار کلام سے چند منتخب اشعار یہ ہیں۔

خلقت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدم کے بارے میں کہتے ہیں۔

وكنتَ خيرَ نبيٍّ عندَ خالقِنا - وروحُ آدمَ لم ينهض بها الجسدُ [3]
هو الخاتمُ المبعوثُ بالحقِّ آخراً - وإن كانَ في التفضيلِ والخلقِ أوّلا [4]

چہرہ انور کی ضیا پاشیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

أوجهُكَ أم فجرُ الصباحِ تبلّجا - أم البدرُ في برجِ الكمالِ محا الدجى
وبرقٌ سرى أم نورُ ثغرِك باسماً - بمنثورِ درٍّ أم بسمتُ ذكيّةً تأرّجا
أنعتُ جنودَ الحسنِ ... - فمرّت سليماً في الجمالِ متوّجا [5]

بليغٌ محاسنُه ذُخرٌ - وسجاياه دونَ الأذنِ [6]

جود و کرم عادات و شمائل کا تذکرہ۔

يا من تسامى في المكارمِ والندى - مكاثرةٌ يمينُه ويسارُه [7]

مدینہ منورہ کے بارے میں۔

وما العزمُ إلّا حيثُ كنتَ وإنّما - حللتَ ففيه دارةُ المجدِ حلّتِ [8]

فتنہ تاتار کا تذکرہ

وفتنةُ التترِ العظمى التي فرحت - منا لو قطعتها الأحشاءُ والكبدُ
أورت بمن حولنا فتكاً وليس لنا - إلّا إلى وعدِكَ الميمونِ مستندُ [9]

ملت اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ اس تشتت و افتراق کے اسباب سیاسی تھے مگر ہر سیاسی قوت نے مذہب کا سہارا لیا اور دینی لحاظ سے بھی قوم دو مکاتب فکر میں منقسم ہو گئی اس کا اثر شعر و ادب پر بھی پڑا اور ہر روش لوح و قلم کرنے والا اس میں تو لکار پر اتر آئے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہر سیاسی گروہ نے مذہبی طبقے اور شعراء کی حمایت حاصل کر لی اور اسطرح دینی مجادلہ اور شعر و شاعری میں بجویہ انداز فکر پختہ ہوتا گیا۔

---

(۱) شذرات الذہب ص ۲۲۶/۵ (۲) حوالہ مذکورہ (۳) المجموعۃ النبہانیہ ص ۲۱/۲ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۲۴۷/۳
(۵) المجموعۃ النبہانیہ ص ۵۶۴/۱ (۶) المجموعۃ النبہانیہ ص ۱۸۳/۲ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۱۰۶/۲ (۸) المجموعۃ النبہانیہ ص ۵۰۹/۱ (۹) المجموعۃ النبہانیہ ص ۳۰/۲

شعرائے اہل بیت نے اہل بیت کی تعریف و توصیف اور دینی مرتبے کے مطابق مداحی کا فریضہ نبھایا مگر حکومت بنو امیہ کی تھی اسلئے اہل بیت کی محبت کا برملا اظہار حکمران طبقے کے لئے خوشگوار نہ تھا اور جبر و دولت دنیا انہیں کے پاس تھی اس سے شاعری کی دنیا میں ایک انقلاب آیا جس کے مذموم اثرات ہمیشہ قائم رہے - ایک یہ کہ زبان اور دل میں فاصلہ پیدا ہو گیا زبان حکمرانوں کی مدح کرتی رہی مگر دل اہل بیت سے جڑا رہا، یہ طریق اظہار دوہرے کردار کو جنم دینے کا باعث بنا اسلئے دینی بنیادوں پر مدح اہل بیت کو اپنانے والے شعراء کا ذاتی کردار اُن کے دعویٰ کے مطابق نہ رہا۔ الفرزدق، الکمیت دعبل اور مہیار کے کرداروں کا تجزیہ اس دوہرے کردار کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔ ایک خرابی یہ بھی ہوئی کہ مدح اہل بیت چونکہ حکمرانوں کو پسند نہ تھی تو شعراء نے اس کو ملفوف کر دیا، مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا لیا گیا۔ مگر مقصود مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھی اس سے مدح نبوی کا تقدس مجروح ہوا اور یہ مطلب برآری کا ذریعہ بنی۔ مدح اہل بیت مدح رسالت کا حصہ نہ تھی مگر مقصود بالذات تھی اور مدح رسالت اس کا ایک جزو بن گئی تھی اس ماحول نے مدحیہ شاعری کو بہت نقصان پہنچایا۔

بہتر ہو گا کہ شعرائے اہل بیت کا سرسری سا جائزہ لے لیا جائے تاکہ عملی مثالوں سے حقیقت مبرہن ہو جائے۔

ابو الاسود الدؤلی (م ۶۹ھ) ظالم بن عمرو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں شامل رہا۔ اور لڑائی میں علم نحو کی نوک پلک سنوارنے میں بھی شریک ہوا کہا جاتا ہے کہ ابو الاسود سندھ بن نحو کا بانی اور عربی رسم الخط میں نقاط کا موجد تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر قصیدہ کہا جس میں بنو امیہ کو قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ [۱] حب اہل بیت میں شعر کہا کرتا تھا اگرچہ ایک نحوی ہونے کے ناطے سے شاعر ہونے کی حیثیت مسلّم نہ تھی۔ چند شعروں سے اسکے جذبات کی سچائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

أُحِبُّ محمداً حُباً شدیداً - وعباساً وحمزۃ والوصیا
أُحبّہم لحبِّ اللّٰہ حتّی - أجیءَ إذا بُعثتُ علی ہویّا
بنو عمّ النبیّ وأقربوہُ - أُحبُّ الناسِ کلہم إلیّا
فإن یکُ حبُّہم رشداً أُصبْہُ - ولستُ بمخطیٍٔ إن کان غیّا [۲]

اسد الغابہ میں ابو الاسود کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر ایک مرثیہ بھی نقل کیا ہے۔ جس کے انتساب پر شک کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔

ألا یا عینُ ویحکِ اسعدینا - ألا تبکی أمیرَ المؤمنینا
أفی الشہرِ الحرامِ فجعتمونا - بخیرِ الناسِ طرّاً أجمعینا
وکلُّ مناقبِ الخیراتِ فیہ - وحبُّ رسولِ ربِّ العالمینا
إذا استقبلتَ وجہَ أبی حسینٍ - رأیتَ البدرَ راقَ الناظرینا [۳]

الفرزدق (م ۱۱۰ھ) عہد امیہ کے تین بڑے شعراء میں ہمام بن غالب جو الفرزدق کے نام سے معروف ہے کو فخریات اور پر شکوہ اسلوب کی بنا پر عظمت حاصل ہے۔ شعرائے اہل بیت میں اسے سبقت حاصل ہے مگر اپنی ذاتی اوصاف اور شخصی کردار کے اعتبار سے فسق و فجور کا خوگر رہا۔ دولت کی حرص اس سے بنی امیہ کی مدح لکھواتی رہی اور اس مدح سرائی میں وہ بعض اوقات اس قدر غلو کرتا کہ اسلامی شعائر کی توہین کا ارتکاب ہوتا مثلاً یزید بن عبد الملک کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ولو کان بعدَ المصطفیٰ من عبادہ - نبیٌّ لہم منہم لأمرِ العزائمِ
لکنتَ الذی یختارہُ اللہُ بعدہ - لحملِ الأماناتِ الثقالِ العظائمِ [۴]

کہتے ہیں کہ محبت اہل بیت اس کے دل میں ابتدا سے ہی موجود تھی مگر اس کا اظہار ھشام بن عبد الملک کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ پر ہوا، ھشام شاہی جمعیت کے ساتھ حج کے لئے مکہ حاضر تھا۔ طواف کے آخر پر حجر اسود پر بھیڑ کی وجہ سے بوسہ نہ دے سکا اور ایک طرف بیٹھا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں امام زین العابدین وہاں طواف کے اختتام پر حجر اسود کے قریب

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۱/۷۷۰ (۲) تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۳۱۸ (۳) اسد الغابہ ص ۴/۳۹ ۔۴۰
(۴) تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ۲۷۳

آئے تو لوگ ادباً خود بخود پیچھے ہٹ گئے، ھشام کو یہ بات ناگوار گزری ارادۃً تجاھل اختیار کیا اور کہنے لگا یہ کون ہے. "من ھذا" کا سوال الفرزدق کے ذہن میں ترازو ہو گیا. پکار اٹھے "انا اعرفہ" اور امام موصوف کی مدح میں ایک لاثانی قصیدہ کہہ ڈالا جس پر گرفتار ہوا ١ امام زین العابدین نے حالت حبس میں بارہ ہزار درہم بھیجے مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا "مدحتہ للہ تعالی لا للعطاء" ٢. قصیدے کے چند منتخب اشعار یہ ہیں

ھذا الذی تعرف البطحاء وطاتہ - والبیت یعرفہ والحل والحرم

ھذا ابن خیر عباد اللہ کلھم - ھذا التقی النقی الطاھر العلم

اذا راتہ قریش قال قائلھا - الی مکارم ھذا ینتھی الکرم

یغضی حیاءً ویغضی من مھابتہ - فما یکلم الا حین یبتسم

ھذا ابن فاطمۃ ان کنت جاھلہ - بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا

فلیس قولک من ھذا بضائرہ - العرب تعرف من انکرت والعجم

کلتا یدیہ غیاث عم نفعھما - یستوکفان ولا یعروھما العدم ٣

غرضیکہ سارا قصیدہ جو شذرات الذھب کے مطابق ٢٧ اور طبقات الشافعیہ کی روایت کے مطابق ٢٨ شعروں پر مشتمل ہے منتخب اشعار کا ایسا مجموعہ ہے کہ جس میں ہر شعر پہلے سے فزوں تر اور بلند تر ہے مگر جب اس نے کہا :

ما قال لا قط الا فی تشھدہ - لولا التشھد کانت لاؤہ نعم ٤

تو ذہن مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مڑ جاتا ہے کہ اس کا مصداق وہی ذات گرامی قرار دی جائے تو شعر شاعر کی جودت طبع کا مبالغہ نہیں حسن استیفاء ہے.

ڈاکٹر زکی مبارک کے خیال میں "مدائح نبویۃ" میں صداقت پسندی کا آغاز اس قصیدے سے ہوا. لان تلک المدائح ما کانت تروق خلفاء بنی امیہ وکیف تروقھم وھما تزکیۃ لخصوم اولئک الخلفاء" ٥ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں یہ مدح رسالت کا ہی ایک باب تھا مگر حیرت ہوتی ہے کہ ان شعراء کو بلاواسطہ مدح رسالت کی توفیق کیوں نہ ہوئی مدح اہل بیت تو شاید حکمرانوں کو بھلی نہ لگتی ہو گی کہ اس سے مخالف گروپ سے محبت کی بو آتی تھی مگر مدح رسالت پر تو کوئی پابندی نہ تھی سیدھی بات یہ ہے کہ حکمرانوں کو "مدح نبوی" سے کوئی پرخاش نہ تھی انہیں تشویش یہ تھی اور شاید خواہ مخواہ تھی کہ اہل بیت کی آڑ میں سیاسی مقاصد حاصل کئے جا رہے ہیں. یہ خیال پورے طور پر نہ سہی کسی حد تک درست بھی تھے.

- الکمیت بن زید الاسدی الکوفی (م ١٢٦ ھ) دور اموی کا وہ شاعر جو اپنے ان قصائد کی بناء پر مشہور ہے جنہیں ھاشمیات کہا جاتا ہے. ٦. اس نے اپنی زندگی کا مشن اہل بیت اور خاندان بنی ھاشم کی مدح سرائی کو بنایا، بر سر اقتدار امویوں سے نفرت کی بناء پر خالد القسری حاکم عراق کو اسے قید کرنا پڑا اگرچہ بیوی کے لباس میں بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا مگر آخر کار معاویہ بن ھشام کی قبر کا واسطہ دے کر خوش کرنے میں کامیاب ہوا اور پھر بنو امیہ کی مدح خوانی کرنے لگا.

الان صرت الی امیۃ - والامور لھا مصائر ٧

بہرکیف یہ حالات کا جبر تھا ورنہ الکمیت کے دل میں حب اہل بیت کی قندیل فروزاں تھی. اسے تعلق خاطر کی بنا پر وہ بعض اوقات مدح کے بجائے تبلیغ پر اتر آتا ہے اور سخت جھگڑالو ثابت ہوتا ہے. ٨. یہاں تک کہ الجاحظ (م ٢٥٥ ھ) نے کہا تھا "ما فتح للشیعۃ الحجاج الا الکمیت" ٩. اہل بیت سے اس کی محبت کا اظہار اس واقعے سے ہوتا ہے جب جعفر بن محمد اس کے لئے نقد انعام اور خلعت لائے تو کہنے لگا "واللہ ما احببتکم للدنیا، ولا اردت الدنیا لاثبت من غنی فی یدیہ ولکنی احببتکم للآخرۃ" ١٠

---

(١) تاریخ الادب العربی بروکلمان ص ١/٢١١ (٢) المدائح النبویۃ فی الادب العربی زکی مبارک ص ٤٨ (٣) طبقات الشافعیہ الکبری ص ١/١٥٤، شذرات الذھب ص ١٤٢، ١٤٣، ١٤٤ (٤) حوالہ جات مذکورہ (٥) المدائح النبویۃ فی الادب العربی زکی مبارک ص ٤٦ (٦) الوسیط ص ١٧٨، ١٧٩ (٧) تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی ص ٣٢٥ (٨) حوالہ مذکورہ ص ٣٢٦ (٩) المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص ٧٣ (١٠) حوالہ مذکورہ ص ٤٩

الکمیت کے اشعار کی ممیزات میں اس کا خلوص بھرا لہجہ، پر تاثیر کلام اور حکمت آمیز گفتگو شامل ہے چند شعر ملاحظہ ہوں جن میں ضمناً ہی سہی مدح رسالت کا ذکر بھی موجود ہے:-

بنی ہاشم رہطِ النبیِّ فاِنّنی ۔ بہم ولہم أرضی مراراً وأغضبُ

ألم ترنی من حُبِّ آلِ محمدٍ ۔ أروح وأغدو خائفاً اترقّبُ [۱]

خیرِ حیٍّ ومیّتٍ من بنی آ ۔۔ دم طرّاً مأمومہم والإمام

لو فدی الحیُّ میتاً قلتُ نفسی ۔ وبنیَّ الفداءُ لتلک العظام [۲]

وکانت أمینَ اللہِ فی النّاسِ کلِّہم ۔ علیہا وفیہا اختار مشرقُ ومغربُ

وبورکَ قبرٌ أنتَ فیہ وبورکت ۔ بہ ولہُ أہلٌ لذلک یثربُ [۳]

الکمیت کی حبِ اہل بیت کسی دلیل کی محتاج نہیں مگر زبان بعض اوقات دل کی ترجمان نہ بن سکی اور پھر یہ کہنا کہ مدح بنی امیہ دنیا کے لئے اور مدح اہل بیت آخرت کے لئے کردار کا دوہرا پن ہے۔ یہ اعتراف تو حلقۂ اہل بیت میں کہا گیا مگر مدح بنی امیہ کھلے عام، مداح اہل بیت ہوتے ہوئے بنی امیہ سے رابطہ اس دور کے حرص و آز کی نشاندہی کر رہا ہے۔

دِعبل بن علی (م ۲۴۶ ھ) أبو علی دعبل بن علی الخزاعی دورِ عباسیہ کا مشہور شاعر ہے مگر مورخین متفق الرائے ہیں کہ وہ بہت زبان دراز تھا۔ "وکان ھجّاءً خبیث اللسان" [۴]۔ الزرکلی کہتے ہیں "کان بذیٔ اللسان مولعاً بالھجو والحط من اقدار النّاس وھجا الخلفاء۔ الرشید، المامون، المعتصم والواثق" [۵] خطیب بغدادی کہتے ہیں "وکان خبیث اللسان قبیح الھجاء" [۶]۔ جرجی زیدان نے اسکی مثال میں معتصم کی ہجو پیش کی ہے کہتا ہے۔

ملوکُ بنی العباس فی الکتب سبعۃٌ ۔ ولم تأتنا عن ثامنٍ لہم کتبُ

کذلک اہل الکہف فی الکہف سبعۃ ۔ خیارٌ اذا عدّوا وثامنہم کلبُ

وانی لأعلی کلبہم عنک رفعۃً ۔ لانک ذو ذنب ولیس لہ ذنبُ [۷]

دعبل کا مکمل دیوان موجود نہیں ہے اسکے مدحیہ و ہجویہ قصائد میں سے چند متفرق حالت میں ملتے ہیں۔ ان میں تائیہ قصیدہ بہت مشہور ہے جس کے ۴۵ یا ۴۶ شعر ہیں جن پر اعتماد کیا گیا ہے۔ [۸] "وقصیدتہ التائیۃ فی اھلِ البیتِ من أحسنِ الشعرِ وأسنی المدائح" [۹] چند شعر یہ ہیں۔

فیا لسائلِ الدّارِ التی خفّ أھلہا ۔ متی عہدھا بالصّومِ والصّلواتِ

ھم أھلُ میراثِ النّبیِّ إذا اعتزوا ۔ وھم خیرُ ساداتٍ وخیرُ حماۃِ

فیا ربِّ زدنی من یقینی بصیرۃً ۔ وزِد حبّہم یا ربِّ فی حسناتی

وأکتمُ حبّیکم مخافۃَ کاشحٍ ۔ عنیدٍ لأھلِ الحقِّ غیرِ مواتِ

بناتُ زیادٍ فی القصورِ مصونۃٌ ۔ وآلُ رسولِ اللہِ فی الفلواتِ [۱۰]

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مرثیہ سے دو شعر دیکھئے۔

رأسُ ابنِ بنتِ محمدٍ ووصیّہِ ۔ یا للرّجالِ علی قناۃٍ تُرفعُ

کحلت بمنظرکَ العیونُ عمایۃً ۔ وأصمّ نعیُکَ کلَّ أذنٍ تسمعُ [۱۱]

الشریف الرضیؒ (م ۴۰۶ ھ) ابو الحسن محمد بن الحسین الموسوی البغدادی، علماء الشیعہ کے اعیان میں سے ہے۔ اپنے کردار کی

---

(۱) الادب نصوصہ و تاریخہ الصف الاوّل الثانوی ص ۲۱۰ (۲) المدائح النبویہ فی الادب العربی ص ۹۱ (۳) حوالہ مذکورہ
(۴) النجوم الزاہرہ ص ۳/۲۲۳ (۵) الاعلام ص ۳/۱۸ (۶) تاریخ بغداد ص ۸/۳۸۲ (۷) آداب اللغۃ العربیہ ص ۲/۴۲
(۸) معجم الادباء الجزء الحادی عشر ص ۱۰۳ تا ۱۱۰، وفیات الاعیان ص ۲/۲۶۸ تا ۲۷۲ (۹) حوالہ جات مذکورہ ص ۱۰۳ اور ص ۲۶۷ حاشیہ (۱۰) معجم الادباء الجزء الحادی عشر ص ۱۰۳ تا ۱۰۹، وفیات الاعیان ص ۲/۲۶۸ تا ۲۷۱
(۱۱) معجم الادباء الجزء الحادی عشر ص ۱۱۰

پختگی کے اعتبار سے باقی شعراء سے بلند تر مقام رکھتا ہے۔ اپنی علمی و ادبی کاوشوں پر صلہ وصول نہ کرتا تھا بلکہ جب آل بویہ نے کوشش کی بھی تو انکار کر دیا [1]۔ الثعالبی کا دعویٰ ہے کہ قریش میں سے عمدہ ترین شاعر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نہج البلاغہ کی تدوین میں اس کا ہاتھ بھی ہے۔ "ولو کان حقا ما یقال من ان له یدا فی نہج البلاغۃ لما تردد منصف فی الحکم بانه اکتب الکتاب فی العربیۃ" [2] مدح کے بارے میں اس کا فیصلہ ہے کہ

وَمَا المَدحُ إلّا فِي النَّبِيِّ وَآلِهِ — يُرَامُ وَبَعضُ القَولِ مَا يَتَجَنَّبُ
أُمَجِّدُ بِلَفظِي فِي المَقَامِ مُحَمَّداً — وَأَدعُو عَلِيّاً لِلعُلَا حِينَ أَركَبُ [3]

بقول ڈاکٹر زکی مبارک اس کے پانچ طویل مرثیے ہیں جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی مناسبت سے کہے گئے ہیں رائیہ، لامیہ، دالیہ، دالیہ اور مقصورہ، اب سب میں غم و حزن کی فضا ہے۔ جو بعد میں فارسی اردو شاعری میں ایک روایت بنی۔

مہیار الدیلمی (م ۴۲۸ ھ) نام مہیار بن مرزویہ الدیلمی اور کنیت ابو الحسن تھی مجوسی تھا الشریف الرضی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور اسکی صحبت سے مستفید ہوا۔ الشریف، نظم، ادب اور شیعہ ہونے میں اس کا امام ہے۔ مہیار نے الشریف کے متعدد قصائد کے وزن پر قصیدے کہے۔ اس کے اشعار کا مجموعہ چار جلدوں میں طبع ہو چکا ہے۔ [4] اہل بیت کی مدح میں دس طویل قصائد ہیں [5]۔ قصائد کا اسلوب عمدہ ہے الفاظ بھی چنے ہوئے ہیں مگر معانی میں انتقامی جذبہ اور نفرت ہے معیار کا قلم کافی حد تک بے باک ہے اور اس نے قاتلین امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہیں آگے خلفاء راشدہ پر بھی حملے کئے ہیں۔ کہتا ہے

فَيَومُ السَّقِيفَةِ يَا ابنَ النَّبِيِّ — طَرَّقَ يَومَكَ فِي كَربَلَا
وَغَصبُ أَبِيكَ عَلَى حَقِّهِ — وَأُمِّكَ حَسَّنَ أَن تُقتَلَا [6]

مراثی میں اپنے فرسودہ خیالات کے ساتھ اپنے انتقامی جذبات بھی نمایاں ہیں۔

ان کے علاوہ السید الحمیری (م ۱۷۳ ھ) جو سب صحابہ میں بڑا طاق تھا اور دیک [7] الجن جس نے امام حسین رض کے بارے میں کئی مرثیے لکھے بھی قابل توجہ ہیں۔

الغرض عہد اموی و عباسی میں مدحیہ شاعری پر سیاست کاری غالب آئی کچھ تو خوف اور کچھ نفرت نے شعراء کو راہ راست سے بہکایا اور دنیا کے لالچ اور امراء کی نوازشات سے انہیں دنیاداری کا ایسا چکر پڑا کہ وہ اس روحانی و دینی میدان میں کوئی کارنامہ نہ دکھا سکے لیکن جب سلطنت اسلامیہ ادبار کی لپیٹ میں آنے لگی اور تباہی کے آثار ہویدا ہونے لگے تو پھر بے آسرا قوم کو در رسالت کی یاد ستانے لگی اور مدحیہ شاعری کا زور شروع ہوا۔ علماء کرام اور صوفیاء کے ہاں کی مدحیہ شاعری کا لہجہ قدیم تھا صحابہ کی شاعری ان کے لئے نمونہ تھی اسلئے وہ اسلوب و موضوعات میں بھی انہیں کے مقلد رہے بحیثیت مجموعی یہ دور مدحیہ شاعری کیلئے تحول کا دور ہے۔

---

① تاریخ الادب العربی للزیات ص ۲۸۵ ② حوالہ مذکورہ ص ۲۸۶ ③ المدائح النبویۃ
فی الادب العربی ص ۱۱۸ ④ النجوم الزاہرہ ص ۵/۲۶ ⑤ الاعلام ص ۸/۲۶۴ ⑥ المدائح النبویۃ
فی الادب العربی ص ۱۳۲ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۱۳۶

سقوطِ بغداد کے بعد :-

اموی حکومت کے خاتمے کیساتھ ہی اسلامی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ اندلس میں عبدالرحمٰن الداخل نے ۱۳۸ھ میں الگ اور مستقل سلطنت قائم کی تو باقی اسلامی ممالک خاندان عباسیہ کے زیرنگیں آگئے۔ ہر دو سلطنتوں میں علم و ادب کی ترویج اور علوم و فنون کے احیاء کیلئے قابل قدر کام ہوا۔ وقت گزرنے پر دونوں حکومتیں انحطاط پذیر ہونے لگیں۔ بغداد میں دسویں عباسی خلیفہ المتوکل (۲۴۷ھ) کے قتل سے سلطنت عباسیہ کو سخت دھچکا لگا اور پھر بعد کے خلفاء میں وہ دم خم باقی نہ رہا جو ان کے پیش رو ں میں موجود تھا۔ بلاد اسلامیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ اقتدار بتدریج مرکز گریز ہوتا گیا اور شمالی افریقہ کی اسلامی سلطنت لخت لخت ہو گئی متعدد خاندان اپنے اپنے حلقۂ اثر میں خود مختار ہو گئے ان میں ادریسیہ (۱۷۲ھ تا ۳۷۰ھ) اغالبہ (۱۸۴ھ تا ۲۹۶ھ) المرابطہ (۴۴۸ھ تا ۵۴۱ھ) الموحدون (۵۱۵ھ تا ۶۶۸ھ) زیادہ معروف ہیں۔ صوبوں میں تو خلفاء کا اقتدار گھٹتے گھٹتے اب اسی قدر رہ گیا تھا کہ وہ ان حکمرانوں کو جنہوں نے اپنی حکومت خود قائم کر لی تھی صرف استحقاق حکومت کی سند عطا کیا کرتے تھے لیکن خود عراق میں بھی ان کا اقتدار روبہ انحطاط تھا ①"

سلطنت کشتی جاری تھی مگر دربار عباسیہ میں سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے، مذہبی فرقہ بندیاں، گروہی تعصبات اور نسلی امتیازات نے ملت مسلمہ کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ بے یقینی اور عدم اعتماد کی وہ فضا تھی کہ ہر ایک دوسرے سے خوف زدہ رہنے لگے تھے۔ آل بویہ (۳۲۴ھ تا ۴۴۷ھ) اور خاندان سلاجقہ (۴۳۱ھ تا ۵۹۰ھ) کے حکمرانوں نے قوت حاصل کر لی تو خلیفہ صرف دعا گو یا شو کیس میں سجا ہوا مرین بت بن کر رہ گیا۔ اس تقدس اور ہیبت کا جو خلیفہ کی ذات سے وابستہ تھی کھوکھلا پن نمایاں ہوا تو غیروں کی نظریں اٹھنے لگیں۔ یورپ کی عیسائی سلطنتوں کیلئے یہ سنہری موقع تھا۔ ان کے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لئے حالات سازگار تھے انہوں نے سیاسی مقاصد کو کلیسا کی عظمت کے تصور سے وابستہ کر کے پورے یورپ میں تحفظ دین اور بازیابی یروشلم کی تحریک چلائی اور اس تحریک کو صلیب سے منسوب کر کے ان یورشوں کو "صلیبی جہاد" کا نام دیا۔ یہ ستیزہ کاری تقریباً دو سو سال (۴۸۹ھ تا ۶۹۱ھ) تک جاری رہی۔ ان معرکوں میں مجموعی طور پر مسلمانوں کو تغلب حاصل رہا مگر اس مسلسل رزم آرائی سے دفاعی قوت کمزور ہو گئی اور مسلمان ریاستوں میں اضمحلال نظر آنے لگا۔

ایک جانب تو یہ متحدہ یورپ کی سیاسی قوت مسلمانوں کے لئے چیلنج بن گئی تھی تو دوسری جانب تاتاریوں کا فتنہ برپا تھا جس نے عالم اسلام کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ تاتاری سیل بے درماں کی طرح بڑھتے رہے اور اسلامی قوت کے مراکز ایک ایک کر کے ان کے سامنے سپر انداز ہوتے گئے اور آخر عروس البلاد بغداد کی عظمت بھی لٹ گئی اور مستعصم باللہ (م ۶۵۶ھ) بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ یہ اس زوال کا آخری باب تھا جو کئی صدیوں سے اسلامی مملکت کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔

اس پس منظر میں ادب کی رفتار کا جائزہ لیا جائے تو انحطاط صاف دکھائی دیتا ہے۔ اموی اور ابتدائی عباسی دور میں خلفاء کے دربار ہی ارباب دانش کے مراکز تھے مگر جب قوت کے مراکز متعدد ہو گئے تو شعراء نے بھی اپنا اپنا ممدوح تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح مراکز کے حوالوں سے شعراء کے گروہ تشکیل پا گئے اور ہر شاعر اپنے حریف پر سبقت لے جانے کیلئے پوری توانائیاں صرف کرنے لگا۔ اس معاصرانہ چشمک سے شعر پر نکھار آیا اور کئی نامور اور قدآور شاعر پیدا ہوئے۔

زوال بغداد کے بعد سیاسی عظمت ہی نہ لٹی تھی ادبی دنیا بھی ویران ہو گئی۔ حیرت ہے کہ جب ہر جانب نکبت و ادبار خیمہ زن تھا شاعری کے سوتے کیوں خشک ہو گئے حالانکہ ایسے حالات تو شعر گوئی کیلئے مہمیز ہوا کرتے ہیں۔ شاید اس انحطاط کو مقدر سمجھ کر قبول کر لیا گیا تھا یا یہ کہ شاعری کا تصور درباروں کے بغیر ادھورا محسوس ہوتا تھا۔ پانچ سو سال کی ادبی تاریخ نے یہ خیال راسخ کر رکھا تھا کہ شعر کو کسی فیاض حکمران کا حوالہ درکار ہوتا ہے۔ اب جبکہ عربی شاعری کی بساط ہی الٹ گئی وجہ کوئی بھی ہو یہ حقیقت ہے کہ شاعری کی دنیا میں ایک خلا پیدا ہوا۔ ایسے ادبی خلا میں "المدائح النبویہ" ادب کا واحد سہارا تھے۔ زوال عباسیہ کے بعد مدحت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر توجہ زیادہ رہی اور مدح نگاروں کی کثیر تعداد پیدا ہوئی۔ "ایسا کیوں ہوا"۔ اسکے اسباب کیا ہیں اس سلسلے میں چند گزارشات۔

- مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، حکمرانوں کی خوشامد پسندی اور ترکیبت تھی۔ ان کی خواہش ہوتی تھی

① اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۱۲/۷۵۳

کہ شعراء ہمہ وقت انہیں کے قصیدے پڑھتے رہیں تاکہ ان کی شخصیت کا امیج ابھرتا رہے۔ یہ شخصیت پسندی کا شاخسانہ تھا کہ شعراء کی نظر ممدوح حقیقی سے ہٹ گئی تھی۔ اب جبکہ یہ حائل ہونے والی رکاوٹیں دور ہوئیں تو نظریں پھر اسی ممدوح کائنات کی طرف اٹھنے لگیں
دنیا کی حرص اور دولت کے لالچ نے شعراء میں پست خیالی پیدا کر دی تھی، مادی آلائشوں میں جکڑا ہوا انسان خالص روحانی جذبے کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ کر سکا تھا۔ اسلئے وہ ابونواس کی طرح اپنے آپ کو ان بلندیوں کے قابل نہ سمجھتا تھا مگر زوال بغداد نے دولت کی بے ثباتی اور مادی خواہشات کی بے یقینی واضح کر دی تھی اسلئے غفلت کا پردہ اترنے لگا اور نظریں پھر دامن رسالت کی فیض بخشی کا نظارہ کرنے لگیں۔

سیاسی بدحالی اور معاشی زبوں حالی نے تمام مادی سہارے چھین لئے تھے اسلئے اب تو ایک ہی سہارا رہ گیا تھا جو ان کا ہی نہیں، کائنات ہست و بود کے لئے سب سے بڑا سہارا تھا۔ کم نگاہی کے پردے اٹھے اور شہرِ جاں بخشی کا آخرِ زائل ہوا تو گنبد خضریٰ کا نوری جلوہ سب کا دل لبھانے لگا اور متحیر و متجسس نگاہیں باب رحمت کی طرف اٹھنے لگیں سلطنت عثمانیہ جو تقریباً ساڑھے چھ سو سال (۶۹۸ھ تا ۱۳۴۰ھ) تک ایک طاقت ور سیاسی قوت تھی مگر اس ذہنی خلاء کو پر نہ کر سکی تھی اسی لئے کہ سلطنت عثمانیہ مدح نگاری کا عباسی خلفاء کی طرح کبھی موضوع نہ بنے تھے۔ اور یہ بھی کہ ان کے وجود سے غیر عربی ادب کا احیاء بھی شروع ہو چکا تھا۔ اسلئے عربی ادب میں ان کے اثرات زیادہ گمبھیر بھی نہ تھے اور دیرپا بھی نہ تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں امراء و خلفاء کے دربار حائل تھے اس لئے وہ دربار گہربار نظروں سے اوجھل رہا۔ اب جبکہ یہ حائل رکاوٹیں ہٹیں تو سب کی نظریں والہانہ طور پر ادھر اٹھ گئیں اب نظروں کو تجلی گاہ نصیب ہو گئی تھی اسلئے وہ دوبارہ کسی دنیوی فریب میں آنے کو تیار نہ تھیں۔

صلیبی جنگوں نے 'شعراء' کو متوجہ کر لیا تھا اور وہ اس فتنے کی ہنر سامانیوں کا نظارہ کر چکے تھے ان کے اشعار میں ان جنگوں کی بازگشت صاف سنائی دیتی تھی، ان جنگوں نے جہاں سیاسی طور پر متحد ہونے کی رغبت دلائی تھی، وہاں شعائر اسلامیہ کی حفاظت کا درس بھی دیا تھا۔ بیت المقدس، کا چھن جانا مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے لئے خطرے کا الارم تھا اسلئے ان مقدس مقامات کی حفاظت کا جذبہ پیدا ہوا اور اس جذبے نے ان دیار سے محبت او اشتیاق کا رشتہ استوار کر دیا، زوال بغداد کے بعد کی شاعری میں مدینہ منورہ کی زیارت کی خواہش کا تذکرہ بہت ہوا اور شاعر ارض طیبہ کی یوں خواہش کرنے لگے ہیں جیسے ماں کی گود سے بچھڑا ہوا معصوم بچہ ہر وقت ماں ماں پکارتا ہے۔

الغرض سقوط بغداد کے بعد کی شاعری کا سب سے بڑا مظہر "المدائح النبویہ" ہیں اس فن شریف کی خدمت میں ایسے ایسے لوگ شریک ہوئے جن کی ذات 'شعر' کے حوالے کے علاوہ بھی محترم و مکرم تھی، علماء، صوفیاء، خطباء، واعظین کا تو یہ وظیفۂ حیات بنا۔ معاصر تذکروں میں ایسے شعراء کی کثیر تعداد مذکور ہے۔ جنہوں نے مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مشن بنایا، سب کا تذکرہ تو مقالے کی وسعت سے بہت زیادہ ہوگا۔ سہولت مطالعہ کی خاطر ابتداء امام بوصیری کے نام سے مستحسن ہوگی کہ وہ اس گروہ مداحین کے سرخیل اور امام ہیں پھر چند نمائندہ اور منتخب شعراء کا مختصر تذکرہ اور آخر پر باقی نعت خوانوں کے اسمائے گرامی کا حوالہ تاکہ اس دور کی مدح نگاری کا جائزہ تشنۂ بیان نہ رہ جائے۔

امام بوصیری

امام ابو عبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد مصر کے ایک قصبہ 'دلاص' میں ۶۰۸ھ کو پیدا ہوئے، دلاص ان کے ننھیال کا قصبہ تھا، والد بوصیر کے رہنے والے تھے اسلئے الدلاصی اور البوصیری یا الابوصیری ہر دو نسبتوں سے معروف ہوئے اور کبھی دونوں کو ملا کر کے الدلاصیری بھی کہہ دیا جاتا ہے [1]۔ قبیلہ صنہاج سے نسبت کی بناء پر بعض علماء الصنہاجی بھی کہتے ہیں [2] مگر آپ کی زیادہ تر شہرت "البوصیری" کے حوالے سے ہے اور یہی ان کی پہچان ہے۔ ابتدائی حالات گوشۂ خمول میں ہیں صرف اس قدر معلوم ہے کہ جوان ہونے پر بلبیس میں کتابت کا کام کرتے تھے اور محرر کے عہدے پر مامور تھے۔ قرآنی تعلیمات سے شغف کی وجہ سے حفظ قرآن کا ایک چھوٹا سا مدرسہ بھی کھولا تھا۔ تصوف میں بہت دلچسپی تھی اسلئے صوفیاء سے رابطہ تھا۔ ابو العباس المرسی (م ۶۸۶ھ) سے فیض طریقت حاصل کیا تھا [3]۔ شعر کا ذوق بہت نکھرا ہوا تھا، مقامی حالات کا اثر لیتے تھے اور شاعری کو مقامی حوالہ عطا کرتے تھے، ان کی ابتدائی زندگی کے اشعار میں معاشرتی طبقات اور اخلاقی انحطاط کا ذکر نمایاں ہے۔ سماجی لوٹ کھسوٹ سے بہت نالاں رہتے۔

---

(۱) المدائح النبویہ زکی مبارک ص ۱۹۱، الموازنہ بین الشعراء ص ۱۴۶، الدین والاخلاق فی شعر شوقی علی نجوی ناصف ص ۲۱ حاشیہ معجم المؤلفین ص ۲۸/۱۰ (۲) طیب الورد شرح قصیدۃ البردۃ ص ۸، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۵/۵۱
(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۵۲/۵۔

ان کا نونیہ قصیدہ معاشرے کی حالت زار پر ایک پُر لطف اور معلومات افزا قصیدہ ہے۔ ان کا مختصر سا دیوان مصر سے طبع ہو چکا ہے۔ ادبی ذوق اور طبعی میلان کی تصوف کے ساتھ آمیزش سے ایسی شاعری وقوع پذیر ہوئی جسے دینی شاعری کہا جاسکتا ہے۔ دینی شاعری کا شاہکار "المدائح النبویۃ" ہیں۔ چنانچہ "البوصیری" نے انہیں ہی زندگی کا مشن بنایا۔ "الصاحب زین الدین یعقوب بن الزبیر" کی فرمائش پر بھی مدحیہ قصائد لکھے گئے۔ مگر زیادہ تر تعداد ان قصائد کی ہے جو ان کے اپنے "ذوق طبع" کا نتیجہ ہیں ان میں القصیدۃ المضریۃ اور القصیدۃ الھمزیۃ بہت مشہور ہوئے۔ امام بوصیری نے طویل عمر پائی اور آخر اسکندریہ میں انتقال فرمایا۔ وہاں آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔[1] تاریخ وفات کے سلسلے میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ ۶۹۴ھ[2]، ۶۹۵ھ[3]، ۶۹۶ھ[4]، بلکہ ڈاکٹر زکی مبارک نے ۶۹۷ھ[5] بھی لکھ دیا ہے۔

امام بوصیری کی زندگی کا اہم ترین واقعہ اُن کا لبارضہ فالج صاحب فراش ہونا ہے جس سے ان کا نصف جسم بے حس و حرکت ہوگیا، یہ بے چارگی کا عالم تھا، اس میں ایسے دل شکستہ ہوئے کہ دنیاوی علاج سے مایوس ہو گئے۔ صاحب دل تو تھے ہی، دربار رسالت کی یاد میں بے چین ہوئے اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایک طویل قصیدہ نکلا جسے "البردہ" کہا جاتا ہے۔ البردۃ کی تالیف و تدوین کے بارے میں ان کا اپنا بیان ہے:

"كنت قد نظمت قصائد في مدح رسول الله صلى الله عليه وسلم، منها ما كان اقترحه علي الصاحب زين الدين يعقوب بن الزبير، ثم اتفق بعد ذلك أن أصابني فالج أبطل نصفي، ففكرت في عمل قصيدتي هذه فعملتها، واستشفعت به إلى الله تعالى في أن يعافيني، وكررت انشادها ودعوت وتوسلت، ونمت فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم فمسح على وجهي بيده المباركة، وألقى علي بردة فانتبهت ووجدت في نهضة، فقمت وخرجت من بيتي ولم أكن أعلمت بذلك أحدا، فلقيني بعض الفقراء فقال لي: أريد أن تعطيني القصيدة التي مدحت بها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت أيها؟ فقال: التي أنشأتها في مرضك، وذكر أولها، وقال: والله قد سمعتها البارحة وهي تنشد بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ورأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتمايل وأعجبته وألقى على من أنشدها بردة، فأعطيته اياها وذكر الفقير ذلك وشاع المنام"[6]

امام بوصیری کا بیمار ہونا اور ایام مرض میں اسقدر طویل قصیدہ کہنا ان کی قلبی کیفیات اور ذہنی ساخت کی خبر دے رہا ہے۔ امام موصوف نے عالم اسلام کی شکست و ریخت دیکھی تھی، آپ ۴۸ برس کے تھے جبکہ بغداد پر ہلاکو خان قہر بے درماں بن کر ٹوٹ پڑا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم سلطنت کا تار پود بکھر گیا۔ سطوت اسلام قصہ پارینہ ہو گئی۔ ہر حساس دل اس تباہی پر نوحہ کناں تھا۔ امام بوصیری شاعر بھی تھے اور صوفی بھی، اُن کے دل میں اسلام کی سربلندی کی خواہش بھی تھی اور حامی کی مغلوبیت کا قلق بھی، ان کا وجود اس شکستہ تار سے بکھر کر رہ گیا، اعصاب یہ بوجھ برداشت نہ کر سکے۔ اور سپر انداز ہو گئے، اعضاء نے جواب دیا تو شعوری قوتوں نے پہلے سے کہیں زیادہ ہنگام بپا کر دیا، یہ اندرونی فشار رنگ لایا، داخلی کرب شعروں میں ڈھلا اور حضور خواجہ گیہاں صلی اللہ علیہ وسلم ایک طویل قصیدہ عرض کیا۔ "الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ" وقصیدہ محبت و عقیدت کا سیل رواں ہے، یہ ارادت کے موتی ہیں جو جذبات و احساسات کی آنچ سے جھلملا اٹھے، رات سوتے میں قسمت جاگی تو دربار جود و سخا سے چادر رحمت ہوئی جو انعام بھی تھا اور قصیدے کے لئے عنوان بھی، ڈاکٹر زکی مبارک کو یہ قلبی رابطے اور محبت کی یہ کہانی پسند نہ آئی اسلئے لکھتے ہیں:

"فليس من المعقول أن يعود مريض من مرضه لأنه يتلو شعرا أو قصيدة ينشدها، كما يرى البوصيري ببصيرته" اور یہی بات المدائح النبویۃ فی الادب العربی میں دہرائی مگر معاً بعد جب مادیت کا غلبہ کم ہوا تو سبق تحریر پر پشیمانی محسوس کی اور اعتراف کیا: "كذلك قلنا في كتاب "الموازنة بين الشعراء" ونرى الآن أن البوصيري صادق في رؤياه، لأن قوة الإيمان تؤثر أبلغ التأثير على الجسم، ولا سيما إذا تذكرنا أنه لم يزد على أن قال: إنه وجد في جسمه نهضة، وذلك أقل ما ينتظر لرجل مؤمن يرى الرسول في المنام ويسمع منه كلمات التشجيع"[8]

---

① معجم المؤلفین ص ۲۸/۲، المدائح النبویہ زکی مبارک ص ۱۲۱ حاشیہ ② کشف الظنون کالم ۱۳۳۱ جلد ثانی معجم المؤلفین ص ۲۸/۱۰ ③ شذرات الذہب ج ۵/۴۳۲، الوسیط ص ۳۱۲ ④ الاعلام ص ۳۰۰/۱۰
⑤ المدائح النبویہ ص ۱۲۱ ⑥ الموازنہ بین الشعراء ص ۱۴۰، ۱۴۱، المدائح النبویہ زکی مبارک ص ۱۴۷، ۱۴۸، عطر الوردہ فی شرح البردۃ ص ۳ پر یہی واقعہ مختلف الفاظ میں درج ہے۔ ⑦ الموازنہ بین الشعراء ص ۱۴۱
⑧ المدائح النبویہ فی الادب العربی ص ۱۴۸ حاشیہ

اور مولف مزید کے طور پر کہتے ہیں: وکذلک کانت البردة عند بعض الناس مفتاحاً للوصول الیٰ رؤیة الرسول، ورؤیا النبی حق، عند الصوفیة وعند العلماء ۱

قصیدہ البردہ عربی شاعری میں سب سے زیادہ مشہور نعتیہ قصیدہ ہے کہ جس کی شہرت عرب سے عجم تک یکساں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ قصیدہ نعت کی معراج اور مدحیہ شاعری کا "اسوۂ حسنہ" ہے جس کی تقلید اور جس سے کسب فیض کو سعادت سمجھا گیا ہے۔ لاتعداد معارضے لکھے گئے بے شمار تضمینیں کہی گئیں اور ان گنت شرحیں مرتب ہوئیں جن کا احاطہ نہایت مشکل کام ہے۔ مسلم معاشرے پر اس کے اثرات اتنے ہمہ گیر ہیں کہ یہ سعادت شاید ہی کسی اور قصیدے کو نصیب ہوئی ہو۔ ڈاکٹر زکی مبارک اس کے اثرات کو پانچ پہلوؤں پر محیط خیال کرتے ہیں۔

(۱) أثرها فی الجماهیر الشعبیة: نستطیع الجزم بأن الجماهیر فی مختلف الأقطار الاسلامیة لم تحفظ قصیدة مطولة کما حفظت البردة، فقد کانت ولاتزال من الأوراد، تقرأ فی الصباح وتقرأ فی المساء ۲

ہر شکل مرحلے پر اس کا ورد صوفیاء کا معمول رہا۔ انفرادی طور پر بھی اور گروہی شکل میں بھی، خواص کے ہاں بھی اور عوام میں بھی، مجلسوں کی زینت اور محافل کی جان رہا۔ عرب دنیا میں اکثر و بیشتر افراد کو اس کا کچھ نہ کچھ حصہ یاد ہوتا ہے اور وہ اپنے روزمرہ کے معمول میں اس قصیدے کا ورد بھی شامل کیے ہوئے ہیں۔ اس سے عقیدت و انس اس حد تک بڑھا کہ اس کے ایک ایک شعر کے خواص تحریر کیے گئے ... مختلف ابیات مختلف بیماریوں اور تکلیفوں سے نجات دلانے کی طاقت رکھتے ہیں ۳۔ کا عقیدہ عام ہوا حتیٰ کہ عبدالسلام بن ادریس المراکشی نے اس موضوع پر ایک کتاب بعنوان خواص البردة فی برء الداء لکھی۔ "اس کے اشعار خوارق العادة قوتوں کے حامل سمجھے جاتے ہیں" آج کل بھی انہیں رد بلیات کے لئے تجہیز و تکفین کے موقع پر پڑھا جاتا ہے ۵۔ نصیرالدین ہاشمی کہتے ہیں "کہ حیدرآباد میں قصیدہ بردہ خوانی کا اس قدر رواج تھا کہ نواب حیدرآباد بھی ایسی محافل میں شریک ہوتے تھے ۶ بردہ خوانی باقاعدہ اوراد میں شامل تھی اور اس کی بھی اجازت لی جاتی تھی" مولوی عبدالحلیم فرنگی محلی نے مولوی عبدالرشید بن شاہ احمد سعید مجددی دہلوی سے قصیدہ بردہ اور حزب البحر کی اجازت حاصل کی تھی ۷ مولانا محمد عاقل کی قصیدہ بردہ کی سند روایت شاہ بہاء الحق زکریا ملتانی تک متصل تھی ۸۔ شریف عبداللہ بن محمد سلطان دیار عرب نے حرمین کو تحائف اور نقدی بھیجی جو چالیس آدمیوں کے خرچ کے لئے تھی جن میں دس آدمی وہ بھی تھے جو قصیدہ بردہ پڑھتے تھے ۹

ب۔ أثرها فی التألیف: قصیدہ البردة کی مقبولیت نے علماء و مدرسین کو اس کی شرحیں لکھنے کی ترغیب دی تاکہ اس کے مطالب و معانی عام قاری اور خصوصاً طلباء پر واضح ہو جائیں، اس ضمن میں صرف عرب ہی شامل نہ تھے دنیا کے ہر خطے سے اہل علم نے اس تشریحی مہم میں حصہ لیا ہے۔ ڈاکٹر زکی نے اکیس معروف اور چھ مجہول شروح کے نام دیے ہیں ۱۰ ہمارے محترم دوست پروفیسر فضل احمد عارف نے انوار بردہ میں ۹۵ شروح کا ذکر کیا ہے اور بڑی محنت سے ان کے کوائف درج کیے ہیں ۱۱۔ چند نمایاں اسماء یہ ہیں۔

عبدالسلام بن ادریس المراکشی (م ۶۶۰ھ) ۔ ابن الصائغ (م ۷۷۶ھ)
ابن مرزوق التلمسانی (م ۷۸۱ھ) سعدالدین التفتازانی (م ۷۹۱ھ) ابن خلدون (م ۸۰۸ھ)
شہاب الدین ابن العماد (م ۸۰۸ھ) ابن ہشام النحوی (م ۸۶۱ھ)
خالد الازہری (م ۹۰۵ھ) جلال الدین المحلی (م ۸۶۴ھ)
القسطلانی (م ۹۲۳ھ) ابن حجر مکی (م ۹۷۴ھ)۔ احمد خفاجی (م ۱۰۰۱ھ)
ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) عمر بن احمد الخربوتی (تیرھویں صدی ہجری)

---

① المدائح النبویہ فی الادب العربی ص ۱۵۰ حاشیہ ② حوالہ مذکورہ ص ۱۶۱ ③ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۵۲/۵ ④ حوالہ مذکورہ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۴۲۹/۴ ⑥ دکنی کلچر ص ۳۶۰ ⑦ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۴ ⑧ حدیقة الاولیاء مفتی غلام سرور ص ۱۷۵ ⑨ سفرنامہ حجاز: مولانا رفیع الدین مراد آبادی رسالہ الفرقان شمارہ شوال ۱۳۸۰ ص ۱۲۰۱-۱۲۰۳ ⑩ المدائح النبویة فی الادب العربی ص ۱۶۳، ۱۶۴ ⑪ انوار بردہ شرح قصیدہ بردہ ص ۸۳ تا ۹۷

ابراہیم بن محمد الباجوری (تیرھویں صدی ہجری ۱۲۷۶ھ)

برصغیر پاک و ہند میں قصیدہ البردہ کی عربی، فارسی، اردو اور دیگر علاقائی زبانوں میں شرحیں لکھی گئیں چند کا ذکر کفایت کرے گا۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) ۔ مولانا جمال بن نصیر چنابی ۹۹۹ھ کو شرح عربی میں لکھی

مولانا محمد شاکر لکھنوی (م ۱۱۳۳ھ) قاضی ارتضا خاں گوپاموی (م ۱۲۵۱ھ)

مولانا جان محمد لاہوری (م ۱۳۶۸ھ) قاضی علی بن احمد الگوپاموی (م ۱۲۷۰ھ)

قاضی نجف علی الجھجری (م ۱۲۹۹ھ) پیرزادہ محمد حسین عارف منظوم اردو ترجمہ (م ۱۳۲۶ھ)

برصغیر میں فارسی شروح کا بھی رواج رہا چنانچہ شیخ عیسیٰ بن قاسم السندھی (م ۱۰۳۱ھ) مولوی تراب علی اللکھنوی (م ۱۲۸۱ھ) اور مولانا اصغر علی روحی (م ۱۳۴۳ھ) کی فارسی شرحیں متداول ہیں۔ سندھی زبان میں پیر محمد اشرف شاہ اور مولوی محمد قنبری نے سندھی نثر میں شرح لکھی جسے مولوی عبداللہ اثر (م ۱۳۹۶ھ) نے منظوم سندھی میں تحویل کیا، پنجابی میں حافظ برخوردار اور سید وارث شاہ (م ۱۱۵۲ھ) نے منظوم شرحیں لکھیں۔ پشتو میں عبدالقادر خان خٹک، خوشحال خان خٹک کا صاحبزادہ تھا نے منظوم اور میاں محمد عمر (م ۱۳۹۶ھ) نے نثر میں ترجمہ کیا، دورِ حاضر میں مولانا ذوالفقار علی، مولوی عبدالمالک، ابوالحسنات محمد احمد قادری، علامہ نور بخش توکلی، علی محسن صدیقی اور کئی اور اصحاب نے ترجمے اور شرحیں شائع کی ہیں (ہم ان تمام تراجم اور شروح کی تفصیلی فہرست شامل مقالہ کر رہے ہیں۔

ج اثرها في الدرس ۔ دینی مدارس میں شعر و ادب کی اہمیت ہمیشہ سے تسلیم کی گئی ہے کتاب الحماسہ اور دیوان المتنبی تمام مدارس عربیہ خصوصاً برصغیر میں شامل نصاب رہا۔ مگر اس منظوم نصاب کا مطالعہ ایک ادبی روایت کے طور پر ہوتا رہا۔ جس نظم نے اساتذہ و طلبہ کو عقیدت کی فضا مہیا کی وہ قصیدہ البردہ ہی ہے۔ اس کے مطالعہ پر خصوصی توجہ رہی اس کو مترنم آواز سے پڑھا گیا اور معانی پر تفصیلی مباحث ہوئے۔ بقول ڈاکٹر زکی جامعہ الازہر میں جمعرات اور جمعہ کو شرح الباجوری کا باقاعدہ درس ہوتا جس میں جامعہ کے طلباء کے علاوہ عام طلباء بھی شریک ہوتے ۔۱۔ برصغیر میں الخرپوتی اور الباجوری کی شروح متداول رہیں اور پھر خود مقامی علماء نے عربی فارسی اور سندھی، پنجابی، پشتو اور دیگر زبانوں میں اس کے ترجمے اور تشریحات لکھیں اور اپنے طلباء کو درساً درساً پڑھائیں آج بھی کسی شہر سے گذریں تو کہیں نہ کہیں سے قصیدہ البردہ کا شعر سنائی دیتا ہے۔ اور طلبہ و کو اکثر اشعار حفظ ہوتے ہیں۔

(د) اثرها البردة في الشعر والشعراء : عام قاری نے تو قصیدے کی شروح سے متمتع ہونے کی کوشش کی جبکہ شعراء کے ہاں خود اس کی تقلید کا شوق پیدا ہوا۔ البردہ کے قوافی، اس کا وزن اور لہجہ اسقدر مقبول تھا کہ لوگ اس نئے حوالے سے شعر سننا پسند کرتے تھے اس لئے اسی بحر کا التزام کیا گیا جیسے قصائد کی ایک طویل فہرست الجرعة النبهانية في المدائح النبوية کی جلد چہارم میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ ترنم ورزنی کی بات تھی جسے تکنیکی زبان میں معارضہ کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تضمین، تشطیر، تخمیس، تسبیع عشیر کی ایک دنیا آباد ہے نمونے کے طور پر چند کا ذکر مناسب ہوگا۔

معارضات، الوتری (م ۶۵۶ھ) ابن معتوق (م ۱۰۸۷ھ) محمود سامی البارودی (م ۱۳۲۲ھ) احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) اور شیخ احمد الحملاوی کے معارضات مشہور ہیں انہوں نے نہ صرف بحر، وزن اور قافیہ کی مناسبت اختیار کی بلکہ اس تتبع کا اعتراف بھی کرتے ہیں، احمد شوقی نے تو اپنے قصیدے کا نام "نہج البردہ" رکھا تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے اسی طرح احمد الحملاوی نے منہاج البردہ تحریر کیا۔ برصغیر میں مولوی رضا حسن خان (تیرھویں صدی ہجری) نے انموذج الکمال کے نام سے البردہ کا معارضہ لکھا حقیقت یہ ہے کہ امام البوصیری کے بعد کے تمام مداحینِ رسالت کے شعور پر قصیدہ بردہ کی چھاپ رہی ہے اور سب نے کسی نہ کسی حوالے سے اس سے استفادہ کیا ہے۔

تضمینات :۔ ڈاکٹر زکی مبارک نے الشیخ قاسم کی تضمین کا حوالہ دیا ہے۔ برصغیر میں مولانا عزیز الدین بہاولپوری نے لنظم الورع کے نام سے قصیدے کی عربی، فارسی، اردو، سرائیکی میں تضمین لکھی ۳

---

(۱) المدائح النبویة فی الادب العربی ص ۱۶۳ (۲) ایضاً المعذکورہ ص ۱۶۴ (۳) انوار بردہ ص ۱۰۵

تشطیر ، قصیدہ کے ہر مصرعے پر مصرعہ لگانا ۔ تشطیر کہلاتا ہے چند مشہور اصحاب کے نام یہ ہیں ۔
احمد بن عمر قادری الحلبی (م ۱۲۵۰ھ) احمد بن عبدالوھاب الجرجاوی (م ۱۲۵۴ھ) رمضان حلاوہ مصری (م ۱۳۰۱ھ)
داؤد بن سلمان بغدادی (م ۱۲۹۹ھ) اور کئی دیگر اصحاب
تخمیس یعنی قصیدے کے ہر شعر کے دو مصرعوں سے قبل تین مصرعے لگانا تاکہ ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہو جائے تخمیس لکھنے والوں میں کئی قد آور نام آتے ہیں دارالکتب مصریہ میں بقول ڈاکٹر زکی ۶۹ تخمیسات موجود ہیں جبکہ ۹۰ کے قریب نام ملتے ہیں!
صرف نشاندہی کے لئے دو چار نام درج کیے جاتے ہیں ۔

ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۷ھ) احمد بن محمد شہاب الدین الحجازی (م ۸۷۵ھ)
محمد بن ابی شدہ (م ۸۷۶ھ) عمر الغزوی (م ۹۱۷ھ) ۔ خواجہ زادہ (م ۱۰۳۲ھ)
عبداللہ بن محمود (م ۱۰۲۲ھ) محمد الحمیدی (م ۱۰۲۲ھ) اور بے شمار دیگر شعراء
اسی طرح تسبیع یعنی پانچ مصرعوں کا شعر پر اضافہ ، تعشیر یعنی سات مصرعوں کا سابقہ دو مصرعوں پر کی متعدد مثالیں موجود ہیں ۔

(۵) ڈاکٹر زکی مبارک نے بدیعیات پر بردہ کے اثرات کا جائزہ لیا ہے ۔ بدیعیہ سے مراد یہ ہے کہ " أن تكون القصيدة في مدح الرسول ولكن كل بيت من ابياتها يشير إلى فن من فنون البديع [۲] ۔ " یہ ایک مستقل فن ہے جس کا پہلا موجود نمونہ ابن جابر الاندلسی (م ۷۸۰ھ) کا بدیعیہ ہے ۔ یہ معارضے کا نیا انداز اور تاثیر پذیری کا انوکھا ڈھنگ ہے ۔ مقصد امام بوصیری کا معارضہ لکھنا تھا مگر جودت طبع نے ایک نئے فن کی راہ سجھائی اور معارضے کے روپ میں فن بدیع کی مہارت کا ایسا دلکش منظر پیش کیا کہ بعد میں کئی دیگر اصحاب قلم اس کے گرویدہ ہوتے رہے ۔ اور عربی ادب میں بدیعیات ایک مستقل صنف سخن کی حیثیت سے متعارف ہوئے ۔ چند مشہور بدیعیات کے نام درج کیے جاتے ہیں ۔
- صفی الدین الحلی (م ۷۵۰ھ) بدیعیہ کا نام ہے " الكفاية البديعية في المدائح النبوية "
عزالدین الموصلی (م ۷۸۹ھ) " التوصل البديع الى التوسل بالشفيع "
ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۷ھ) بدیعیہ کی خود ہی شرح لکھی اس کا نام " خزانة الادب " ہے ۔
جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) " نظم البديع في مدح خير شفيع "
ان کے علاوہ بھی متعدد نام اُن اصحاب فن کے ملتے ہیں جنہوں نے " بدیعیات " پر خصوصی توجہ دی ہے ۔
ان مذکورہ بالا حوالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ امام بوصیری کی حیثیت عربی ادب میں خصوصاً " مدحت رسالت " میں اہم متبوع کی ہے کہ ان کے قصیدے کے بعد نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا انہیں کے اسلوب کو اپنایا گیا ہے اور ان کے ذکر سے ہی تاریخ نعت کو جو وقار حاصل ہوا ہے اس کا سبب کیا ہے ڈاکٹر زکی مبارک بیان کرتے ہیں ۔
" ان الاخلاص هو الذي مكن البوصيري من ناصية المجد الأدبي وهو الذي رفعه إلى منزلة الخلود " [۳]

قصیدہ بردہ کا داخلی مطالعہ :-

عروضی مطالعہ : قصیدہ بحر بسیط میں ہے جو دائرہ مختلفہ کی مشہور بحر ہے ۔ ضرب و عروض بالالتزام مخبونہ ہیں رکن سوم ہر جگہ سالم ہے پہلے دونوں ارکان میں دونوں سالم یا دونوں مخبون یا ایک سالم اور دوسرا مخبون مستعمل ہوا ہے : بحر بسیط میں جیسا کہ پہلے باب میں بیان ہوا ۔ طویل مضامین اور کثیر معانی کو اپنے اندر سمونے کی بھرپور صلاحیت ہے ۔ اس کا آہنگ گرجدار ہے اس لئے خوف و وحشت سے اکھڑے ہوئے اور مچلتے ہوئے جذبات کے اظہار کے لئے اس کا ہچکولے کھاتا ہوا نبر (stress) بہت اثر رکھتا ہے ۔ مزید یہ کہ داخلی موسیقیت اور لہجوں کا زیر و بم شدت احساس سے ہم نوا ہو کر اسے درد مند اور پر تاثیر آہنگ عطا کر دیتے ہیں ۔ امام بوصیری نے اس بحر کی وسعت اور اسکے صوتی اثرات سے خوب کام لیا ہے کہ پورے قصیدے میں لہجہ پُر وقار مگر درد مندانہ ، الفاظ منتخب مگر پُر کیف اور اسلوب بلند آہنگ مگر دلآویز ہے ۔ ۱۶۲ اشعار کا یہ قصیدہ دس فصلوں میں منقسم ہے ۔ ہر فصل مستقل موضوع رکھتی ہے مگر وہ ایک دوسری سے یوں پیوست ہے اور خیالات

---

(۱) المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص ۱۶۶ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۱۶۹ ۔ (۳) المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص ۱۷۰

ومضامین اسقدر مربوط ہیں کہ سارا قصیدہ ایک ہی کیف میں ڈوبا ہوا ہے۔ مطلع ۱۲ ابیات کا ہے جس میں تشبیب ہے قصیدہ کی پرانی روش کے مطابق ذکر محبوب سے آغاز کلام ہوا ہے۔ مگر امام بوصیری کے سامنے مقصد اسقدر واضح ہے کہ یہ تکنیکی مجبوری انہیں ظاہری مطابقت تک ہی پابند کر سکی مفاہیم میں ذکر اسی کا ہو رہا ہے جو موضوع قصیدہ ہے تشبیب کے تمام عناصر قاری کو دیار طیبہ کی طرف متوجہ کرتے جاتے ہیں کہ ذی سلم، کاظمہ، اِضم سب دیار حجاز کے گرد و مقامات ہیں جن کے مجموعی تذکرے سے مدینہ منورہ کا اشارہ ملتا ہے "فراق" کی کیفیات میں بھی جاں سوزی اور روح فرسائی کی جھلک نمایاں ہے۔ اس دائمی اثر محبت کی تنبیہ بھی وجد آفریں

وَاَثْبَتَ الوَجْدُ خَطَّیْ عَبْرَۃٍ وَضَنًی ۔ مِثْلَ البَھَارِ عَلٰی خَدَّیْکَ وَالعَنَمِ [1]

پھر خواہشات نفس کی زہرسامانیوں کا تذکرہ کیا کہ وہ کیسے انسان کو ورغلا کر گناہ پر دلیر بناتی ہے اسلئے بین السطور نیکی کی ترغیب اور معاصی سے بچنے کا طریقہ بتاتے ہیں اور دوران گفتگو کئی لافانی شعر کہے جاتے ہیں مثلاً

وَالنَّفْسُ کَالطِّفْلِ اِنْ تُھْمِلْہُ شَبَّ عَلٰی ۔ حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْہُ یَنْفَطِمِ [2]

انتیسویں شعر سے نعت کی ابتدا ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرمشقت زندگی کا حوالہ اپنی پریشانیوں کو ہلکا کرتا ہے اسلئے کہ جب آپ ایسی ہستی یہ کچھ برداشت کر رہی ہے تو کرومہ کی کیا حیثیت ہے، غم کا بادل چھٹتا ہے تو والہانہ پکار اٹھتے ہیں

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ ۔ وَالفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَمِنْ عَجَمِ
ھُوَ الحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ ۔ لِکُلِّ ھَوْلٍ مِنَ الاَھْوَالِ مُقْتَحَمِ
فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَفِیْ خُلُقٍ ۔ وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَلَا کَرَمِ
وَکُلُّھُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ مُلْتَمِسٌ ۔ غَرْفًا مِنَ البَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّیَمِ
مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ ۔ فَجَوْھَرُ الحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ
وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ ۔ وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمِ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ ۔ حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمِ
فَمَبْلَغُ العِلْمِ فِیْہِ اَنَّہٗ بَشَرٌ ۔ وَاَنَّہٗ خَیْرُ خَلْقِ اللّٰہِ کُلِّھِمِ
وَکُلُّ آیٍ اَتَی الرُّسُلُ الکِرَامُ بِھَا ۔ فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِہٖ بِھِمِ
فَاِنَّہٗ شَمْسُ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا ۔ یُظْھِرْنَ اَنْوَارَھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ
کَالزَّھْرِ فِیْ تَرَفٍ وَالبَدْرِ فِیْ شَرَفٍ ۔ وَالبَحْرِ فِیْ کَرَمٍ وَالدَّھْرِ فِیْ ھِمَمِ
لَا طِیْبَ یَعْدِلُ تُرْبًا ضَمَّ اَعْظُمَہٗ ۔ طُوْبٰی لِمُنْتَشِقٍ مِنْہُ وَمُلْتَثِمِ [3]

اسی وارفتگی کے عالم میں ذات حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات حسنہ گنواتے چلے گئے مگر اس بے خودی میں حد ادب بھی ملحوظ رہا اور تقاضائے شریعت بھی اسی لئے عالم وجد میں بھی توازن کا دامن نہ چھوٹا کہتے ہیں۔

دَعْ مَا ادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّھِمِ ۔ وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْہِ وَاحْتَکِمِ [4]

یہ بیت تمام مدحیہ شاعری کا معیار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب کائنات اور سرور عالمین ہونے کی محبت کے ذکر سے قبل ایک انتباہ درج کر کے قلم کو سلیقہ آداب سکھا دیا "الوہیت" کی نفی شرط اول قرار دی اور بعد اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے تمام کمالات اُس ذات ستودہ صفات میں تلاش کرنے کا اشارہ دیا۔ اس بیت کو نعتیہ شاعری کا عنوان یا سرنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

چوتھی فصل سے حیات طیبہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ مولد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور معجزات ولادت کا بیان ہوا پھر زمانی ترتیب کے مطابق دعوت اسلام کی کیفیات اور مشکلات کا تذکرہ کیا اور دعوت کے مرکزی نقطے ایمان بالقرآن کے حوالے سے قرآن کی عظمت و صیانت کو خراج عقیدت پیش کیا کہ یہ سب معجزات سے برتر اور تا ابد رہنے والا ہے۔ قرآن کی الہامی حیثیت کے ضمن میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان شروع ہوا کہ یہ انسانی پیکر کا رب سے بڑا معجزہ اور ارتقائے

---

① قصیدۃ البردہ، نفح الوردہ شرح شعر نمبر ۷ ② حوالہ مذکورہ شعر نمبر ۱۷ ③ نفح الوردہ شرح قصیدۃ البردۃ اشعار نمبر: ۳۳، ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۴۴، ۴۵، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۶، ۵۹ – ۶۷ ④ حوالہ مذکورہ شعر نمبر ۴۳

بشریت کا نقطۂ کمال ہے۔ ایسے قرآن اور صاحب قرآن کو تسلیم نہ کرنے والوں کی عقل خود فریبوں کا شکار ہے۔ ان کی ذہنی کمزوری کی اصلاح کے لئے علمی دلائل کی نہیں عملی جہاد کی ضرورت ہے اسلئے آٹھویں فصل میں جہاد کی اہمیت اور ضرورت کا ذکر اور اسکی اثر آفرینی کا تذکرہ ہے۔ حیات مبارکہ کی مکمل تصویر کشی کے بعد مغفرت کی طلب اور گناہ سے بچنے کی خواہش کا اظہار ہے۔ نمونہ از خروارے۔

فَالدُّرُّ يَزْدَادُ حُسْنًا وَهُوَ مُنْتَظِمٌ - وَلَيْسَ يَنْقُصُ قَدْرًا غَيْرَ مُنْتَظِمِ
دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ - مِنَ النَّبِيِّينَ إِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ
رَدَّتْ بَلَاغَتُهَا دَعْوَى مُعَارِضِهَا - رَدَّ الْغَيُورِ يَدَ الْجَانِي عَنِ الْحُرَمِ
قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمَدٍ - وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَاءِ مِنْ سَقَمِ
وَعَنْ مِقْدَارِ مَا أُولِيتَ مِنْ ذَنْبٍ - وَعَنْ إِدْرَاكِ مَا أُولِيتَ مِنْ نِعَمِ[1]

پھر اپنے سابقہ گناہوں پر ندامت اور اپنی شعری صلاحیت کے ضیاع پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور دربار رسالت میں ایک مستغیث کی حیثیت سے حاضر ہیں۔

خَدَمْتُهُ بِمَدِيحٍ أَسْتَقِيلُ بِهِ - ذُنُوبَ عُمْرٍ مَضَى فِي الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ
فَيَا خَسَارَةَ نَفْسٍ فِي تِجَارَتِهَا - لَمْ تَشْتَرِ الدِّينَ بِالدُّنْيَا وَلَمْ تَسُمِ
وَلَمْ أُرِدْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا الَّتِي اقْتَطَفَتْ - يَدَا زُهَيْرٍ بِمَا أَثْنَى عَلَى هَرِمِ
يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ - سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمِمِ
فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا - وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ[2]

آخر پر درود و سلام کے ساتھ قصیدہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ قصیدے کی طوالت کے باوجود ایک اعلیٰ معیار قائم رہنا اور ہر شعر کا ذوق علمی کے معیار پر پورا اترنا ایک ایسی سعادت ہے جو بایدو شاید ہی نصیب ہوتی ہے۔

الغرض قصیدہ البردہ علامہ البوصیری کا وہ زندہ جاوید کارنامہ ہے جو ہر لحاظ سے اُن کے اعلیٰ ذوق کا غماز اور دیگر شعراء کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ یہ قصیدہ امت مسلمہ کے لئے امام بوصیری کا وہ تحفہ ہے جس کی تازگی کو دوام حاصل ہے کہتے ہیں کہ علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ ھ) نے تیمور لنگ کو دیگر تحائف کے ساتھ قصیدہ بردہ بھی تحفہ ارسال کیا تھا[3] اس سے عربیت کے متبحر عالم کی اس قصیدے سے گرویدگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ البوصیری نے الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ کے علاوہ بھی بہت سے مدحیہ قصائد لکھے جو ان کے دیوان میں شامل ہیں مثلاً ا۔ قصیدہ "ام القریٰ فی مدح خیر الوریٰ" جسے عرف عام میں الہمزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ قصائد ۴۵۶ ابیات پر مشتمل ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے تمام پہلوؤں کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کا بیان اور معجزات کے تذکرے میں ادبی حسن دھندلایا نہیں بلکہ ایک پہاڑی ندی کی طرح لفظوں کا سیلاب بہتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جس میں روانی کی شدت بھی ہے اور تسلسل بھی، ایک ہی قافیے میں اس قدر طویل قصیدہ لکھنا اور لفظوں میں جھول نہ پیدا ہونے دینا امام بوصیری کی روحانی قوت ہی کا کرشمہ ہے نمونۃً چند شعر پڑھئے۔

كَيْفَ تَرْقَى رُقِيَّكَ الْأَنْبِيَاءُ - يَا سَمَاءً مَا طَاوَلَتْهَا سَمَاءُ
إِنَّمَا مَثَّلُوا صِفَاتِكَ لِلنَّا - سِ كَمَا مَثَّلَ النُّجُومَ الْمَاءُ
أَنْتَ مِصْبَاحُ كُلِّ فَضْلٍ فَمَا تَصْـ - دُرُ إِلَّا عَنْ ضَوْئِكَ الْأَضْوَاءُ
كُلُّ فَضْلٍ فِي الْعَالَمِينَ فَمِنْ فَضْـ - لِ النَّبِيِّ اسْتَعَارَهُ الْفُضَلَاءُ
أَنَا حَسَّانُ مَدْحِكُمْ فَإِذَا نُحْـ - تُ عَلَيْكُمْ فَإِنَّنِي الْخَنْسَاءُ
يَا رَحِيمًا بِالْمُؤْمِنِينَ إِذَا مَا - ذَهِلَتْ عَنْ أَبْنَائِهَا الرُّحَمَاءُ
إِنَّ مِنْ مُعْجِزَاتِكَ الْعَجْزَ عَنْ وَصْـ - فِكَ إِذْ لَا يَحُدُّهُ الْإِحْصَاءُ
كَيْفَ يَسْتَوْعِبُ الْكَلَامُ سَجَايَا - كَ وَهَلْ تَنْزَحُ الْبِحَارَ الرَّكَاءُ[4]

---

① نفح الوردہ شرح قصیدۃ البردہ اشعار نمبر ۸۰، ۹۳، ۹۷، ۱۰۵، ۱۱۶ ② حوالہ مذکورہ شعر نمبر ۱۲۱، ۱۴۴، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵ ③ الموازنہ بین الشعراء ص ۱۸۲ ④ المجموعۃ النبہانیہ ص ۷۷، ۸۲، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۱۲

امام بوصیری کا ایک اور مشہور قصیدہ "ذخر المعاد فی معارضة بانت سعاد" ہے جس میں ۲۰۲ ابیات ہیں۔ مضامین کے اعتبار سے یہ امام موصوف کے دیگر قصائد کا مماثل ہے۔ سیرت کے نمایاں واقعات، اسلام کی حقانیت، اہل کتاب و مشرکین کا رد، معجزات و معجزات جن میں واقعہ معراج نمایاں ہے۔ آخر میں عجز مدح اور استغاثہ۔ قافیوں کی بوقلمونی قدرتِ کلام کی مظہر ہے اور انداز بیان ایک بحر ذہن کا عکاس ہے۔ چند شعر بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔ مطلع ہے۔

إلى متى أنت باللذات مشغولُ - وأنت عن كل ما قدمت مسئولُ !

مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فلتسوة إمام و مجتدائ - به وللفجر تعجيل و تأجيل
وكم نبئ ذكوا لذي للي ذماخته - وهل تلمى مع الشمس القناديلُ
كلّ الفصاحة عيّ في مناقبه - إذا الفكرة والتكثير تقليلُ
لو اجتمع الخلق أن يحصوا محاسنه - أعياهم جملة منها و تفصيلُ
وما على قول كعب أن توازنه - فربّما وازن الدرّ المثاقيلُ [۲]

دیگر قصائد کے چند اشعار بھی امام بوصیری کے شعری پرتے اور ادبی مقام کی توضیح کرنے کیلئے لائق مطالعہ ہیں۔

أترايت عن تحوعنه قومه - تحنو عليه العنكبوت و تحرب [۳]
لجود المصطفى محوث يدانا - وما عذرت له أبير تحيب [۴]
أمدائحي لي فيك أم تسبيح - لولاك ما غفر الذنوب مديح
حدثت أن مدائحي في المصطفى - كفارة لي والحديث صحيح
يا من خزائن جوده مملوءة - كرماً وباب عطائه مفتوح [۵]
فيا ليلة أسرى الإله بعبده - لقد نال فيها ما لو نمتلح العبد
و فاقاً فلا عدد و وجه و لا قبل - وقرب ولا بعد و وصل ولا صد [۶]
من خلقه القرآن جل كتابه - عن أن يكون حديثه مملولا [۷]

امام بوصیری کے مدحیہ کلام کا جائزہ اُن کی انفرادیت اور اُن کی عبقریت کا غماز ہے۔ تشبیب میں الفاظ کا یوں انتخاب کہ وہ منزل کے سنگ میل ثابت ہوں، گریز میں مانوسیت اور فطری طرز ادا جس سے رُخ خود بخود منزل کی طرف ہو جائے، اخلاقی معیار اور مقاصد کی ایسی چابکدستی سے انطباق کہ قاری متنبہ ہوئے بغیر بھی اثر قبول کرے جس سے شعر کا معاشرتی رابطہ استوار ہو جائے، جملوں کی ساخت جیسے محاورے یا ضرب الامثال یہ سب ان کی فنی پختگی اور ذہنی متانت کے اثرات ہیں اور سب سے بڑی بات کہ ذات ممدوح سے قلبی تعلق شعر کے الفاظ میں یوں جذب ہو جائے کہ ہر شعر کسی رُخ حیات کا عکاس دکھائی دے اتصال و قرب کے لمحات کا فوری اثر کہ دل کی بات زبان پر آجائے اور حضور ("قاسم عطایا") سب کچھ نذر کر دیا جائے۔ اس حضوری میں بھی جذبات پر قابو رہے اور کوئی بات بے سلیقہ نہ ہونے پائے، یہ ہیں امام بوصیری کی مدح گوئی کے امتیازی خد و خال جنہوں نے انہیں مدحت نگاری کا امیر کارواں بنا دیا ہے۔

چند دیگر مدح نگار

الوتری (م ۶۶۲ھ)

مجد الدین ابو عبد اللہ محمد بن الرشید ابی بکر البغدادی مشہور و اعداد تھے مدحت نگاری کا ایک انوکھا التزام کیا کہ ہر حرف مجاور سوائے الف مشہور تھا میں اکیس شعروں کا قصیدہ لکھا، اس التزام کی بناء پر ان کے قصائد کو "وتریات" اور انہیں الوتری کہتے ہیں۔ بکل ۲۹ قصائد ہیں، ان کے مجموعے کا نام "القصائد الوترية" یا "بستان العارفين في معرفة الدنيا والدين" ہے۔ جو ۱۳۱۱ھ میں مصر سے طبع ہو چکا ہے [۹]۔

---

(۱) المجموعة النبهانية ص ۳ /۸ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۱۰، ۱۶، ۲۰، ۲۱ (۳) المجموعة النبهانية ص ۱/ ۳۶۵ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۲، ۲۷۳ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۱/ ۵۸۱، ۵۸۲ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۲/ ۵ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۳/ ۱۹۵ (۸) حوالہ مذکورہ ص ۱/ ۲۸۷، کشف الظنون ص ۲/ ۲۰۰۰ (۹) تاریخ آداب اللغة العربية جرجی زیدان ص ۳/ ۳۶

ان کے قصائد اسقدر معروف ہوئے کہ بعض عقیدت مندوں نے ان پر تخمیس لکھی مثلاً تخمیس الوتریہ فی مدح خیر البریۃ محمد البغدادی (م ۶۶۲ھ) ۱ ۔ تخمیس علی الاذرعی (م ۷۲۱ھ) ۲ ۔ تخمیس محمد الوراق (م ۷۵۷ھ) اور تخمیس یوسف الرقندی الجذامی (م ۷۶۷ھ) ۳ ۔ القصائد الوتریۃ میں سے چند شعر بعثت کی بشارتوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں ۔

بِمَبْعَثِهِ كُلُّ النَّبِيِّينَ بَشَّرَتْ ۔ وَلَا مُرْسَلٌ إِلَّا لَهُ كَانَ يَخْطُبُ

بِتَوْرَاةِ مُوسَى نَعْتُهُ وَصِفَاتُهُ ۔ وَإِنْجِيلُ عِيسَى فِي الْمَدَائِحِ يُطْنِبُ ۴، ۵

معجزات کا تذکرہ مدح نگاروں کا عمومی موضوع ہے امام الوتری نے بھی انہیں موضوع سخن بنایا ہے مگر ان کے بیان میں اختصار سے کام لیا اور زیادہ توجہ آپ کے ذاتی خصائص پر یعنی صورت و سیرت کا ذکر خاص دلچسپی کا حامل ہے فرماتے ہیں ۔

بَهِيُّ جَمِيلِ الْوَجْهِ بَدْرٌ مُتَمَّمٌ ۔ صَبَاحٌ مُنِيرٌ بِالْهِلَالِ لَهُ مُعْجَبُ ۔

مُبَرَّءٌ مُبَرَّتٌ كُلَّ لَاحَ وَجْهُ مُحَمَّدٍ ۔ وَمُعْجِبَاتٌ وَحَارَتْ كُلُّ حَدِيثِهِ مُطْرِبُ

جَوَادٌ إِذَا أَعْطَاكَ أَغْنَاكَ جُودُهُ ۔ بِحَارُ النَّدَى فِي كَفِّهِ تَتَمَوَّجُ ۶

لِشَمْسِ الضُّحَى نُورٌ وَلَكِنَّ نُورَهَا ۔ يَحُولُ وَمَا نُورُ الْحَبِيبِ يَحُولُ ۷

وارفتگی محبت اور خواہش وصال الوتری کا خاص موضوع ہے ۔ ان کے دل کا کرب اس میں نمایاں ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس دربار فیض بار سے ان پر کرم ہو جائے وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ حاضری دربار کی سعادت ملے جو ان کے نزدیک حاصل زندگی ہے ۔

إِذَا لَمْ يَكُنْ لِي فِي جَنَابِكَ شَافِعٌ ۔ شَفِيعٌ فَمَا لِي غَيْرُ جَاهِكَ مَلْجَأُ ۸

مَرِيضُ الْمَعَاصِي فِي يَدَيْكَ عِلَاجُهُ ۔ فَعَجِّلْ عِلَاجِي إِنَّنِي لَسَقِيمُ ۹

ثِيَابُ سَمَائِي بِالذُّنُوبِ تَشَعَّثَتْ ۔ وَبِالْمَدْحِ أَرْجُو أَنْ يُزَحْزِحَ الشَّعَثُ ۱۰

تَحِنُّ إِلَى نَحْوِ الشَّبَابِ بِجُمْلَتِي ۔ وَأَدْرَأُ أَحْيَانًا مِنَ الشَّوْقِ أَحْمَرِي غُصَصْ ۱۱

عَوِّضْنِي عَلَى بَابِ الشَّفِيعِ فَإِنَّنِي ۔ لَعَفْتُ عَفْوَ اللَّهِ لَعَفًا عَلَى نَقْصِي ۱۲

ابوالیمن ابن عساکر (م ۶۸۶ھ) الدمشقی مشہور محدث تھے، فضائل ام المومنین خدیجۃ، احادیث عید الفطر، فضل رمضان اور جبل حرا ان کی تالیفات ہیں چالیس سال مکہ میں رہے مدینہ میں انتقال ہوا، شعر کا ذوق تھا ۔ ۱۳

چند شعر جن میں درود پاک کا ذکر ہے لائق توجہ ہیں ۔

أَلَا إِنَّ الصَّلَاةَ عَلَى الرَّسُولِ ۔ شِفَاءٌ لِلْقُلُوبِ مِنَ الْغَلِيلِ

أَدِمِ الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى ۔ تَخْلُصْ مِنَ الْجَحِيمِ وَنَارِهَا ۱۴

نعلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک شعر جو خود سپردگی کا غماز ہے ۔

لَوْ أَنَّ خَدِّي يَحْتَذِي نَعْلًا لَهَا ۔ لَبَلَغْتُ مِنْ نَيْلِ الْمُنَى آمَالِي ۱۵

ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) الشیخ تقی الدین ابوالفتح محمد بن علی القشیری الشافعی مصر کے مشہور محدث جو وہاں شوافع کے قاضی القضاۃ بھی رہے ۱۶ ۔ محدث، فقیہ، قاضی، اصولی، ادیب نحوی اور شاعر تھے ۔ ۱۷ علامہ الشوکانی کہتے ہیں " له اشعار حسنة محكمة تورية الحاني جيرة المباني ۱۸ وكان مع غزارة علمه ظريفاً، له اشعار وملح واخبار " ۱۹

محدث ابن دقیق العید کی شاعری میں دینی عنصر نمایاں ہے ۔ واقعات کی سند رکھتے ہیں ۔ اور اپنے خیالات احادیث سے ترتیب دیتے ہیں اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ محدثانہ شاعری میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، فرماتے ہیں ۔

---

۱ معجم المولفین ص ۹/۱۲ ۔ ۲ حوالہ مذکورہ ص ۱/۱۰، کشف الظنون ص ۲/۲۰۰ ۔ ۳ حوالہ مذکورہ ص ۱/۱۳۵ ۔ ۴ حوالہ مذکورہ ص ۱۲/۲۳۷

۵ المجموعۃ النبہانیہ ص ۱/۱۱ ۔ ۶ المجموعۃ النبہانیہ ص ۱/۱۲ ۔ ۵۷۰ ۔ ۷ حوالہ مذکورہ ص ۳/۲۷۱ ۔ ۸ حوالہ مذکورہ ص ۱/۲۸۴

۹ حوالہ مذکورہ ص ۴/۷۹ ۔ ۱۰ حوالہ مذکورہ ص ۱/۵۵۷ ۔ ۱۱ حوالہ مذکورہ ص ۲/۲۸۳ ۔ ۱۲ حوالہ مذکورہ ص ۲۹۱ ۔ ۱۳ الاعلام ص ۴/۱۳۳ ۔ ۱۴ نفح الطیب ص ۲۵۱/۲۵۲

۱۵ المجموعۃ النبہانیہ ص ۳/۴۰۰ ۔ ۱۶ النجوم الزاہرہ ص ۸/۲۰۶ ۔ ۱۷ اتحاف النبلاء ص ۳۵۹ ۔ ۱۸ البدر الطالع ص ۲/۲۳۲

۱۹ الاعلام ص ۷/۱۷۳ ،

كَثُرَتْ مُعْجِزَاتُ أَحْمَدَ حَتّٰى - صَارَ خَرْقُ الْعَادَاتِ فِيمَا اعْتِيَادُهُ
فَالْعَقْدُ حَيْثُ النُّورُ يُشْرِقُ سَاطِعًا - وَالتُّرْبُ حَيْثُ تَرَى الثَّرٰى مُتَعَطِّرَا
فِيهِ الْمَلَاذُ لَقَدْ سَمَا وَكَذَا حَرَا - وَكَذَا الْجَلِيلُ مُحَقَّقًا وَمُقَرَّرَا ١

ابن العطار المغربی الجزائری (م ۷۰۲ھ) نے مدح رسالت میں دو تالیفات مجموعی ہیں "نظم الدرر فی مدح سید البشر" اور "الورد العذب المعین فی مولد سید الخلق اجمعین" ۲۔ نفح الطیب میں ان کے متعدد اشعار دیئے گئے ہیں اور خصوصیت سے ان کی بعض مسدسیں جن کا موضوع درود و سلام ہے ۳ شعر پر قدرت حاصل ہے اور سلام کے شعر میں روایت پسندی کے باوجود زور کلام مریدنی ہے۔ مدحیہ اشعار میں خواہش وصال کا رنگ نمایاں ہے۔ مدینہ منورہ کی محبت ان کے اشعار میں رچی بسی ہے۔

فَلِلْعَيْنِ مِنْ تِلْكَ الْمَعَاهِدِ نُزْهَةٌ - وَلِلْقَلْبِ فِي تِلْكَ الرُّسُومِ مَآرِبُ
الْمَنِيَّةُ مُعْتَرَفٌ بِأَنْ تَسْمَعَا - أَسْمَى وَأَسْرَى فِي النُّفُوسِ وَأَطْيَبُ ۴
إِنْ لَمْ أَزُرْ بِالْجِسْمِ قَبْرَ الْمُصْطَفٰى - فَالْقَلْبُ مِنْ بُعْدِ الْمَزَارِ يَزُورُ
نِيرَانُ قَلْبِي بِالْبِعَادِ تَوَقَّدَتْ - وَمَدَامِعِي خَدِّي بِهَا مَمْطُورُ
مِنَ الْفِرَاقِ الْجَدْمِ نِيرَانٌ لَهَا - لَهَبٌ وَمِنْ فَيْضِ الدُّمُوعِ بُحُورُ ۵

الشہاب محمود الحلبی (م ۷۲۵ھ) محمود بن سلمان بن فہد الحلبی الحنبلی مشہور کاتب تھے معروف شام کے دواوین الانشاء پر تقریباً پچاس سال تک فائز رہے، المقاضی الفاضل (م ۵۹۶ھ) کے بعد سب سے معروف انشا پرداز تھے ۶۔ نظم و نثر میں یکساں قدرت رکھتے تھے ان کا منظوم کلام تین مجلدات [illegible] امام صرصری (م ۶۵۶ھ) کے بعد مرتب سے زیادہ مدحیہ قصائد انہی کے ہیں علامہ یوسف النبہانی نے ان کے ۲۹۵۸ اشعار مختلف قوافی میں درج کئے ہیں ۸۔ مدحیہ قصائد کا مجموعہ "أهنی المنائح فی أسنی المدائح" کے نام سے مرتب کیا، صاحب دل بزرگ تھے ریاضت پسند تھے اور شعر کا عمدہ ذوق رکھتے تھے علامہ الشوکانی کہتے ہیں "فاق الاقران فی حسن النظم" و علامہ ابن حجر کی رائے ہے کہ "و فی جودة الشعر فاق أهل عصره" ۱۰۔ کثرت شعر گوئی سے بعض اوقات تکرار کی اکتاہٹ پیدا ہو گئی ہے۔ الشہاب کے اکثر قصائد طویل ہیں اسلئے کبھی کبھی خوشدلی کا وہ احساس نہیں رہتا جو علامہ البوصیری کے دیوان کے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ زبان پر ماہرانہ دسترس حاصل ہے مگر ان کے پیشے یعنی کتابت نے ان کے کلام کو متاثر کیا ہے۔ وہ بے تکان لکھتے ہیں اور ایسے ہی شعر کہتے جاتے ہیں مگر پھر بھی اگر ان کے کلام کا انتخاب کیا جائے تو عمدہ اشعار کی کمی نہیں ہے۔

الشہاب محمود کے اشعار کا معتدبہ حصہ معجزات کے بیان کیلئے وقف ہے۔ انداز بیان حکایاتی ہے اسلئے نظم مسلسل یا مثنوی کا گمان ہونے لگتا ہے۔ غزوات بھی ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ مگر واقعات شماری تک ان کی شاعری کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اوصاف نبوی کا شمار کر رہے ہوتے ہیں۔

أَحْيَاءُ مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا - وَفِي الْوَغٰى كَالصَّارِمِ الْمُنْتَضٰى
تَجَمَّعَ فِيهِ كُلُّ مَا كَانَ فِي الْوَرٰى - وَفِي أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ طُرًّا مُفَرَّقَا ۱۱

مدینہ منورہ کا ذکر بھی انہیں بہت مرغوب ہے خواہش زیارت کی آتش آفرینی اور دربار رسالت کے تصوراتی جلوؤں نے انہیں مست کر رکھا ہے۔ کہتے ہیں۔

---

۱ المجموعة النبهانيه ص ۳۶/۲، ۱۳۶، ۱۳۷ ۲ نفح الطیب ص ۳۳۶/۱، معجم المؤلفین ص ۲۲۸/۱۰ ۳ نفح الطیب ص ۳۲۷/۱۰ تا ۳۴۴ ۴ المجموعة النبهانيه ص ۲۲۱/۱، ۲۴۳ ۵ نفح الطیب ص ۳۳۹/۱۰ ۶ الاعلام ص ۴۸/۸ ۷ البدر الطالع ص ۲۹۶/۲ ۸ المجموعة النبهانيه مختلف اجزاء ۹ البدر الطالع ص ۲۹۵/۲ ۱۰ الدرر الکامنة ص ۹۳/۵
۱۱ المجموعة النبهانيه ص ۲۹۳/۲، ۴۲۷

مدینہ منورہ کا ذکر بھی انہیں بہت مرغوب ہے۔ خواہش زیارت کی آتش آفرینی اور دربار رسالت کے تصوراتی جلووں نے انہیں مست کر رکھا ہے۔ کہتے ہیں

فَرُبَّ يَمَنٍ أَضْحَى بِطَيْبَةَ دَارُهُ - وَلَهُ بِهَا الإِصْبَاحُ وَالإِمْسَاءُ
وَالْحُجْرَةُ الْغَرَّاءُ وَبَيْنَ سُتُورِهَا - أَسْنَى مِنَ الأَقْمَارِ فِي لَحْدِهَا ١
وَأَشْبَعَ مَعَنَ أَرْحُلِ الْيَعْمَلَاتِ - جَاجِفَانِ عَيْنِي فِرَاقُ الْغُمَارِ ٢

اور توسل کا رنگ ہے: بِجَاهِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى أَتَوَسَّلُ - فَمَا لِي سِوَاهُ فِي الْمُهِمَّاتِ مَوْئِلُ ٣

ابن سید الناس (م ٧٣٤ھ) محمد بن محمد بن محمد نام، ابوالفتح کنیت تھی مگر شہرت ابن سید الناس سے ہے۔ حافظ حدیث اور محقق عالم تھے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی کتاب "عیون الاثر" بہت مشہور ہے ۴۔ اس پر انہیں صاحب السیرۃ کا لقب ملا "بشری اللبیب بذکر الحبیب" قصیدہ ہے۔ جس کی انہوں نے خود ہی منح المدح کے نام سے شرح لکھی۔ قصیدہ میمیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے اس میں صحابہ اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظم کئے ہیں ۵۔ محدث و مورخ ہونے کے ناطے سے واقعات سیرت کو موضوع کلام بناتے ہیں اور انداز بیانیہ سا ہوتا ہے مگر جب جذبات زور کرتے ہیں تو سیرت کے واقعات کو اپنے اندر یوں سمو لیتے ہیں کہ واردات معلوم ہوتے ہیں ایسے موقعہ پر ان کے شعر نہایت کاٹ دار اور پر تاثیر ہوتے ہیں مثلاً

وَمِنْ قَدِّهَا غُصْنُ الأَرَاكَةِ سَارِقٌ - وَمِنْ مُقْلَتَيْهَا السِّحْرُ هَارُوتُ نَافِثٌ ۶
فَالشَّمْسُ تَطْلُعُ مِنْ ضِيَاءِ جَبِينِهِ - وَلَهَا بِهِ فِي الْحُسْنِ أَبْهَجُ مَطْلَعٍ
وَالْمَاءُ يَنْبُعُ مِنْ أَنَامِلِهِ وَكَمْ - وَرَدَ الظِّمَاءُ بِهِنَّ أَعْذَبَ مَنْبَعٍ ۷

الصفی الحلی (م ٧٥٠ھ) عبدالعزیز بن سرایا جو الصفی الحلی کے نام سے مشہور ہیں اپنے دور کے نمایاں شعراء میں سے تھے جنہوں نے ہر صنف شعر میں طبع آزمائی کی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں "يعاني الأدب فمهر في فنون الشعر كلها" ۸۔ طویل قصائد کہنے میں شہرت پائی۔ مدحت رسالت میں طویل قصیدہ کہا جس میں علم بدیع کے تمام انواع کے احاطے کی کوشش کی۔ ابن جابر الاندلسی کی طرح اس فن میں اپنا کمال دکھایا، عموماً سہولت الفاظ اور روانی کلام میں شہرت رکھتے ہیں مگر بدیعیہ میں انہوں نے تکلف آمیز شاعری کی ہے اس قصیدے کا نام "الكافية البديعية في مدح النبي" ہے۔ خود ہی اس کی شرح لکھی اس کی خود وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں "وطالعت ما أمكن الوقوف عليه ثلاثين كتابا فنظمت مائة وخمسة وأربعين بيتا في بحر البسيط تشتمل على مائة واحدى وخمسين نوعا ۹" نعت میں الصفی الحلی کے اور بھی قصائد ہیں ان میں سے چند اشعار:

كَفَى الْبَدْرَ حُسْنًا أَنْ يُقَالَ نَظِيرُهَا - فَيُزْهَى وَلَكِنَّا بِذَاكَ نَضِيمُهَا
وَحَسْبُ غُصُونِ الْبَانِ أَنَّ قَوَامَهَا - يُقَاسُ بِهِ مَيَّادُهَا وَقَوِيمُهَا
وَقَدْ عَوَّدَتْ الأَفْوَاهُ ثُمَّ غَيْرُنَا - بِجُودِكَ كَمَا قَبَّلْتَهُ تَعُودُهَا
وَلَوْ وَقَفَتِ الْوُفَّادُ قَدْرَكَ حَقَّهُ - لَكَانَ عَلَى الأَحْدَاقِ مِنْهَا مَسِيرُهَا ١٠

ابن نباتہ (م ٧٦٨ھ) جمال الدین محمد بن الجذامی المصری آٹھویں صدی ہجری کے نمایاں شعراء میں سے ہیں جن پر تصوف کا رنگ گہرا ہے۔ اور جنہوں نے مدح محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شعری کا محور بنا لیا ہے۔ ابن تغری کہتے ہیں "كان حامل لواء الشعر في زمانه" اور یہ بھی مستند رائے ہے کہ هو أشعر الناس على الإطلاق ١١۔

---

(١) المجموعة النبهانية ص ١/١٣٥ (٢) ايضاً ص ١٤٣ (٣) حوالہ مذکورہ ص ٣/١٤٢ (٤) البدر الطالع ص ٢/٢٥١، الدرر الكامنة ص ٤/٣٣٠ تا ٣٣٥ (٥) كشف الظنون ص ١/٢٢٦ (٦) المجموعة النبهانية ص ١/٥٨ (٧) المجموعة النبهانية ص ٢/٣٣٩ (٨) الدرر الكامنة ص ٢/٤٧٩ (٩) غض ابان الورق بمحسنات البيان نواب محمد تقی حسنی ص ٥٨ (١٠) المجموعة النبهانية ص ٢/١٨٠، ١٨٢ (١١) البدر الطالع ص ٢/٢٥٣

القاضی الفاضل (م ۵۹۶ھ) کے طرزِ تحریر کا تتبع کیا اور علم بدیع و علم معانی کی مصطلحات کو شعر میں سمو کر لفظ اور معنی میں ایک ایسا تعقید پیدا کر دیا جو عام قاری کیلئے کئی مشکلات پیدا کرتا ہے۔ بقول احمد الاسکندری ابن نباتہ الفاضل کے بعد اس تکلف طرزِ ادا کے امام ہیں ۱۔ اس کے باوجود علماء ادب اور مورخین نے ابن نباتہ کو عمدہ شاعر قرار دیا ہے۔ وشعرہ فی الذروۃ ۲ ۔ ولہ النثر الرائق والشعر الفائق ۳۔ کی سند عطا کی ہے۔ مدح نبوی میں پانچ معروف قصائد ہیں ۴ الھمزیہ (۸۹ شعر) الرائیۃ (۹۰ شعر) عینیۃ (۸۸ شعر) لامیۃ (۷۱ شعر) یہ قصیدہ بانت سعاد کا معارضہ ہے۔ جیمیہ اس کا ذکر نہ تو علامہ النبہانی نے کیا اور نہ ہی یہ قصیدہ دیوان ابن نباتہ میں موجود ہے۔ صرف ڈاکٹر فرزکی مبارک نے اس کا ذکر کیا ہے اور کمزور ترین قرار دیا ہے۔ قصائد کی تعداد کے علاوہ ان میں شامل اشعار کی تعداد میں بھی کچھ اختلاف ہے ۵۔ چند شعروں کا مطالعہ ابن نباتہ کی شعری حیثیت متعین کرنے میں مددگار ہوگا۔

وَعَيْنِيَ وَصَحْبِي فِي الْحُبِّ طُهْرٌ - كَأَنَّ دُمُوعَ عَيْنِي بِهَوَاهُ مَحَاجِرُ

تَلُوذُ بِجَاهِهِ الْفُقَرَاءُ حَتَّى - مِنَ الْعَمَلِ الرِّضَاءُ الْأَغْنِيَاءُ

فَمَنْ ذَا يَكْفَاجِيهِ وَجِبْرِيلُ خَادِمٌ - لِمَقْدِمِهِ الْعَالِي وَعِيسَى مُبَشِّرُ ۵

يُغْشِي النُّجُومَ جَمَالُهُ وَجَلَالُهُ - فَالطَّرْفُ بَيْنَ تَغَمُّضٍ وَتَطَلُّعِ ۶

وَالْبَدْرُ شُقَّ لِقُرْبِهِ مُتَّصِلٌ - وَالْجِذْعُ حَنَّ لِبُعْدِهِ مُتَفَجِّعُ ۷

رعایت لفظی اور تجنیس کا یہ شعر عمدہ نمونے ہیں۔ مثلاً عیسیٰ مبشر، کا تعلق بھر جلال و جمال، تغمض و تطلع، قرب و بعد، فقراء و اغنیا میں صنعتِ تضاد یہ سب رعایتیں اس دور کے تقاضے تھے جسے ابن نباتہ نے نبھانے کی کوشش کی اور اکثر وہ اس میں کامیاب ہوئے اور کوئی شاعر اپنے دور کے تقاضوں سے حرفِ نظر کی جرأت نہیں کرتا۔ زمانی کیفیات کے پیش نظر ہی تو امام السبکی نے کہا تھا "وما رأينا أشعر منه ولا أحسن نثرا" ۸۔ مگر یہ حقیقت بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیئے کہ اس طرزِ تحریر سے قاری پر غیر ضروری بوجھ پڑتا ہے اور وہ فنی الجھنوں کو سلجھانے میں مصروف رہتا ہے اسلئے مدح رسالت کا مقصد اصلی پس منظر میں چلا جاتا ہے۔

القیراطی (م ۷۸۱ھ) برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم القیراطی المصری، شیخ ابن نباتہ کے شاگردوں میں سے سب سے زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ "مطلع النیرین" کے نام سے دیوان مرتب کیا ۹۔ بانت سعاد کا معارضہ بھی لکھا مگر یہ قصیدہ ۲۵۵ اشعار کا ہے دو شعر ان کے طرز استدلال کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

وَمُحَيَّاهُ يُخْجِلُ الْبَدْرَ فِي التِّمِّ - وَتَخْفَى شَمْسُ الضُّحَى فِي الْخَفَاءِ

فَعَلَى الْبَدْرِ صُفْرَةٌ مِنْ خُشُوعٍ - وَعَلَى الشَّمْسِ حُمْرَةٌ مِنْ حَيَاءِ ۱۰

البُرَعی (م ۸۰۳ھ) عبد الرحیم بن احمد البرعی الیمانی، النیابتن (یمن) کے رہنے والے ہیں اور مشہور مدرس و مفتی ہیں، دیوان چھپا ہوا ہے اور زیادہ تر مدح نبوی پر مشتمل ہے ۱۱۔ البرعی ایک صوفی بزرگ تھے۔ ان کے ہاں محبتِ رسالت کا ایک پاکیزہ جذبہ موجود ہے مضامین تو سابق شعراء سے ہی اخذ کئے ہیں مگر ان میں طرزِ ادا کی جدت نے ان کی انفرادیت قائم کر دی ہے۔

---

(۱) الوسیط ص ۳۱۵ (۲) الدرر الکامنۃ ص ۳۴۰/۴ (۳) النجوم الزاھرۃ الجزء الحادی عشر ص ۹۵ (۴) دیکھئے المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص ۱۸۸ تا ۱۹۹، دیوان ابن نباتہ ص ۲ تا ۴، ۱۲، ۱۵، ۱۸۰ تا ۱۸۳، ۲۹۰ تا ۲۹۳، ۳۲۲ تا ۳۲۵ اور المجموعۃ النبہانیہ متعلقہ اجزاء (۵) دیوان ابن نباتہ ص ۲، ۳، ۱۸۲ (۶) المجموعۃ النبہانیہ ص ۳۴۳/۲ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۳۴۴، دیوان ابن نباتہ ص ۲۹۱ (۸) طبقات الشافعیہ الکبریٰ الجزء السادس ص ۳۱ (۹) معجم المؤلفین ص ۵۵/۱ (۱۰) المجموعۃ النبہانیہ ص ۱۴۴/۱، ۱۴۵ (۱۱) الأعلام ص ۱۱۸/۴

البرعی واقعات کی حکایت کے بجائے صرف اشارے کرتے ہیں اور اپنی ذات کو ایک ناظر کی حیثیت سے نہیں ایک شریک سفر کی حیثیت سے نمایاں کرتے ہیں۔ درود و سلام ان کا خاص موضوع ہے جسے عموماً مخمس کی شکل میں پیش کرتے ہیں مثلاً[1]

هُوَ صفوة الباری وخاتمُ رُسلهِ - وامینه المخصوص منه بفضله
لا ذكرَ أحسنُ ان لم أصلهِ - في مدح احمدَ لؤلؤاً منظوما
صَلّوا عليهِ وسلّموا تسليما۔ !

اور اب مدحیہ رنگ[2]

نبيٌّ مَا رَأَتهُ الشَّمسُ إِلَّا - وَغَضَّت عَن مَحَاسِنِهِ حَيَاءُ
شَفِيعُ المُذنِبِينَ أَقِل عِثَارِي - فَإِنَّكَ خَيرُ مَن سَمِعَ النِّدَاءُ
أَحِنُّ إِلَيهِم مِن دِيَارٍ بَعِيدَةٍ - وَأَسأَلُ عَنهُم مَن يَجِيءُ وَيَذهَبُ
إِذَا مَدَحَ المُدَّاحُ أَرْبَابَ عَصرِهِم - مَدَحتُ الَّذِي مِن نُورِهِ الكَونُ يَبتَهِجُ
أَتَتكَ مِنَ البُنَيَّاتِ مُجِيدَةٌ - بِمَدحِكَ تَرجُو مِنكَ أَسنَى الجَوَائِزِ
العَدلُ سِيرَتُهُ وَالفَضلُ شِيمَتُهُ - وَالرُّعبُ يَقدُمُهُ وَالنَّصرُ يَخدُمُهُ
أَنتَ الَّذِي مَا لَهُ فِي الكَونِ مِن شَبَهٍ - هَيهَاتَ أَينَ ثَرَاهَا مِن ثُرَيَّاهَا

ابن خلدون (م ۸۰۸ ھ) عبدالرحمٰن بن محمد ولی الدین الاشبیلی علماء عرب میں ایک قد آور شخصیت ہیں جن کی شہرت کا اصل معیار اُن کی تاریخ ہے بلکہ مقدمہ ہے۔ مقدمہ ابن خلدون معاشرتی علوم وادبی علوم کا ایسا مجموعہ ہے کہ جس کی شہرت عالم عرب سے باہر اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو عربوں کے ہاں اسے حاصل ہے۔ اس عمرانی عبقریت کے ساتھ ابن خلدون شعر گوئی کا ذوق بھی رکھتے تھے اور مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا ایک متوسط حجم کا بائیہ قصیدہ دستیاب ہے جس میں امتحان تو روایتی ہے مگر انتخاب الفاظ اور بندش کلام کے حوالے سے ان کا بائیہ بہت بلند پایہ تصنیف ہے کہ اس میں ان کے ذہن کی پختگی اور معانی تک بلا تکان رسائی باہم گر محسوس ہوتی ہیں، فرماتے ہیں

يَا سَيِّدَ الرُّسلِ الكِرَامِ ضَرَاعَةً - تَقضِي مُنَى نَفسِي وَتُذهِبُ حُوبِي
عَاقَت ذُنُوبِي عَن جَنَابِكَ وَالمُنَى - فِيهَا تُعَلِّلُنِي بِكُلِّ كَذُوبِ
هَب لِي شَفَاعَتَكَ الَّتِي أَرجُو بِهَا - صَفحاً جَمِيلاً عَن قَبِيحِ ذُنُوبِي
إِنَّ النَّجَاةَ وَإِن أُتِيحَت لِامرِئٍ - فَبِفَضلِ جَاهِكَ لَيسَ بِالتَّسبِيبِ
إِنِّي دَعَوتُكَ وَاثِقاً بِإِجَابَتِي - يَا خَيرَ مَدعُوٍّ وَخَيرَ مُجِيبِ[3]

مجدالدین الفیروز آبادی (م ۸۱۷ ھ) محمد بن یعقوب ابو طاہر کازرون متعلقہ شیراز میں ۷۲۹ ھ میں پیدا ہوئے تلاش علم میں عراق، شام، حجاز کا سفر کیا حتیٰ کہ روم اور ہندوستان بھی آئے، لغت عربی کے امام اور شہرہ آفاق عالم تھے کثیر تصنیفات ہیں ان میں "القاموس المحیط" ایک بے نظیر کتاب ہے۔ قصیدہ بانت سعاد کا معارضہ لکھا

---

① دیوان البرعی ص ۷۶ ② دیوان البرعی ص ۶۵، ۱۰۳، ۱۰۱، ۵۵، ۳۳، ۸۳ ③ نفح الطیب الجزء الثامن ص ۲۸۸

جو ۱۶۸ شعروں پر مشتمل ہے اس میں کہتے ہیں۔

هٰذا الَّذِي مَا لَهُ فِي حِلْمِهِ شَبَهٌ ـ هٰذا الَّذِي قَطْرَةٌ مِن نَيْلِهِ نِيلُ ۔

لَولَاهُ مَا كَانَ لَا فَلَكٌ وَلَا مَلَكٌ ـ كَلَّا وَلَا كَانَ تَحرِيمٌ وَتَحلِيلُ

كَالبَدرِ مُكتَمِلٌ لِلشَّكلِ مُحتَمِلٌ ـ بِالبِشرِ مُشتَمِلٌ بِالسَّعدِ مَشمُولُ

فِي طَرفِهِ غَنَجٌ فِي خَدِّهِ ضَرَجٌ ـ فِي ثَغرِهِ فَلَجٌ وَالرِّيقُ مَعسُولُ

تَغِيبُ شَمسُ الضُّحَى مِن نُورِ غُرَّتِهِ ـ إِذَا بَدَا وَجهُهُ وَلِلنَّاسِ تَحجِيلُ

إِنِّي بِبَابِ رَسُولِ اللهِ سَائِلُهُ ـ وَشَافِعِي الدَّمعُ وَالمَسؤُولُ مَأمُولُ!

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبان کا معیار بلند ہے کہ ایک نحوی کے زور قلم کا نتیجہ ہے مگر معانی میں کوئی جدت نہیں اوصاف شماری بھی قدیم ہے تو تشبیہات بھی مروجہ ہیں اور استغاثے کا طریق بھی وہی ہے جو بارہا شعراء نے استعمال کیا ہے اسلئے یہ قصیدہ نحوی دلچسپی کی حد تک قابل مطالعہ ہے۔

ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۷ھ) تقی الدین أبوبکر بن علی الحموی الحنفی ۷۶۷ھ میں حماۃ میں پیدا ہوا۔ عہد حماۃ کا مشہور شاعر اور ادیب تھا کچھ عرصہ قاہرہ میں قیام رہا اور دیوان الانشاد کے نگران کی حیثیت سے کام کیا پھر وطن لوٹ گیا اور آخر علم وادب کی خدمت میں مصروف رہتے ہوئے وہیں وفات پائی ②۔ امام بوصیری کے قصیدہ بردہ سے متاثر ہو کر میمیہ قصیدہ بطور معارضہ لکھا جو ۱۴۳ اشعار کا قصیدہ ہے ابن حجۃ نے اس قصیدے کو ابن الاندلسی اور الصفی الحلی کی طرح علم بدیع کا شاہکار بنایا اور مدح سے زیادہ بدائع وصنائع کی پاسداری نبھائی ڈاکٹر زکی مبارک کہتے ہیں:

"وھی تقع فی اثنین وأربعین ومائتہ بیت، وھو عدد ما اھتم بعرضہ من ضروب البدیع، وھذہ المناسبۃ الدقیقۃ بین أبیات القصیدۃ وبین الفنون البدیعیۃ تریناأن المؤلف لم یھتم بالمدح النبوی اھتمامہ بالبدیع" ③

اور اسی اہتمام ہی کا اثر ہے کہ جب ابن حجۃ نے خود اس قصیدے کی شرح خزانۃ الادب ونہایۃ الارب تحریر کی تو شرح کا مرکزی نقطہ اقسام بدیع کی وضاحت اور شعر سے ان کی مناسبت کا اظہار ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب جو بڑے سائز کے ۵۰۷ صفحات پر محیط ہے عربی ادب کی ایک عمدہ کتاب ہے جو فنون بدیعیہ اور عروضیہ سے بحث پر مشتمل ہے۔ ابن حجۃ کا بدیعیۃ متکلفانہ شاعری کی عمدہ مثال ہے جس میں مفاہیم سے کہیں زیادہ لفظی حسن وجمال مقصود ہے اور جس پر آورد کا رنگ غالب ہے اور مقصد شعر یعنی مدحت رسالت ایک ثانوی مقصد بن کر رہ گیا ہے۔ یہ انداز شعر اس دور کا مرغوب ترین طریقہ تھا جس میں ابن حجۃ نے اپنی عظمت منوائی ہے چند شعر ملاحظہ ہوں

مطلع ہے: لِي فِي ابْتِدَا مَدحِكُم يَا عُربَ ذِي سَلَمٍ ـ بَرَاعَةٌ تَستَهِلُّ الدَّمعَ فِي العَلَمِ ④

مدح الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ابن حجۃ کا اسلوب اسی سے بھی زیادہ فنی نوعیت کا ہے۔

مُحَمَّدٌ ابنُ الذَّبِيحَينِ الأَمِينُ أَبُو الْبَتُولِ خَيرُ نَبِيٍّ فِي الوَرَى رَحِمِ ۔

عَينُ الكَمَالِ كَمَالُ العَينِ رُؤيَتُهُ ـ يَا عَكسَ طَرفٍ مِنَ الكُفَّارِ عَنهُ عَمِي

أَبدَى البَدِيعُ لَهُ الوَصفَ البَدِيعَ وَفِي ـ نَظْمِ البَدِيعِ فَلَا تَردِيدُهُ بِفَمِي ⑤

پہلے شعر میں صنعت اطراد دوسرے میں صنعت عکس اور تیسرے میں صنعت تردید شاعر کے پیش نظر ہیں، مدح تو صرف عنوان کی مناسبت سے کہی جارہی ہے ورنہ اصل مقصد صنعت کاری ہے۔ یہ اسلوب شعر ابن حجۃ کے دیگر قصائد میں بھی موجود ہے مثلاً ان کا ایک اور مشہور قصیدہ "أمان الخائف" ہے جو بدیعیہ کی طرح میمیہ قصیدہ ہے مگر قافیہ مضموم ہے اس میں کہتے ہیں۔

---

① المجموعۃ النبھانیہ ص ۳/ ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۳۷ ② تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جرجی زیدان ص ۳/ ۱۲۵، البدر الطالع ص ۱/ ۱۶۵
③ المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص ۱۸۲ ④ حوالہ مذکورہ ص ۱۸۴ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۱۸۷

وَدَوحَةُ حُسنٍ فِي رَبِيعٍ لَنَا بَدَت ۔ وَمَنبَعُهَا البَيتُ العَتِيقُ المُحَرَّمُ
تَرَى الحُوبُ نحوَ سأئهِ مذ معرّب لغلهِ ۔ وَكَلّمَهُ نَبتُ الفَلَا وَهُوَ أعجَمُ
وَكَانَ يَقُولُ البَدرُ فِي النّم لَيتَنِي ۔ تَوَجّهِي لَهُ فِي لَيلَةِ النّصفِ دِرهَمُ
وَأكحَلُ عَينِي مِن تُرَابِهِ وَلَم يَكُن ۔ نَمرُ أبينَنَا مِيلٌ لَحَى العَينَ تَسأمُ ١

ہر شعر صنعت کاری کی مثال ہے اور شاعر شعوری کوشش سے الفاظ و تراکیب کا انتخاب کر رہا ہے کہ اس کے مقصد کے ساتھ مناسبت برقرار رہے۔ اس لزوم نے شعر کو چیستاں بنا دیا ہے اسی لئے تو ابن حجۃ کو اشعار کی شرح پر خود توجہ دینا پڑی تھی۔ ہر کیف یہ طرزِ تکلم اس دور کی خصوصیات میں شامل ہے اور ابن حجۃ بلا شبہ اس فن متکلف کے امام ہیں، انہوں نے دربار رسالت میں اپنی پوری توجہ صرف کر کے ایک ایسا مرقع پیش کیا ہے جس پر انہوں نے سنگ تراشی کی سی محنت کی ہے۔

ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) شیخ الاسلام امیر المومنین فی الحدیث شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی الشہیر با بن حجر العسقلانی ۲ عالم اسلام کی معروف شخصیت اور ایک نامور حافظ حدیث ہیں فتح الباری فی شرح البخاری، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، تہذیب التہذیب اور اسی معیار کی متعدد کتب جو بقول امام السیوطی ۱۸۶ ہیں کے مصنف ہیں شعر کا ذوق ابتدائے عمر سے ہی تھا آپ کے والد شاعر تھے اور ان کا مجموعہ کلام "دیوان الحرم" کے نام سے مرتب ہوا تھا یہ نوعمری سے ہی شعر کہنے لگے۔ اور مصر کے نمایاں شعراء میں شمار ہوئے 'علمائے ادب نے ان کے اشعار کو بنظر استحسان دیکھا اور اس کا اظہار بھی کیا مثلاً

"توسع بالنظم وقال الشعر الکثیر الملیح الی الغایۃ" ۵ "وکان له ید طولی فی الشعر قد اورد منه جماعۃ من الادباء المصنفین اشیاء حسنۃ جداً کابن حجۃ فی شرح البدیعیۃ وغیرہ وهم معترفون بعلو درجته فی ذلک" ۶

علامہ ابن حجر نے اپنے دور کے ادب کا اثر لیا اور شعروں میں صنائع و بدائع کی اہمیت تسلیم کر لی اسلئے ان کے کلام پر بدیعیات کا رنگ چڑھا ہوا ہے مگر اس اثر پذیری کے باوجود ان کی زبان ابن حجۃ کی زبان کی طرح تفہیم کی مشکلات پیدا نہیں کرتی اور یہ ان کے مزاج کے اثرات ہیں کہ وہ بنیادی طور پر 'شارحین' کی صف میں ہیں جن کا مقصد ایضاح معانی ہوتا ہے مگر علامہ ابن حجر کے ہاں ان کے مطالعہ حدیث کا اثر بھی نمایاں ہے 'واقعات کا اپنے ماخذ سے تعلق 'مستند روایت کا حوالہ ان کے شعروں میں ثقاہت پیدا کرتا ہے۔ ہاں ان کے ہاں شغف حدیث کا یہ مزید نتیجہ نکلا کہ اقتباسات اور مصطلحات حدیث شعروں میں پروی جاتی ہیں اس سے قاری کو بعض اوقات دقت کا سامنا کرنا ہوتا ہے بہر کیف امام ابن حجر 'عالمانہ شاعری' سے گزر کر خالص ادبی مزاج کی شاعری کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں ان کے دیوان میں سات مختلف موضوعات میں منقسم شاعری ہے' جب کہ النبویات کو شرف آغاز حاصل ہے زورِ کلام اور تشبیب سے گریز کی صلاحیت اس درجہ ہے کہ قاری ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

فَإِن زُحزِحَت مِنَ التّسعِيرِ عَنّي ۔ فَإنّمَا تُرجِيهَا عَينُ الرّجَاءِ
وَإِن قَنطَتُ مِنَ العِصيَانِ نَفسِي ۔ فَبَابُ مُحَمّدٍ بَابُ الرّجَاءِ ۷
جَنَابُ مُحَمّدٍ عَبدٌ مُغرَمٌ كَلِفٌ ۔ يَا أحسَنَ النّاسِ وَجهاً مُشرِقاً وَقَفَا
بِكُم تَوَسّلَ يَرجُو العَفوَ عَن زَلَلٍ ۔ مِن خَوفِهِ جَفنُهُ الهَامِي لَقَد ذَرَفَا ۔

مطالعہ حدیث کا اثر شعر میں صاف نظر آتا ہے۔

وَمَرَوِيٌّ نَائِلُهُ بَرّاً وَعِلماً ۔ كَرِيهِ عَن يَزِيدٍ وَعَن عَطَاءٍ

'مروی' کی نسبت روایت سے یزید و عطاء مشہور محدثین کے اسماء جن کے لغوی مفہوم سے استفادہ کیا گیا۔

النواجی (م ۸۵۹ھ) شمس الدین محمد بن حسن النواجی' مصر کے ایک قصبے 'نواج' کے رہنے والے تھے ابن حجۃ کے دوست تھے متعدد مؤلفات ہیں جن میں ایک دیوان بھی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہے ۱۰

---

① المجموعۃ النبہانیہ ص ۴/۱۰۲ تا ۱۰۴ ② شذرات الذہب ص ۷/۲۷۰ ③ حافظ ابن حجر العسقلانی 'مضمون حافظ محمد نعیم ندوی کد سالہ معارف مئی ۱۹۶۸ ص ۳۳۴ ④ دیوان ابن حجر دیباچہ انگریزی ص ۲۶ ⑤ شذرات الذہب ص ۷/۲۷۰ ⑥ البدر الطالع ص ۹۱/۱ ⑦ دیوان ابن حجر ۲۴ ⑧ دیوان ابن حجر ص ۱۶ ⑨ حوالہ مذکورہ ص ۲۵ ⑩ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جرجی زیدان ص ۳/۱۳۸

ابن حجة کے خلاف ایک کتاب لکھی "الحجة من سرقات ابن حجة" جس میں ابن حجة پر سرقہ کا الزام لگایا [۱] النواجی علاوہ شاعر
ہیں ان کے دیوان کا نام "المطالع الشمسية في المدائح النبوية" ہے زورِ کلام میں ان کی حیثیت دیگر شعرا سے ممتاز ہے پرعمل الفاظ
اور پرشکوہ اسلوب ان کے امتیازی اوصاف ہیں کہتے ہیں۔

يا رسولَ الإلٰهِ إنّي مُريبٌ - فأغِثْني يا ملجأَ الغرباءِ
يا رسولَ الإلٰهِ إنْ لم تُغِثْني - فَأنا مَن تُرى يكونُ التجائي [۲]

انہیں حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر اور مداحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر ناز ہے۔

مُتَيَّمٌ باسمِهِ والمدحِ في لَقَبِهِ - يا حبّذا الاسمُ أو يا حبّذا اللقبُ [۳]
وَمُحَمَّدٌ فَخْري وحُبُّكَ دِيني - ومديحُهُ دَيدني أبداً ودأبي [۴]
وإنّي وإن كنتُ الأخيرَ زمانُهُ - على العُرْبِ والعُرْبا بمدحِكَ أفخرُ - [۵]

اور اس وارفتگیِ محبت میں چشم تر ہے یا خون آشام انہیں بہرحال منظور ہے۔

ويسفحُ دمعي من جفوني كأنّه - عقيقٌ وأعرابُ الجفونِ صفائحُ [۶]
إن سالَ إنسانُ عيني بالبكاءِ دماً - لا غروَ قد خُلِقَ الإنسانُ من عَلَقِ [۷]

النواجی کے مدحیہ اشعار کثیر تعداد میں ہیں ان کی عادت تھی کہ ہر سال ایک مدحیہ قصیدہ رقم کرتے اور خود یا کسی کے ہاتھ دربارِ رسالت
میں بھجواتے تاکہ روضہ اقدس پر پڑھا جائے [۸]

ابن خلوف (م ۸۹۹ ھ) شہاب الدین احمد بن محمد بن الخلوف التونسی، تونس کے مشہور شاعر جو ہال سلطان عثمان الحفصی
کے دربار میں رہے۔ دیوان مطبوعہ چھپا ہے [۹] میمیہ قصیدہ طویل ترین قصائد میں شمار ہوتا ہے۔ ۳۲۶ شعر ہیں۔

نبيُّ هُدىً لولاهُ ما أشرقَ الضُّحى - ولا أزهرَ الرّاجي ولا أعشبَ الحِمى
هو الغيثُ في محلٍ هو الليثُ في وغىً - هو الزهرُ في روضٍ هو البدرُ في السما [۱۰]
يا مصطفى قبلَ الوجودِ إليه مُكتنفاً - والكونُ لم يبرزْ من التكوينِ
أيطيقُ مثلي حصرَ وصفِكَ بعدما - أثنى عليكَ اللهُ في التبيينِ [۱۱]

- ابن علیه الحموی (م ۹۱۷ ھ) علاء الدین علی بن محمد الحموی الدمشقی، صاحبِ دیوان شاعر تھے [۱۲]۔ مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
میں عرض گذار ہیں۔

تفرَّحَ شوقاً بنتُ فكري بذكرِهِ - تغلُّ يدَ الأعذارِ تمشطُها مشطاً [۱۳]
فليتَ شعري متى يوماً أراهُ وهل - في قبلِ موتي لذاكَ التربِ تقبيلُ [۱۴]
هو النجمُ إلّا أنّ نورَ وجهِهِ حلا - هو الجوهرُ الفردُ الذي ليس ينقسمُ [۱۵]

- عائشة الباعونية الدمشقية (م ۹۲۲ ھ) بنت یوسف۔ اردن کے قصبہ باعون میں پیدا ہوئیں مصر گئیں [۱۶] ایک
فاضلہ اور نیک سرشت خاتون تھیں کئی کتابوں کی مصنفہ اور لائقِ التفات شاعرہ ہیں۔ ان میں ان کا دیوان بھی ہے جس کا نام
"المورد الأهني في المولد الأسنى" ہے۔ مدحِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شعر ہیں۔

بدرٌ أتى الغروبَ شمسُ الاصطفا - زينةُ الدارينِ عونُ العالمي۔
ولطاعتِهِ الرواسي مثلما - سبّحتْ في كفِّهِ صُمُّ الحصى
كنزُ علمٍ حلَّ علمٌ في الورى - قطرةٌ من بحرِهِ لا من سمى
وأعتقْ في قربى أعتابِهِ - جنّةِ العشّاقِ كهفاً وجنّتي [۱۷]

---

[۱] الاعلام الجزء السادس ص ۳۲۰ [۲] المجموعة النبهانية ص ۱/۱۶۱ [۳] حوالہ مذکورہ ص ۳/۱۴۶ [۴] حوالہ مذکورہ ص ۴/۶۹ [۵] المجموعة النبهانية ص ۲/۲۴۴ [۶] حوالہ مذکورہ ص ۴/۹۹ [۷] حوالہ مذکورہ ص ۲/۵۲ [۸] حوالہ مذکورہ ص ۶۳ [۹] تاریخ آداب اللغة العربية جرجی زیدان ص ۳/۱۳۱ والاعلام ص ۱/۲۲۱ [۱۰] المجموعة النبهانية ص ۴/۱۳۱ [۱۱] حوالہ مذکورہ ص ۲۱۷ [۱۲] الاعلام ص ۵/۱۶۲ [۱۳] المجموعة النبهانية ص ۳/۲ [۱۴] حوالہ مذکورہ ص ۲/۱۶۱ [۱۵] حوالہ مذکورہ ص ۴/۱۳۵ [۱۶] الاعلام ص ۴/۷ [۱۷] المجموعة النبهانية ص ۴/۳۲۳ تا ۳۴۴

- محمد البکری (م ۹۹۴ھ) الصدیقی ابوالمکارم جو القطب البکری یا البکری الکبیر کے نام سے پکارے جاتے ہیں بصر کے مشہور صوفیا میں سے تھے، متعدد کتب کے مصنف تھے ان میں ایک ضخیم دیوان شعر بھی ہے ۱. مدحیہ شاعری میں ان کے قصائد مشہور ہیں۔

فَمَلَكَ إِحسانٌ وَمِنِّي إِساءَةٌ - فَكُن لِي شَفِيعًا يَومَ لَا يَنفَعُ المَرءُ ٢

فَأَنتَ حَبِيبُ اللهِ آتِي أُمُورِيَ - أَتَاهُ مِن غَيرِكَ لَا يَدخُلُ ٣

- محمد الصالحی الصلاحی الدمشقی (م ۱۰۱۲ھ) مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک دیوان "منبع المحامد فی مدح خیر الانام" ترتیب دیا جو مطبوع ہے ۴ اس میں لکھتے ہیں

دُوحُ العَوالِمِ لَولا عَينُهُ وَجِدَت - لَأَصبَحَ الكَونُ جِسمًا دارِسَ الأَثَرِ ٥

أُعجِمَ الحُسنُ مُذ أَتَى بِكِتابٍ - مُحكَمٍ فِي نِهايَةِ الإِعجازِ ٦

عبد العزیز الفشتالی الفاسی (م ۱۰۳۰ھ) ابوفارس وزیر المنصور احمد (سلطان المغرب) نے علامہ المقری کے ساتھی جن کا قصیدہ نونیہ جس میں ۱۱۱ شعر ہیں مگر آخر کے چالیس سے زائد اشعار سلطان مغرب کی مدح میں ہیں۔ قصیدہ فصاحت کلام کا شہکار اور قدرت زبان کا مظہر ہے۔ مدح رسالت اور طلب مغفرت میں ان کے شعروں میں ان کی قلبی کیفیات مترشح ہیں، کہتے ہیں:

محمد خیر العالمین بأسرها - وسید أهل الأرض ملأ الإنس والجان

له معجزات أخرست کل جاحد - وسلّت علی أهل ارتاب صارم برهان

أیا خیر أهل الأرض ابناء محتدا - وأکرم کل الخلق عجم وعربان

ضمن للقوافی أن تحیط بوصفکم - ولو ساجلت سبعا مدائح حسان

أجرنی إذا ابوبی الحساب جرائمی - وما ثقلت الأوزار کفة میزانی

فأنت الذی لولاه سائل عزه - لما فتحت ابواب عفو وغفران ٨

الشهاب المقری (م ۱۰۴۱ھ) ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد المقری التلمسانی ایک نہایت بلند پایہ ادیب، شاعر اور مؤرخ تھے زیادہ تر مصر میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی، ان کی تصنیفات میں سب سے زیادہ شہرت ان کی کتاب "نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب و ذکر وزیرھا لسان الدین بن الخطیب" کو حاصل ہے دس جلدوں کی یہ کتاب معلومات کا دائرہ معارف ہے اور اندلس کے حالات پر نہایت قابل اعتماد ماخذ ہے۔ اس کے علاوہ "فتح المتعال فی وصف النعال" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کے بیان اور اس کے متعلق اشعار پر مشتمل ہے ۹ کئی اور کتب بھی ہیں۔ سات مرتبہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں حدیث کا درس دیتے رہے مدینہ منورہ سے وداع کے وقت عرض کرتے ہیں:

یا شفیع العصاة أنت رجائی - کیف یخشی الرجاء عندك خیبة

وإذا کنت حاضرا بفؤادی - غیبة الجسم عنك لیست بغیبة

لیس بالعیش فی البلاد انتفاع - أطیب العیش ما یکون بطیبة ١٠

مدحت رسالت کی وسعت کا ذکر کرتے ہیں۔

إنَّ مَدحَ الرَّسولِ يَعجِزُ عَنهُ - كُلُّ مُسبِعٍ وَكُلُّ مُرهِفٍ دَوِيٍّ ١١

کیف یحظی ممدوح محمّى علیه - اللهُ أثنى وذكرهُ مُستدامُ ١٢

الشہاب الخفاجی (م ۱۰۶۹ھ) العلامۃ شہاب الدین احمد الخفاجی المصری دور عثمانیہ کے مشہور عالم، محدث، مفسر اور ادیب ہیں مدرسین کی سہولت اور افادہ عوام کے لئے عمدہ تالیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں حاشیہ علی البیضاوی (۸ جلدیں) نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض (۴ جلدیں) اور ریحانۃ الالباء مشہور ہیں ۱۳ علامہ الخفاجی کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا دیوان مرتب ہوا ہے جس میں ان کی علمیت کی چھاپ نمایاں ہے۔ استدلالی قوت ابیات میں بھی نمایاں ہے مثلاً

مِن كَفِّهِ إن نَبَعَ الماءُ فَلا - بِدعًا فَفِي راحَتِهِ بَحرُ النَّدى

إن شَقَّ لِلأَملاكِ سُرعَةً فَلا - بِدعٌ فَإِنَّ ذاتَهُ شَمسُ الهُدى

---

① الاعلام ص ۷/۲۹۰ شذرات الذہب ص ۸/۴۳۱، ۴۳۲ ۔ ② المجموعۃ النبہانیہ ص ۱/۴۷۷ ③ سعادۃ الدارین ص ۵۳۵ ④ معجم المؤلفین ص ۱۲/۷۷ ⑤ المجموعۃ النبہانیہ ص ۱/۵۱۱ ⑥ حوالہ مذکورہ ص ۲/۳۵۵ ⑦ الاعلام ص ۴/۱۵۲ ⑧ نفح الطیب ص ۱/۳۲۹، ۳۳۰ ⑨ نفح الطیب مقدمہ ص ۱/۶ ⑩ حوالہ مذکورہ ص ۶۳ ⑪ المجموعۃ النبہانیہ ص ۴/۳۱۸ ⑫ نفح الطیب ص ۱/۶۵ ⑬ الاعلام ص ۱/۲۳۸

چہرہ انور کی ضیا پاشیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

فِی وَجہِہٖ نُورٌ تَجَلّٰی سَاطِعٌ ۔ تَصغَرُ مِن وَجدِہٖ شَمسُ الضُّحٰی
تَکَلَّفَ البَدرُ لِاَن یُشبِہَہٗ ۔ فَانشَقَّ مِن غَرَامِہٖ نِصفَاً تَرٰی
وَ ھٰکَذَا المُحِبُّ اِذَا شَاھَدَہٗ ۔ اِن لَم یَشُقِّ القَلبَ لَاشَقَّ القَبَا [1]

عبد اللہ الشبراوی المصری (م ۱۱۷۱ھ) مصر کے صاحب شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے الزرکلی نے مستند حوالے سے ۱۱۷۱ھ کو ترجیح دی ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری پر نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں ۔

مُقلَتِی قَد نِلتِ کُلَّ الاَرَبِ ۔ ھٰذِہٖ اَنوَارُ طٰہٰ العَرَبِی
ھٰذِہٖ اَنوَارُ طٰہٰ المُصطَفٰی ۔ خَاتَمِ الرُّسلِ شَرِیفِ النَّسَبِ
ھٰذِہٖ طَیبَۃُ یَا عَینُ وَ ھَا ۔ نَحنُ فِی طَابَت بِہٖ مِن طَیِّبٖ
ذَاکَ قَبرُ مَن اَتَاہٗ زَائِرًا ۔ مَرَّۃً فِی عُمرِہٖ لَم یَخِبٖ
وَالمَکِنِ الاَمَاقَ مِن تُربَتِہٖ ۔ یَنجَلِی عَنکَ جَمِیعُ التَّعَبٖ
یَا نَبِیَّ اللہِ مَالِی حِیلَۃٌ ۔ غَیرُ حُبِّی لَکَ یَا خَیرَ نَبِی [2]

عبد الغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) عبد الغنی بن اسماعیل بن عبد الغنی۔۔۔ الشہیر بابن النابلسی الحنفی [3]۔ عالم محقق فاضل مدقق تھے علوم و فنون اپنے ملک کے علماء و فضلاء سے حاصل کئے اور اپنے چشمہ فیض سے ایک جماعت کو سیراب کیا [4]۔ صوفی عالم دین شاعر سیاح اور مختلف مضامین کی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ۔۔۔ وہ اپنے دور میں شام کی ادبی و مذہبی زندگی میں چوٹی کی شخصیت تھے ابتداء ہی سے ان کا میلان تصوف کی طرف تھا چنانچہ وہ قادری اور نقشبندی سلسلوں میں شامل ہو گئے ان کی ابتدائی تصنیف بدیعیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ہے یہ کتاب اتنی بلند پایہ تھی کہ لوگوں کو اس کی تصنیف پر شک ہوا حتکہ عبد الغنی نے اسکی شرح لکھ کر اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا [5]۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جرجی زیدان نے نوے سے زائد بتائی ہیں [6] جبکہ دائرہ معارف نے دو ڈھائی سو کے قریب بتایا ہے [7]۔ ان میں مشہور "نفحات الازھار علی نسمات الاسحار فی مدح النبی المختار" بہت معروف ہے کہ یہ ان کے بدیعیہ کی شرح ہے جو ۳۴۸ صفحات پر محیط ہے۔ اور چھپ چکا ہے شرح میں بدیعیات کے فن اور تاریخ پر بھی مختصری روشنی ڈالی ہے جو ان کے تبحر علمی اور جدت طبع کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ "تعطیر الانام فی تعبیر الانام"، الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، دیوان المدائح النبویۃ المسمی بنفحۃ القبول فی مدحۃ الرسول بھی قابل ذکر ہیں اصل میں ان کا دیوان چار حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ تصوف پر منظومات کا احاطہ کرتا ہے جو ۱۳۰۲ھ کو قاہرہ سے طبع ہو چکا ہے۔ دوسرا حصہ مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا عمومی قصائد مدحیہ و مکتوبات اور چوتھا غزل میں ہے [8]۔ النابلسی ایک صوفی عالم تھے اسلئے ان کے شعروں پر اس پس منظر کا اثر نمایاں ہے مگر ان کا ذوق شعری اسقدر بہتر ہے کہ اس دور زوال میں وہ بلند پایہ شعراء میں شمار ہوتے ہیں سپنسر نے تو انہیں نابغہ ادیبوں میں شمار کیا ہے۔ کہتا ہے۔

Among the few original writers within the Arab sphere may mention Abdul-Ghani an-Nabulsi (d 1143/1731) [9]

بدیعیہ کے چند منتخب اشعار :

یَا حُسنَ مَطلَعِ مَن اَھوٰی بِذِی سَلَمٖ ۔ بَرَاعَۃُ الشَّوقِ فِی اسْتِھْلَالِھَا اَلَمِی
اِنَّ الجَمَادَاتِ خَیرٌ مِن ذَوِی خَطَرٍ ۔ فِی قِصَّۃِ الجِذعِ تَلمِیحٌ بِجِھلِھِم
مَن رَامَ فِی مَدحِہٖ یَبدِی مُبَالَغَۃً ۔ عَلَیہِ فِی الدَّھرِ ضَاقَت سَاحَۃُ الکَلِمٖ
یَا سَیِّدِی یَا رَسُولَ اللہِ یَا سَنَدِی ۔ لَقَد تَوَارَدَتِ البَلوٰی عَلٰی سَقَمِی
فَھَب لِی مِنکَ عَفوًا اَستَفِیدُ بِہٖ ۔ حُسنَ الخِتَامِ وَ یَجلِی مِنکَ بِالنِّعَمِ [10]

---

(۱) المجموعۃ النبھانیہ ص ۱/۳۵۰، ۳۵۱ (۲) ھوالمذکورہ ص ۲۸۸/۷ (۳) نفحات الازھار ص ۲ (۴) حدائق الحنفیہ ص ۴۵۸ (۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲/۹۱۳ (۶) تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ص ۳/۳۲۵ (۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۹۱۳/۱۲ (۸) الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ مقدمہ ص ۱، (۹) The Sufi order in Islam By. J. Spencer Trimingham P. 70 (۱۰) نفحات الازھار ص ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۵ تا ۳۴۷

خط کشیدہ کلمات وتراکیب نشاندہی کر رہے ہیں کہ اقسام بدیع شاعر کے پیش نظر ہیں اور وہ بالالتزام ایسے کلمات استعمال کر
رہا ہے۔ النابلسی "بدیعیات" نویسی میں آخری نام ہے اس کے بعد عالم اسلام کے حالات بدلنے لگے تھے اور ان کے تن مردہ میں
زندگی کے آثار پیدا ہونے شروع ہو رہے تھے۔ اب زندگی عدیم الفرصتی کا شکار ہوتی جا رہی تھی اسلئے ان کاموں کے لئے وقت نہ تھا
عبدالغنی النابلسی ایسے بلند پایہ ادیب اور محترم صوفی سے دورِ زوال کی شاعری کا تذکرہ ختم ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ اس دور میں
کثیر تعداد ان شعراء کی بھی ہے جنہوں نے مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے اور عقیدت کے نذرانے پیش کئے ہیں
ہم صرف ان کے "اسماء" کے حوالے درج کرنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ تاکہ مقالہ کی حدود وسیع ہو جائیں اور ان شعراء کو بالکل نظر انداز
بھی نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ہم زمانی ترتیب سے ساتھ ان کے نام تحریر کرتے ہیں:

نجم الدین محمد بن سوار الشیبانی الدمشقی (م ٦٧٧ھ) الشیخ عفیف الدین التلمسانی المشہور بالشاب الظریف (٦٨٨ھ)
ابراہیم التلمسانی (م ٦٩٠ھ) ابن السماط (م ٦٩٠ھ) محمد بن الامی (م ٦٩٢ھ) الحسن الحفراوی، حسن بن عبدالرحمٰن (آخر ساتویں
صدی ہجری)، الشہاب احمد الغزازی (م ٧١٠ھ) محمد بن مصطفیٰ ابن زکریا (م ٧١٣ھ) عبدالملک عثمان البکری المغربی (م ٧١٣ھ)
عبداللہ بن منصور المالکی (م ٧٣٣ھ) ابوالحسن علی بن محمد التیمی الحمدانی (م ٧٣٣ھ) امین ابوالبرکات (م ٧٣٦ھ) ھبۃ
اللہ بن البارزی الحموی (م ٧٣٨ھ) نورالدین ابوالحسن علی بن احمد (م ٧٣٩ھ) ابن مخلوف الانصاری الفیومی
(م ٧٤٠ھ) عبداللہ بن تاج الریاسۃ القبطی (م ٧٤١ھ) محمد الباعجی (م ٧٤٣ھ) نجم الدین علی بن داؤد الدمشقی
(م ٧٤٥ھ) عبداللہ بن الفصیح المعروف بابن الفصیح (م ٧٤٥ھ) محمد الزرندی (م ٧٤٧ھ) ابوالعباس احمد
بن مسعود المنصوری (م ٧٤٩ھ) ابن الوردی (م ٧٤٩ھ) محمد بن فضل اللہ القبطی (م ٧٥٠ کے بعد) احمد بن عبدالرحمٰن
الظاہری (م ٧٥٥ھ) علی بن الحسین الموصلی (م ٧٥٥ھ) امام تقی الدین السبکی (م ٧٥٦ھ) محمد وفا الشاذلی (م ٧٦٠ھ)
شہاب الدین السروجی البغدادی (م ٧٦٥ھ) عبدالصمد بن ابراہیم بن خلیل البغدادی (م ٧٦٥ھ) عفیف الدین الیافعی
(م ٧٦٨ھ) احمد بن محمد الشیرجی البغدادی (م ٧٦٩ھ) قاضی شرف الدین ابن قدامۃ (م ٧٧١ھ) بہاء الدین السبکی
(م ٧٧٣ھ) ابن الصائغ، شمس الدین الزمردی (م ٧٧٦ھ) علی بن حجر، امام ابن حجر العسقلانی کے والد (م ٧٧٧ھ)
یحیی بن محمد بن خلدون (م ٧٨٠ھ) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن مرزوق التلمسانی (م ٧٨١ھ) محمد بن محمد الجابی (م ٧٨١ھ)
محمد بن محمد الحلبی (م ٧٨٢ھ) احمد بن محمد الشافعی (م ٧٨٨ھ) احمد بن عبدالمعطی المصری (م ٧٨٨ھ) عزالدین الموصلی
(م ٧٨٩ھ) احمد اللخمی المکی (م ٧٩٠ھ) ابن الشہید، ابوالفتح (م ٧٩٣ھ) ابن العطار الدنیسری (م ٧٩٤ھ)
قاضی تقی الدین ابن بنت الاعز (م ٧٩٥ھ)۔ آٹھویں صدی ہجری کے وہ مدح نگار جن کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی:
محمد بن علوان الصنہاجی، محمد بن محمد... بن قحطبہ، حسین بن علی الواسطی، ھارون بن عیسیٰ الازرقی، احمد بن اسماعیل اصبہانی
المعروف بابن المقرئی، احمد القصار الازدی، ابراہیم بن الحسین۔

<u>نویں صدی ہجری</u>: عبدالرحمٰن المکودی (م ٨٠١ھ) ابن ابنت الدمشقی (م ٨٠١ھ) الحسن الواقی (م ٨٠٣ھ) ابوالعباس
احمد بن احمد (م ٨٠٣ھ) عزالدین ابوجعفر الحسینی (م ٨٠٣ھ) سید علی وفا (م ٨٠٧ھ) احمد الشیرازی دکان حیا (م ٨٠٩ھ)
ابن خطیب داریا (م ٨١٠ھ) ابن ظہیرہ المکی (م ٨١٧ھ) ابوالعباس احمد بن علی (م ٨١٩ھ) الشہاب احمد القلقشندی
(م ٨٢١ھ) شرف الدین جاراللہ الاناری (م ٨٢٨ھ) ابن عامریۃ (م ٨٣٢ھ) ابن الجزری (م ٨٣٣ھ) ابومحمد
حسن بن محمد (م ٨٣٦ھ) ابوطاہر اسماعیل بن علی البقاعی (م ٨٣٨ھ) ابراہیم بن علی الجعفی (م ٨٤٠ھ) الشہاب
المنوفی الشافعی (م ٨٤٠ھ) محمد بن الفقیہ القاہری (م ٨٤٢ھ) محمد بن سعید القرشی یعرف بابن کحیل (م ٨٤٢ھ) ابن کمیل
(م ٨٤٨ھ) احمد بن سعید الجریری (م ٨٤٩ھ) عمادالدین الابشیطی (م ٨٥٢ھ) محمد بن سویدان الشافعی (م ٨٥٢ھ)
عبدالکریم الطالقی رواسی (م ٨٥٣ھ) محمد بن علی ابوالبرکات (م ٨٥٥ھ) احمد بن الحجر القرشی الزبیری (م ٨٥٦ھ)
السید عبداللہ بن محمد (م ٨٦٠ھ) محمد بن محمد الاہی الحلبی (م ٨٦١ھ) ابراہیم بن یوسف البلبیسی (م ٨٦٢ھ) احمد بن
علی، شہاب الدین الحنبلی الشامی (م ٨٦٢ھ) عیسیٰ بن سلیمان الطنوبی (م ٨٦٣ھ) سعد بن محمد، ابوالسعادات
الدیری (م ٨٦٧ھ) ابوالحسن علی بن سودون البشبغاوی (م ٨٦٨ھ) ابوالفتح محمد بن ابراہیم (م ٨٧٠ھ) ابوالعباس
احمد بن محمد الموصلی (م ٨٧٠ھ) شمس الباعونی (م ٨٧١ھ) احمد بن محمد القلیوبی (م ٨٧١ھ) احمد المرعشی
(م ٨٧٢ھ) ابوعبادۃ محمد بن احمد الیمانی (م ٨٧٣ھ) ناصر بن احمد الغصینی الفیومی (م ٨٧٠ کے بعد) احمد بن
یونس الحمیری (م ٨٧٨ھ) محمد بن محمد بن عبداللہ المسوقی (م ٨٨٥ھ) ثابت بن اسماعیل الزمزمی (م ٨٨٧ھ)
محمد بن محمد الحلبی (م ٨٨٧ھ) الشہاب المنصوری (م ٨٨٧ھ) حسین بن حسن یعرف بالفتحی (م ٨٩٥ھ) صالح
بن محمد المرشوی (م ٨٩٧ھ) احمد بن محمد الحمیری (م ٨٩٩ھ) یحیی القبانی (م ٩٠٠ھ)۔

وہ شعراء جن کا عہد نویں صدی ہجری ہے مگر سال وفات دریافت نہ ہو سکا: یوسف الرشیدی الحکیم، احمد بن عبد العال، محمد بن شاذی العنبری، ابو عبد اللہ الحسانی ابو عبد اللہ محمد بن زین القسطلانی، ابو محمد عبد الرحمٰن بن محمد الناشری، ابو الفتح عبد القادر بن ابراہیم الشافعی، عبد اللہ بن محمد الشافعی، عبد القادر الغزی، فاطمہ بنت القاضی کمال الدین محمود، یوسف بن علی الفارسکوری محمد بن محمد الشمس الدمشقی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد القلیبی، ابو سعید شعبان بن محمد القرشی۔

دسویں صدی ہجری: احمد الاقیطع البرلسی (م ۹۰۱ھ)، خالد الازہری (م ۹۰۵ھ) نور الدین السمہودی (م ۹۱۱ھ) بہاء الدین محمد الباعونی (م ۹۱۶ھ)، القسطلانی (م ۹۲۳ھ)، خضر العطوفی (م ۹۲۸ھ)، محمد المسعودی (م ۹۵۰ھ) عبد العزیز بن علی الترمذی (م ۹۶۳ھ) یحیی المتوکل (م ۹۶۵ھ)، احمد لالی (م ۹۷۱ھ)، ابن حجر المکی (م ۹۷۴ھ) ابو الحسن محمد البکری الصدیقی المصری (م ۹۹۳ھ)، زین الدین الحمیدی (م ۹۹۵ھ)، احمد بن عبد الحمید العباسی (تاریخ وفات نامعلوم)

گیارھویں صدی ہجری: عبد الرحمٰن الحمیدی (م ۱۰۰۵)، الشیخ حسن البورینی (م ۱۰۲۴ھ)، احمد الشاوی (م ۱۰۲۸ھ)۔ مرعی الکرمی الحنبلی (م ۱۰۳۳ھ)، الشیخ حسین الملوک (م ۱۰۳۲ھ)، الشریف احمد بن مسعود (م ۱۰۴۲ھ)، فتح اللہ البیلونی (م ۱۰۴۲ھ)، احمد الرشدی المکی (م ۱۰۴۷ھ)، عبد الرحیم ابن ابی اللطف الشعرانی (م ۱۰۴۸ھ)، احمد البکری (م ۱۰۴۸ھ) ابو بکر السمرانی (م ۱۰۴۸ھ)، فتح اللہ النحاس الحلبی (م ۱۰۵۲ھ)، الشریف محمد بن موسٰی الحجازی (م ۱۰۶۵ھ)، الشہاب الخفاجی (م ۱۰۶۹ھ)، عبد الکریم الفکون (م ۱۰۷۳ھ)، محمد الطرابلسی (م ۱۰۷۳ھ)، احمد بن عبد اللہ الواعظ المکی (م ۱۰۷۷ھ)، درویش مصطفیٰ الطرابلسی (م ۱۰۸۰ھ)، منجک بن محمد الدمشقی (م ۱۰۸۰ھ)، السید الحسن بن احمد المعروف بالجلال (م ۱۰۸۴ھ) ابن معتوق (م ۱۰۸۷ھ)، ابو السعود الشراف (م ۱۰۸۸ھ)، سعید التلمسانی (م ۱۰۸۸ھ)، الراہمدانی (م ۱۰۸۹ھ) الشیخ مصطفیٰ البابی الحلبی (م ۱۰۹۱ھ)، حسام الدین الطریحی (م ۱۰۹۵ھ)، السید عبد اللہ بن محمد حجازی المعروف بابن قضیب البان الحلبی (م ۱۰۹۶ھ)، احمد الصفوی (م ۱۱۰۰ھ)۔ عبد الرحمٰن المناوی (نامعلوم)، الشیخ ابراہیم اللقانی (نامعلوم)، علی بن احمد القاسی الشامی (نامعلوم)، علی الحویزی (نامعلوم)

بارھویں صدی ہجری: الحسن بن مسعود (م ۱۱۰۲ھ)، الفقیہ یحیی بن موسٰی الجوری (م ۱۱۱۰ھ)، المحبی الدمشقی (م ۱۱۱۱ھ) احمد الجعلول (م ۱۱۱۳ھ)، عبد الکریم بن حمزہ نقیب الاشراف بدمشق (م ۱۱۱۸ھ) السید احمد بن احمد الاندلسی المعروف بالزغبۃ (م ۱۱۱۹ھ)، عبد الرحمٰن بن سبیع (م ۱۱۳۳ھ)، محمد الدکدکجی الدمشقی (م ۱۱۳۱ھ)، محمد بن ابراہیم العمادی (م ۱۱۳۵ھ)، الشیخ صادق الدمشقی (م ۱۱۳۳ھ)، محمد المدینی النحوی (م ۱۱۳۵ھ)، محمد دده (م ۱۱۴۶ھ) سعدی العمری الشامی (م ۱۱۴۷ھ)، سلیمان نجفی (م ۱۱۵۱ھ)، حسین الوفائی (م ۱۱۵۶ھ)، عبد المجید الزیادی (م ۱۱۶۳ھ)، عبد الرحمٰن البہلول (م ۱۱۶۳ھ)، السعد بن حمزہ شیخ الاسلام (م ۱۱۶۶ھ)، احمد بن الیاس الکردی (م ۱۱۶۹ھ) قاسم بن محمد الحلبی المعروف بالبکرجی (م ۱۱۶۹ھ) الشہاب احمد المنینی الدمشقی (م ۱۱۷۲ھ) جعفر بن حسن البرزنجی (م ۱۱۷۷ھ)، امام محمد بن اسماعیل الامیر الیمنی (م ۱۱۸۲ھ)، جعفر بن محمد السقانی (م ۱۱۸۲ھ)، الشیخ یعقوب الکیلانی (م ۱۱۸۵ھ)، القاضی عبد اللہ محی الدین العواسی (م ۱۱۸۷ھ)، عبد الرحمٰن بن عبد الرزاق الدمشقی (م ۱۱۸۸ھ) محمد صنعی (م ۱۱۹۲ھ)، مصطفیٰ الصوانی الحمیری (م ۱۱۹۳ھ): احمد الحکواتی (م ۱۱۹۳ھ)، ابراہیم بن سعید المنوفی (م ۱۱۹۵ھ)، حسین الخالدی، ابو عبد اللہ (م ۱۲۰۰ھ)

ان کے علاوہ کچھ وہ اصحاب جن کی تاریخ وفات متحقق نہ ہو سکی مگر ان کا مدحیہ کلام موجود ہے۔ ان میں ابو الطیب احمد بن عبد العزیز بن محمد المقدسی، ابو محمد الیشکری، ابو عبد اللہ ابن جابر الغسانی، ابو السرور الشیرازی، الفاضل ابو عبید، البدحامی، وابو عبد اللہ شمس الدین المالکی، شیخ باعبود العلوی الحسینی المدنی، محمد بن النکلاتی، محی الدین بن عبد الظاہر، قاضی یوسف المقرائی اور الشیخ احمد الوروسی شامل ہیں۔

اس تفصیلی جائزے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ المدائح النبویۃ کو اس بے سروسامانی کے دور میں بہت توجہ دی گئی۔ ہر محدث، ہر صوفی اور ہر عالم خواہش رکھتا کہ وہ کچھ نہ کچھ حاضر دربار کرے

یہ عمومی پکار بھی اور یوں محسوس ہوتا ہے پورا عالم اسلام چیخ رہا ہے اور پناہ کی تلاش میں دہائی دے رہا ہے۔ ظاہر ہے جب یہ صنف صرف شعراء کے ہاں نہ رہی بلکہ ہر صاحب علم جسے عروض و قوافی سے واقفیت تھی۔ مدح سرائی کرنے لگا، ایسے میں معیار برقرار رہنا مشکل ہوا کرتا ہے۔ اسلئے عمومی طور پر شعر کی سطح پست ہو گئی مگر ان گنت انسانوں کی شراکت سے قاری کیلئے اتنا کچھ مہیا ہو گیا کہ وہ بآسانی معیاری انتخاب کر سکتا تھا۔ اسی دور میں نئے تجربے بھی شروع ہوئے اور موشح و زدوج پر شامی شعراء نے توجہ دی مگر یہ نئے اسلوب اندلس میں زیادہ مروج ہوئے۔ بحیثیت مجموعی مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پوری امت مسلمہ کی صلاحیتیں وقف تھیں اور یہ رابطہ کسی اچھے اور سہانے مستقبل کی خبر دے رہا تھا چنانچہ یہی ہوا عربی ادب نے کروٹ لی اور نئے سرے سے ادب پر نکھار آیا۔ اس دور زیر بحث میں اسلوب کلام عموماً تقلیدی تھا۔ مضامین بھی صحابہ کرام کے مجموعوں سے لئے جا رہے تھے مگر اب رخ محبوب کا نظارہ باطنی نظروں سے ہو رہا تھا۔ اسلئے اس میں قلبی حوالہ بھی موجود تھا، اسی دور میں مدح کا سب سے بڑا نمائندہ امام بوصیری کی شکل میں موجود ہے جن کی مدحیہ شاعری اور خصوصیت سے قصیدہ البردہ عربی ادب میں وہ بیش بہا نعتیہ کلام ہے کہ بعد کے ہر دور میں یہ قصائد بطور معیار شعراء کے پیش نظر رہے ہیں۔ الغرض یہ دور مدحیہ شاعری کا سنہری دور تھا کہ اس میں مدح رسالت وقت کی آواز اور دل کی دھڑکن بن گئی تھی۔

بہتر ہو گا کہ اس گفتگو کو شیخ احمد المروسی کے ان اشعار پر ختم کریں جن میں بحضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ درود و سلام پیش کیا گیا۔

خیر الوریٰ و شفیعنا محبوبنا - وملاذنا و غیاثنا مطلوبنا
وبیوم حشرتنا مزیل کروبنا - کرما و مولانا بہ عنا عفا
صلوا علی هذا الحبیب المصطفیٰ
أدم الصلاة علیه فھی ذخیرة - ولدی الحساب من العقاب مجیرة
وعلی الصراط دلیلة ومنیرة - وبھا ننال من الالٰه تکرما
صلوا علی هذا الحبیب المصطفیٰ [1]

(1) سعادۃ الدارین النبہانی ص ۶۸۶

اَندَلُس

اندلس براعظم یورپ کا جنوب مغربی علاقہ ہے جس کے ساحل کے سامنے شمالی افریقہ کے ممالک ہیں، درمیان میں صرف ایک تنگ نالہ ہے جسے جبل الطارق کہتے ہیں۔ اموی عہد حکومت میں شمالی افریقہ کی فتوحات کا نگران موسیٰ بن نصیر تھا۔ اندلس کے مقامی باشندے اپنے حکمرانوں کے ظلم وجور سے اس درجہ شاکی تھے کہ وہ ان سے نجات کی خواہش رکھتے تھے اور یہ خبریں شمالی افریقہ کے مسلمان سپہ سالاروں تک پہنچتی رہتی تھیں۔ آخر موسیٰ بن نصیر نے دربار خلافت کی اجازت سے سمندر عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا، اپنے نائب طارق بن زیاد کو ۹۲ھ میں سات ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا، طارق ساحل سمندر پر اترا تو وہاں تاریخ انسانی کا انوکھا واقعہ پیش آیا کہ بہادر سپہ سالار نے پسپائی کی ہر صورت مٹانے کے لئے کشتیاں جلا دیں۔ رمضان ۹۲ھ کو راڈرک شاہ ہسپانیہ سے معرکہ ہوا اور اندلس کی سرزمین پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ چند سال ابتدائی مہمات میں گذرے اور مسلمان اپنے آپ کو مستحکم ہی کر رہے تھے کہ مضری و یمنی قبائل میں پرانی مخاصمت نے سر اٹھایا۔ ہو سکتا تھا کہ یہ نسلی عصبیت سلطنت اسلامیہ کو نگل جاتی کہ ۱۳۸ھ میں عبد الرحمٰن الداخل جو سلطنت عباسیہ کے قیام کی وجہ سے جان بچا کر بھاگ نکلا تھا اندلس میں داخل ہوا اور یمنی قبائل کے تعاون سے اندلس میں اموی حکومت قائم کر لی، اس خاندان کے ۲۸۷ سالوں میں ۱۹ حکمران برسر اقتدار آئے یہ اندلس کی تاریخ کا سنہری دور تھا۔ سلطنت کو استحکام نصیب ہوا۔ عبد الرحمٰن الناصر (۳۰۰ تا ۳۵۰) کا دور حکومت تو مثالی حیثیت کا حامل ہے جس میں اندلس ہمہ جہتی ترقی کی راہ پر گامزن ہوا۔ الحکم ثانی (۳۵۰ تا ۳۶۶) کا عہد علمی و ادبی عروج کا دور ہے، وہ خود ایک فاضل انسان تھا اس نے قوم میں شعور علمی اجاگر کیا، پھر اس مضبوط حکومت میں باہمی چپقلش کی وجہ سے انحطاط آنے لگا اور آخر ۴۲۲ھ کو یہ سلطنت انجام کو پہنچی، علاقائی حاکموں کو کھل کھیلنے کا موقعہ ملا اور ہر کسی نے خودسر ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ المرابطون اور الموحدون کی تگ و تاز بھی جاری رہی اور اندلس کے کچھ حصے ان کے قبضے میں چلے گئے مگر بحیثیت مجموعی خانہ زاد سلطنتیں قائم رہیں ایسے حکمرانوں کو تاریخ ملوک الطوائف کے نام سے یاد کرتی ہے۔ آخر اندلس پر عیسائی غلبہ بڑھنے لگا اور مسلمان سمٹ کر غرناطہ میں پناہ گزیں ہو گئے، بنو نصر (۶۳۵ تا ۸۹۷ھ) غرناطہ پر اکتفا کر کے اس عظیم سلطنت کے باقیات سمیٹتے رہے مگر انتہائی تنگ ہیں ان پر لگی ہوئی تھیں اور مذہبی منافرت مسلمانوں کو برداشت کرنے پر تیار نہ تھی، ان کی سازشیں کامیاب ہوئیں اور یہ ملک مسلمانوں سے یوں خالی ہو گیا جیسے وہ اس میں کبھی آباد ہی نہ رہے تھے۔

اندلس پر مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو برس (۹۲ھ تا ۸۹۷ھ) قائم رہی، اس طویل عرصے میں علوم و فنون کی خوب ترویج ہوئی، علماء و ادباء کی کثیر تعداد نے اندلس کا رخ کیا اور ان کی مجالست سے مقامی آبادی میں اسلامی اقدار راسخ ہوئیں۔ خلفاء کی علمی و ادبی سرپرستی اور ان کے اپنے ذوق تحقیق نے اندلس کو علم کا گہوارہ بنا دیا تحقیق و تجسس کی وہ شمع فروزاں ہوئی جو یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنی:

"انہ لولا اعمال العلماء العرب والمسلمین لاضطر علماء النھضۃ الاوروبیۃ ان یبدأوا من حیث بدأ اولئک، ولتأخر سیر المدنیۃ عدۃ قرون" ①

اگر مسجد قرطبہ، مدینۃ الزہراء اور غرناطہ کا الحمراء اسلامی فن تعمیر کی جاودانی یادگاریں ہیں تو اسلامی تہذیب و ثقافت اور عربی

---

① المجلۃ العربیۃ، ذوالحجۃ ۱۳۹۷ ص ۸۹ مقالہ: اثر العرب والاسلام فی النھضۃ الاوروبیۃ: دکتور عبد الحلیم المنتصر

زبان وادب کے اثرات بھی اسی قدر دیر پا اور گہرے ہیں جن کے شواہد آج بھی سپین کے جدید معاشرے میں تلاش کئے جا سکتے ہیں۔

جہاں تک شاعری کا تعلق ہے تو اس کا عمومی رخ تو وہی تھا جو عرب اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔ خلافت عباسیہ میں شعر و شاعری کا معیار اس قدر بلند ہو چکا تھا کہ اندلس کے شعراء اس سے بلند تر کا تصور نہ کر سکے اسلئے ان کی شاعری میں تقلیدی آثار نمایاں ہیں وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر عباسی شعراء کا تتبع کرتے رہے۔ علماء ادب نے ان کے کلام میں ایسی مماثلت تلاش کی ہے اسی لئے تو وہ ابن ھانئ الاندلسی (م ۳۶۲ھ) کو متنبئ المغرب [1]۔ اور ابن زیدون (م ۴۶۳ھ) کو بحتری المغرب کہتے ہیں۔ اس تطابق کے باوجود چند تبدیلیاں نظر آتی ہیں جو ماحول کا اثر ہے۔

- اندلس ایک زرخیز ملک تھا جہاں نہریں بہتی تھیں اور ان کے کناروں پر پھول مہکتے تھے۔ شاعر کی حس لطیف اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اسلئے اندلس کی عربی شاعری میں پھولوں کی مہک صاف محسوس ہوتی ہے۔ ابن خفاجہ (م ۵۳۳ھ) تو "الشاعر المطبوع" کہلاتا تھا۔ علامہ المقری نے اسے "صنوبری الاندلس" کا لقب دیا ہے [2]۔

- اندلس کی خوشحال اور مزین زندگی کے اثرات شعر پر پڑے، معانی کے تعمق سے زیادہ توجہ ہیئت کی مینا کاری پر رہی "موشحات" کا رواج ہوا جو اندلس سے دیگر عرب علاقوں میں بھی گیا (تفصیل باب الاوّل زیر عنوان فن عرض کر چکے ہیں)

- مقامی غیر عرب آبادی عربی زبان سے آشنا تو ہو رہی تھی مگر ان کی سطح علمی بلند نہ تھی اسی لئے شعر کو ان تک پہنچانے اور انہیں "شریک ادب" کرنے کے خیال سے ایک ایسی صنف سخن ایجاد ہوئی جو زجل کہلائی جسے ہم عوامی شاعری کہہ سکتے ہیں۔

جرجی زیدان کہتا ہے، "وفی ھذا العصر نضجت الموشحات فی الاندلس وتوسع اھلھا بوصف المناظر الطبیعیة و وضعوا فنًّا آخر سموہ الزجل" [3]

اس پس منظر میں "المدائح النبویة" کا جائزہ لیں تو اندلس کی دینی شاعری کے حروف خد و خال یہ ہیں۔

۱- مدحیہ شاعری میں موشحات کا استعمال ہوا اور تقریباً ہر شاعر نے اس پر توجہ دی جیسے ابن ذمرک، ابن سھل وغیرہ حتیٰ کہ لسان الدین بن الخطیب نے بھی جو اندلس کے قابل اعتماد شعراء میں سے ہیں۔

"تو شیحات پسندی" کا اثر یہ ہوا کہ ہر تراش خراش پر بھی توجہ محدود ہو گئی جس کی وجہ سے نفس شعر کو دبا لگا اور ہیئت نے بھی کئی رخ اختیار کر لئے مثلاً

(ا) حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق شعر کہے گئے یعنی کوشش کی گئی کہ ہر شعر کی ابتدا حروف تہجی کے تسلسل کے مطابق ہو۔ مالک بن المرحل اور ابو عبداللہ بن عمران کے قصائد اسی نوعیت کے ہیں، یہ طرز ادا برصغیر میں بھی معروف ہے اور اسے "سہ حرفی" کا نام دیا جاتا ہے۔

(ب) مزید اختراع یہ کی گئی کہ حرف روی سے ماقبل حرف میں حجائی ترتیب کا خیال رکھا گیا المقفشا فری نے تو یہ التزام کیا مگر ابن جابر الاندلسی نے مزید تکلف کیا کہ اپنے "مقصورہ" میں الف مقصورہ سے قبل بالترتیب حروف تہجی استعمال کئے اور دس دس شعروں میں ایک ہی حرف کی تکرار کی، ۲۹۶ شعروں کا مقصورہ لزوم ما لا یلزم کی عمدہ مثال ہے۔

(ج) تسدیس میں کوشش کی گئی کہ پہلے پانچ مصرعوں کے حرف آخر ایک ہی ہوں۔ اور تشجیر حروف ابجد کی ترتیب سے لایا جائے، علامہ المقری نے اس تکلف کی خوبصورت وکالت کی ہے [5]۔

(د) اسماء سورہ قرانیہ کا بطور کلمات مدح استعمال کیا گیا "الکشفی" کا تو یہ سورہ قران فنی مہارت کی دلیل ہے۔

---

(۱) الوسیط ص ۲۱۷ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۲۷۷ (۳) الادب والنصوص للصف الثانی الثانوی ص ۱۲۶ (۴) تاریخ آداب اللغة العربیة ۳/۱۹ (۵) نفح الطیب ص ۳۲۶/۱۰، ۳۲۷

(ب) تضمین و تشطیر کا رواج ہوا۔ امرؤالقیس کے معلقہ پر حازم الاندلسی اور ابو جعفر الالبیری کی تشطیر مشہور ہے۔

۲۔ اندلس حجاز سے کافی فاصلے پر ہے۔ اس جغرافیائی بُعد نے "فراق و ہجر کے جذبات کو مقبول بنایا" شعراء ارض حجاز کے اشتیاق میں تڑپتے اور زیارت کی تمنا کرتے۔ ابن حمدون اور ابن زمرک کے ہاں اس کی مثالیں عام ہیں۔

۳۔ درود و سلام 'دور صحابہ ہی سے مدحیہ شاعری کا جزو لازم رہا ہے۔ مگر اندلس میں اس جزو کو کُل کا درجہ حاصل ہو گیا۔ ایسے قصائد کا پیکر مخمس رہا اور ٹیپ کا مصرعہ عموماً 'صلو علیہ و سلمو تسلیماً' یا اسکا قتیبل کا کوئی جملہ رہا۔

۴۔ اندلس کی مدحیہ شاعری میں نیاز مندانہ جذبات بہت ہیں 'خاک پائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت اور ان کی مناسبت سے قدمین، نعلین اور تمثال نعلین موضوع شعر بنے۔ شعراء نے خوب مضمون آفرینی کی' علامہ المقری نے "فتح المتعال فی وصف النعال" کے نام سے ایک مستقل کتاب اس موضوع کیلئے وقف کی۔

۵۔ تلازمۂ خیال تو ہمیشہ سے شعر کی زینت رہا ہے۔ مگر اندلس میں اس میں ارادۃً غلو کیا گیا اور کچھ ایسی صورت حال پیدا ہوئی جیسی اردو میں معاملہ بندی' نے پیدا کی ہے۔ محمد ابن خرج کے اشعار میں اس کی نمائندہ مثالیں دستیاب ہیں۔

۶۔ اندلس کی تہذیبی زندگی میں محافل میلاد کا رواج ہو گیا تھا۔ ربیع الاوّل میں 'المیلاد الاعظم' کی پرکیف تقریبات ہوتیں تو شعراء مدحیہ قصائد لکھتے اور بالاہتمام انہیں سنا جاتا ایسی محافل نے مدحیہ شاعری کو بہت مقبولیت عطا کی' ابن خلدون اور لسان الدین بن الخطیب جیسے نابغۂ روزگار بھی ایسی محافل میں شریک ہوتے اور مدح خوانی کرتے۔

اس عمومی جائزے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مدحیہ شاعری کا اندلس کی معاشرت میں کیا مقام تھا اور اس کے خدو خال کیا تھے۔ اس خصوصی توجہ کا ایک اہم سبب غیر مسلم ہمسائگی بھی تھی کہ غیروں کے سامنے اپنی اس عظیم نسبت کا تذکرہ تفاخر قومی کا سبب بھی بنتا تھا اور مسلم آبادی میں اعتماد کی فضا قائم رہتی تھی۔ ایک ممدوح 'مداحین کی سوچ میں اشتراک عمل کے جوہر کو جلا بخشتا ہے۔ اندلس میں امراء کی مدح خوانی ہوئی مگر اس میں وہ شدت نہ آئی کہ یہ مدح رسالت کے راستے کی دیوار بن جائے جیسا کہ عباسی دور میں ہوا تھا۔

ان ابتدائی گذارشات کے بعد مناسب ہو گا کہ اندلس کے چند نمائندہ شعراء کا اجمالی سا تذکرہ کر دیا جائے۔ تاکہ ان استخراجات کی توجیہہ ہو جائے۔

ابن حبیب (م ۲۳۸ھ) ابو مروان عبد الملک بن حبیب السلمی الالبیری القرطبی' ان کے تصنیفات کا شمار ایک ہزار سے زائد ہے' مذہب مالکیہ کے مشہور عالم اور قابل فخر فقیہہ تھے۔ [۱] صاحب نفح الطیب کہتے ہیں وکان له شعر یتکلم به متحرا" [۲]۔ ان کے شعروں میں حاضری روضۂ اقدس کی کیفیات کا اثر نمایاں ہے۔

جئتُ الی خادیکَ اَدْ جُو الوریٰ - مِن غَیثِ کَفِدیکَ المُغیثِ الصَّتونِ [۳]

لما وقفتُ بقربه لسلامه - جادت دموعی واکفُ الحَسَرَاتِ

لا زِلتُ نزّوارا اُقبّلُ بیتنا - ومعرفة الزهراء بالبرکاتِ [۴]

ابن حزم الظاہری (م ۴۵۶ھ) ابو محمد علی بن احمد' مشہور عالم دین' مؤرخ اور ایک ممتاز شاعر [۵] متعدد کتابوں کے مصنف جن میں کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل مشہور ہے۔ ایک رومی طنزیہ قصیدے کے جواب میں لکھے گئے چند شعر یہ ہیں۔

---

(۱) الاعلام ص م/۳۰۲ (۲) نفح الطیب ص ۲/۲۱۵ (۳) المجموعۃ النبھانیۃ ص ۲/۲۵۹ (۴) نفح الطیب ص ۱/۵۶۵۵

(۵) اردو معارف اسلامیہ ص ۱/۸۵۲

وسالت عیون الماء فی وسط کفه - فاروی به جیشا کثیر القماقم
وجاء بما تنفی العقول بصدقه - ولا کدعاوی غیر ذات قوائم
علیه سلام الله ما ذر شارق - تعاقبه ظلماء او سحم غائم
براهینه کالشمس لا مثل قولکم - وتخییلکم فی جوهر واُقانم [1]

ابن العریف (م ۵۳۶ ھ) ابو العباس احمد بن محمد الصنہاجی الاندلسی۔ ابن خلکان (م ۶۸۱ ھ) کی رائے ہے کہ ابن العریف "کان من کبار الصالحین والاولیاء والمتورعین" [2]۔ اندلسی شعراء کی طرح روضۂ اقدس کا تذکرہ اور درود و سلام کے نذرانے: ان کی کتاب "مطالع الأنوار ومنابع الأسرار" میں متعدد مدحتیں ہیں۔

نسیم وقبر النبیّ المصطفیٰ لَهُمُ - رَوحٌ إذا سَمِعُوا من ذِکرِهِ راحا
یا راحلینَ إلی المختارِ من مُضَرٍ - زُرتم جُسوماً وزُرنا نحنُ أرواحا [3]

الی مَن یح رسول - مصدق حسن ظنّی
یا اکرمَ الخلقِ إنی - بجزیتی عبدٌ قِنّ
فأعتق الیوم رقی - وانظر بعطفک منّی
فأنت أنتَ مَلاذی - إیاک ایاک أعنی
إن غبتَ عن عین جسمی - ما غبتَ عن عین ذهنی
لولاکَ کنتُ أناسا - أشقی من کلّ جنّ

صلی الإله علی رسول حاشر - حشر الأنام لدیه فی المیعاد
صلی الإله علی رسول عاقب - فی الدهر وهو لفضله کالهادی
صلی الإله علی رسولٍ خاتم - ختم النبوۃ بالکتاب الهادی [4]

اور اسی طریقہ پر مسلسل درود کی دعائیں جن میں کئی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظم ہوئے ہیں۔

ابن جبیر (م ۶۱۴ ھ) ابو الحسین محمد بن احمد الکنانی، عرب سیاح جس کا "رحلۃ ابن جبیر" مشہور سفرنامہ ہے جس کی ابن جبیر نے کئی معاشرتی و ثقافتی معلومات ہم پہنچائی ہیں۔ شاعر بھی تھا اور موقع محل کے مطابق عمدہ اور پرکیف شعر کہتا ہے مدینہ منورہ حاضری پر کئی شعر کہے مثلاً حاضری مدینہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہا۔

بدا طابت حیاۃ لی اذا لم - أزر فی طیبة خیر الانام [5]

اور جسے یہ نعمت ملی اُس کا مقدر قابلِ رشک ہے۔

إذا بلغ العبد أرض الحجاز - فقد نال أفضل ما أمّله
فإن زار قبر نبی الهدی - فقد أکمل الله ما أمّله [6]

اور جب حاضرِ دربار ہونے کا شرف حاصل ہوا تو حاضری کی کیفیات کو شعروں میں رقم کر دیا ۲۳ اشعار کا قابلِ قدر قصیدہ کیا مطلع ہے۔

أقول وآنستُ باللیل نارا - لعل سراج الهدی قد أنارا
وإلا فما بال أفق الدجی - کأن سنی البرق فیه استطارا [7]

اور پھر جب روضۂ اقدس کے قریں ہوئے تو ان کی حالت کیا تھی ان کی زبانی ہی لطف دے گی۔

---

(۱) طبقات الشافعیۃ الکبری ص ۲/۱۸۹ (۲) وفیات الاعیان ص ۲/۵۹ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۲/۵۹، ۶۰
(۴) نفح الطیب ص ۱۰/۳۲۵، ۳۲۶ (۵) نفح الطیب ص ۲/۲۵۰ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۲۲۵ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۲۲۲

وَحین دنونا لعرض السلام - قصرنا الخطا ولزمنا الوقارا
فما نرسل اللحظ الا اختلاسا - ولا نرفع الطرف الا انکسارا
ولا نظهر الوجد الا اکتتاما - ولا نلفظ القول الا اسرارا
سوی اننا لم نطق اعینا - بادمعها غلبتنا انفجارا [1]

زور بیان بڑھ رہا ہے کہ جذبات کسقدر شدید ہیں، مناسب الفاظ اور مترنم بحر نے خودی کا عالم پیدا کر رکھا ہے۔ ادب و شوق کے خوبصورت امتزاج، چاہت وو بدبے میں حسین ملاپ نے شعروں کو دو آتشہ کر دیا ہے۔ اور الفاظ میں جادو پھونک دیا ہے۔

الفازازی الاندلسی (م ۶۲۷ھ) ابو زید عبدالرحمن بن یخلفتن، ادیب، کاتب، شاعر، محدث، متکلم، فقیہ اور صوفی تھے۔ قرطبہ میں پیدا ہوئے تلمسان میں سکونت کی اور آخر مراکش میں وفات پائی۔ العشرینیات فی المدائح النبویۃ [2] مشہور ہیں۔ الفازازی کے ۲۹ قصائد مدح رسالت میں برلین میں موجود ہیں۔ اور ایسے قصائد بھی جن میں سے ہر ایک بیس اشعار پر مشتمل ہے اسکوریال میں ہیں [3]۔ الفازازی کی شاعری میں جذبات کی تپش اور نازک خیالی کی گھلاوٹ شامل ہے اسلئے قلب و ذہن دونوں کو متاثر کرتی ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منفرد شخصیت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ان النبیون الوری - ومحمد لهم مزین [4]
فاقطع بأن محمداً - فی الخلق لیس له نفاد
هذا الصباح الهاشمی بدا فلیس له خفاد [5]

ان کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ غیر مختتم ہے۔

لواء الحمد فی یمنی یدیه - وکل الناس من دون اللواء
ولست مناقل للعشر منه - وهل تغنی الزواخر بالدلاء
فقل للسامعین قفوا محذا - محال لیس یحصر بانتهاء [6] و

سجایاه رفق بالعباد و رحمة - فیعفو إذا یُقضی و یسری إذا یمسی
سخاء کما فاض الأتی یحیی الثری - و حسن کما شق الغمام عن الشمس
سقتنا ببرادراحة بسمیّة - بخمسة أنفاد تخون من خمس [7]
سواه فقس عن کواحد غیره - ولیس إلی الشمس المنیرة شمس [8]

وہی انس و جن کے محبوب ہیں اور قصائد کا مرکزی مضمون انہی کی ذات گرامی ہے۔

کملت بنعت محمد خیر الوری - غرر القصائد کلها و حجولها
فانقضت علی الثقلین منه أشعة - طلعت وما عقب الطلوع أفولها۔
فالانس تعلم أنه مقصودها - والجن توقن أنه مأمولها [9]

ابن عربی (م ۶۳۸ھ) ابوبکر محمد بن علی الحاتمی الاندلسی جو "ابن عربی" کے نام سے مشہور ہیں۔ [10] الشیخ الاکبر کا لقب ملا، عرب فلسفی اور متکلم [10] رمضان ۵۶۰ھ کو مرسیہ اندلس میں پیدا ہوئے اشبیلیہ چلے گئے۔ پھر مصر، بغداد، حجاز، موصل اور بلاد روم کا سفر کیا، دمشق میں قیام پذیر ہوئے اور مرتبہ پائی [11]۔ بروکلمان نے ان کی ۱۵۶ کتب کے نام گنوائے ہیں جبکہ کل مصنفات دو سو کے قریب ہیں، جن میں فصوص الحکم، الفتوحات المکیۃ اور ایک دیوان شعر بھی شامل ہے [12]۔ شعر کے بارے میں مقتدر رائے یہ ہے کہ "له اشعار حسنة و کلام ملیح" [13]

---

(۱) فاران مارچ ۱۹۵۰ء ص ۱۲ (۲) معجم المؤلفین ص ۵/۱۹۹، الاعلام ص ۴/۱۱۸ (۳) تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ جرجی زیدان ص ۳/۳۲ (۴) نفح الطیب ص ۱۰/۳۵۸ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۳۵۶ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۳۵۶ (۷) المجموعۃ النبھانیۃ ص ۲/۲۶۵
(۸) حوالہ مذکورہ ص ۴/۱۱ (۹) نفح الطیب ص ۱۰/۳۵۷ (۱۰) الاعلام ص ۷/۱۷۰ (۱۱) معجم المؤلفین الجزء الحادی عشر ص ۴۰
(۱۲) تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ جرجی زیدان ص ۳/۱۰۰ (۱۳) نفح الطیب ص ۲/۳۶۲

ان کے ہاں شاعرانہ رنگین بیانی بھی ملتی ہے۔ اور سادہ نثر بھی، ان کی ترجمان الاشواق کی بعض نظمیں عربی کی اعلیٰ ترین متصوفانہ نظموں کے مقابلے میں پیش کی جا سکتی ہیں ۱۔ دیارِ مدینہ اور مسجدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہیں:

یا حبذا المسجد من مسجد - و حبذا الروضة من مشهد
و حبذا طیبة من بلدة - فیها ضریح المصطفیٰ احمد
صلی علیه الله من سید - لولاه لم نفلح ولم نهتد
قد قرن الله به ذکره - فی کل یوم فاعتبر ترشد ۲

ابن الجیان (م ۶۵۰ھ) ابوعبداللہ محمد بن محمد الانصاری، مرسیہ کے رہنے والے تھے قابلِ اعتماد راوی اور با اعتماد عالم تھے ۳۔ درود کے چند شعر

صلوا علی اسنی البریة خیما - واجل من جاز الفخار صمیما
صلوا علی هذا النبی فانه - من لم یزل بالمؤمنین رحیما
طلق المحیا ذو حیاء زانه - وسنا الندی وزاده تعظیما ۴

بعثت نبوی کی برکات کا ذکر کرتے ہیں

لقد رفع الاله عن البرایا - ببعث محمد محن الصروف
اتی والناس فی الآفاق فوضی - لسمر الخط او بیض السیوف ۵

اور پھر التجائیں۔

انی توسلت بالمختار سیدنا - الطاهر المجتبیٰ من خیرة الامم
هو الشفیع الذی ارجو النجاة به - من الجحیم اذا الکفار کالحمم ۶

مالک بن المرحل السبتی (م ۶۹۹ھ) ابوالحکم مالک بن عبدالرحمن، مالقہ کے رہنے والے تھے، سبتہ میں سکونت کر لی۔ کاتب تھے مگر پھر شعر کا غلبہ ہو گیا۔ اور شاعر المغرب کہلائے۔ "دیوان المرحل" ترتیب دیا ہے ۷۔ حروف معجم کی ترتیب سے "التوشیحات النبویة" لکھیں جن کے دو بند یہ ہیں۔

الف اجل الانبیاء نبی - بضیائه شمس النهار تضیء
وبه یؤمل محسن ومسیء - متفضلا من الله العظیم عظیما
صلوا علیه وسلموا تسلیما
قاف قوافی النظم عنه تضیق - ا یطیقه الانسان لیس یطیق
فالحق فی التقصیر عنه خلیق - ولو ان فیه ملؤ الفضاء رقوما
صلوا علیه وسلموا تسلیما ۹

نعلین کے بارے میں ان کے جذبات محبت کی شدت کا یوں اظہار ہوا۔

الا بابی تمثال نعل محمد - لقد طاب حاذیه وقدس خادمه
یود هلال الافق لو انه هوی - یزاحم نسرا فی لثمه وتزاحمه ۱۰

محمد بن فرج السبتی (القرن السابع) تمثال نعل پر پورا قصیدہ لکھا جس کے آخر پر قریباً ۱۵۰ اشعار مدح صحابہ میں ہیں تمثال نعل پر ۱۱ شعر ہیں جن میں کہتے ہیں۔

سکرت وما خمری سوی حبه ومن - حسا خمر هذا الحب لم یخش حده

---

۱ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۱/۶۰۸ ۲ نفح الطیب ص ۱۰/۳۸۴ ۳ الاعلام ص ۷/۶۵۶، نفح الطیب ص ۱۰/۲۸۶
۴ نفح الطیب ص ۱۰/۲۹۴ ۵ حوالہ مذکورہ ص ۲۲۹ ۶ حوالہ مذکورہ ص ۳۵۳ ۷ الاعلام ص ۶/۱۳۸ ۸ معجم المؤلفین
الی والشاعر ص ۱۶۹ ۹ نفح الطیب ص ۱۰/۳۰۵، ۳۰۸ ۱۰ المجموعة النبهانية ص ۳/۱۰۰

فَیَا طِیبَ عَبدٍ وَاصِلٍ أَرضَ طَیبَۃٍ ـ یُمَرِّغُ فِی تِلکَ المَعَاهِدِ خَدَّہٗ ۱

توسیع خیالی کا منظر خوب ہے۔

أُکَرِّرُ فِی أَحوَالِی اسمکَ إِنَّہُ ـ یُکَالِشُّهدِ مَا کَرَّرتَہُ فِی فَمِی یَحلُو ـ

أَمَا إِنَّہُ أَحلٰی وَأَیمَنُ مَجتَنٰی ـ فَکَم مُجتَنٍ لِلشُّهدِ تَلسَعُہُ النَّحلُ ـ

فَضَائِلُہُ بَحرٌ وَسَجلٌ کَلَامُنَا ـ وَلَیسَ یُفِیضُ البَحرَ دَلوٌ وَلَا سَجلُ ۲

ابوالعلاء ادریس بن موسیٰ القرطبی (ساتویں صدی ہجری) مدح میں ایک مخمس جس پر ابوعبداللہ بن الجیان نے تقریظ لکھی تھی ۳ مخمس کے دو بند ملاحظہ فرمائیں

أوصافہ من کل حسن أبہج ـ الروض ینفح والسنا یتبلج ـ

فتأرج الأرجاء منہ تبہج ـ فاق الزواہر نورہا یتوہج

والزہر نفاح النسیم وسیما ـ

بالمدح محمد المصطفیٰ یممتہ ـ من حلی أوصاف لہ نظمتہ

لم أبلغ المعشار إذا أحکمتہ ـ بعضاً لنیت وبعضہ ألحمتہ

فلاتہ جید الزمان نظیما ۴

ابوحیان الاندلسی (م ۷۴۵ھ) محمد بن یوسف، اثیرالدین الاندلسی الغرناطی، غرناطہ کے قریبی شہر مطخشارش میں پیدا ہوئے، مذہب اہل ظواہر کی طرف رجحان ہو گیا تھا اور حب علی رضی اللہ عنہ میں خاص شغف تھا۔ البحر المحیط ان کی تفسیر ہے ۵ عمدہ توشیحات لکھے اور بہت لکھے ۶ النجوم الزاہرہ میں ان کا توشیح اس تمہید کے ساتھ نقل ہوا ہے کہ "انہ أفحل شعراء المغاربۃ فی جمع الشان" ہے۔ تصانیف پچاس سے زائد ہیں۔ کعب بن زہیر رض کے قصیدے کا معارضہ بھی لکھا: المورد العذب فی معارضۃ قصیدہ کعب ۷۔ اس معارضہ میں کہتے ہیں:

کَالثَّغرِ بَرَّرَہٗ وَالنَّشرِ عَنبَرَۃٌ ـ وَالثَّغرُ جَوهَرَۃٌ وَالرِّیقُ مَعسُولُ ـ

نُورٌ تَمَثَّلَ فِی الأَحجَارِ بَشَرًا ـ عَلَی المَلَائِکِ مِن سِیمَاہُ تَخیِیلُ

وَنَبعُ مَاءٍ فُرَاتٍ مِن أَنَامِلِہٖ ـ کَالعَینِ شَجَّت فَمَا الصَّفَّانِ مَا النِّیلُ ۸

ابن الجیاب (م ۷۴۹ھ) الامام الرئیس ابوالحسن علی بن محمد الانصاری الغرناطی، قال فی تاریخ غرناطۃ: جنبرا فی الادب والتاریخ مشہد کافی التعرف حامل رایۃ المنظوم والمنثور مترتم الزمن۔۔۔ شیخ طلبۃ الاندلس ۹

ابن خطیب کے استاد و شیخ تھے اور انہی نے ان کا مجموعہ شعر مرتب کیا ۱۰۔ عمدہ شاعر تھے مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے شعر ہیں۔

بِہِ الحَقُّ وَضَّاحٌ بِہِ الإِفکُ زَاهِقٌ ـ بِہِ الفَوزُ مَرجُوٌّ بِہِ الذَّنبُ قَد حُطَّا ـ

هُوَ المَلجَاءُ الأَحمٰی هُوَ المَوئِلُ الَّذِی ـ بِہِ فِی غَدٍ یَستَشفِعُ المُذنِبُ الخَطَا

ابن الجیاب کا ایک لامیہ قصیدہ معجزات کے بارے میں ہے جس میں تمام معروف معجزات کا احصاء کیا گیا ہے، اسے منظوم معجزات کہا جا سکتا ہے۔

لسان الدین بن الخطیب (م ۷۷۶ھ) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ السلمانی جو لسان الدین کے لقب سے مشہور ہیں قرطبہ کے رہنے والے تھے پھر طلیطلہ اور وہاں سے لوشہ اور آخرکار غرناطہ چلے گئے ۱۳ لوشہ میں ۲۵ رجب ۷۱۳ھ میں

---

۱ المجموعۃ النبہانیہ ص ۲/۲۸، ۲۹ ۲ المجموعۃ النبہانیہ ص ۲/۳۸۸، ۳۹۰ ۳ نفح الطیب ص ۱۰/۲۹۵ ۴ والمذکورہ ص ۲۹۶، ۲۹۷
۵ بغیۃ الوعاۃ ص ۱/۱۲۱، ۱۲۲ ۶ الدرر الکامنۃ ص ۵/۷۰ ۷ النجوم الزاہرہ ص ۱۰/۱۱۲ ۸ نفح الطیب ص ۲/۳۲۵
۹ المجموعۃ النبہانیہ ص ۲/۵۲، ۵۷، ۵۸ ۱۰ بغیۃ الوعاۃ ص ۳۴۸ ۱۱ الاحاطۃ فی اخبار غرناطۃ ص ۱/۱۲۴ ۱۲ المجموعۃ النبہانیہ ص ۲/۲۹۸ ۱۳ نفح الطیب ص ۶/۳۱۲

پیدا ہوئے، جرجی زیدان کا خیال ہے کہ یہ خاندان شامی ہے اندلس نقل مکانی کر گیا تھا۔ اور لوشہ میں سکونت کر لی تھی اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر لسان الدین امیر غرناطہ (۷۳۳ تا ۷۵۵ھ) ابو الحجاج یوسف کے وزیر بنے اور اسکے بعد اسکے بیٹے کے بھی، یہ عروج راس نہ آیا اور کئی مخالف پیدا ہو گئے "قد استعمل نفوذه فكثر حساده" ۱۔ اور آخر کار سازش کا شکار ہو گئے قید کر دیئے اور پھر گلا گھونٹ کر مار دیئے گئے اور دشمنی کی حد یہ ہوئی کہ قبر سے نکال کر ان کی لاش کو جلا دیا گیا۔ اسلئے دو قبروں والے مشہور ہو گئے ۲۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے "الاحاطة فی اخبار غرناطة" سب سے زیادہ مقبول کتاب ہے اس کے علاوہ دیوان شعر بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ کل ۶۰ کتابوں کے مصنف تھے ۳۔ مقدمہ الاحاطہ میں محمد عبد اللہ عنان نے تیس کا تفصیلی ذکر کیا ہے ۴۔

لسان الدین سرزمین اندلس کے مشہور مورخ اور بلند پایہ شاعر تھے، سیاسی دبدبہ اور وقار بھی حاصل رہا اسلئے "ذو الرئاستين" "ارباب السيوف والاقلام" کہا جاتا ہے۔ ۵۔ محمد عبد اللہ عنان کہتے ہیں "كان ابن الخطيب من اعظم كتاب عصره وشعرائه بل هو من اعظم كتاب الاندلس وشعرائها على الإطلاق وقد بلغ من النظم كما بلغ في النثر مرتبة التفوق التي لا يدانيه فيها سوى القليل ومما اعلم ما يتميز به شعر ابن الخطيب ونثره معًا وفرة التنوع والافتنان في الموضوعات والمعاني ويرجع ذلك الى خصب قريحته وسعة افقه" ۶۔ جہاں تک شعر کا تعلق ہے ان کا مقام معاصرین سے بہت بلند ہے ان کے ہاں تنوع ہے کہ وہ سیاسی مسائل سے لے کر مدح، غزل، زہد، تصوف اور مدح رسالت تک یکساں دسترس رکھتے ہیں ۷ "وهو يبرى في سائر قصائده براعة في ابتكار المعاني وفي صوغ الخيال واختيار اللفظ المشرق"۔ موشحات میں تو انہیں امام کا درجہ حاصل ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں "جاء شاعر الاندلس والمغرب في عصره... وكان في اللسان ملكة لا تدرك" ۸۔ اندلس کی تہذیبی زندگی میں "المیلاد الاعظم" کو خاص مقام حاصل تھا۔ ۷۶۳ھ میں ایسے ہی ایک موقع پر ۶۳ شعروں کا دالیہ قصیدہ پڑھا جس میں یہ شعر قابل توجہ ہیں۔

تحدَّثُ عيني عن غبارِ كلِّ ليلةٍ – فأعقبها دمعًا وأوردها سُهدا
فتبعث عن بعيد الدار في ذلك الحمى – وأذرِ به دمعًا وعفّر به خدّا
وقل يا رسول الله عبدٌ تقاعدت – خطاه وأضحى من أحبّته فردا
ولم يستطع من بعد ما بَعُدَ المدى – سوى لوعةٍ تعتادُه أو مرثيةٍ تُهدى
تداركه يا غوث الأنام برحمةٍ – فجودك ما أجدى وكفّك ما أندى
تقضّى زماني في لعلَّ وفي عسى – فلا حرقةٌ تمضي ولا لوعةٌ تهدا ۹

طلب زیارت اندلس کے شعراء کا مشترک موضوع ہے، لسان الدین کہتے ہیں۔

أيخيبُ من قصدَ الكريمَ وعندهُ – حسنُ الرجاءِ شعارُهُ ودثارُهُ ۱۰
ومؤدّي عني جوار الجار متقلّبٌ – فياحٌ عليه للرجوع قليبُ ۱۱

اور یہ دو شعر تو لسان الدین کی شاعری کی معراج ہیں، "ومتردد تُرى بعد الموت فقيل له ما فعل الله بك فقال غفر لي ببيتين قلتهما" ۱۲

يا مصطفى من قبل نشأة آدمٍ – والكون لم تفتح له أغلاقُ
أيروم مخلوقٌ ثناءك بعدما – أثنى على أخلاقك الخلّاقُ ۱۳

---

۱ تاریخ آداب اللغة العربیه ص ۳/۲۱۶ ۲ شذرات الذهب ص ۶/۲۴۷ ۳ الاعلام ص ۷/۱۱۳ ۴ احاطہ فی اخبار غرناطہ مقدمہ ص ۶۸ تا ۸۳ ۵ نفح الطیب ص ۷/۵ ۶ احاطہ فی اخبار غرناطہ مقدمہ ص ۱/۵۸ ۷ حوالہ مذکورہ ص ۶۲
۸ حوالہ مذکورہ ص ۶۲، ۶۳ ۹ نفح الطیب الجزء التاسع ص ۱۵۷ تا ۱۵۹ ۱۰ المجموعة النبهانیه ص ۲/۲۰۷ ۱۱ نفح الطیب الجزء التاسع ص ۶۶ ۱۲ شذرات الذهب ص ۶/۲۴۷ ۱۳ حوالہ مذکورہ و نفح الطیب ص ۷/۹۳

ابن جابر الاندلسی (م ۷۸۰ھ) ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن جابر الہواری الاندلسی، اندلس کے ایک نابینا ادیب جو المدیۃ کے رہنے والے تھے، ابو جعفر الالبیری (م ۷۷۹ھ) سے دوستی ہوئی اور دونوں اکٹھے سفر پر نکلے، شام آئے حلب گئے وہاں آخر البیرہ میں قیام کر لیا اور تقریباً پچاس سال اکٹھے وہاں ہی رہے [1]۔ ابن جابر تالیف کرتے اور ابو جعفر لکھتے اور اسی اشتراک عمل کی وجہ سے لوگ انہیں "الاعمی والبصیر" کہتے [2]۔ مریں ابن جابر نے امام بوصیری کے بردہ کا معارضہ لکھا، مگر معارضہ ایک نئے ادبی رجحان کا سبب بن گیا، ڈاکٹر زکی مبارک لکھتے ہیں: "وقد انتہی ابن جابر بقصیدہ البردۃ وظفر اُخر معانی شعرہ... وقد شغل نفسہ بمعارضۃ البردۃ ولکن ای معارضہ؛ لقد ابتکر فناً جدیداً ھو البدیعیات، و ذلک اُن تکون لقصیدۃ فی مدح الرسول ولکن کل بیت من اُبیاتھا لیشیر الی فن من فنون البدیع" [3] اس قصیدے کو بدیعیہ العمیان، یا الحلۃ السیراء فی مدح خیر الوری، کہتے ہیں [4]۔ یہ مسئلہ حل طلب ہے کہ بدیعیہ کی ابتداء ابن جابر نے کی یا الصفی حلی نے دونوں ہم عصر ہیں اور دونوں قصیدے موجود ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کی فضا میں لفظی موشگافیاں عام تھیں اسلئے دونوں نے مستقل حیثیت میں ایسے قصیدے لکھے شاید ایک دوسرے پر اثر کے بجائے وقت کی طلب تھی کہ معانی کے بجائے ہیئت کو زیادہ اہم حیثیت دے گیا تھا۔ پھر یہ طرز تو اس قدر مقبول ہوئی بدیعیات کی ایک طویل فہرست دستیاب ہے (امام بوصیری کے قصیدہ بردہ کے اثرات کے ضمن میں ان بدیعیات کا مجملاً تذکرہ کیا گیا ہے) ابن جابر کے بدیعیہ کی ان کے دوست ابو جعفر نے شرح لکھی جس کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ یہ بدیعیہ "فاذا ھی فی فنھا، فریدۃ فی حسنھا، تجنی ثمر البلاغۃ من غصنھا وتنھل مواکب الاجادۃ من مورد ھا ثم ینبغی علی منوالھا ولا سمعت قریحۃ بمثالھا" [5]۔ بدیعیہ کا مطلع ہے۔

بِطَیْبَۃَ اَنْزِلْ وَیَمِّمْ سَیِّدَ الْاُمَمِ ۔ وَانْشُرْ لَہُ الْمَدْحَ وَانْثُرْ اَطْیَبَ الْکَلِمِ [6]

ابن جابر کا قصیدہ "المقصورۃ" اپنے فنی محاسن کی وجہ سے بہت شہرت پا گیا ہے۔ اس میں حرف روی سے ما قبل بالالتزام دس دس شعر ایک ایک حرف ہجا کے لائے گئے ہیں اس سے ان کی ادبی منزلت اور قادر الکلامی کا اظہار بھی ہوتا ہے اور مدح رسالت میں شیفتگی اور وارفتگی کا بھی ۲۹۶ اشعار کے قصیدے میں سے چند شعر:

اِنْ تَجِبِ الرُّسُلُ سَمَاءً قَدْ بَدَتْ ۔ فَاِنَّہُ فِیْ اُفْقِھَا نَجْمٌ مُھْدِیْ

کَابِحْرِ بَلْ کَالْبَدْرِ جُوْدًا وَسَنَا ۔ مُحَبَّذًا مَنِ اجْتَدیٰ اَوِ اقْتَدیٰ [7]

اسماء سورۃ القرآن کے توریہ سے مدحت رسالت کا ایک انوکھا ڈھنگ ابن جابر نے نکالا جس کی کئی شعراء نے تقلید کی، اس قصیدے میں کہتے ہیں:

فِیْ کُلِّ فَاتِحَۃٍ لِلْقَوْلِ مُعْتَبَرَۃٌ ۔ حَقُّ الثَّنَاءِ عَلَی الْمَبْعُوْثِ بِالْبَقَرَہ

بِجَاھِہٖ سَالَ نُوْحٌ فِیْ سَفِیْنَتِہٖ ۔ حُسْنَ النَّجَاۃِ وَمَوْجُ الْبَحْرِ قَدْ غَمَرَہ

اَلَمْ تَرَ الشَّمْسَ تَصْدِیْقًا لَہُ حُبِسَتْ ۔ عَلَیٰ قُرَیْشٍ وَجَاءَ الدَّوْحُ اِذْ اَمَرَہ [8]

اوصاف مدینہ منورہ پر ان کا قصیدہ "قافیہ" ہے جس میں احادیث کے حوالوں سے برکات و انعامات کا تذکرہ کیا جو اہل مدینہ کو حاصل ہیں [9] اسی طرح بانت سعاد کا معارضہ ۱۱۶ شعر کا ہے [10] آخر پر ایک قطعہ پڑھئے جو ان کے شمائل کا آئینہ دار ہے۔

یَا اَھْلَ طَیْبَۃَ فِیْ مَغْنَاکُمْ قَمَرٌ ۔ یَھْدِیْ اِلَی الْحَقِّ مَحْمُوْدُ الطُّرُقِ

کَالْغَیْثِ فِیْ کَرَمٍ وَالَّلیْثِ فِیْ حَرَمٍ ۔ وَالْبَدْرِ فِیْ شَرَفٍ وَالنَّجْمِ فِیْ اُفُقِ [11]

---

(۱) الدرر الکامنۃ ص ۳/۳۰۰ (۲) شذرات الذھب ص ۴/۲۸۶ بغیۃ الوعاۃ ص ۱۴ (۳) المدائح النبویۃ فی الادب العربی ص ۱۶۸، ۱۶۹ (۴) الاعلام ص ۶/۲۲۵ (۵) نفح الطیب ص ۳/۳۰۰ (۶) المدائح النبویۃ فی الادب العربی زکی مبارک ص ۱۶۹ (۷) نفح الطیب ص ۱۰/۱۲۰ (۸) حوالہ مذکورہ ص ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴ (۹) حوالہ مذکورہ ص ۱۶۶، ۱۶۷ (۱۰) المجموعۃ النبھانیہ ص ۸۹/۱ تا ۹۸ (۱۱) المجموعۃ النبھانیہ ص ۳/۲۰۸

ابن جابر متکلف انداز شعر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، "اپنی فنون" پر دسترس حاصل ہے اور تجانس لفظی کا وہ بر محل اور بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ اسی پر بعض ناقدین نے انہیں ہدف تنقید بھی بنایا ہے۔ اور یقیناً یہ ایک شعوری کوشش ہے جس میں ذہن مدح سے زیادہ صناعات میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ مگر ایں ہمہ انہوں نے اپنی زندگی اور اپنی تمام صلاحیتوں کو دربار رسالت کی مدح خوانی کیلئے وقف کر رکھا ہے اور ثنا خوان اپنی معلومات اور اپنی عقیدت کے مطابق ہی ہدایا پیش کیا کرتا ہے۔

ابن زمرک (م ۷۹۳ھ) ابو عبداللہ محمد بن زمرک، اندلس کے مشہور کاتب اور شاعر تھے۔ "روض البیازین" غرناطہ میں پیدا ہوئے اور لسان الدین بن الخطیب کا تلمذ اختیار کیا۔ سیاسی طور پر بڑے عہدوں پر رہے مگر آخر کار اپنے استاد لسان الدین کی طرح قتل کر دیئے گئے، سلطان ابن الاحمر نے ابن زمرک کے اشعار اور موشحات کو ایک ضخیم جلد میں اکٹھا کیا جسکا نام "البقیۃ والمدرک من کلام ابن زمرک" ۱۔ ۷۶۵ھ میں سلطان اندلس کے سامنے میلادیہ قصیدہ پڑھا جو ۷۲ اشعار کا نونیہ قصیدہ ہے اس میں فراق کی تڑپ اور سکونت اندلس کے بعد کا کرب نمایاں ہے۔ مقامی حوالے نے قصیدے کی تاریخی عظمت دوبالا کر دی ہے۔ فرماتے ہیں

إليك رسولَ الله دعوةَ نازحٍ - خفوقِ الحشا رهن المدامع هيمانِ
غريبٍ بأقصى الغرب قيّدَ خطوه - شبابٌ لوقضى في مراحٍ وخسرانِ
تراه أومض البرق الحجازي موهناً - يردد في الظلماء أنّة لهفانِ
فيا صفوةَ الرحمن ويا مذهب العمى - ويا منجي الغرقى ويا منقذ العاني
السبلت ير المحتاج بالخير راحم - وذنبيَ أ الجاني الى موقف الجاني
وأنت لهذا الكون علّة كونه - ولولاك ما امتاز الوجود بأكوان
خلاصة صفو المجد من آل هاشم - ونكتة سر الفخر من آل عدنان
وسيد هذا الخلق من نسل آدم - وأكرم مبعوث إلى الإنس والجان
وما ذا عسى يثني البليغ وقد أتى - ثناؤك في وحي كريم وقرآنِ ۲

ابن الخفیف (آٹھویں صدی ہجری) علاء الدین محمد بن الخفیف الأبجی الحسنی الصوفی الیمنی کے درود شریف کے بارے میں دو قصیدے علامہ المقری نے درج کئے ہیں دونوں "مسدس" کی شکل میں ہیں اور ٹیپ کا مصرعہ ہر دو میں "صلوا علیه وسلموا تسلیما" ہے۔ علامہ موصوف کی رائے میں دونوں میں تکلف ہے اسکی توجیہہ یہ ہے:

أحدها أن صاحبهما من الصالحين يسلم لصوفيته كلامه ومن اعترض على مثله يخشى عليه من تسديد السهام لملامه، الثاني: انهما في مدح النبي صلى الله عليه وسلم وعليه من الله أزكى صلاته واتم سلامه، الثالث، أن المراد جمع ما وقفت عليه في البحر والروي والمعنى ... على ان القصد الاعظم ما هو الا التلذذ بتكرر مدائح المصطفى صلى الله عليه وسلم خصوصاً المقتبس فيهما قوله تعالى (صلوا عليه وسلموا تسليما) ۳

دونوں قصائد کا ایک ایک بند درج کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ابن الخفیف کے شعری مقام کا اندازہ ہو سکے۔

غوث الورى نور المصطفى هو سابغ - غيث الندى هو في البرايا سائغ
بحر الندى أقصى النهاية بالغ - بدر الدجى شمس وبدر بازغ
عمّا بما للمؤمنين رحيما - صلّوا عليه وسلموا تسليما ۴

---

① الاعلام الجزء الثامن ص ۲۹ ② نفح الطیب ص ۸/۳۵۲، ۳۵۳ ③ نفح الطیب ص ۱۰/۳۲۶، ۳۲۷
④ نفح الطیب ص ۱۰/۳۲۰

والله مثل محمد لیتجھو ۔ والله مولاه العوالم کیف ھو
وجد الوجود بذاته وبه له ۔ وجد علاء لو جھه فتوجھوا
وجد واو جاد من النجاه نقیما ۔ صلّوا علیه وسلّموا التسلیما [1]

ابو الحجاج یوسف بن موسیٰ المنتشافری الاندلسی (ساتویں صدی ہجری) "درود" کے ضمن میں ایک مسدس لکھی جس کا آخری مصرعہ "فعلیه الصلاة والسلام" ہے۔ پانچواں مصرعہ اسی کی مناسبت سے میمیہ ہے یوں یہ قصیدہ میمیہ کہا جا سکتا ہے مگر باقی چار مصرعے بالترتیب حروف ہجاء کے حرف کی مناسبت سے لکھے گئے ہیں سوائے حرف واؤ کو جو شاید رہ گیا ہے یا روایت نہ ہو سکا، پہلا بند یہ ہے۔

صفوة الخلق خاتم الانبیاء ۔ مرشد الناس للطریق السواء
والعماد الملاذ فی الآواء ۔ وشفیع العصاة یوم الجزاء
یوم یبدو لربه جاه عظیم ۔ فعلیه الصلاة والتسلیم [2]

الکفنجی (آٹھویں صدی ہجری) ابراہیم بن علی بن حسن "کفنجا" اعمال صفد کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔ اسماء کتب کو منظوم کیا کہ کتاب کا نام بھی استعمال ہوا مگر مفہوم اس سے معنی اصلی تھا۔ پھر اس کی خود ہی شرح لکھی جس کا نام "نور حدیقة البدیع" و "نور حدیقة الربیع" رکھا۔ [3] اسماء سور قرآنیہ کو شعروں میں یوں پرو دیا ایک مدحیہ قصیدہ تیار ہو گیا یہ فنی صلاحیت اور وسعت علمی کی دلیل ہے۔ مثلاً سورہ کہف، مریم، طٰہٰ، الانبیاء، الحج، المومنون، نور، فرقان، الشعراء، النمل، قصص، العنکبوت کو شعری بندش میں لائے تو تین خوبصورت شعر تیار ہوئے کہتے ہیں۔

یا کھف مریم أنت طٰہٰ الانبیا ۔ والحج ثم المومنون الافضل
یا نور یا فرقان یا من مدحه ۔ نطقت به الشعراء و ھو الحرسل
والنمل فی قصص الحدیث به دعت ۔ وعلیه لنسج العنکبوت مسدل

ایک اور شعر، یا من به ذوالنون لاذ بمینه ۔ لما أصیب بجافة لا تعدل [4]

مذکورہ بالا شعراء کرام کے علاوہ ایک کثیر تعداد ان شعراء کی بھی ہے۔ جنہوں نے مدحت رسالت میں بساط بھر کوشش کی ہے ان سب کا تذکرہ بہت تفصیل چاہتا ہے اسلئے مناسب ہوگا کہ صرف ان کے اسماء کی نشاندہی کر دی جائے تاکہ ایسے مدح نگاروں کا نام بھی مقالے کی زینت بنے۔ حفصہ بنت حمدون الاندلسیة (چوتھی صدی ہجری) صفوان بن ادریس المرسی (م ۵۹۸ھ)، الوزیر عبدالرحمٰن بن سعید الوزیر الفاضل الاندلسی (م ۶۰۲ھ)، ابو الخطاب عمر بن الحسن المعروف بابن دحیة او بذی النسبین الکلبی البلنسی الاندلسی (م ۶۳۲ھ)، الحافظ ابو الربیع سلیمان بن سالم الکلاعی الاندلسی (م ۶۳۴ھ)، الشیخه سعدونه بنت عصام الحمیریة القرطبیة الاندلسیه (م ۶۴۰ھ)، ابراھیم بن سھل الاشبیلی (م ۶۴۹ھ)، ابوبکر احمد بن عبدالله القرطبی (م ۶۵۲ھ)، ابو عبدالله محمد بن عبدالله السلمی المرسی (م ۶۵۵ھ)، الحافظ ابو عبدالله محمد بن الابار الاندلسی (م ۶۵۸ھ)، ابو الحسن بن سعید الغرناطی الاندلسی (م ۶۷۳ھ)، حازم بن محمد القرطاجنی الاندلسی (م ۶۸۴ھ)، تشطیر معلقه امرئ القیس لکھی۔ علی بن حمدون الاندلسی، نور الدین ابو الحسن (ساتویں صدی ہجری)، ابن عفیف، ضیاء الدین ابو الحسن محمد بن یوسف (ساتویں صدی ہجری)، ابن الحکیم، ابو عبدالله الوزیر الاندلسی (م ۷۰۸ھ)، محمد بن علی ابن یحییٰ الغرناطی المعروف بالشامی (م ۷۱۵ھ)، ابن ابی المجد، عبدالله بن عبدالمجد الرعینی الاندلسی (م ۷۳۹ھ)، ابو القاسم محمد ابن احمد بن جزی الکلبی (م ۷۵۰ھ)

---

① نفح الطیب ص ۳۲۶/۱۰، ② حوالہ مذکورہ ص ۳۵۹ ③ حوالہ مذکورہ ص ۲۰۳ ④ حوالہ مذکورہ ص ۲۰۱، ۲۰۲

ابن عطیۃ، القاضی ابو محمد الاندلسی (م ۷۵۶ھ)، یوسف الجزامی الرندی الاندلسی (م ۷۶۱ھ)، فرج بن لب ابو سعید الغرناطی الاندلسی، شیخ الشیوخ (م ۷۸۲ھ)، ابن شیرین، القاضی ابوبکر الاندلسی (م ۷۸۲ھ)، ابوبکر احمد بن جزی الاندلسی (م ۷۸۵ھ)، ابوالقاسم محمد بن یحیی الغسانی البرجی الغرناطی (م ۷۸۶ھ)، عبداللہ بن لسان الدین (آٹھویں صدی ہجری)، عتیق بن احمد الغسانی الغرناطی (آٹھویں صدی ہجری)، عبدالعزیز بن علی الغرناطی (آٹھویں صدی ہجری) الشراف الاندلسی، ابوعبداللہ محمد (آٹھویں صدی ہجری)، محمد بن العقاد، ابوالقاسم الاندلسی (آٹھویں صدی ہجری)، ابن ابی العافیۃ، ابوالقاسم الاندلسی (آٹھویں صدی ہجری)، ابوبکر بن ارقم الاندلسی (آٹھویں صدی ہجری)، ابوجعفر الاندلسی (آٹھویں صدی ہجری)

چند وہ اصحاب جن کا زمانہ متعین نہ ہو سکا مگر ان کے مدحیہ قصائد موجود ہیں۔
ابوالعباس احمد بن القاسم المعروف با بن القصیر، الشیخ ابوعبداللہ بن عمران، کمال الدین ناظر قوص، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ العربی العقیلی، ابوبکر محمد بن ابی عامر بن حجاج الغافقی الاشبیلی۔

اندلس میں عربی نعتیہ شاعری کو اپنے معاصر دیگر عرب ممالک سے زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی، ان کے مضامین میں بھی تنوع اور ان کی مجلسی زندگی کا اثر ہے۔

دورِ جدید

بارھویں صدی ہجری کے آخر تک سقوطِ بغداد کا دہ طاری کردہ اضمحلال اپنی انتہا کو پہنچا، منتشر حکومتیں اور دست و گریباں سلطنتیں یورپ کی صنعتی یلغار کے سامنے سپر انداز ہو گئیں، عثمانی سلطنت ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ تھی عالمِ عرب پر ان کی حکومت تھی مگر سلطنت عباسیہ کے ایامِ زوال کی طرح ان کی حیثیت ایک متبرک وجود کی تھی جس کا احترام تو کیا جاتا ہے مگر جس کے احکام کی تعمیل نہیں کی جاتی، مصر پر حاکم اپنے آپ کو نائب آلِ عثمان کہنے کے باوجود خود سر اور لاتعلق تھے اس داخلی انتشار کے دوران میں ہی نا پلیون بونا پارٹ ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء کو مصر پر حملہ آور ہوا، فرانسیسی اقتدار دیر پا نہ تھا مگر اس کے اثرات ضرور دور رس تھے، محمد علی پاشا نے مصر کے جسمِ ناتواں میں حرکت پیدا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی، اس کا مطمعِ نظر عسکری قوت تھا مگر حالات اس نہج پر آ چکے تھے کہ اب افرادی قوت کے ساتھ فنی مہارت اور تنظیمی خود کفالت بھی ضروری تھی محمد علی نے فوجی قوت کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے ہمہ جہتی ترقی کی کوشش کی، طلباء اور علماء کے وفود جدید تکنیکی مہارت حاصل کرنے اور نو دریافت علمی ایجادات سے بہرہ مند ہونے کے لئے بیرون ملک بھیجے، جب یہ فنی ماہرین واپس وطن آئے تو ملک کی فنی استعداد میں اضافہ ہوا۔ تہذیبی تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں، ان لوگوں نے یورپ کے جدید معاشرے کے خد و خال دیکھے تھے اور تہذیبی و ثقافتی اثرات بھی قبول کئے تھے آزاد قوموں سے تہذیبی روابط نے کئی امنگیں جوان کر دی تھیں، یہ وہ دور تھا جب کہ عالمِ اسلام غلامی کے گہرے سایوں میں محوِ خواب تھے۔ غلامی مقدر بن چکی تھی اور مایوسی کا عالم یہ تھا کہ اب آزادی کی تڑپ بھی دم توڑ رہی تھی مگر جدید تعلیمی سرگرمیوں نے یہ جمود توڑا اور آہستہ آہستہ عالمِ اسلام میں آزادی کی تحریکیں ابھرنے لگیں، تیرھویں صدی جمود اور بے بسی کی صدی تھی مگر چودھویں صدی میں تحریک نمایاں نظر آنے لگی، مسلم اکثریت کے تمام علاقوں میں آزادی کی لہر پیدا ہوئی اور نصف صدی گزرنے کے بعد آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے لگا۔ اور صدی کے آخر تک تمام ملت اسلامیہ استعماریت کے بت توڑ کر آزاد اقوام میں شامل ہو چکی تھی۔

یہ تھا سیاسی پس منظر جس میں عربی ادب کی حالت خاصی تشویشناک رہی مگر آزادی کے تصور نے عربی زبان و ادب کو پھر سے سہارا دیا۔ تیرھویں صدی کے آخر یا چودھویں صدی کی ابتداء میں عربی ادب پر شباب لوٹ آیا۔

اس میں المدائح النبویہ کی مقام و حیثیت کیا تھی؟ اس کی وضاحت کیلئے چند ضروری گذارشات درج ذیل ہیں

۱۔ غلامی، ایک ایسی بے بسی کو کہتے ہیں جس پر عداوت سے انسانی جوہر دھندلانے لگتا ہے۔ اور خوب و زشت کی تمیز اور عزت و ذلت کا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔ بارھویں صدی سے تیرھویں صدی ہجری کے نصف تک تقریباً ایسی ہی غلامی امت مسلمہ کا مقدر تھی، با عزت زندگی کا تصور نہ رہا تو 'حیات مقدس' سے کسب فیض کی خواہش بھی کمزور پڑی' مدح رسالت معروضی ہو یا موضوعی ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی حوالے سے وجود پذیر ہوتی ہے جس میں شاعر کی ذات اور ماحول معاون ہوتا ہے۔ مگر اس وقت 'قومی نقاہت' کا یہ عالم تھا کہ 'دربار رسالت' کی طرف اٹھنے والی پکار بھی دم بخود تھی اس لئے اس ایک صدی میں 'نعتیہ ادب' پر خمول کا پردہ رہا ہے۔

۲۔ عالم اسلام پر علمی بے چارگی مسلط تھی، عربی ادب سے عدم دلچسپی در اصل اسی علمی بے بضاعتی کا ثمر تھی ذہنی توانائیاں تو کسب معاش میں مصروف ہو رہی تھیں اور جب 'شکم' کے مسائل گمبھیر نوعیت اختیار کر جائیں تو عقلی اور شعوری قوتوں کو زوال آجایا کرتا ہے۔ و شعور اور حب 'مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم' تو فن کی صلاحیت کے ساتھ ذہنی وابستگی بھی چاہتے ہیں ان ایام میں جو مفقود ہو رہی تھی اسلئے شاعری کی دنیا بھی ویران ہوئی اور مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صرف نظر ہوا۔

۳۔ مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک فعالی عمل ہے، شاعر صرف لفظوں کے تار و پود ہی نہیں سنوارتا اس میں اپنے وجود کا حصہ بھی ڈالتا ہے، شعر اس کے اپنے وجود کا عکاس ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس کا باطن شریک ہوتا ہے' مدحیہ شعر 'ممدوح' مداح کے درمیان رابطے کی ایک کڑی ہوتی ہے اور جب یہ رابطہ کمزور ہو تو 'شعر' ایک ایسا وجود ہے جس کی روح پرواز کر چکی ہے۔ سیاسی ماحول علمی زبوں حالی اور معاشی دباؤ نے جب اس رابطے کو کمزور کیا تو مدحیہ شاعری بھی متاثر ہوئی، روایت پرستی کی خاطر کہیں کہیں مدحیہ اشعار ملتے ہیں مگر ان میں وہ جوہر مفقود ہے جو ایسی شاعری کا جزو لازم ہے اسلئے مدح نگاری بے کیفی کا شکار رہی۔

۴۔ یورپی تعلقات سے علمی فضا پیدا ہوئی تو 'آزادی' کی خواہش بھی شدید ہوئی، یورپی استعمار غلاموں کو اچھا رزق تو مہیا کرنا چاہتا تھا مگر انہیں آزادی کی نعمت دینے سے انکاری تھا کہ اس میں ان کے مفادات پر زد پڑتی تھی' آزادی کے شعور مگر آزادی کی خواہش پر پابندی نے مسلمان قوم میں رد عمل پیدا کیا 'خواہش' دل و دماغ پر چھائی تو آتش نفسی سے اسی میں حدت آگئی اور بالآخر شعلہ جوالہ کی شکل میں امنڈنے لگی۔ مسلمان قوم کی حالت اس زیر دام پرندے کی سی تھی جو آزادی کی تڑپ میں جال سے الجھ رہا ہو اور مدد کیلئے پکار رہا ہو' مدد کی پکار نے دربار رسالت کی طرف رخ موڑا اور عالم اسلام میں استمداد و استغاثے کے روپ میں مدحیہ شاعری کا پھر سے آغاز ہوا 'البارودی' دور جدید کا سرخیل ہے اس نے مدحیہ شاعری میں ایک عمدہ قصیدے کا اضافہ کیا مصر، شام، عراق اور دیگر عرب ممالک میں نعتیہ ادب کو ویسی ہی اہمیت حاصل ہوئی جیسی سقوط بغداد کے بعد اسے حاصل رہی تھی۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جب بھی 'قوم' کو سہارا درکار ہوا یا جب بھی کچھ کرنے کی فعالیت' نے اکسایا' یا جب کوئی مقصد مطمع نظر بنا تو نعتیہ ادب نے قومی احتیاج کے ان ایام میں قوم کو ذہنی وابستگی اور اعتماد نفسی عطا کیا دو صدیوں پر محیط اس مدحیہ ادب کے نمایاں خصائص کا جائزہ لیا جائے تو چند بنیادی حقائق کی نشاندہی ہوتی ہے جو یہ ہیں

۱۔ اس دور کے ابتدائی مدح نگاروں میں قدیم رنگ قائم رہا، بحور و اوزان 'اسلوب و انداز میں قدیم عربی شاعری کو معیار بنائے رکھا' مدح کے مشتملات میں 'امام بوصیری' کا تتبع کیا گیا۔ عبد المنعم اللوحی سے عمر آفندی تک روایتی انداز کی شاعری ملتی ہے اگرچہ کہیں کہیں معاشرتی پسماندگی اور سیاسی گھٹن کے اثرات ملتے ہیں

۲۔ البارودی سے شاعری کا آہنگ بلند ہوا مگر اس کے ہاں بھی روایت پسندی اور امام بوصیری کا تتبع واضح ہے نظم مسلسل کے انداز میں سیرت رسول کو شعر کا قالب مہیا کرنا تذکار سیرت کے ساتھ ساتھ اس خواہش کا بھی اظہار تھا کہ اس پاکیزہ سیرت کو جزو زندگی بنایا جائے' اب منظوم سیرت صرف معلوماتی نہ تھی بلکہ اس میں قلبی واردات اور ذہنی تعلق بھی نمایاں تھا۔

۳۔ مدح نگاری کے مقاصد میں قومی اصلاح کا پہلو بھی شامل ہو گیا تھا، شاعر صرف ایک فرد کی حیثیت سے حاضر دربار نہ تھا قوم کا نمائندہ بن کر زندگی گذار رہا تھا۔ مسلم قوم کی عظمت گذشتہ کے حوالے اور مستقبل میں ایسی عظمت و شوکت کی خواہش بھی موضوع گفتگو تھی۔

۴۔ یورپی اثرات کے تحت عیسائیت کی تبلیغ مسلمانوں کیلئے چیلنج بن چکی تھی اسلئے عیسائی نظریات کا ذکر بھی بار بار کیا جاتا تھا، علامہ النبہانی کے ہاں عیسائی یلغار کے خلاف خاصے معاندانہ جذبات ملتے ہیں

۵۔ جدید علوم اور اشتراکی فلسفہ نے "مساوات رزق" کا تصور دیا تھا، ہر مسلمان شاعر اس سے متاثر ہوا اس کے رد عمل میں مدح نگار اسلامی تعلیمات کے ان پہلوؤں اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان گوشوں کی نشاندہی کر رہے تھے جن میں اس "مساوات" کی اعلیٰ ترین مثالیں موجود ہیں، مدائح کے مضامین میں معاشی راہنمائی کے اصول بھی شامل ہونے اور معاشرتی مسائل کے حل کیلئے اسوۂ رسول ؐ سے خوشہ چینی کی گئی۔ احمد شوقی اور اس کے ہم عصر شعراء میں معاشی اور معاشرتی پہلو کا ذکر بڑا واضح ہے۔

۶۔ جدوجہد آزادی کیلئے قومی نغمے لکھے گئے ان ترانوں اور نغموں میں ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا آپ ؐ کی ذات کے حوالے سے قوم کو حوصلہ اور میدان عمل میں نکلنے کا مشورہ دیا گیا۔ فلسطین پر غاصبانہ قبضے کے خلاف کئی ایسی نظمیں لکھی گئیں، مثلاً بندہ محمد ایدر ایسی نظم ہے اور ترانہ ہے۔

۷۔ اسلامی تعلیمات اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یورپ کے علماء کی طرف سے بعض اعتراضات کئے گئے تاکہ شکوک و شبہات کی فضا پیدا ہو۔ مسلمان علماء نے ان کے موثر جواب دیے۔ شعراء نے بھی اپنا فرض ادا کیا اور کبھی اشارۃً اور کبھی صراحۃً ان کے دلائل کا رد کیا، غزوات پر اعتراض کو احمد شوقی نے بڑی مہارت سے رد کیا

۸۔ اسلوب کلام میں بھی بعض تبدیلیاں آئیں، ڈرامہ مقبول ہوتا جا رہا تھا اسلئے شعراء نے بعض مدحیہ نظمیں ڈرامائی اسلوب میں تحریر کیں، احمد محرم نے اس انداز میں خوبصورت نگارشات چھوڑی ہیں۔

الغرض دور جدید میں مدحیہ شاعری وقتی تقاضوں کو اپنے قالب میں سمونے میں کامیاب رہی، جدوجہد آزادی ہو یا قومی اصلاح کی کوئی خواہش، نظم حکومت کے مسائل ہوں یا معاشی مساوات کے نظریاتی اساس پر حملہ ہو یا طریق عمل ہو، مدحیہ شاعری نے تمام موضوعات کو اپنے دامن میں لیا اور قوم کی خواہشات کی عمدہ طریق سے ترجمانی کی۔

بہتر ہوگا کہ جدید دور کے چند نمایاں مدح نگاروں کا مجمل تذکرہ کیا جائے تاکہ ان کے کلام سے نعت خوانی کی رفتار سمجھنے میں مدد ملے

عبد الحلیم اللوجي الدمشقي (م ۱۲۱۰ھ) مصطفیٰ بن عبد الرحیم ابوالعون اللوجی دمشق کے مشہور شعراء میں سے تھے۔ صاحب منتخبات التواریخ نے ان کے منظوم کلام کا حوالہ دیا ہے۔ اگر سارا کلام اکٹھا کر لیا جائے تو دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔[1]

علامہ النبہانی نے ان کے قافیہ القاف میں ۵۰ شعر نقل کئے جو انہوں نے مفتی شام خلیل افندی الرادی (م ۱۲۰۶ھ) کی کتاب سلک الدرر سے لئے ہیں، خصائص نبویہ، اور معجزات کا ذکر روایتی انداز میں کیا گیا ہے مگر معاشرتی مجبوریوں کا تذکرہ ان کے قصیدے کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ کہتے ہیں۔

سَیِّدَ المُرسَلِینَ فَاقَ الخَلَائِقُ - فَأَغِثنَا فَالأُمورُ مَا لَا یُطَاقُ
قَد وَصَلنَا مِنَ البَلَایَا لِخَطبٍ - ذَاتُ بَأسٍ قَد حَرَّ مِنهَا المَذَاقُ
وَغَدَونَا مِنَ الهُمُومِ سُکَارَی - شَأنُنَا الإِصطِبَاحُ وَالإِغتِبَاقُ
فَتَدَارَک بِفَضلِ جَاهِکَ أَسرًا - فَعَسَی أَن یَسُرَّهَا الإِنطِلَاقُ [2]

---

(۱) الاعلام الجزء الثانی ص ۱۳۸ (۲) المجموعۃ النبہانیہ ص ۲/۶۹ م

عمر الیافی (م ۱۲۳۳ھ) عمر بن محمد المسکری الیافی ابو الوفا قطب الدین یافا فلسطین میں پیدا ہوئے۔ مدت تک غزہ میں قیام رہا اور آخر دمشق میں وفات پائی کئی کتب کے مصنف ہیں ان میں ایک دیوان بھی ہے ! ۔ ان کے کلام میں بھی حالات کی ستم ظریفی کا تذکرہ اور ان سے نجات کی خواہش بہت شدید ہے فرماتے ہیں

یَا عَلَاذَ الوَرَیٰ وَخَیْرَ عِبَادٍ ۔ وَرَجَاءِ لِکُلِّ دَانٍ قَصِیِّ
حَاشَیَ لِلّٰهِ اَنْ اَکُوْنَ مُضَامًا ۔ بَعْدَ مَا جِئْتُ لِلْمَقَامِ العَلِیِّ
یَا رَسُوْلَ الْاِلٰهِ عَوْنًا أَعِنِّیْ ۔ وَمَا نِیْ جَرِّ مُجِیْهِ السَّمْهَرِیْ ۲

الشیخ حسین الدجانی (م ۱۲۶۸ھ) یافا فلسطین کے مفتی تھے۔ مشہور صوفی جن کے مریدوں کی تعداد کثیر تھی ان کے پیچھے مجلس کا میدہ سالگار رہتا تھا ان کے کلام پر تصوف کے اثرات نمایاں ہیں ایک قطعہ ہے۔

اِذَا صَبَتِ الاَرْوَاحُ مِنْ نَجْدِ طِیْبَۃٍ ۔ اَهَاجَ فُؤَادِیْ طِیْبُهَا وَهُبُوْبُهَا ۔
فَلَا تَعْجَبُوْا مِنْ لَوْعَتِیْ وَصَبَابَتِیْ ۔ هَوَیٰ کُلَّ نَفْسٍ اَیْنَ حَلَّ حَبِیْبُهَا ۳

عبدالباقی افندی العمری الموصلی (م ۱۲۷۸ھ) عبدالباقی بن سلیمان العمری الفاروقی شاعر اور مورخ تھے۔ التریاق الفاروقی ان کا طبع شدہ دیوان ہے، کئی کتابوں کے مصنف تھے " قصائد فی مدح اہل البیت " ان کے اہل بیت کی مدح میں قصائد کا مجموعہ ہے۔ خود اپنی تاریخ وفات کہی وہ ۱۲۷۹ھ ہے ۴۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے ایک مصرعے پر قصیدہ کہا ان کے اشعار میں حسی مناظر اور لمسی تصورات کا منظر دیکھئے

بِجَبْهَتِهٖ کُنْتَ نُوْرًا ذُخِیْ ۔ کَمَا ضَاءَ تَاجٌ عَلٰی مَفْرِقِ
وَلَوْلَاکَ مَا رُفِعَتْ فَوْقَنَا ۔ یَدُ اللّٰهِ فُسْطَاطُ اِسْتَبْرَقِ ۔
وَلَا شَخَّرَتْ تَحْتَ ذَاتِ البُرُوْجِ ۔ بِحَاذِیْرِ فِیْ لُجِّهَا الاَزْرَقِ ۔
فَیَا لَاحِقًا قَطُّ لَمْ یَسْبِقِ ۔ وَیَا سَابِقًا قَطُّ لَمْ یُلْحَقِ ۔
فَکَانَ یُخَیِّمُ لِدَیْ عَیْنِیَ الصُّوْرِ ۔ فَلَا زِلْتَ مُخْوِدًا حُرَقِیْ ۵

ابراهیم بیگ مرزوق (م ۱۲۸۳ھ) سوڈان کے شہر خرطوم میں وفات پائی محمد بن سعید نے ان کا دیوان مرتب کیا جس کا نام "الدر البہی المنسوق" ہے یہ مختصر دیوان جو ۲۰۵ صفحات پر ہے ۱۲۸۷ھ میں مرتب ہوا اور ۱۳۹۷ھ میں طبع ہوا۔ اسی میں آٹھ باب ہیں پہلا باب "فی المدائح والتهنئات" کے بارے میں ہے۔ اس کے پہلے قصیدے کا مطلع ہے۔

أبن الحجاز و ؟ین فی کثبانه ۔ رتعت قعابین الربا غزلانه

مدینہ منورہ کا ذکر کرتے ہیں۔

أکرم به بلدا اساکنه سما ۔ فوق السماء وترفعت وديانه
يسمو على كل البلاد بأهله ۔ بلد حماه لاهله مرجانه

معجزات کا تذکرہ ہر شاعر کا محبوب موضوع ہے ابراہیم مرزوق معجزات کا ذکر کرتے ہیں۔

والماء غاض من البحيرة بعدما ۔ قد فاض قبل محمد طوفانه
والشمس ردت کی یصلی خلفه ۔ جیش حمت دین الهدی فرسانه

---

① الاعلام ص ۱۳۸/۵ ② المجموعة النبهانیه ص ۳۲۹/۲ ③ المجموعة النبهانیه ص ۲۹۰/۱ ④ الاعلام ص ۲۵/۴
⑤ المجموعة النبهانیه ص ۲/۲۷۳ تا ۲۷۵

والماء وزاد مکنه فوری به - جیشی وفاض علی الثری هملانه

مدح نگاری کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

من أین لی بالشعر مدحك فی الوری - والله خصك بالثنا قرآنه
لكن بمدحك قد یفوز متیم - بالحب متبول الحشا ولهانه
بالمدح یرجو أن تكون شفیعه - فاحسن لعبد ساده عصیانه !

محمود بك بن خلیل بك الخطم الدمشقی (م ۱۲۹۲ھ) دمشق کے معروف شاعر ہیں کی زندگی ناز و نعمت میں بسر ہوئی مگر پھر دنیا چھوڑ تصوف کی طرف رغبت ہو گئی۔ دیوان چھپ چکا ہے ۲ - روایتی انداز مدح میں حادثات دہر کا ذکر بھی ملتا ہے مدینہ کا ذکر کرتے ہیں ۔

سَطَعَتْ شُمُوسُ الدِّینِ بَیْنَ قِبَابِهِ - وَبَدَتْ بُدُورُ الْهُدیٰ فِی أَبْیَاتِهِ
كَمْ جِبَهِ النَّجْمُ الشَّرِیفُ حَبَائِبَنَا - أَلِفَتْ أَنَّ الْخُلْدَ مِنْ رَوْضَاتِهِ
أَدْرِكْ أُدْرِكْ بِنَظْرَةٍ مِنْكَ عَبْداً - سَاءَ حَالاً مِنْ وَحْشَةِ الْحَادِثَاتِ ۳

— عمر افندی (م ۱۲۹۳ھ) عمر بن محمد دیب الانسی بیروت کے رہنے والے تھے ان کے اشعار میں صنعت کاری امد گوز ہے ان کے بیٹے عبد الرحمن نے ان کا دیوان مرتب کیا ہے جس کا نام "المورد العذب" ہے اور مطبوع ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کی بے پایاں وسعت کا ذکر کرتے ہیں ۔

حَبِیبٌ إِذَا مَاجَالَ فِكْرِی بِمَدْحِهِ - شَمَائِلُهُ تُمْلِی عَلَیَّ فَأَكْتُبُ
فَمَهْمَا تَقُلْ فِی مَدْحِهِ قُلْ وَلَا تَخَفْ - فَذٰلِكَ مَدْحٌ مَا لَهُ حَدٌّ وَلَا أَنْتَ مُطْنِبُ
أَلَا یَا رَسُولَ اللّٰهِ یَا أَكْرَمَ الْوَرَیٰ - عَلَی اللّٰهِ یَا مَنْ حُبُّهُ لِی مَذْهَبُ
وَكُنْ لِی غَوْثاً فَالزَّمَانُ أَنَاخَ بِی - خُطُوباً عَلَیَّ قَوِیَ أَیْنَ تَهْرُبُ
خُطُوباً بِهَا شَابَ الدُّجَیٰ وَهُوَ أَدْهَمٌ - وَحَالَ یَعَافُونَ الْمُعْنَیٰ وَهُوَ أَشْهَبُ ۵

— قاضی محمد الحنفی المعصوی ان کا ایک قطعہ جرفو وقافیتین کہلاتا ہے ۔ دور حاضر کا مشہور ترین نعتیہ قطعہ ہے قاضی محمد الحنفی المعصوی کے حالات دستیاب نہ ہو سکے ۔ عبد اللہ عباس ندوی نے کتاب خانہ حرم میں محمد جار اللہ السمنودی کی تالیف "المجموعة الكبرىٰ فی قصائد النحوی (مطبوعہ استنبول ۱۳۲۰ھ) میں اسے دیکھا مصر کے سابق مفتی اعظم شیخ حسنین مخلوف نے "الخصائص النبویه" کے نام سے اس کی شرح بھی لکھی ۔ یہ قصیدہ مترنم اور رواں دواں آہنگ میں پُر کیف سماں پیدا کرتا ہے اسلئے اسے وارفتگی میں گایا جاتا ہے ۔ موضوع کے اعتبار سے اس میں کوئی جدت نہیں مگر ان کی ترتیب و ترکیب میں موتی حسن اس درجہ ہے کہ بوچھار سی پڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہے ۔ آٹھ شعروں کے اس قطعہ سے چار شعر یہ ہیں ۔

الصبح بدا من طلعته - واللیل دجا من وفرته
فاق الرسلا فضلاً وعلا - وهدی السبلا بدلالته
كنز الكرم مولی النعم - هادی الأمم لشریعته
وسیلتنا هو سیدنا - والعز لنا باجابته ۶

— عبد اللہ فکری پاشا المصری (م ۱۳۰۷ھ) مصر کے جدید علماء ادب میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں، نثر عربی میں ایسے منفرد مقام کے مالک ہیں کہ اکثر ناقدین انہیں بدیع الزمان الہمدانی (م ۳۹۸ھ) سے نسبت دیتے ہیں ۔ شیخ حسین المرصفی کہتے ہیں

---

① الدر البہی المنسوق ص ۵ تا ۷ ② الاعلام الجزء الثامن ص ۵۵ ③ المجموعة النبهانیه ص ۱/ ۵۵۰، ۵۵۲
④ الاعلام ص ۵/ ۲۲۶ ⑤ المجموعة النبهانیه ص ۱/ ۳۹۱، ۳۹۲ ⑥ عربی میں نعتیہ کلام، عبد اللہ عباس ندوی ص ۲۸۷
⑦ حوالہ مذکورہ ص ۲۸۸

"وتقدم به الزمان لكان فيه بعليان ولم ينفرد بهذا اللقب علامة حمزان" ١۔ مجلس النواب میں رہے اور خدیو مصر سے ان کے مراسم قریبی تھے وزیر بنے مگر "الثورۃ العرابیۃ" میں شرکت کا الزام لگا تو موقوف کر کے جیل بھیج دیئے گئے مگر جلد ہی برأت واضح ہو گئی اسلئے چھوڑ دیے گئے ٢۔ "الفوائد الفکریۃ"، ان کی مشہور کتاب ہے شعر بھی کہتے تھے چند قصائد بھی لکھے ایک میمیہ قصیدہ کے منتخب اشعار یہ ہیں۔

لَدِيَ الخَيْرُ مَا نَفْسِيَ اقْتَضَى الأَمْرُ وَالنُّهَى ۔ وَلَا تَجْتَلِي فِي القَوْلِ حِلْمَ حَشِيمِ
نَعَمْ لَكَ فِيمَا قَدْ تَمَنَّيْتَ وُجْهَةٌ ۔ فَقَدْ لُذْتَ فِيمَا رُمْتَهُ بِكَرِيمِ
كَرِيمٌ تَوَامَتَارَ الجِمَامُ بَنَانُهُ ۔ نَبَالُ لِعَبْقِ الوَدْقِ غَيْرُ جَهُومِ
كَرِيمٌ يَدَيَّ أَنْ لَا تُرَدَّ يَدُ امْرِئٍ ۔ تَمُدُّ لَهُ إِلَّا بِنُجْحِ مَرُومِ ٣

محمود سامی البارودی (م ١٣٢٢ھ) محمود سامی باشا بن حسن حسنی بک البارودی مصر کے دور جدید میں شعراء کا سرخیل اور قائدین لشکر میں سے تھا۔ قاہرہ میں پیدا ہوئے "مدرسہ حربیۃ" میں تعلیم پائی قسطنطنیہ میں قیام کے دوران فارسی و ترکی میں مہارت حاصل کی مصر کا وہ لشکر جو جنگ بلقان میں ترکوں کی حمایت میں شریک ہوا اس میں البارودی بھی ایک سالار تھا جس نے جنگ میں نیک نامی حاصل کی وزارت تعلیم واوقاف کا نگران رہا بغاوت کے الزام میں پکڑا گیا پہلے قتل اور پھر جلاوطنی کا حکم ہوا۔ سترہ سالہ جلاوطنی کا عرصہ جزیرہ سیلون یعنی لنکا میں گزارا، آخر نابینا ہو گیا۔ تو معافی ملی شہر قاہرہ جاتے ہی جلد وفات پائی۔ مختارات البارودی ٤ اجزاء میں، دیوان شعر دو جلدوں میں یادگار چھوڑی۔ مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک قصیدہ "کشف الغمۃ فی مدح سید الامۃ" تالیف کیا ٤

البارودی کو قدیم شعراء کے کلام سے بہت شغف تھا۔ اور پسندیدہ اشعار کو یاد کر لیتا تھا۔ اس لئے اس کی اپنی شاعری میں قدیم رنگ جھلکتا ہے۔ اس کی عربی ادب کیلئے یہ سب سے بڑی خدمت ہے کہ اس نے عربی شعر کو حیات تازہ عطا کی صدیوں کے خمول کے بعد شعر کو آب و تاب اور عوامی قبولیت حاصل ہوئی، الزیات کہتے ہیں "ان کان لامرئ القیس فضل فی تمهید الشعر وتقصیده وللبشار فی ترقیته وتجدیده فللبارودی کل الفضل فی إحیائه وتجدیده" ٥

"البارودی" کا اسلوب شعری دور جاہلی سے متاثر ہے کہ تلازمہ خیال موضوع اصلی سے متعلقات کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کی عمدہ مثال یہ ہے کہ ممدوح کی مدح مقصود ہے اور حکایت مدح میں ممدوح بطور مشبہ کسی مشبہ بہ سے تشبیہ لے رہا ہے۔ تو ایضاح مقصود سے کہیں زیادہ اس کے ہاں مشبہ بہ کا بیان توجہ کھینچ لیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کا تذکرہ کرتے ہوئے غار ثور کا واقعہ بیان کرتا ہے تو وہاں "حفاظت" کے سامان کا ذکر بھی آتا ہے کہ کیسے مکڑی کا جالا متلاشی کفار کی توجہ غار سے ہٹاتا ہے مگر البارودی وہاں مکڑی کے جالے پر اس قدر توجہ دیتا ہے کہ کئی شعر اسی کے متعلق کہہ سکتا ہے یہ موضوع سے انحراف کا باعث اور قاری کیلئے عدم دلچسپی کا موجب ہوتا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے۔

وصحّف العنکبوت الغار محتفیاً ۔ بخیمة حاکها من أبدع الخیم
قد شد أطرافها سخکت ودمت ۔ حالادمن لکنها قامت بلا دعم
کانها سابریٌ حاکه لبِقٌ ۔ بأرض سابور فی بحبوحة العجم
وارت فم الغار عن عین تلم به ۔ فصار یحکی خفاءً وجه ملتثم
فیا له من ستار دونه قمر ۔ یجلو البصائر من ظلم ومن ظُلَم ٦

---

١ الوسیط ص ٤٣٣ ٢ الوسیط ص ٤٣٣ والاعلام ص ٤/٢٥٣ ٣ المجموعۃ النبھانیہ ص ٤/١٥٩، ١٦٠ ٤ تفصیلات کے لئے دیکھئے معجم المؤلفین ص ١٢/١٦٥، الوسیط ص ٤٣١، ٤٨٩، تاریخ الادب العربی للزیات ص ٤٩٢ تا ٤٩٤ ٥ تاریخ الادب العربی للزیات ص ٤٩٣ ٦ الموازنۃ بین الشعراء ص ١٩٠

البارودی نے کشف الغمہ فی مدح سید الامۃ میں سیرت مطہرہ کے واقعات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ منظوم کیا ہے۔ انداز روایاتی ہے اسلئے اسے منظوم سیرت نگاری کہا جا سکتا ہے، منظوم سیرت نگاری کی روایت بہت پرانی ہے۔ اور ہر قوم میں اس کا رواج رہا ہے۔ ابن مشہد (م ۹۳ے ھ) حافظ زین الدین عراقی (م ۸۰۶ ھ) اور الشمس الباعونی (م ۸۷۱ ھ) کے علاوہ بھی کئی احباب نے واقعات سیرت کو نظم کیا تھا۔ البارودی نے کمال یہ دکھایا کہ اسے شہنامہ قسم کی چیز نہ بننے دیا بلکہ سیرت کے ماخذ فنین کو پیش نظر رکھا۔ احمد شوقی اور امام بوصیری نے بھی سیرت کے متعدد واقعات کو منظوم کیا ہے۔ مگر ان کے ہاں ترتیب ملحوظ نہیں رہی کہ مقصد واقعات نگاری نہ تھا۔ البارودی نے واقعات کو سیرت ابن ہشام کے تواتر کے ساتھ بیان کیا ہے بلکہ تاریخی تسلسل برقرار رکھا ہے۔ اس سے "شعر" متاثر ہوا ہے۔ مگر البارودی نے اپنے جذبات کو بھی ساتھ ساتھ شامل کر کے کشف الغمہ کو تاریخ کی کتاب نہیں بننے دیا البارودی کا جذبہ صادق ہے اور اس کے عسکری مزاج کی وجہ سے بیباک بھی ہے کشف الغمہ جدید عربی ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ البارودی کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں جن میں وہ اپنے جذبات کی شدت کا اظہار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاطر کا ذکر کرتا ہے۔ اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اس مصرعے سے حوصلہ پاتا جس میں آپ نے کہا تھا۔

ــــہ فذو العرش محمود وهذا محمد"

اور اسے اپنے "محمود" اسم پر طمانیت کا اظہار کرنے کا موقع ملا ہے۔

(فارسی حوالے سے)

فظل فيه رسول الله معتكفاً ۔ كالدر في البحر أو كالشمس في الغيم

خدمته بمديحي فاعتليت على ۔ هام السماك وصار السعد من خدمي

وكيف أرهب ضيماً بعد خدمته ۔ وخادم السادة الاجواد لم يضم

أم كيف يخذلني من بعد تسميتي ۔ باسم له في سماء العرش تكرم [۲]

یوسف النبھانی (م ۱۳۵۰ھ) یوسف بن اسماعیل ابو المحاسن النبھانی الشافعی، شمالی فلسطین کے قصبہ اجزم میں پیدا ہوئے، جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کی مختلف قاضی رہے۔ اور آخر کار محکمہ حقوق بیروت کے رئیس مقرر ہوئے۔ بیس سال سے زائد عرصہ اس عہدے پر رہے پھر مدینہ منورہ چلے گئے۔ جنگ عظیم اول (۱۳۳۲ تا ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء) شروع ہونے پر وطن واپس لوٹ آئے اور وہیں وفات پائی [۳]

النبھانی کثیر نویس عالم تھے۔ انہوں نے متعدد موضوعات پر کام کیا۔ معلومات ہم پہنچانے میں ان کا جواب نہیں مطالعہ بے پناہ ہے اس لئے ماخذ و منابع کی کوئی کمی نہیں ہے۔ انہوں نے المجموعۃ النبھانیہ ص ۴/ ۱۱۰ پر اپنی تصنیفات کی مکمل فہرست دی ہے تاریخ طباعت، حجم، صفحات اور تعداد تک درج کر دی ہے اس پر ۲۸ کتابیں جو ۴۴۸۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں ان کے قلم کے آثار میں سے ہیں اس فہرست کے علاوہ ان کی غیر مطبوعہ کتب بھی بہت ہیں جن کا وہ خود حوالہ دیتے ہیں۔ ان کی نمایاں تصنیفات میں "وسائل الوصول الی شمائل الرسول"، افضل الصلوات علی سید السادات، الانوار المحمدیۃ مختصر المواهب اللدنیۃ، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، سعادۃ الدارین فی الصلاۃ علی سید الکونین، المجموعۃ النبھانیہ فی مدائح النبویہ، جامع کرامات الاولیاء مشہور و متداول ہیں ہمہ النبھانی کی تمام تصنیفات کا موضوع "ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ وہ اسی وجود مقدس کے کسی گوشے کو لیکر اس پر موجود مواد کو اکٹھا کرتے، ترتیب لگاتے اور اپنی محبت کا ثبوت دیتے۔

---

(۱) دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۷۸ (۲) الموازنۃ بین الشعراء ص ۱۹۰، ۱۹۲ (۳) الاعلام الجزء التاسع ص ۲۹۰، معجم المولفین ص ۱۳/ ۲۷۵، ۲۷۶

علامہ النبہانی ایک پختہ مشق شاعر بھی تھے ان کے کلام میں ان کی علمیت صاف جھلکتی ہے مگر ان کا کلام مدرسانہ ہرگز نہیں ان کا قصیدہ ہمزیہ طیبۃ الغرا[1] فی مدح سید الانبیاء جو امام بوصیری کے ہمزیہ کا معارضہ ہے، ایک ہزار ایک شعر کا ہے اور مستقل کتاب کی شکل میں مطبوع ہے![2] ۔ قصیدہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشتر گوشوں کو محیط ہے اور الفاظ وتراکیب کا بہتا ہوا دریا ہے۔ السابقات الجیاد فی مدح سید العباد[2] ۔ ہر حرف ہجا پر دس دس شعروں کا قصیدہ ہے جس میں قافیہ میں حرف ہجا کا التزام ہے مگر ہر شعر اپنا مخصوص وزن رکھتا ہے۔ ایسے قصائد کو عشرات کہا گیا ہے، النظم البدیع فی مولد الشفیع[3] ۔ ولادت کے واقعات کے ضمن میں معجزات کے بیان کے لئے وقف ہے۔ ان کے علاوہ ہر حرف ہجا پر شعر کہے۔ المجموعۃ النبہانیۃ چار ضخیم جلدوں میں ہے اس کا شروع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قصائد اور اشعار ہیں اور پھر اپنے دور تک کی تمام مدحیہ نظمیں جو انہوں نے تلاش بسیار کے بعد حاصل کی تھیں درج کی ہیں اور ہر ایک کا ماخذ بھی بتایا، حاشیہ پر مشکل الفاظ کی مختصر وضاحت سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے' یہ کتاب علامہ النبہانی کا نعتیہ حماسہ ہے جس پر سازدار ستائش ہیں۔ اس مجموعہ میں ان کا اپنا کلام بھی شامل ہے جسے اگر اکٹھا کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے حوالے سے کسی بزرگ کا واقعہ نقل ہوا ہے کہ انہیں خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نبہانی تو ہمارا حسان" ہے[4] ۔ النبہانی یقیناً اس عزت افزائی کے حقدار ہیں کہ انہوں نے پوری زندگی مدحت رسالت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ہمزیہ (طیبۃ الغرا) کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

نُورُكَ الْكُلُّ وَالْوَرَىٰ أَجْزَاءُ — يَا نَبِيًّا مِنْ جُنْدِهِ الْأَنْبِيَاءُ
رُوحُ هَذَا الْوُجُودِ أَنْتَ وَلَوْلَا — كَ لَدَامَتْ فِي غَيْبِهَا الْأَشْيَاءُ
أَيُّ نُورٍ يَكُونُ كَمُنْوِهِ لِيَحْيَا ... وَفِي الْخَلْقِ مَا لَهُ أَكْفَاءُ
أَجْمَلُ الْعَالَمِينَ خَلْقًا وَخُلُقًا — مَا لَهُ فِي جَمَالِهِ نُظَرَاءُ[5]

دیگر قصائد کے منتخب اشعار:

مَنْ يَرُمْ خَلْقَ اللّٰهِ لَا مِثْلَ لَهُ — إِلَيْهِ فِي كُلِّ الْكَمَالِ الْمُنْتَهَىٰ
كُنْتُ مِنْ قَبْلِ حُبِّهِمْ تِرْبَ ذُلٍّ — وَأَنَا الْيَوْمَ مِنْهُمُ فِي اعْتِزَازِ
بِهِ زَيَّنَ اللّٰهُ الْوُجُودَ بِخَاتَمٍ — لِأَعْظَمِ أَفْلَاكِ السَّمَا خَلْقُهُ قُرْطُ
أَجَلُّ مُلُوكِ الْأَرْضِ مِسْكِينُ بَابِهِ — وَكُلُّهُمُ فِي يَوْمِ سَطْوَتِهِ قَطُّ
يَعِيشُ فِي ظِلِّ سِتْرٍ سَتْرٍ — فِي بَابِهِ الدَّهْرُ خَادِمًا وَقِفًا[6]

عصری تقاضوں کی ترجمانی کرتے ہوئے دربار رسالت میں عرض گذار ہیں۔

أَنْظُرْ إِلَى دِينِكَ الْمُبِينِ غَدًا — بِمِلَّةِ الْكُفْرِ فِي الْوَرَىٰ هَدَفًا
فَاعْمَلْ تَرَىٰ نَحْوَنَا أَعِنْكَ لَنَا — وَنَحْنُ مَعْ كَثْرَةٍ بِنَا ضَعْفًا
نَكُنْ بِهَذَا الزَّمَانِ ذَا نَفَرٍ — لَنَا كَمَا كُنْتَ فِي الَّذِي سَلَفَا[7]

احمد شوقی (۱۳۵۱ھ) احمد شوقی بن علی بن احمد' جو دور میں مصری کا عربی زبان کا سب سے بڑا شاعر تھا اس نے مصر کے مختلف سرکاری مدارس میں تعلیم حاصل کی اور کلیۃ الحقوق کے شعبہ ترجمہ میں لگا گیا۔ خدیو توفیق پاشا نے اسے قانون کے مطالعہ کیلئے فرانس بھیجا۔ واپسی پر یورپی شعبے (القلم الافرنجی) کا رئیس بنایا گیا' پہلی عالمگیر جنگ میں خدیو عباس حلمی پاشا کو معزول کر دیا گیا تو شوقی سپین چلا گیا' جنگ کے خاتمے پر واپس آیا اور سینیٹ یعنی مجلس الشیوخ کا ممبر بنا اور

---

(۱) طیبۃ الغرا فی مدح سید الانبیاء الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء مکتبہ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر (۲) سعادۃ الدارین کے آخر پر اسے شامل کیا گیا ہے۔ المجموعۃ النبہانیہ میں بھی ہر قافیہ کی مناسبت سے شعر درج ہیں (۳) حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۲۴۴ تا ۲۵۲ (۴) تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی' محمد میاں صدیقی ص ۱۴۲ (۵) المجموعۃ النبہانیہ ص ۱/ ۲۰۲' ۲۱۳' ۲۷ (۶) السابقات الجیاد ملحق سعادۃ الدارین ص: ۱' ۷' ۱۰' ۱۲ (۷) السابقات الجیاد ملحق سعادۃ الدارین ص ۱۲

اور مرتے وقت تک اس کا ممبر رہا۔ (۱) شوقی کی زندگی بڑی خوشحالی میں بسر ہوئی اس کی رہائش گاہ کا نام "کرمۃ ابن ھانی" اور باغ کا نام "عش البلبل" تھا اس سے اسکی امیرانہ طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ (۲) شوقی نثر لکھنے پر بھی قدرت رکھتا تھا اور ڈرامہ نگاری پر بھی، اس کے ڈرامے "مصرع کلیوبطرۃ" "مجنون لیلیٰ" "علی الکبیر" "الست ھدی" کو خوب شہرت حاصل ہوئی

شاعر کی حیثیت سے شوقی بلا اختلاف المتنبی کے بعد سب سے بڑا شاعر ہے۔ اس نے قدیم روایت اور جدید اثرات کو اس عمدگی سے سمویا ہے کہ اس کی شاعری ان کا سنگم قرار پاتی ہے، شاعری کا جوہر اسے فطرت سے ودیعت ہوا تھا مطالعہ حالات اور مطالعہ ادب نے اسے نکھار بخشا، شاہی محل کے قرب کی وجہ سے اسے ہر خواہش کی تکمیل کا موقعہ ملا، وہ فرانس گیا تو وہاں اسے سب سہولتیں حاصل تھیں اسلئے نئے یورپی ادب کا مطالعہ کیا اور اثر پذیر ہوا قصر سلاطین کے قرب سے اس پر اندرون قصر ہونے والی سازشوں کے مخالف کرداروں سے رابطے کا موقعہ ملا، یورپ کی پیش قدمی اور اندرون قصر اپنی وحدت کے خلاف سازشیں اسے قوم کے قریب لے آئیں اور وہ درباری شاعر ہوتے ہوئے بھی قوم کا غم اور درد محسوس کرنے لگا اس کے خون میں ترکی خون کی حرارت تھی، ترکسان ایام میں مسلمان قوم کی آخری پناہ گاہ تھے اس لئے شوقی کو ترکوں سے گونہ تعلق خاطر تھا۔ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کے خیال میں اس ذہنی جھکاؤ کے اسباب متعدد تھے: "فالترک" فوق انھم کانوا حتی الخلافۃ وقبلۃ المسلمین الزمنیۃ واصحاب السیادۃ علی مصر سیادۃ یشلھا الاحتلال الانجلیزی یجری من دمھم فی عروق الشاعر الکبیر، ومنھم اصحاب عرش مصر الذین بابھم ولد شوقی وفی حماھم تثب ونشأ" (۳)

بسا اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ترکوں کی محبت میں غلو کرتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ شوقی عظمت اسلام کی خواہش رکھتا ہے جس کا منبع حجاز میں ہے اسلئے اسے حرمین سے محبت ہے مگر اس کے دور میں عظمت اسلام کا عملی اظہار ترکوں کے ہاتھوں ممکن تھا اسلئے وہ حجاز سے اٹھنے والے دین کی عملی تصویر وہاں دیکھ رہا تھا۔ وہ تو دین کی عظمت کا جویا تھا، جہاں سے یہ امید بر آ سکتی ہے وہاں ہی اسے پیار و عقیدت تھی، ڈاکٹر ھیکل نے مقدمہ شوقیات میں شوقی کے وجود کی دورنگی کا ذکر کیا ہے اور پھر تطبیق بھی دی ہے۔ (۴) شوقی ایک عام مسلمان تھا جس کا دل مومن تھا اور جس کے دماغ میں اسلام کی عظمت کا تصور تھا مگر جسے تہذیب و تمدن مغرب سے حاصل ہوا تھا۔ وہ کردار کی بعض خامیوں کے باوجود اپنے مرکز سے منسلک رہا، یہی اس کی کامیابی تھی۔

شوقی حکیم الامت نہ تھا کہ قومی اصلاح کا کوئی نسخہ تجویز کرتا اسے علامہ اقبال کا سا فکر حاصل نہ تھا مگر بایں ہمہ وہ خدمت اسلام کی تڑپ رکھتا تھا۔ اندلس کے سفر اور قیام میں اسے اپنے آثار کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا تو وہ بھی علامہ اقبال کی طرح متاثر ہوا "مسجد قرطبہ" کا سا جلال نہ سہی مگر اس کے "قصائد الاندلس الجدیدہ" (۵) اور "الاندلس" میں اس کا دل رنجیدہ فرو ملتا ہے۔ اور یہی اثرات تھے کہ وہ آہستہ آہستہ مطالعہ قرآن کی طرف راغب ہوتا چلا گیا اور آخری عمر میں تو اسے اسکا شغف ہو چکا تھا۔

احمد شوقی کے مدحیہ قصائد چار ہیں جبکہ دیگر قصائد میں بھی ضمناً مدح کے اشعار آ گئے ہیں۔ ان قصائد میں شوقی کا دل بھی شامل ہے اور ذہنی صلاحیت بھی۔

۱۔ نھج البردۃ۔ ۱۳۲۷ھ میں خدیو مصر عباس حلمی پاشا حج پر روانہ ہوا تو اس سفر حج کی یادگار کے طور پر شوقی نے یہ قصیدہ تحریر کیا خود کہتا ہے "رأی اللہ تعالی العبد الخاضع: شاعر بیتک الکریم۔ أن یحظی بنور العلم الزھر، المعفو لہ:

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۲/۱۳۶ (۲) الاعلام ص ۱/۱۳۲ (۳) الشوقیات مقدمہ ص ۱/۱۲ (۴) شوقیات ص ۱/۲۷۲ تا ۲۸۱ (۵) شوقیات ص ۲/۵۲ تا ۶۱.

البوصیری، صاحب القصیدۃ المشہورۃ بالبردۃ فی مدح خیر الانام علیہ الصلاۃ والسلام. فنظمت ھذہ الملحمۃ التی أسأل اللہ و أرجو من رسولہ قبولھا و جعلھا یا مولای لجنابک المبرورۃ تذکارا (سنہ ۱۳۲۲ھ) کما تناقل الناس أخبارھا ۱

امام بوصیری کے تتبع میں جمیعہ قصائد کی روایت بہت قدیم ہے، شوقی نے بھی اسی کو نبھایا ہے مگر انہیں بوصیری کا احترام ہے اسلئے معارضہ کہنے کے بجائے "نہج البردہ" کہنے پر اکتفا کرتا ہے۔ ۱۹۱۰ء استعمال کیا یہ قصیدہ ۱۹۱۰ء میں کہا گیا پورے قصیدے پر امام بوصیری کا رنگ نمایاں ہے تشبیب، تحریر، معجزات، واقعات سیرت اور آخر پر شفاعت کی طلب۔ ڈاکٹر زکی مبارک نے امام بوصیری اور شوقی کے تقابل میں بعض ضمنی موضوعات میں شوقی کو ترجیح دی ہے مگر آخر پر کہا ہے "و أین شوقی من البوصیری، لقد کان البوصیری من أئمۃ الصوفیۃ، أما شوقی فقد کان حین نظم قصیدتہ من رجال البلاط ۲۔ امام بوصیری کے تتبع کا ذکر کرتے ہوئے علی نجدی کہتے ہیں: "خالواقع أن نہج البردۃ یتفق مع البردۃ فی الموضوع و فی الوزن والقافیۃ بل فی طابع الأسلوب أیضا فکلتاھما فی مدح الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وکلتاھما علی وزن البسیط الاول متحد الکبۃ میمیۃ الروی، مضمومۃ المجری، وکلتاھما تصطنع البدیع ما وجدت السبیل الیہ ۳۔ دونوں قصائد کے تقابلی جائزے کا یہ محل نہیں صرف شوقی کے قصیدے کے چند قصیدوں کے حوالے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مطلع ہے۔

ریم علی القاع بین البان والعلم ۔ أحل سفک دمی فی الأشہر الحرم

لزمت باب امیر الانبیاء ومن ۔ یمسک بمفتاح باب اللہ یغتنم

یزدری قریضی زہیرا حین أمدحہ ۔ ولا یقاس إلی جودی لدی ہرم

محمد صفوۃ الباری و رحمتہ ۔ و بغیۃ اللہ من خلق ومن نسم

فاق البدور وفاق الانبیاء فکم ۔ بالخلق والخلق من حسن ومن عظم

یا أحمد الخیر لی جاہ بتسمیتی ۔ وکیف لا یتسامی بالرسول سمی

البدر دونک فی حسن وفی شرف ۔ والبحر دونک فی خیر وفی کرم ۴

۲۔ ذکری المولد۔ اس عنوان سے دو قصائد ہیں ایک کا مطلع ہے

بہ سحر یتیمہ ۔ کلا جفنیک یعلمہ ۔ ۵

اور دوسرے کا مطلع یہ ہے۔

سلوا قلبی غداۃ سلا وتابا ۔ لعل علی الجمال لہ عتابا ۶

پہلا قصیدہ ۱۹۱۱ء میں لکھا گیا اور جون سنہ ۱۹۱۲ء کے مجلہ الزہور قاہرہ میں منظر عام پر آیا۔ اسکے ۹۹ ابیات ہیں دوسرا ۷۱ اشعار کا قصیدہ ہے جو روزنامہ عکاظ قاہرہ فروری ۱۹۱۲ء کو شائع ہوا ۷

۳۔ الہمزیۃ النبویۃ۔ جسے ولد الہدیٰ بھی کہتے ہیں کہ یہ مطلع کا سرنامہ ہے۔ یہ قصیدہ بھی دراصل امام بوصیری کا تتبع ہے "تتفق القصیدتان فی الروی والمجری فکلتاھما ہمزیۃ مضمومۃ، لکنہما تختلفان فی الوزن فہمزیۃ البوصیری من البحر الخفیف وہمزیۃ شوقی من البحر الکامل" ۸ امام بوصیری کا ہمزیہ بہت طویل ہے اس میں ۴۵۶ شعر ہیں جبکہ ولد الہدیٰ میں ۱۳۱۔ موضوعات بھی ولد الہدیٰ میں امام بوصیری سے لئے گئے ہیں اگرچہ مختصر ہیں اور ایک کا فرق بھی ہے۔ اس سے ذہنی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے، پھر یہ بھی کہ امام بوصیری نے ہمزیہ بلا تشبیب شروع کیا تھا حالانکہ البردہ میں تشبیب ہے۔

---

(۱) الدین والاخلاق فی شعر شوقی ص ۲۷ (۲) الموازنۃ بین الشعراء ص ۲۰۲ (۳) الدین والاخلاق فی شعر شوقی ص ۲۸

(۴) الشوقیات ص ۱/ ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۱ (۵) احمد شوقی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ماہنامہ شام وسحر نعت نمبر ص ۲۸۷ (۶) الشوقیات ص ۱/ ۷۰ (۷) احمد شوقی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ماہنامہ شام وسحر نعت نمبر ص ۲۸۷، ۲۸۸ (۸) الدین والاخلاق فی شعر شوقی ص ۱۰۴۔

اسی طرح شوقی کے نہج البردہ میں تنبیب ہے تو مگر یہ میں نہیں ہے۔ یہ سب مناسبت شعوری یا غیر شعوری مگر شوقی کے تاثر کی خبر ضرور دیتی ہے۔ شوقی کا ہمزیہ بہت مشہور ہے۔ مطلع ہے۔

ولد الهدى فالكائنات ضياءُ - وفم الزمان تبسمٌ وثناء

مدح سرائی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

يا ايها الأمي حسبك رتبةً - في العلم أن دانت لك العلماء

يا من له عز الشفاعة وحده - وهو المنزه ما له شفعاء

ما جئت بابك مادحاً بل داعياً - ومن المديح تضرعٌ ودعاءُ

أدعوك عن قومي الضعاف لأزمةٍ - في مثلها يلقى عليك رجاءُ ۱

۴۔ ذوال العرب و سنظاع الاسلام ۱۷۲۶ ابیات کا مستقل قصیدہ ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد کہتے ہیں: درحقیقت شاہنامہ کہلانے کا مستحق ہے۔ یہ منظومہ شوقی نے اس وقت لکھا تھا جب وہ اندلس میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اور ۱۹۳۲ء میں مطبع معرقاہرہ نے پہلی مرتبہ اسے شائع کیا تھا۔ اس طویل رجزیہ نظم کے ایک سو تریسٹھ بیت سیرت نبوی کے لئے مختص کئے گئے ہیں ۲

ان کے علاوہ إلى عرفات ۳ ضجيج الحجيج ۴ اور كبار الحوادث في وادي النيل ۵ میں بھی مدحیہ ابیات موجود ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ شوقی کو جب بھی موضوع کی مناسبت نے اجازت دی ہے اس نے بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اشعار محبت کا تحفہ پیش کیا ہے۔ ان تمام قصائد و ابیات کا جائزہ لیا جائے تو شوقی کے کلام میں چند امور بڑے واضح دکھائی دیتے ہیں

۱۔ شوقی کا اسلوب قدیم ہے۔ مگر اس نے روایت کی پابندی کے باوجود نئے تجربے کئے ہیں۔

۲۔ شوقی کا دل محبت اسلام سے لبریز ہے اس لئے وہ مسلمانوں کی برتری اور اسلام کی عظمت کا خواستگار ہے اس کی تمناؤں میں اہل اسلام کی برتری کا خیال اس قدر شدید ہے کہ اس کی دعائیں اسی تمنا کی تکمیل کے لئے وقف ہیں۔

أدعوك عن قومي الضعاف لأزمةٍ - في مثلها يلقى عليك رجاءُ ۶

فالطف لأجل رسولك العالمين بنا - ولا تزد قومه خسفاً ولا تسم ۷

اسے احساس ہے کہ مسلمان اپنی پستی کی انتہا پر ہیں اسی لئے وہ پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار اس پستی کا حوالہ دیتا ہے۔

شعوبك في شرق البلاد وغربها - كأصحاب كهفٍ في عميقِ سُباتِ ۸

۳۔ یورپ کی تعلیم سے بہرہ ور ہونے کی وجہ سے وہ ان زہر آلود اعتراضات کو جانتا ہے۔ جو اسلام اور بانی اسلام پر لگائے جا رہے تھے اسی لئے وہ ان معترضین کے رد کیلئے عقلی دلائل مرتب کرتا ہے، غزوات میں عملی جہاد اور قتال پر خون آشامی کی تہمت لگی تو شوقی نے بڑے حکیمانہ انداز میں اسکا جواب دیا

دعوا اعلى الحرب السلام وطالما - حقنت دماءً في الزمان دماءُ ۹

الحرب في حق لديك شريعةٌ - ومن السموم الناقعات دواءُ ۱۰

۴۔ شوقی دفاع اسلام کی جنگ میں شریک رہا، اس نے اپنی صلاحیتیں قلمی جہاد کے لئے وقف رکھیں، شوقی کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ معاشی تھا، اشتراکیت کا عفریت انسانیت کو نگلنے والا تھا اور سرمایہ داری دین کے نام پر تحفظ حاصل کرنے کی فکر میں تھی۔ شوقی نے دونوں کو رد کرتے ہوئے اسلام کا پیغام بتایا۔

---

① الشوقیات ص ۱/۳۶، ۳۸، ۴۳ ② احمد شوقی کی نعتیہ شاعری ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ماہنامہ شام و سحر نعت نمبر ص ۲۸۹
③ الشوقیات ص ۱/۱۰۳ تا ۱۱۰ ④ حوالہ مذکورہ ص ۲۵۲ تا ۲۵۵ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۱۷ تا ۳۵ ⑥ الشوقیات ص ۱/۴۳ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۲۴۹ ⑧ حوالہ مذکورہ ص ۱۰۹ ⑨ حوالہ مذکورہ ص ۴۲ ⑩ حوالہ مذکورہ ص ۴۰

أَنصَفتَ أهلَ الفَقرِ مِن أهلِ الغِنىٰ - فَالكُلُّ فِي حَقِّ الحَيَاةِ سَوَاءُ

فَلَوَ اَنَّ إِنسَاناً تَخَيَّرَ مِلَّةً - مَا اختَارَ إِلَّا دِينَكَ الفُقَرَاءُ ①

۵۔ شوقی نے غزوات نبوی کے دفاع کے باوجود خود یہی کوشش کی کہ وہ اخلاقی فتوحات کا ذکر کرے تاکہ وہ ثابت کر سکے کہ اسلام کی اصل قوت اخلاق میں ہے اور یہی قوت تمام ذرائع تبلیغ میں موثر ترین قوت ہے۔

یَا مَن لَهُ الأَخلَاقُ مَا تَهوَى العُلَا - مِنهَا وَمَا يَتَعَشَّقُ الكُبَرَاءُ

زَانَتكَ فِي الخُلُقِ العَظِيمِ شَمَائِلٌ - يُغرَى بِهِنَّ وَيُولَعُ الكُرَمَاءُ ②

۶۔ جدید تقاضوں کے مطابق اسلام کی آفاقی تعلیمات کی تطبیق کے لئے بھی شوقی کوشاں رہا ہے۔ نظام سیاسی کا ذکر آیا تو مشاورتِ حکومت اور جمہوریت کے تصورات سے کہیں بہتر تعلیم کا ذکر کیا۔

وَالدِّينُ يُسرٌ وَالخِلَافَةُ بَيعَةٌ - وَالأَمرُ شُورَىٰ وَالحُقُوقُ قَضَاءُ ③

مساوات انسانی کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے۔

اللهُ فَوقَ الخَلقِ فِيهَا وَحدَهُ - وَالنَّاسُ تَحتَ لِوَائِهَا أَكفَاءُ ④

جہد و جہد کا درس دیتے ہوئے کہتا ہے۔

وَمَا نَيلُ المَطَالِبِ بِالتَّمَنِّي - وَلَكِن تُؤخَذُ الدُّنيَا غِلَابَا

وَمَا استَعصَىٰ عَلَىٰ قَومٍ مَنَالٌ - إِذَا الإِقدَامُ كَانَ لَهُم رِكَابَا ⑤

شوقی نظریات اسلام کے بارے میں کسی احساس کمتری کا شکار نہیں ہے، مزاج جسمانی پر کئی مادی طبقیں پریشان ہو جاتی ہیں مگر شوقی اس کے اثبات کیلئے دلائل مرتب کرتا ہے۔ ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی محبت اور عشق اس درجہ ہے کہ وہ ہیر پھیر کر اور الفاظ کے پیکر تبدیل کر کے بار بار اسی ذات گرامی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہے۔

الغرض شوقی نے مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قلب و ذہن کی پوری صلاحیتیں خرچ کی ہیں، اس کا دماغ ان کے خیالات میں مگن ہے تو اس کا دل انہی کی محبت میں گداز ہے، شوقی کی دینی شاعری کے مقالہ نگار محمد یحییٰ نے شوقی کی نعتیہ شاعری کو "توصیفی انداز" کی شاعری قرار دیا ہے ⑥ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اوصاف و کمالات بیان ہوتے ہیں اور شاعر آپ کے فضائل و محاسن کی توصیف کو آپ کی عظمت و رفعت کے اظہار کا ذریعہ بناتا ہے۔ یہ دعویٰ کافی حد تک درست معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ کہنا کہ شوقی ایک کیمرے کی آنکھ کی طرح اوصاف شماری کر رہا ہے۔ شوقی کے ارفع فن کے ساتھ انصاف نہ ہوگا۔ شوقی جدید معاشرے کا فرد ہے جہاں اظہار عقیدت کے اسباب بتانا ضروری ہیں کہ سامع اس ساری محنت کو شاعر کی ذاتی دلچسپی قرار دے کر رد نہ کر دے۔ مگر یہ اوصاف شماری کا مقصد سامع یا قاری کو ذات ممدوح کے قریب لاتا ہے تاکہ وہ مداح کی نگاہ سے دیکھنے لگے، مدح میں شاعر کا دل فعال قوت نہ بنے تو یہ منظوم سیرت ہے اور شوقی اس سے کہیں ارفع ہے اس کا دل محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گداز ہے اور سامعین کو بھی اس گداز سے بہرہ ور کرنا چاہتا ہے۔ معاشرتی حوالے، جدید تقاضے، امام بوصیری کا تتبع، مدح میں حد ادب اور مدح بطور شفیع یہ سب اس کی ذاتی INVOLEMENT کے مظہر تو ہیں۔ اور جب مدح نگار اپنی نگارشات میں ذات شامل کر دیتا ہے تو شعر موضوعی عمل ہوتا ہے۔ اور نعت اس موضوعی حوالے کے بغیر آفاقیت اختیار کر ہی نہیں سکتی، جب شاعر کی بات دل میں اترنے لگے تو یقین جانیئے یہ دل سے اٹھ رہی ہوتی ہے۔ شوقی کی مدحیہ شاعری نے ایک عالم کو متاثر کیا ہے اسلئے اسے Descriptive قرار دینا درست اور مناسب Assessment نہ ہوگی۔ بہرکیف شوقی عہد جدید کا عظیم مدح نگار ہے۔

---

① الشوقیات ص ۱/۳۴ ② حوالہ مذکورہ ص ۲۷ ③ حوالہ مذکورہ ص ۴۰ ④ حوالہ مذکورہ ص ۴۰ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۷۳

⑥ شوقی کی دینی شاعری" مقالہ نگار محمد یحییٰ برائے ایم۔اے عربی ۱۹۶۱ پنجاب یونیورسٹی لاہور ص: ۷۵

احمد محرم (م ۱۳٦۲ھ) مصر میں ساحل سمندر کے ایک گاؤں میں ۱۲۸۸ھ میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی سے شعر کہنے کا ذوق تھا عربی ادب کے قدیم شہ پاروں کو پیش نظر رکھتا اور اسی قافیہ اور وزن میں شعر کہتا۔ ساتھیوں اور ہم عمروں میں مقبول ہوا طبیعت مستغنی تھی اسلئے کسی لالچ کا شکار نہ ہوا، بعض رسائل نے شرکت کی دعوت دی مگر اس نے انکار کیا کہ وہ آزاد روی کا قائل تھا، وحدت ملت اسلامیہ کے لئے اپنی شعری صلاحیت کو استعمال کرتا رہا، مغربی انداز فکر سے بھی آگاہ تھا اسلئے ہومر کی مشہور نظم 'ILLIAD' سے متاثر ہوا اور اسی انداز میں شوکت اسلامی کے اظہار کے لئے ایک تاریخی منظومہ کا پروگرام بنایا، اس مقصد کیلئے اس نے غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا اور 'الالیاذۃ الاسلامیۃ' کے نام سے ایک طویل تاریخی نظم تصنیف کی جسے "دیوان مجد الاسلام" کہنا زیادہ مناسب ہے کہ موضوعات سے عنوان کی مناسبت رہے۔

دیوان مجد الاسلام متعدد فصول میں منقسم ہے ہر فصل میں بحور و قوافی مختلف ہیں اس طرح ایک نظم کا داخلی تغیر اس کے حسن میں بوقلمونی پیدا کر رہا ہے۔ یہ منظومہ ہزاروں اشعار پر مشتمل ہے، احمد محرم نے تمام ابیات میں واقعات تاریخی کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور کہیں بھی شعر کی کارفرمائی حقیقت کا خون نہیں کرتی اس طرح اسے ایک تاریخی وقار بھی ملا ہے۔

فصل اول میں تمہیدی مضامین ہیں، عربوں کی حالت، ان کی بے راہ روی اور کفر و شرک کے تمرد کا ذکر ہے اسلئے احمد محرم دہائی دیتا ہے۔

املاِ الارضَ یا محمدُ نوراً - واغمرِ الناسَ حکمةً والدُّهورا ؎۱

فصل ثانی ہجرت کے واقعات کیلئے وقف ہے، آمد مدینہ پر اہل مدینہ کے جذبات محبت کی خوب عکاسی کی،

رُقِیَت لضا رِ شعار طابَ اریجھا - وترددت انفاسُھا تتسلسلُ

فکانّھا فی کلّ مغنیً روضةٌ - وکانّھا فی کلّ دارٍ بُلبلُ ؎۲

فتح مکہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے عام معافی کے اعلان پر خصوصی توجہ دی گئی ہے کہ جدید معاشرے میں اس عمل کی وضاحت نہ صرف اسلئے ضروری تھی، عفو و کرم کا اظہار ہوتا تھا بلکہ اس سے اسلامی مزاج کی نشاندہی بھی مقصود تھی۔

انّ الرسولَ لَسمحٌ ذو سماحةٍ - اذا تملّکَ اعناقَ الجناةِ عفا

تشکوا محمدُ انّ اللہ اشبعَکُم - علیکمُ نعمٌ تراءیٰ ظِلُّھا وصفا

وعدٌ و فی الاجیام الموقنین بہ - واللہ انّ وعدَ الرسل الکرام وفیٰ ؎۳

محمد سماوی (م ۱۳۷۰ھ) محمد بن طاہر کوفہ سے مشرقی علاقہ میں فرات کے کنارے 'سماوہ' میں پیدا ہوا، نجف میں تعلیم پائی بغداد میں 'مجلس ولایۃ' کا رکن رہا پھر نجف میں شرعی کورٹ کا جج اور آخر 'المجمع العلمی العراقی' کا ممبر بنا، مدح رسالت اور مدح آئمہ اثنا عشر کو اپنا مقصود بنایا، 'الکواکب السماویۃ فی شرح القصیدۃ الفرزدقیۃ'، 'شجرۃ الریاض فی مدح النبی الفیاض'، 'الطلیعۃ فی شعراء الشیعۃ' اور کئی کتابیں تصنیف کیں ؎۴

سماوی نے تغزل کو بھی اپنایا تھا مگر اسکا مزاج مدحیہ شاعری کے لئے زیادہ موزوں تھا، مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کہتا ہے

زیّنَ وجہ الدھر میلادہ - وزادہ روحاً وفضلَ ارتیاح

کفّ اکفّ السوء عن یثرب - وعطّر الارض بکلّ نواح

وانتشر النور وبان الھدیٰ - فلاح للعالم منہ فلاح ؎۵

۱۔ الادب والنصوص للصف الثالث الثانوی ص ۱۷۳ ۲۔ حوالہ مذکورہ ص ۱۷۲ ۳۔ حوالہ مذکورہ ص ۲۷۵

۴۔ معجم المؤلفین ص ۹۷/۱۰ ۵۔ عراق میں جدید عربی شاعری کا ارتقاء، ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی - رسالہ معارف اگست ۱۹٦۷ ص ۱۲۷

الشیخ محمد بن حبیب (م ۱۳۹۱ھ) شیخ دُاکش کے شہر مکنس میں پیدا ہوئے، یمن کے ممتاز علماء میں شامل رہے۔ اور جامعہ قرویین کے جید اساتذہ میں منفرد حیثیت رکھتے تھے، شاذلیہ سلسلہ طریقت کے شیخ تھے اور عرب اور بیرون عرب وسیع سلسلہ ارادت رکھتے تھے۔ دیوان دو حصوں میں چھپ چکا ہے جس میں مختلف موضوعات پر نظمیں ہیں، تصوف کے اثرات نمایاں ہیں۔ بشعر پر قدرت رکھتے ہیں اور زبان میں شگفتگی ہے کہ وہ صوفی تھے اور عقیدت مندوں سے خطاب کا سلیقہ رکھتے تھے۔ "نحن فی روضة" میں ان کا طرز کلام ایک مسائل کا سا ہے مثلاً کہتے ہیں۔

جِئنَا یَا خَیرَ مَن اِلَیہِ المَلاذُ - جَائِلِینَ بِحُرقَۃٍ وَذُهُولٍ
لَدَیَّ قَدرٌ عَظِیمٌ لَیسَ یُضَاهَی - وَرِسَالَہ تَفُوقُ کُلَّ رَسُولٍ
أَنتَ بَابُ الاِلٰہِ فِی کُلِّ خَیرٍ - مَن أَتَی فَازَ بِالرِّضَی وَالوُصُولِ
کُلُّ مَن حَطَّ رَحلَہُ بِکَرِیمٍ - نَالَ أَقصَی المُنَی وَکُلَّ السُّؤُولِ [۱]

- شیخ مصطفیٰ السباعی (چودھویں صدی ہجری) شام کے رہنے والے تھے۔ "السنہ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" جامع اور معروف کتاب ہے۔ "حضارۃ الاسلام" کے نام سے وقیع علمی مجلہ نکالتے رہے۔ آخر عمر میں فالج ہو گیا تھا، اسی حالت میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضہ من ریاض الجنۃ ایک طویل قصیدہ کہا ہے۔ "ابتھلت فیھا بالدعاء الی اللہ جل التعاون الی حرم رحمتہ الواسعۃ وذکرت فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعجزاتہ فی شفاء المرضی فی حیاتہ علیہ السلام۔ وکنت فی کل لیلۃ یؤرقنی فیھا شدۃ الالم ازید فی تلاوۃ القصیدۃ حتی تم حینئذ مایقرب من مائۃ بیت" [۲]۔ قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں۔

یا سیدی یا حبیب اللہ جئت الی - أعتاب بابک اشکو البرح من سقمی
یا سیدی قد تمادی السقم فی جسدی - من شدۃ السقم لم اغفل ولم انم
یا سیدی طال شوقی للجهاد فهل - تدعوا الی اللہ عودا عالی العلم [۳]

شفیق جبری (چودھویں صدی ہجری) ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں دمشق میں پیدا ہوا خوشحال گھرانے میں پرورش پائی ۱۹۲۸ء میں دمشق میں یونیورسٹی قائم ہوئی تو شفیق جبری کو وائس چانسلر بنایا گیا۔ کم گو شاعر ہیں مگر جو لکھتے ہیں اس میں ان کے دل کی پکار ہوتی ہے۔ "صیحۃ النبی" کے نام سے ایک طربیہ قصیدہ تصنیف کیا اس میں حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلام کے پیغام کی برعت مقبولیت کا ذکر کر کے موجودہ دور کا حوالہ دیتے ہیں جس میں مسلمان ہر ملک میں ذلت کا شکار ہیں

مشی الوحی فیهم مشیۃ البرء فی الضنی - فای فتی من سحرہ غیر طامح
فطاروا الی الدنیا بدین محمد - وقد فتحوا الدنیا کلمحۃ لامح

مگر اب کیا حالت ہے۔

فاین رسول اللہ لتحمد امۃ - تئن انین الطیر من کل ذابح
علی متنها من ذلۃ لجد عزۃ - تفیض جفون بالدموع السوافح
فهذہ فلسطین تنوح من الاذی - فما نفت عنها عیون النوائح [۴]

مقامی حوالوں اور قومی نمائندگی نے شفیق جبری کی شاعری میں مقصدیت کا عنصر نمایاں کر دیا ہے۔

---

(۱) دیوان الشیخ محمد بن الحبیب ص ۱۷، ۱۹ (۲) سفر حج کی چند یادیں، مولانا سمیع الحق اکوڑہ خٹک رسالہ بینات خصوصی اشاعت بیاد مولانا بنوری، جنوری فروری ۱۹۷۸ء ص ۶۸۳، ۶۸۴ (۳) حوالہ مذکورہ بحوالہ حضارۃ الاسلام ج ۵ ص ۲۷۳
(۴) شام میں جدید عربی شاعری کا ارتقاء، اسیہ احتشام حسین ندوی، رسالہ معارف فروری ۱۹۶۷ء ص ۱۲۶ تا ۱۲۹

یہ تو ان معروف شعراء کا تذکرہ تھا جن کی مدحیہ شاعری پر خصوصی توجہ درکار تھی۔ ان کے علاوہ بھی کثیر تعداد ایسے شعراء کی ہے جو اس فنِ شریف کی تہذیب و تنقیح میں مصروف رہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرکے ان کی اپنی نعت کے لئے توجہ چاہتے رہے ان کے اسماء کے اندراج پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

محمد التدمری الطرابلسی (م ۱۲۱۸ھ)، حسن بن الحسین بن حیدرۃ (م ۱۲۲۱ھ)، مصطفیٰ بن اسماعیل شرحی الملقب سبلابی (م ۱۲۲۶ھ)، مصطفیٰ بن عبد الوہاب الصلاحی (م ۱۲۲۸ھ)، العلعاری، مصطفیٰ بن محمد الصفوی (م ۱۲۳۰ھ)، عسانی بن المختار الشنقیطی (م ۱۲۴۲ھ)، یوسف العمری (کان حیا ۱۲۷۰ھ)، التجانی بن باب (توفی بعد ۱۲۶۰ھ)، محمود نسیب بن حسین المعروف بابن حمزۃ (م ۱۲۶۵ھ)، محمد السبکی (کان حیاً ۱۲۷۵ھ)، مصطفیٰ الأصیل (م ۱۲۷۹ھ)، عبد الباقی بن سلیمان الفاروقی (م ۱۲۷۹ھ)، محمود قابادو التونسی (م ۱۲۸۸ھ)، عبد الحمید بن حسن ودوہ البیرامی (م ۱۳۰۲ھ)، محمود محفوظ الدمشقی (کان حیاً قبل ۱۳۰۵ھ)، علی بن سلیمان الدمنتی المغربی (م ۱۳۰۶ھ)، عبد القادر الأدھمی (کان حیاً ۱۳۰۶ھ)، احمد البخاری الدمیاطی (کان حیا ۱۳۰۹ھ)، علی بن محمد النوی (م ۱۳۱۱ھ)، ابو الھلال بلیح (کان حیاً ۱۳۱۱ھ)، محمد جابر بن عبد الحسین الربعی (م ۱۳۱۲ھ)، عبد الرحمٰن بن العباس الواقی (م ۱۳۱۴ھ)، محمد فرغلی الانصاری (کان حیاً قبل ۱۳۱۶ھ)، مصطفیٰ زین المستوین الحمصی (م ۱۳۱۹ھ)، ابراھیم قطانی (م ۱۳۱۹ھ)، صالح بن احمد بن محمد طٰہٰ الدوعانی (م ۱۳۲۴ھ)، محمد الحفزاوی (م ۱۳۲۶ھ)، احمد الحفزاوی المکی الھاشمی (م ۱۳۲۷ھ)، احمد اللبابیدی (کان حیاً ۱۳۲۸ھ)، حسن بن عوض بن مخدم (م ۱۳۳۱ھ)، سلیمان بن احمد الکیلانی، الرفاعی الحمصی (م ۱۳۳۳ھ)، محمد بن محمود قاب احمد جمیعط (م ۱۳۳۷ھ)، عثمان بن عبد اللہ الموصلی متعدد مدحیہ قصائد کے مصنف (م ۱۳۴۱ھ)، سلیمان بن سحمان (م ۱۳۵۰ھ)، احمد بن ھاشم السودانی (م ۱۳۵۴ھ)، سلیم بن حسن الیعقوبی (م ۱۳۵۹ھ)، ابن زیدان عبد الرحمٰن بن محمد الحسنی العلوی السجلماسی (م ۱۳۶۵ھ)، محمود رضا بن ابراھیم المعروف بمحمد الوطار (م ۱۳۷۲ھ)، خیر الدین الزرکلی اور کچھ عصر حاضر کے شعراء جو مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن بنائے ہوئے ہیں۔

محمد ابراھیم جبرع (بیدالتن جدہ ۱۳۳۰ھ)، "الالیاذۃ الاسلامیۃ الجدیدۃ" کے نام ۱۵۴ شعروں کا منظومہ جس میں سیرت کے واقعات کو بالترتیب بیان کیا گیا ہے، نمونتاً چار شعر درج کئے جاتے ہیں۔

یا منقذ الإنسان من شر الهوى - حففت لك الأرجاء والأبراء
وخلود ذكرك في قلوب أحبة - حففت بمجدك في سرى الأزمان
أنت الحبيب لكل قلب مؤمن - بالله لغدى سيد الأسياد
فاقبل سعدى عند بابك مخلصاً - شرف القبول وسيلة الأحباب!

محمود حسن اسماعیل المصری شاعر جس کا منظومہ معجزۃ الغار ایک شناتی منیجر ہے ⓶۔ ان کے علاوہ صالح البوالیمن السودانی کا تخمیس البردۃ اور کئی دیگر مدحیہ منظومات ہیں ⓷۔ محمود غنیم اور حسین محمد الجبراح الاردنی کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔

الغرض مدحیہ شاعری پندرہ صدیوں کے ایک بڑے تسلسل کے ساتھ جاری ہے، معاشرتی حالات کے دباؤ سے کبھی اس کی شدت میں کمی یا کبھی زور پیدا ہوتا رہا مگر اس کا سلسلہ کبھی نہ ٹوٹا۔ جہاں جہاں مسلم امت آباد ہے یہ صنف شعر موجود ہے۔ مقامی و علاقائی زبانوں میں نعتیں کہی جاتی رہیں، عربی اور پھر جب بھی کسی کو دسترس حاصل ہوئی مدح نگاری کا سلسلہ شروع ہوگیا اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

⓵ الالیاذۃ الاسلامیۃ الجدیدۃ ص ۴۴، ۱۰۷، ۱۲۱، ۱۵۳ ⓶ النصوص الادبیۃ للصف الثالث المتوسط ص ۲۱۸ تا ۲۲۳
⓷ تخمیس البردۃ صالح البوالیمن طبع ۱۳۷۸ھ۔

ایران

ہمارے موضوع سے ایران کے حالات کا براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس کا ذکر اس لئے کیا جا رہا ہے کہ برِصغیر پاک و ہند کا تہذیبی و ثقافتی تعلق ایران سے صدیوں کا ہے، فارسی زبان برصغیر میں مسلمان حکمرانوں کے دور میں سرکاری زبان رہی ہے اور ایران کے حالات اور وہاں کے تجربات نے برصغیر کے حالات و کیفیات پر اثر ڈالا ہے اس لئے مناسب ہے کہ ایک سرسری سی نظر ایران میں عربی مدح نگاری کی روایت پر ڈال لی جائے۔

عربوں اور ایرانیوں کے روابط تو صدیوں پرانے ہیں مگر اسلامی تاریخ کے حوالے سے عرب، ایران کا تعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے قائم ہوا ۱۴ھ کو حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے ایرانی جمعیت کو شکست دی، قادسیہ کے میدان میں ایرانی قوت و شوکت کا خواب بکھر کر رہ گیا، ۱۶ھ میں مدائن کی فتح کے بعد مسلمانوں نے ایران پر عام یلغار کر دی، ایرانی سلطنت کا تاجدار یزدگرد جسے اپنی قوت اور اپنے ملک کی غیر معمولی صلاحیت پر ناز تھا در بدر ہوا اور آخر ۳۱ھ کو مرو میں مارا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس شکست کے باوجود ایرانی اپنی عظمت رفتہ کو کبھی نہ بھولے اور جب بھی موقعہ میسر آیا انہوں نے علمِ بغاوت بلند کیا مسلمانوں کی مستحکم حکومت کیلئے ایرانی علاقے ہمیشہ مسائل پیدا کرتے رہے مگر بحیثیت مجموعی عربوں کو تغلب حاصل رہا اس حکومتی رابطے کی وجہ سے عربی زبان کو بھی ایران میں اثر و نفوذ کا موقعہ ملا، عربی زبان سرکاری زبان تھی اور تمام علمی کاوشیں عربی کی ممنونِ منت تھیں عربی قرآن و حدیث اور ملتِ اسلامیہ کی زبان تھی اس لئے اسلام قبول کرنے والے ایرانیوں نے اس کی تدریس پر توجہ دی لیکن اس دینی تقدس اور فاتحانہ شوکت کے باوجود شاہی زبان مروج و مقبول رہی اور جب دورِ عباسی میں ایران پر عربی دباؤ کم ہوا تو فارسی زبان کو پھیلنے اور پنپنے کا موقعہ ملا اس طرح عربی کی موجودگی ہی میں فارسی کی حیثیت بھی متعین ہو گئی مسلم علماء کا معتدبہ طبقہ عجم سے اٹھا تھا اس لئے عربی کے ساتھ فارسی بھی ان کی نگارشات کیلئے استعمال ہوئی، اس طرح فارسی ابتدا ہی سے مسلم تہذیب کی زبان بن گئی۔

فارسی کے اس زور اثر نے ایرانیوں کو عربی مزاج میں ڈھلنے کا پورا موقعہ نہ دیا انہوں نے عربی کو علمی زبان کی حیثیت سے اپنا تو لیا مگر فارسی تہذیبی عنصر کے طور پر موجود رہی، شاعری جذبات نگاری ہے اور جذبہ فارسی الاصل تھا اس لئے عربی بطور زبانِ شعر بہت کم مستعمل ہوئی عربوں سے روابط کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ عربی الفاظ و کلمات یا قرآنی محاورات و تلمیحات فارسی میں ضم ہونے لگے اور مخلوط شاعری کی ابتدا ہوئی، شعر کی زبان فارسی ہوتی مگر درمیان میں کوئی عربی کلمہ یا ترکیب آ جاتی یا کبھی فارسی مصرعے کے ساتھ عربی مصرعہ لگا دیا جاتا اور اور شعر دو زبانوں میں مساوی تقسیم ہو جاتا، یہ پیوند کاری اس قدر مقبول ہوئی کہ کوئی بڑے سے بڑا فارسی شاعر بھی اس کی زد سے بچ نہ سکا۔

حافظ شیرازی (م ۷۹۱ھ) پر فارسی ادب کو بجا طور پر ناز ہے ان کے ہاں بعض عربی مصرعے اور کبھی فارسی غزل میں ایک پورا عربی شعر معمول ہے ان کی مشہور غزل کا رنگ دیکھئے۔

الا یا ایھا الساقی ادر کاسا و ناولہا ۔ کہ عشق آسان نمود اوّل ولے افتاد مشکل ہا ۔ ۱

ایک اور غزل ہے۔

در حلقۂ گل و مل خوش خواند دوش بلبل ۔ ھاتِ الصبوح ھبّوا یا ایھا السکارا

آں تلخ وش کہ صوفی ام الخبائث خواند ۔ اشھیٰ لنا و احلیٰ من قبلۃ العذارا ۲

اور ایک دوسری غزل میں تو مکمل شعر عربی میں ہے۔

حماک اللہ عن شرّ النوائب ۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا ۳

اس قسم کی بیسیوں مثالیں ان کے دیوان میں موجود ہیں۔

"نعت" میں یہ کیفیت اور بھی واضح ہے، شاعر قرآنی اقتباسات اور احادیث کے حوالوں سے اپنے فارسی شعروں میں عربی نگینے جڑتے ہیں اور کبھی فارسی شعروں کے جلو میں ایک دو یا زیادہ عربی شعر آتے ہیں۔ اس طرح اشعار اور نعتیں

---

① دیوان حافظ مترجم محمد عنایت اللہ ص ۸۴ ② حوالہ مذکورہ ③ حوالہ مذکورہ۔

دوآتشہ ہو جاتی ہیں چند شعراء کا مختصر تذکرہ کفایت کرے گا۔

— خاقانی (م ۵۹۵ ھ) فارسی قصیدے کے بانیوں میں سے تھا عربی زبان، اسلامی تاریخ، علم ہیئت کا بہت گہرا مطالعہ تھا فارسی اور عربی میں نعتیہ قصائد لکھے ہیں جن کی بناء پر وہ اپنے آپ کو "حسان عجم" کہتا تھا ۱۔ فارسی عربی کی آمیزش خوب ہے اس سے اس قادر الکلامی کا اظہار ہوتا ہے مثلاً

قنوت من بہ نماز نیاز در این است - کہ "عافنا و قنا شر ما قضیت لنا" ۲

أن شاعر "تمرد" و شاگرد "فاستقم" - مخصوص "قم فانذر" و مقصود "کن فیکون" ۳

ایک قصیدے میں عربی کا شعر ابتدائیہ بنایا ہے

ما اعظم شانک ای منطلق - ما اکرم وجھک ای مطلق ۔ ۴

رومی (م ۶۷۲ ھ) مشہور صوفی شاعر "مثنوی" کے وہ شاعر جن کی فضیلت کا سب کو اعتراف ہے۔ اقبال کے مرشد روحانی کہ ان سے غالباً نے کسب فیض کا علامہ کو اقرار ہے، مثنوی میں فارسی ابیات میں عربی کے الفاظ و تراکیب جا بجا ملتی ہیں۔ دیوان میں بھی فارسی عربی کی غزلیات اور قطعات ہیں۔ فارسی اشعار میں خالص عربی شعر موجود ہیں مثلاً

حکذا النعم الی دار السلام - جا النبی المصطفیٰ خیر الانام ۵

اطلب المعنی من القرآن و قل - لا نفرق بین آحاد الرسل ۶

اور بعض جگہ فارسی کے اندر عربی کے کلمات کو پرو دیا گیا ہے کہ دونوں باہمدگر یوں ہو گئے ہیں۔

گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ - والذی یبصر لمن وجہی یری ۷

— سعدی شیرازی (م ۶۹۱ ھ) شیخ شرف الدین بن مصلح الدین فارسی کے وہ مایہ ناز شاعر و ادیب ہیں جن کی شہرت وقت کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے ان کا اسلوب اس قدر دلکش اور جاذب ہے کہ نثر میں بھی شعر کا سا سماں ہے دل گداز رکھتے تھے اس لئے اشعار میں جذبہ صادق کارفرما ہے، صوفیا سے بھی رابطہ تھا، شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ اور خواجہ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ آپ کے مرشدوں میں سے تھے ۸۔ سعدی کو نعت کہنے کا سلیقہ آتا ہے اپنے ان کے فارسی اشعار زبان زد عام ہیں، شیخ کو عربی پر مہارت حاصل تھی اسلئے عربی میں متعدد قصائد کہے مگر ان قصائد کے بارے میں E. G. BROWNE کی رائے ہے:

"In Persia and India it is comenly stated that Sadi's Arabic qasidas are very fine, but scholars of Arabic speech regard them as very mediocre Performance" ۹

عربی میں نعتیہ اشعار کی تعداد بہت کم ہے مگر عام قصائد کا معیار جو بھی ہو نعتیہ اشعار میں ان کے دل کی دھڑکن اور فنی مہارت شامل ہے، فرماتے ہیں:

کریم السجایا جمیل الشیم - نبی البرایا شفیع الامم

شفیعٌ مطاعٌ نبیٌ کریمٌ - قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیمٌ ۱۰

علیک سلام اللہ ما لاح کوکب - و ما طلعت زهر النجوم وتغرب ۱۱

مگر شیخ سعدی کو شہرت عام اور بقائے دوام ان دو شعروں کی وجہ سے حاصل ہوئی جو انہوں نے نثری نگارش کے دوران میں درج کر دیئے ہیں، شعر یہ ہیں:

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمالِہِ - کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمالِہِ

حَسُنَتْ جمیعُ خِصالِہِ - صَلُّوا عَلَیْہِ وَآلِہِ ۱۲

---

۱ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۴/۲ ص ۳۰۲ ۲ نعت حضرت رسول اکرم در شعر فارسی ص ۱۱۶ ۳ حوالہ مذکورہ ص ۱۲۹

۴ حوالہ مذکورہ ص ۱۲۵ ۵ مثنوی مولانا روم دفتر اول ص ۳۷ ۶ حوالہ مذکورہ ص ۲۱ ۷ حوالہ مذکورہ ص ۵۱

۸ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۲۵/۱۱ ۹ A literary History of Persia Vol II P:533

۱۰ بوستان ص: ۵ نعت حضرت رسول اکرم در شعر فارسی ص ۳۱۰ ۱۱ المفردات ص ۲۵۵ ۱۲ گلستان ص ۳

بحر کامل کا ایک رکن حذف کر کے ارکان کو سوائے آخری مصرعہ کے کامل الوزن استعمال کیا گیا ہے۔ صاحب کمال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کے اظہار کے لئے کامل وزن کا استعمال اور اس قدر رواں دواں بند کہ پہلا کلمہ دوسرے کی نشاندہی کرتے جائیں سعدی ہی کا کمال ہے۔ ڈاکٹر فرمان کہتے ہیں "ان مصرعوں میں سعدی نے زبان و بیان اور فکر و فن کا ایسا جادو جگایا ہے کہ وہ نظروں میں کھبتے اور دلوں میں اترتے چلے جاتے ہیں، فصاحت و بلاغت کی حدیں ان مصرعوں پر ختم ہو جاتی ہیں سادگی ایسی کہ عربی فارسی اور اردو خواں سبھی ان کو سمجھ لیتے ہیں اور پرکاری کا یہ عالم کہ قلب و روح دونوں مسحور ہو جاتے ہیں۔ سعدی کے مصرعے حسن بیان اور حسن خیال دونوں کے اعتبار سے اچھوتے ہیں [۱]۔ ان مصرعوں کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ برصغیر میں خصوصاً ان پر لاتعداد تضمینیں لکھی گئی ہیں اور ان میں عربی میں بھی تضمینات موجود ہیں جن کا ذکر برصغیر کی شاعری پر بحث کے دوران میں مناسب ہوگا۔ شیخ سعدی کے ان دو شعروں نے برصغیر کی شاعری کو بہت متاثر کیا ہے اس کا وزن، آہنگ، ردیف قافیہ اور انداز و اسلوب سبھی کی تقلید کی گئی ہے۔

- خواجہ محمد پارسا (م ۸۲۲ھ) سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور شیخ تھے فارسی شعر کا ذوق تھا ان کا ایک شعر فارسی ماحول میں عربی نعتیہ شاعری کے اسلوب کی نشاندہی کرتا ہے

جانبِ الحُمْرِیِّ حَدیثُکَ تحفتی - واعتصامی ببابکُم والتجائی [۲]

- ابوعلی الحسن الغزنوی، آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ تھے ان کی ایک نعت ملا حسین کاشفی نے نقل کی ہے جس میں قلبی سوز اور فنی پختگی نمایاں ہے۔ تشبیب کا رنگ بھی انوکھا ہے کہ اسے سلام کے پیرایے میں بیان کیا ہے ہر چند رنگ شعر میں وارفتگی ہے اور اس بے خودی میں کہیں کہیں بے باکی بھی سلام پیش کرتے ہیں۔

- علی من تخطی قاب قوسین اذ علا - وفاز لیجم فی العلا متزود
علی من لہ عین القلوب تنجعت - فنام بعین اللہ فی خیر مرقد
أیا سید العباد یا من تورمت - لہ قدماہ من دوام التہجد
علیک سلام اللہ یا دافع الداء - علیک سلام اللہ یا شافع الردی
أتیت الی الرحمن معتمدا بہ - ومن یعتصم بالأنبیاء فقد ھدی [۳]

- جامی (م ۸۹۸ھ) مولانا عبدالرحمن جامی، مشہور عالم دین، معروف شاعر اور لائق احترام مداح رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کے کلام کا بیشتر حصہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف ہے ان کے فارسی اشعار محفلوں کی زینت اور مجلسوں کی رونق ہیں، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں [۴]۔ فارسی عربی کے ملمع شعر کہنے میں مہارت رکھتے ہیں اور عربی عبارات کو بڑی چابکدستی سے فارسی میں سمو دیتے ہیں مثلاً فرماتے ہیں۔

کافی الوری ھادی السبل ختم اولوالعزم از رسل
مشتمل کنتای جز و کل، فرجان روانی انس و جان [۵]

صبح رویش زد والضحیٰ از منح - شرح صدرش از الم نشرح
کحل ما زاغ سرمہ کش - ما طغیٰ وصف پاکی نظرش [۶]

کبھی فارسی شعروں کے وسط میں خالص عربی شعر درج کر دیتے ہیں ایسے شعر معیاری ہوتے ہیں اور نعت کے مجموعی آہنگ میں ڈوبے ہوتے ہیں مثلاً

قائد الخلق بالھدیٰ والعون - شاہ لولاک ما خلقت الکون
لیس اھدی سوی الصلاۃ علیہ - یا مفیض الوجود صل علیہ
لیس کلامی یفی بنعت کمالہ - صل الھدیٰ علی النبی والہ [۷]

---

(۱) اردو کی نعتیہ شاعری ڈاکٹر فرمان فتح پوری ص ۳۲ (۲) حیات صوفیہ تلخیص نفحات الانس مولانا جامی ص ۵۳۰ (۳) معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ مقدمہ ص ۱۳۴ (۴) حالات جامی کے لئے ملاحظہ ہو: الاعلام ص ۲/۶۷، ۶۱ حیات صوفیہ تلخیص نفحات الانس از محمود ادریس انصاری ص: ۲۲ تا ۲۸، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۷/۵۸ تا ۶۱، حیات جامی از اسلم ۱ تا ۸۰ (۵) نعت حضرت رسول اکرم در شعر فارسی ص ۳۳ (۶) نعت حضرت رسول اکرم در شعر فارسی ص ۵۹ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۵۷، ۵۹، ۴۸

- ملا معین کاشفی (م ۹۰۷ھ) "معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ" کے مولف ہیں شعر کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں فارسی کے پہلو بہ پہلو عربی شعر پر بھی قدرت حاصل تھی۔ معارج میں واقعات سرائی کے دوران میں بعض شعر درج کر دیتے ہیں جو موضوع سے مطابق ہوتے ہیں اسلئے اثر آفرینی کا موجب بنتے ہیں۔

ایا خیر مبعوث الی خیر عالم - واکرم موجود لحوا و آدم
و یا خیر منصوب الی خیر محتد - و یا خیر فرع من دوابۃ ہاشم
و انت الذی ترجی الشفاعۃ عندہ - و شلاء من یرجی لرفع العظائم [1]

- مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی (م ۹۴۲ھ) نامور شاعر، ادیب، سیاح اور صوفی تھے، خسرو ثانی کا لقب سزاوار ہے "سیر العارفین" کے دیباچہ میں حمد و نعت کے شعر لکھے، نعت کے شعر یہ ہیں:

شھد النجوم علی جلالۃ قدرہ - و اعلی الکواکب قدرہ تعظیما
نادی ملائکۃ السماء منادیا - صلوا علیہ و سلموا تسلیما [2]

- قاآنی (م ۱۲۷۰ھ) دورِ قاچار کا معروف ترین شاعر جسے فتح علی قاچار نے "مجتہد الشعراء" کا خطاب دیا تھا [3]
قاآنی کو قدرتِ کلام کی دولت حاصل ہے، تشبیہات و استعارات کا وہ سماں باندھتا ہے کہ قاری مسحور ہو جاتا ہے، حکایت نگاری اور منظر کشی میں اسے پوری دسترس حاصل ہے۔ اس کے الفاظ نگینوں کی طرح جڑے ہوتے ہیں شوکتِ الفاظ کا بادشاہ ہے غرضیکہ باکمال شاعر ہے جس کی روانی آبشار کی سی ہے۔ فارسی شعروں میں عربی کے ٹکڑے لاتا ہے اور کبھی خالص عربی شعر کہتا ہے جن پر اسے اسی طرح دسترس حاصل ہے جیسے فارسی شعروں پر نعت کے دو شعر ہیں جو فارسی قصیدے کے وسط میں موجود ہیں۔

اَلَّذِی رُدَّتْ اِلَیْہِ الشَّمْسُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ - کَانَ اُمِّیًّا وَّلٰکِنْ عِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَاب۔
وَالَّذِی فِی کَفِّہِ الْکُفَّارُ لَمَّا اَبْصَرُوا - کَلَّمَ الْحَصْبَاءُ قَالُوْا اِنَّہٗ شَیْءٌ عُجَابٌ [4]

حرف روی کی حد تک عربی کی مطابقت ہے مگر پوری مذکور نہیں اسلئے کہ قافیہ مقید ہے اور یہ فارسی کا اثر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ "عربی شاعری" کے اثرات فارسی پر بتدریج بڑھتے رہے مگر پھر ایک وقت آیا کہ فارسی کو سطوت حاصل ہو گئی اور عربی، ایران کی حد تک پسپائی اختیار کر گئی۔ ایرانیوں نے عربی کو اپنے مذاق کے مطابق ڈھال لیا تھا اور یہی اثر برِصغیر میں آیا اسلئے برِصغیر کی عربی شاعری پر بھی مقامی اثرات پڑتے رہے اور شاعری کا لب و لہجہ عجمی اسلوب سے قریب تر رہا جو عربوں کیلئے قدرے غیر مانوس تھا اسی لئے عربوں کے ہاں ایرانی اور برِصغیر کے شعراء کو وہ پذیرائی نہ ملی جس کے یہ مستحق تھے، آئندہ صفحات میں ہم برِصغیر کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے

---

(۱) معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ ص ۸۴ (۲) سیر العارفین ص ۱۲۳ (۳) دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۶/۱ ص ۴

(۴) انتخاب قصائد از کلیات حکیم قاآنی ص ۱۳۔

"المدائح النبویۃ فی پاکستان و ہند"

برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری

"الباب الرابع"

المدائح النبویہ ـــ برصغیر پاک و ہند میں

۱ - ابتدائی خد و خال

۲ - ذوق شعری اور المدائح النبویہ کی روایت

عرب اور برّصغیر پاک وہند کے تعلّقات

معلوم دُنیا کے وہ ممالک جنہیں اپنی تہذیبی قدامت اور ثقافتی سربلندی کا ہمیشہ سے احساس رہا ہے اُن میں مصر، یونان، چین، جنوبی عرب اور برّصغیر شامل ہیں۔ ہر ایک نے تاریخی شواہد اور اکتشافی معلومات کے سہارے اپنے تمدن کو ماضی مرحوم کے دور دراز دھندلکوں میں تلاش کرنے کی سعی کی ہے اور یقیناً سب کے پاس اپنی اپنی فضیلت کے چند نقوش بطور ثبوت موجود ہیں، برّصغیر کے علماء اور مؤرخین نے بھی اس کاوش میں نہایت جاں فشانی سے حصّہ لیا ہے اور بعض ایسے اکتشافات بھی کئے ہیں جن کی صحت کے لئے جدید دور کی تنقید کا معیار مکمل طور پر منطبق نہیں ہے مگر شدید تحقیقی نظر قدیم روایات پر ڈالنا کسی کے لئے بھی سود مند نہ ہوگا کہ گفتگو اُس دور کے متعلق ہے جہاں راہِ سفر چند اندازوں سے ہی متعین ہوتی ہے۔ قبل از تاریخ کے واقعات کو اس تنقیدی نظر کے باوجود تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ماضی کے اندھیروں سے جو کچھ مل سکے وہی غنیمت ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جب ہم برّصغیر کے ماضی کا کھوج لگاتے ہیں تو روایات کے الجھے ہوئے سلسلوں میں سے چند اشارات ہماری دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔

برّصغیر پاک وہند کے علماء کا خیال ہے کہ یہ وہ محترم ملک ہے جہاں سے نسل آدم کی ابتداء ہوئی ہے اور یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام جو نسلِ انسانی کے مورثِ اعلیٰ اور تخلیق انسانی کا نقطۂ آغاز ہیں اسی سرزمین پر اُتارے گئے ہیں، مقامی دعووں کی تائید میں چند ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن کا اسناد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے۔ مثلاً " امام ابن ابی حاتم الرازی، ابوعبداللہ الحاکم، امام ابن جریر الطبری اور امام السیوطی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث نقل کی ہے اور الحاکم نے اس روایت کی صحت بھی بیان کی ہے کہ :

إنّ اوّلُ ما اھبط اللہ ادم الیٰ أرضِ الھند وَفی لفظ بدجنیٰ أرضِ الھند "

علماء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ دجنیٰ، دکھن یا دکھنا کا معرّب ہے اور اس سے سراندیپ مراد ہے۔ [۱] ۔ سیّد سلیمان ندوی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں : "متعدد روایتوں سے یہ بیان آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب آسمان کی جنّت سے نکالے گئے تو وہ اسی زمین کی 'جنّت' میں جس کا نام 'ہندوستان جنت نشان' ہے اتارے گئے، سراندیپ (لنکا) میں اُنہوں نے پہلا قدم رکھا جس کا نشان اُس کے ایک پہاڑ پر موجود ہے" [۲] ، کعب الاحبار رح سے روایت ہے : کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں ممنوعہ پھل کھالیا تو جبرئیل علیہ السلام کو حکم ملا کہ اُنہیں زمین پر اتار دے تو پھر " انّ جبرئیل أخذ بید ادم وھو عریان مکشوف الرأس فھبط بہ الی الارض عند غروب الشمس من یوم الجمعۃ فأھبط علی جبل من جبال الھند یقال لہ الراھون " [۳] ، 'الراھون' کونسا پہاڑ ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے " امّا جبل الراھون وھو الذی اھبط علیہ ادم علیہ السلام لما اخرج من الجنۃ ویذکر أنّ فی ھذا الجبل أثر أقدام ادم وھی مغموسۃ فی الحجر وطولھا نحو عشرۃ اذرع ..... وھو محیط بأرض الھند مشرف علی وادی سراندیپ " [۴]

ان روایات کے برعکس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : حضرت آدم علیہ السلام پہلے مکہ میں بیت اللہ کی جگہ پر اتارے گئے پھر آپ وہاں سے چلے : فتخطّی فاذا ھو بارض الھند فمکث ھنالک ما شاء اللہ ثم استوحش الی البیت " [۵]

---

(۱) عرب وہند، عہد رسالت میں، قاضی اطہر مبارک پوری ص : ۱۵۱ ۔ (۲) عرب وہند کے تعلقات ص : ۱، ۲) (۳) بدائع الزھور فی وقائع الدھور ص : ۳۶ ۔ (۴) حوالہ مذکورہ ص : ۲۰ (۵) عرب وہند، عہد رسالت میں قاضی اطہر مبارک پوری ص : ۱۵۱، ۱۵۲ بحوالہ القِریٰ لقاصد ام القریٰ محب الدین الطبری طبع مصر ۲۲ ۔

نواب صدیق حسن خان کہتے ہیں : " واختلف فی قضیۃ ھابیل این وقعت فمنھم من ذھب الی انھا وقعت بالھند علی جبل نود الذی نزل علیہ آدم علیہ السلام من السماء " ۱؎

ان روایات سے حضرت آدم علیہ السلام کا جنوبی ھند میں نزول یا بعد از نزول وہاں توطن ثابت ہوتا ہے اور مزید یہ کہ کافی عرصہ قیام کی خبر بھی ملتی ہے ۔ کیونکہ ہابیل اور قابیل کی باہمی چپقلش اور ہابیل کا قتل اسی سرزمین پر بتایا جاتا ہے ۔ اگر یہ روایت درست ہے تو مین ممکن ہے کہ اس واقعے کی حکایت ہندی میں انسانی ہاتھوں نے کتربیونت کر دی ہو اور رام چندر جی کی بیوی سیتا اور شیطان راون کا واقعہ اختراع کر لیا ہو جس میں باعث نزاع عورت کا وجود ہے ۔ اور واقعے کی نسبت بھی لنکا سے ہے جیسا کہ البیرونی کا کہنا ہے ۔ ۲؎ ، اگر برصغیر کے بارے میں یہ واقعات اس کے شرف کے باعث ہیں تو سرزمین عرب کو اس سے کہیں بڑھ کر شرف وافتخار حاصل ہے ۔ عرب کو سرزمین انبیاء ہونے کا فخر حاصل ہے ۔ جنوبی عرب کا تہذیبی ارتقاء تو قبل از تاریخ اعصار میں بھی معروف رہا ہے ۔ عماد کے ستون محلات ، ان کی بے مثل صنعت اور قابل فخر قوت کا قرآن مجید نے بھی حوالہ دیا ہے ۔

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُھَا فِی الْبِلَادِ ۔ ۳؎ ۔

تہذیب کی اپنی مہک ہوتی ہے کہ وہ فاصلوں کے باوجود ہم جنسی کی کشش رکھتی ہے اسی لئے زمانۂ قدیم ہی سے عرب اور برصغیر کا تعلق استوار ہو چکا تھا ۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جنوبی ھند نازل ہونا یا عرب میں نزول فرما کر ھند چلے آنا باہمی رابطے کی پہلی کڑی ہے ۔ جدِ اولادِ آدم کے قدم دونوں سرزمینوں کو پہلا رشتۂ اخوت عطا کر رہے ہیں ۔ جزیرہ نمائے عرب کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہاں سے توحید کا آوازہ گونجا ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیف کی دعوت کو وہیں سے تمام دُنیا نے سنا اور تمام انسانیت کے لئے قبلہ اُسی سرزمین پر مقرر کیا گیا ، برصغیر کو بھی ایک عظمت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پہلا پیغام براہ راست اسی سرزمین پر تشریف لایا ، آزاد بلگرامی سچ کہتے ہیں کہ برصغیر کو پہلی وحی کے نزول کا شرف حاصل ہے ، آزاد تو یہ بھی نقطہ آفرینی کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے سرزمین ہند پر پہلے قدم رکھے تو یوں سمجھئے کہ اُن کی صلب میں ودیعت کئے گئے نورِ محمدی نے بھی آسمان رفعت سے قرار زمین پر پہلی مرتبہ یہیں اجلال فرمایا ، اسی لئے حدیث میں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : " مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے " ۴؎ ، علامہ اقبال نے اسی تاثر کو یوں بیان فرمایا ؛

؎ میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے ۔ ۵؎

اس تعلق باہمی کو مزید تقویت جغرافیائی قرب ، پیداواری مناسبت اور تجارتی ضرورت نے مہیا کر دی ۔

جزیرہ نمائے عرب جسے عرب صرف جزیرہ کہتے ہیں اور برصغیر کے ساحل کے آمنے سامنے ہیں ۔ درمیان میں صرف بحر ھند حائل ہے جس کی ایک شاخ بحیرہ عرب کہلاتی ہے ۔ اس جغرافیائی تعلق سے بھی واضح ہوتا ہے کہ عرب اور ہند کا رابطہ کس قدر مضبوط تھا کہ عربوں کے ساحل پر دستک دینے والا سمندر 'بحیرہ عرب' ہند کے کناروں پر مچلنے والے سمندر 'بحر ہند' کا ایک حصہ ہے ۔ یہ درمیانی سمندر ہر دو ممالک کے طالع آزما افراد کی جولانی طبع کا تختۂ مشق رہا ہے ۔ باہمی تجارت کا یہ بحری راستہ زمانۂ قدیم سے ہی معروف ہے ۔ مسٹر کسٹ (Mr. CUST) کے الفاظ ہیں ۔ " بلاشبہ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یمن اور جنوبی ہند کے درمیان بہت قدیم عہد سے سلسلہ تجارت جاری تھا " ۶؎ ، جنوبی عرب کا شہر عدن اور جنوبی ہند کا جزیرہ 'سیلان' تجارتی طور پر آپس میں اس قدر قرب حاصل کر چکے تھے کہ اُن کے درمیان تجارتی بیڑے مسلسل رواں دواں رہتے تھے ۔ کہا جاتا ہے " کہ وہ شہر جس کو مصر و ہند اور چین کی تجارت کے سلسلے میں اوائل قرون مسیحی میں اہمیت حاصل تھی وہ شہر عدن ہی تھا " ۷؎ ، اور مزید یہ کہ " وہ لوگ

---

(۱) ابجد العلوم ص : ۲۱۱ ۔ (۲) کتاب الہند اُردو ترجمہ ص : ۲۱۲ ۔ (۳) الفجر : ۷،۸ ۔ (۴) عرب و ہند کے تعلقات ص : ۳ ۔ (۵) کلیات اقبال اردو ص : ۸۷ ۔ (۶) تمدن ہند پر اسلامی اثرات ڈاکٹر تارا چند ۔ اردو ترجمہ ص : ۴۸ ۔ (۷) چین و عرب کے تعلقات اور اُن کے نتائج ، بدرالدین چینی ص : ۲۴ ۔

جو مال کے تبادلے میں چین اور خلیج فارس کے درمیان چھٹی صدی میں آتے جاتے تھے ان میں سے عرب، ایرانی اور حبشی سب تھے ان کا مرکز جزیرہ سیلان تھا " ۱ ۔ اسی طرح کی ایک بندرگاہ کولم بھی تھی۔ ۲ " یونانی اور رومن جہازوں میں زیادہ تر ملاح عرب ہوتے تھے، عرب تاجر چین جاتے ہوئے کورومنڈل کے ساحل سے گزرتے تھے " ۳ ، اس باہمی تجارت میں ہندی زیادہ فعال نہ تھے بلکہ عرب ہی پیش پیش تھے اس کی وجہ جغرافیائی ہوسکتی ہے اور معاشرتی بھی ۔

جزیرہ نمائے عرب کا بیشتر حصہ صحرا تھا جہاں سموم کے جھونکے انسانی جانوں کے لئے قدم قدم پر خطرے کا باعث بنتے تھے ۔ پیداواری صلاحیت کم تھی۔ صرف جنوبی عرب شاداب و آباد تھا جہاں جنس تجارت کے کچھ سامان میسر تھے مگر بیشتر ضرورتوں کے لئے انہیں باہر دیکھنا پڑتا تھا، برصغیر آباد و زرخیز ملک تھا جہاں کی زمین سونا اگلتی تھی، پہاڑ، چشمے، دریا، ندی نالے سرزمین ہند کو مالا مال کئے ہوئے تھے اس لئے عربوں کی نظریں ادھر اٹھتی تھیں، ساحلی باشندے اچھے جہاز ران اور کم پیداوار کے علاقوں والے بہتر تاجر ثابت ہوتے ہیں، عرب اچھے ملاح تھے اور قابلِ اعتماد تاجر بھی کہ انہیں مسلسل دوسرے ملکوں میں جانا تھا اسلئے اپنا وقار برقرار رکھنا ضروری تھا۔ عرب و ہند کے تجارتی تعلقات باہمی تبادلۂ آبادی سے مضبوط ہوگئے تھے۔ اور ہر دو ممالک نے ایک دوسرے کے اثرات قبول کرلئے تھے یہ اثرات بلا واسطہ بھی تھے اور بالواسطہ بھی اور یہ واسطہ ایران تھا کہ اسے عرب و ہند کے درمیان ایک مضبوط پڑاؤ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ " ظہورِ اسلام سے قبل فارس کی فوج میں ہندی سپاہیوں کا ایک امدادی دستہ شامل تھا جس میں خوفناک جاٹ (انرط) سیابجہ اور اساویرہ بھرتی کئے جاتے تھے ...... سیابجہ سماترہ کے قدیم تارکانِ وطن کی اولاد تھے جو پہلے ہند میں اور پھر عراق اور خلیج فارس کے علاقوں میں آباد ہوئے ..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ ہندی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فاتحوں سے جا ملے اور اسلام قبول کرلیا۔ ان لوگوں نے بصرہ کے گرد و نواح میں سکونت اختیار کرلی اور بنو تمیم کے حلیف بن گئے ۴ ، یہ لوگ اس درجہ قابلِ اعتماد ثابت ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں خانہ جنگی کے ہنگامہ خیز دور میں جاٹوں کو بصرہ کے بیت المال کی حفاظت کرنے کا فرض سونپا گیا تھا چنانچہ بصرہ میں بیت المال کے محافظوں کا سردار ابو سالم جاٹ ایک مرد صالح تھا۔ ۵ ۔

ان تعلقات کے اثرات عربوں کی سماجی زندگی پر اتنے گہرے ہوچکے تھے کہ جب اسلام کا آغاز ہوا تو عربوں کے لئے برصغیر پاک و ہند کوئی غیر مانوس علاقہ نہ تھا بلکہ اُن کی معاشرت اور اُن کے تہذیبی مظاہر میں ہندی روایات کی ایک جھلک صاف نمایاں تھی ۔

علماء تفسیر اور علماء لغت کے خیال کے مطابق قرآن مجید میں ہندی الاصل اسماء بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً :

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۶ ۔ مسک ہندی موشکا کا معرب ہے ۔

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۷ ، زنجبیل، ہندی 'زنجابیرا' سے ماخوذ ہے ۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ، ۸ برصغیر میں اسے کاپور کہا جاتا ہے ۔

احادیث مبارکہ میں برصغیر کا متعدد بار ذکر آیا ہے اور نہایت ہی مثبت انداز میں برصغیر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مثلاً :

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : " قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِصَابَتَانِ مِنْ اُمَّتِيْ اَحْرَزَهُمَا اللّٰهُ مِنَ النَّارِ، عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ " ۹ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہند کا

---

(۱) چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج، بدرالدین چینی ص ۱۴۸ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۱۵۱ (۳) تمدنِ ہند پر اسلامی اثرات ڈاکٹر تارا چند اردو ترجمہ ص : ۴۸ ۔
(۴) فتوح البلدان القسم الثانی ص : ۴۵۹ (۵) حوالہ مذکورہ ص : ۴۶۲، ۴۶۳ (۶) المطففین : ۲۵، ۲۶
(۷) الدھر : ۱۷ ۔ (۸) الدھر : ۵ ۔ (۹) سنن النسائی کتاب الجہاد باب غزوۃ الہند ص : ۶۳/۲ ۔

دائرہ اسلام میں داخل ہونا اس حد تک مستحسن تھا کہ آپ غزوہ ہند میں شریک مجاہدین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفقاء سے مشابہ قرار دے رہے ہیں اور نار دوزخ سے نجات کی نوید سنا رہے ہیں اس فرمان نبوی کا اثر تھا کہ صحابہ کے دل میں غزوہ ہند کی شرکت کا ارمان مچلتا رہا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ الھند فان ادرکتھا اُنفق فیھا نفسی ومالی فان اُقتل کنتُ من افضل الشھداء وان اُرجع فانا ابوھریرۃ المحرر" ۔[1]

یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ جس سے ذہنی تعلق اور قلبی رابطہ ہو اُس کا ذکر اچھا لگتا ہے اور زبان پر ایسے کلمات آتے ہیں کہ جن کے بین السطور اُسی کا ذکر ہوتا ہے۔ عربوں کا ہند سے اتنا قریبی تعلق تھا کہ اُن کی گفتگو میں اکثر ہند کا حوالہ مل جاتا ہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار ہند کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت نجران کے ایک قبیلے بنو حارث بن کعب کا وفد حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر آیا تو آپ نے اُنہیں دیکھتے ہی فرمایا۔ "من ھولاء القوم الذین کانھم رجال الھند" ۔[2] حدیث معراج میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہیں: "اما موسیٰ فآدم سبط کانہ من رجال الزط" ۔[3] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنوں کی شکل و صورت بیان کرتے ہیں: "بینا انا جالس فی خطی اذا اتانی رجال کانھم الزط اشعارھم واجسامھم" ۔[4] حدیث مبارک میں 'دجاج سندی' یعنی سندھی مرغی کا ذکر بھی آیا ہے۔[5] حضرت کعب بن مالک کے شعر میں ہندی تلواروں کا ذکر ملتا ہے۔[6] احادیث میں 'مسک' کا ذکر ایک عمدہ اور فرحت بخش خوشبو کے طور پر کئی بار آیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من خیر طیبکم المسک" ۔[7] آپ خود بھی اسے استعمال کرتے تھے۔ "یأخذ المسک فیمسح بہ رأسہ ولحیتہ" ۔[8] حتی کہ جب آپ نے دُنیا سے پردہ فرمایا تو غسل میں بھی مسک استعمال کیا گیا کچھ بچ رہا جس کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی۔ "کان عند علی مسک فاوصی ان یحنط بہ قال وقال علی ھو فضل حنوط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ۔[9] مسک کا استعمال درجہ تواتر سے ثابت ہے اسی لئے تو ایک مغربی عالم جسے اس کے خون ہونے کی بنا پر قباحت کا احساس تھا کہتا ہے "لولا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد تطیب بالمسک ما تطیبت" ۔[10] صحابہ کرام ہند کے ذکر سے فرحت پاتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عرب سیاح سے جب ہند کے بارے میں پوچھا تو اُس نے جواب دیا، "بحرھا در، وجبلھا یاقوت وشجرھا عطر" ۔[11]

عرب معاشرے میں ہند اور ہند کے متعلقات پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ لفظ 'ہند' سے اُنہیں محبت کی بُو آتی تھی اسی لئے تو انہوں نے بچیوں کے نام 'ھند' رکھنے شروع کر دیئے تھے اور یہ نام اُن کے ہاں اس قدر مقبول ہُوا کہ 'محبوبہ' کا قائم مقام ہو گیا جیسا کہ فارسی میں لیلیٰ اور شیریں ہے۔[12] ہند سے ہندہ، ہند کی ہندی کے اسماء بنائے گئے، 'ھندہ' کا نام تو تاریخ اسلام کے کسی طالب علم سے بھی مخفی نہیں ہے کہ یہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے۔ ہند کی سے ہندکیۃ پیار و محبت کا لاحقہ تھا۔ حضرت ابو طالب کا شعر ہے:-

بنی امۃ محبوبۃ ھندکیۃ — بنی جمع عبید قیس بن عاقل [13]

یہ اثرات یک طرفہ نہ تھے، برصغیر میں عربوں کی مسلسل آمد اور تجارتی راہ و رسم نے کئی لسانی و تہذیبی تبدیلیاں کی تھیں۔ برصغیر میں یہ اثرات صرف چند مفردات کو ختم کرنے تک ہی محدود نہ رہے بلکہ مستقل تہذیبی مظہر بن گئے۔ برصغیر کو 'ھند' کے نام سے تعبیر کرنا عربوں نے شروع کیا تھا ورنہ یہ ملک مختلف اقطاع میں منقسم تھا اور

---

(۱) سنن نسائی کتاب الجہاد باب غزوۃ الہند ص ۲/۴۳ (۲) سیرت ابن ہشام الجزء الرابع ص: ۱۹۴ ۔ (۳) صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم ص: ۴۸۹/۱ عن ابن عمر۔
(۴) جامع ترمذی ابواب الامثال المجلد الثانی ص: ۱۲۸ ۔ (۵) عرب و ہند عہد رسالت میں قاضی اطہر مبارک پوری ص: ۵۲ ۔ (۶) عرب و ہند عہد رسالت میں، قاضی اطہر مبارک پوری ص: ۳۶ ۔ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۱۴۰ (۸) حوالہ مذکورہ
(۹) طبقات ابن سعد الجزء الثانی ص ۲۸۸ (۱۰) عرب و ہند عہد رسالت میں ص: ۱۴۰ (۱۱) عرب و ہند کے تعلقات ص: ۵۰ ۔
(۱۲) حوالہ مذکورہ ص: ۱۳ ۔ (۱۳) سیرت ابن ہشام الجزء الاول ص: ۲۹۶ ۔

ہر ایک کے لئے جدا نام مقرر تھا۔ اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ ملک ہند کو عرفی وحدت اور پہچان کی اکائی عربوں نے عطا کی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ قبل از تاریخ کے اجزیر دور یعنی عہد مہابھارت میں اہل ہند عربی زبان سے واقف تھے، ستیارتھ پرکاش، کے مصنف سوامی دیانندجی نے گیارہویں سمولاس (پہلا پرو، ادھیایہ ۱۴۷) میں لکھا ہے: کہ مہابھارت میں جب کورؤوں نے لاکھ کا گھر بنا کر پانڈوؤں کو اس کے اندر جلا کر پھونک دینا چاہا تو ودرجی نے یدھشٹر کو عربی زبان میں بتایا اور یدھشٹر جی نے اسی عربی زبان میں انکو جواب دیا۔ [۱]

رسم الخط کسی قوم کا حضاری مظہر ہوتا ہے۔ یہ تحقیق سے ثابت ہے کہ قدیم ہند میں سنسکرت جو آریائی زبانوں کی بنیادی زبان ہے تمام آریائی زبانوں کی طرح بائیں سے دائیں ہی لکھی جاتی تھی لیکن اثری انکشافات جو تین سو سال قبل مسیح تک چلے گئے ہیں۔ ثابت کرتے ہیں کہ قدیم کتبات کا رسم الخط سامی زبانوں کی طرح دائیں سے بائیں جانب تھا۔ اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ عربوں کے سامی اثرات ماضی بعید تک پھیلے ہوئے ہیں۔ [۲]

صحابہ کرام اور برصغیر:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اشارات جن کا اوراق مذکورہ صدر میں تذکرہ ہوا سے صحابہ کرام کے دل میں ھند کیلئے ایک غیر معمولی خواہش کا پیدا ہو جانا یقینی تھا۔ مگر سیاسی حالات کی توافق کے بغیر اس مہم پر روانہ ہونا ممکن نہ تھا۔ عہد رسالت میں جزیرہ نمائے عرب پر اسلامی پرچم لہرانے لگا تھا اور قرب وجوار کی مملکتوں کو دعوتِ اسلامی کا ابتدائی کام مکمل ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مختصر مگر قابل توجہ دور میں اندرونی خلفشار سے نپٹنا پڑا۔ ارتداد کی آندھی اٹھی اور مخاصمت کا آخری ردِ عمل ہوا مگر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کی مومنانہ بصیرت کے سامنے ہر باطل کوشش دم توڑ گئی، وقت آگیا تھا کہ اسلام کا ابدی پیغام حدود عرب سے باہر تک پھیلے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں توسیع مملکت کا آغاز ہوا اور ساحلِ سندھ کی طرف توجہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عتبہ بن غزوان رضہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ۱۴ھ / ۶۳۴ میں ابلّہ (موجودہ بصرہ) پر پیش قدمی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اسلام کے قدم ارض سندھ پر جما دیئے جائیں۔ [۳] ۱۵ھ میں عثمان بن ابی العاص الثقفی کو بحرین وعمان کا حاکم مقرر کیا، انہوں نے بہت آگے بڑھ کر برصغیر کی بندرگاہ "تانہ" پر حملہ کیا (یہ بندرگاہ بمبئی کے قریب ہے اور مقامی زبان میں تھانہ کہلاتی ہے) تو یہ زود رفتاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پسند نہ آئی اس لئے اطلاع ملنے پر سخت وعید جاری کی۔ " یا اخا ثقیف حملت دودا علی عود وانی احلف باللہ ان لو اصیبوا لاخذت من قومک مثلھم " [۴] عثمان کے بھائی حکم نے بھڑوچ اور ان کے دوسرے بھائی مغیرہ نے دیبل کی بندرگاہ پر حملے کئے [۵]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عبداللہ بن عامر اس سرحد پر حاکم مقرر ہوئے تو انہیں فوری طور پر برصغیر کے حالات کی تحقیق کا حکم دیا گیا، عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلۃ العبدی کو اس مشن پر روانہ کیا جب وہ واپس لوٹے تو دربار خلافت میں بھجوائے گئے تاکہ تمام حالات گوش گزار کریں حکیم بن جبلۃ شاعر طبیعت سپہ سالار تھے انہوں نے سندھ کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا " ماؤھا وشل، تمرھا دقل و لصھا بطل، ان قل الجیش فیھا ضاعوا وان کثروا جاعوا " [۶] یہ مسجع خوانی سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اصل صورت حال ہی یہ ہے کہ صرف شاعری کر رہے ہو، کہنے لگے اصل حالات ہی ایسے ہیں، ان اطلاعات کی روشنی میں باقاعدہ حملے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے زمانے میں "الحارث بن مرۃ العبدی" سرحد سندھ کے والی تھے۔ حالات ناسازگار تھے، ۴۲ھ میں الحارث اپنے ساتھیوں سمیت قیقان (یعنی قلات) میں قتل کر دیئے گئے۔ [۷] ان تاریخی شواہد سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ خلافت راشدہ کے اختتام تک مسلمان بلوچستان اور سندھ کے اندرون تک اثر انداز ہونے لگے تھے اور ان کے کئی ساتھی رضاکارانہ پیش قدمی کر رہے تھے۔ مکران یعنی جنوبی بلوچستان اور جنوبی سجستان یعنی موجودہ شمالی بلوچستان ۲۳ھ تک فتح ہو چکا تھا، اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے قدم سندھ کے برہمن خاندان کی حدود کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کل بارہ سال بعد ہی

---

(۱) عرب وہند کے تعلقات ص: ۱۰، ۱۱ (۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، عرب وہند کے تعلقات ص: ۸ تا ۱۰ (۳) علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ ڈاکٹر اسحاق ص ۱۸
(۴) فتوح البلدان القسم الثالث ص ۵۳۰ (۵) حوالہ مذکورہ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۵۳۱
(۷) حوالہ مذکورہ

چھوٹنے لگے تھے۔ [1] بنو امیہ کے برسرِ اقتدار آنے پر اس تگ و تاز میں کوئی کمزوری نہ آئی اور عراق کا گورنر مسلسل ان سرحدوں پر کڑی نظر رکھے رہا۔ مہلب بن ابی صفرہ اموی دور کا وہ شہرت یافتہ جرنیل ہے جس نے اہالیانِ قلات سے ماضی کی ستم رانیوں کا بدلہ لیا۔ مہلب کے بعد متعدد سپہ سالار مقرر ہوئے جو بتدریج پیش قدمی کرنے اور مفتوحہ علاقوں کو مضبوط بنانے میں مشغول رہے تاآنکہ ولید بن عبدالملک تخت دمشق پر متمکن ہوا جس کے عہد میں فتح ہند کا باقاعدہ اور منضبط اہتمام ہوا۔

عہدِ رسالت سے محمد بن قاسم کے حملے تک مندرجہ ذیل صحابہ کرام کے اسمائے گرامی ملتے ہیں جو برِصغیر میں تشریف لائے اور یوں اس سرزمین کو صحابہ کی قدم بوسی کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

(۱) عبداللہ بن عبداللہ بن عتیق رضؓ (۲) عاصم بن عمرو التمیمی رضؓ۔ (۳) صحار بن العبدی رضؓ۔
(۴) سہیل بن عدی رضؓ۔ (۵) الحکم بن ابی العاص الثقفی رضؓ۔ (۶) عبیداللہ بن معمر التمیمی رضؓ۔
(۷) عبدالرحمٰن بن سمرہ رضؓ۔ (۸) سنان بن سلمہ الہذلی جن کا مزار قصدار میں ہے۔ [2]

ان کے علاوہ کئی تاریخی یا نیم تاریخی حکایات ایسی بھی ہیں جن سے صحابہ کرام کے ہند میں آنے بلکہ اس سے ورے چین تک پیش قدمی فرمانے کا ثبوت ملتا ہے اور بعض صحابہ کی ان علاقوں میں وفات کا ذکر ملتا ہے جن کی نسبت سے بعض علاقوں میں متبرک آثار بھی بتائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند روایات قابلِ توجہ ہیں۔

'سواحلِ ہندوستان پر مسلمانوں کا توطن' کے عنوان کے تحت مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم رقمطراز ہیں:-

"حضرت تمیم انصاری کا مزار بمقام کوولم جو ساحلِ مدراس سے جانب جنوب ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے جس کی زیارت سے میں بھی متعدد دفعہ مشرف ہو چکا ہوں۔ اور حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کا مزار بمقام محمود بندر (مدراس کی جانب ساحلِ کارومنڈل پر واقع ہے) اس کے ثبوت میں موجود ہے جبکہ چین کے بندر کیانٹن میں حضرت وھب رضی اللہ عنہ کا مزار گویا تواتر سے ثابت ہے۔ تو پھر ساحلِ کارومنڈل میں ان کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ [3]

بمبئی کے قریب تھانہ میں صحابہ کرام کا مدفن بیان کیا جاتا ہے۔ عرس وغیرہ کا انعقاد بھی ہوتا ہے۔ [4]

مغربی ساحل مالابار کی طرح مشرقی ساحل کارومنڈل میں بھی ان داعیانِ اسلام کے آثار اولین ملتے ہیں، [5] ان متبرک ناموں کی شہرت بجائے خود ایک ثبوت ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ان ناموں کی شہرت کو تسلیم کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کو مقامی لوگ 'مدکاس' کہتے ہیں۔ [6] مگر ڈاکٹر صاحب کو ان روایات کے تسلیم کرنے میں تامل ہے۔ ان روایات میں ایک روایت جس میں سعد بن ابی وقاص رضؓ کے چین آنے اور وہاں دفن ہونے اور ان کے مزار کے ساتھ ایک مسجد کی تعمیر کے ذکر نے ان کی (تشکیل) کو تقویت دی ہو، مگر مسجد کو فنِ تعمیر سے ان کو یقین ہوا ہے کہ یہ عہد خلافت عباسیہ کے زمانے کی چیزیں ہیں۔ [7]

مولوی بدرالدین چینی، چین میں صحابہ کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"آپ کے بہت سے اصحاب تھے جن میں سے چار چین "عہد ووٹہ" (WUTEH) (۶۱۸ تا ۶۲۶ء) میں بھیجے گئے تھے ایک نے تو تبلیغ کی غرض سے شہر قانتون میں قیام اختیار کر لیا اور دوسرا شہر یانگ چاؤ گیا جہاں وہ اسلام پھیلاتا رہا اور تیسرا و چوتھا 'چوان چاؤ' آئے جہاں ان کی وفات ہوئی اور اس پہاڑ پر مدفون ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ اہلِ 'چوان چاؤ' کے کفار میں بھی یہ روایت جاری ہے کہ وہ دونوں مقبرے، دو عرب شیخوں کے ہیں جو عہد تانگ میں چین تشریف لائے اور وہاں انتقال کر گئے۔" [8]

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کانتون میں مقبرہ کس کا ہے، تاریخی روایات خاموش بلکہ متصادم ہیں۔ یہ مقبرہ یقیناً کسی ایسے شخص کا تھا جو "عرب زعماء" میں سے تھا جو چین میں آکر آباد

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۳ فارسی ادب نمبر ۱ ص۱۔ (۲) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر اسحاق ص ۲ تا ۳۲۔ (۳) دکنی کلچر۔ محمد نصیر الدین ہاشمی ص۱۱۔ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۳۲۔ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۲۴۔ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۳۷۔ (۷) حوالہ مذکورہ ص: ۳۸ تا ۴۶۔ (۸) چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج ص ۲۲۷۔

ہوا اور معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ چین اُس کی بڑی عزت کرتے تھے اور اس کے وقت کے مسلمان اس کی راہبری مانتے تھے، اس واسطے اس کے مرنے کے بعد بھی وہ اس کے مقبرے کا احترام کرتے تھے۔" [۱]

ان روایات سے یہ نتیجہ نکلا کہ صحابہ کرام کا ورود برصغیر میں بلکہ اس سے بہت آگے چین تک ہو گیا تھا۔ ان کے ناموں میں اشتباہ تاریخی سندھ کی غیر یقینی حالت اور مرور ایام سے ممکن ہے لیکن ان کے وجود سے انکار کے لئے کوئی مضبوط دلیل موجود نہیں ہے۔

یہ تو عربوں کی برصغیر میں آمد کے تذکرے تھے لیکن اس کے برعکس ہند سے بھی لوگ نقل مکانی کر کے عرب جاتے رہے ان میں سے بعض صرف حالات کا جائزہ لینے اور نئے دین کی مبادیات سے آگاہی پانے کے لئے گئے مگر بعض وہاں آباد ہو گئے۔ یہ تبادلہ آبادی کا رجحان وقت کے ساتھ ساتھ تیز تر ہو گیا حتیٰکہ دونوں ملکوں میں آبادکاروں کی کثیر تعداد مقامی آبادی کا حصہ بن گئی۔ چند روایات ایضاح مقصود کے لئے کافی ہوں گی۔

"سراندیپ اور اس کے نواحی علاقوں کو جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنا ایک فہیم و زیرک قاصد تحقیق حال کے لئے عرب بھیجا لیکن جب وہ مدینہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی وفات پا چکے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور تھا۔ یہ قاصد ان سے ملا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تفصیلاً تمام حالات بتائے جب یہ قاصد واپس آرہا تھا تو مکران میں فوت ہو گیا، اس کا ایک ہندو نوکر سراندیپ واپس پہنچا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے حالات بیان کئے اور ان کے درویشانہ اسلوب زندگی کا ذکر کر کے ان کی تواضع اور خاکساری کی تعریف کی۔" [۲]

تاریخ ہند میں دو ایسے اشخاص کا ذکر ملتا ہے جن کو صحابیت کا دعویٰ ہے۔ بیشتر مورخین اور سوانح نگاروں نے اُن کا ذکر کیا ہے اور قدرے تفصیل سے حالات بھی بتائے ہیں۔ اگرچہ علماء حدیث کی ایک کثیر تعداد اُن کی سند صحابیت کو تسلیم کرنے میں متامل ہے۔

ان متنازعہ شخصیات میں ایک سرباتک راجہ قنوج (م ۳۳۳ھ) کا نام ہے جس کے بارے میں ابوسعید مظفر بن اسد حنفی طبیب کا کہنا ہے کہ "سمعت سرباتک الھندی یقول رأیت محمداً صلی اللہ علیہ وسلم مرتین بمکۃ و بالمدینۃ مرۃ وکان احسن الناس وجھا ربعۃ من الرجال۔" [۳]

دوسری شخصیت بابا رتن ہندی کی ہے جو بھٹنڈہ کا رہنے والا تھا جس نے تلاش حق میں مکہ مکرمہ جانے اور صحابیت کا شرف پانے کا دعویٰ کیا ہے اور 'الرسالۃ الرتنیۃ' کے نام سے ایک مجموعہ احادیث بھی مرتب کیا ہے۔ کہتے ہیں بابا رتن نے لمبی عمر پائی، شیخ علاؤالدین سمنانی، خواجہ محمد پارسا اور شیخ رضی الدین جیسے مشائخ نے اس کی تصدیق کی ہے۔ بھٹنڈے میں قبر ہے۔" [۴]

ان ہر دو اصحاب کے دعویٰ صحابیت سے ایک بحث چل نکلی ہے جس کا یہ محل نہیں مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ان دعووں سے برصغیر کی دینی فضا اور عرب رابطوں کی خواہش اور پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ان نیم تاریخی روایات کے علاوہ مستند روایات کی کثیر تعداد موجود ہے جو عرب و ہند کے تعلقات کو واضح کرتی ہیں مثلاً برصغیر کے بعض قبائل فوجی مہموں کے ساتھ عرب یا حوالیٔ عرب میں آباد ہوئے اور مختصر عرصے سے متاثر ہو کر عرب سماج میں گھل مل گئے اسلام کے اعلان پر ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ 'اساورہ' اور 'سیابجہ' کے ضمن میں بصرہ میں ان کی آبادکاری اور قبولیت اسلام کا ہم ذکر کر چکے، یہ لوگ مقامی آبادی میں اس قدر نمایاں ہوئے کہ بصرہ کی نہر 'الاساورہ'، ان کے نام سے منسوب ہے۔" [۵] اسلام کی آمد کے بعد جب برصغیر پر فوجی کارروائیوں کا آغاز ہوا تو فتوحات کے نتیجے میں اہل ہند کی ایک بڑی تعداد قیدیوں کی شکل میں عرب علاقوں میں لے جائی جاتی رہی مثلاً مہلب بن ابی صفرہ نے جب ۴۴ھ میں سرحد ہند پر حملہ کیا تو بارہ ہزار

---

(۱) چین و عرب کے تعلقات اور ارتقا کی تاریخ ص ۲۲۲ (۲) مسلم ثقافت ہندوستان میں ص : (۳) الاصابۃ الجزء الثانی ص : ۱۲۱۔
(۴) نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص : ۱۴۷۔ (۵) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص : ۲۲۸۔

جنگی قیدی ہمراہ لے گیا جن میں سے بعض نے اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح جب ۵۷ھ میں المنذر بن جارود العبدی نے قصدار فتح کیا تو بہت سے قیدی لے گیا۔[۱] ان آباد کاروں کے اختلاط سے باہمی افہام و تفہیم اور تہذیبی اثر پذیری کے دور کا آغاز ہوا۔ تابعین اور ابتدائی علماء میں ہمیں کئی ہندی نام ملتے ہیں جنہوں نے نظروں سے اپنی علمی حیثیت منوالی تھی مثلاً ابو عیسیٰ الاسواری (م ۱۲۵ھ) بصرہ کے مشہور راوی حدیث تابعی تھے۔ ابو السندی الواسطی (م ۱۶۵ھ) یعنی سہیل بن ذکوان غالباً جاٹوں کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔"[۲]

محمد بن قاسم اور فتح سندھ:-

عرب و ہند کا تعلق اسی نہج پر پروان چڑھ رہا تھا کہ حالات نے سندھ پر باقاعدہ فوج کشی اور اسے مستقل طور پر سلطنت اسلامیہ کا حصہ بنانے کا موقعہ فراہم کردیا۔ ولید بن عبدالملک ۸۶ھ میں خلیفہ بنا تو اُس وقت حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا اور مشرقی صوبوں اور سرحدوں کی تمام کاروائیاں اُسی کے سپرد تھیں۔ مسلمان اُس دور کی سب سے بڑی سیاسی طاقت تھے اس لئے اُن کے بحری جہاز بحر ہند میں آتے جاتے تھے۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا یہ باہمی آمدورفت قدیم سے جاری تھی اور عرب تاجر ہند کے ساحلوں کے چکر لگاتے رہتے تھے مگر ایک سیاسی قوت کی پشت پناہی حاصل ہونے سے اس آمدورفت میں تیزی آگئی تھی۔ عربوں کے تجارتی جہاز ساحل سندھ یعنی دیبل کی بندرگاہ سے متوازی گزرتے تھے۔ دیبل سے کچھ اور سومنات تک کے ساحلوں پر ہندی بحری قزاقوں کے ڈیرے تھے جو راہ چلتے جہازوں کو لوٹ لیتے۔ یہ عادت بد انہیں اس قدر دلیر بنا چکی تھی کہ اُنہوں نے ایک مسلمان جہاز پر دست آز دراز کیا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کی عزت لوٹنے کی کوشش کرکے اُن کی حمیت کو للکارا جس کا اثر یہ ہوا کہ محمد بن قاسم جیسا نوجوان سپہ سالار فتح سندھ کا پھریرا لہراتے وادی سندھ میں داخل ہوا۔ واقعے کی جزئیات میں قدرے اختلاف کے باوجود نفس مضمون پر مورخین کا اتفاق ہے۔ حجاج کے عہد امارت میں سرحد سندھ پر محمد بن ہارون النمری نگران تھا، یہ واقعہ اُسی کے دور سے متعلق ہے۔ امام البلاذری (م ۲۷۹ھ) کہتے ہیں۔

"فاهدى الى الحجاج فى ولايته ملك جزيرة الياقوت نسوة وُلدن فى بلاده مسلمات ومات آباؤهن وكانوا تجارًا، فأراد التقرب بهن فعرض السفينة التى فيها قوم من ميد الديبل فى بوارج فأخذ والسفينة بمافيها فنادت امرأة منهن وكانت من بنى يربوع: يا حجاج! وبلغ الحجاج ذلك فقال: لبيك. فارسل الى داهر يسأله تخلية النسوة فقال: انما اخذهن لصوص لا اقدر عليهم."[۳]

میر معصوم بھکری (م ۱۰۱۹ھ) نے تاریخ سندھ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ جن لوگوں کو لوٹا گیا تھا وہ دراصل ملازم تھے جو خلیفہ عبدالملک کے عہد حکومت میں ہندوستانی کنیزیں اور دیگر سامان خریدنے کے لئے سندھ گئے تھے۔ جب یہ تاجر واپس لوٹ رہے تھے تو دیبل کے قریب کرجواب ٹھٹھہ بندر اور لاہری کے نام سے مشہور ہے۔ لیٹروں کے ایک گروہ نے ان پر حملہ کرکے ان میں سے اکثر کو قتل کردیا اور بعضوں کو قید کرکے سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ کچھ لوگ جان بچا کر بھاگے اور خلیفہ کی خدمت میں پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع اس تک پہنچائی۔[۴] انہی دنوں خلیفہ عبدالملک کا انتقال ہوگیا اور یہ مہم روانہ کرنے کا سہرا ولید بن عبدالملک کے سر رہا۔ حجاج نے جب راجہ داہر سے اس حرکت قبیح پر جواب طلبی کی تو اُس نے ٹال مٹول سے کام لیا اور آخر کہلا بھیجا: "دیبل بندر میں قزاقوں کا ایک گروہ رہتا ہے۔ یہ بے ادبی اسی سے سرزد ہوئی ہے۔ اور وہ ہمارے دائرہ اطاعت و اختیار سے باہر کے لوگ ہیں۔"[۵] واقعہ کچھ بھی تھا حجاج اس عذر لنگ پر برافروختہ ہوگیا اور اُس نے باقاعدہ فوج کشی کا ارادہ کرلیا۔ پہلے مقامی جرنیل آگے بڑھے مگر راجہ داہر کی قوت کا مقابلہ نہ کرسکے بالآخر حجاج

---

[۱] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ڈاکٹر محمد اسحاق، ص: ۲۲۸ [۲] حوالہ مذکورہ ص: ۲۳۱-۲۳۲ [۳] فتوح البلدان القسم الثالث ص ۵۳۲
[۴] تاریخ معصومی ص: ۱۵-۱۶ - [۵] حوالہ مذکورہ ص: ۱۱

نے اپنے عم زاد محمد بن قاسم کو اس مہم کا نگران مقرر کیا۔ محمد بن قاسم نے ۹۲ھ میں سرکوبی کی مہم کا آغاز کیا اور ۹۳ھ میں سندھ اور ہندوستان کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ راجہ داہر کو عبرت ناک شکست ہوئی، عام یلغار میں راور، برہمن آباد، الرور لغرور، مساوندری، لیسمہ اور سکھر فتح ہو کر اسلامی مملکت کا حصّہ بنے، محمد بن قاسم پیش قدمی کرتا ہوا ملتان تک آیا، یہ سلسلہ خدا معلوم کہاں تک جاتا کہ ۹۶ھ میں ولید نے وفات پائی اور سلیمان بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔ سلیمان نے ذاتی عناد کو قومی مفاد پر ترجیح دی اور مسلمان جرنیلوں کے ساتھ اہانت آمیز سلوک کیا، محمد بن قاسم بھی سلیمان کی بد فطرتی کا شکار ہُوا۔ محمد بن قاسم نے مختصر عرصے میں مفتوحہ علاقوں کے انتظام و انصرام میں اس قدر محنت کی کہ غیر مسلم رعایا بھی اُس کی گرویدہ ہو گئی۔ چنانچہ جب اُسے شہید کر دیا گیا تو اہلِ سندھ نے اسے اپنا دُکھ سمجھا اور اُس کا یادگاری بُت نصب کیا [1]۔

محمد بن قاسم کے بعد مختلف سپہ سالار وادی سندھ میں آتے رہے۔ باہمی چپقلش اور مرکز گریزی کی عادت نے انہیں خود سر بنا دیا تھا۔ بنو عباس کے دَور میں سندھ کے حالات کسی منظم قوت کے تحت نہ رہے، مقامی فیصلے اور ذاتی مفادات ہی راہنما اصول تھے، اس سے غیر مسلم آبادی نے فائدہ اٹھایا، مسلمان رجعت قہقہری کا شکار ہوئے، مقبوضہ علاقے ان کے ہاتھوں سے نکلتے چلے گئے، آخر منصورہ کا نو آباد شہر ہی اُن کے پاس رہ گیا جہاں وہ عہدِ رفتہ کو آواز دیتے اور مستقبل سے امیدیں باندھتے رہے۔ اس دورِ زوال میں سندھ کے ریگستان اسلامی مملکت کے بھگوڑوں کا مسکن بنے رہے۔ ان پناہ گزینوں میں سیاسی مفرور بھی تھے۔ اور مذہبی معتوب بھی۔ ایسے بھگوڑوں میں قرامطہ بھی تھے۔ اس بے یقینی اور طوائف الملوکی کی حالت میں بھی اقتدار پر برائے نام عربوں کا قبضہ تھا۔ ۴۱۶ھ میں محمود غزنوی نے عربوں کی موجود برائے نام قوت بھی ختم کر دی اور غزنوی دور کا آغاز ہُوا۔ آل غزنہ ۴۱۶ھ سے ۵۸۲ھ تک برِّصغیر کے سیاسی معاملات پر تفوق پائے رہے اگرچہ سوائے لاہور اور اس کے گرد و نواح کے باقی علاقوں میں اُن کے سیاسی برتری نہ ہونے کے برابر تھی، محمود غزنوی کی آمد سیلِ بے پناہ کی طرح تھی کہ جس کے آگے کوئی مدافعتی دیوار حائل نہ ہو سکتی تھی، بعد کے غزنوی سلاطین محمود کی محنت کا پھل کھاتے رہے۔ سلطان مسعود (م ۴۳۲ھ) اور سلطان مودود (م ۴۴۱ھ) کے بعد طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا حتٰکہ خسرو ملک نے قبضہ جما لیا، اُس کا قبضہ دیرپا ثابت نہ ہوا، ۵۸۲ھ میں غوریوں کے حملے نے آل غزنہ کے باقیات کو بھی تباہ کر ڈالا۔

عرب و ہند کے تہذیبی و معاشرتی تعلقات:۔ عرب و ہند کے تعلقات کی ابتداء تجارتی روابط سے ہوئی تھی، پھر اس میں دینی عنصر شامل ہوا۔ بعد کے سیاسی حالات اور عسکری مہمات نے اس تعلق کو اور مضبوط بنا دیا اور تعلق کے نتیجے میں ایک دوسرے سے معاشرتی اختلاط اور سماجی راہ و رسم کی ابتداء ہوئی۔

تجارتی تعلقات کا دائرہ اثر ظاہری مراسم تک محدود ہوتا ہے۔ لیکن برِّصغیر کے ناریل اور عرب کی کھجور ایک ہی نسل کی دو شاخیں معلوم ہوتی ہیں ان کا تبادلہ ہم جنسی کا معاملہ تھا۔ عرب سے جوز ہندی کہہ کر لطف لیتے تو ہندی اس بصرے کی کھجور سے لذّت کام و دہن کا کام لیتے رہے، منہ کے ذائقے یکساں ہو جائیں تو توافقِ ذوق کی کئی صورتیں نکل آتی ہیں۔ معاشی احتیاج کے زیرِ اثر نقل مکانی بھی نسلِ آدم میں ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے۔ عربوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے اپنی اہم تجارتی منڈیوں کے قریب رہائش کر لینا ہی مناسب خیال کیا، چنانچہ ساحلی شہروں اور بندرگاہوں پر ان کے ڈیرے جم گئے، ساحل گجرات، جنوبی ہندوستان اور سیلون میں اُن کی نو آبادیاں قائم ہوئیں۔ نوائط اور کوکن وغیرہ عرب خاندان ہجرت کر کے گجرات اور مالا بار وغیرہ مقامات پر مستقل آباد ہو گئے تھے [2]۔ اسلامی فتوحات کی وجہ سے سندھ کے اکثر شہروں میں مسلمان فوجیوں کی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ صرف ملتان میں محمد بن قاسم نے پچاس ہزار سواروں پر مشتمل ایک مستقل فوج رکھی تھی [3]۔ اس کے علاوہ منصورہ، دیبل، سندان، مقدار اور قندابیل بھی اسلامی فوجیوں کے مراکز بن چکے تھے۔ اس معاشرتی

---

[1] فتوح البلدان القسم الثالث ص ۵۳۹ [2] عربی کے ہندوستانی شعراء پر ایک نظر، ڈاکٹر حامد علی خان، معارف جولائی ۱۹۶۸ء صفحہ ۹۵۔ [3] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۵م۔

قرب سے رفتہ رفتہ اثر آفرین اور متنوع نتائج برآمد ہوئے مثلاً:

(۱) مقامی قبائل اسلامی تعلیمات کو عربوں کی زبان اور اُن کے کردار سے وصول کر رہے تھے اس لئے اُن پر اُن تعلیمات کا اثر پڑا اور کثیر تعداد مسلمان ہو گئی۔ سمہ قبائل جنہوں نے محمد بن قاسم کا خیر مقدم کیا تھا۔ سندھ میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔[۱]

(۲) مسلمان فوجوں کے ساتھ دینی علوم کے ماہر اور قرآن مجید کے قاری بھی برصغیر آئے، کہا جاتا ہے "کہ عرب فوج میں قرآن پاک کے بہت سے قاری تھے جن کو حجاج نے تاکید کی تھی کہ قرأت پابندی سے کیا کریں۔[۲] صحابہ کرام کے ورود اور ان کی موجودگی سے تبلیغ اسلام کے مشن کو تقویت ملی۔

(۳) عربوں کی برصغیر میں مستقل آبادکاری کی وجہ سے اُن کی نسل ہندی ماحول میں پروان چڑھی اسلئے ہندی عربی معاشرت کا امتزاج ہوا، سندھ کا مشہور میاری خاندان حضرت ھبار الاسودؓ کی اولاد ہی سے ہے۔[۳] تیمی اور مقیری جو لہجے کے ردوبدل سے تھیم اور موریہ کہے جاتے ہیں۔ دراصل عباسی، صدیقی، فاروقی اور عثمان نژاد ہیں جن کی اولاد آج تک سندھ میں آباد ہے۔ منگی قوم بنی تمیم ہی کی ایک شاخ ہے۔[۴]

(۴) عربوں نے جب برصغیر میں مستقل توطن اختیار کر لیا تو مقامی آبادی سے رشتہ ازدواج کا سلسلہ بھی چل نکلا، اس باہمی مناکحت کے اسباب میں ہم رہائشی بھی ایک نمایاں سبب تھی جنوبی ہند میں اوپلے عرب تاجروں کی اولاد ہی ہیں[۵] اس کے علاوہ جنسی ضرورت و احتیاج نے بھی اہم کردار ادا کیا محمد بن قاسم کی فوج کے ساتھ عورتیں ہندوستان نہ آئی تھیں اسلئے مقامی عورتوں سے شادی کی خواہش پیدا ہوئی، مزید براں سندھی حسن و جمال نے بھی مسلمانوں کو متاثر کیا تھا، ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سندھ کی عورتیں اپنی نازک کمر اور لمبے بالوں کے لئے مشہور تھیں۔[۶] ایک اور اہم وجہ بیوہ عورت سے شادی تھی کہ اسلام اسے مستحسن سمجھتا ہے اور ہندو مذہب اسے بنظر حقارت دیکھتا ہے۔ اس لئے جوان بیوہ کے لئے اسلام کے دامن میں اخروی نجات کے ساتھ دنیاوی بھلا بھی تھا،

ان اسباب کی وجہ سے باہمی رشتہ ازدواج قائم ہونے لگا، تاریخ ہمیں کئی ایسے نام بتاتی ہے۔ جن کی کسی حیثیت سے سندی نسبت قائم ہے۔ بنو امیہ کا مشہور جرنیل اصحاب بن ابی صفرۃ کے دو بیٹوں مفضل اور عبد الملک کی ماں سندھی تھی اور اُس کا نام بھلی تھا۔ بنو امیہ کے آخری سپہ سالار یزید بن عمر بن ھبیرۃ الفزاری کی ماں بھی سندھی تھی اور اپنے دور کی حسین ترین عورتوں میں شمار ہوتی تھی۔ سندھی نسل ہونے کی وجہ سے عربی کے مشہور سندھی شاعر ابو العطاء نے اس کے قتل پر ایک مرثیہ لکھا جو عربی ادب میں مستقل حیثیت رکھتا ہے[۷]۔ اس کے برعکس اہل ہند میں سے کثیر تعداد عرب علاقوں میں آباد ہوئی تھی جن کی اولاد عربی ماحول میں رہی اور اُن پر عربی اثرات اتنے گہرے ہوئے کہ مورخین کو آن کا ہندی الاصل ہونا ناقابل یقین محسوس ہونے لگا ہے۔ مثلاً امام زین العابدین سے موجودہ سادات کا بہت بڑا حصہ منسوب ہے ان کے بارے میں سید سلیمان ندوی کہتے ہیں "حضرت زین العابدین کی ماں عرب تھیں، ایرانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایرانی تھیں اور خاندان شاہی سے تھیں مگر مورخوں میں سے بعض نے اُن کو سندھ کی بتایا ہے۔ اگر یہ اخیر قول صحیح ہو تو اس کے ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ کہ عرب و اسلام کے سب سے شریف و مقدس خاندان کے پیدا کرنے میں ہندوستان کا بھی حصہ ہے۔ اور یہ کہنا بھی صحیح ہو گا کہ اور مسلمان ہوں یا نہ ہوں۔ مگر سادات آل زین العابدین علی ہمیشہ سے نیم ہندوستانی ہیں۔[۸] اسی طرح بعض مورخین نے امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) کے بارے میں کہا ہے کہ اُن کے دادا زوطی کابل کے رہنے والے تھے۔ اور بعض نے اُن کی نسبت عراق کے جاٹوں کی نسل سے بھی ملائی ہے۔[۹] امام اوزاعی کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے۔ کہ

---

[۱] تاریخ معصومی ص ۴۵۔ [۲] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۴۶ [۳] الاسلام الخبر دات سع ص ۵۵۔ [۴] تحفۃ الکرام ص ۱۱۔ [۵] تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد ۳۔ فارسی ادب ص ۳۱۔ [۶] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۲۳۰۔ [۷] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۱۲ علاقائی ادب ص ۴۳۹۔ [۸] عرب و ہند کے تعلقات ص ۴۷۔ [۹] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۲۳۱۔

ہندی النسل تھے۔ ؎ خلف بن سالم السندھی (م ۲۳۱ھ) ممتاز ہندی نژاد راوی حدیث ہیں۔ قیاس ہے کہ وہ مہلب کے ہندی قیدیوں کی نسل سے تھے۔ ؎

علمی رابطے :-

ثقافتی تعلقات اور تہذیبی روایات کا باہمی ربط تدریسی یگانگت کو جنم دیتا ہے۔ تین سو سال کی عرب حکومت کے دوران میں علمی فضا اور درسی ماحول پر عربیت کا غلبہ مستحکم ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ "علم، عربی" کی طرف کشاں کشاں آ رہے تھے اور مسلسل سطوت نے اُن کے دل و دماغ پر عربی زبان و عربی تمدن کی برتری واضح کر دی تھی اس لئے ہر وہ شخص جسے علم کے حصول کی خواہش ہوتی یا وہ اُس دور کے مہذب انسانوں میں شامل ہونا چاہتا عربی علوم وفنون کے اکتساب کے لئے کوشاں ہوتا۔ البیرونی نے عربی زبان کی فارسی زبان پر برتری ثابت کرتے ہوئے کہا تھا:

"میرے قول کی سچائی ہر وہ شخص جان لے گا جو کسی علمی کتاب کے فارسی ترجمہ کو غور سے دیکھے گا کہ اسکی رونق اُڑ جاتی ہے۔ اسکی رُوح پژمردہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کا مُنہ کالا ہو جاتا ہے۔ غرض اس کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا اس لئے کہ یہ (فارسی) زبان بادشاہوں کے اخبار اور بزمِ شبانہ کی خوش گپیوں کے علاوہ کسی مصرف کی نہیں۔ ؎ اسی تصور کا نتیجہ تھا کہ عربیت کے بغیر کسی کو عالم یا مہذب گردانا ہی نہ جاتا تھا۔ عربی علوم اور اسلامی علوم باہم گرتھے اس لئے اسلامی احکام و شرائع کی تفہیم کے لئے بھی عربی زبان و علوم درکار تھے۔ غیر عرب مسلمان قوموں کی سب سے پہلی ضرورت نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا ترجمہ اور تشریح ہوتی ہے۔ برِصغیر میں بھی ابتداءً تراجم سے ہی ہوئی۔

بقول ڈاکٹر حمید اللہ بزرگ بن شہریار الرامہرمزی نے کسی ہندی زبان (غالباً سندھی) میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر کا ذکر کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ کے فارسی ترجمے (سورۃ الفتح) (جس کا ذکر مبسوط السرخسی ص ۳۷ پر ہے) کے بعد غالباً یہ پہلا مکمل ترجمہ ہے۔ ؎ اسی طرح "را" کے راجہ کا ۲۷۰ھ میں منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمرو بن عبدالعزیز کو شریعتِ اسلام کی ہندی زبان میں تشریح کا سوال کیا۔ حاکم منصورہ نے ایک آدمی جو عراق الاصل، تیز فہم، سمجھ دار اور شاعر تھا۔ مگر پرورش ہندی ممالک میں ہوئی تھی اور مختلف زبانوں سے واقف تھا بلایا۔ راجہ کی خواہش کا اظہار کیا۔ اُس نے نظم لکھی جس میں محرمات کا ذکر تھا۔ اور ارسال کی، راجہ کو پسند آئی۔ عالم کو بلایا گیا۔ وہ وہاں تین سال رہا۔ واپسی پر حاکم منصورہ نے حالات پُوچھے تو اُس نے دل و زبان سے راجہ کے مسلمان ہونے کا ذکر کیا مگر رعایا کے ڈر سے اظہار ذکر نے کا بھی بتایا، راجہ کی فرمائش پر اُس عالم نے قرآن مجید کی ہندی زبان میں تفسیر بھی مکمل کی۔ ؎

یہ تو مغلوب قوم کی ضرورت تھی۔ فاتحین کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ مفتوحین کے علوم وفنون سے استفادہ کریں تاکہ علمی جواہر جہاں بھی ہوں حاصل کر لئے جائیں، کہا جاتا ہے کہ "جب خلیفہ منصور عباسی کی علم سرپرستی کی شہرت سندھ تک پہنچی تو ۱۵۴ھ میں سندھی عالموں کا ایک وفد بغداد گیا۔ اس وفد میں ہیئت اور ریاضی کا ایک فاضل پنڈت بھی شامل تھا، اس پنڈت کے علم سے امیر المؤمنین اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے حکم پر ایک عرب ریاضی دان ابراہیم الفزاری نے اُس کی کتاب کا عربی ترجمہ کیا اور اس کا نام "السند و الہند" رکھا، ریاضی پر یہ ایک بنیادی کتاب ہے جس سے مستقبل کے عرب ریاضی دانوں نے استفادہ کیا۔ ؎ عربی زبان کی ہندی نقطہ نظر سے سرگونہ اہمیت تھی۔

ا۔ مذہبی :- عربی دینِ اسلام کی زبان تھی، دین سے استفادہ عربی زبان کے بغیر ممکن نہ تھا اس لئے عربی زبان و ادب کی تدریس کے مراکز قائم ہونے شروع ہوئے۔ مسلمان علماء کے مدارس اور صوفیاء کے زاویے ایسے مراکز تھے جہاں تزکیہ نفوس اور تعلیم حکمت کے ساتھ تعلیم کتاب کا عمل بھی جاری

؎ تاریخ سندھ، سید ابوظفر ندوی ص ۳۵۹۔ ؎ علم حدیث میں پاک وہند کا حصّہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۲۳، ۴۳۔ ؎ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد دوم عربی ادب ص ۷۔ ؎ دکنی کلچر ص ۴۶۔ ؎ حوالہ مذکورہ ص ۴۶، ۴۷۔ ؎ عرب و ہند کے تعلقات ص ۲۰۱۔ ؎ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۱۳ علاقائی ادب ص ۳۴۔

تھا، اس سلسلے میں بہت سے علماء اور صوفیاء نے گراں قدر خدمات انجام دیں جن کا مختصر تعارف علماء صوفیاء کے زیر عنوان پیش کیا جا رہا ہے۔

ب۔ **سیاسی** :۔ عربی، عربوں کی زبان تھی جو اُس دَور میں ایسے سیاسی افق پر تھی کہ اُن کے حضور سبھی کو سرنگوں ہونا پڑتا تھا۔ برِصغیر میں عرب داخل ہوئے تو عربی زبان بھی ساتھ تھی، جب مقامی حکمران خلفشار کا شکار ہو کر بے ہمت ہوتے تو اُن کے تن مردہ کے لئے دمشق و بغداد سے تعلق توانائی کے حصول کا ذریعہ بنتا۔ عباسی خلفاء نے مذہبی تقدس کی وہ قبا اوڑھ رکھی تھی کہ اُن کی بے بسی اور ناطاقتی کے باوجود صاحبانِ اقتدار اُن کی اشیرباد کے طالب رہتے تھے، ہند کے حکمرانوں کے لئے تخت بغداد سے حاصل کیا ہوا ایک ورق جسے وہ فرمان کہتے تھے۔ سب کچھ تھا۔ بلکہ یہ کہ اُن کے استحکام کا ضامن تھا۔ ڈاکٹر حامد علی خان کہتے ہیں :۔

"ہندوستان کے سلاطین کو بھی خلافت عباسی سے سیاسی روابط رکھنا پڑتے، چنانچہ محمود غزنوی اور مسعود غزنوی دونوں نے خلافت بغداد سے سند حاصل کی۔ اور اُن کے جانشینوں سے اپنا عقیدت مندانہ تعلق قائم رکھا، اسی طرح معز الدین غوری کے سکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خلافتِ بغداد سے اجازت حاصل کی تھی، غلام خاندان میں سلطان التمش کے عہد میں خلیفہ ناصر الدین اللہ، خلیفہ مستنصر باللہ اور خلیفہ الظاہر کے نام سکوں پر کندہ ہوئے۔"[1] سیاسی اثرات کا یہ نتیجہ بھی نکلا کہ غیر مسلم بھی عربی زبان و علوم کی تدریس میں شریک ہونے لگے۔ "البدایونی نے لکھا ہے کہ لودھی عہد حکومت میں ایک ہندو جس کا تخلص برہمن تھا۔ مسلمانوں کے مدرسے میں ایک اعلیٰ اُستاد تھا۔[2]

ج۔ **ادبی** :۔ عربوں سے بہم مجانست نے مقامی آبادی کو عربی سے آشنا کر دیا تھا۔ باہمی ایصال افکار کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ معانی تک رسائی کی راہ میں عجمیت حائل نہ ہو سکے، پھر وہ لوگ جو نقل مکانی کر کے عرب علاقوں میں جاتے تھے اُن کی ضرورت دو چند تھی کہ انہیں ماحول میں جذب بھی ہونا تھا۔ اور اجنبی ہونے کا احساس بھی مٹانا تھا، یہ ضرورت اس قدر شدید تھی کہ برِصغیر کا جو عالم عرب کی سرزمین پر وارد ہوا عربی زبان ہی کو ذریعہ اظہار بنانے لگا، یہ الگ بات ہے کہ آمد اور آورد کا فرق تو بہر حال قائم رہا، ابن خلدون (م ۸۰۶ھ) نے اس کی خوبصورت توجیہ کی ہے۔ کہا :

"عجمی جس کو فارسی لغت میں ملکہ حاصل ہو چکا ہو۔ عربی میں ہمیشہ ناقص ہی رہے گا۔ اگرچہ اس نے عربی زبان سیکھی ہو اور درس و تدریس کی خدمت بھی انجام دی ہو، اسی طرح بربری، رومی اور فرنگی کو لغت عربی میں پورا ملکہ حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک زبان میں ملکہ حاصل ہو جانے کے بعد دوسری زبان میں اس کا حصول غیر ممکن ہوا کرتا ہے ــــــ اس لئے عجمیوں سے یہ توقع کسی طرح بھی صحیح نہیں کی جا سکتی کہ اُن کے کلام میں صحیح عربیت ہوگی۔"[3] یہی وجہ ہے کہ ہندی علماء عربیت میں ہندی اثر ہمیشہ قائم رہا۔ برِصغیر کے ایک مشہور عالم شیخ محمد بن عبدالرحیم الارموی (م ۷۱۵ھ) کے علم و فضل کو علماء عرب نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ مگر اُن کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ "وکانت فی لسانہ عجمۃ الھنود باقیۃ الی ان مات"[4]۔ ان اسباب کے علاوہ عربی کی معاشرتی، تجارتی اور فکری اہمیت بھی تھی کہ اہل ہند نے بساط بھر اسے اپنانے اور اس میں اپنی نگارشات ترتیب دینے کی کوشش کی، یہ کوشش عربوں کے عہد حکومت تک کافی کامیاب رہی مگر بعد میں فارسی اثرات نے اس کی شدّت کو کمزور کر دیا۔ پھر بھی بقول ابن موقل :۔ "زبانِ اہالیٔ منصورہ و ملتان عربی و سندی است"[5]

عربی زبان و ادب پر ہندی اثرات :۔ عربی زبان و ادب پر ہندی اثرات کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

الف۔ عربی زبان میں ہندی و سنسکرت کے الفاظ :۔ ہر زبان کا اپنا نظام اصوات ہوتا ہے، بنیادی وحدات صوتیہ (PHONEMES) مخارج نطق، یعنی اعضاء تکلم کی تہذیب و ترسیخ کرتے ہیں، زبان کی خشت اوّل سماعت ہے، بچہ انہیں اصوات سے مانوس ہوتا ہے جنہیں وہ اپنے گرد و پیش میں سُنتا

---

[1] اسلامی ہند میں عربی زبان کی قدر و قیمت، مقالہ ڈاکٹر حامد علی خان، معارف ستمبر ۱۹۶۸ء ص ۲۱۲ - [2] حوالہ مذکورہ ص ۲۱۶ - [3] مقدمہ ابن خلدون ص:
[4] نزہتہ الخواطر الجزء الثانی ص ۱۲۱ - [5] فارسی گویان پاکستان ص ۹ -

ہے، سماعت پختہ ہو جائے تو اظہار مافی الضمیر کی قدرت عطا کرتی ہے اس طرح یہ انفعالی قوت فعالی رنگ میں جلوہ گر ہوتی ہے، یہ حقیقت ہے کہ نطق کی قوت کا خام مواد 'سماعت' کی حس مہیا کرتی ہے اور جسے یہ حس حاصل نہ ہو وہ قوتِ نطق سے بھی محروم رہتا ہے۔ اسی لئے پیدائشی بہرہ گونگا بھی ہوتا ہے۔ عربوں کے بنیادی اصوات ۲۸ ہیں وہ ان کے امتزاج سے مختلف آوازیں نکالتے ہیں ان آوازوں کو علماء اصوات "تنوعاتِ اصوات" یعنی (VARIANTS) کہتے ہیں، ان تنوعات سے باہر جب کوئی آواز اُن کے کانوں میں پڑے گی تو وہ اُس کی ادائیگی میں دقت محسوس کریں گے اور کوشش کریں گے کہ قریب الصوت کسی تنوع کے دامن میں پناہ لے لیں، اس صوتی تحدید کی وجہ سے ہندی کے دو الفاظ جو عربی امرات کے 'دائرہ' سے بہترین اپنی صوتی ہیئت تبدیل کریں گے اور پھر یہ صوتی تبدیلی اُن کی کتابی شکل پر بھی اثر انداز ہوگی۔ اسی عمل کو 'معرب' بنانا کہتے ہیں۔ جس میں بعض اوقات تہذیبی تقاضے زیادہ عمل دخل کرکے اُس کی ظاہری شکل کو غیر مانوس بنا دیتے ہیں، ذیل میں چند منتخب 'معرب' الفاظ کی مختصر فہرست پیش کی جا رہی ہے تاکہ باہمی اثرات کا اندازہ ہو سکے۔

ھند: بعینہٖ قبول کیا گیا، عورتوں کے ناموں کے لئے استعمال ہوا۔ پھر اس سے ہندی، ہندوانی اور مہند وغیرہ اسماء کا استخراج ہوا۔[1] حضرت کعب بن زہیر کا مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شعر ہے۔

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ ـ مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ مَسْلُولُ ـ[2]

برّصغیر کے اکثر شہروں کے نام معرب ہو کر عربی میں استعمال ہوئے مثلاً۔

- بروص: بھڑوچ جو گجرات کا ایک شہر ہے کا معرب ہے۔
- تانہ: تھانہ جو بمبئی کے قریب ایک بندرگاہ تھی۔
- قصدار: خضدار بلوچستان کا ایک شہر۔
- اُزّین: اجین۔
- المالبہ: مالوہ۔
- فیضان: قلات[3]

برِّصغیر ماضی بعید سے ہی خوشبویات کے لئے مشہور رہا ہے، 'مسک' کا ذکر کیا جا چکا چند دیگر خوشبویات کے اسماء یہ ہیں۔

- صندل: چندن
- کافور: کپور
- کرنفل: کرن پھل یعنی لونگ۔
- فلفل: پپلی
- زنجبیل: زنجابیرا (سونٹھ)
- نیلوفر: نیلوپھل
- تنبول: تامبول

[1] عرب وہند کے تعلقات ص: ۶۸۔ [2] سیرت ابن ہشام الجزء الرابع ص: ۱۶۴۔ [3] فتوح البلدان باب فتوح السند کے مختلف صفحات۔

چند دیگر متفرق اسماء :-

- جائفل : جاتی پھلا
- اطریفل : تری پھلا
- نارجیل : ناریل
- جوز : موشہ
- فیل : پیلو
- ساج : ساکھا
- طنبور : تنبورہ
- بارجہ : بٹیرا [1]

بعض اسماء کے ساتھ ہندی کا لاحقہ ان کی ہندی نسبت کے اظہار کے لئے موجود ہے۔ جیسے

جوز ہندی، بطیخ ہندی، اثمد ہندی وغیرہ۔

اِثمد یعنی سرمہ ہر قوم میں زیبائش چشم اور تقویتِ بصارت کے لئے مستعمل رہا ہے مگر ہندی سرمہ عربوں کے ہاں کچھ زیادہ ہی باعثِ کشش تھا کہ اشعار میں اس کا ذکر ہوا چنانچہ علی بن محمد العراقی الخوارزمی (م ۵۶۰ھ) کا شعر ہے :-

مَا أُنْسَى إِذْ تَجْلُو عَوَارِضَهَا ـ وَالجَفْنُ بِالإِثْمِدِ الهِنْدِيِّ مَكْحُول - [2]

اس مختصر جائزے سے واضح ہوا کہ ہندی الفاظ "تعریب" کے سانچوں سے گزر کر عربی صورت اختیار کر رہے تھے۔

ب۔ **قصص و حکایات** :- قصہ خوانی اور حکایت سرائی انسانی جبلت میں شامل ہے، عموماً انسان جو کچھ دیکھتا ہے اُسے اپنی زبان عطا کرتا ہے۔ مگر بسا اوقات وہ کچھ دیکھنا چاہتا ہے۔ یا سُننا چاہتا ہے مگر بوجوہ نہ وہ دیکھ سکتا ہے نہ سُن سکتا ہے، یہ انسانی مجبوری ہے۔ مجبوری مایوسی کو جنم دیتی ہے اور وہ مایوسی کا شکار ہو کر ایک عضو معطل بن جاتا ہے، ایسے مایوس لمحات میں "تصور" اُس کی مدد کرتا ہے۔ خیال کی دُنیا وسیع بھی ہوتی ہے، اور من پسند بھی۔ اس لئے وہ خیالات میں گُم رہنے میں عافیت محسوس کرتا ہے، یہیں سے تکوین قصص کی تحریک ہوتی ہے، قصہ دراصل خیال، کا لفظی ہیولہ یا تصور کی حکایاتی ترمیم ہے، نہ کہہ سکنے والی بات کسی جانور، بٹیر ہو یا بکری، کے منہ سے ادا کر کے انسان اپنے باطن کی تسکین کرتا ہے۔ جانور انسانی کردار کی تمثیلیں ہیں، نباتات انسانی بے حسی کی زبان بنتے ہیں، یہ طرز ادا واعظین، ناصحین اور مصلحین کو مرغوب ہے کہ اس میں تجریدی کیفیت متشکل ہو کر زود اثر ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہ اس میں وہ کچھ کہہ دیا جاتا ہے جو کھلے لفظوں میں شاید نہ کہا جا سکے، فطرتِ انسانی اظہار پسند ہے اور خارج کی مجبوری راستہ روکے ہوئے ہے اس کا بہروپ تطبیقی مظہر ہے، دنیا کی کوئی قوم اس فطری عطیے سے محروم نہیں ہے، عربوں کو بھی قصہ گوئی کی عادت تھی۔ اور برِصغیر کو بھی، بلکہ یہ عادت برِصغیر میں پختہ تر تھی کہ یہاں مادائیت کو منتقل کرنے کی چھاپ گہری تھی اور تو اور یہاں تو معبود بھی پتھروں میں دیکھا جا سکتا تھا جو قوم پتھروں کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی ہو اور سمجھتی ہو کہ یہ پتھر ان کی آواز سُنتے ہیں اور فعال

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عرب و ہند کے تعلقات ص ۶۸ تا ۷۱، رسالہ معارف اپریل ۱۹۶۹ء ص ۲۹۹ تا ۳۱۴، و رسالہ معارف دسمبر ۱۹۶۲ء ص ۴۴۶ تا ۴۴۸۔ [2] معجم الادباء الجزء الخامس عشر ص ۶۳۔

ہیں وہاں نباتات اور حیوانات کو عطا ہو جانا بعید از قیاس نہ تھا اس لئے برِّصغیر میں 'قصّوں' کی پوری دنیا آباد ہے، عربوں کو یہ قصّے بھلے لگے، ان میں اخلاقی درس بھی تھا اور چند لمحات کا سکون بھی۔ عرب ادباء نے ان قصّوں کا ترجمہ کرنے میں پہل کی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے قصّے عرب گھروں میں بیان ہونے لگے، اس داستان سرائی سے معاشرتی قرب بڑھا، ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوئی اور خیالات میں تطابق نمودار ہوا ابتدائی دور کے چند قصّوں کا مجملاً تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ **کلیلة ودمنة** : قصّے کہانیوں کی وہ کتاب جو پوری دنیا میں معروف ہے۔ اور جس کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں البیرونی کے بیان کے مطابق اس کا سنسکرت نام 'پنچ تنتر' ہے، "اس کتاب کا مصنّف بیدیا پنڈت ہے اور جس راجہ کے لئے لکھی گئی اس کا نام دابشلیم بتایا گیا ہے — ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دابشلیم جس راجہ کا نام بتایا گیا ہے وہ گجرات کا راجہ تھا۔ کیونکہ چوتھی صدی ہجری کے عرب سیاح ابن حوقل نے گجرات کے راجہ 'ولبھ رائے' کا نام لے کر لکھا ہے کہ "تمثیلوں والی کتاب" (کتاب الامثال) والا راجہ اور عربی میں تمثیلوں والی کتاب یہی کلیلہ و دمنہ سمجھی جاتی ہے، یعقوبی نے لکھا ہے کہ راجہ دابشلیم کے عہد میں بیدیا پنڈت نے یہ کتاب لکھی اور فرشتہ میں ہے کہ سلطان محمود کے حملہ گجرات کے وقت گجرات کے معزول راجہ کے خاندان کا لقب دابشلیم تھا۔ [۱]۔" اس کتاب کا پہلوی زبان میں ترجمہ پنڈت 'برزویہ' نے نوشیرواں کے لئے کیا، تاریخ مسعودی میں ہے "وکان نقل الیہ (انوشیروان) بن الہند کتاب کلیة ودمنة"، پھر پہلوی سے عربی میں عبداللہ بن المقفع نے ترجمہ کیا اور ایک بیش قیمت مقدمہ لکھا جو ادبیت کے لحاظ سے عدیم النظیر ہے، اس کا دوسرا ترجمہ پہلوی سے ۱۸۷ھ میں یحییٰ برمکی کے حکم سے عبداللہ بن ہلال اھوازی نے کیا، سہل بن نوبخت نے یحییٰ کے لئے اس کو نظم کا جامہ پہنایا۔ امان بن عبدالحمید کاتب نے اس کا دوسرا منظوم ترجمہ کیا جس میں چودہ ہزار بیت تھے۔ [۲]

۲۔ **سندباد** :۔ سنسکرت سے عربی میں منتقل ہوئی، دو نسخے ہیں ایک چھوٹا اور دوسرا بڑا، بعض نے اسے ایرانیوں کی تصنیف گردانا ہے مگر یہ درست نہیں۔ ابن ندیم لکھتے ہیں "وکتاب السندباد نسختان کبیرة وصغیرة والخلف فیہ مثل الخلف فی کلیة ودمنة والغالب والاقرب الی الحق ان یکون الہند منقتہ"۔ [۳]

۳۔ **بوذاسف وبلوھر** :۔ گوتم بدھ کے حالات اور تمثیلوں کے پیرائے میں دنیا کے سربستہ رازوں اور کائنات کے لاینحل عقدوں کا انکشاف ہے۔ سنسکرت سے عربی میں ترجمہ ہوئی اور پھر عام شہرت ہوئی۔ "بوذاسف 'بودھی ستو' ہے اور بلوہر 'پروہیتر' کا معرب ہے"۔ [۴] سیّد سلیمان ندوی کہتے ہیں: "میری نظر میں وہ کتاب دنیا کی ان چند کتابوں میں سے ہے جن کی تاثیر گنہگاروں کے دلوں میں بھی گھر کر لیتی ہے"۔ [۵]

۴۔ **حدود منطق** :۔ یعقوبی نے منطق و فلسفہ کے ضمن میں "کتاب طوفانی علم حدود المنطق" کا ذکر کیا مگر ابن ندیم نے اسے قصّہ کہانیوں کی صف میں درج کیا ہے۔ [۶]۔ شائد منطق سے مراد ہے اور اس کتاب میں تکلّم کے آداب کے بارے میں کہانیاں ہوں۔

۵۔ **شاناق الہند** :۔ سنسکرت میں اس کا نام 'چانک' تھا، آداب و اخلاق سے متعلق پانچ بابوں پر مشتمل ہے، یعقوبی اور ابن ندیم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ [۷]

ان کے علاوہ کتاب 'دیک الہند' جو اصل میں 'دیپک' ہے قصۂ ہبوطِ آدم ہے اور کئی کتابیں جن کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ [۸]

---

[۱] عرب و ہند کے تعلقات ص: ۱۶۶ تا ۱۶۸۔ [۲] عربی زبان و ادبیات میں ہندی کے اثرات مولوی عبدالمجید ندوی، معارف مئی ۱۹۶۹ء ص ۳۹۰ تا ۳۹۲۔ [۳] حوالہ مذکورہ ص ۳۹۲۔ [۴] عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۷۰۔ [۵] حوالہ مذکورہ ص ۱۷۲۔ [۶] حوالہ مذکورہ ص ۱۶۰، ۱۶۱۔ [۷] معارف مئی ۱۹۶۹ء ص ۳۹۴، ۳۹۵، عربی زبان و ادبیات میں ہندی کے اثرات مولوی عبدالمجید ندوی۔ [۸] حوالہ مذکورہ ص ۳۹۵۔

ج۔ ضرب الامثال :۔

اختصار پسندی یا صنعت ایجاز زبان کا جوہر ہے۔ ہر قوم میں زندگی کے طویل تجربات سے مختصر نتیجہ نکالنے کا ذوق موجود ہے۔ تاکہ بوقت ضرورت اس مختصر سے تفصیل کا اشارہ کیا جا سکے، یہ تلمیحات، ضرب الامثال یا محاورات کسی زبان کی فصاحت و بلاغت کے پیمانے ہوتے ہیں۔ عربوں کو ایسے مختصر جملوں سے عشق کی حد تک پیار تھا۔ اسلئے ان کی زبان میں ایجاز و اختصار کا جوہر بدرجہ اتم موجود ہے، مرغوب شے جہاں سے بھی ملے حاصل کرنے میں فرحت ہوتی ہے، عربوں نے اس لئے برصغیر کی حکمت آمیز امثال کو بخوشی قبول کیا اور ہندی تجربات کے نچوڑ سے اپنی زبان کو پُرکیف بنایا۔ چند ضرب الامثال بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

ثلاثة اشياء تزيد في الانس والثقة، الزيارة في الرحل والمواكلة ومعرفة الاهل والحشم۔

اربعة ليست لاعمالهم ثمرة، مسار الاصم والباذر في المسبخة والمسرج في الشمس وواضع المعروف عند من لاشكوله۔

ستة اشياء لاثبات لها، ظل الغمام دخلة الاشرار وعشق النساء والمال الكثير والسلطان الجائر والثناء الكاذب۔ [۱]

برِصغیر کی زبانوں پر عربی کے اثرات :۔ ہندی آریائی نسل کی زبان ہے جبکہ عربی سامی خاندان کی برگزیدہ زبان ہے۔ دونوں کا مزاج مختلف ہے مگر جب علاقائی قرب بڑھا تو باہمی اثر پذیری نے ہندی کو عربی کی وسعت اور فصاحت سے متمتع ہونے کے مواقع فراہم کئے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا اس سرزمین کو اپنی شناخت کے لئے ہند کا لفظ عربی ہی سے ملا، کہا جاتا ہے کہ حام بن نوح علیہ السلام کے دو صاحبزادوں کا نام ہند اور سند تھا۔ [۲] پھر پورے ملک کو ہند اور اسکے عربی اثرات والے صوبے کو سند کہا گیا۔ مگر جب یہ اسم علم یعنی ہند واپس عرب گیا تو اس مہمان اور پرانے ساتھی کی بہت آؤ بھگت ہوئی۔

برصغیر آریائی خطہ ہے اس لئے یہاں کی زبانوں کے رسم الخط آریائی اثرات کی وجہ سے بائیں سے دائیں لکھے جاتے ہوں گے، عربی کی سامی خصوصیت کا اثر یہ ہوا کہ رسم الخط کا رُخ بدل گیا۔

عربی ادب کا دامن اسلامی اصطلاحات سے مالا مال تھا اور جب برِصغیر سے تعلق بڑھا تو عربی اصطلاحات من و عن مقامی زبانوں میں جذب کر لی گئیں جس سے برِصغیر کی زبانوں پر خوشگوار اثر پڑا اور اُن میں وسعت پیدا ہوئی۔

اسلام چونکہ ایک طریقِ حیات ہے۔ اِس لئے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، عربی زبان اسلامی احکامات کی امین ہے، اسلئے اس میں زندگی کے تمام شعبہ جات کے لئے کلمات و مفردات کا ایک بحرِ زخار موجود ہے، جس نسبت سے یہ کلمات مقامی زبانوں میں داخل ہوتے گئے اُسی نسبت سے اُن کا عربی زبان سے قرب بڑھا، یہ اس اثر پذیری کا نتیجہ تھا کہ مقامی زبانوں اور عربی زبان کا لسانی بُعد ختم ہونے لگا اور آخر وقت آیا کہ مسلم ہند کی ہندی زبان بھی مشرف با سلام ہو گئی۔ اُردو جو اسلامی ثقافت کی زندہ مثال ہے۔ عربی اثرات کا نتیجہ ہے، یوں کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان نے اُردو کی ساخت و پرداخت میں مادرانہ کردار ادا کیا۔

اُردو کے علاوہ پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، سرائیکی، بنگلہ کھڑی بولی اور دیگر تمام علاقائی زبانوں کا احصار کیا جائے اور اُن کے مفردات کا ماخذ تلاش کیا جائے تو سینکڑوں نہیں ہزاروں الفاظ عربی الاصل نکلیں گے۔

غرضیکہ عربی اور برِصغیر کی زبانوں میں قریبی تعاون بڑھا اور ہر ایک نے دوسرے کے ذخیرہ الفاظ سے خوشہ چینی کی۔

---

[۱] معارف مئی ۱۹۶۹ء عربی زبان و ادبیات میں ہندی اثرات مولوی عبدالمجید ندوی ص ۳۹۷۔ [۲] تحفۃ الکرام ص ۳۔

علماء و ادباء:۔ عربی زبان و ادب سے رابطے اور دینِ اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں کثیر تعداد اُن علماء و ادباء کی سرگرم عمل نظر آتی ہے۔ جو برِصغیر کی کوکھ سے پیدا ہوئے۔ مگر عرب تہذیب و تمدن کو اپنانے اور دینِ متین کی تشریح و توضیح میں اپنی زندگیوں کو وقف کئے رکھا، یہ ان اربابِ علم کی محنت کا ثمر تھا کہ برِصغیر پاک و ہند کے عوام اپنے دین سے محبت کرنے والے ہیں اور تہذیبی و تمدنی اقدار میں اپنے عرب بھائیوں سے بہت قریب ہو گئے ہیں اور اس طرح ملت اسلامیہ کی وحدت کے مظاہر نظر آنے لگے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ہم ابتدائی عہد کے چند نامور علماء و ادباء کا مختصر تعارف پیش کر دیں تاکہ اُن کی مساعیٔ علمی کی جولان گاہ متعین ہو سکے۔

مولانا سلامی (دوسری صدی ہجری کا آغاز) دیبل کے رہنے والے تھے، محمد بن قاسم کے عہد میں مسلمان ہوئے اور راجہ داہر کے پاس بطور سفیر بھیجے گئے جہاں اُنہوں نے نہایت جرأت مندانہ انداز سے قوت ایمانیہ کا اظہار فرمایا۔ [۱]

ابو حفص الربیع بن صبیح السعدی (م ۱۶۰ھ) امام حسن بصری کے شاگرد تھے۔ ۱۶۰ھ میں ایک بحری فوج کے ساتھ ہند آئے مگر طاعون کا شکار ہو گئے۔ آپ علم حدیث کے اوّلین علمبرداروں میں سے تھے جنہوں نے دوسری صدی ہجری میں جمع و تدوین حدیث کا بہت کام کیا۔ ابن ماجہ میں ان سے روایت موجود ہے۔ [۲] حضرت عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) سفیان الثوری (م ۱۹۷ھ) ابو داؤد الطیالسی (م ۲۰۳ھ) عبدالرحمٰن بن المہدی (م ۱۹۸ھ) جیسے مشہور محدث الربیع کے شاگردوں میں شامل تھے۔ [۳] علامہ چلپی نے کشف الظنون میں کہا "وھو اوّل من صَنَّفَ فی الاسلام۔ [۴] مگر اس دعویٰ پر کئی اعتراضات کئے گئے ہیں۔

ابو معشر سندھی (م ۱۷۰ھ) نجیح بن عبدالرحمٰن السندی "ولد بالیمن وکان ابوہ سندیا اُخرم خیاطاً ومن ثم کان فی لسان ابی معشر تمتمۃ تدل علی اصلہ" [۵] زبان میں لکنت کی وجہ سے کاف کو قاف بنا دیتے تھے۔ [۶] "حدیث کے امام اور کتاب المغازی کے مؤلف تھے۔ جس کا ابن ندیم نے الفہرست میں ذکر کیا ہے" [۷] خلیفہ المہدی اُن کو اپنے ساتھ عراق لے گئے، ایک ہزار دینار دیئے اور کہا کہ وہاں رہ کر اہلِ عراق کو فقہ حدیث سکھائیں۔ [۸] بغداد میں انتقال ہوا اور خلیفہ ہارون الرشید نے نماز جنازہ پڑھائی۔ [۹]

خلف بن سالم السندی (م ۲۳۱ھ) کنیت ابو محمد تھی، آل مہلب سے نسبتِ ولاء رکھتے تھے۔ علم تجوید کے ماہر اور بغداد کے مایہ ناز حفاظ حدیث میں سے تھے۔ نسائی میں روایت ہے، ۲۲ رمضان کو انتقال ہوا۔ [۱۰]

محمد بن محمد بن رجاء السندی (م ۲۸۶ھ) ابو بکر اسفرائینی ایک صحیح کے مصنف ہیں جو امام مسلم کی کتاب پر تخریج ہے۔ [۱۱]

حسن بن حامد الدیبلی (م ۴۰۷ھ) دیبل کے رہنے والے تھے، بسلسلۂ تجارت عرب علاقوں میں گئے۔ بغداد میں سکونت کر لی، اور خوب دولت کمائی، کہتے ہیں کہ ابو الطیب المتنبی (م ۳۵۴ھ) جب بغداد گیا تو ان کا مہمان ہوا، حسن میں ایک عالم اور ایک کامیاب تاجر کے اوصاف یکجا دیکھ کر متنبی کافی متاثر ہوا اور کہنے لگا "لو کنتُ مادحاً تاجراً لمدحتُکَ" بغداد میں غرباء کے لئے ایک محتاج خانہ تعمیر کیا تھا جو خانِ ابن حامد، کہا جاتا تھا۔ حدیث سے انہیں اس قدر دلی انس تھا کہ حدیث روایت کرتے ہوئے اشکبار ہو جاتے تھے۔ [۱۲]

---

[۱] تاریخ سندھ ندوی ص ۳۵۲۔ [۲] حوالہ مذکورہ ص ۱۷۲۔ [۳] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص: ۴۹، ۵۰۔ [۴] نزھۃ الخواطر الجزء الاوّل ص: ۳۲۔ [۵] تاریخ الادب العربی بروکلمان الجزء الثالث ص: ۱۵۔ [۶] الاعلام الجزء الثامن ص: ۳۲۹۔ [۷] نزھۃ الخواطر الجزء الاوّل ص ۳۶ [۸] تذکرۃ الحفاظ اردو ص: ۱۹۳۔ [۹] الاعلام الجزء الثامن ص: ۳۲۹۔ [۱۰] تذکرۃ الحفاظ اردو جلد دوم ص ۳۵۴۔
[۱۱] حوالہ مذکورہ ص: ۴۷۸۔ [۱۲] علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص: ۵۶۔

شیخ محمد اسماعیل محدث لاہوری (م ۴۴۸ھ) بخارا کے سادات عظام میں سے تھے جو سلطان محمود غزنوی کے عہد کے اواخر یعنی ۳۹۵ھ میں شہر لاہور آئے اور لاہور ہی میں سکونت پذیر ہو گئے ۔ واعظانِ اہل اسلام میں سے آپ ہی سب سے پہلے لاہور تشریف لائے اور آپ کے وعظ و نصائح کی تاثیر سے ہزاروں کفار مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ [۱]

سید علی الہجویری داتا گنج بخش (م ۴۶۵ھ) اولیائے متقدمین میں سے جامع علوم تھے ، درسیات کی تکمیل کے بعد سلوک کی منزلیں اس ذوق و وارفتگی سے طے کیں کہ ان کی عظمت کا سب کو اعتراف ہے ۔ کشف المحجوب اُن کی شہرہ آفاق کتاب ہے ۔ جس میں مسائل تصوف کی تفہیم اور دینی راہنمائی کے لئے ایسا دلکش اسلوب اختیار کیا کہ یہ کتاب بذاتِ خود ایک راہنما نشان بن گئی ۔ کہتے ہیں آپ نے ایک دیوان شعر بھی ترتیب دیا تھا ۔ مگر کسی ستم ظریف نے اُسے اپنے نام مشتہر کر دیا ۔ [۲] ۔ اور بھی متعدد کتابوں کے نام ملتے ہیں جو آپ کے نام سے منسوب ہیں ۔

محمد بن عثمان الجوزجانی (م بعد ۵۹۰ھ) فقیہ صوفی اور ادیب تھے ، شہاب الدین غوری کی جانب سے لاہور میں لشکر کے رئیس بنے ، چند سال اس عہدہ پر رہے پھر شریعت اسلامیہ کے معاملات کے نگران ہو گئے ، طبقاتِ ناصری ان کے صاحبزادے عثمان بن محمد کی تالیف ہے ۔ [۳]

ان کے علاوہ بھی محدثین ، فقہا ، مفسرین ، قراء ، واعظین ، خطباء ، مبلغین و قضاۃ ، لغویین اور نحاۃ کی طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ برصغیر نے ابتدائی ایام اتصال میں عربی زبان کی خدمت کا حق ادا کیا تھا ۔ صوفیاء کرام کی آمد بھی اسی دور سے شروع ہو گئی تھی ۔ چنانچہ سید علی الہجویری داتا گنج بخش (م ۴۶۵ھ) کے علاوہ شیخ صفی الدین گازرونی (م ۳۹۷ھ بمقام اوچ) شاہ یوسف گردیزی (م ۵۴۷ھ بمقام ملتان) ، سلطان سخی سرور (م ۵۷۷ھ بمقام ڈیرہ غازی خان) بھی تشریف لائے ۔ ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ سے برصغیر کا دینی رُخ ، تہذیبی اور ادبی زاویہ نگاہ تبدیل ہوا اور اسلامی ہند کی حیثیت متحقق ہوئی ۔

---

[۱] حدائق الحنفیہ ص : ۲۲۰ ، ۲۲۱ ۔ [۲] مقالات شیرانی جلد ششم ص : ۱۷۱ ۔ [۳] نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص : ۱۱۱ ۔

برصغیر کی عربی شاعری، خصوصیات اور ابتدائی خدوخال۔

برصغیر کی قدیم روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہلِ ہند فطرتاً اور مزاجاً شعر پسند لوگ تھے۔ بعض اصحاب نے تو اس جذبہ شعر کی روایت ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام تک طویل کر دی ہے کہ جب ہبوطِ آدم اس سرزمین پر مانا جاتا ہے تو حسنِ گویائی اور رعنائی نطق کا ماخذ بھی آپ کی ذات کے حوالے سے اسی خطۂ ارضی کو ماننے میں کونسی قباحت ہے۔ مولانا نجم الغنی رامپوری نے مرأۃ آفتاب نما، روضۃ الاحباب، تذکرہ دولت شاہی، زین القصص، روضۃ الصفا، کامل التواریخ اور تفسیر معالم التنزیل کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شعر کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے۔ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو حضرت آدم صفی اللہ نے اس کے ماتم میں مرثیہ اشعار میں کہا تھا۔ [1] اگرچہ امام زمخشری، امام رازی سے انبیاء علیہم السلام کا شعر و شاعری سے مبرا ہونا منقول ہوا ہے۔ مگر شعراء کے ہاں یہ روایت قائم رہی اور انہیں اس پر فخر بھی رہا، مرزا صائب مشہور فارسی شاعر کا شعر ہے۔

؎ آنکہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود — طبع موزوں محبت فرزندیٔ آدم بود [2]

نواب صدیق حسن خان کی رائے ہے: اوّل من قدر جواهر المنطق بالميزان ونظم اللالى الخاصة بخزينة الانسان صفى الله آدم عليه السلام فالشعر المتول منه آدم الاشعار والجد الاعلى لنتائج الافكار واسنده ابن الاثير وغيره من الجم الغفير الى آدم عليه السلام و انكر جمع كثير من المحققين وقال آخرون رثى آدم هابيل بالسريانية فلما وصل الى يعرب بن قحطان ترجمها بالعربية" [3]۔

اہل ہند میں شعریت کا ذوق اسی نسبت سے وراثۃً موجود ہے۔ " وقد توارث اولاد آدم الشاعرية من هم من سكن الهند" [4] یہ ایک نیم تاریخی سند تھی تاریخی اعتبار سے بھی ہند کی قدامتِ شعریت پر اربابِ نقد کا اتفاق ہے۔ جرجی زیدان کہتا ہے: " الهنود امة قديمة والطبقة العلياء منهم اخوان الفرس واليونان وقد نظموا الملاحم ودونوا الاخبار شعراً من قديم الزمان" [5] اور اس حُبِ شعری کا اثر ہے کہ برصغیر کی قدیم رجزیہ داستانیں منظوم ہیں۔ البیرونی نے ان منظوم داستانوں کا ایک اور سبب بتایا ہے کہ "ہندوستان کی قدیم کتابیں منظوم ہیں تاکہ محفوظ رہیں"۔ [6]

عربوں کا قدیم ورثہ بھی منظوم ہے۔ شعر عربوں کی زندگی کا عکاس اور ان کے وقائع و حوادث کا روزنامچہ ہے۔ اسلئے جب وہ ہند آئے تو شعری ذوق انہیں عصری تقاضوں کو منظوم کرنے کی ترغیب دیتا رہا۔ ابتدائی دور باہمی نبرد آزمائی اور تیغ زنی کا دور تھا مگر اس کے باوجود ان کی شعر گوئی جاری رہی۔ سندھ کے عرب حکمرانوں میں فاتح سندھ محمد بن قاسم بذاتِ خود عربی کا ایک قادر الکلام شاعر تھا اور بقول ڈاکٹر ممتاز پٹھان سندھ میں محمد بن قاسم پہلا فرد تھا جس نے عربی شاعری کی ترقی اور نشو و نما کی ابتدا کی۔" [7] عرب عہد حکومت میں عربی زبان کی ترویج و اشاعت کے ساتھ عربی شعر کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع ملا، عرب آباد کار تو عربی ذوق اور معیارِ شعر سے باخبر تھے مقامی لوگوں کو بھی ان کے زیرِ سایہ عربی زبان و ادب سے بہرہ ور ہونے کے مواقع میسر آئے۔ فطری ذوق، پُرخلوص خواہش اور مساعد حالات نے شعر کی آبرو برقرار رکھی مگر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ پرورشِ لوح و قلم ایک ثانوی مصروفیت تھی، تبلیغ و اشاعتِ اسلام کو تقدم اور برتری حاصل تھی کہ اس سرزمین پر دینِ متین کو مستقل قیام کرنا تھا۔ مہاجر عربوں کی شخصیات کا شمار کیا جائے تو ان میں شعراء سے کہیں زیادہ علماء نظر آتے ہیں یا پھر صوفیاء جن کی آمد قدرے تاخیر سے شروع ہوئی۔ مگر جن کے اثرات دیرپا بھی تھے اور ہمہ گیر بھی۔ علماء و صوفیاء ذوقِ شعری سے بہرہ مند تھے مگر شاعری ان کا مشن نہ تھا اسلئے شعر گوئی جز وقتی مشغلہ تھا۔ علماء نقد باخبر ہیں کہ علماء کی

---

[1] بحر الفصاحت ص ۵۔ [2] حوالہ مذکورہ۔ [3] ابجد العلوم ص ۲۱۱ [4] حوالہ مذکورہ [5] تاریخ ادب اللغۃ العربیۃ الجزء الثانی ص ۳۱۔
[6] کتاب الهند حصہ اول ص ۱۵۔ [7] ماہنامہ فکر و نظر شوال ۱۴۰۱ھ / اگست ۱۹۸۱ء ص ۱۷ مقالہ سمہ حکمرانوں کے علمی کارنامے رحمت فرخ آبادی۔

شاعری علم سے مملو تو ہوتی ہے مگر جنس شعریت اُن کے کلام میں عموماً مفقود ہوتی ہے۔ برصغیر کی عربی شاعری علماء کی چھاپ کی وجہ سے سمٹی سمٹائی سی رہی اور اُسے وہ آزاد فضا میسر نہ آئی جو عرب کے صحراؤں میں اُسے نصیب تھی۔ اس کم آمیزی سے فارسی شعر نے تقویت پائی اور برصغیر بتدریج فارسی کے اثرات تلے آتا چلا گیا، قرب مکانی اور تہذیبی مناسبت نے فارسی کو سبقت دلادی، دو غیر زبانوں میں انتخاب کا مرحلہ آیا تو عربی زیادہ اجنبی ثابت ہوئی اور فارسی ہمسائگی کا فائدہ اٹھانے میں کامیاب رہی۔ مگر عربی کی دینی اور علمی حیثیت سے انکار نہ اُس وقت ہو سکتا تھا نہ کبھی ہو سکا ہے اسلئے عربی نے اپنے لئے دینی و علمی کردار پسند کر لیا اور ادبی محاذ پر فارسی کا قبضہ رہا۔ اس طرح عربی شعر کو ضعف پہنچا۔ بایں ہمہ عربی شاعری زندہ تھی اور اُس نے قابلِ ذکر مقام حاصل کر لیا تھا، اُس دور کی عربی شاعری پر گفتگو سے پہلے مناسب ہوگا کہ عصری حوالوں سے اُس کے خد و خال متعین کر لئے جائیں۔

برصغیر کی عربی شاعری کو عجمیوں کی عربی شاعری کہا جانا چاہیئے تاکہ ابتدا ہی میں یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ اُن لوگوں کا نتیجۂ فکر ہے جن کے ہاں عربی لغت ثانیہ ہے۔ علماء لسان جانتے ہیں کہ مادری زبان کے علاوہ کسی زبان پر مکمل عبور ایک خواب ہے جس کی تعبیر صرف استثنائی حالات میں ممکن ہے۔ علامہ ابن خلدون کا قول ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ عجمیوں کے لئے عربی زبان پر اہل زبان کی سی مہارت امر محال ہے۔ اسلئے ناقدین کو چاہیئے کہ تیشۂ تنقید چلاتے وقت اپنی ضربوں کو قدرے خفیف رکھیں۔

برصغیر میں عربوں کا کوئی نمائندہ شاعر نہیں آیا کہ شعراء کو خلفاء کی مدح خوانی سے فرصت نہ تھی اور تلوار زنی اُن کی عادت نہ رہی تھی، عباسی خلفاء کے دور میں عالم عرب پر ہن برس رہا تھا اور شعراء کی جھولیاں سیم و زر سے بھری جا رہی تھیں، ایسے آسودہ حال معاشرے کو چھوڑ کر سندھ کے ریگستانوں میں اُن کے لئے کیا کشش تھی؟ حکیم بن جبلۃ جیسے متوسط درجے کے شاعر کی سندھ کے بارے میں رائے ہم پڑھ چکے تو فحول شعراء سے کیا امید کی جا سکتی تھی، ان حالات میں اہلِ ہند کے سامنے جو زندہ نمونے تھے وہ درجہ اوّل کے نہ تھے، معیار ہی کم تر ہو تو نتائج اُس سے بھی پست تر ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

برصغیر کے شعراء ہم عصر ثانوی معیار سے جب نظریں اٹھاتے تھے تو قدیم عرب شعراء کی فصاحت و بلاغت پر قربان ہونے لگتے تھے۔ جاہلی شعراء ہوں یا مخضرمون یا ابتدائی اسلامی دور اور اموی دور کے شعراء کا آہنگ مشترک تھا، ان شعراء کے دواوین میں سے چند نمایاں تر دیوان منتخب کر لئے گئے اور درسیات کا حصہ بنا لئے گئے۔ ان شعراء کی تشریحات مدرسین یا علماء دین کی ذمہ داری تھی، امرء القیس ہو یا طرفۃ بن العبد ایسے بدست شعراء کی تشریحات پہ دینی وقار کا غلبہ تھا اسلئے اُن کے خیالات کا دور تک پیچھا نہ کیا جا سکتا تھا، اس طرح فحول شعراء کی سطوت تو قائم رہی مگر اُن کے خیالات کا پورا ساتھ نہ دیا گیا، پھر یہ کہ ماحول مختلف تھا مگر شعری ضابطے اور اسلوب بدویت آشنا ہی رہے جبکہ ہندی شعراء کے ہمعصر عرب شعراء مجتہدانہ تجدد پسندی کی وجہ سے بہت آگے نکل گئے تھے۔ مولدون یعنی عباسی دور کے شعراء کی طرح ہندی شعراء کا ماحول قدیم عرب شاعروں سے مختلف تھا، سندھ میں صحرا تو تھے مگر اُن کی ہیبت ناکی عرب صحراؤں کی مثیل نہ تھی۔ اُونٹ یہاں بھی تھا مگر عرب کے ریگ زاروں میں مسلسل رواں رہنے والے اُونٹ سے کم تر تھا، مولدون نے تبدیلی حالات کے مطابق آہنگ تبدیل کر لیا تھا، اُنہیں یہ حق بھی حاصل تھا کہ عرب ہونے کے ناطے اُنہیں کسی روایت کی تقلید پر مجبور نہ کیا جا سکتا تھا۔ مگر ہندی شعراء میں یہ دم خم نہ تھا کہ اُن پر عجمیت کا داغ تھا۔ اس تناظر میں جب ہم برصغیر کے شعراء کا جائزہ لیتے ہیں تو قدیم اسلوب میں مقامی تقاضوں کو سمونے کی کوشش نظر آتی ہے۔ اگر ماحول زیادہ عرصہ تک سازگار رہتا تو ممکن تھا کہ ایک مختلف اور منفرد آہنگ عربی شاعری کو نصیب ہو جاتا۔ مگر بوجوہ ایسا نہ ہو سکا اور برصغیر بھی اندلس کی طرح شعر کے میدان میں عرب دُنیا سے بہت پیچھے رہا۔

شاعر جب اپنا معیار خارج سے مستعار لیتا ہے تو عصری تقاضوں سے اغماض یقینی ہو جاتا ہے۔ عرب شاعر کی آنکھ کھلی تھی وہ جو کچھ

دیکھتا تھا زبان پر لاتا تھا مگر عجمی شعراء کے ہاں یہ قباحت اُن کی عادت ثانیہ بن چکی تھی کہ وہ جو کچھ دیکھتے ہیں اُس کو زبان دینے میں اخلاقی جرأت کے فقدان کا شکار ہو جاتے ہیں اور "سرِّ دلبران" "در حدیثِ دیگران" کہنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ برصغیر کی عربی شاعری کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ اس میں برصغیر کے جغرافیائی کارکنوں، تہذیبی عوامل کے تذکرے معدوم ہیں۔ ہماری یہ رائے شعری مواد کی موجود صورت کے مشاہدے کی بنا پر ہے۔ ہو سکتا ہے اصل صورتِ حال ایسی نہ ہو کیونکہ زمانے کی دست بُرد نے بہت تھوڑا شعری مواد آئندہ نسلوں کو منتقل ہونے دیا ہے۔

عربوں کی آمد سے قبل برصغیر پر مختلف راجے مہاراجے حکمران تھے، ہندوستان میں شخصی حکمرانوں کو مقدس و محترم مقام حاصل رہا ہے۔ یہاں تک کہ اُنہیں آسمانی یا ماورائی حقوق کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ حکمران اور رعایا کا رابطہ محبت کے بجائے خوف پر استوار تھا، بُعدِ منزلت نے تعلقات میں غیریت پیدا کر دی تھی اور درمیانی فاصلے بڑھ گئے تھے۔ ان فاصلوں میں زبان کا بُعد بھی تھا۔ برہمن کی زبان شودر کی زبان سے مختلف تھی اور ناقابلِ فہم بھی۔ اس مجلسی تفاوت نے زبان کو چیستان بنا دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں عربی زبان مقامی لہجوں کے فرق کے باوجود ایک تھی اسلئے عربی شعر قابلِ فہم اور سہل الحصول تھا۔ برصغیر کے معاشرتی دباؤ نے عربی شعر کی سادگی پر ملمع کاری شروع کر دی۔ صنائع بدائع کا بے محابا استعمال لفظی موشگافی کی حد تک باعثِ حیرت ضرور تھا مگر باعثِ انبساط ہرگز نہ تھا، الفاظ کی تجنیس کسی دور میں بھی محبوب نہیں رہیں مگر اہلِ ہند نے اسے اپنی شعری عظمت کا زینہ بنایا، امیر خسرو جن کی شعری عظمت کا ایک زمانہ معترف ہے، نے متعدد صنائع ایجاد کیں، مولانا آزاد بلگرامی نے ان پر مزید اضافے کئے، ان سے قبل مسعود سعد سلمان بھی صنائع پسندی کا نخچیر تھا۔

شعر کا ہیئتی ڈھانچہ عروض و قوافی کے حوالے سے جانچا جاتا ہے۔ علم عروض کی مبادیات تو مشترک ہیں مگر ہر زبان کی انفرادی خصوصیات 'معانی'، کے علاوہ 'الفاظ'، کے دروبست پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ مزید براں موسیقی کی طرح عروض پر بھی مقامی اثرات مرتب ہوتے ہیں عربی شاعری جب برصغیر میں داخل ہوئی تو اس کے بحور و اوزان مقرر ہو چکے تھے۔ انہیں اوزان و بحور کو اہلِ ہند نے استعمال کیا مگر مقامی آہنگ اور علاقائی لہجے کی وجہ سے بعض اوزان زیادہ پسند کئے گئے اور کہیں کہیں مروجہ اوزان اور مقررہ بحور میں تبدیلی کی جرأت بھی کی گئی۔ برصغیر میں عربی شعراء کی منتخب بحور کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر حامد علی خاں کہتے ہیں۔

"ہندوستانی شعراء نے سبع معلقات اور دیوان متنبی کی متداول بحروں کو خصوصیت کے ساتھ اپنایا، ان شعراء کے کلام نے اہلِ ہند کو ہر ایک امر کی پیروی کرنے میں نمونے کا کام انجام دیا۔ ہندوستانی شعراء کا کلام اگرچہ تمام بحروں میں مل جاتا ہے لیکن درحقیقت ان کی پسندیدہ بحریں: طویل، کامل، وافر، بسیط، رمل، متقارب ہیں۔"[۱]

جیسا کہ عرض کیا گیا برصغیر کے شعراء کو صنائع بدائع کے استعمال اور نئی ایجادات کا بڑا ذوق تھا۔ اس اختراع پسندی میں اُنہوں نے قافیہ تک میں اپنے ذوق کے مطابق کچھ نئے التزامات کئے۔ صنعت ذوقافیتین عجمی ایجاد ہے، برصغیر کے شعراء نے اسے اپنایا اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کا وزن بھی اختراع کیا۔ مسعود سعد سلمان کے مندرجہ ذیل اشعار میں صنعت ذوقافیتین ہے اور ان کا وزن 'مفعول مفاعلن فعولن' ہے جو خالص فارسی وزن ہے۔ اگرچہ صفدی نے شرح لامیۃ العجم میں اسے بحرِ وافر کی ایک فرع قرار دیا ہے۔[۲]

یَا لَیْلَۃً اَظْلَمَتْ عَلَیْنَا — لَیْلَاءَ قَارِیَۃَ الدَّجْنَہ

---

[۱] معارف اپریل ۱۹۶۸ء ص: ۲۹۷ "ہندوستان کی عربی شاعری کی لسانی و ادبی خصوصیات"، ڈاکٹر حامد علی خاں۔

[۲] حوالہ مذکورہ ص: ۲۹۸۔

قَدْ دَکَفْتُ فِی الدُّجٰی عَیْنًا ـــ کَهْمًا خُدَارِیَّةَ الدَّجِنَہْ

فَبِتُّ اَقْتَا سُهَا فَکَانَتْ ـــ حُبْلٰی نَهَارِیَّةَ الدَّجِنَہْ ؎۱

مسعود سعد سلمان، امیر خسرو، آزاد بلگرامی نے کئی شعری تجربے کئے، مسدس بحور کو مثمن بنانا، رباعیات میں مشق سخن کرنا عجمی یا مقامی اثرات تھے ہندی بحور کو استعمال کرنے کا شوق بھی پیدا ہوا قاضی لیعقوب مانکپوری (م ۹۹۸ھ) ہندی بحور میں عربی شعر کہتے رہے۔ ؎۲ ایک اور مقامی اثر جس کا کہیں کہیں اظہار ہوا صیغہ خطاب میں تغیر تھا۔ عربوں میں مخاطب کے لئے صیغہ تانیث استعمال ہوتا ہے کہ محبوب عورت ہے جبکہ فارسی میں محبوب کے لئے صیغہ مذکر مستعمل ہے۔ یہ فارسی اثر برصغیر کی عربی شاعری پر بھی پڑا جیسے احمد بن حسن میمندی (م ۴۲۴ھ) کے اشعار میں ہے:

وَمُهَفْهَفٌ کَذِی الْمَعَاطِفِ نَصبۃ ـــ فِی حُسْنِ طَاوُسٍ یَدُوْرُ بِکَاْسٍ

عَانَقْتُہٗ مُسْتَنْطِقًا بِوَدَاعِنَا ـــ لِحُسْنٍ بِہٖ مِنْ زِیْنَۃٍ وَلِبَاسٍ

فَتَمَایَلَتْ اَعْطَافُہٗ مُتَبَخْتِرًا ـــ فَوَقَعْتُ بِالْوَسْوَاسِ فِی الْوَسْوَاسِ ؎۳

معانی کے لحاظ سے زیادہ فرق نہ آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں تو ایسا ممکن نہ تھا کہ آپ کی ذات کے بارے میں تمام خیالات قرآن و حدیث کے حوالوں سے چنے جا رہے تھے پھر یہ کہ مدحیہ شاعری علماء کے زیر داماں پروان چڑھ رہی تھی اسلئے اُن کا عجمی خیالات میں ہبوط ممکن نہ تھا۔ عام شاعری میں بھی یہ اثرات بہت کم تھے اسلئے کہ ہمارے شعراء کے ہاں معیار قدیم عرب شاعر تھے اسلئے خیالات بھی اُنہیں کے اشعار سے اٹھائے جارہے تھے یہ لزوم مالا یلزم تھا مگر بیشتر ایسا ہی ہوا۔

یہ تھا ماحول اور یہ تھیں حدود جن میں عربی شعر برصغیر کی فضا میں پنپ رہا تھا۔ ذیل میں ہم چند شاعروں کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ ابتدائی نمونوں کا اندازہ ہو سکے۔ یہ ضرور یاد رہے کہ زمانے کی دست برد سے بہت تھوڑا کلام بچا ہے جسے دور اول کا نمائندہ کلام تو نہیں کہا جا سکتا صرف اُس دور کا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ابتدائی شعراء۔

محمد بن قاسم (م ۹۶ھ) فاتح سندھ اور دور اموی کا وہ قابل فخر سپہ سالار جس کی جوان مرگی پر عالم اسلام کو ہمیشہ حسرت رہی قدرت نے اُسے قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، مفتوحہ علاقوں کے انصرام میں اُسے کمال صلاحیت حاصل تھی۔ اخلاقی اور کرداری خوبیوں کے ساتھ اُس کے اندر ایک پختہ شاعر بھی موجود تھا، مسلسل عسکری مصروفیت اور نوعمری کی موت نے اُس کی شعری صلاحیتوں کو اجاگر ہونے کا موقع نہیں دیا پھر بھی موقع محل کے مطابق جتنے شعر بھی محفوظ رہے ہیں اُن سے اُس کی ادبی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان اشعار کا صدور چونکہ برصغیر میں ہوا اس لئے ان پر اس سرزمین کا دعوی استقرار حق ناواجب نہیں، قید کے زمانے میں کہے گئے شعروں سے اسکی ذہنی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔

لَوْ کُنْتُ اَجْمَعْتُ الْفِرَارَ لَوُطِئَتْ ـــ اِنَاثٌ اُعِدَّتْ لِلْوَغٰی وَذُکُوْرُ

وَمَا دَخَلَتْ خَیْلُ السَّکَاسِکِ اَرْضَنَا ـــ وَلَا کَانَ مِنْ عَکٍّ عَلَیَّ اَمِیْرُ

وَلَا کُنْتُ لِلْعَبْدِ الْمَزُوْنِیِّ تَابِعًا ـــ فَیَالَکَ دَهْرٌ بِالْکِرَامِ عَثُوْرُ ؎۴

؎۱ حدائق السحر فی دقائق الشعر ص: ۵۷۔ ؎۲ نزهۃ الخواطر الجزء الرابع ص: ۳۹۴، تذکرہ علمائے ہند ص: ۵۵۱۔
؎۳ لباب الالباب النصف الاول ص: ۶۳۔ ؎۴ فتوح البلدان القسم الثالث ص: ۵۲۹۔

تیسرے شعر کے عجز میں جذبے کی شدت ملاحظہ ہو کہ کیسے دل کی بات زبان پر آگئی، بات دل سے نکلے تو غمازِ حقیقت ہوتی ہے۔ اسی لئے یہ مصرع ایک دائمی حقیقت کا اشاریہ بن چکا ہے۔

ہارون بن موسیٰ ملتانی:- سرزمین ملتان کا پہلا بلند پایہ شاعر جو بنی ازد کے موالی میں تھا اور ملتان کے گرد و نواح کا حاکم تھا۔ مشہور عرب شاعر کمیت کے ساتھ اس کے دوستانہ روابط اس کے بلند پایہ شاعر ہونے کی دلیل ہیں، جاحظ نے اسے ملتان اور اس کے گرد و نواح کا سب سے بڑا شاعر قرار دیا ہے۔ جاحظ نے کتاب الحیوان میں اس کے چار مختلف قصائد سے چھبیس اشعار نقل کئے ہیں۔ ان اشعار سے اس کی قادر الکلامی اور اس دور کے سماجی شعور کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ہاتھی کے اوصاف کے بارے میں کہتا ہے۔

ولما رأيت السيف فی راس هضبة — كما لاح برق من خلال غمام

فعافسته حتی لزقت بصدره — فلما هوی، لازمت ای لزام

وغدت بنابيه وادبرها دبا — وذالك من عادات كل محامی

فحال وهجيراه صوت مخضرم — وأيت بقرنی يذبل وشمام ۔ [1]

ابو عطاء السندی (م بعد ۱۸۰ھ) افلح بن یسار یا مرزوق بن یسار سندھی اپنی کنیت ابو عطاء سے معروف ہے۔ اس کا باپ یسار بنو اسد کے غلام کی حیثیت سے عراق لایا گیا تھا۔ ابو عطاء کوفہ میں پیدا ہوا، بنو اسد کے موالی کی حیثیت سے کوفہ میں زندگی بسر کرتا رہا [2]۔ شعر و شاعری کا فطری ذوق تھا۔ جب اس میں کمال حاصل ہوا تو اس کے آقا عنترہ بن سماک نے اسے آزاد کر دیا لیکن جب شہرت پھیلی اور امراء دولت کے درباروں سے بڑے بڑے صلے ملنے لگے تو آقا نے آزادی کی چار ہزار قیمت وصول کی۔ ابو عطاء نے بھی باقاعدہ آزادی کے بعد اس کی بڑی ہجو کہی [3]۔ ابو عطاء شعرا بنی امیۃ میں شمار ہوتا تھا۔ [4] امویوں کا پرجوش حامی تھا۔ خلفاء بنی امیۃ کی مدح میں قصائد لکھتا رہا اور جب بنو امیۃ اور بنو عباس میں ٹھن گئی تو ان معرکوں میں بھی اپنے قلم اور تلوار کے ساتھ بنو امیۃ کے زوال پذیر خاندان کی حمایت کرتا رہا۔ [5] نصر بن سیار جو اموی دور کے آخر میں خراسان کا گورنر تھا کے مقربین میں سے تھا۔ [6]۔ بنو عباس برسر اقتدار آئے تو قدرے مشوش رہا مگر پھر ابو العباس السفاح کی مدح سے عظمتِ رفتہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی مگر "یہ دوسری بات ہے کہ فولاد صفت السفاح اس قسم کی چاپلوسی سے متاثر نہ ہو سکا۔ [7]۔ ابو عطاء کی وفات کے بارے میں قدرے اشتباہ ہے" قال البغدادی: مات عقب ایام المنصور، قال ابن شاکر: توفی بعد الثمانین والمائۃ"[8] دوسری روایت کو زیادہ پذیرائی حاصل ہے۔ [9]۔

ابو عطاء کی زبان میں عجمیت کے علاوہ لکنت بھی تھی، اصواتِ عربیۃ کی ادائیگی میں سخت اضطراب تھا۔ بروکلمان کہتا ہے۔ "وكان ابو عطاء يجمع بين اللثغة واللكنة، فكان لا يكاد يفهم كلامه ولذلك أمر له سليمان بن سليم بوصيف بربری فصيح فسماه عطاء وتكنی به ورواه شعره، فكان اذا أراد إنشاد مديح لمن يجتديه أو مذاكرة شعر أنشده" [10] اس لکنت کا نتیجہ تھا کہ وہ جاء کو ھاء، جیم کو زاء اور شین کو سین بنا دیتا تھا۔ علماء عربیت اس کوتاہیٔ تلفظ کا لطف اٹھاتے تھے اور ارادۃً ایسے الفاظ کی ادائیگی پر اصرار

---

[1] معارف جون ۱۹۷۸ء ہندوستان کی عربی شاعری میں جغرافیائی و تہذیبی اثرات ص ۴۲۲ تا ۴۴۴ [2] الاعلام الجزء الاول ص: ۳۴۲ [3] تاریخ سندھ ندوی ص: ۳۶۰۔

[4] تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی شوقی۔ ص: ۳۴۰ [5] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر ا۔ ص: ۸۶۱۔

[6] تاریخ سندھ ندوی ص: ۳۶۰ [7] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ا۔ ص: ۸۶۱ [8] الاعلام الجزء الاول ص: ۳۴۲۔

[9] نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص: ۲۳ [10] تاریخ الادب العربی الجزء الاول ص: ۲۴۵۔

کرتے تھے۔ ابن قتیبہ (م ۲۷۶ ھ) نے ایسی ہی ایک محفل کا ذکر کیا ہے جہاں ابو عطاء کو بلایا گیا تو اُس نے آتے ہی کہا "مرحبا مرحبا ھیّا کم اللہ"[۱]۔ اسی طرح ایک جملہ اُس سے منسوب ہے کہ اُس نے کہا: "والا منذ لدن ذواتا وقلت لبسیا ماالتك تضنا" مراد یہ تھی۔ "وَاِنَّكَ مُنْذُ دَعوتُكَ وَقلت لبيّك ماكنت تصنع"[۲] لہجے اور نطق کی اس خامی کے باوجود ابو عطاء عربی شعر پر مکمل دسترس رکھتا تھا۔ ایک بسیار گو شاعر کی حیثیت سے ابو عطاء کا شمار عربی ادب کے سربرآوردہ شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ نصر بن سیّار اور حماد الراویہ جیسے اشخاص نے اُس کی شعری صلاحیتوں کی تعریف کی ہے۔[۳] کتاب الاغانی، دیوان الحماسۃ اور الشعر والشعراء لابن قتیبۃ میں اس کے اشعار موجود ہیں۔ اُس کی شعری عظمت کو سب نے سلام کیا مثلاً: "وَ کانَ من احسن النّاس بدیھۃ واشدھم عارضۃ وتقدّمًا"[۴] ڈاکٹر حامد علی خان رقمطراز ہیں: ابو عطاء سندھی کے اگرچہ صرف ۱۳۴ اشعار دستیاب ہوئے ہیں لیکن یہ اشعار مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں اور ان سے اس کی ادبی صلاحیتوں، کلام کے تنوع، شعر و سخن کی مقبولیت، عوام و خواص کے میلان کا پتہ چلتا ہے اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ابو عطاء شعر و ادب میں بلند پایہ کا مالک تھا۔ اس نے اپنی خداداد ذہانت اور کلام کی بلندی کی بدولت اپنی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر آزادی حاصل کی اور ایسی شہرت پائی کہ اموی دربار سے وابستہ ہو گیا۔ حماد الراویہ جیسے بے مثل شاعر و ادیب سے اُس کی دوستی تھی۔ مشہور شاعر ابو دلامۃ سے معاصرانہ چشمکیں رہیں۔[۵]

ابو عطاء نے آخری اموی گورنر نصر بن سیار کی مدح کرتے ہوئے کہا:

قالت بریکۃ بنتی وھی عائبۃ — ان المقام علی الاخلاص تعذیب

انی دعانی الیك الخیر من بلدی — والخیر عند ذوی الاحسان مطلوب

اس پر نصر بن سیار نے چالیس ہزار درہم دیا۔[۶] جب غلامی کی زنجیروں کے کاٹنے کے لئے اُس کے دوست الحر بن عبد اللہ القرشی نے اُسے چار ہزار درہم دیئے تو ابو عطاء نے ممنونیت کا اظہار یوں کیا۔

اَبَیتكَ لاَمِنْ قُربَۃٍ ھِیَ بَینَنَا — وَلاَ نِعمَۃٍ قَدَّمتَھَا اَستَثِیبُھَا

وَلٰكِن مَعَ الرَّاجِینَ اِن كُنتَ مَورِدًا — اِلَیهِ بُغَاۃَ الدِّینِ تَھفُو قُلُوبُھَا

اَغِثنِی بِسَجلٍ مِن نِدَاكَ یَكفِنِی — وَقَاكَ الرَّدَی مَودُ الرِّجَالِ وَشِیبُھَا

تُسَمّی ابنُ عَبدِ اللہِ حُرًّا كَوَصفِہٖ — وَتِلكَ العُلٰی یَعنِی بِھَا مَن یَعِیبُھَا[۷]

سیاسی ضرورت اور معاشی مجبوری کا اندازہ کیجئے کہ بنو امیہ سے قلبی تعلق کے باوجود جب بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی تو ابو عطاء نے ابو العباس السفاح (م ۱۳۶ھ) کی مدح میں بنی امیۃ پر شدید حملے کئے۔

اِنّ الخیار من البریۃ ھاشم — وبنو امیۃ ارذل الاشرار

اَمّا الدعاۃ الی الجنان فھاشم — وبنو امیۃ من دعاۃ النار[۸]

مگر جب عباسیوں نے منہ نہ لگایا تو بد دلی میں ہجو کہی۔

---

[۱] الشعر والشعراء ص: ۷۹۷۔ [۲] نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص: ۲۱ [۳] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۴۴۔
[۴] نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص: ۱۹۔ [۵] معارف جولائی ۱۹۶۸ء عربی کے ہندوستانی شعراء پر ایک نظر ص ۷۰۔ [۶] نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص: ۲۳۔ [۷] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص: ۴۳ بحوالہ الاغانی۔ [۸] الشعر والشعراء ص: ۷۹۸۔

بنی ھاشم عودوا الی نخلا تکم ــ فقد قام سعر التمر صاعا بدرھم

فان قلتم رھط النبی و قو مــہ ــ فان النصاری رھط عیسیٰ بن مریم [1]

ابو عطاء کے عمدہ اشعار میں سے وہ مرثیہ بھی ہے جو اُس نے ابن ہبیرہ کے واسط میں قتل پر کہا تھا:۔

الاان عیناً لم تجد یوم واسط ــ علیک بجاری دمعھا لجمود

عشیة قام النائحات وشققت ــ جیوب بایدی ماتم وخدود

فان تمس مھجور الفنا ءربما ــ اقام بہ بعد الوفود وفود

فانک لم تبعد علی متعھد ــ بلی کان من تحت التراب بعید [2]

ان اشعار میں ہندی اثرات صاف نظر آرہے ہیں کیونکہ نوحہ خواں عورتوں کا ذکر، ماتم میں رخسار پیٹنا اور دامن پھاڑنا عربوں کے مراثی کے اجزاء میں نہیں تھا۔ ابو عطاء کی شہرت کا اصل راز وہ تین شعر ہیں جو ابو تمام الطائی (م ۲۳۱ھ) نے کتاب الحماسہ میں درج کردیئے ہیں۔ ان اشعار میں عربی لہجہ، عربی روایت اور عربی ادبی روح کارفرما ہے، جذبات محبت کی شدت میں جنگ کی ہولناکیوں میں محبوبہ کی یاد عربوں کے ہاں دعویٰ محبت کی سب سے بڑی علامت تھی اور اکثر عرب شعراء نے ایسے اشارے کئے ہیں۔ ابو عطاء کے شعر ہیں۔

ذَکَرتُکِ وَالخَطِّیُّ یَخطِرُ بَینَنَا ــ وَقَد نَھلَت مِنَّا المُثَقَّفَةُ السُّمرُ

فَوَاللّٰہِ مَا اَدرِی وَاِنِّی لَصَادِقٌ ــ اَدَاءٌ عَرَانِی مِن حِبَابِکِ اَم سِحرُ

فان کان سحراً فاعذرینی علی الھویٰ ــ وان کان داءً غیرہ فلکِ العذرُ [3]

الغرض ابو عطاء برصغیر کا وہ نمائندہ شاعر ہے جس کی شاعرانہ عظمت کے عرب بھی معترف ہیں اور جس نے ہندی ہونے کے باوجود عربوں کی صف میں قابلِ فخر مقام پایا ہے۔ ابو عطاء کی شاعری عرب وہند کے تعلقات اور سماجی مراسم کا سنگم ہے۔ وہ دونوں بحروں کا شناور ہے اور جس کے کلام میں ہر دو تہذیبوں کی جھلک ہے۔

ابو ضلع السندھی ۔ سرزمینِ سندھ کا ایک اور شاعر جو موسیٰ الھادی (م ۱۷۰ھ) چوتھے عباسی خلیفے کا غلام تھا ابو ضلع ایک بدیہہ گو شاعر تھا۔ اس کے اشعار کے تیس اوراق کا ابن ندیم نے ذکر کیا ہے۔ [4] خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں وہ بغداد میں بہت مشہور ہوا۔ اور اس نے مشرقی ممالک کی خاص طور پر اپنے وطن مولود کی بہت زیادہ سیاحت کی۔ [5] ابو ضلع کا ایک قصیدہ جس میں اُس نے ہندوستان کی مدح کی ہے بہت مشہور ہے۔ اس میں ابو ضلع نے برصغیر کی آب وہوا، بارش، معدنیات، نباتات، حیوانات، پرندوں اور مصنوعات کا نہایت سلیقے سے ذکر کیا ہے۔ ادبی لحاظ سے یہ قصیدہ اتنا بلند نہیں کہ یہ ایک فنی نظم ہے جس میں شعریت کے بجائے مواد کی فراہمی کو اوّلیت حاصل ہے۔

ابو ضلع کہتا ہے۔

لقد انکر اصحابی وما ذلک بالامثل ــ اذا ما مُدِح الھندُ وسھمُ الھند فی المقتل

لعمری اِنّھا اُرض اذا القطر بھا ینزل ــ یصیر الدر والیاقوتَ والدر لمن یعطل

---

[1] الشعر والشعراء ص ۲۹۸ [2] الشعر والشعراء ص: ۲۹۷ ۔ العقد الفرید الجزء الثانی ص ۳۰۰ [3] کتاب الحماسة ص: ۶ ۔
[4] تاریخ سندھ ندوی ص: ۳۶۱ ۔ [5] تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند جلد ۲ عربی ادب ص: ۴۶ ۔

سیوف مالہا مثل قد استغنت من الصیقل ـــ وارماحٌ اذا ما ھُزّتِ اھتزّ بہا الجحفل
فمَن یُنکر ھذا الفضلُ الّا الرجلُ الاخطلُ [۱]

ضرب وعروض میں قافیہ کا التزام اور پورے قطعہ میں اس کا اہتمام قادرالکلامی بھی ہے اور عربی شاعری میں جدت بھی کہ یہ فارسی اثرات میں سے ہے جس میں مطلع پھیل کر متعدد شعروں پر حاوی ہو جاتا ہے۔

کشاجم السندھی (م ۳۶۰ھ) سندھی بن شاھک خاندان اپنی سیاسی وعلمی وجاہت کی وجہ سے کافی مقبول رہا ہے۔ سندھی بن شاہک ابوجعفر منصور (م ۱۵۸ھ) کا پروردہ تھا۔ کئی سیاسی عہدوں پر رہا۔ ہارون الرشید کے محافظ دستے کا رکن بنا، خلافت عباسی کے داعی ومبلغ کی حیثیت سے بڑا نام پایا تھا۔ اس کا بیٹا ابراہیم بن سندھی شاعر، ادیب، راوی اور مورخ تھا۔ علم نجوم سے بھی دلچسپی تھی۔ اس کے شعری وادبی کمالات کا جاحظ (م ۲۵۵ھ) جیسے ادیب نے اعتراف کیا ہے اور تعریف کی ہے [۲] یہ سارا خاندان دور عباسیہ میں برامکہ کے بعد کافی سیاسی وقار اور علمی حیثیت کا مالک تھا [۳]۔ کشاجم بھی اسی خاندان کا چشم وچراغ تھا۔ اس کا اصلی نام محمود یا محمد بن حسن بن شاہک سندھی ہے۔ ابن ندیم نے اسے خطباء میں شمار کیا ہے۔ کشاجم عربی شاعری کی ایک ممتاز شخصیت تھا جس نے بغداد اور حلب میں بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ [۴] ابوالفتح محمود کو کشاجم اور ریحانۃ الادب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کشاجم کے لفظ میں اس پانچ اہم اوصاف "کاتب، شاعر، ادیب، جواد اور منجم" کو اختصار کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ کشاجم کی نظم میں ادب اور زندگی میں گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اُسے نیچرل شاعری سے شغف تھا۔ اس کا کلام 'دیوان کشاجم' کے نام سے بیروت سے طبع ہو چکا ہے۔ اس کے دیوان کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ قادرالکلام شاعر تھا اور مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتا تھا۔ [۵] جرجی زیدان نے کشاجم کا ذکر کیا ہے اور یقین کے ساتھ کہا ہے کہ وہ ہندی الاصل تھا۔ مگر السمعانی (م ۵۶۶ھ) نے لکھا ہے کہ سندھی اسم منسوب بھی ہے اور نام بھی اور دوسری شکل کی مثال کے طور پر کشاجم اور رجاء الہندی محدث کے نام لکھے ہیں۔ [۶] کشاجم کا ایک شعر جس میں تجربات زندگی کا ماحصل ہے۔

وَالدّھرُ حَرْبُ الحَیِیّ وَسِلمُ ذِی لوَجْہِ الوَقَاحِ ـــ وَعَلَیَّ اَنْ اَسْعیٰ وَلَیْسَ عَلَیَّ اِدْرَاکُ النَّجَاحِ [۷]

البیرونی (م ۴۴۰ھ) برہان الحق ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی ۳ ذی الحجۃ ۳۶۲ھ کو خوارزم کے پایہ تخت کاٹ میں ایک گمنام گھرانے میں پیدا ہوا اور ابتدائی زندگی کے ۲۵ سال خوارزم شاہی خاندان کی خدمت میں گزارے۔ ۳۸۷ھ میں اُس نے ماژندران یا طبرستان کے درباروں میں رسائی حاصل کی، [۸] والی طبرستان شمس المعالی قابوس خود بڑا فاضل اور ادیب تھا، کے ہاں البیرونی کئی سال تک اطمینان وسکون سے رہا۔ البیرونی نے اپنی مشہور کتاب 'الآثار الباقیۃ' (تصنیف ۳۹۰ھ) اسی والی کے نام معنون کی [۹] جب ۴۰۷ھ میں محمود غزنوی نے خوارزم پر قبضہ کر لیا اور اسے سلطنت غزنہ کا ایک صوبہ بنا لیا تو اس حملے میں جہاں اور بہت کچھ محمود کے ہاتھ لگا وہاں البیرونی بھی پکڑا گیا۔ اس طرح البیرونی کا غزنہ کی

---

[۱] تاریخ سندھ ندوی ص: ۳۶۴۔ [۲] معارف جولائی ۱۹۶۸ء ص: ۷۱ عربی کے ہندوستانی شعراء پر ایک نظر۔ ڈاکٹر حامد علی خان۔ [۳] تفصیل ملاحظہ ہو معارف جنوری تا اپریل ۱۹۵۸ء ساتویں صدی کے رجال السند والہند قاضی اطہر مبارک پوری۔ [۴] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد ۲ عربی ادب ص: ۴۸۔ [۵] معارف جولائی ۱۹۶۸ء ص: ۷۱ عربی کے ہندوستانی شعراء پر ایک نظر ڈاکٹر حامد علی خان۔ [۶] عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ ۴۱ حاشیہ۔ [۷] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد ۲ عربی ادب ص: ۴۸۔ [۸] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۵ ص: ۲۶۲۔ [۹] کتاب الہند دیباچہ مولوی عبدالحق ص: ب۔

سلطنت سے تعلق شروع ہوا جو اس کی وفات تک استوار رہا۔ [1]

البیرونی کے اسم منسوب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں اختلاف ہے یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ) کہتے ہیں: "وھذہ النسبة معناھا البَرّانِيُّ لِاَنَّ بَیْرُوْن بالفارسیة معناہ بَرّا، وسألت لبعض الفضلاء عن ذلک فزعم اَنّ مُقَامَہٗ بخوارزم کان قلیلاً واھل خوارزم یُسَمُّوْنَ الْغَرِیْبَ بِھٰذَا الْاِسْمِ کَاَنَّہٗ لَمَّا طَالَتْ غُرْبَتُہٗ عَنْھُمْ صَارَ غَرِیْبًا" [2] یہی بات السیوطی (م ۹۱۱ھ) نے کہی ہے [3]۔ السمعانی (م ۵۶۲ھ) کا بیان ہے کہ البیرونی نسبت ہے نواح خوارزم کے باہر کے علاقے سے تعلق رکھنے کی جو خاص خوارزم کا رہنے والا نہ ہو اُس کے بارے میں اہل خوارزم کہتے ہیں کہ 'فلاں بیرونی است' اور اسی نسبت سے ابو الریحان البیرونی المنجم مشہور ہے۔ الغضنفر التبریزی، فرشتہ اور ایلیٹ اینڈ ڈوسن وغیرہ سب شدت سے اس امر کے مؤید ہیں کہ ابو ریحان خوارزم کا رہنے والا تھا۔ [4] مگر ابن ابی اُصَیْبِعَہ (م ۶۶۸ھ) کہتے ہیں: ابو الریحان محمد بن احمد البیرونی منسوب الی بیرون وھی مدینة فی السند" [5]۔ جرجی زیدان لکھتے ہیں "ھو اشھر علماء النجوم والریاضیات من المسلمین فی العصر الثالث واسمه محمد بن احمد البیرونی نسبته الی بیرون بلد فی السند" [6] علامہ حسنی کی بھی یہی رائے ہے۔ [7] ان کے علاوہ بھی متعدد علماء اور مورخین اسی نظریے کے قائل ہیں، اگرچہ نظریہ درست نہ بھی ہو تو البیرونی نے اپنے طویل اقامتی تعلق سے اپنے آپ کو برصغیر سے منسوب کر لیا ہے اسلئے ہندی علماء میں اُس کا ذکر بہرحال مناسب اور ضروری ہے۔ البیرونی نے کثیر موضوعات پر قلم اٹھایا تعداد ۱۸۰ تک بتائی جاتی ہے۔ آثار البیرونی میں ۱۸۲ کتب کا ذکر ہے، [8] یاقوت نے 'جامع مرو' میں اس کی کتابوں کی فہرست ساٹھ صفحے میں دیکھی تھی۔ [9] البیرونی سلاطین غزنہ کے دور میں ہندوستان آیا اور تقریباً چالیس سال برصغیر میں مقیم رہا مقامی زبانیں سیکھیں ہندی علوم و فنون سے آگاہی حاصل کی اور پھر اپنی معلومات کو عربی میں منضبط کیا اس طرح برصغیر کے علمی، ادبی، سماجی، مذہبی حالات پر مستند کتب تالیف کیں۔ اہل ہند اس نابغہ عصر کے ممنون ہیں کہ اُس کی علمی کاوشوں سے برصغیر کے مٹتے ہوئے آثار دوام پا گئے۔ البیرونی فارسی گو تھا مگر اُس نے اپنی علمی نگارشات کو ہمیشہ عربی زبان میں قلمبند کیا، وہ اس سلسلے میں فارسی کی بے بضاعتی کا قائل تھا۔ اُسے شعر پر قدرت حاصل تھی، وہ معلومات افزا شعر کہتا تھا۔ ایک نظم میں اُن سلاطین کا تذکرہ کیا ہے جن کا قرب اُسے حاصل رہا ہے۔ اس میں مرحومین کے لئے پُرخلوص جذبات اور اُن کی نوازشات کا بیان ہے اور ساتھ ہی اُن کی بلند نگہی کا اعتراف کہ وہ البیرونی ایسوں کے قدردان تھے مگر ساتھ ہی بعد کے لوگوں کی بے تعلقی کا شکوہ ہے۔ محمود کا ذکر نہایت نمایاں ہے اور یہ ذکر اُن تمام مغالطوں کی نفی کرتا ہے جو بعض مورخین نے البیرونی اور محمود کے تعلقات کے بارے میں پیدا کئے تھے۔ محمود کی وفات کے بعد کے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَخُلِّفْتُ فِیْ غَزْنِیْنَ لَحْمًا کَمُضْغَةٍ ـــ عَلَیْ وَضْمٍ لِلطَّیْرِ لِلْعِلْمِ نَاسِیًا

فَاُبْدِلْتُ اَقْوَامًا وَلَیْسُوْا کَمِثْلِھِمْ ـــ مَعَاذَ الٰھِیْ اَنْ یَکُوْنُوْا سَوَاسِیًا

فَسَائِلْ بِبَغْدَادَ اَرٰی ھُنُوْدًا بِمَشْرِقٍ ـــ وَیَا لَغَرِیْبٍ مَنْ قَدْ قَاسَ فَلَہٗ عَمَاسِیًا [10]

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲۔ عربی ادب۔ ص: ۱۰۲۔ [2] معجم الادباء الجزء السابع عشر ص: ۱۸۰۔ [3] بغیة الوعاة ص: ۲۰۔ [4] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص: ۱۰۳۔ [5] عیون الانباء الجزء الثانی ص: ۲۰۔ [6] تاریخ آداب اللغة العربیة الجزء الثانی ص ۳۴۵۔ [7] نزھة الخواطر الجزء الاوّل ص: ۸۸۔ [8] آثار البیرونی ص: ۴۲ تا ۵۶۔ [9] معجم الادباء الجزء السابع عشر ص: ۱۸۵۔ [10] معجم الادباء الجزء السابع عشر ص: ۱۸۸۔

البیرونی ایسے دور سے تعلق رکھتا ہے جس میں ادب و اخلاق کو شعروں میں بیان کرنا مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ اسی دور میں فارسی ادب ان اخلاقی اقدار کی ترویج کی طرف بڑھ رہا تھا کہ آخر کار 'اخلاقیات' سخن کا ایک اہم باب قرار پایا۔ البیرونی اخلاقی نظریات کی تبلیغ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَمَنْ حَامَ حَوْلَ الْمَجْدِ غَيْرَ مُجَاهِدٍ — ثَوىٰ طَامِعًا لِلْمَكْرُمَاتِ وَكَاسِيًا

وَبَاتَ قَدِيرَ الْعَيْنِ فِي ظِلِّ رَاحَةٍ — وَلٰكِنَّهُ مِنْ حُلَّةِ الْمَجْدِ عَارِيًا، [۱]

عطا بن یعقوب الغزنوی (م ۴۹۱ھ) العمید الاجل افضل العصر ابو العلا عطا بن یعقوب الکاتب المعروف بناکوک [۲] جلیل القدر ادیب اور کاتب تھا۔ اس کے ابتدائی حالات گوشۂ خمول میں ہیں۔ البتہ جب ۴۷۶ھ میں سلطان ابراہیم بن مسعود ہندوستان آیا تو عطا بن یعقوب کو لاہور میں قید ہوئے ۸ سال ہو چکے تھے۔ [۳] پھر کیا ہوا واضح نہیں۔ البتہ الاعلام میں ہے "وانطلق حين دخلها السلطان ابراهيم بن مسعود فاتحا" [۴] عطا کے جو شعر روایت ہوئے ہیں۔ ان سے اس کی پختگی اور متانتِ شعری کا اظہار ہوتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے۔

لِلّٰهِ جَارُ عِصَابَةٍ وَدَّعْتُهُمْ — وَالدَّمْعُ يَهْمِي وَالْفُؤَادُ يَهِيمُ

قَدْ كَانَ دَهْرِي جَنَّةً فِي ظِلِّهِمْ — سَارُوا فَأَضْحَى الدَّهْرُ وَهُوَ جَحِيمُ

كَانُوا غُيُوثَ سَمَاحَةٍ وَتَكَرُّمٍ — فَالْيَوْمَ بَعْدَهُمُ الْجُفُونُ غُيُومُ،

قَدْ خَانَهُمْ صَرْفُ الزَّمَانِ لِأَنَّهُمْ — كَانُوا كِرَامًا وَالزَّمَانُ لَئِيمُ،

لِلّٰهِ حَيْثُ تَحَمَّلُوا، جَارٌ لَهُمْ — وَالدَّمْعُ دَارٌ وَالسُّرُورُ نَدِيمُ [۵]

عطاء کے ایک قصیدے کا ذکر ملتا ہے جو اس نے مدحِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں رقم کیا تھا۔ [۶] عطاء کے اشعار اس بات کا ثبوت ہیں کہ اُسے عربی زبان و ادب پر عبور حاصل تھا، الفاظ کے انتخاب میں سہولت اور معانی کی ترتیب میں فنکارانہ چابکدستی اس کی شاعرانہ صلاحیت کا پتہ دیتی ہے۔ نقد ادب کا کوئی بھی معیار پیشِ نظر ہو عطا کے اشعار عربوں کے اشعار سے کسی صورت پیچھے نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے اُس کا زیادہ کلام دستیاب نہ ہو سکا ورنہ اُس کی شاعرانہ پختگی اور اسلوب کلام کے بانکپن کی بنا پر اسے بلند پایۂ شعراء عرب میں جگہ ملتی۔ عطاء ہندی اثرات سے بچ نہیں سکا۔ لفظی صنائع اُسکے کلام میں بھی دستیاب ہیں یاسمین کے لفظ پر پُرکاری اُس کے اشعار میں موجود ہے۔ [۷]

مسعود سعد سلمان (م ۵۱۵ھ) مسعود کا خاندان ہمدان کا رہنے والا تھا۔ محمود غزنوی کے دور میں باپ اور دادا ترکِ وطن کر کے لاہور آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی [۸] مسعود لاہور میں پیدا ہوئے، عرفی نے جائے ولادت ہمدان بتائی ہے [۹] مگر یہ درست نہیں ہے۔ [۱۰] مسعود کی ولادت کی تاریخ محمد قزوینی مرحوم نے ۴۳۸ اور ۴۴۰ھ کے درمیان نکالی ہے۔ [۱۱] مسعود کے والد غزنوی فرماں رواؤں کے خدمت گار تھے۔ مسعود نے بھی اسی منصب کی تلاش کی۔ عین جوانی میں سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی (۴۵۱ تا ۴۹۲ھ) کے دربار سے منسلک ہو گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد جب سلطان نے اپنے بیٹے محمود الملقب بہ سیف الدولہ کو برصغیر کے شمالی علاقوں کی حکومت تفویض کی تو مسعود بھی ۴۶۹ھ میں اس کی ملازمت میں واپس لاہور آگیا۔ [۱۲] اور انعام و کرام سے مالا مال ہوا۔ بدنصیبی کہ سلطان ابراہیم کو اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ شکوک پیدا ہوئے تو اُسے قید کر دیا گیا۔ گیہوں کے ساتھ

[۱] معجم الادباء ۱۸۸/۱۷ [۲] لباب الالباب النصف الاوّل ص: ۷۲۔ [۳] حوالہ مذکورہ ص ۷۳۔ [۴] الاعلام الجزء الخامس ص ۲۹۔ [۵] نزھۃ الخواطر الجزء الاوّل ص: ۸۵۔ [۶] لباب الالباب النصف الاوّل ص ۷۲۔ [۷] حوالہ مذکورہ ص ۷۳۔ [۸] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱/۱۶ ص: ۳۰۱ [۹] لباب الالباب النصف الثانی ص: ۲۴۶۔ [۱۰] نزھۃ الخواطر الجزء الاوّل ص: ۱۴۰۔ [۱۱] نقوش لاہور نمبر ص ۸۶۲، فارسی گو شعراء خواجہ عبد الحمید یزدانی [۱۲] تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد ۲ اردو ادب ص ۱۵۴۔

گھن بھی پس گیا، مسعود مصاحبت کے جرم میں قید کر دیا گیا۔ اور تمام جائداد ضبط ہوگئی۔ مسعود تقریباً دس سال تک مختلف قلعوں میں قید رہا۔ قید کے زمانے کی تلخیوں کا تذکرہ اُس کی حبسیات میں بڑی عمدگی سے سمویا گیا ہے۔ آخر رہا ہوا۔ ابونصر الفارسی نائب لاہور نے جالندھر کی حکومت مسعود کو بخش دی، کچھ عرصہ آرام سے گزرا تھا کہ ابونصر وزارت سے معزول ہوا اور قید کر کے پھر 'مرنج' کے قلعے میں لے جایا گیا۔ ۹ برس اسی حالت میں رہا۔[۱] اس طرح یہ عظیم شاعر تقریباً ۲۰ سال قید و بند کے مصائب جھیلتا رہا۔ حالانکہ قید کے لئے کوئی معقول وجہ جواز موجود نہ تھی صرف عتاب شاہی تھا جس کے ورود کے لئے کسی وجہ کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ قید میں بھی یہ باصلاحیت ادیب بے کار نہ پڑا رہا، قرآن مجید حفظ کیا اور درد بھرے اشعار کہے۔[۲]

مسعود کی زندگی میں آسودہ حالی اور زبوں حالی کا ایسا امتزاج ہے کہ حیات انسانی اپنے حسن و قبح کی مکمل صورت میں اُس کے ہاں عکس ریز ہے اسلئے اُس کے کلام میں بھی زندگی کی بوقلمونی جلوہ فگن ہے۔ تمام تذکرہ نگار متفق کہ مسعود تین زبانوں میں شعر کہتا تھا اور ہر سہ زبانوں میں اُس کے دیوان تھے۔ عوفی کہتا ہے "او را سہ دیوان ست یکی بتازی ویکی بپارسی ویکی بھندوئی"[۳] اگر موجود صرف فارسی دیوان ہے باقی دو دیوان مفقود الخبر ہیں۔ بقول علامہ حسنی "نظارت بہما العتاد"[۴] فارسی دیوان مسعود کے فارسی شاعری میں مرتبہ و مقام کو متعین کرتا ہے۔ وہ ایک ذہن اور پختہ مشق شاعر ہے۔ عربی شاعری میں صاحب دیوان ہوتے ہوئے بھی اُس کے صرف وہی اشعار محفوظ ہیں جو خوش قسمتی سے رشید الدین وطواط (م ۵۷۳ھ) نے 'حدائق السحر فی دقائق الشعر' میں فنی حوالوں کے لئے انتخاب کر لئے ہیں۔ الزرکلی نے اُس کے اشعار کے بارے میں رائے دی ہے کہ "وشعرہ العربی جید"[۵] حدائق السحر کا موضوع چونکہ زبان کی تکنیکی حیثیت کا تعین ہے اسلئے وطواط نے اسی نقطہ نظر سے انتخاب کیا ہے جبکہ ایسے اشعار فن پارے تو ہو سکتے ہیں ادب پارے نہیں ہوتے۔ ان کے مطالعہ سے مسعود کے بارے میں ایک جزوی رائے ہی قائم کی جا سکتی ہے۔ مسعود کے اشعار سے اُس کی تجدد پسندی اور فنی مہارت کی گواہی ملتی ہے۔ حافظ محمود شیرانی کہتے ہیں "عروضی نقطہ نظر سے خواجہ مسعود کے ہاں بعض جدید اوزان ملتے ہیں اور ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کو ہندو اثرات کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔"[۶] یہ رائے فارسی شاعری کے حوالے سے قائم کی گئی ہے قیاس ہے کہ یہ تجدد پسندی کی کارفرمائی عربی شاعری میں بھی ضرور ہوگی۔ حدائق السحر کے حوالے سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

وَلَیلٍ کَاَنَّ الشَّمْسَ ضَلَّتْ مَمَرَّھا — وَلَیْسَ لَھَا نَحْوَ الْمَشَارِقِ مَرْجَعُ
نَظَرْتُ اِلَیْہِ وَالظَّلَامُ کَاَنَّہٗ — عَلَی الْعَیْنِ غِرْبَانٌ مِنَ الْجَوِّ وُقَّعُ
فَقُلْتُ لِقَلْبِی طَالَ لَیْلِی وَلَیْسَ لِی — مِنَ الْھَمِّ مَنْجَاۃٌ وَفِی الصُّبْحِ مَفْزَعُ
اَرَی ذَنَبَ السِّرْحَانِ فِی الْجَوِّ سَاطِعاً — فَھَلْ مُمْکِنٌ اَنَّ الْغَزَالَۃَ تَطْلُعُ[۷]

وطواط نے یہ قطعہ صنعتِ ایہام کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اُس کا مقصود آخری شعر ہے جس میں ذنب السرحان اور غزالۃ کے الفاظ میں ایہام ہے۔ ذنب السرحان یعنی بھیڑیے کی دم یا صبح کاذب اور غزالۃ ہرن یا سورج۔ ذو معنیین ہونے کی بنا پر ایہام پیدا ہوا۔ یہ فنی حسن اپنی جگہ ان اشعار میں جو شعریت ہے وہ ان لفظی موشگافیوں میں نہیں بلکہ اس کیفیت میں ہے جو پورے قطعہ پر چھائی ہوئی ہے۔ تاریک زندگی کا گمبھیر پن اور

---

[۱] نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص: ۱۱۵، ۱۱۶۔ [۲] ابجد العلوم الجزء الثالث ص: ۸۹۰۔ [۳] لباب الالباب النصف الثانی ص ۲۴۶۔ [۴] نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص: ۱۱۶۔ [۵] الاعلام الجزء الثامن ص ۱۱۱۔ [۶] مقالات شیرانی جلد ششم ص ۳۰۔ [۷] حدائق السحر فی دقائق الشعر ص: ۴۱۔

مستقبل سے مایوسی کا تاثر "علی العین غربان من البحر وقع" سے زیادہ احسن طریق سے ادا ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ یہ واردات نفس کی تجسیم ہے۔ شاعر خود ایسے حالات سے گزرا ہے اِس لیے اُسکے لئے خیالات کی ایسی تشکیل آسان ہوگئی ہے۔ ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسعود زرخیز اور حساس دل کا مالک تھا اُس کی قوتِ تخیل بہت مضبوط اور متحرک تھی۔ صنعتِ ذوالقافیتین کی مثال میں مسعود کے تین شعر پہلے درج کئے جاچکے ہیں۔ وطواط نے خواجہ مسعود کا 'حسن المطلع' کی مناسبت سے ایک شعر نقل کیا ہے۔ مطلع کا بانکپن بتا رہا ہے کہ قصیدہ کس پائے کا ہوگا مگراب تو سوائے تصوراتی خط کے کوئی اور صورت نہیں ہے اس شعر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ثِقْ بالحُسَامِ فَعَهْدُہٗ مَیْمُوْنٌ — اَبَدًا وَقُلْ لِلنَّصْرِ کُنْ فَیَکُوْنُ [1]

مسعود غزنوی خاندان کے ہمراہ رہا اسلئے فارسی کی سطوت اُس کے دماغ پر بھی قائم تھی۔ اُس نے عربی فارسی کو مخلوط کرکے ایک 'ذواللسانین' شاعری کی بنیاد رکھی اُس کے دیوان میں عربی کے ساتھ فارسی مصرعے اور فارسی غزل میں عربی پیوند صاف نظر آتے ہیں۔ یہ روش برصغیر کے شعراء کو بہت پسند آئی۔ امیر خسرو نے اس پر خوب طبع آزمائی کی اور آج تک عربی کے ساتھ فارسی بلکہ اُردو کے لاحقے عام شعراء کے کلام میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کثیر تعداد ایسے شعراء کی موجود ہے جو عموماً فارسی میں اظہار خیال کرتے مگر بعض اوقات عربی میں بھی مشق سخن کرتے ان سے اُن کی قادرالکلامی کا تو اظہار ہوتا مگر یہ بھی نشاندہی ہوتی کہ ماحول عربی شاعری کے لئے زیادہ سازگار نہ تھا اسلئے استطاعت کے باوجود وہ کم توجہ دیتے تھے۔ ان میں سے چند معروف نام یہ ہیں۔ ابوالقاسم احمد بن حسن المیمندی، ابوبکر محمد بن محمد بن رجا السندی، ابراہیم بن سندھی بن شاہک، سندھی بن صدقۃ، ابوالحسن علی بن عمر بن الحکم اللاہوری، منصور الہندی، رابعۃ بنت کعب القزداری، ابوجعفر عمر بن اسحاق الواشی اللاہوری، ابونصر محمد بن حبار العتبی، الحسن بن حامد الدیبلی البغدادی، ابوالمحاسن یوسف جن کے عربی اور فارسی میں دیوان تھے [2]

برصغیر پاک وہند کے دورِ اوّلین کی سیاسی، علمی، روحانی اور ادبی سرگزشت کا ایک مجمل سا خاکہ پیش کیا گیا تاکہ ابتدائی دور کے رجحانات، میلانات سے آگاہی ہوسکے اور یہ بھی کہ عربی ادب کے حرفِ آغاز کے تیور معلوم ہوجائیں کہ وہ کن حدود اور کیسے حالات میں برصغیر میں قدم جمارہا تھا۔ اولین کاوش کے نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو امید کی کرن دکھائی دیتی ہے۔ کہ غیر ماحول اور اجنبی اقوام میں کسی زبان اور اُس کے ادب کی اس قدر پذیرائی حوصلہ افزا ہے۔ لیکن جہاں تک مدحِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ ابتدائی کارنامہ امید افزا نہیں ہے۔ ہندی مسلمانوں میں اس عدم توجہی کے متعدد اسباب ہیں جن میں سے اکثر کا حوالہ دیا جاچکا ہے اب صرف اہم نقاط کی وضاحت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عالم عرب کا معاصر دور مدحیہ شاعری سے مجرمانہ تغافل کئے ہوئے تھا۔ جن دنوں اسلام برصغیر میں قدم جمارہا تھا اور اس کے جلو میں عربی زبان وادب اثرانداز ہورہے تھے ان ایام میں عالم عرب پر اموی اور عباسی حکمران تھے۔ یہ عربوں کا خوشحالی کا دور تھا۔ تیسرے باب کے جزو 'ب' میں اس دور کی مدحیہ شاعری پر تفصیلی تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ اور مدحیہ شاعری سے اغماض کے اسباب گنوائے جاچکے ہیں اسلئے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ برصغیر میں عربی ادب عالم عرب کے ادب کا چربہ یا اُن کی ادبی سرگرمیوں کا خوشہ چین تھا اور جب اُن مراکز میں ہی نعتیہ شاعری زوال پذیر تھی تو برصغیر میں کیسے اس پر توجہ دی جاسکتی تھی۔ اسلئے بہتر مثال یا قابل تقلید نمونہ نہ ہونے کی وجہ سے ہندی عربی شاعری بھی 'کتاب الحماسہ' کے مضامین کا تتبع کرتی رہی۔

عربی زبان برصغیر میں نو وارد تھی ابھی اس سے مانوسیت ابتدائی دور ہی میں تھی کہ فارسی نے یہ رابطہ توڑ دیا اسلئے عربی

---

[1] حدائق السحر فی دقائق الشعر ص: ۳۰ — [2] لباب الالباب النصف الاوّل ص: ۹۶

ادب سے استفادہ کے وہ مواقع نہ مل سکے جو متوقع تھے ۔ عربی زبان علماء تک محدود ہو کر رہ گئی عوام تک نہ پہنچی اسلئے عوامی جذبات کو عربی پیراہن میسر نہ آیا ۔ صرف علماء ہی عربی شاعری میں حصہ لے رہے تھے مگر ان میں اکثر یا تو عرب سے آئے تھے اور ہمعصر عربی مزاج ساتھ لائے تھے یا پھر عرب میں جا بسے تھے اور اُن کے رنگ میں رنگے گئے تھے ۔

مقامی آبادی بتدریج اسلام میں داخل ہو رہی تھی ، ابھی نو مسلموں میں جذبات عشق کا وہ گداز نہ تھا جو نسل در نسل ایک تہذیب سے اتصال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ۔ نعت تو مسلسل ذہنی رابطے کی استواری کا مظہر ہوتی ہے جو ابھی تشکیل پا رہی تھی ۔

ابھی تک تو عربی شاعری میں پختگی پیدا نہ ہوئی تھی نعتیہ شاعری تو عام عربی شاعری سے مشکل تر ہوتی ہے اسلئے اس میں ابھی اظہار جذبات کی نوبت نہ آئی تھی ۔ بایں ہمہ ایسے صاحب قلم کا نام ملتا ہے جسے عربی زبان و ادب پر عربوں کی سی قدرت حاصل تھی ، عطا ابن یعقوب الغزنوی جن کا ہم ذکر کر چکے ایسے پختہ مشق شاعر تھے کہ اُن کے ہاں عربی صمیم کی جھلکیاں نظر آتی ہیں ۔ عطاء نے مدحت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مکمل قصیدہ تصنیف کیا ۔ یہ قصیدہ مشہور جاہلی صاحب معلقہ شاعر الاعشی الکبیر کے معروف مدحیہ قصیدے :

أَلَمْ تَغْتَمِضْ عَيْنَاكَ لَيْلَةَ أَرْمَدَا

کے وزن پر ہے ۔ اس معارضے میں عطاء کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں دی جا سکتی اسلئے کہ اس مدحیہ قصیدے کے صرف دو شعر دستیاب ہیں جو نور الدین عرفی (م ۶۴۰ھ) نے لباب الالباب میں درج کئے ہیں ۔ شعر یہ ہیں ۔

أَأَعْبُدُ بِالدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ أَعْبُدُ ا ـــ وَفَضْلُ إِلٰهِي مَاجَ كَالْبَحْرِ مُزْبِدَا

عَطَاءٌ حَبَانَا لَا يُحِيطُ بِعَدِّهِ ـــ حِسَابُ عَطَاءٍ أَلْفَ عَامٍ مُرَدَّدَا [۱]

' مطلع ' کا اسلوب اور عربی روایت تشبیب سے انحراف عطاء کے شعری مقام کی خبر دیتے ہیں اور برصغیر کے خصوصی مزاج کی نشاندھی بھی کرتے ہیں کہ صنائع پسندی نے عطاء تک کو متاثر کیا ہے ۔ ' أَعْبُدُ ، أَعْبُدُ ' ، دنیا ، دنیّة ، اور عطاءٌ ، عطاء ، کی تجنیس ثقیل تو نہیں مگر ایک خاص مزاج کی خبر ضرور دیتی ہے ۔

اِن گزارشات کے بعد ہم برصغیر میں مسلمانوں کے حکمرانی کے باضابطہ دور کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ پُرسکون ماحول اور سازگار فضا کے اثرات کا جائزہ لیا جا سکے ۔

ٹھ

---

[۱] لباب الالباب النصف الاول ص : ۷۲ ۔

"المدائح النبويّة فی پاکستان وہند"

برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری

الباب الخامس

المدائح النبویہ — برصغیر پاک وہند میں

"سلاطین کے دور میں"

۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء تا ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء

سلاطین کا دَور

(۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء تا ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء)

خاندانِ غلاماں :- (۶۰۲ تا ۶۸۸ھ)

غزنوی خاندان کا آخری تاجدار ملک خسرو ۵۸۲ھ میں سلطنت غور کے فرماں روا سلطان غیاث الدین غوری کے ہاتھوں شکست کھا کر گرفتار ہوا اور چند روز خاندانِ غزنویہ کے دیگر افراد کے ہمراہ قتل ہو گیا اور غوریوں کی حکمرانی کی ابتدا ہوئی۔ ۵۹۹ھ میں غیاث الدین کا انتقال ہوا اور اس کا بھائی شہاب الدین غوری سریر آرائے سلطنت ہوا، وہ پہلے بھی اپنے بھائی کی نیابت کرتے ہوئے برصغیر آ چکا تھا اسلئے تمام حالات سے آگاہ تھا، اس نے برصغیر کی مکمل فتح کا پروگرام بنایا، سندھ اور ملتان کی فتح کے بعد اس نے اندرونِ ہند پیش قدمی شروع کی شکست بھی کھائی مگر آخر کامیاب رہا اور دہلی کے تخت پر قابض ہو گیا۔ شہاب الدین غوری کاسند اپنے غلام قطب الدین ایبک کو نائب بنایا اور خود واپس لوٹا۔ گوکھر خاندان کی سرکشی کی خبر پر واپس پلٹا مگر ایک دل جلے گوکھر کے خنجر خونخوار کا ہدف بن گیا۔ کہتے ہیں شہاب الدین غوری نے نو مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا دو مرتبہ شکست کھائی اور باقی ہر مرتبہ کامیاب رہا۔ [1]

شہاب الدین غوری خود ہی قطب الدین ایبک کو نائب سلطنت قرار دے چکا تھا، ایبک نے ۶۰۲ھ تا ۶۰۷ھ تک مختصر سے عرصے میں حکمرانی کی مگر اس کی فیاضی طبع کے چرچے تاریخِ ہند کا دائمی نقش بن گئے۔ ایبک کے بعد آرام شاہ تخت نشین ہوا مگر وہ ایک بڑی سلطنت کے سلطان کی حیثیت سے نااہل ثابت ہوا، چنانچہ چند ماہ بعد ہی معزول ہوا اور شمس الدین ایلتمش سریر آرائے سلطنت ہوا۔

شمس الدین ایلتمش (۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ) اسلامی ہند کا پہلا خود مختار حکمران تھا، تقریباً چھبیس سال تک اس نے نہایت شان و شوکت کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی، اس کے دربار کی رونق محمود اور سنجر کے درباروں کی یاد تازہ کرتی تھی، شجاعت اور تہور کا یہ عالم تھا کہ سارا شمالی ہندوستان اس کی جہانگیرانہ ہمت کا بازیچہ بن گیا تھا۔ معاصرین نے اس کے عزم و جلال میں سکندر کی تصویر دیکھی تھی [2] ایلتمش کے معاصرین اس کی دینداری اور شب بیداری کے کئی واقعات بیان کرتے ہیں۔ اس دور کے اکابر صوفیاء کے ہاں بھی ایلتمش کی نیک نفسی اور صالحیت کا عام چرچا تھا، ہم عصر یا قریب العہد علماء اور صوفیاء کی کثیر تعداد اس کے بارے میں نیک خیالات اور پاکیزہ جذبات رکھتی تھی، خواجہ نظام الدین اولیاء ایلتمش کے بارے میں فرماتے ہیں "شب بیدار بودے، و ہیچ کس را بیدار نہ کردے" [3]

ایلتمش کو بھی علماء اور صوفیاء سے یک گونہ ارادت تھی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "در تعظیم مشائخ و علماء و زہاد از بادشاہان وقت نظیر نداشت" [4]

اس عقیدت کا ہی نتیجہ تھا کہ اس کے دور میں برصغیر پاک و ہند میں اکابر صوفیاء کی ایک عظیم جماعت نظر آتی ہے۔ صوفیاء کے مختلف سلاسل کے اکابر یا سرخیل پیشِ نظر رہیں تو ایلتمش کا دور صوفیانہ روش کی تبلیغ و اشاعت کا سنہری دور کہا جا سکتا ہے۔

سلسلۂ چشتیہ کے برصغیر پاک و ہند میں [illegible] اوّل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (م ۶۳۱ھ) ایلتمش کے دور ہی میں تبلیغ و اشاعت دین اور تزکیۂ نفوس کی محافل برپا کئے ہوئے تھے، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ) سے ایلتمش کو والہانہ عقیدت تھی، آپ جب ملتان سے دہلی تشریف لائے تو ایلتمش خود استقبال کے لیے کئی کوس شہر سے باہر آیا۔ [5] اور جب انہوں نے خواجہ معین الدین چشتی کے ہمراہ دہلی چھوڑ کر اجمیر چلے جانے کا قصد کیا تو سلطان اہلِ دہلی کی قیادت کرتے ہوئے پیچھے پیچھے تھا۔ [6] اور ارکینِ سلطنت نے یہ بھی دیکھا کہ تختِ دہلی کے بلا شرکت غیرے حکمران نے جب خواجہ بختیار کے دربارِ غیبی میں تشریف لانے کی خوشی تو بے اختیار ننگے پاؤں استقبال کو دوڑا۔ [7]

سہروردی سلسلے کے عظیم پیشوا حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ) ایلتمش کے دور میں شیخ الاسلام رہے، انہوں نے ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان کی ایلتمش دشمنی اور خود سری کی سرکوبی کے لیے ایلتمش کو مطلع کیا اور نہایت جرأت سے قباچہ کے اشتعالی مزاج کا مقابلہ کیا۔ [8]

---

(۱) تاریخ معصومی ص ۴۸۔ (۲) سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۰۰ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۱۰۷ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۱۱۲

(۵) سیر العارفین ص ۲۶۵ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۳۰ (۷) سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۱۸ (۸) سیر العارفین ص ۱۵۸۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان شاہ بغداد الٰہی کو کس قدر عزیز تھا۔

ان بزرگ ہستیوں کے علاوہ خواجہ حمید الدین ناگوری (م ۶۴۱ یا ۶۴۳ھ)، شیخ جلال الدین تبریزی (م ۶۴۱ھ) شیخ نجیب الدین نخشبی (م ۶۵۱ھ) اور اس مرتبہ و مقام کے مالک کثیر تعداد صوفیاء التمش کے دور میں اصلاح نفوس کے لیے کوشاں تھے۔ سلطان کی دلچسپی کی وجہ سے ان کی کاوشوں کو ہمیز ملی تھی، التمش کا دور تاریخ ہند میں تصوف کے احیاء کا دور تھا، یہ اسی کی توجہ کا نتیجہ تھا کہ قدیم اسلامی مراکز سے اور خصوصاً بغداد سے ایک کثیر تعداد ان اکابر صوفیاء کی دہلی کا رخ کر رہی تھی۔ اس ہجرت میں عالم اسلام پر منگول حملوں کی تباہ کاریوں کا بھی عمل دخل تھا، الیسا محسوس ہوتا ہے کہ جب تمام عالم اسلام مثل بید لرزاں تھا تو سلطان کی سلطنت میں مسلمان قوم کو قرار نصیب تھا، خارجی اضطرابی کیفیت اور داخلی استحکام نے برصغیر کو علم و عمل کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ یہ سلطان التمش کی کاشت کی ہوئی نیکی تھی جو صدیوں برقرار رہی اور جس کے سائے میں مسلمان ہند خوشحال و فارغ البالی سے متمتع ہو کر خدمت دین سے منہمک رہے، یہ دور سکون بہت مختصر سا تھا ربع صدی کے بعد بے چینی پھر سے مقدر بنی التمش کے جانشین اپنے بلند قامت پیش رو کے سامنے بونے ثابت ہوئے، سلطان رکن الدین فیروز شاہ (م ۶۳۴ھ) صرف سات ماہ حکمران رہا۔ رضیہ سلطانہ (۶۳۴ تا ۶۳۷ھ) داخلی انتشار میں الجھ گئی، معز الدین بہرام شاہ (۶۳۷ تا ۶۳۹ھ) اپنی بے بسی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ علاؤ الدین مسعود شاہ (۶۳۹ تا ۶۴۴ھ) قید ہوا تو حکومت ایک درویش منش صاحب کردار سلطان ناصر الدین محمود (۶۴۴ تا ۶۶۴ھ) کے سپرد ہوئی، سلطان ناصر الدین ایک صوفی بادشاہ تھا، جس کے کردار پر حکومت کی غلاظتوں کا کوئی داغ نہیں ہے۔ خزانہ شاہی جتنب رہنا بادشاہوں کے بس کی بات نہیں ہوتی مگر ناصر الدین محمود نے پوری زندگی اپنی محنت کے سہارے روزی حاصل کی، امور سلطنت کو اللہ کی امانت اور خزانہ عامرہ کو قوم کی ملکیت سمجھا، وہ کہا کرتا تھا "بیت المال حق بندہ ہائے خدا است مرا ازاں رسد"۔ [1] شاہ ہند کی پاک دامنی کے قصے مشہور ہوئے اور لوگ ناصر الدین کا احترام ایک بادشاہ سے کہیں بڑھ کر ایک نیک دل انسان اور صالح مسلمان کی حیثیت سے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بدایونی کہتا ہے "حکایت دیگر عزائب کہ با احوال خلفاء راشدین مشابہ باشد"۔ [2]

ناصر الدین محمود کے بعد امور سلطنت کا نگران سلطنت دہلی کا مرد آہن غیاث الدین بلبن (۶۶۴ تا ۶۸۵ھ) بنا، بلبن کے ابتدائی حالات اور ناصر الدین محمود سے بے وفائی کے کئی واقعات تاریخ کے سینے میں دفن ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ اس نے سلطنت دہلی کو اس وقت استحکام بخشا جبکہ چند سال قبل (۶۵۶ھ) میں ملت اسلامیہ کا حکومتی مرکز اور تہذیبی مصدر مقام بغداد، تاتاریوں کے ہاتھوں خون میں نہا چکا تھا، عالم اسلام پر ہو کا عالم طاری تھا، ظلم اس قدر شدید اور اتنا غیر متوقع تھا کہ پورے عالم اسلام کی کمر ابھی نکل رہی تھی، انگ انگ ٹوٹ گیا تھا اور ملت اسلامیہ جسد بے جان کی صورت نڈھال تھی، یہ ادبار ہمہ گیر تھا اس کے اثرات جنگل کی آگ کی طرح ہر اسلامی سلطنت کو نگل جانا چاہتے تھے، ایسے میں سلطنت دہلی کی عصمت بچا لینا کوئی معمولی خدمت نہ تھی۔

بلبن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان معز الدین کیقباد تخت نشین ہوا، مگر تاریخ اپنا فیصلہ دے چکی تھی، خاندان غلاماں کی حکومت کے دن گنے جا چکے تھے۔ اس خاندان کے لیے التمش کا جلال آمیز شکوہ، ناصر الدین محمود کا زہد و تقویٰ اور بلبن کا رعب و جلال ہی کافی تھا، چنانچہ اعیان سلطنت نے کمزور اور نوعمر حکمرانوں کو شیشے میں اتارا اور بدمستی بلکہ سرمستی کا خوگر بنا دیا اور آخر عبرت ناک انجام سے ہم کنار کر دیا۔ یہ خاندان ۶۰۲ سے ۶۸۹ھ تک حکمران رہا، یہ چوراسی سال کا عرصہ تاریخ ہند کا اساسی دور ہے کہ اس میں مسلمان حکومت کو قدم جمانے کے مواقع ملے۔

خلجی خاندان :- (۶۸۹ تا ۷۲۰ھ)

غیاث الدین بلبن کا ایک ملازم بلبن کے جانشین کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۶۸۹ھ کو سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی (۶۸۹ تا ۶۹۵ھ) کے نام سے سریر آرائے سلطنت ہوا، مگر قدرت کی طرف سے اسے صرف اپنے خاندان کے لیے راہ ہموار کرنے کا ہی فریضہ سونپا گیا تھا، خلجی سلطنت مستحکم ہوئی تو جلال الدین قتل کر دیا گیا، تاریخ اس کے جانشین علاؤ الدین خلجی کو اس قتل کا محرک اور موید گردان کر ترچھی نظر سے دیکھتی ہے۔ ضیاء الدین برنی نے تو برملا اس پر لعنتیں کیں:

---

(1) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۲۶ (2) حوالہ مذکورہ۔

"آہ صد ہزار آہ و افسوس ہزار افسوس کہ بر سر چنیں کافر نعمتان مکابر و بر چنیں حرام خواران بے شرم در ساعت حرام خوارگی در زمان گندہ نمکی از آسمان قہر باری تعالیٰ سنگ نبارید و شعلہ ہائے آتش سقر زندہ از زمین زیر پائے ایشان بر نیایید و آن جمع حرام خوار گندہ نمک سنگدل تا آسمان را نیست و لیست نگردانید۔"[1]

علاؤالدین خلجی (۶۹۵ھ تا ۷۱۶ھ) تخت دہلی کا ایک نیم خواندہ مگر بیدار مغز حکمران تھا اُسے اپنی علمی بے بضاعتی کا اعتراف تھا کہتا ہے "من اگرچہ علمی و کتابے نخواندہ ام اما از چندین پشت مسلمان و مسلمان زادہ ام"[2] اسی بے علمی کا سبب تھا کہ حکمرانی کی قوت نے اسے اپنے بارے میں غلط فہمی کا شکار کر دیا اور وہ نئے دین کے اجراء کے خواب دیکھنے لگا، یہ تو ماحول کا جبر اور چند اہلِ حق کی راست گفتاری کا نتیجہ تھا کہ برصغیر ایک بہت بڑے فتنے سے اُس وقت محفوظ رہا۔ اِس سلسلے میں کوتوال دہلی علاء الملک کا کردار قابلِ ستائش ہے۔ علاؤالدین کے عہد میں اُس کی سخت گیری کے باوجود علماء و صوفیاء کی محافل زندہ رہیں، مولانا شمس الدین ترک، شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی اور اُن کے مرشد خواجہ نظام الدین اولیاء کی خانقاہیں قائم رہیں، علاؤالدین کو تاریخ ہند میں معاشی مدبر اور معاشرتی مصلح کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ علاؤالدین کے بعد اُس کا بیٹا قطب الدین مبارک خلجی (۷۱۶ تا ۷۲۰ھ) تخت نشین ہوا، مگر اُس میں باپ کا سا دم خم نہ تھا اس لیے وہ قتل ہوا اور سپہ سالاروں کی خانہ جنگی کے بعد آخر میدان ایک سپہ سالار غازی ملک کے ہاتھ رہا۔

تغلق خاندان (۷۲۰ تا ۷۹۰ھ)

غازی ملک (۷۲۰ تا ۷۲۵ھ) میں سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت دہلی کا مالک بنا مگر چند سال بعد ہی داعی اجل کو لبیک کہہ گیا، اُس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے محمد تغلق کو ولی عہد مقرر کرکے معززین شہر سے اُس کے نام بیعت نامہ لکھوایا۔[3]

سلطان محمد شاہ تغلق (۷۲۵ تا ۷۵۲ھ) برصغیر کے ذہین اور پڑھے لکھے سلاطین میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا، تاریخ نے اُس کے سیرت و کردار کے بارے میں کئی مغالطے پیدا کیے ہیں، اسے پڑھا لکھا بے وقوف حکمران اور اپنے زمانے سے سو سال پہلے پیدا ہو جانے والا حکمران کہا۔ اس میں اُس کی حد سے بڑھی ہوئی عقل پسندی کو ضرور دخل حاصل ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ عام سوچ سے بہت آگے سوچ رہا تھا۔ ایسی سوچ حالات موجودہ کے ساتھ جب مکمل انطباق نہ لے تو نہ صرف یہ کہ غلط فہمی بلکہ بدمزگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ علماء و صوفیاء سے اُس کے تعلقات بالعموم معقول حد تک مناسب رہے، شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی، شیخ فخر الدین زرادی (۷۴۸ھ) شیخ شرف الدین منیری (۷۸۲ھ)، شیخ رکن الدین ملتانی (م ۷۳۵ھ) اور مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری (م ۷۸۵ھ) اِس دور کے لائقِ فخر صوفیاء میں سے ہیں۔

سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ تا ۷۹۰ھ) کو خود محمد تغلق نے اپنا جانشین منتخب کر لیا تھا، یہ محمد تغلق کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کا بین ثبوت تھا کہ وہ اپنے بعد برصغیر کو ایک متین اور متدین حکمران کے سپرد کر گیا۔ فیروز شاہ کی تخت نشینی ٹھٹھہ (سندھ) میں ہوئی تھی، چنانچہ اُس نے سندھ اور حوالی سندھ کے حالات پر پہلے توجہ دی، ملتان ہوتا ہوا دہلی روانہ ہوا، سب نے خوش آمدید کہا، فیروز شاہ تغلق کا دور فقہی ترتیب کے لیے نمایاں ہے۔ فتاویٰ فیروز شاہی اُس کے دور کی یادگار ہے جو اس کی توجہ سے مرتب ہوا تھا۔[4] فیروز شاہ کے دور میں تصنیف و تالیف کے کام پر بھی خصوصی توجہ ہوئی، چنانچہ عقاید پر مولانا شرف محمد العطائی فوائد فیروز شاہی، تاریخ و سیر میں تاریخ فیروز شاہی جسے ضیاء الدین برنی نے مرتب کیا اور تاریخ فیروز شاہی جسے شمس الدین عفیف نے تالیف کیا کو شہرتِ عام حاصل ہے۔

فیروز شاہ کے بعد سلطنت دہلی انتشار کا شکار ہوئی اور لودھیوں کی آمد یعنی ۸۵۵ھ تک ۶۵ سال بدامنی اضطراب اور بے چینی کے سال تھے سیاسی عدم استحکام زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کرتا ہے حتیٰ کہ دین کی تعبیر پر بھی بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حسام الدین راشدی رقمطراز ہیں "فیروز کی وفات (۷۹۰ھ) سے لے کر بہلول لودھی کی وفات (۸۹۴ھ) تک کا عرصہ جو پوری ایک صدی پر حاوی ہے بالکل مایوس کن اور علمی و ادبی لحاظ سے بالکل خشک ہے۔ نااہل جانشینوں کی وجہ سے مرکزی حکومت کمزور ہو گئی، صوبے خود مختار ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئے، وہ امن و سکون کی فضا باقی نہ رہی

---

① سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۱۵ ② حوالہ مذکورہ ص ۲۲۹ ③ تاریخ معصومی ص ۶۹

④ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۹۶۔

جو علم و ادب کے پھلنے پھولنے کے لیۓ سازگار ہوتی ہے لہٰذا خسرو کے بعد کوئی بڑا شاعر پیدا نہ ہو سکا، ضیاء الدین برنی کے بعد کوئی مؤرخ نہ آیا اور حضرت شیخ چراغ دہلوی کے بعد کوئی روحانی پیشوا اور مولانا احمد تھانیسری کے بعد کوئی بڑا عالم سلطنتِ ہند میں پیدا نہ ہو سکا، یہ پوری صدی گویا علم اور عرفان کے سلسلے میں سکوت اور سکتے کی صدی رہی ہے!

لودھی خاندان (۸۵۵ تا ۹۳۲ھ)

بہلول لودھی (۸۵۵ تا ۸۹۴ھ) تغلق سلطنت کی باقیات سمیٹتے ہوئے بہلول نے لودھی سلطنت کی بنیاد رکھی بہلول نے لمبا عرصہ حکومت کی مگر وہ کوئی خاص کارنامہ انجام نہ دے سکا، صرف سابقہ دورِ انتشار کے بڑے اثرات کو سمیٹتا رہا۔ ہاں اُس کا یہ کارنامہ ضرور ہے کہ اُس نے منتشر سلطنت میں پھر مرکزی رُوح پیدا کر دی۔

سلطان سکندر لودھی (۸۹۴ تا ۹۲۳ھ) سکندر کا دور نہ صرف لودھی خاندان کے لیۓ بلکہ برصغیر کے لیۓ باعثِ افتخار ہے اُس کے عہد میں ایک بار پھر علمی فضا قائم ہوئی، علماء و صوفیا نے پاک و ہند کا رخ کرنا شروع کیا اور کئی روحانی مناظر دیکھنے میں آئے چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں: " لہٰذا از اکناف عالم از عرب و عجم بعضے لسابقۂ استدعا و طلب و بعضے بے آں در عہدِ دولت او تشریف آوردہ و توطن این دیار اختیار کردند۔ بالحقیقت حاصل زمان سلطنت آں سلطان سعادت نشان از حدِ تقریر و تحریر خارج ست " [۲] تصوف پر پڑا ہؤا ادبار چھٹنے لگا تو بعض خانقاہوں میں رونق نظر آنے لگی۔ اِس عرصے کے بارے میں راشدی کہتے ہیں " علمی اور ادبی تحریکات نے ایک کروٹ لی، کچھ کتابیں لکھی گئیں، چند ایک اہلِ علم اور اہلِ قلم پیدا ہوئے، اصحابِ عرفان و سلوک بھی ہوئے مدرسے بھی آباد ہوئے اور ایک بار پھر ہندوستان کی فضا، ادبی، علمی اور عرفانی تحریکوں سے جاگ اُٹھی " [۳]

سلطان ابراہیم لودھی (۹۲۳ تا ۹۳۲ھ)۔ سلطان سکندر لودھی کی برپا کی ہوئی علمی فضا ابھی مزید استحکام طلب تھی کہ سلطان کا انتقال ہوگیا اور ابراہیم لودھی کو حکمرانی نصیب ہوئی، سلطان ابراہیم دورِ سلاطین کا آخری فرماں روا ثابت ہؤا، اُس نے اپنے انتہائی مزاج سے عوام کی ہمدردیاں کھو دی تھیں، جب بابر حملہ آور ہؤا تو کثیر جمعیت کے باوجود لوگوں کے دل ابراہیم کے ساتھ نہ تھے، آخر وہ پانی پت کے میدان میں مارا گیا اور مغلیہ دَور کی ابتدا ہوئی۔

مذکورہ بالا تمام تاریخی جائزہ سلطنت دہلی کی مرکزی حیثیت کے حوالے سے تحریر کیا گیا، حالانکہ اسی دوران میں بعض صوبائی حکومتیں اِس قدر مقتدر تھیں کہ انہوں نے بھی برصغیر کی تہذیبی و ثقافتی زندگی پر عہد آفریں اثرات ڈالے، بہتر ہوگا کہ ایک سرسری نظر چند اہم ثقافتی مراکز پر ڈال لیں تاکہ ۶۰۲ھ تا ۹۳۲ھ کے سوا تین سو سالہ دَور کا مکمل خاکہ واضح ہو جائے۔

سندھ عرب سلطنت کا مرکز رہا تھا، محمود غزنوی کے حملوں سے عرب سلطنت ختم ہوئی تو طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ محمد غوری کے کامیاب حملوں کے بعد سندھ غوریوں کی تحویل میں رہا، ناصر الدین قباچہ ملتان اور سندھ پر نائب السلطنت بنایا گیا، ناصر الدین قباچہ سلطنت قطب الدین ایبک کا داماد تھا [۵] اسلیۓ اُس کے سر میں ہوائے سلطنت سمائی، ایبک کے بعد قباچہ خود مختار بن بیٹھا، ۶۰۲ھ تا ۶۲۵ھ اس کے زیر اقتدار پر قبضہ رہا مگر التتمش کے سامنے نہ ٹھہر سکا، اِس طرح سندھ ۶۲۵ھ سے مرکزی حکومت کے ماتحت آ گیا مگر جغرافیائی بُعد کی وجہ سے نا جنس کے رحم و کرم پر رہا۔ مُغل حملوں نے علاقے کے سکون کو لُوٹا اور طوائف الملوکی پیدا ہوئی۔ سومرہ قبائل وقفے وقفے سے سندھی علاقوں پر حکمرانی کرتے آ رہے تھے۔ علاء الدین خلجی تک اُن کے پندرہ حکمران گزر چکے تھے۔ اُن کی خواہش خود مختار حکمرانی کی تھی اور وہ اِس تاک میں تھے کہ موقع ملے تو ایسا اعلان کر دیں، بالآخر غیاث الدین تغلق کے دور یعنی ۷۲۰ تا ۷۲۵ھ میں اُنہیں مکمل خود مختاری کے اعلان کا موقع مل گیا۔ اِس طرح عمر سومرہ کا اقتدار شروع ہؤا، اِسی کے نام پر سندھ کا مشہور قلعہ عمرکوٹ ہے [۵] سومرہ کا اقتدار روبہ زوال ہؤا تو سمہ خاندان کا دورِ عروج شروع ہؤا، ان کا صدر مقام ٹھٹھہ تھا سمہ خاندان نے محمد بن تغلق کے دَور میں حالات سے فائدہ اُٹھایا،

---

① سید العارفین مقدمہ ص ۳۹، ۴۰ ② اخبار الاخیار ص ۲۳۳۔ ③ سید العارفین مقدمہ ص ۴۰۔
④ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱ ص ۳۳۲ ⑤ تحفۃ الکرام ص ۱۲۵۔

فیروز تغلق نے ٹھٹھہ پر حملہ کیا تو جام بابنیہ گرفتار ہوا۔ اگر طوائف الملوکی کے دور میں جو فیروز شاہ تغلق کی وفات سے نصف صدی سے زائد عرصے تک برصغیر میں طاری رہا جام نے دہلی کے کمزور سلطان تغلق بن فتح خان (م ۷۹۱ھ) سے خود مختاری حاصل کرلی۔۱ سمہ حکمران ۷۹۱ تا ۹۲۷ھ تک سندھ کے بیشتر علاقہ پر قابض رہے اور ان کے کئی حکمران ٹھٹھہ کے تخت پر متمکن ہوئے، ان میں سب سے نامور جام نظام الدین سندہ (م ۹۱۴ھ) نے نصف صدی کے قریب حکومت کی، بعض روایات میں تو اس کا عہدِ حکومت ۷۳ سال تک طویل بتایا جاتا ہے۔۲ جام نظام الدین ایک دیندار اور ذی شعور حکمران تھا، وہ ہمیشہ مسلم ریاستوں سے ٹکراؤ سے بچتا رہا۔ "مبادا مسلمانوں کا خون بے گناہ بہایا جائے اور میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک شرمندہ ہوں"۳ جام کی دینداری کے کئی قصے سندھ میں مقبول ہیں۔ اگرچہ ان میں اکثر کی سند قابلِ اعتماد نہیں ہے مگر یہ واضح ہے کہ جام نظام الدین نے سندھ میں علمی فضا اور دینی ماحول پیدا کر دیا تھا کہ کئی علماء وصوفیا سندھ میں آنے کی خواہش رکھتے تھے۔۴ برصغیر میں فارسی زبان کی ترویج سے عربی ادبی سرگرمیوں کو ضعف پہنچا تھا مگر سندھ میں عربوں کی حکومت کا نقش اس قدر واضح کر دیا تھا کہ فارسی کی برتری کے باوجود عربی پر توجہ رہی اسلئے یہ بات پورے اعتماد سے کہی جاسکتی ہے، کہ سندھ میں عربی علوم وادب کو نسبتاً بہتر ماحول نصیب ہوا۔

وادیٔ کشمیر سربلند پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے، آمد ورفت کی مشکلات کی وجہ سے باہر کی دنیا سے تعلقات میں دشواری ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے اس وادی جنت نظیر پر حملے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا اس طرح اسلامی فتوحات کے اثرات کشمیر پر کم سے کم تر رہے، کشمیر میں اسلامی تبلیغ کے لیئے انفرادی کوششوں کا عمل دخل زیادہ رہا، ایک مسلمان پٹھان شاہ مرزا، راجہ کشمیر سیما دیو کے ہاں ملازم ہوا، ذہین تھا جلد اعلیٰ مناصب پا گیا اور راجہ کے مرنے کے بعد تاج وتخت کا مالک بنا اس طرح ۷۴۷ھ میں شاہ مرزا، سلطان شمس الدین کے لقب سے کشمیر کا سلطان بنا۔ شاہ مرزا کا خاندان ۹۶۸ھ تک کشمیر کا حکمران رہا۔ اس خاندان میں سلطان سکندر بت شکن (۷۹۶ تا ۸۱۹ھ) اور سلطان زین العابدین بڈہ شاہ (۸۲۴ تا ۸۷۷ھ) کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ سلطان بڈشاہ کے پچاس سالہ دورِ حکومت میں علوم وفنون کی ترویج اور رفاہِ عامہ کے کاموں کی بنا پر یہ تاریخ کشمیر کا سنہری دور ہے۔۵ کشمیر کی تاریخ میں ۷۷۳ھ کا سال ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھا جائے گا کہ اس سال سید علی الہمدانی (م ۷۸۶ھ) سات سو معتقدین کے ساتھ کشمیر تشریف لائے تھے۔ کشمیر میں اسلام کی اشاعت کا سہرا ان کے اور ان کے مریدوں کے سر ہے۔۶

بنگال سے اسلامی عربی ثقافتی رابطہ تو تیسری صدی ہجری کے اوائل سے ہی استوار ہوگیا تھا کیونکہ عرب تاجروں نے چاٹگام میں ایک بستی آباد کر لی تھی، ہارون الرشید کے دور میں عربوں کی بنگال میں موجودگی کے اثرات ملتے ہیں۔۷ مگر اس قدیم تعلق کے باوجود بنگال کے جغرافیائی بعد اور مقامی زبان سے شیفتگی نے عربی زبان کو زیادہ پنپنے کا موقع نہ دیا، اسلیئے دور زیرِ بحث میں بنگالی مسلمانوں کی عربی ادب کے لیئے خدمات بہت قلیل ہیں

گجرات اور جنوبی ہند سے عرب تاجروں کا تعلق عہدِ قدیم سے ہے، علاوہ اسلام کی قابلِ ذکر جمعیت عرب علاقوں سے ان ہندی علاقوں میں منتقل ہوتی رہی ہے، اسلیئے ان پر عربی زبان وادب اور اسلامی علوم وفنون کے اثرات ابتدا ہی سے نمایاں ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے وسط یعنی ۷۴۸ھ سے دکن میں بہمنی سلطنت (۷۴۸ تا ۹۳۲ھ) اور مظفر شاہی حکومت (۷۹۹ تا ۹۸۰ھ) علم وادب کی آبیاری کرتی رہیں اور اپنے محدود وسائل کے باوجود ان علاقائی حکومتوں نے عربی ادب کی خدمت مرکزی حکومت سے بہت بڑھ کر کی۔ ڈاکٹر اسحاق کا خیال ہے کہ ان ہمسایہ مسلم سلطنتوں کے اقتدار کے ۱۸۰ سال درحقیقت علمی اور ثقافتی ترقی کا شاندار دور ثابت ہوئے۔ ان دونوں سلطنتوں کے روشن خیال اور شائستہ فرمانرواؤں نے اپنے ملک میں علوم وفنون کو فروغ دینے کے لیئے حیرت انگیز جوش اور انہماک کا مظاہرہ کیا۔ اس مقصد کے پیشِ نظر انہوں نے دور ونزدیک تمام ملکوں کے علماء کو اپنے دارالسلطنت آنے کی دعوت دی اور نہایت فیاضی سے ان کی سرپرستی کی۔ ہند میں مسلمانوں کے جو خاندان حکمران ہوئے ان میں فیروز شاہ تغلق بہمنی (۸۰۰ تا ۸۲۵ھ) اور مظفر شاہ ثانی فرمانروائے گجرات (۹۱۷ تا ۹۳۲ھ) جیسے اعلیٰ صلاحیت کے حکمران چند ہی ہوئے ہیں۔۸ بہمنی سلطنت کے محمود گاواں (م ۸۸۶ھ) ۲۵ سال تک عہدہ وزارت پر فائز رہے۔ محمود گاواں خود بھی فاضل انسان تھا اور اس نے علماء وفضلاء کی

---

۱ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱ ص ۳۳۷۔ ۲ تحفۃ الکرام ص ۱۷۱ ۳ تاریخ معصومی ص ۱۰۳ ۴ حوالہ مذکورہ ص ۱۰۷

۵ تفصیل ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند جلد ۱۲، علاقائی ادبیات مغربی پاکستان ص ۱۳۹، ۱۴۰ ۶ علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۱۹۲ ۷ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند جلد ۱۱ بنگالی ادب ص ۱۱ ۸ علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۱۰۸

بڑی قدر دانی بھی کی۔ گجرات کو یہ شرف حاصل ہے کہ مخدوم علی المہائمی نے یہیں تفسیر القرآن بیان ہی ترتیب دی تھی!

——— مناسب ہو گا یہاں سلطان ابراہیم شرقی ۸۰۴ تا ۸۴۴ھ کا ذکر بھی کر دیا جائے جو سلطنت بیجاپور کا قابلِ احترام سلطان اور علماء و صوفیاء کا قدر دان تھا۔ اس کے دور میں بیجاپور جسے شاہجہاں، شیراز ہند کہا کرتا تھا، اکابر علماء کی توجہ کا مرکز بنا۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) اسی دور کے مشہور عالم اور صاحب طرز ادیب تھے۔ اس علاقائی جائزے میں مالوہ، خاندیش اور دیگر دکنی ریاستوں کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں مگر طوالت کے خیال سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عمومی جائزہ۔ اس مختصر روداد سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دورِ سلاطین میں برصغیر کی علمی فضا کیسی تھی، تاریخی شواہد اور اہم عصر تذکرہ نگاروں کی نگارشات کا معروضی تجزیہ چند حقیقتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ مثلاً

——— ۶۰۲ تا ۹۳۲ھ کا عرصہ عالم اسلام کی شکست و ریخت کا دور تھا، منگول حملے شدت اختیار کرتے جا رہے تھے اور مسلم ممالک اور اسلامی تہذیب کے مراکز ایک ایک کر کے سپر انداز ہو رہے تھے، منگول حملہ آور خون آشام اور تہذیب کشی کی اُن ہی روایات ساتھ لائے تھے کہ سربلند اور سرِ خمیدہ اُن کے نزدیک برابر تھے اُن کا ایک ہی ردِ عمل تھا کہ تلوار کا قرض ادا ہونا چاہیئے، ایسے زبوں حال معاشرے میں تہذیبی اپج اور ثقافتی اُمنگ دم توڑ دیتی ہے۔ اور قومیں اپنا سب کچھ بھول کر تحفظِ ذات کے گرداب میں پھنس جاتی ہیں، عالم اسلام کی حالت ایک نیم ذبح کیئے ہوئے جیڑے کی تھی کہ نہ جان نکلتی تھی نہ زندگی کی امید بر آتی تھی۔

——— خوش قسمتی سے برصغیر کو نہ صرف یہ کہ بیرونی حملہ آوروں سے بچاؤ کی توفیق ملی بلکہ اسے اندرونی خلفشار کی بھی کوئی بڑی مہم درپیش نہ تھی خاندانِ غلاماں سے لودھی حکمرانوں تک افراد بدلتے رہے، اقتدار کے حصول کے لیئے حکمرانی کے خواہش مند دست و گریبان بھی رہے مگر رعایا میں کوئی ہیجان نہ تھا، لوگ خوشحال تھے اور حکمران اپنی ذاتی کمزوریوں کے باوجود عموماً فلاحِ عوام کے لیئے کوشاں تھے اسلیئے اس طویل دور میں عوامی ردِ عمل کہیں ظاہر نہ ہوا۔ اس سے معاشرے میں ٹھہراؤ اور کچھ کرنے کی سکت باقی رہی۔

——— برصغیر کی معاشی خوشحالی اور معاشرتی سکون نے دیگر مضطرب مسلم علاقوں کے لوگوں کو برصغیر کا راستہ دکھایا، چنانچہ ساتویں صدی سے برصغیر کی طرف ہجرت ایک معمول نظر آتا ہے خوش قسمتی سے اِن مہاجرین میں عربی ادب اور علوم اسلامیہ کے ایسے ایسے علماء بھی شامل تھے جن کا وجود مغتنمات میں سے تھا، اس ہجرت سے برصغیر کی علمی فضا میں نورانیت ہویدا ہوئی اور چند ہی سالوں میں ہندی معاشرہ مسلم معاشرے میں منقلب ہو گیا۔

——— انسانی فطرت ہے کہ جب ظاہری سہارے ٹوٹتے ہیں تو روحانی رابطوں کی فکر ہوتی ہے۔ عالم اسلام کے ادبار اور زبوں حالی نے مسلمانوں میں تصوف کا ذوق تیز کر دیا۔ تصوف تصفیۂ قلب کی تنہا میں اعضاء و جوارح کے اعمال میں منعکس ہونے لگتی ہیں، مادی ہا ہمی انسان کو اپنے باطن سے دُور کر دیتی ہے اور حرص و آز کی گرد اس مجلی آئینے کو غبار آلود بنا دیتی ہے۔ مگر جب ظاہری سہارے ٹوٹتے ہیں تو پریشان نظری کا شکار انسان اندر کی طرف جھانکنے لگتا ہے تاکہ باہر کی بے تابیوں کو اپنے اندر کی رعنائیوں سے مسخر کرے، سقوطِ بغداد سے پہلے ہی اسلامی مراکز مادی گرسنگی کا شکار ہو گئے تھے، یہ عمومی خودکشی کا منظر تھا۔ ایسے میں درد دل کے شناوروں نے عالم اسلام کے کرب کو پہنچانا اور تپتی دھوپ کے مسافروں کو گھنے سایے والے زاویوں میں پناہ دی مگر جب بربریت کا ہاتھ ان محفوظ مراکز کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے لگا تو درد آشنا علماء نے وہ محبت کے یہ مراکز تعفن سے دور کسی محبت افزا مقام پر منتقل کرنے کا عزم کر لیا اور ایسا مقام سوائے برصغیر کے کہیں دستیاب نہ تھا، اسلیئے روحانی علماء کی کثیر تعداد اپنے محبت بخش نسخوں کے ساتھ برصغیر میں تشریف لے آئی۔

——— برصغیر کے مسلمانوں کو مقامی آبادی کے ماورائی نظام حیات اور ملفوف عقلی استدلالات سے خوف تھا کہ وہ کہیں مسلم معاشرے کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لیں، صوفیاء کی کثیر تعداد کی آمد سے مقامی آبادی کی ویدانت ترزا بھی کہ اب روحانیت کے نام پر کوئی فریب نہ کھیلا جا سکتا تھا برصغیر کی تاریخ شاہد ہے کہ تہذیب اخلاق کے ساتھ تقویم عقائد کا فریضہ بھی صوفیاء نے انجام دیا ہے، بھگتی تحریک جو عہد زیر بحث کے آخر پر پروان چڑھی تھی کا مسکت جواب صوفیاء ہی سے بن پڑا کہ وہی ایسی فریب کاریوں کو انشراح کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، یہ بھی یاد رہے کہ صوفیاء کے ساتھ ایسے علماء کا قابلِ لحاظ گروہ بھی برصغیر آیا تھا جو علم کے ساتھ عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے اس طرح عقلی و نظری دونوں محاذوں پر مسلمانوں کی

---

① عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۲

گرفت مضبوط ہوگئی۔ ہندو مت علم استدلال ہو یا روحانی استغراق کسی میدان میں بھی مسلمانوں کو مرعوب نہ کر سکا اسلئے اپنی ہزار خواہش اور جاذبیت کے باوجود مسلمانوں کو ورغلا نہ سکا۔

ہندی ذہن سخت محدودیت کا شکار رہا، جغرافیائی تحدید، نسلی امتیاز اور گروہی تعصب نے بعض طبقوں کو ازحد آزردہ کر رکھا تھا۔ منوجی کا تیر ایسا چلا کہ ہندی اقوام کے جسم ہی نہیں ذہن بھی تقسیم ہوگئے، ہندو دھرم آریا، برہمن و شودر کے تعلقات حقارت کی بنیاد پر قائم تھے ان کے درمیان کوہ ہمالیہ سے بھی بلند دیوار حائل ہو چکی تھی۔ صاحب استطاعت طبقے کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ بے حیثیت لوگ اس کے خلاف آواز اٹھانے کا حق بھی نہ رکھتے تھے، علم کے دروازے ان پر بند تھے، دینی تعلیمات پر عمل تو کجا کتب مقدسہ کو ہاتھ تک نہ لگایا جا سکتا تھا۔ ایسی حاضرت کی فضا میں اسلام برصغیر میں داخل ہو چکا تھا۔ اسلام کا مزاج طبقاتی نہیں انسانی ہے۔ قدرت نے برصغیر کی طبقاتی کشمکش کا ازالہ دو طرح سے کیا، اسلامی تعلیمات کی نظری تبلیغ اور اس کی عملی تطبیق سے، نظریاتی توافق اور غیر فطری تقسیم کی نفی کے لیئے قدرت نے انوکھا انتظام کیا کہ نسلی و گروہی غرور مٹانے کے لیئے ان پر غلاموں کو حاکم بنا دیا۔ ایک صدی تک خاندان غلام سلاطین کا سلسلہ مشیتِ ایزدی کے اس فیصلے کا مظہر ہے۔ کہ ہندی عدم مساوات کا بت توڑنا مقصود ہے۔ جو لوگ اپنے ہم وطن غلاموں کو قریب آنے کی اجازت دینے کو تیار نہ تھے وہ غیر ملکی غلاموں کے سامنے پرنام کر رہے تھے، یہ برہمنی انا کی شکست اور نسلی امتیاز پر ضرب کاری تھی، پسے ہوئے مجبور طبقے کے لیئے اسلام دین رحمت ثابت ہوا اور وہ جوق درجوق اسلام قبول کرنے لگے، برصغیر میں اسلام کی اشاعت کا سب سے بڑا محرک مساوات اسلامی کا عنصر تھا، صوفیاء کی مجالس میں اس کی عملی تعبیر ملتی تھی اسلیئے ان کے اثرات بھی زیادہ اور زود اثر تھے۔

مذکورہ بالا موافق عناصر کی کارفرمائی کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ برصغیر کی آبادی کی اکثریت کا دین اسلام نہ تھا، مقامی آبادی کی گرفت بھی موجود تھی اور غیر مسلم رعایا نے سیاسی برتری تسلیم کرنے کے باوجود مسلمانوں کے دین کو تسلیم نہ کیا تھا۔ اس کا سبب تبلیغ میں کوتاہی، حکمرانوں کا کردار یا مسلمانوں کا طرز عمل ہو سکتا ہے۔ غیر مسلم آبادی کا جو حصہ اس طویل عرصے میں دامنِ اسلام میں آیا اس کا کریڈٹ صوفیاء کی مساعی کو جاتا ہے حکومت کو ہرگز نہیں حکمران سیاسی طور پر کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو رعایا کے خلاف اور اس کے موافق ردِ عمل کا محتاج ہوتا ہے۔ برصغیر کے حکمرانوں کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ مقامی آبادی کی اکثریت کو ناراض کر لینا کسی صورت مناسب نہیں ہے اسلئے انہوں نے پوری کوشش کی کہ ان کے دل جیت جائیں، اس کوشش میں حدود سے تجاوز بھی ہوا، مقامی نظریات اور غیر اسلامی نظریات نے اثر و نفوذ بڑھایا یہاں تک کہ ایسا دور آیا کہ اسلام اور دیگر ادیان کے درمیان نظریاتی تعاون کا خیال ابھرنے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک مخلوط دین کی تشکیل پر کام ہونے لگا جس کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ چھٹے باب میں کیا جائے گا۔ مناسب ہوگا کہ چند لمحے ان نوواردانِ ذوی الاحترام کے تذکرے کو زینتِ قرطاس بنانے میں خرچ کر دیئے جائیں تاکہ ان کی مساعی جمیلہ کا درست ادراک ہو سکے۔

صوفیاء کرام۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (م ۶۳۳ھ) ۵۳۲ھ میں سجستان میں پیدا ہوئے، خراسان میں نشوونما پائی، خواجہ عثمان ہرونی (م ۶۱۷ھ) کی خدمت میں منازل سلوک طے کیں، عالم اسلام کے بیشتر علاقوں میں گھومے، بغداد میں قیام رہا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) کی صحبت سے بھی مشرف ہوئے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ (م ۶۱۰ھ) اور شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) کے ہمعصر اور مصاحب رہے [2] ۵۸۱ھ کے قریب لاہور تشریف لائے اور داتا گنج بخش علی ہجویری (م ۴۶۵ھ یا بروایت دیگر ۴۶۹ھ) کے مزار پر معتکف رہے، دہلی تشریف لے گئے اور وہاں سے اجمیر گئے اور تادم آخر وہیں قیام پذیر رہے۔ آپ کی تبلیغی مساعی سے لاتعداد غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اجمیر آپ کی آمد سے مرجع خلائق بنا اور اہل ہند نے آپ کو سلطان الہند کہا۔ برصغیر میں چشتیہ سلسلے کی بنیاد آپ نے رکھی [3] جس میں کئی نامور اولیاء پیدا ہوئے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ) ماوراء النہر کے قصبہ اوش کے رہنے والے تھے یتیمی کے عالم میں پرورش پائی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے نو عمری ہی میں خرقہ ولایت پایا اور ان کے بعد خود بھی برصغیر آگئے، ملتان میں چند روز ٹھہرے وہاں خواجہ بہاؤالدین ملتانی سے صحبت رہی [4] کہا جاتا ہے کہ ملتان ہی میں خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، دہلی آئے تو سلطان دہلی ایلتمش نے استقبال کیا، خواجہ بختیارؒ مرکز حکومت دہلی کے بے تاج بادشاہ تھے، سلطانِ وقت ان کا نہ صرف یہ معتقد تھا بلکہ ہر وقت ان کی راہ تکتا رہتا تھا مگر آپ کو دنیاوی درباروں سے کوئی رغبت نہ تھی خواجہ صاحب کے فیضِ محبت سے

---

① سیر العارفین ص ۳۰۱ ② حدائق الحنفیہ ص ۲۷۷ ③ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۴۲۶

④ نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ۱۹۷

سے ہزاروں انسان دائرۂ اسلام میں آئے۔

—— شیخ جمال الدین ہانسوی (م ٦٥٩ھ) خواجہ فریدالدین گنج شکر کے مرید اور سلسلۂ چشتیہ کے اکابرین میں سے تھے [1] امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے [2] بابا فریدؒ کو آپ سے اس قدر محبت تھی کہ بارہ سال ہانسی میں ان کے پاس قیام رکھا۔ آپ کہا کرتے تھے جمال جمال ماست۔[3] شیخ جمال الدین صاحبِ تصنیف بزرگ تھے، آپ کے بعض رسائل اور اشعار ملتے ہیں، ان میں ایک رسالہ مسجع عربی زبان میں ہے جس میں متفرق اقوال جمع کیے گئے ہیں اور اس کا نام ملہمات ہے۔[4]

—— شاہ بہاء الحق زکریا بن محمد الملتانی (م ٦٦١ھ) شیخ شہاب الدین السہروردی (م ٦٣٢ھ) کے خلیفۂ اعظم اور برصغیر پاک و ہند کے نامور اولیا میں سے ہیں، ہبار بن الاسودؓ کی اولاد میں سے تھے اسلئے ہباری اسدی قریشی تھے۔[5] دادا مکہ معظمہ سے خوارزم اور وہاں سے قبۃ الاسلام شہر ملتان آئے، کوٹ کروڑ میں شاہ بہاء الحق پیدا ہوئے، تربیت ملتان میں ہوئی، خراسان، بخارا، مکہ معظمہ طلبِ علم کے لیے گئے، پانچ سال مدینہ منورہ میں روضہ اقدس کے مجاور رہے، بغداد کے شیوخ سے مستفیض ہوئے اور ملتان آگئے۔[6] شاہ بہاء الحق علوم ظاہرہ اور باطنہ میں کامل اور تہذیبِ نفوس میں مہارت تامہ رکھتے تھے، شیخ عبدالحق محدث نے سلسلۃ الذہب سے نقل کیا ہے۔ کہ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کان رئیس الاولیاء ببلاد الہند وکان عالماً بعلوم الظاہرۃ صاحب الاحوال والمقامات من المکاشفات المشاہدات مرشداً ینتسب منہ کثیر من الاولیاء وقد لزم الارشاد وہدایۃ الناس من الکفر الی الایمان ومن المعصیۃ الی الطاعۃ ومن النفسانیۃ الی الروحانیۃ شأن کبیر۔[7] ملتان میں وفات ہوئی مزار مرجع خلائق ہے صاحب نزہۃ الخواطر[8] نے تاریخ وفات ٦٦٦ھ بتائی ہے مگر اخبار الاخیار[9] میں ٦٦١ھ ہے جو زیادہ قابل اعتماد ہے کہ معاصر مورخ شیخ جمالی نے صراحۃً لکھا ہے کہ شاہ بہاء الدینؒ نے شیخ فریدالدین گنج شکرؒ سے تین سال قبل وفات پائی۔ باباصاحب کی وفات ٦٦٤ھ ہے اسلئے شاہ بہاء الدین کی وفات ٦٦١ھ میں متحقق ہے۔[10]

—— الشیخ فریدالدین گنج شکر (م ٦٦٤ھ) آپ کے دادا شعیب فتنۂ تاتار کے دوران میں برصغیر آئے اور ملتان کے علاقہ کھتوال میں قاضی مقرر ہوئے بابا فریدؒ کھتوال ہی میں ٥٦٩ھ کو پیدا ہوئے، ملتان میں تعلیم پائی، خواجہ بختیار ملتان تشریف لائے تو اس جوہر قابل کو شناخت کر لیا اور ٥٨٤ھ میں پندرہ سال کی عمر میں بیعت کر لیا، دہلی میں کچھ عرصہ اور زیادہ تر ہانسی میں قیام رہا اور آخر پاکپتن میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔[11] شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے حد درجہ عقیدت تھی اور ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "عوارف المعارف" کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔[12] آپ سے لوگوں کی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ سلطان ناصرالدین محمود بن شمس الدین التمش بھی حاضر دربار ہوتا تھا۔[13] آپ ریاضت و عبادت میں انہماک کے باوجود خلقِ خدا کی دادرسی اور تشنگانِ علم کی تعلیم و تربیت کا بھی خیال رکھتے تھے، شعر و شاعری سے بھی شغف تھا پنجابی ادب میں تو آپ کو موسس اول کی حیثیت حاصل ہے۔

—— شیخ علاء الدین علی بن احمد الصابر الکلیری (م ٦٩٠ھ) برصغیر کے صاحبِ جلال اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے، بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے مرید باصفا تھے۔ عزلت نشینی پسند تھی، کثرتِ زہد سے ان میں جلالی کیفیات پیدا ہو گئی تھیں اور سلوک میں وہ مقام پایا کہ بقول صاحب النزہۃ "بلغ رتبۃ قلما وصل الیہا اصحابہ"[14] کلیر میں قیام رہا اور وہیں مدفون ہیں۔

—— شیخ بوعلی قلندرؒ (م ٧٢٤ھ) امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے عراق سے ہجرت کرکے ان کے والد برصغیر آگئے بوعلی قلندر پانی پت میں پیدا ہوئے۔ مجذوبی کیفیات کے حامل بزرگ جن کے جلال و تمکنت سے سلاطینِ دہلی لرزتے تھے، لمبی عمر پائی خلقِ خدا کا ایک جم غفیر ہمیشہ آپ کے آستانے پر حاضر رہا۔[15]

—— خواجہ نظام الدین اولیاء (م ٧٢٥ھ) آپ کے دادا غزنین سے برصغیر تشریف لائے اور بدایوں میں قیام کیا، آپ ٦٣٤ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی آگئے اور مختلف اساتذہ سے علوم معقول و منقول کے علاوہ ادب کی تعلیم پائی[16] دہلی میں شیخ نجیب الدین متوکل (م ٦٧١ھ) سے راہ و رسم

---

① نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ١٢٢ ② عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ١١٣ ③ اخبار الاخیار ص ٧٣ ④ حوالہ مذکورہ ص ٧٧
⑤ تاریخ سندھ ندوی ص ٣٥٩ ⑥ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیر العارفین ص ١٢٣ تا ١٢٨ ⑦ نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ١٥١٥ [اخبار الاخیار ص ٣٣] ⑧ نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ٣٥٩
⑨ اخبار الاخیار ص ٣٣ ⑩ سیر العارفین ص ١٢٩ ⑪ نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ٢٣٠، ٢٣١ ⑫ سیر العارفین ص ٦٩ ⑬ حوالہ مذکورہ
⑭ نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ١٨٠ ⑮ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ٣ فارسی ادب ص ١٠٨ تا ١١٠
⑯ نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ١٢٢، ١٢٣

اور ان کے ساتھ بابا فرید کے دربار میں حاضری کی سعادت پائی۔[۱] بابا صاحب سے قرآن مجید اور عوارف کے چھ باب درسًا درسًا پڑھے۔ دہلی میں ازدحام محسوس کیا اور غیاث پور جو آجکل بستی نظام الدین اولیاء کے نام سے معروف ہے سکونت اختیار کی اور وہیں ۷۲۵ھ میں وفات پائی۔[۲] خواجہ صاحب کے ملفوظات آپ کے مرید خاص امیر حسن علاء سجزی (م ۷۳۷ھ) نے فوائد الفواد کے نام سے مرتب کیے۔ امیر خسرو آپ کے برگزیدہ ارادت مندوں میں سے ہیں جو فنا فی الشیخ اور رضائے شیخ کی عملی تصویر تھے۔ خواجہ صاحب کو اُن سے بے پناہ محبت تھی۔ حضرت خواجہ کی کرامات و مکاشفات کی طویل فہرست روایت ہوئی ہے جن میں عقیدت مندی کے مبالغے کے باوجود حقائق کی کمی نہیں ہے۔ سلطان قطب الدین مبارک خلجی (م ۷۲۰ھ) کے ساتھ تعلقات انتہائی ناخوشگوار ہو گئے مگر آپ استقلال کے کوہ گراں بنے جمے رہے۔ خواجہ بلند اقبال کی تعلیمات اور طریقِ عمل نے برصغیر پر تہذیبی و ثقافتی اثرات چھوڑے ہیں جن کی صدائے باز گشت آج تک سنائی دیتی ہے۔

—— شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ الاودھی (م ۷۵۷ھ) جو چراغ دہلوی کے نام سے معروف ہیں، آپ اودھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی، مولانا عبدالکریم شیروانی سے علوم درسیہ حاصل کیے، کہا جاتا ہے کہ چند کتب شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ الاودھی اپنے برادر حقیقی سے بھی پڑھیں، انہیں کے بارے میں ان کا ایک شعر ہے۔

سألت العلم من احیاک حقاً ۔ فقال العلم شمس الدین یحییٰ [۳]

۴۳ سال کی عمر میں دہلی آئے اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور خرقۂ خلافت سے سرافراز ہوئے اور حضرت خواجہ کے بعد ۳۲ سال تک مسند ارشاد پر رونق افروز رہے اور خلق کثیر نے فیض پایا، ان میں قاضی عبدالمقتدر (م ۷۹۱ھ) سید محمد بن یوسف المعروف گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) سید جلال بخاری مخدوم جہانیاں (م ۷۸۵ھ) اور مولانا احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) کے نام نمایاں ہیں۔[۴]

ان بزرگوں کے علاوہ برصغیر کے چاروں جانب، ہر قصبے اور ہر قریے میں صوفیاء نے اپنے ڈیرے جا لیے تھے اور اپنی تبلیغی مساعی میں دن رات مصروف رہتے تھے۔ ان صوفیاء میں شیخ قبیل عالم سید نطہر علی (م ۶۲۲ھ بمقام ترچنا پلی)، شیخ نور الدین مبارک غزنوی سہروردی (م ۶۳۲ھ مدفون شمسی دہلی)، شیخ جلال الدین تبریزی (م ۶۴۱ھ بمقام دیوتھل بنگال)، شیخ حمید الدین ناگوری (م ۶۴۳ھ دہلی)، الشیخہ بی بی فاطمہ سام دھلیہ (م ۶۴۳ھ دہلی)، شیخ نجیب الدین المتوکل (م ۶۷۱ھ بمقام دہلی)، عثمان بن حسن المروندی المعروف لعل شہباز قلندر (م ۶۷۳ھ بمقام سیوستان)، شیخ بدر الدین اسحاق (م ۶۹۰ھ بمقام پاکپتن)، شیخ صدر الدین عارف (م ۷۰۹ھ بمقام ملتان)، قاضی محی الدین کاشانی (م ۷۱۹ھ بمقام دہلی)، سید شرف الدین بلبل شاہ سہروردی ترکستانی (م ۷۲۷ھ بمقام کشمیر)، شیخ ابوالفتح رکن الدین (م ۷۳۵ھ بمقام ملتان)، شیخ جلال الدین مجرد سلہٹی (م ۷۴۷ھ بمقام سلہٹ)، شیخ فخر الدین زرادی (م ۷۴۸ھ براہ حجاز)، شیخ نجیب الدین فخنبی (م ۷۵۱ھ)، شیخ شرف الدین منیری (م ۷۸۲ھ بمقام منیر بہار)، شیخ جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں (م ۷۸۵ھ بمقام اُچ)، امیر کبیر سید علی بن الشہاب الہمدانی (م ۷۸۶ھ بمقام ختلان ماوراء النہر)، سید اشرف جہانگیر السمنانی (م ۸۰۳ھ بمقام کچھوچھہ شریف)، شیخ نور قطب عالم چشتی نظامی (م ۸۱۳ھ بمقام پنڈوہ مغربی بنگال)، شیخ محمد بن یوسف بندہ نواز گیسو دراز (م ۸۲۵ھ بمقام گلبرگہ)، شیخ سماء الدین (م ۹۰۱ھ بمقام حوض شمسی دہلی)، شیخ عبدالوہاب بخاری (م ۹۳۲ھ) شامل ہیں۔

علماء کرام :- عصر سابق کی مانند عہد سلاطین میں بھی عرب و ہند کے درمیان علماء کا باہمی تبادلہ بدستور جاری رہا، عرب ممالک سے حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے علماء ہندوستان آتے رہے، اس کے برعکس حرمین کی زیارت اور سوز محبت سفر حرمین کے باعث بھی بنتے رہے اور کچھ علماء ہند وہیں رہ کر خدمت دین میں مشغول رہے، اس طرح علماء کے تین مختلف گروپ سامنے آتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ان کا تذکرہ انہیں حوالوں سے درج کیا جائے۔

(۱) برصغیر تشریف لانے والے علماء میں ان علماء کی کثرت ہے۔ جو فن حدیث اور ترویج حدیث کو اپنا شغل بنائے ہوئے تھے اگرچہ دوسرے علماء بھی تھے ان نو واردانِ ہند میں چند نمایاں نام یہ ہیں۔

نور الدین العوفی (م ۶۴۰ھ) بخارا سے براستہ سمرقند برصغیر آئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے اسلئے عوفی کہلائے

---

(۱) سیر العارفین ص ۸۲ (۲) حدائق الحنفیہ ص ۳۰۵ (۳) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۳۷ (۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۶ ص ۱۴۳

بعد میں ممالک کی سیر کی، فتنۂ تاتار کی وجہ سے وطن چھوڑا، ملتان میں ناصر الدین قباچہ کے قریبی احباب میں شمار ہوئے، التمش کے دور میں دہلی میں رہے، لباب الالباب اور جامع الحکایات مشہور تصنیفات ہیں [1] عوفی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے برصغیر کے حالات کو معروضی انداز سے قلم بند کیا اور سیاسی کوائف کی فراہمی کے ساتھ علمی و ادبی سرگرمیوں کے بھی مفید اور قابل اعتماد اشارے دیئے۔

—— قاضی ابو عمرو عثمان بن عبد المنہاج السراج الجوزجانی (م ۶۶۸ھ) جوزجان کے رہنے والے تھے فیروزکوہ (غور) میں پیدا ہوئے ۶۲۴ھ میں ایران سے اوچ آکر مدرسہ فیروزی کے سربراہ بنے، رضیہ سلطانہ کے دور میں مدرسہ ناصریہ کے سربراہ بنے [2]، ناصری نامہ ناصر الدین محمود کی جنگوں کا منظوم بیان ہے، صدور جہاں کا لقب پایا، فارسی کے عمدہ شاعر اور طبقات ناصری کے مولف ہیں [3]

—— برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد البلخی (م ۶۸۷ھ) اپنے دور کے مشہور صاحب زہادت علماء میں سے تھے، شیخ برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) صاحب ہدایہ سے درس فقہ لیا، ہند آئے تو ملوک و امراء ان کے دروازے پر حاضر ہوئے، غیاث الدین بلبن کو ان سے بڑی عقیدت تھی "کان السلطان غیاث الدین بلبن یتردد الیه فی کل اسبوع بعد صلوٰۃ الجمعة ویحظی لصحبته زمانا" [4] عمدہ شعر کہتے تھے حوض شمسی کے قریب مدفون ہیں۔

—— مجد الدین الفیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) علم لغت میں ایک منفرد شخصیت جن کی القاموس المحیط عرب و عجم میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، میرایک، متوسط حجم کی لغت ہے جس میں الفیروز آبادی نے لغت نویسی کا کمال دکھایا ہے کہ بعد کے علماء اس سے اکتساب فیض کر رہے ہیں، الفیروز آبادی شیراز کے علاقہ کے رہنے والے تھے، ایک طویل مدت سفر میں گذاری اور اسی سلسلہ میں برصغیر بھی آئے [5] متعدد کتابوں کے مصنف اور باکمال شاعر تھے۔

—— بدر الدین الدمامینی (م ۸۲۷ھ) شیخ بدر الدین محمد بن ابی بکر القرشی المخزومی، نحو و لغت، فقہ اور حدیث کے آئمہ میں سے تھے، برصغیر آنے والے علماء میں سے ممتاز تر عالم تھے، انہوں نے عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کی شاندار خدمات انجام دیں متعدد کتب کے مصنف و مولف ہیں، علم نحو پر تین کتابوں کے علاوہ مصابیح الجامع (صحیح بخاری کی شرح)، الفتح الربانی، الشرح العقیدۃ الخزرجیۃ، نزول الغیث اور مجموعہ الفواکۃ البدریۃ معروف کتابیں ہیں گلبرگہ میں وفات پائی [6]

—— علی بن احمد المہائمی (م ۸۳۵ھ) علاؤ الدین ابو الحسن المہائمی الکوکنی، مدینہ منورہ کے ان قریش کی اولاد میں سے تھے جو حجاج بن یوسف کے خوف سے ہجرت کر کے دکن اور گجرات کے علاقوں میں آباد ہو گئے تھے، انہیں النوائت یا النوائط کہا جاتا ہے، کوکن گجرات کے ساحل سمندر پر ایک قصبہ ہے۔ المہائمی یہاں پیدا ہوئے اور دکن میں مہائم کے مقام پر وفات پائی۔ تبصیر الرحمان و تیسیر المنان فی تفسیر القرآن، ان کی مشہور تالیف ہے جو مطبوعہ ہے ان کے علاوہ بھی چند کتابیں ہیں [7]

—— یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن ابی الخیر الہاشمی الشافعی (م ۸۹۳ھ) محدثین مکہ میں سے تھے ۸۳۰ھ میں کھمبائت آئے گلبرگہ رہے، بہمنی سلطان احمد شاہ اول کی سرپرستی سے فیض یاب ہوئے، جنوبی برار میں بمقام بیر وفات پائی [8]

—— عمر بن محمد دمشقی (م ۹۰۰ھ) امام سخاوی (م ۹۰۲ھ) کے ہم مکتب تھے ۸۵۷ھ میں تاجر کی حیثیت سے کھمبائت آئے، سفر حجاز کے بعد مستقلاً کھمبائت میں رہائش اختیار کر لی تھی اسلئے نزیل کھمبائت کہے جاتے ہیں [9]

—— عبد العزیز بن محمود الطوسی الشافعی (م ۹۱۰ھ) خراسان کے شہر طوس کے رہنے والے تھے، مکہ مکرمہ چلے گئے مگر تلاش معاش میں محمود گاوان کے دور آخر میں دکن آگئے [10]

—— وجیہ الدین عبد المالکی (م ۹۱۹ھ) مصری تھے ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کے ساتھ مطالعہ حدیث کا شرف حاصل تھا، یمن کے راستے برصغیر آئے احمد آباد میں متوطن ہوئے، سلطان محمود اول (م ۹۱۷ھ) سے ملک المحدثین کا خطاب پایا [11]

---

(1) نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص ۲۲۴، ۲۲۵ (2) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۳ فارسی ادب ص ۲۶۲ (3) نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص ۱۲۷، ۱۲۸
(4) نزھۃ الخواطر الجزء الاول ص ۲۴ (5) البدر الطالع الجزء الثانی ص ۲۸۰ (6) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۴۳ تا ۱۴۷، کا علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۱۲ (7) نزھۃ الخواطر الجزء الثالث ص ۱۰۵ تا ۱۰۰ (8) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر اسحاق ص ۱۱۹ (9) حوالہ مذکورہ ص ۱۱۶، ۱۱۸ (10) حوالہ مذکورہ ص ۱۱۹ (11) حوالہ مذکورہ ص ۱۱۹، ۱۲۰

—— بحرق الحضرمی (م ۹۳۰ھ) مولانا شیخ جمال الدین محمد بن عمر الحمیری الشافعی جو بحرق الحضرمی کے نام سے مشہور ہیں، حضرموت کے علما میں بلند مقام رکھتے ہیں: تلاش علم میں طویل سفر کیے، حرمین کی زیارت کے سفر میں امام سخاوی سے بھی صحبت رہی، متعدد اہم حیثیتوں کے مالک رہے۔ ۹۲۰ھ میں برصغیر آئے اور سلطان مظفر والیٔ گجرات کے دربار میں پہنچے، مقربین خاص میں سے ہوگئے دیگر درباریوں کو حسد ہوا چنانچہ اسی سال زہر دے کر ہلاک کر دیئے گئے، تاریخ، سیرت، عقاید، علم الکلام، فقہ، ادب، موسیقی، نحو، لغت، تفسیر اور حدیث کے کئی موضوعات پر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، آپ ایک فصیح اللسان اور نادر الکلام شاعر تھے العیدروس انہیں علمائے حضرموت میں سب سے بہتر اور ممتاز قرار دیتا ہے اور لکھا ہے کہ شیخ الحضرمی اللہ کی آیات میں سے ایک تھے، ان کی سیرت کے موضوع پر تصنیف "تبصرة الحضرة الشاهية الاحمدية بسيرة الحضرة النبوية" سلطان احمد المظفر گجراتی کے لئے لکھی گئی یہ ایک قابل قدر کتاب ہے۔

(ب) عالم عرب سے برصغیر تشریف لانے والے علماء کے گروہ کے برعکس ایسے ہندی علماء بھی تھے جن سے عالم عرب مستفیض ہو رہا تھا۔ جو پچھلے باب میں اپنے قابل فخر حضرات کا ذکر ہوا جو عرب علاقوں میں اپنی ہندی یا سندھی نسبت کے باوجود احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے لیکن ان میں محدودے چند کے علاوہ زیادہ تعداد ان علماء کی ہے جو علوم اسلامیہ کے علاوہ دیگر علوم میں مہارت رکھتے تھے مگر دور سلاطین میں ایک ایسی شخصیت نظر آتی ہے۔ جو نہ صرف یہ کہ برصغیر کی نسبت کی وجہ سے ہم لوگوں کے لئے باعث فخر ہے بلکہ جس کا وجود پورے عالم اسلام کے لئے فخر و سرافرازی کا سبب ہے۔ یہ برگزیدہ وجود شیخ حسن صغانی کا ہے کہ جن کے نام سے وقار علمی مستلزم ہو گیا ہے۔

—— شیخ حسن بن الصغانی اللاہوری (م ۶۵۰ھ) رضی الدین ابو الفضائل الحسن بن محمد القرشی العدوی العمری الصغانی، ۵۷۷ھ میں خسرو ملک کے عہد حکومت میں لاہور میں پیدا ہوئے[۱] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے خاندانی نسبت چاغان سے ہے جو ماوراء النہر کا ایک قصبہ ہے[۲] معجم البلدان کی روایت کے مطابق یہ ترمذ کے قریب کا علاقہ ہے[۳] ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور میں پائی پھر آغاز جوانی ہی میں غزنہ چلے گئے وہاں کئی علماء سے استفادہ کرتے رہے، پھر تلاش علم کا شوق انہیں بغداد لے گیا، بغداد میں اور بغداد کے علاوہ بیشتر علاقوں میں علمائے وقت سے حدیث کی سماعت کی، خلیفہ الناصر (م ۶۲۲ھ) کے زمانے میں ۶۱۵ھ میں بغداد واپس آگئے، ۶۱۷ھ میں خلیفہ بغداد کی جانب سے سلطان التمش کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجے گئے اس طرح وطن مالوف میں سات سال قیام کا موقع ملا، واپسی پر حج کے بعد کچھ عرصہ یمن میں قیام رہا، خلیفہ المستنصر باللہ (م ۶۴۰ھ) کے عہد خلافت میں ۶۳۷ھ میں دوبارہ دہلی آئے اور رضیہ سلطانہ کے دربار میں بطور سفیر کام کیا، ۶۳۷ھ میں واپس بغداد چلے گئے اور ۱۳ سال مسلسل بغداد ہی میں مقیم رہے ۶۵۰ھ میں بغداد ہی میں وفات پائی[۴] امام صغانی کو شہرت ان کی کتاب "مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ" کی وجہ سے حاصل ہوئی، یہ کتاب ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے جس میں احادیث کے کلمات اول کی مناسبت سے فصول مقرر کی گئی ہیں، تمام احادیث کتب صحاح سے منتخب کی گئی ہیں۔ ان کی ترتیب و اندراج میں امام صغانی نے شاندار مہارت اور علمی وجاہت کا ثبوت دیا ہے اسلئے اس کتاب کو بے پناہ شہرت حاصل ہوئی، برصغیر میں اس کی عظمت کا اعتراف عوام و خواص سب کو رہا حتیٰ کہ سلطان محمد تغلق نے لوگوں سے بیعت کے وقت قرآن پاک اور مشارق الانوار کو سامنے رکھا[۵] خود امام موصوف مشارق الانوار کی قابل استناد حیثیت کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں "هذا الكتاب حجة بيني وبين الله في الصحة والمضاء"[۶] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام صغانی نے یہ کتاب خلیفہ المستنصر باللہ العباسی کے لئے تالیف کی تھی[۷] امام صغانی کی دیگر تالیفات میں مشہور تر یہ ہیں۔ مصباح الدجیٰ فی حدیث المصطفیٰ (صاحب کشف الظنون کے قول کے مطابق یہ کتاب محذوف الاسانید ہے)، الشمس المنیرة، رسالة جمع فیها الاحادیث الموضوعة، شرح علی صحیح البخاری[۸] فن حدیث میں قابل التفات تالیفات ہیں۔ علم لغت میں مجمع البحرین فی اللغۃ (۱۲ مجلدات میں) اور العباب الزاخر واللباب الفاخر فی اللغۃ (۲۰ مجلدات میں)[۹] ان کے علاوہ "کتاب الاضداد، التکملۃ والذیل والصلۃ اور کتاب الذئب"[۱۰] قابل استفادہ اور نادر معلومات سے مملو کتب ہیں۔ ان علمی و فنی کارناموں پر مستزاد یہ کہ امام صغانی سخن شناس اور صاحب طرز ادیب بھی تھے۔ جمال الدین قفطی برزالی کہتے ہیں "كان اليه المنتهى في معرفة اللغة"[۱۱] اور حافظ الدمیاطی (م ۷۰۵ھ) کا قول نقل کرتے ہیں "وكان ...... شيخا صدوقا صالحا صموتا مأمون ملازم ... الكلام اماما في اللغة والفقه والحديث"[۱۲]

—— الغرض امام صغانی کے علمی و ادبی کارنامے کسی عرب عالم سے کم نہیں ہیں ان کی علمی برتری کا سب نے اعتراف اور ان کی وسیع معلومات سے سب نے

---

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۹۹ تا ۲۰۲ (۲) نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ۱۳۷ (۳) النجوم الزاهرة الجزء الرابع ص ۲۶ حاشیہ
(۴) بزم صوفیہ ص ۳۹ (۵) نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ۱۳۷، ۱۳۸، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۴۸، ۱۴۹ (۶) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۳۰ (۷) نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ۱۳۹ (۸) الاعلام الجزء الثانی ص ۲۳۲ (۹) نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ۱۴۰، ۱۴۱ (۱۰) معجم المؤلفین الجزء الثالث ص ۲۷۹ (۱۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۰۳، ۲۰۴ (۱۲) النجوم الزاهرة الجزء السابع ص ۲۶ (۱۳) حوالہ مذکورہ

اکتساب کیا ہے۔ خاک لاہور کو اپنے اس علم فرزند پر جتنا بھی ناز ہو کم ہے۔[1]

—— شیخ محمد بن عبدالرحیم الاموی (م ۷۱۵ھ) ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے حرمین گئے قاہرہ اور دمشق میں بھی رہے، تاج الدین السبکی (م ۷۷۱ھ) نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں، حافظ ابن حجر العسقلانی نے الدرر الکامنۃ میں اور قاضی الشوکانی نے البدر الطالع میں ذکر کیا ہے امام ذہبی نے ان سے روایت کی ہے ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے ساتھ مناظرہ مشہور ہے عربی کے ماہر عالم تھے مگر "کانت فی لسانہ عجمۃ الھنود باقیۃ الی ان مات"۔[2]

—— ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحاق بن احمد الغزنوی (م ۷۷۳ھ) عام طور پر سراج ہندی کے لقب سے مشہور ہیں، سراج ہندی ان علماء میں سے ہیں جو ہندی الاصل ہیں۔ مگر جن کے فیوض و برکات سے عالم عرب متمتع ہوتا رہا ہے۔ دہلی میں مقامی علماء سے کسب فیض کے بعد حرمین اور قاہرہ گئے، قاہرہ میں انہیں قاضی القضاۃ بنایا گیا۔ فقہ میں زیادہ دلچسپی تھی اس میں "زبدۃ الاحکام فی اختلاف الائمۃ الاعلام"، "الغرۃ المنیفۃ (فی ترجیح مذہب ابی حنیفۃ)"، "الفتاوی السراجیۃ"، فتاوی قاری الھدایۃ، شرح الھدایۃ الصغیر، شرح الھدایۃ الکبیر جس کا نام التوشیح بھی ہے، شرح جامع الصغیر، "شرح الجامع الکبیر"، شرح المنار شرح المختار، شرح الزیادات، غرۃ الناسک فی المناسک مشہور تالیفات ہیں، اصول فقہ میں شرح المغنی ضخیم اور معتبر کتاب ہے۔ حدیث میں شرح الاربعین اور توشیح شرح صحیح البخاری، کے نام ملتے ہیں۔ شیخ الفقہ سراج ہندی ایک قابل احترام نام ہے جس کی ہندی نسبت برصغیر کے لئے موجب فخر ہے۔[3]

(ج) ذیل میں چند ایسے ہندی علماء کا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے جو سرزمین ہند سے اٹھے مگر ان کی نگارشات کو عالم عرب تک میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا گیا

—— ابوبکر اسحاق بن تاج الدین الملتانی الحنفی الصوفی (م بعد ۷۳۶ھ) ابن التاج کے نام سے پکارے جاتے ہیں، امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی کتاب جواہر القرآن کے مواد پر مبنی "خلاصۃ جواہر القرآن فی بیان معانی لغات القرآن" اور چند دیگر کتب کے نام ملتے ہیں۔[4]

—— شمس الدین محمد بن یحییٰ الاودھی (م ۷۴۷ھ) خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے بھائی اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں سے تھے جن کے علم کا چراغ دہلوی نے اعتراف کیا ہے۔ سألت العلم من احیاک حقاً - فقال العلم شمس الدین یحییٰ۔[5]

—— ضیاء الدین نخشبی (م ۷۵۱ھ) فارسی کے عمدہ شاعر تھے فارسی میں کئی تالیفات ہیں جن میں الدعاء السریانی، اور قصیدہ فاطمی تبدانی کی شرح ہے۔[6]

—— قاضی ضیاء الدین البرنی (م ۷۹۲ھ) امیر خسرو اور امیر حسن سجزی کے دوست تھے، اخبار و آثار اور اشعار کے عالم تھے، تاریخ فیروز شاہی، لائق استناد تاریخی تذکرہ ہے۔[7]

—— سید یوسف بن جمال الحسینی الملتانی (م ۷۹۰ھ) کتاب یوسفی، اور توجیہ الکلام کے نام دستیاب ہیں۔[8]

—— قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۸ھ) قاضی شہاب الدین الزاولی دولت آباد دکن میں پیدا ہوئے، قاضی عبدالمقتدر کے شاگرد تھے، تیمور کے حملے کی وجہ سے دہلی چھوڑ کر جون پور کی سکونت اختیار کر لی تھی وہاں سلطان ابراہیم شرقی (م ۸۰۴ تا ۸۴۴ھ) نے خوش آمدید کہا اور قاضی القضاۃ مقرر کر دیا ان کی اس قدر عزت تھی کہ بقول فرشتہ ان کے لئے دربار میں چاندی کی کرسی مہیا کی گئی تھی، جون پور ہی میں انتقال ہوا۔ تصانیف میں "حواشی کافیہ"، شرح اصول بزدوی، الارشاد، نحو کے موضوع پر بے نظیر کتاب، بحر مواج فارسی زبان میں تفسیر قرآن، بدیع البیان، علم بلاغت پر مسجع کتاب ہے۔[9] مصدق الفضل قصیدہ بانت سعاد کی شرح، تاریخ الملو نیسطہ، الفتاویٰ الاسلامیہ اور فتاویٰ ابراہیم شاہی بھی قاضی صاحب کے اشہب قلم کا نتیجہ ہیں۔[10] فضائل سادات میں مناقب السادات، بڑی وقیع کتاب ہے۔[11]

—— خواجہ حسین ناگوری (م ۹۰۱ھ) ایک عالم با عمل اور صاحب علم و دانش صوفی تھے، کئی تصانیف یادگار ہیں ان میں "تفسیر نور النبی"، "شرح القسم الثالث من المفتاح" اور شرح سوانح شیخ احمد غزالی قابل ذکر ہیں۔[12]

—— قاضی چکن ہندی (م ۹۲۰ھ) مشہور فقیہ جن کی کتاب "خزانۃ الروایات" ماسبق کتابوں کا خلاصہ اور مفاہیم کی جامع ہے۔[13]

—— شیخ عبداللہ عثمان تلنبی (م ۹۲۲ھ) تلنبہ ملتان کے رہنے والے تھے، علوم عقلیہ سے خاص شغف تھا، ایک مدت تک عراق و عجم میں علم حاصل کرتے

---

(۱) نزھۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۱۲۱ (۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۷۹ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۸۹، ۲۸۰، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۹۲، ۱۹۳ (۴) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۵۹ (۵) اخبار الاخیار ص ۱۰۲ (۶) نزھۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۶۶ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۷۲ (۸) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۹۲ (۹) اخبار الاخیار ص ۱۸۶ (۱۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۹ ص ۷۰۶ (۱۱) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۸۸ (۱۲) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۸۵ (۱۳) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۹۱

رہے، سکندر لودھی کے دور میں دہلی آئے ملک العلماء کا خطاب پایا! پہلے فلسفی جنہوں نے فلسفہ کے فروغ کی کوشش کی۔ منطق کی مشہور کتاب میزان المنطق کی شرح بدیع المیزان کے نام سے تحریر کی جو بہت معروف ہے۔[1]

— شیخ اللہ داد جون پوری (م ۹۲۳ھ) ہندی فضلاء میں سے تھے، عبداللہ تلنبی کے شاگرد تھے ان کی تصانیف میں "حاشیہ علی مدارک التنزیل"، "شرح الہدایہ"، "شرح اصول البزودی"، اور حاشیہ علی شرح جامی کا تذکرہ ملتا ہے۔[2]

— شیخ زین الدین الملیباری (م ۹۲۸ھ) ملیبار کے علمی گھرانے کے مایہ ناز فرزند تھے کوشن ملیبار میں پیدا ہوئے متعدد اساتذہ سے علم حاصل کیا ملیبار کے شہر فونان میں وفات پائی، چند مشہور کتب یہ ہیں۔ "ارشاد القاصدین"، "کتاب الصفا من الشفا"، حاشیۃ الفیۃ ابن مالک، قصص الانبیاء، سیرت النبی (نامکمل) شیخ معبری عمدہ شاعر بھی تھے۔[3]

ان علماء کے علاوہ برصغیر کے صوفیاء میں بھی تصنیف و تالیف کا ذوق موجود تھا۔ سلسلہ چشتیہ جو دور زیر مطالعہ میں سب سے نمایاں سلسلہ ہے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان بزرگوں نے کوئی تحریر یادگار نہیں چھوڑی صرف عقیدت مندوں نے اپنے اپنے شیخ کے الفاظ کو ضبط تحریر میں لاکر چند ملفوظات مرتب کیے جن کے بارے میں موافق اور ناموافق ردعمل بھی جاری رہا۔ بایں ہمہ چند دیگر صوفیاء کا نام ملتا ہے جنہوں نے تصنیف و تالیف میں بھی لائق مطالعہ تصنیفات رقم کیں مثلاً

— امیر کبیر سید علی الہمدانی (م ۷۸۶ھ) کشمیر میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں کار آمد خدمات انجام دینے والے عالم اور صوفیاء سید علی الہمدانی صاحب تصنیف بزرگ تھے ان کی تصنیفات کی تعداد ایک سو ستر بتائی جاتی ہے۔ چند مشہور کتب یہ ہیں۔ الرسالۃ فی الناسخ و المنسوخ، الاربعین امیریۃ، المودۃ فی القربیٰ، الاوراد الفتحیۃ، منازل السالکین، الرسالۃ القدسیۃ فی اسرار النقطۃ الحسیۃ المشیرۃ الی اسرار الهدیۃ الغیبیۃ، رسالۃ القدسیۃ لامیۃ، آداب المریدین، شرح الاسماء الحسنیٰ، شرح فصوص الحکم، شرح قصیدہ ابن الفارض،[4]

— سید محمد بن یوسف گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) خواجہ چراغ دہلوی کے مرید و اصف اور جانشین تھے، حملہ تیمور کی وجہ سے دکن چلے گئے گلبرگہ قیام رہا اور وہیں مدفون ہیں۔ ۱۲۵ کے قریب تصنیفات ان کے قلم سے وجود میں آئیں مثلاً تفسیر القرآن الکریم، حواشی علی الکشاف (صرف پانچ پارے) شرح مشارق الانوار المعارف شرح العوارف، رسالۃ فی سیرۃ النبی، حدائق الانس اور آداب السلوک۔ تمام تصنیفات پر تصوف کا رنگ غالب ہے۔[5]

— **چند استخراجات** ۔ برصغیر پاک و ہند کی فضا پر علم و عمل کی یہ گھٹا سلاطین دہلی کے دور میں مسلسل محیط رہی۔ اکثر سلاطین علم کا ذوق اور علماء و صوفیاء سے عقیدت رکھتے تھے۔ ایلتمش تو خود صوفی تھا اور صوفیاء کا معتقد، ناصر الدین محمود ولی اللہ اور بلبن عقیدت مند تھا، علاء الدین خلجی اپنی خودسری کی وجہ سے بہکنے لگا تھا لیکن محفوظ رہا بلکہ تصوف کی روایت بدستور متاثر رہی۔ تغلق سلاطین میں محمد تغلق اپنی عقل پسندی اور فلسفیانہ موشگافیوں کے باوجود تصوف کا منکر نہ تھا بلکہ برگزیدہ صوفیاء سے اس کے مراسم محبت کے ساتھ قائم تھے، فیروز شاہ تغلق فقہ اسلامی کا دلدادہ تھا مگر تصوف سے نفور نہ تھا۔ سکندر لودھی کا دور تصوف کے فروغ کے لیے نہایت ساز گار تھا غرضیکہ ایبک سے ابراہیم تک برصغیر کی فضا پر تصوف کا قبضہ تھا، معتقد صوفیاء منتخب حکومت کے قرب وجوار میں زاویے بنا چکے تھے اور ارکین سلطنت ان کے ہاں حاضری دیتے تھے، عالم عرب کی زوال پذیر سیاسی ساکھ نے اسی صوفیانہ روش کو شدید تر کر دیا تھا، ایسے حالات موجب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہ صرف یہ کہ سازگار تھے بلکہ معاون تھے چنانچہ دور غزنوی تک کے خول کا ازالہ دور سلاطین سے ہونے لگا اور برصغیر ابتدائی عدم توجہگی کا کفارہ ادا کرنے لگا۔

— ان حوصلہ افزا حالات کے باوجود چند بنیادی مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے تبلیغی لگاؤ اور ذہنی مناسبت کے باوجود برصغیر کے مسلمان عربی زبان میں اظہار خیال میں کوئی غیر معمولی پیش رفت نہ دکھا سکے، یہ موانع کون سے تھے اور ان کے اثرات کیسے مرتب ہوئے اس کی وضاحت کے چند درج ذیل امور کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

— برصغیر اور عرب ممالک کے قدیم رابطے کے باوجود اس خطہ ارض پر کبھی کسی عربی قوم کا مسلسل سیاسی تغلب حاصل نہیں رہا، سندھ اور اس

---

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۹۱ (۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۶۱ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۲۶۲، ۲۹۸، ۳۹۸
(۴) تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند عربی ادب ص ۱۹۴، ۱۹۵ (۵) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد فارسی ادب ص ۱۸۰ (۶) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۶۳، ۲۸۰، ۳۲۶ (۷) اخبار الاخیار ص ۱۲۷ تا ۱۴۲ و تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۴۰ تا ۱۴۳

کے قرب و جوار میں اگرچہ کچھ عرصہ حکمران رہے مگر یہ دور فتوحات کی جا بجا میں گزرا اور کوئی مستقل ادارہ تشکیل نہ پا سکا جس میں عربی ادب کو مقامی زبانوں کے متبادل کے طور پر اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی، عربیت کی ترویج صرف انفرادی کوششوں کی مرہون منت رہی۔

عربوں کی برصغیر میں آمد کا سلسلہ یوں تو اسلام سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا مگر اس کی بنیاد تجارت تھی۔ اسلام کی آمد سے تبلیغ دین کا عنصر بھی شامل ہوا۔ لیکن انتقال آبادی کے باوجود عربی بولنے والی اقوام برصغیر میں بالفعل اقلیت میں رہیں، اکثریت مقامی زبانوں ہی کو اظہار خیال اور باہمی اتصال کے لیے استعمال کرتی رہی۔ عربی کو دین کی زبان کے طور پر تو اپنایا گیا تھا مگر اسے معاشرتی حیثیت اور ادبی مقام نہ مل سکا۔ مبلغین نے بھی اکثریت کے خیال سے اُن کی زبان کو ہی اپنی تبلیغی مساعی کے لیے اپنا لیا، اسلیے عربی ادب کی آبیاری کا حق ادا نہ ہو سکا۔

برصغیر میں نو وارد عربوں کا ہدف تبلیغ اسلام تھا ترویج زبان نہ تھا، اسلیے وہ خود عربی بولتے اور اس میں اپنی علمی نگارشات رقم کرتے مگر نو مسلموں کے ساتھ اُن کی زبان میں بات کرتے۔ تفہیم دین کے لیے مبادیات دین کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کا خیال ابھرا۔ اس طرح تراجم کی ضرورت کا احساس کیا گیا۔ قرآن پاک کے سندھی ترجمے کا ذکر کیا جا چکا جو بہت ابتدائی دنوں ہی میں تحریر کیا گیا، تراجم کی ابتدا در حقیقت مقامی زبان کی اہمیت کا اعتراف ہوتا ہے۔ اس سے عربی زبان کو عوام تک بحیثیت ایک رابطہ زبان کے جاننے میں دشواریاں پیش آئیں۔

محمود غزنوی کے حملوں سے برصغیر کا سیاسی تعلق ان اقوام کے ساتھ استوار ہوا جو عرب النسل نہ تھیں اور نہ ہی اُن کی زبان عربی تھی اس طرح فارسی ایک تیسری زبان کے طور پر وارد ہوئی۔ اگرچہ حالات اس کے لیے عربی کی نسبت زیادہ سازگار تھے کیونکہ یہ حملہ آوروں کی زبان تھی اور یہ حملہ آور ایک مستقل حکومت کی تشکیل کر رہے تھے اسلیے فارسی کو اپنا اثر و نفوذ مستحکم کرنے کے لیے طویل عرصہ دستیاب ہوا۔

مزید یہ کہ حکمرانوں کا مزاج ایرانی تھا اور ان کے تحت الشعور میں ساسانی عظمت کے نقش گہرے تھے، بلبن جس نے تخت نشینی سے پہلے اپنے بیٹوں کے نام محمد اور محمود رکھے تھے تخت نشینی کے بعد اپنے پوتوں کے نام کیقباد، کیخسرو، کیکاؤس اور کیمرث رکھنے پر مجبور ہو گیا تھا[1]۔ فارسی بھی اپنا درخشاں ماضی رکھتی تھی اور ایک طویل تہذیبی و ثقافتی روایت اس کے تفاخر کے لیے موجود تھی، اور اس کی علمی و ثقافتی حیثیت عالم عرب میں بھی بار پانے لگی تھی، عباسی دور سے ہی معتبر علمائے عرب کے ساتھ فارسی زبان کو بھی اظہار زبان کا ذریعہ بنانے لگے تھے جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی (۵۰۵ھ) نے بھی اسے ایک مترادف زبان کے طور پر قبول کیا اور اس میں اپنی بعض نگارشات رقم کی ہیں۔ فارسی کا مولد برصغیر کے بہت قریب تھا اسلیے باہمی رابطے اور استفادے کے مواقع بہتر طور پر مہیا ہو سکتے تھے۔

دراصل شعر، شعور کا ترجمان ہوتا ہے اور شعور ہی کسی زبان کا چلا جانا طویل مزاولت چاہتا ہے۔ ہندی مسلمانوں کی سوچ اسلامی ہونے کے باوجود مقامی زبان کے ہیولے میں ترتیب پاتی تھی اسلیے عربی شاعری ان کے لیے ایک کارنامہ تو رہی روزمرہ کا معمول نہ بنی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب کوئی زبان کسی اجنبی ماحول میں اثر انداز ہونے لگتی ہے تو اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہوتی۔ وہ قدم قدم آگے بڑھتی ہے۔ اس پیش رفت میں شاعری آخری منزل ہوتی ہے، جب کوئی قوم کسی زبان کو اپنے شعری احساس کے اظہار کے لیے بلا تکلف استعمال کرنے لگے اور اس اظہار خیال پر مصنوعیت کا سایہ نہ رہے تو سمجھئے کہ وہ زبان قوم کی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں میں عربی نے یہ حیثیت کبھی اختیار نہ کی اسلیے سب سے کمزور پہلو شاعری ہی کا رہا۔ ہمیں پاک و ہند کے عربی شعرا کے تذکرے میں یہ امر ملحوظ رکھنا ہوگا کہ وہ غیر زبان میں شاعری کر رہے ہیں اسلیے اُن کا معیار عربوں کا سا نہ بھی ہو تو حیرت کی کوئی وجہ نہیں دیکھنا صرف یہ ہے کہ ایک ثانوی زبان کے شاعر کی حیثیت سے وہ کس حد تک اہل زبان کے قریب ہیں، کیا اُن کے شعروں میں الفاظ اور سلاست کے جوہر اور انفعال مافی الضمیر کا عنصر موجود ہے اگر ایسا ہے تو وہ شاعر کامیاب اور قابل توجہ ہیں۔

شاعری کی اس عمومی کیفیت میں اَلْمَدَائِحُ النَّبَوِیَّۃ کی حیثیت متعین کی جا سکتی ہے عربی شاعری کا ذوق فزوں تر ہو تو عربی نعت کو جلا ملتی ہے کہ یہ مشکل ترین صنف سخن ہے اور جب عربی شعر کے لیے ماحول زیادہ تسلی بخش نہ ہو تو مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عربی کا پیرایہ دستیاب ہونا مشکل ہوتا ہے۔ مگر باین ہمہ عرب علاقوں میں عربی نعت کا شباب برصغیر کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکا جبکہ سلاطین (۶۰۲ تا ۹۳۲ھ) کے پرسکون ماحول کے مقابل عرب مسلمانوں میں بے چینی اور اضطراب تھا۔ ملت مسلمہ اپنے بدترین ادبار سے

---

① سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۷

دوچار تھی۔ امتِ مسلمہ کی بدحالی کی راہ تشر کے قالب میں ڈھل کر استغاثہ بن گئی تھی چنانچہ اس دور میں جبکہ سلاطین حکمران تھے عرب علاقوں میں نعتیہ شاعری کے بڑے بڑے نمائندہ شاعر پیدا ہوئے مثلاً

الصرصری (م ۶۵۶ھ)، الوتری (م ۶۶۲ھ)، البوصیری (م ۶۹۶ھ)، ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) الشہاب محمود (م ۷۲۵ھ)، الزملکانی (م ۷۲۷ھ)، ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ)، الصفی الحلی (م ۷۴۹ھ) تقی الدین السبکی (م ۷۵۶ھ)، ابن نباتہ (م ۷۶۸ھ) القیراطی (م ۷۸۱ھ)، ابن ایبک (م ۸۰۱ھ)، ابن خلدون (م ۸۰۸ھ)، القلقشندی (م ۸۲۱ھ)، ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۷ھ)، ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)، المنوابی (م ۸۵۹ھ)، الشہاب المنصوری (م ۸۸۷ھ)، الباعونی (م ۹۱۰ھ)، عائشہ الباعونیۃ الاشقیقیہ (م ۹۲۲ھ)

اور اندلس میں: ابن جبیر الاندلسی (م ۶۱۴ھ)، التجانی الاندلسی (م ۶۲۷ھ) ابن عربی (م ۶۳۸ھ)، ابن سہل (م ۶۴۹ھ)، ابن الجیان (م ۶۵۰ھ)، حازم الاندلسی (م ۶۸۴ھ)، مالک بن المرحل (م ۶۹۹ھ)، ابو حیان الاندلسی (م ۷۴۵ھ)، ابن الجیاب (م ۷۴۹ھ)، لسان الدین الخطیب (م ۷۷۶ھ)، ابن جابر الاندلسی (م ۷۸۰ھ)، ابن زمرک (م ۷۹۳ھ)

یہ بزرگ مدح نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ ترین نمائندے ہیں۔ ان کے مقابلے میں برصغیر ایسے بلند مرتبہ مدح گو نہ پیدا کر سکا اس کی دو وجوہات کا ذکر کیا جا چکا، ایک اور اہم وجہ دونوں علاقوں کے ماحول کا اختلاف تھا۔ برصغیر کو شکست و ریخت کے اس طوفان سے نہ گزرنا پڑا تھا جس سے عالم عرب گزر رہا تھا اسلئے عرب معیار کی پکار ممکن نہیں تو مشکل ضرور تھی مگر اس سے یہ خیال نہ کر لیا جائے کہ یہ معذرت خواہانہ طرز استدلال ہے، یہ تو صرف حقائق کی نشاندہی ہے ورنہ ان موانع کے باوجود برصغیر کے شعراء دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے میں کبھی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوئے۔

آخری مگر ضروری قابل لحاظ نکتہ یہ بھی ہے کہ عرب علاقوں کی طرح برصغیر میں بھی مدحیہ شاعری علماء وصوفیاء کے لئے مخصوص رہی ہے کہ یہی لوگ اس کی نزاکت کا ادراک اور اس کے سوز کو محسوس کر سکتے تھے، عام لوگ اس کی نازک حیثیت کی وجہ سے ایسے پرتر اور ارفع جذبہ کو محسوس کرنے میں اپنی بے بضاعتی کے معترف رہتے تھے۔

ان گزارشات کے بعد ہم عہد سلاطین کے مدح نگاروں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ مدح نگار کا تعارف اور اس کی شعری حیثیت کا تعین کیا جا سکے ہم کوشش کریں گے کہ شاعر کی قدر وقیمت کا اندازہ اس کے کلام کے داخلی حوالے سے کیا جائے تاکہ رائے قائم کرنے میں کوئی خارجی تعصب حائل نہ ہو۔

مدح نگار:-

الشیخ فخرالدین العراقی (م ۶۸۸ھ) شیخ فخرالدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبد الغفار الہمدانی ۶۱۰ھ کو قریب ہمدان کے ایک قصبہ کمجان پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب گئے اور نو ماہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا، کہتے ہیں کہ سترہ سال کی عمر میں معقول ومنقول علوم حاصل کر چکے تھے ایک قلندریہ گروہ کے ساتھ ۶۳۱ھ میں ملتان گئے "درگاہ الشیخ الکبیر بہاؤالدین زکریا ملتانی وکانت علائم الرشد والسعادۃ تلوح علی جبینہ" پس شاہ بہاؤالدین نے انہیں اپنے حلقہ ارشد میں شامل کر لیا، مولانا جامی (م ۸۹۸ھ) کی روایت ہے کہ شیخ عراقی حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے بھانجے تھے اسلئے قرین قیاس ہے کہ جب اپنے عزیز کو نامناسب لوگوں میں گھرا ہوا پایا ہوگا تو حضرت شیخ نے انہیں الگ کر لیا ہوگا کہ صحبت بد سے اجتناب رہیں۔ بعد میں حضرت شیخ نے اپنی دختر نیک اختر بھی ان کے حبالۂ عقد میں دے دی تھی جس سے شیخ عراقی کا صاحبزادہ کبیر الدین پیدا ہوا، شاہ بہاؤالدین نے شاہ عراقی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا مگر آپ کی وفات کے بعد معتقدین کے نزاع سے گھبرا کر شیخ عراقی نے اس جھمیلے سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا اور برصغیر سے ہی رخصت ہو گئے اور عمان کے راستے حج کے لیے چلے گئے، روضۂ اقدس کی زیارت کے بعد بغداد اور وہاں سے ترکی گئے اور مولانا روم (م ۶۷۲ھ) کی خدمت میں حاضر رہے۔ ان کی وفات پر شیخ صدر الدین قونوی (م ۶۷۳ھ) سے تعلقات رہے بعد میں مصر اور دمشق آئے دولت شاہ نے تذکرۃ الشعراء میں ان کی وفات ۷۰۰ھ میں بتائی ہے جبکہ دیگر مورخین ۶۸۸ھ بتاتے ہیں جو معتبر ہے، شیخ عراقی دمشق میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار کے پاس دفن کیے گئے شیخ کی تصانیف میں کلیات اور لمعات متداول ہیں۔ لمعات نثر میں تصوف کے موضوع پر قابل قدر کتاب ہے۔ جس پر ابن عربی کے اثرات واضح ہیں۔ شیخ عراقی فارسی کے صاحب دیوان شاعر ہیں، آپ کی غزلیں صوفیانہ طرز نگارش کی نمائندہ ہیں اور وجد وکیف کے ساتھ سرخوشی اور سرمستی کے ساتھ گائی جاتی ہیں۔ کلیات عراقی میں ص ۱۳۱ تا ۲۰۵ ان کا عربی منظوم کلام موجود ہے جس کا اسلوب اور لہجہ فارسی غزل کا سا ہے۔ ابتداء میں حمد و نعت کے موضوع پر خوبصورت شعر ہیں، شیخ عربی کے خوب ماہر تھے اور انہیں اظہار خیال کا سلیقہ اور مفردات کی ترکیب کا قرینہ آتا ہے۔ حمد کے شعر ہیں

---

① مختصری در شرح احوال وآثار وعقاید شیخ فخرالدین عراقی۔ تہران ترجمہ ص ۳۴۹، ۳۵۰۔ ② نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۳ ③ سیر العارفین ص ۱۵۰
④ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۳ ص ۲۷ تا ۲۶ ⑤ نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۴۔

تعالیٰ من تورّق بالکمال ۔ تقدس من تفرّد بالجمال
ھو المقصود فی الاحوال طرّا ۔ ھو المحمود فی کل الفعال [1]

مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ عراقی کے پیش نظر منصب نبوت اور ختم رسالت کی عظمت کا اظہار ہے

خاتم حق واصطفیٰ من شاء منھم ۔ فاعطاہ النبوۃ بالکمال
واتاہ الکتاب ھدی و نورا ۔ وایدہ بآیات غوال
محل الانبیاء وختم رسل ۔ مسیح للاواخر والاوائل [2]

اور معجزات میں سے معراج کا بیان رفعت مقام نبوت کا حسین اشاریہ ہے ۔ اسلئے شیخ عراقی کی نظر اسی پر ہے ۔

لہ قدم تخطی العرش سیرا ۔ لہ ھمم لطیر الی المعالی
سبحان الذی اسریٰ بعبدہ ۔ من الاقصیٰ الی حرم الوصال
و محملہ باثار التجلی ۔ مکحلہ بانوار الجمال [3]

مسجد اقصیٰ سے حظیرہ قدس کے سفر میں حرم الوصال کی ترکیب صوفیانہ روش کی خوبصورت توجیہ ہے اور آثار تجلی کی ہمہ گیریت کو محمل اور انوار جمال کی ضیاء پاشیوں کو کحل البصر کی لطافتوں سے مشابہ قرار دینا تشبیہ کا کمال اور فنکارانہ صلاحیت کا غماز ہے ۔

الشیخ ابو الفتح رکن الدین ملتانی (م ۷۳۴ ھ) شاہ بہاء الدین زکریا کے پوتے اور شیخ صدر الدین عارف کے صاحبزادے تھے سہروردیہ سلسلے کے عظیم ولی اللہ جو اپنے باپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے ، خواجہ نظام الدین اولیاء سے قلبی تعلق تھا ۔ آپ کا مزار ملتان فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے ، جہاں ہر وقت سیاح اور عقیدت مند حاضر رہتے ہیں ۔ شاہ رکن الدین کا ایک مدحیہ قصیدہ روایت ہوا ہے جس کا اسلوب عرب قصائد کے مماثل اور زبان قدیم معیار کے مطابق ہے ۔ مطلع قدیم روایت کے مطابق امام بوصیری کے اثرات کا حامل ہے ۔

زاد اشتیاقی میران بذی سلم ۔ وھام قلبی لذکر البیان والعلم
وارض طیبۃ قد زاد الغرام بھا ۔ شوقا الی صاحب الآیات والحکم [4]

تشبیب کے بعد مدح کے اشعار ہیں جن میں عقیدت مندانہ وارفتگی کی جھلک نمایاں ہے ۔

محمد خیر خلق اللہ کلھم ۔ محمد خیر من فی العالمین سمی
محمد کامل الاوصاف مرتفعا ۔ محمد قدرہ یعلو علی الامم
محمد جاءنا بالحق یرشدنا ۔ ان لا نعبد الآبار والنصم
من مثلہ لضیاء النور لیس لہ ۔ کذلک اللوح یرفعہ مع القلم [5]

آخری شعر پڑھتے وقت غیر شعوری طور پر الفرزدق کا وہ قصیدہ جو امام زین العابدین کی مدح میں کہا گیا کانوں میں گونجنے لگتا ہے

والشمس والبدر انوار طلعتہ ۔ صارت لخیر الوری من جملۃ الخدم
والعرش یشھد والکرسی معترف ۔ بان فخرھا من سید الامم [6]

معجزات کا بیان مدحیہ قصائد کا لازمی جزو سمجھا گیا ہے اسلئے روایت کی پابندی کرتے ہیں اس میں ماہ اور رفیق کا ذکر تجنیس معنوی کی عمدہ مثال ہے ۔

محمد سبح الحصا من انا ملہ ۔ محمد ربہ لیشفی من الالم [7]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باعث تخلیق کائنات ہے اور عالم کون ومکان کی شیرازہ بندی کا سبب بھی ہے

لولاہ ما کان شمس ولا قمر ۔ ولا نہار ولا لیل لمظلم
لولاہ ما کانت الدنیا باجمعھا ۔ ولا نبات ولا شئ من النعم [8]

---

(۱) کلیات عراقی ص ۳۱ ، ۳۲ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۳۲ (۳) حوالہ مذکورہ (۴) دیوان غنی ص ۴۳ (۵) حوالہ مذکورہ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۴۷
(۷) دیوان غنی ص ۴۷ (۸) حوالہ مذکورہ

آخر پر طلب امان اور درود و سلام۔

عسی لیفضلک ان تجعلنا مواجھی ۔ خیر البریۃ یا ذا الجود والکرم

ثم الصلاۃ علی المختار من مضر ۔ خیر البریۃ من باد و منتسم۔[1]

قصیدہ قصیدۃ الجم ہے مگر مدحیہ قصائد کے تمام لوازمات سے مزین ہے ۔ امام بوصیریؒ کے قصیدہ بردہ کی صدائے بازگشت ہر بیت سے سنی جا سکتی ہے اور یہ برصغیر میں "بردۃ" کے معارضات میں سے ہے۔

—— قاضی عبدالمقتدر تھانیسری (م ۷۹۱ھ) قاضی منہاج الدین عبدالمقتدر بن قاضی رکن الدین محمود بن سلیمان الشریحی الکندی التھانیسری الدھلوی، مدحیہ شاعری کی محترم اور نمائندہ شخصیت ہیں۔ برصغیر میں مدحیہ شاعری کو وقار اور اس صنف سخن کو اصناف ادب میں اس کا جائز مقام قاضی عبدالمقتدر کے وجود سے ملا ہے اسلئے قاضی صاحب کو برصغیر کی عربی مدحیہ شاعری کا امام کہا جا سکتا ہے۔

قاضی صاحب عالم اسلام کے مشہور قاضی شریح الکندی (م ۷۰۶ھ) کی نسل سے تھے اسلئے شریحی اور کندی نسبت سے معروف ہوئے آپ کے دادا سلیمان، قطب الدین مبارک شاہ خلجی (م ۷۲۰ھ) کے دور میں برصغیر پاک و ہند آئے اور شمالی علاقوں کے قاضی مقرر ہوئے اور تھانیسر میں مقیم ہو گئے، دادا کی وفات کے بعد آپ کے والد قاضی رہے اس طرح یہ خاندان عزو شرف کا حامل اور معاشی لحاظ سے فارغ البال رہا۔[2]

قاضی صاحب تھانیسر ہی میں پیدا ہوئے مگر نشو ونما دہلی میں ہوئی، علوم عربیہ کا ابتداء ہی سے ذوق تھا، اسلئے دوران تعلیم اس پر خصوصی توجہ دی قدرت نے ملکہ شعر عطا کیا تھا اسلئے نوعمری ہی میں شعر کہنے لگے۔ شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے برادر گرامی شیخ شمس الدین یحییٰ الاودی سے علوم عربیہ پڑھے، تکمیل علوم، شیخ چراغ دہلوی کے تلمذ سے ہوئی، خود بھی عمل تدریس میں منہمک ہوئے اور شیخ کے طریق پر مسند ارشاد بچھائی نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں "کان عالماً معتنیاً علوا العلوم الکثیرۃ بایع الشیخ نصیر الدین الدھلوی واخذ عنہ الطریقۃ و أنام درسہ العلم والتدریس وما مضی علیہ الطلبۃ کی المشتغلین علیہم الزام التدریس وکان طریقۃ شیخہ، واکثر ھما سنۃ المحافظۃ علی سنن الشریعۃ والاشتغال بدرس العلوم الدینیۃ وکان یقول :- الفکر فی مسئلۃ واحدۃ من الشریعۃ افضل من الف رکعۃ مشربۃ بالعجب والریاء"[3] اس اقتباس سے اس دور کے انداز تدریس اور تدریسی نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے کہ صوفیاء کے حلقوں میں نمائندہ حیثیت کے مالک ذی الاحتشام بزرگ حفظ شریعت کے لئے کس قدر کوشاں رہتے تھے، ان کے نزدیک شریعت طریقت سے نہ تو الگ تھی اور طریقت تک پہنچنے کا کوئی زینہ جس سے تجاوز ممکن ہو بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو مختلف مظاہر تھے اور دونوں ہی ضروری تھے۔

قاضی عبدالمقتدر کے تلامذہ میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی جیسے نامور عالم تھے جن کی علوم دینیہ میں مہارت کا تمام معاصر تذکروں نے ذکر کیا ہے، قاضی عبدالمقتدر اپنے اس شاگرد کے بارے میں کہا کرتے تھے: "پیش من طالب علمی می آید کہ پوست او علم و مغز او علم، و استخوان او علم است"[4] شیخ عبدالمقتدر کی ایک تالیف "مناقب الصدیقین" کا نام ملتا ہے جو مشائخ چشتیہ کے احوال کے موضوع پر ہے[5] اگرچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کتاب کو کسی مستفید یا متوسل کی تالیف بتایا ہے[6] قاضی صاحب طویل عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے تا آنکہ یہ آفتاب علم و ہدایت دہلی کی سرزمین پر غروب ہو گیا۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں "قاضی عبدالمقتدر در تاریخ بست و ششم محرم ۷۹۱ھ تمام جنت جلیلہ مستقر قرار گرفت و ہشتاد و ہشت سال عمر یافت"[7] قاضی عبدالمقتدر اور آپ کے والد کے مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے احاطہ میں حوض شمسی کے جنوب میں ہے[8]

قاضی صاحب کی شہرت ان کی عربی شاعری کے واسطے سے ہے۔ کہ عربی شاعری میں اُن کی آواز بہت منفرد رہی ہے اور تمام تذکرہ نگاروں نے اُن کی اس منفرد صلاحیت کا حوالہ دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عربی میں بہت سے قصائد اور غزلیات تصنیف کئے خصوصاً مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کا لامیہ قصیدہ بہت معروف ہے۔ جو لامیۃ العجم (طغرائی کے قصیدہ) کے جواب میں لکھا گیا ہے[9] اور جسے لامیۃ الھند کہا جا سکتا ہے۔ قاضی صاحب کا قصیدہ لامیہ الخ

---

(۱) دیوان غنی ص ۷۷ (۲) نزھۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۷۰ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۷۱ (۴) ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۸۹۲ (۵) اخبار الاخیار ص ۱۵۷ (۶) معجم المولفین الجزء السادس ص ۱۷۹، حدائق الحنفیہ ص ۳۲۶، تذکرہ علمائے ہند ص ۳۲۴ (۷) اخبار الاخیار ص ۱۵۷ (۸) ماثر الکرام ص ۱۹۶ (۹) اخبار الاخیار ص ۱۵۷ (۱۰) تذکرہ علمائے ہند ص ۳۲۴، حدائق الحنفیہ ص ۳۲۶ ماثر الکرام ص ۱۹۶، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۳۷

کتب میں روایت ہوا ہے مگر اس کے اشعار کی تعداد اور چند کلمات کی ترتیب میں اختلاف ہے۔ مولانا آزاد بلگرامی نے ۱۲ شعر نقل کیے ہیں[1] اخبار الاخیار میں[2] ۲۰ اور نزہۃ الخواطر میں ۲۹ شعر ہیں[3] ان اشعار کا انطباق کیا جائے تو پوزیشن یہ ہے کہ اخبار الاخیار کے ۲۰ شعروں میں سے ۲۲ نزہۃ الخواطر میں بھی موجود ہیں ۲ شعر نہیں ہیں اسی طرح ماثر الکرام کے ۱۲ شعروں میں سے ۹ نزہۃ الخواطر اور اخبار الاخیار میں بھی ہیں جبکہ تین نہیں ہیں۔ مجموعی صورت یہ ہے کہ نزہۃ الخواطر کے ۲۹ اخبار الاخیار کے ۲ زائد اور ماثر الکرام کے ۳ زائد ملالیے جائیں تو کل ۳۵ شعروں کا قصیدہ دستیاب ہوتا ہے اور اغلب گمان ہے کہ یہ کامل قصیدہ ہے کیونکہ اس کی ابتداء سے انتہا تک قصیدے کے مکونات مکمل شکل میں موجود ہیں۔

لامیۃ العجم کا داخلی مطالعہ اور فنی تجزیہ۔

قصیدہ لامیۃ العجم عرب روایات کے مطابق تمام ضروری اجزاء کو محیط ہے اس میں تشبیب ہے، گریز ہے اور مدح بھی۔ پراگندہ بیتوں کا تذکرہ بھی ہے زہیر بن ابی سلمیٰ کی طرح نصیحت آموزی کا سامان بھی ہے اور امام بوصیری کی طرح مصائب دنیا کا تذکرہ اور در رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ بھی ہے۔ قصیدے کا اسلوب عرب قصائد کے معیار سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے مگر موضوع اور خاتمہ کے اعتبار سے اس پر حضرت کعب بن زہیر اور امام بوصیری کی چھاپ ہے، قاضی عبدالمقتدر نے عجمی ہونے کے باوجود عربی فضا برقرار رکھی ہے اور بلا استناد قصیدے کو کسی عجمی سے نسبت دینے میں تامل ہوتا ہے اور یہی اس کی کامیابی ہے

——— تشبیب ۱۸ شعروں پر مشتمل ہوئی ہے جس میں ۱۳ نزہۃ الخواطر ۳ ماثر الکرام اور ۲ اخبار الاخیار سے لیے گئے ہیں ان ۱۸ شعروں میں قاضی عبدالمقتدر نے اس مہارت سے روایت قصیدہ کو برقرار رکھا ہے کہ قصیدہ کسی قدیم شاعر کے نتیجہ فکر کا مظہر محسوس ہوتا ہے، شتر کا تذکرہ، غزال کی چشم غالہ کی مشابہت بے ثباتی دنیا کا حوالہ، وصال کی مشکلات اور خصائص محبوب کا منکانہ بیان موجود ہے۔ برصغیر کی عربی شاعری پر مسعود سعد سلمان سے امیر خسرو تک صنائع بدائع کی گرفت مضبوط ہے اس سے انحراف کسی مجتہد فن کے بغیر ممکن نہ تھا قاضی صاحب نے شعوری کوشش کی ہے کہ اس چیستاں خیال سے دامن بچالیں گو یہ طرز نگارش کا حکم تھا کہ ان کے اشہب قلم سے جو نادر تشبیہات ادا ہوئی ہیں ان میں سادگی و پرکاری کے ساتھ صنعت کاری نے بھی جلوے دکھائے ہیں قاضی صاحب قصیدے کا ابتداء کرتے ہیں۔

یا سائق الظعن من الاسحار والاصل ۔ سلم علی دار سلمی واتب ثم سل

عن الظباء التی من دأبها أبدًا ۔ مثید الاسود بحسن الدل والنجل

ومن حلوات کرام قد مضوا قددا ۔ حتی یجیبک عنهم شاهد الطلل

اضحت اذا لبدت عنفا کواعبها ۔ اطلالها مثل اجفان بلا مقل

مذکی فوادی اذا بیتی سکنت ۔ بیتا من القلب معمورا بلا خلل

بخیلة بوصال المستهام بها ۔ والجود فی الخود مثل البخل فی الرجل

خیالها منن من یهوی زیارتها ۔ احلی من الامن عند الخائف الوجل[4]

من نور وجنتها من حسن نرتها ۔ من طیب طرتها من طرفها الثمل

الشمس فی أسف والبدر فی کلف ۔ والمسک فی شغف والریم فی الخجل[5]

ان کن منتقبات فی تزینها ۔ عن الحلی وکحل العین والحلل

فان من ملکت قلبی لها شرف ۔ علی المها بعین والغزام بالاطل[6]

قصیدے کی ابتداء اپنے ہم سفروں پر واردات محبت کی شدت کے اظہار سے ہوئی ہے، عرب اس خطاب میں تثنیہ کا صیغہ استعمال کرتے تھے قاضی صاحب نے اس میں ترمیم کرکے ایک پر اکتفا کیا ہے۔ دار سلمیٰ پر عقیدت مندانہ سلام، محبوبہ کے حسن وجمال کا تذکرہ اور اپنی آہ وزاری، محبوبہ نازک اندامی میں صحرائی ہرن کی مانند ہے مگر اپنی ساحرانہ قوت میں شیروں سے زیادہ قوی ہے اسلیے ہر تقابل اتارا جارہا ہے، شاعر کو اس بچھڑنے پر حیرت نہیں کہ زمانے میں ایسا ہوتا رہا ہے، بڑے بڑے جاندار چت ہوئے اور ان کے عالی شان محلات اجڑ گئے، کھنڈر حکایت رفتہ سنا رہے ہیں روایت نبھانے کے ساتھ ساتھ مقامی اثرات کی رعایت بھی موجود ہے کہ صرف مطلع میں کئی صنعتوں کا اجتماع ہو گیا ہے۔

---

① ماثر الکرام ص ۱۹۶، ۱۹۷ ② اخبار الاخیار ص ۱۵۷، ③ نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۷۶ تا ۷۸ ④ نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۷۶ تا ۷۸ ⑤ والا مذکور ص ۷۵ ⑥ والا مذکور ص ۱۹۷

سلم اور سلمیٰ ، سلمیٰ اور سلمیٰ میں صنعت تجنیس

سلم اور سلمیٰ ، میں صنعت اشتقاق

السمو والامل ، میں صنعت تضاد

بلکہ پورے قصیدے میں مراعاۃ النظیر کی کارفرمائی ہے !

چوتھے شعر میں حسن تشبیہ اپنے کمال پر ہے ویران اور بے آباد گھر کو جسے محبوبہ نے چھوڑ دیا ہے کہ اس آنکھ سے تشبیہ دی گئی ہے جو قرص لعل یعنی ڈھیلے سے خالی ہو ، دیار محبوب کو آنکھ سے اور محبوبہ کو نور نظر سے تشبیہ دے کر ویران کھنڈر کی ہیبت ناکی کو واضح کیا گیا ہے ۔ محبوبہ نور لعین ہے اس کے بغیر دیار محبوب بے نور آنکھ کی طرح ہے کہ شکلاً موجود ہے مگر فی الحقیقت بے آباد و وحشت خیز ، پانچویں شعر میں تضاد معنوی ہے چھٹے شعر میں تجنیس لفظی اور صنعت تطابق ہے ۔ محبوبہ خیرات حسن دینے میں بخیل ہے اور بخل ایک مذموم وصف ہے تو کیا محبوبہ قابل مذمت ہے ، شاعر نے مفہوم بدل کر رکھ دیا اور بخل کی ایک مستحسن صورت دریافت کر لی ، نازک اندام حسین محبوبہ کا معاشرتی تعلقات میں بخیل ہونا اس کی پاکدامنی کا شاہد ہے ، ایسی محبوب تو قابل لحاظ ہے مگر حسن آشکار کا سراپا دعوت نظارہ بن جانا قابل نفرت ہے ۔ شاعر نے پہلے تو بخیل کہہ کر ناری کو متعجز کیا مگر پھر کردار کے حوالے سے بخل کو کردار کی استواری اور سیرت کا حسن بنا دیا جگر مراد آبادی مشہور اردو شاعر نے بھی ایسی ہی بات کہہ دی تھی

غنیمت ہے کہ اس دور ہوس میں — ترا ملنا بہت دشوار بھی ہے ۔ ②

سلام ان تذکروں کے جو خیال کی دنیا آباد کر لیتا ہے اور چشم تصور میں حسن محبوب کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے کہ اس کا خیال مصائب و آلام میں سکون اور راحت بخش ہے ، اس کی پیشانی مثل مہر انور اور پر نور ہے اس کی محبت بھری نگاہ پر مشک و عنبر دل گرفتہ ہیں ۔ نظروں کی قیادت خیزی پر چشم غزال کا خیال آتا ہے ، القصہ اسے حسن عطا کرنے والی ذات نے تکلفات حسن کی تمام مصنوعی مجبوریوں سے بالا تر بنایا ہے ۔ اس کا حسن نہ زیور کا محتاج ہے نہ لباس فاخرہ کا ، اس کی نظروں کا افسوں کسی سرمہ لعل سے مستعار نہیں ، چشم آہو یا دیدہ غزال سب اس کے حضور فروتر ہیں ایسے بے مثل محبوبہ نے شاعر کے دل کو اپنی محبت کی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے مگر شاعر کو اس محکومی پر ناز ہے ۔ وارفتگی محبت شاعر کو در محبوب تک لے جاتی ہے ، پر رندانہ جرأت ہے ۔ محبوبہ اس جا پر شستہ ہے اور بڑے نتائج کی خبر دیتی ہے مگر شاعر ان مادی موانع سے لاپرواہ ہے کہ اسے ایک روحانی گروہ کی مشارکت کی سعادت مل گئی ہے ، وہ ایسے مواقع پر معاونت طلب کرنے پر طنز کرتا ہے کہ اس کی جماعت کے کسی فرد نے کبھی کسی کے سامنے دست استغاثہ دراز نہیں کیا ۔

ما قال قائلهم لو ما لو احدهم — لو كنت من مازن لم تستبح ابلي ③

مصرعہ ثانیہ کتاب الحماسہ ابو تمام کے باب الحماسہ کی پہلی نظم کے پہلے شعر کا مصرعہ ثانیہ ہے جس میں شاعر بنو مازن سے طلب معاونت اور حصول معاونت پر اتراتے ہوئے دشمنوں پر فخر کرتا ہے ۔ یہ برمحل اقتباس قاضی صاحب کی عربی ادب سے دلچسپی کا آئینہ دار ہے مادی سہاروں سے بے نیازی بے ثباتی دنیا کی راہ دکھاتی ہے تو شاعر دنیا کی زوال پذیری اور موت کی کارفرمائی کا مؤثر ذکر کرتا ہے ۔ مسلسل چودہ شعر اس مضمون کے لیے وقف ہیں مثلاً

يا طالب الجاه في الدنيا تكون غدا — على شفا حفرة النيران ذا الشغل

يا طالب العز في العقبى بلا عمل — هل تنفعك فيها كثرة الامل

يا ايها الطفل انت الطفل في امل — وشمس عمرك قد مالت الطفل ④

رعایت لفظی اور تجنیس معنوی کا عمل مسلسل جاری ہے ۔ شاعر اب اپنی ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور چند نصائح رقم کرتا ہے ۔

واقنع من العيش بالادنى وكن ملكا — ان القناعة كنز عنك لم يزل

ثم اغتنم فرصة من قبل اذ ضعفت — قواك من سطوة الامراض والعلل

ولا تكن لمزيد الرزق مضطربا — واقنع بما قسم القسام في الازل

يا ايها الناس ان العمر في سفر — وان ادناكم والله كالظلل

---

① عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۲۸ ② جگر مراد آبادی ، مشاعرہ ریڈیو دہلی ③ نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۷۳

④ نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۷۳

ان المنایا بلا مثلث لا ثنیة - و ام نعم فی المن والمین والکسل ۱

ایسے بے ثبات عالم میں نقص فنا سے منزہ ایک ہی دربار ہے۔ جہاں نقص کو فنا ہے مگر محبوب خدا پر دوام قرآن ہے۔ قصیدے کا مرکزی عنوان مدح رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، آخری سترہ شعر مدح پر مشتمل ہیں ان میں درج ذیل چھ شعر حاصل قصیدہ ہیں۔

محمد خیر خلق اللہ قاطبة - هو الذی جل عن مثل ومن شکل
له المزایا بلا نقص ولا شبه - له العطایا بلا من ولا بدل
له المکارم ابهی من نجوم دجی - له العزائم امضی من شبا البطل
له الفضائل احلی من معاکسة - له الشمائل احلی من جنی النحل
له الجمال اذا ما الشمس قد نظرت - الیه قالت الا یالیت ذلک لی
النفس نادمة والنفخ خاب مده - کلا هما عن هواه غیر مستحل ۲

خیر خلق اللہ، بے مثل و بے عدیل، ختم اخلاق، سراپا خلق، فیاض و کریم، ایسے اوصاف ہیں جن کا اکثر شعرا نے ذکر کیا ہے مگر قاضی عبدالمقتدر نے ان اوصاف کے بیان میں انتخاب الفاظ اور مراعاۃ کلمات کو خاص اہمیت دی ہے۔ هو الذی جل عن مثل ومن شکل میں تجنیس لفظی، بلا نقص ولا شبه، بلا من ولا بدل میں تجنیس معنوی نے شعروں کی اثر آفرینی کو دوچند کر دیا ہے۔ 'من' اور 'لا' کی تکرار نے مثلیت کی نفی اور 'له' کی تکرار کے خصائص حسنہ کے اختصاص کو واضح کر دیا ہے۔ تشبیہات کی ندرت نے شعروں کو دو آتشہ کر دیا ہے۔ مکارم اخلاق کی کثرت، کو تاریک راتوں کے ستاروں اور عزائم کی پختگی کو بہادروں کے نیزوں کی کاٹ سے تشبیہ دے کر قوی دعویٰ کو شخصی دلیل عطا کی ہے۔ جس سے تفہیم آسان بھی ہوئی ہے اور زوداثر بھی۔ فضائل و شمائل کو شہد سے شیریں تر قرار دے کر ان کی کثرت کے ساتھ حلاوت کو بیان کیا گیا ہے۔ جمال مصطفوی کی تابانیوں کا ذکر کرتے ہوئے سورج جیسے روشن ستارے کو کسب ضیا کا سوالی بنا دینا قاضی صاحب کی جودت طبع کا شاہکار ہے۔ یوں تو یہ چھ شعر ہیں مگر ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص حمیدہ اور اوصاف برگزیدہ کی اکثر جہتوں کا اجمالاً بیان ہوا ہے، مناقب ذاتیہ میں ان کے خیر البشر اور بے نظیر ہونے کا ذکر ہوا ہے، فضائل و شمائل کی کثرت، حلاوت اور بے عیب ہونے کو واضح کیا، بخشش و کرم کا تذکرہ ہوا، حسن و جمال کی توصیف کی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماثورانہ حیثیت اور دائمی سطوت کا اعلان ہوا اس طرح یہ اشعار سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجمل اشارے بن گئے۔

آخر پر توسل و استغاثہ ہے مگر دربار نبوی کی عظمتوں کا خیال بھی دامن گیر ہے اسی لیے لجاتے ہوئے اور توصیف و تعریف کے ترانے گاتے ہوئے مائل بہ کرم ہونے کی استدعا کرتے ہیں اس طرح یہ حصہ بھی مدحیہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

یا اعظم الناس من حاج ومعتمر - واکرم الخلق من حاف ومنتعل
اتیتنا بکتاب جل منقبة - وجئتنا بسبیل ناسخ السبل ۳
بعثت بالملة البیضاء راسخة - عفا بها سائر الادیان والملل
افحمت کل بلیغ بالکتاب کما - جادلت بالسیف اهل الجد والجدل
اضحی طلوعک بالشمس الضحی ابدا - وقد غنیت عن المیزان والحمل
عرف طیبک للخلق ناشرة - سیرة الشمس مثل الری والجبل

حاج و معتمر، حاف و منتعل، میں جزوی جامعیت ہے۔ اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیریت اور دائمی حیثیت، ادیان ماسبق کی تنسیخ اور ملت بیضا کی ترسیخ، قرآن کی فصاحت و بلاغت کے لیے اٹھنے والی تلوار کی ستیزہ کاری، شمس نبوت کی تا ابد ضیا پاشی اور مہبط نبوی کی راہ پر کفار کی لرزہ براندامی، سطوت نبوی کا مظہر ہے۔ ان فضائل کے تذکرے سے شاعر جرأت حاصل کر رہا ہے صحابہ کرام کے ذکر سے اور توانائی پائی اور آخر دل کی بات زبان پر آ ہی گئی

یا سید المرسلین الاکرمین ادم - شفاعة لعبید ما له وجل ۵

آخری شعر پورے قصیدے کا ماحصل اور علت غائی ہے۔

---

① حوالہ مذکورہ ص ۷۳، ۷۴ ② نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۷۴، ۷۵ ③ حوالہ مذکورہ ص ۷۵ ④ نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۷۵، ۷۶
⑤ حوالہ مذکورہ ص ۷۶

قاضی عبد المقتدر کا قصیدہ بحر بسیط میں ہے جس کا عروض و ضرب مخبون ہے جشو میں بھی زیادہ تر خبن کا زحاف ہے یعنی مُسْتَفْعِلُنْ ۔ مَفَاعِلُنْ بنا ہے جبکہ عروض و ضرب فاعلن کے بجائے فَعِلُنْ ہیں ۔ قصیدے میں چند مقامی اثرات موجود ہیں ۔ منائع کا استعمال تو پورے قصیدے میں عام ہے اگرچہ قاضی صاحب نے اسے مقصد نہیں بنایا اور اس صنعت کاری سے اشعار کو بوجھل اور ثقیل نہیں ہونے دیا یہ انداز صنعت مستحسن بلکہ خوش آئند ہے ۔ ستاروں کا ذکر برج میزان اور حمل کا اشارہ قاضی صاحب کی وسیع معلومات کے ساتھ مقامی اثرات کے غماز بھی ہیں ۔ ان محدود مقامی اثرات کے باوجود قصیدہ عربی اسلوب کلام کے مطابق اور قصیدے کی روایتی ترتیب و ساخت کا مظہر ہے ۔ تشبیب کی طوالت کھٹکتی ہے مگر قاضی صاحب نے اس میں تشبیہ و استعارات کی دلچسپی سے طوالت کا ازالہ کیا ہے ۔ گریز عمدہ ہے کہ مشکلات سے نجات کے لئے مادی ذرائع کی بے ثباتی اور روحانی اقدار کی دائمی حیثیت کو بیان کیا ہے ۔ کمال معیاری اور تشبیہات عمدہ بلکہ نادر ہیں ۔ مختصر یہ کہ قاضی عبد المقتدر کا مدحیہ قصیدہ عرب شعراء کے قصائد کی صف میں جگہ پانے کے ہر لحاظ سے قابل ہے ۔ قاضی صاحب مدحیہ شاعری کے پیش رو ہیں ان سے بعد کے شعرا کو حوصلہ ملا اور ایک قابل فخر روایت کو دوام نصیب ہوا ۔

—— مجد الدین الفیروزآبادی (م ۸۱۷ ھ) ابو طاہر مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی کا ذکر علماء ہند کے ضمن میں کیا جا چکا ہے اور اس سے قبل تیسرے باب میں سقوط بغداد سے بعد کے شعراء میں ان کا مدحیہ کلام بھی دیا گیا ہے ۔ الفیروزآبادی کی پیدائش شیراز کے قریب کازرون میں ہوئی تھی اسلئے وہ ایرانی ہیں اور وفات زبید (یمن) میں اسلئے یمنی نسبت بھی واضح ہے مگر الفیروزآبادی دو مرتبہ برصغیر آئے ۔ پہلی مرتبہ فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت (۷۵۲ تا ۷۹۰ ھ) میں اور دوسری مرتبہ محمود شاہ تغلق (۷۹۵ تا ۷۹۷ ھ) کے عہد میں ، اسلئے برصغیر کا بھی ان پر حق ہے ۔ اس نسبت سے صرف چند شعر اس قصیدے سے پیش کئے جاتے ہیں جو بانت سعاد کے طور پر کہے گئے ۔

مطلع :۔ هَلْ حَبْلُ عَزَّةَ بَعْدَ الْبَيْنِ مَوْصُولُ ۔ أَوْ بَارِقُ الْوَصْلِ بَيْنَ الْبَيْنِ مَأْمُولُ

مدح :۔ هَذَا الرَّسُولُ الَّذِي كَانَتْ نُبُوَّتُهُ ۔ وَلَيْسَ آدَمُ فِي الْفِرْدَوْسِ مَجْبُولُ

هَذَا الَّذِي نَالَ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً ۔ كَانَ لَهَا لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ جِبْرِيلُ

هَذَا الَّذِي هُوَ مُمْتَازُ الْخِصَالِ وَمَنْ ۔ بِكِلْتَا يَدَيْهِ لِوَاءُ الْحَمْدِ مَحْمُولُ

وَالْأَنْبِيَاءُ بُدُورٌ وَهُوَ أَكْمَلُهُمْ ۔ وَالْكُلُّ تِيجَانُ حُسْنٍ وَهُوَ إِكْلِيلُ [1]

حلیہ مبارکہ :۔ وَفِي مُحَيَّاهُ عَشْرٌ نُونُ حَاجِبِهِ ۔ أَشَمُّ أَقْنَى كَصَفْحَةِ السَّيْفِ مَصْقُولُ

وَخَدُّهُ الْوَرْدُ مَا لَمْ يَعْلُهُ عَرَقٌ ۔ فَإِنْ عَلَاهُ فَوَرْدٌ وَهُوَ مَطْلُولُ

عَنْ حَلْيِ قَدْرِهِ أَمَّا الْخَلْقُ يُمَاثِلُهُ ۔ وَلَا لِعُشْرَتِهِ فِي الْحُسْنِ تَمْثِيلُ [2]

خواہش وصال اور سوز عشق :۔

كَمْ بِتُّ أَشْكُو غَيْثَ الدَّمْعِ بَعْدَكُمُ ۔ وَالنَّارُ سِتْرٌ عَلَى الْآفَاقِ مَسْبُولُ [3]

اور آخر پر طلب خواہش :۔ يَا أَيُّهَا السَّيِّدُ الْمَرْجُوُّ نَائِلُهُ ۔ مَا لِي سِوَاكَ وَمَا لِي ذَاكَ تَحْصِيلُ

أَنْتَ الْغِيَاثُ وَأَنْتَ الذُّخْرُ يَا أَمَلِي ۔ وَالْغَوْثُ وَالْغَيْثُ وَالْآمَالُ وَالسُّولُ

إِنِّي بِبَابِ رَسُولِ اللّٰهِ سَائِلُهُ ۔ وَشَافِعِي الدَّمْعُ وَالْمَسْئُولُ مَأْمُولُ [4]

الفیروزآبادی کی لغوی حیثیت تو مستند اور قابل فخر ہے مگر شعری مقام اتنا بلند نہیں ۔ ان کی شاعری میں علم کی وسعت اور معلومات کی فراوانی ہے ۔ مگر شعریت ، چیزے دیگر است ، بہر کیف قصیدہ امام لغت کے جوش عقیدت کا غماز ہے ۔

—— شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ ھ) شیخ احمد بن محمد تھانیسری برصغیر کے قاضی عبد المقتدر کے بعد دوسرے بڑے مدح خوان ہیں جن کا قصیدہ دالیہ شیخ تھانیسری کا قابل فخر کارنامہ ہے ۔

مولانا احمد دہلی میں پیدا ہوئے ، قاضی عبد المقتدر تھانیسری سے درسیات کی تعلیم پائی اور فقہ ، اصول فقہ اور عربیت میں کمال حاصل کیا ،

---

(1) المجموعة النبهانية الجزء الثالث ص ۱۲۲ ، ۱۲۵ (2) المجموعة النبهانية الجزء الثالث ص ۱۲۶ ، ۱۲۸ (3) حوالہ مذکورہ ص ۱۲۷

(4) حوالہ مذکورہ ص ۱۲۷

اپنے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے مشہور ہوئے، طریقت کی تعلیم اور درسِ ارادت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے حاصل کیا۔ ۸۰۱ھ میں جب تیمور (م ۸۰۷ھ) نے دہلی پر حملہ کیا تو بہت سے اصحاب علم وفضل دہلی چھوڑ گئے ان میں مولانا احمد کے قریب ترین دوست جن سے آپ کو مواخاۃ بھی حاصل تھی اور پیر بھائی بھی تھے یعنی مولانا خواجگی بھی شامل تھے مگر مولانا احمد ثابت قدم رہے اور دہلی نہ چھوڑی۔[1] حملے کے نتیجے میں بہت سے علماء اور اکابرین قید ہو گئے ان میں مولانا احمد بھی تھے، جب تیمور کو آپ کی علمی وجاہت اور روحانی عظمت کی خبر ملی تو ملاقات کے لئے بلایا اور نہایت احترام سے پیش آیا بلکہ مقربین خاص میں شامل کیا۔[2] تیمور کی خواہش تھی کہ مولانا احمد کو سمرقند لے جائے تاکہ ان کے علم وفضل سے فیضیاب ہو مگر مولانا احمد قربِ سلاطین سے خائف تھے، اسلئے جب تیمور واپس لوٹا تو انہیں ساتھ لے جانے پر اصرار کیا تو آپ لمحہ بھر حاضر رہے اور بلطائف الحیل جان چھڑائی۔[3] مگر دہلی کے بگڑتے ہوئے حالات سے متنفر ہو کر ہجرت کی ٹھانی اور تمام متعلقین کے ہمراہ کالپی تشریف لے گئے جہاں مولانا خواجگی پہلے سے ہی موجود تھے۔ مولانا کالپی میں متوطن ہو گئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا یہاں تک کہ ۸۲۰ھ میں کالپی ہی میں وفات پائی۔[4] اکثر تذکرہ نگاروں نے امیر تیمور کے دربار میں مولانا احمد اور صاحب ہدایہ مولانا برہان الدین المرغینانی (م ۵۹۳ھ) کے نواسے جو اس دور کے شیخ الاسلام تھے کے درمیان برتر بایم نشست پر اپنا حق ثابت گردانے پر تلخ کلامی کا ذکر کیا گیا ہے جس سے ان دونوں بزرگوں کی سیرت وکردار پر تو کوئی خاص روشنی نہیں پڑتی البتہ اُس دور کی معاشرتی اقدار کا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ سلاطین کے نزدیک علماء فقہ کو ارفع منزلت حاصل تھی اور یہ بھی کہ فقہ حنفی کی سماجی حیثیت مستحکم تھی۔

مولانا احمد کا دالیہ قصیدہ ان کے اُستاد قاضی عبدالمقتدر کے فیضِ صحبت کا اثر ہے۔ مولانا نے قاضی کی طرح بحرِ بسیط منتخب کی ہے اور عروض وضرب کو بھی مطابقت کے خیال سے مخبون کیا ہے۔ قصیدے کے ابتدائی چودہ شعر تشبیب کے ہیں جس میں مسلسل سفر کا تذکرہ، محبوبہ کی یاد اور اس کے تذکار کے قصے اور پھر گریز ہے مگر مولانا احمد نے تشبیب کی ساخت میں بنیادی تبدیلی کی ہے کہ ایک پرندے کی پرسوز آواز کے سہارے سوزِ عشق کو آواز دی ہے۔

الا رُبّ حنین الطائر الغرد — وهاج لوعة قلبی النائة الکمد
واذکرنی عهوداً بالحمی سلفت — حمامة صدحت من لاعج الکبد
باتت تؤرقنی والقوم قد هجعوا — من بین مضطجع منهم ومستند[5]

ان اشعار میں مجنون بنی عامر سے منسوب ان شعروں کی بازگشت سنائی دیتی ہے جس میں لیلی العامریۃ کی یاد فروزاں کرنے کا سبب حمامۃ الایکۃ ہی ہے۔ مجنون کہتا ہے۔

دعانی الهوی والشوق لما ترنمت — هتوف الضحی بین الغصون طروب
تذکرنی لیلی علی بعد دارها — ولیلی قتول للرجال خلوب[6]

اور یہ طرزِ ادا ایک عجمی شاعر کے ذہن کو زیادہ اپیل کرتی ہے کہ ایسی روایات ایران اور برصغیر میں عشقیہ شاعری کا جزو رہی ہیں اسلئے ممکن ہے کہ مولانا احمد کو یہ رجحان متاثر کر گیا ہو۔ بہرکیف فاختہ کی پرسوز آواز نے شاعر کو مغلوب کر دیا ہے، فراق کی سوزش نے اس سے خوشی کا تصور بھی چھین لیا ہے۔ اور اسے لمحہ بھر چین نصیب نہیں ہے۔

ما زاد طرفی غمض بعدکم — ولا خیال سرور دار فی خلدی[7]

فراق کی شدت شاعر کے شعور کو برانگیختہ کر دیتی ہے اور اسے اس خوشی کا ایک ایک ثانیہ یاد آ جاتا ہے جو کبھی اس کے مقدر میں تھی

عیشاً بها وعیون البین راقدة — والقلب فی جذل والدهر فی رقد
والهم منصرح والکرب مندفع — والجد منتفع کالانجم السعد
والشعب ملتئم والعهد منتظم — والشمل منتظم لم یرم بالبدد[8]

لمحاتِ مسرت کی تصویر کشی واردات عمل ہے اسلئے اس میں جوش وولولہ ہے اور بیان کی قوت ہے مگر اس جوش وجذبے کے پیچھے ایک خوف ہے۔

---

① اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ ص ۸۵۶، ۸۵۷ ② عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ ص ۱۱۶ ③ ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۸۹۲
④ حدائق الحنفیہ ص ۳۲۰ ⑤ نزهة الخواطر الجزء الثالث ص ۹ ⑥ قطف الازهار ص ۱۵۵ بحوالہ دیوان قیس ص ۱۹ ⑦ نزهة الخواطر الجزء الثالث ص ۹
⑧ حوالہ مذکورہ۔

عیون البین راقدۃ "ایک فریب خوردہ غیر مستقبل کے بارے میں خطرے کا الارم ہے ، سوئی آنکھیں جاگ جایا کرتی ہیں تو فراق ڈالنے والی توقعات خوابیدہ ضرور ہے مردہ نہیں اسلئے ایک دھوکا ہے جو قلب شاعر کو مضطرب کئے جارہا ہے ۔ فراق کی شاعری ایک استقلال چاہتی ہے اور پامردی کا مقابلہ کرتی ہے ، عرب شاعروں کے ہاں فراق کی شاعری معمول کا عمل تھی مگر برصغیر فراق کی زہر ناکیوں سے آگاہ نہیں اسلئے شاعر تدریسے عربی کا مظاہرہ کرتا ہے اور گریز پائی کی تمنا کرتا ہے ۔

لیت الھوی لم یکن بینی و بینکم ۔ ولیت حبل ودادی غیر منعقد [۱]

کاش یہ رشتۂ عشق استوار ہی نہ ہوتا ، یہ خواہش جذبۂ محبت کی توہین ہے مگر ہمارا شاعر اس نزاکت عشق کو فراموش کرگیا ہے ۔

یفنیت من دآء و راح الناس کلھم ۔ کالسیف یبقی بلا اغماد ہ الفرد [۲]

شاعر کے تحت الشعور میں عمرو بن معد یکرب کا نہایت مشہور شعر ہے ۔

ذھب الذین احبھم ۔ و بقیت مثل السیف فردا [۳]

تشبیب کے اشعار میں عربی اثرات نمایاں ہیں "غراب البین" کا تصور صرف عرب معاشرت میں ہے ورنہ برصغیر میں کوا جدائی کا نہیں ملاپ کا نشان ہے ۔ عیس ، فتد ، ھوجاد ، مہا فنرۃ ، النجد ، اللوی اور لیلی کے الفاظ عربی ادب سے مستعار لیئے گئے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا احمد نے قصیدے کو عربی فضا عطا کرنے کی شعوری کوشش کی ہے اور شعوری کوشش میں بعض مضامین بلکہ مفردات کا تطابق یا توارد ہوا ہے ۔ گریز لفظی ہے خل کے لفظ سے رُخ ممدوح کی جانب موڑ لیا گیا ہے کہتے ہیں ۔

خل الاحادیث عن لیلی و جار تھا ۔ وارحل الی السید المختار من ادد [۴]

اور پھر مدح شروع ہوتی ہے ۔

ولیس فی الدین و الدنیا و آخرتی ۔ سوی جناب رسول اللہ معتمدی
نجی رؤف رحیم سید سند ۔ سھل الثنا رحیب الباع والعضد
رب الندی والجدی والصافنات بھا ۔ طلاد کھلا و فی شب وفی مرد [۵]

قصیدے کا یہ مرکزی حصہ ہے اور اس میں الفاظ کا اختیار اور اُن کا ربط مناسب بلکہ معیاری ہے ۔ قصیدہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے اور کلام بھی تیز ہوتا جاتا ہے اور آبشار کی سی روانی اور چاشنی نرمی کا ساخرام سنائی دیتا ہے ۔

بالعلم مکتنف بالحلم متصف ۔ اللطف ملتحف بالبر متقید
بالخلق مشتمل بالرفق مکتمل ۔ بالحق متصل بالعرف منفرد
بالشرع معتصم للدین منتقم ۔ فی اللہ مجتھد باللہ مقتصد
بالفقر مفتخر بالزھد مشتھر ۔ بالشکر منتصر بالحمد منجد [۶]

خصائص نبوتیہ کا بیان اور مرصع ابیات ، اس میں فضا نورانی اور ماحول وجدانی ہوجاتا ہے ۔

العدل سیرتہ والفضل طینتہ ۔ والبذل شیمتہ فی الوجد والوبد [۷]

اس شعر سے عالم عرب کے صاحب دیوان مدحیہ شاعر البرعی (م ۸۰۳ھ) جو مولانا احمد کے ہمعصر تھا یہ شعر یاد آنے لگتا ہے ۔

العدل سیرتہ والفضل شیمتہ ۔ والرعب یقدمہ والنصر یخدمہ [۸]

شاید ماحول کی یکسانی تھی یا ذوق کی وحدت کہ ایسا قریبی توارد ہوا ہے ۔ نظر کرم کی تمنا اور لطف و عنایت کی خواہش شعر کو ذاتی حوالہ عطا کردیتی ہے اسلئے اس کی اثر پذیری کئی گنا ہوجاتی ہے مثلاً

یا افضل الناس من باس و من تنف ۔ واکرم الخلق من حر و من عبد
افدیک بالروح والقلب المشوق بھا ۔ والنفس والمال والاھلین والولد
تدعا فتی العبد عن مھوای یا سکنی ۔ وطال شوقی الی الغیاث یا سندی

---

① مآثر الکرام ص ۱۴۰ ② نزھۃ الخواطر الجزء الثالث ص ۱۰ ③ کتاب الحماسہ باب الحماسۃ ص ۲۴ ④ نزھۃ الخواطر الجزء الثالث ص ۱۰ ⑤ حوالہ مذکورہ
⑥ نزھۃ الخواطر الجزء الثالث ص ۱۰،۱۱ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۱۱ ⑧ دیوان البرعی ص ۳۳

ویا جبانی ویا ہودی ویا سیدی ۔ ویا فؤادی ویا امسی ویا معتمدی

مالی الیک بقطع البید من قبل ۔ ولیس لی باصطبار عنک من جلد

ارجو الوفادة من ارض حللت بہا ۔ یا لہف نفسی اذا ما کنت لم افد

مطایا بی و رفقائی و مکہ تہ ۔ فلیس عنہا یا مولائی ملتحدی

والشفیع الی اللہ لی فی ان یقبلنی ۔ عن الھوی وذوی الدنیا ومن سود ①

اور آخر پر درود وسلام ہے جس میں کثرت و ازدیاد کی خواہش ہے جو شاعر پر منظر نعت کو درود خوانی میں شریک دیکھنا چاہتا ہے

مالاح برق وما سبح الغمام علی ۔ ترب النبی الذی انکسا صاحلة القبر

وما تزید عدید علی منن ۔ یعض الاحرمۃ مخضل وملتبد ②

شوق وصال کی حسرت سے قصیدے کی ابتدا ہوئی تھی اور خواہش لطف وکرم پر اس کا اختتام ہوا جس کے ساتھ نذرانہ درود کا قبولیت آمالاخرہ موجود ہے۔ مولانا احمد کے قصیدے میں عربیت کا معیار عمدہ ہے۔ اس سے ان کی قدرت کلام کا اظہار ہوتا ہے مگر ساتھ ہی متکلف انداز کا شعور بھی ابھرتا ہے۔ خالص عرب معاشرت کے الفاظ برصغیر میں اندلس میں عبدالرحمٰن الداخل کے کھجور کے درخت کی طرح اجنبی محسوس ہوتے ہیں۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند کا مقالہ نگار قاضی عبدالمقتدر اور مولانا احمد کے قصائد کا تقابل کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

• شیخ تھانیسری کا دالیہ اور ان کے استاد قاضی عبدالمقتدر کا لامیہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہیں لیکن لفظی فصاحت وبلاغت اور معنوی محاسن کے اعتبار سے شاگرد اپنے استاد سے آگے نکل گیا ہے۔ قاضی کے قصیدے میں تصنع اور آورد ہے لیکن تھانیسری کے ہاں بے ساختگی اور آمد معلوم ہوتی ہے۔" ③

مقالہ نگار کو رائے کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ دعویٰ کہ قاضی عبدالمقتدر کا قصیدہ تصنع اور آورد کا شکار ہے اور مولانا احمد کا بے ساختگی اور آمد کا عمل نظر ہے، دونوں بزرگوں کے قصائد کے داخلی تجزیے کے بعد یہ رائے یک طرفہ اور بے محل معلوم ہوتی ہے۔ قاضی عبدالمقتدر کا قصیدہ اسلوب کلام اور جودت معنی میں مولانا احمد کے قصیدے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مولانا احمد کے قصیدے میں غیر شعوری توارد، لاشعوری تطابق اور شعوری تقلیدی روش کی ہم نشانیاں ہیں کر چکے ہیں، اسلئے ہماری رائے ہے کہ استاد اپنے شاگرد سے بہت آگے ہے۔ اگرچہ دونوں قصائد برصغیر کی مدحیہ شاعری میں نہایت محترم مقام کے حامل ہیں لیکن متقدم کو ہی تقدم حاصل ہے۔

الدمامینی (م ۸۲۷ھ) شیخ بدرالدین محمد بن ابی بکر المخزومی القرشی کا مختصر تعارف ہم دور سلطان کے علماء کے ساتھ کرا چکے ہیں، برصغیر پاک وہند تشریف لانے والے علماء میں الدمامینی منفرد شان کے حامل ہیں کہ انہوں نے یہاں کی مسلم آبادی اور خاص علماء کو علم نحو کی امہات الکتب سے نہ صرف یہ کہ متعارف کرایا بلکہ خود شرحیں لکھ کر افادہ عوام کے لیے انہیں پیش بھی کیا۔ الدمامینی اسکندریہ میں ۷۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ مصر میں قسمت آزمائی کی، کبھی آرام کے دن نصیب ہوئے تو کبھی گرفتار بلا ہوئے ۵۰ سال اپنے مولد ومسکن کے قرب وجوار میں گزارے مگر علمی عظمت کے باوجود حالات ناسازگار ہی رہے ناامید ہو کر برصغیر کا رخ کیا اور اواخر شعبان ۸۲۰ھ کو گجرات آئے اور سلطان احمد بن محمد المظفر گجراتی (۸۱۳ تا ۸۴۶ھ) کے دربار سے منسلک ہو گئے اور خوب عزت پائی، متعدد کتابیں تالیف کیں ۸۲۷ھ میں گلبرگہ میں وفات پائی، کہا جاتا ہے کہ انہیں زہر دے دیا گیا تھا ④

الدمامینی شعر کا خوبصورت ذوق رکھتے تھے اگرچہ ان کے اشعار میں ان کا نحوی میلان طبع صاف جھلکتا ہے، اس دور میں نحو ومنطق کا حصہ بن چکی تھی اسلئے استدلالی کیفیت بھی ان کے اشعار میں نمایاں ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں

رمانی زمانی بما ساءنی ۔ فجاءت نحوس وغابت سعود

وأصبحت بین الوری بالمشیب ۔ علیلا فلیت الشباب یعود

قل الذی اضحی یعظم حاتما ۔ ویقول لیس بجوده من لاحق

ان قستہ بسماح اہل زماننا ۔ اخطأت قیاسک مع الوجود الفارق ⑤

---

① نزہۃ الخواطر الجزء الثالث ص ۱۱، ۱۲ ② والمذکورہ ص ۱۲، ۱۳ ③ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۹۹

④ نزہۃ الخواطر الجزء الثالث ص ۱۲۵، تا ۱۲۸، الاعلام الجزء السادس ص ۲۸۳، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ ڈاکٹر اسحاق ص ۱۱۲، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۰۳ تا ۱۰۴ ⑤ نزہۃ الخواطر الجزء الثالث ص ۱۲۹

علماء ہند سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

أیا علماء الهند إنی سائل - فمنوا بتحقیق به یظهر السر

فما عمل تو جهه بالخفض لفظه - صریحا ولا حرف یکون به جر

ولیس بذی جر ولا بمجاور - لذی الخفض والإنسان للبحث یضطر [1]

خط کشیدہ الفاظ شاعری کی خود دلچسپیوں کا اعلان کر رہے ہیں۔

الدمامینی کا مدح حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ۸۳ اشعار کا رائیہ قصیدہ موجود ہے۔ حسب روایت تشبیب سے ابتداء کی گئی ہے۔ صنائع پسندی کے اثرات واضح ہیں۔ الدمامینی کا ہم عصر ابن حجۃ الحموی (۸۳۷ھ) بدیعیات کا امام ہے۔ نعتیہ شعراء کے ہاں بدیعیات کا چرچا عام تھا۔ الدمامینی مستقل بدیعیہ تو تصنیف نہ کر سکے مگر متاثر ضرور ہوئے۔ رنگ تشبیب ملاحظہ ہو۔

لقد ذقت بینکم فی الزمان الذی مضی - حلاوة عیش لم أذق بعدها مرا

ویجری هواکم من دموعی أبحرا - ویغفر اللاحی فما تتعذب البحرا

رثت وانتقت إلی ظلمکم وثرودکم - فسلقت لنا بیضا ومدت لنا سمرا

ذوائب یغری إلی البیا شیج لونهما - وسود جفون قدر أینا بها کسرا [2]

پہلے شعر میں تجنیس لفظی دوسرے میں تجنیس معنوی، تیسرے میں لف و نشر اور چوتھے میں مراعاۃ النظیر ہے اور یہی انداز باقی شعروں میں بھی موجود ہے مثلاً

إذا عضك الدهر الخؤون بنابه - فلا تفز عن السن والمستجل العبرا [3]

ناب اور سن میں تجنیس معنوی ہے۔

مدح میں معجزات کے ذکر کو اولیت حاصل ہے۔ نویں صدی ہجری کا مسلمان اپنی پریشانیوں کے ازالے کے لیے کسی معجزے کا منتظر تھا اور معجزات کے ذکر سے اس کے شکستہ دل کو اعتماد ملتا تھا۔ معجزات میں معراج کو برتری حاصل ہے کہ یہ انسانی ارتقاء کا نقطۂ کمال ہے۔ الدمامینی نے معراج ہی سے ابتداء کی ہے۔

ونال فخارا لم ینله مقرب - وشاهد من آیات خالقه الکبری [4]

انگلیوں میں فیض رسانی کا ذکر کرتے ہیں

أصابع ترم البیل تحکی وماءها - فلم یجر فی نهر الورى ذلك الجری [5]

جمال بے مثال بھی تو کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔

وألفیت ترائیه بآن جبینه - هو الصبح لما أن بدا یشرق فجرا [6]

غزوات کے بیان کے بعد دربار رسالت کی فیض بخشی کی تمنا رکھتے ہیں اور مدحت نگاری کو باریابی دربار کے لیے بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں

وقدمت من نظمی إلیک قصیدة - معانیها فی اللا لما نظمت شذرا

وأرجو قبولها بالتبول وحقها - وقد کنت فیها مینا تک أن ترى

وتطمع آمالی بأنك فی غد - تعوضنی عن کل بیت بها قصرا

وأنت سماء العلم والحلم والندى - فلا غرو أن أهدی إلی أفقك الشعرا

(شعرا میں توریہ ہے۔ شعری ستارے اور شعر میں)

وأنقلهم یا بحر الندی جوهر الثنا - وأقلق من مدحی بر دمیتك الزهرا

فیا خیر مبعوث بکل فضیلة - ویا خیر مبعوث بکل الورى طرا [7]

---

① نزهة الخواطر الجزء الثالث ص ۱۳۰ ② المجموعة النبهانیة الجزء الثانی ص ۲۱۳، ۲۱۴ ③ حوالہ مذکورہ ص ۲۱۵ ④ حوالہ مذکورہ

⑤ المجموعة النبهانیة الجزء الثانی ص ۲۱۶ ⑥ حوالہ مذکورہ ص ۲۱۵ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۲۱۹

عجمی شعرا میں قصیدے کے آخر میں تخلص کا استعمال عام ہے، عربی شعرا میں یہ روایت نہیں ہے، الدمامینی عجمی اثر کے تحت کہ انھوں نے عمر کے آخری چند سال برصغیر
میں گزارے آخری شعر میں اپنا حوالہ دینا ضروری سمجھ کر اس سے قصیدے میں اپنائیت اور ذاتی تعلق کی فضا پیدا ہوجاتی ہے کہتے ہیں۔

وَلابنِ الدَّمامینی سِبطِ مُنیتی۔ جمیلُ رجاءٍ فیکَ قد شرحَ الصدرَا [1]

الدمامینی کا قصیدہ ایک ایسا قصیدہ ہے۔ جس میں تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے مدحیہ قصائد کا ہیولہ برقرار رکھا گیا ہے۔ اس سے قاری کو نمائندہ اشعار کی
تلاش میں طویل انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ یہی قصیدے کا حسن ہے۔

چند دیگر شعرا:-

عہد سلاطین کے ان نمائندہ شعرا کے علاوہ اور کئی نام ملتے ہیں جو عربی شاعری پر دسترس رکھتے ہیں ان کے بعض اشعار
کتب ادب اور تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں میں نقل کیے ہیں مگر ان کی مدحیہ شاعری میں حیثیت کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ تذکرہ نگار عموماً مدحیہ اشعار نقل نہیں کرتے اس
کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں جن کا یہ محل نہیں ہے قیاس غالب یہ ہے کہ بہت سی نگارشات زمانے کی بے مہری کی نظر ہوگئیں جیسا کہ بعض ضمنی حوالوں سے اس کی
نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ کہ مدحیہ دواوین کا ذکر ملتا ہے مگر نمونہ کلام دستیاب نہیں ہے، بعض ایسے اسما بھی ملتے ہیں کہ جن کا ذوق دینی ہے اور وہ شعر بھی کہتے ہیں
مگر نعتیہ اشعار موجود نہیں ہیں خیال یہی ہے کہ یہ بھی ناقلین کی عدم توجہی کا شکار ہوئے ہیں مثلاً۔

—— امام حسن بن محمد الصغانی (م ۶۵۰ھ)، آپ لغوی، محدث، فقیہ اور ادیب ہونے کے ساتھ باکمال شاعر بھی تھے، ان کے چند اشعار ملتے ہیں، ڈاکٹر حامد
علی خان نے مختلف ماخذوں سے ان کے ۱۳۷ اشعار اور ایک قصیدہ دریافت ہے جس میں شاعرانہ انداز میں آپ بیتی لکھی ہے، ڈاکٹر صاحب کی رائے ہے کہ
" ہندوستان میں عربی کا یہ پہلا منفرد قصیدہ ہے جس میں لغت عرب کے لفظی و معنوی صنائع و بدائع کو برتا گیا ہے۔ اور پورا قصیدہ صنعت تجنیس میں لکھا گیا ہے" [2]
امام السیوطی (م ۹۱۱ھ) نے بغیۃ الوعاۃ میں امام الصغانی کے پانچ شعر نقل کیے ہیں جن کا نمونہ تجنیس ہی کا کامل کلمہ ہے [3] اسی طرح نزہۃ الخواطر میں بھی
چند شعر دیئے گئے ہیں [4] مگر مدحیہ شعر نہیں ہے خیال غالب یہی ہے کہ یہ رواۃ کی کرم فرمائی ہے۔

—— جمال الدین ھنسوی (م ۶۵۹ھ) صوفیائے کرام کے ضمن میں تذکرہ ہوا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان کی شعری کاوشوں کا حوالہ دیتے ہیں [5] شیخ جمال الدین
بعضے رسائل و اشعار دارد کہ درمیان مردم یافتہ می شود از انجملہ رسالہ ایست بزبان عربی مسجع کلمات متفرقہ جمع کردہ کہ او را ملہمات گویند [6] ملہمات کی ایک مسجع
عبارت سے بھی ذوق شعری کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً کہتے ہیں

طالب الدنیا جاهل - طالب العقبیٰ عاقل - طالب المولیٰ کامل
طالب الدنیا مردود - طالب العقبیٰ مسعود - طالب المولیٰ محمود
طالب الدنیا هالک - طالب العقبیٰ سالک - طالب المولیٰ مالک
طالب الدنیا ذلیل - طالب العقبیٰ جلیل - طالب المولیٰ خلیل [7]

اس عبارت کو تین مصرعوں کا شعر کہا جاتا ہے جس کا سراغ فارسی اردو شاعری میں ملتا ہے اور اسے مثلث کہا جاتا ہے۔ صوفیانہ ذوق شعری صلاحیت کا اجتماع ہو تو
مدح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدور یقینی سا ہوجاتا ہے۔

—— شیخ ابوالفتح جون پوری (م ۸۵۸ھ) قاضی عبدالمقتدر شریحی کے پوتے اور شاگرد رشید تھے، نزہۃ الخواطر میں ہے۔ "وکان عالماً کبیراً بارعا
فی الفقه والاصول والکلام واللغة وقرض الشعر وقد منحه الله سبحانه القسط الاوفر من الفصاحة والبلاغة" [8] حدائق الحنفیہ [9]
اور اخبار الاخیار میں بھی [9] عربی فارسی قصائد کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان شواہد سے اندازہ ہوتا کہ قاضی عبدالمقتدر کا پوتا جسے عربی شاعری میں موجہ روایت گھر سے ملی
اور جو شعر کہنے کی صلاحیت بھی رکھتا تھا یقیناً مدحیہ اشعار کہتا ہوگا۔

—— شاہ احمد سنی چندیری (م ۹۲۸ھ) مالوہ کے ایک شہر چندیری کے رہنے والے تھے، فاضل متبحر اور درویش کامل تھے، علوم نقلیہ اور عقلیہ کے

---

① المجموعة النبهانية الجزء الثاني ص ۲۱۹ ② معارف جولائی ۱۹۶۸ء ص ۲۲ عرب کے ہندوستانی شعرا پر ایک نظر ڈاکٹر حامد علی خاں ③ بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷
۲۲۸ ④ نزہۃ الخواطر الجزء الاول ص ۱۳۹ ⑤ اخبار الاخیار ص ۷۷ ⑥ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۱۲ ⑦ نزہۃ الخواطر الجزء الثالث
ص ۲/۳ ⑧ حدائق الحنفیہ ص ۳۲۹ ⑨ اخبار الاخیار ص ۱۸۱

جامع تھے، عربی شعر پر قدرت تھی، امام زمخشری (م ۵۳۸ھ) کے شعروں کا جواب شعروں میں دیا تھا۔ عربی شعر پر قدرت ہو اور درویش کامل ہو تو نعتیہ شاعری کا وجود میں آنا ممکن ہے۔

مدح نگاری کے اشارات:-

مذکورہ بالا اصحاب شعر کے علاوہ چند ایسے نام بھی ملتے ہیں جن کی مدحیہ شاعری یا تو روایت نہ ہوئی یا صرف ایک دو شعر ہی روایت ہوئے مگر ان کے ذوقِ نعت کا بڑا اعتماد حوالہ موجود ہے۔ ان کا مختصر تعارف درج کیا جا رہا ہے۔

——— حسن نظامی نیشاپوری (ساتویں صدی ہجری) قطب الدین ایبک (۶۰۲ تا ۶۰۷ھ) کے دور کا نامور تذکرہ نگار جس نے تاج المآثر کے نام سے قطب الدین ایبک کی فرمائش پر ایک تذکرہ لکھا جس میں ادبی تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا۔ اس طرح حسن نظامی برصغیر پاک و ہند کا پہلا مورخ قرار پایا۔ یہ تاریخی دستاویز شروع سے آخر تک مقفیٰ اور مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے اس میں بارہ ہزار سطریں ہیں جن میں سے سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہیں[۱]۔ اس قدر کثیر تعداد میں عربی شعر کہنے والا ادیب مدح رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیسے بے نیاز رہ سکتا ہے۔

——— مولانا شہاب الدین مہمرہ (ساتویں صدی ہجری) بدایوں کے رہنے والے تھے، سلطان رکن الدین فیروز شاہ (۶۳۳، ۶۳۴ھ) کے قصیدہ نگاروں میں شامل تھے، عربی کے بہت بڑے عالم تھے[۲]۔ امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچے میں مولانا شہاب الدین کا ذکر ہند کے ایک بڑے شاعر کی حیثیت سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کا کلام فرزدق اور جریر کے کلام پر فوقیت رکھتا ہے[۳]۔ مولانا شہاب کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے قصیدہ کو حمد و نعت، اخلاق و تصوف سے روشناس کر کے اس صنف میں ایک نیا رنگ پیدا کیا[۴]۔ ان بیانات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا شہاب عربی کے باکمال شاعر تھے کہ امیر خسرو انہیں جریر و فرزدق پر فوقیت دے رہے ہیں اور ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انہوں نے قصیدہ نگاری میں حمد و نعت کا عنصر نمایاں کیا ہے۔ اسلئے قرین قیاس ہے کہ مولانا شہاب نے عربی میں مدحیہ قصائد کہے ہوں گے جو بے مہری زمانہ کی نذر ہو گئے۔

——— شیخ رکن الدین کاشانی (آٹھویں صدی ہجری) صوفیاء کے طبقے سے تعلق تھا، تصوف کے موضوع پر کئی کتابیں تصنیف فرمائیں "شمائل الاتقیاء"، چار ابواب پر مشتمل کتاب ہے۔ الواب کی ترتیب یہ ہے "فی افعال اصحاب الطریقۃ، فی احوال اصحاب الحقیقۃ، فی محامد اللہ سبحانہ و نعوت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم والرابع فی غوامض الحقائق المتنوعۃ"[۵] تیسرا باب حمد و نعت کے لئے مختص ہے۔

——— مولانا حجۃ الدین ملتانی (آٹھویں صدی ہجری) سلطان علاؤ الدین خلجی (۶۹۵ تا ۷۱۶ھ) کے دور میں درس و تدریس میں مشغول نظر آتے ہیں، خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) کے مرید تھے، چشتیہ سلسلے کے مشائخ کا عربی نظم میں ذکر کیا ہے[۶]۔ ظاہر ہے مشائخ کے ذکر کی ابتداء ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہوئی ہوگی۔

——— شیخ صالح بن محمد بن ابی بکر المرشدی المکی (م ۸۹۷ھ) برصغیر آئے تو ان کے پاس مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ترتیب دیا ہوا ایک شعری مجموعہ تھا[۷]۔

——— شیخ زین الدین المعبری (م ۹۲۸ھ) پہلے ذکر ہو چکا، ایک عالم اور محقق کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی تھے "ہدایۃ الاذکیاء الی طریق الاولیاء" ایک منظوم رسالہ ہے اس میں ۱۸۰ اشعار ہیں، بحر کامل ہے اور حرف روی لام ہے۔ یہ نظم ایک کہنہ مشق شاعر کے جودت طبع کا اثر معلوم ہوتی ہے۔ دو ابتدائی شعر ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُوَفِّقِ لِلْعُلَا ۔ حَمْدًا یُوَافِیْ بِرَّہُ الْمُتَکَامِلَا

ثُمَّ الصَّلَاۃُ عَلَی الرَّسُوْلِ الْمُصْطَفٰی ۔ وَالْآلِ مَعْ صَحْبٍ وَتَابِعٍ وَلَا[۸]

قصیدے کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کی تین شروح موجود ہیں[۹]۔

——— شیخ عبدالوہاب البخاری (م ۹۳۲ھ) اُوچ کے سادات اور صوفیاء میں ایک ممتاز و محترم نام جن کی شہرت دربار دہلی تک پہنچی ہے کہ سکندر لودھی (م ۹۲۳ھ) بھی مرید تھا، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تپش تھی کہ دو مرتبہ حج و زیارت کے لئے حرمین کا سفر کیا، قرآن پاک کی ایک تفسیر لکھی اور یہ جدت پیدا کی کہ پورے قرآن کو نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ثابت کیا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں "شیخ حاجی عبدالوہاب را تفسیر یست کہ اکثر قرآن بلکہ تمام آنرا در جانب جنت پیغمبر و ذکر

---

① اخبار الاخیار ص ۲۲۶، تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳۰، ۲۳۱، نزہۃ الخواطر الجزء الرابع ص ۱۳۲ ② بزم مملوکیہ ص ۱۶، ۱۷، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۳ فارسی ادب ص ۲۹۱، ۲۹۲ ③ بزم مملوکیہ ص ۱۲۸ ④ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ۲۳۶ ⑤ بزم مملوکیہ ص ۱۹۹ ⑥ نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۱۳۹ ⑦ نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۴۶، گلزار ابرار اردو ص ۹۲ ⑧ النور السافر عن اخبار القرن العاشر ص ۲۱۵ ⑨ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۰۹، ۱۱۰ ⑩ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۱۹۰

اُوکردہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ علامہ عبدالحی الحسنی کہتے ہیں:۔ "وھذا الکتاب قد احتوی جمیع المطالب التی ینبغی الترکیز علیها فی مناقب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف رکھا، و بین فیہ اسرار المحبۃ و حقائق الوجد والغرام"۔ اور یہی بات مفتی غلام سرور نے بھی کہی ہے۔[۲] شیخ عبدالوہاب نے تفسیر قرآن کے علاوہ شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک رسالہ تالیف فرمایا، آپ نے اپنے شعری ذوق کو مدح رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقف رکھا اور عربی میں کئی مدحیہ قصائد قریب کیے۔[۳]

کشمیر کے صوفیا مصنف بھی تھے اور انہیں شعر گوئی کا شوق بھی تھا، انہوں نے صوفیانہ افکار کو فارسی کشمیری بلکہ بعض نے عربی زبان میں بھی کیا ہے۔[۴]

آخر پر مناسب ہوگا کہ اُس بطل جلیل اور شاعر نبیل کا ذکر ہو جائے جس کی عظمت اور جس کی منزلت کا ہر کسی کو اعتراف ہے جس کی شعری صلاحیت اپنے نقطہ عروج پر ہے اور جسے کئی زبانوں میں اظہار خیال کی مقدرت حاصل ہے۔ یہ حضرت امیر خسرو ہیں جن کے نام سے برصغیر کی ادبی روایات کو وقار حاصل ہے۔

امیر خسرو (۶۵۱-۷۲۵ھ) خسرو بن سیف الدین محمود بخاری دہلوی نام تھا۔[۵] کنیت یمین الدین خواجہ نظام الدینؒ کی طرف سے عنایت کیا ہوا خطاب "ترک اللہ"[۶] سلطان الشعراء اور برہان الفضلاء، نامور شعرا کے بادشاہ معرفت آگاہ صوفیاء کے سردار اور علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔[۷] "ترک نژاد بودند و یکی از قبائل ترک کہ ہزارہ لاچین نامیدہ میشد تعلق داشتند۔ پدرش امیر سیف الدین محمود رئیس این قبیلہ بود، بعد از یورش چنگیز خان کہ این قبیلہ وطن اصلی خود را ترک گفتہ بہندوستان ہجرت کردند۔ ہمراہ قبیلہ خود بہ شبہ قارہ پاک و ہند آمدہ، در پٹیالی آباد شدند۔ در سال ۶۵۱ھ حضرت امیر خسرو متولد شد"[۸] کم عمری میں شعر کہنے لگے فارسی اور ترکی تو مادری زبانیں تھیں عربی میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ شعر کے بارے ان کے نظریات ان کے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ سے ظاہر ہیں کہ ان کے نزدیک حقیقی شاعر میں چار شرائط ہونا چاہئیں" اول یہ کہ وہ کسی نئی طرز کا موجد ہو، دوم یہ کہ اس کے کلام میں شعر کی سلاست و عذوبت ہو اغلوں اور صوفیوں کا سا انداز ہو، سوم یہ کہ اس کا کلام غلطیوں سے پاک ہو، چہارم یہ کہ اس نے دوسرے لوگوں کے ٹکڑوں سے ہزار پیوندی قبا نہ تیار کی ہو، اور وہ خود اپنے میں پہلی تیسری شرط کے وجود پر متردد ہیں مگر دوسری چوتھی شرط کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔[۹] بلبن کے بیٹے شہزادہ محمد کے ساتھ ملتان رہے، مغل حملے میں شہزادہ تو شہید اور امیر خسرو گرفتار ہوئے دو برس قید میں رہے۔ جلال الدین خلجی نے انہیں امیر کا لقب دیا تھا۔ انہیں شاہی خزانے سے ہر ماہ ایک ہزار تنکہ ملتا تھا۔[۱۰] ۷۲۵ھ میں ان کا انتقال ہوا تو انہیں حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار کی پائنتی دفن کیا گیا۔[۱۱]

خسرو باکمال شاعر اور لاجواب ماہر موسیقی تھے۔ برنی کا بیان ہے: "انہ کان خاتم ملوک الشعراء من السلف الی الخلف، لم یکن لہ نظیر فی اختراع المعانی وکشف الرموز الغریبۃ"۔[۱۲] امیر خسرو کو اپنی فارسی شاعری پر اس قدر اعتماد اور افتخار تھا کہ انہوں نے عربی زبان میں کافی دسترس کے باوجود عربی میں بہت کم اشعار کہے ہیں۔ اس قلت توجہ کا سبب ان کا نظریہ شعر بھی تھا کہ وہ فارسی شاعری کی عظمت کے قائل تھے چنانچہ غرۃ الکمال کے دیباچے میں فارسی عربی شاعری کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور آخر کار فیصلہ فارسی شاعری کے حق میں دیا ہے۔[۱۳] اس نظریے نے انہیں عربی شاعری کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا ورنہ ان کو عربی شاعری میں بلند مقام حاصل ہوتا۔ عربی شاعری میں اس کمزوری کا دوسرا بڑا سبب ان کا صنائع بدائع کی طرف جھکاؤ ہے۔ انہوں نے عربی شاعری سے چیستان گوئی کا بھی کام لیا ہے اور الخلیل الزرکلی نے کہہ دیا: "لہ شعر عربی فیہ ضعف"۔[۱۵]

"ان کی تالیف اعجاز خسروی میں جابجا عربی اشعار موجود ہیں، دیوان میں بھی ان کا عربی کلام شامل ہے اور خزائن الفتوح میں بھی جگہ جگہ عربی اشعار پائے جاتے ہیں"۔[۱۶] اگر تمام تالیفات سے عربی اشعار اکٹھے کر لیے جائیں تو کل تعداد پانچسو سے چھ سو کے درمیان بنتی ہے۔ غرۃ الکمال کے دیباچے میں چند شعر ہیں مثلاً:

ذاب الفؤاد و سال من عینی الدم ۔ وعلی الدوام مع کل ما انا اکتم
واذا ابحت لدی الوری کرب النوی ۔ تبکی الاحبۃ والاعادی ترحم
یا عاذل العشاق وعنی باکیاً ۔ ان السکوت علی المحب محرم
من بات شکلی ضعو بیدر خلیلتی ۔ طول اللیالی کیف بات متیم[۱۷]

---

① اخبار الاخیار ص ۲۲۱ ② نزھۃ الخواطر الجزء الرابع ص ۲۲۳، حدیقۃ الاولیاء ص ۱۰۴ ③ والرجال مذکورہ ④ جلوہ کشمیر ڈاکٹر صابر آفاقی ص ۱۳ ⑤ الاعلام الجزء الثانی ص ۳۵۲ ⑥ گلزار ابرار غوثی ص ۹۱ ⑦ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۸۰ ⑧ کلیات قصائد خسرو جلد اول ص ۲۸،۲۷ ⑨ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۳ فارسی ادب ص ۲۲۱،۲۲۰ ⑩ شعر العجم حصہ دوم ص ۱۰۴،۱۰۳،۱۰۲ ⑪ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۹۲ ⑫ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸ ص ۹۳۲ ⑬ نزھۃ الخواطر الجزء الثانی ص ۷۰ ⑭ شعر العجم جلد دوم ص ۱۳۴ ⑮ الاعلام الجزء الثانی ص ۳۵۲ ⑯ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۳۶ ⑰ شعر العجم جلد اول ص ۱۴۲

امیر خسرو کی شاعری صنائع بدائع کا شکار ہوگئی جس کی وجہ سے ایسے باکمال شاعر کی نگارشات ملیحہ و مشربہ سے اہل ذوق محروم رہ گئے، ان صنائع کا تذکرہ ہمارے موضوع سے مناسبت تو نہیں رکھتا مگر اسلئے کہ اس فن میں امیر خسرو، غلام علی آزاد بلگرامی کے پیش رو اور آزاد برصغیر میں عربی شاعری کی آبرو ہے اسلئے مختصراً ذکر کیے دیتے ہیں۔

"صنعت ذو رویتین یعنی ایسی عبارت جسے لفظوں کے رد و بدل سے دو مختلف زبانوں میں پڑھا جا سکے مثلاً:

رسیدی بدیدی مرادی بہ خانے۔ زمانے بماشی، بہ یاری لبشانی

(فارسی عبارت کا ترجمہ: کل تو آیا اور تو نے مجھے ایک مکان میں دیکھا، ایک ذرا ٹھہر جا تو دوستی کرنے کے لائق ہے)، لیکن اگر شعر یوں ہو،

رشیدی ندیدی مرادی نجاتی۔ رمانی بماسی تباری لنسائی

(عربی عبارت کا ترجمہ: تو میرا ہدایت یافتہ ہے بے نظیر ہے میری مراد ہے، میری نجات ہے، مجھے اس بات نے ناامید کیا کہ میری عورتیں طلاق یافتہ ہیں۔)"[1]

عربی ادب کے طالب علم کو اس بات کا ہمیشہ دکھ رہے گا کہ امیر خسرو کی بھرپور صلاحیت سے عربی ادب کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ پہنچا۔ امیر خسرو نعتیہ شاعری کے امام ہیں مگر ہر طرف بھی فارسی کے حصے میں آیا۔ امیر نے نعتیہ شاعری کی جو طرح ڈالی وہ بعد میں برصغیر کے اکثر شعرا کے ہاں مقبول رہی، ایران میں بھی اس کے اثرات ملتے ہیں مگر برصغیر میں اس پر خصوصی توجہ رہی ہم گفتگو کو امیر خسرو کے ایک مدحیہ شعر پر ختم کرتے ہیں جسے ہم ایک نایاب تحفہ اور قابل تلاوت تبرک خیال کرتے ہیں۔

نَبِیُّنَا وَلَدُ الْخَلِیْلِ وَآدَم - فِی الْخَلْقِ خُذْ هٰذَا وَخُذِ الْعَالَم [2]

عمومی جائزہ:-

ماسبق گزارشات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دور غزنوی میں جس شاعری کی داغ بیل پڑی تھی اور جس کے سوتے پنپتے ہوئے محسوس ہونے لگے تھے عہد سلاطین میں اس پر رنگا رنگ پھول کھلے، سلاطین کے دینی ذوق، عالم عرب سے روابط، پرسکون علمی زندگی اور عرب علماء صوفیاء کی آمد نے برصغیر کے علمی و ادبی مقام کو بہت بلند کر دیا تھا، عرب دنیا سراسیمگی کا شکار تھی۔ بے چینی اور معاشرتی عدم استحکام نے انہیں مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ دکھائی تھی کہ یہی روحانی رابطہ باعث قرار تھا۔ برصغیر میں ایسی بدحواسی کا عالم نہ تھا، مستقل حکومت موجود تھی مگر درد مندی کے اثرات جغرافیائی حدود پھلانگ کر برصغیر کے ادیبوں اور شاعروں کو متاثر کر رہے تھے، نووارد شعرا جب اپنی جنت گم گشتہ کے فراق میں آنسو بہاتے تو اہل ہند کو بھی درد مند کرتے، اس طرح آہستہ آہستہ نعتیہ شاعری کی آبیاری ہوتی رہی، نعتیہ شاعری کا اجتماعی پہلو محافل میلاد کی شکل لے رہا تھا جو اندلس میں قبل ازیں رواج پذیر ہو چکی تھیں، ان محافل کا قیام نعتیہ کلام کی تدوین کا متقاضی ہوا، اس طرح مجلسی ضرورت نے بھی نعتیہ شاعری کے فروغ میں نمایاں کردار انجام دیا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش بلوچ کی تحقیق کے مطابق "مولود ساتویں صدی ہجری سے مروج ہوئے"[3]

عہد سلاطین میں مدحیہ شاعری میں دو مختلف قسم کے اصحاب نظر آتے ہیں نووارد اور برصغیر جن کی عربیت مسلم اور جن کا ذوق شعر مستند تھا ان میں الفیروز آبادی اور الدمامینی نمایاں نام ہیں، برصغیر کے مقامی علماء و صوفیاء میں امام حسن الصغانی، شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی کی شعری خدمات ان کے دیگر کارناموں کے مقابلے میں ثانوی ہیں مگر بہر حال اپنا حصہ ادا کر رہی ہیں، اس دور کے ناشدہ مدح گو حضرات میں دو نام ثبت ملتے ہیں قاضی عبدالمقتدر شریحی اور مولانا احمد تھانیسری۔ ہر قاضی صاحب کا وجدانی انتخاب تھا کہ ان سے مدح گوئی کو ثبات حاصل ہوا پھر ان کے شاگردوں اور اولاد میں عربی نعتیہ شاعری کی پذیرائی ہوتی رہی، تین سو سال کے اس دور میں نعتیہ شاعری، علمی و معاشرتی، جغرافیائی و سیاسی متعدد مشکلات کے باوجود روبہ ترقی رہی اور بالآخر اس نے قابل ذکر بلکہ قابل فخر مقام حاصل کر لیا۔

بعض اصحاب ادب اور ارباب فن نے برصغیر کی عربی شاعری میں مقامی اثرات تلاش پر خصوصی توجہ دی ہے مگر زیادہ تر یہ کاوش تحقیق برائے تحقیق کے زمرے میں آتی ہے۔ سلاطین کے عہد تک سوائے اسلوب کلام میں صنائع و بدائع کی دریافت جس کے سوتے عرب سرزمین سے ہی پھوٹے تھے اور کوئی نمایاں ہیئتی یا نظریاتی تبدیلی نہیں آیا قصیدے کا ڈھانچہ قدیم روایات کے مطابق رہا اور شاعری کے ماخذ اور مطالع بھی وہی رہے کہ ابھی تک تہذیبی رد عمل کی ابتدا نہ ہوئی تھی، برصغیر کی مقامی آبادی کے بعض افراد نے اس وقت سر نکالا جب ان کی بھاری تعداد نے اسلام قبول کر لیا، یہ لوگ اپنے ماضی کو ساتھ لیے نئے دین میں داخل ہوئے اور دوسرے یہ کہ حکمرانوں کا تعلق خارج سے منقطع ہو گیا اور اب انہیں سیاست بازی کے لیے مقامی آبادی کے تعاون کی ضرورت کا احساس ہوا، خوشنودی عوام کے لیے نظریات کی شکست و ریخت شروع ہوئی اور یہ سب کچھ دور مغلیہ سے متعلق ہے اسلئے چھٹے باب میں اس کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔

---

① شعر العجم حصہ دوم ص ۱۲۳ ② ماہنامہ الجامعہ شوال المکرم ۲۰۰۰ء، ص ۳۸، بحوالہ اعجاز خسروی ③ ماہنامہ شام و سحر نعت نمبر ص ۲۳۳، سندھی نعتیہ شاعری کا مختصر جائزہ، ڈاکٹر نواز علی شوق

”المدائح النبویّہ فی پاکستان وہند“

برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری‘

الباب السادس

المدائح النبویّہ ۔ برصغیر پاک و ہند میں

۱۔ مغلیہ دور عروج میں

(۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء تا ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء)

۲۔ مغلیہ دورِ زوال میں

(۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء تا ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء)

(و) سلطنتِ مغلیہ کا دورِ عروج

۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء تا ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء

عہدِ سلاطین کا آخری فرمانروا ابراہیم لودھی (۹۳۲ھ) مغل طالع آزما ظہیر الدین بابر کے ہاتھوں دہلی کے قریب پانی پت کے میدان میں شکست کھا گیا اور قتل ہُوا۔ اس طرح برصغیر میں سلاطین کے دور کا خاتمہ ہُوا اور مغل سلطنت کی ابتدا ہوئی۔ بابر فرغانہ کی مختصر ریاست کا نو عمری ہی میں سربراہ بن چکا تھا۔ مگر خاندانی رقابت اور باہمی رنجش و دوانیوں نے اسے ایک پل بھی چین نہ لینے دیا۔ مسلسل آویزشوں نے اُسے جری تو بنا دیا تھا مگر وہ آبائی سلطنت سے مایوس ہو چکا تھا۔ کسی سہارے کی تلاش میں کابل آیا اور خوش قسمتی سے اُسے کابل کی حکمرانی مل گئی۔ اس طرح ایک دارِ امن میسر آیا۔ کابل سے اس نے برصغیر پر نظر ڈالی تو یہاں مرکزی حکومت کمزور تھی اور علاقائی امیر خود سر ہو چکے تھے۔ طاقت بٹ چکی تھی اس لیے بابر کے تجربہ کار ذہن نے فوراً ہی مستقبل کا پروگرام مرتب کر لیا اور برصغیر پر حملوں کی ابتدا کی۔ بابر پانچ مرتبہ حملہ آور ہُوا۔ پانچویں اور آخری حملے نے برصغیر کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء کو ابراہیم لودھی کے خاتمہ سے وہ تختِ دہلی کا مالک بنا۔ بابر کا چار سالہ دورِ حکومت (۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء تا ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء) داخلی استحکام کے حصول کی کوششوں میں گزرا۔ بابر کی وفات کے بعد نصیر الدین ہمایوں کو ارائے سلطنت ہُوا۔ ہمایوں (م ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء) کے ابتدائی دس سال بظاہر مستحکم حکومت کے سال تھے مگر بابر کی یلغار کے سامنے سرنگوں ہونے والے افغان سردار حالات کا رخ دیکھ رہے تھے۔ ہمایوں کی شرافتِ طبع کے باعث جونہی گرفت کمزور ہوئی مخالفانہ شورشوں کی ابتدا ہوئی جو بالآخر ہمایوں کی جلاوطنی پر منتج ہوئی۔

شیر شاہ سوری (م ۹۴۷ھ / ۱۵۴۰ء تا ۹۵۲ھ / ۱۵۴۵ء) نے خاندانِ سور کی بنیاد رکھی۔ شیر شاہ جہاندیدہ اور متحرک وجود کا مالک تھا۔ اس نے پانچ سال کے مختصر عرصہ میں اپنی خداداد صلاحیت سے رفاہِ عامہ کے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ تاریخ ہند اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی مگر اس کے جانشینوں میں حکمرانی کی ویسی صلاحیت نہ تھی اس لئے وہ جلد سمٹنے لگے اور بالآخر ہمایوں جو ایران بیٹھا حالات کا جائزہ لے رہا تھا واپس لوٹا اور معمولی مقاومت کے بعد ۹۶۲ھ / ۱۵۵۵ء کو دارالسلطنت دہلی میں فاتحانہ داخل ہُوا مگر یہ تخت نشینی اسے راس نہ آئی اور وہ جلد ہی وفات پا گیا۔ تخت کئی دعویداروں کے درمیان معلق رہا مگر بیرم خان کی فراست اور معاملہ فہمی سے آخر اکبر کے ہاتھ رہا۔

جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء تا ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) کا دورِ حکومت تقریباً پچاس سالوں پر محیط ہے۔ یہ مغلیہ حکومت کے استحکام، عروج اور انتہائی خوشحالی کا دور ہے۔ تمام خود سر امراء زیرِ دام آئے، شورشیں اور علاقے سکون آشنا ہوئے، علمی اور ادبی سرگرمیوں میں تیزی آئی اور معاشی و معاشرتی ٹھہراؤ نصیب ہُوا۔ اکبر اگرچہ ان پڑھ حکمران تھا مگر تجرباتِ زندگی نے اسے وسعتِ نظر اور معاملہ فہمی کا جوہر عطا کر دیا تھا۔ اس نے اپنے گرد ہر قسم کے علما اکٹھے کر رکھے تھے تاکہ ان کی بحث و تمحیص سے نتائج اخذ کر سکے۔ مقامی غیر مسلم آبادی سے اس نے رواداری کے سلوک کو مسلکِ حکومت بنایا اور اُن کے دل جیتنے میں کامیاب ہُوا۔ معاشی اور معاشرتی روابط نے غیر مسلموں کے ذہنوں میں گھاؤ کم کر دیا اور وہ تختِ دہلی کے قریب ہونے لگے۔ اس قرب سے اکبر کی حکومت کو استحکام ملا مگر مستقبل میں اس کے بعض بد اثرات بھی ظاہر ہوئے۔

نور الدین جہانگیر (۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) ۲۲ سال تختِ دہلی پر حکمران رہا۔ باپ سے ورثے میں اُسے ایک مضبوط حکومت ملی تھی، وہ اگرچہ لاابالی طبیعت رکھتا ہے مگر سلطنت کی ذمہ داریوں نے اسے سنبھلنے پر مجبور کر دیا اور اس نے رعایا کے دل جیتنے کے لئے فلاح کے کئی منصوبے بنائے۔ ان میں زنجیرِ عدل جسے افسانوی حیثیت حاصل ہے قابلِ توجہ ہے۔

شہاب الدین شاہجہان (۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء تا ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء) برصغیر کا انجینئر بادشاہ کہلاتا ہے۔ اُسے پرسکون ماحول ورثہ میں ملا تھا۔ برصغیر کی ساری دولت اس کے خزانوں میں اکٹھی ہو رہی تھی۔ اس نے لوگوں کی توجہ تعمیری کاموں کی طرف لگانے اور خزانے کے جائز مصرف کے خیال سے تعمیرات کی طرف توجہ دی اس طرح سرزمینِ پاک و ہند پر اپنے دائمی نقوش ثبت کر دیئے۔ شاہجہان ایک نیک فطرت اور رحمدل بادشاہ تھا۔ اُس نے اپنے تیس سال سے زائد دورِ حکومت میں علما کی سرپرستی کی، دینی فضا کو بحال کرنے اور علما و صوفیا کا وقار بحال کرنے میں انتھک کوشش کی اس لیے اُس دور کو بجا طور پر تاریخ پاک و

ہند کا سنہری دور کہا جا سکتا ہے۔

محی الدین اورنگ زیب (۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) برصغیر کے نہایت زیرک اور دیندار بادشاہ کی حیثیت سے معروف ہے۔ اورنگ زیب کی تربیت میں دینی عنصر کو سبقت حاصل تھی، اپنا رجحان بھی دین کی طرف تھا خواجہ محمد معصوم سرہندی (م ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) سے نسبتِ ارادت حاصل تھی۔ وہ حافظ قرآن تھا، قرآن کی خطاطی کا اسے ذوقِ لطیف حاصل تھا، اس کے تحریر کیے ہوئے قرآن مجید اب تک دستیاب ہیں۔ وہ منکرات سے بچنے والا شب زندہ دار زاہد تھا۔ میدانِ جنگ میں شوقِ شہادت میں عام فوجیوں کی سی زندگی گزار نے میں راحت پاتا تھا "وہ ہمیشہ باوضو رہتا اور اس کی زبان پر کلمہ طیبہ کا ہمیشہ ورد جاری رہتا ہے، نماز مسجد میں اوّل وقت جماعت کے ساتھ ادا کرتا، خضوع وخشوع کے ساتھ سنن ونوافل پڑھتا، ایام بیض کے روزوں کی پابندی کرتا، عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرتا"[1]

علامہ اقبال نے اُسے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا ؎[2]

در میان کارزار کفر و دیں   ترکش ما را خدنگ آخریں

شعلہ توحید را پروانہ بود   چوں براہیم اندریں بتخانہ بود[3]

اورنگ زیب کے عہدِ حکومت میں دین کی برتری اور علماءِ دین کو عظمت حاصل رہی، فتاویٰ عالمگیری[4] شریعتِ اسلامیہ کو عملی قالب میں ڈھالنے کی ایک باضابطہ کاوش تھی۔ اورنگ زیب نے ذی القعدہ ۱۱۱۸ھ کو دکن میں وفات پائی اور اس کی وفات کے ساتھ ہی مغلیہ دورِ عروج ختم ہُوا۔ بابر کی آمد سے لے کر اورنگ زیب کی وفات تک (۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء تا ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) کا طویل عرصہ برصغیر کی تاریخ کا سب سے نمایاں دور ہے، بابر اور ہمایوں کے مختصر ادوار کو خارج کر دیا جائے تو ایک سو پچاس سال کے قریب کے عرصے میں صرف چار حکمران تختِ دہلی پر متمکن ہوئے اور ہر ایک نے طویل حکومت کی، حکومت کا استحکام عوامی فلاح اور علمی ارتقاء کا باعث ہُوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس عرصہ میں رعایا کی فلاح وبہبود کے وہ سامان ہوئے کہ تاریخِ عالم کی نظریں اس دور کو رشک سے دیکھتی رہیں اور پوری دنیا کے ذہین افراد اس علاقہ کا رخ کرتے رہے۔ یہ دور شاندار علمی روایات کا حامل ہے، مستقل ادارے قائم ہوئے، علماء کی سرپرستی ہوئی، صوفیاء سے عقیدت قائم رہی اور دینی خانقاہیں قائم ہوئیں۔ تصنیف وتالیف پر توجہ ہوئی اور ہر شعبے میں قابلِ التفات کام ہوا، شعراء پر نوازشیں ہوئیں، شاعری اور خصوصیت سے فارسی شاعری کو بڑے موافق حالات میسر آئے۔ مگر یا ایں ہمہ اس خوش حالی اور فارغ البالی کے برے اثرات بھی ظاہر ہونے لگے، حکمرانوں کی خوشنودی چاہی جانے لگی اور کئی غلط اقدام ہوئے، شریعت اسلامیہ کے قواعد سے غفلت اور شرائع اسلامیہ کی پابندی میں مداہنت شروع ہوئی، بدعملی، بدعقیدگی تک دراز ہوئی، اور کئی نئے فرقے اور کئی نئے مکاتبِ فکر پیدا ہوئے۔ ان برائیوں کی تہہ میں اکثر معاصر تذکرہ نگاروں کے نزدیک اکبر کا کردار کارفرما ہے جس کی بے علمی سے بعض خود غرض عالموں نے خوب فائدہ اٹھایا اور اسے بے راہ روی کا خوگر بنا دیا۔

مغلیہ سلطنت کے دورِ عروج یعنی بابر سے اورنگ زیب تک کے دینی رجحانات اور مذہبی میلانات کا جائزہ لینے سے قبل مناسب ہوگا کہ اس دور کے چند نمایاں علماءِ کرام اور صوفیاءِ عظام کا مختصر تذکرہ ہو جائے تاکہ دینی وعلمی فضا کے ادراک میں عملی حوالہ پیش نظر رہے۔

علماءِ کرام

میر سید عبدالاوّل بن علاء الحسینی (م ۹۶۸ھ) جونپور کے قریب ایک قصبہ فرید پور آبائی وطن تھا۔ دکن میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی، گجرات منتقل ہوئے اور پھر وہاں سے حرمین چلے گئے۔ کئی سال حرمین میں قیام رہا واپسی پر احمد آباد میں مقیم ہو گئے۔ خانخاناں کی دعوت پر ۹۶۷ھ میں دہلی آئے اور دو سال بعد دہلی میں وفات پائی۔[5] آخری عمر میں تصوف کی طرف جھکاؤ بڑھ گیا تھا اور اکثر حالتِ استغراق میں رہتے تھے، بخاری کی شرح فیض الباری اُن کی تالیفات میں سے نمایاں ہے کہ برصغیر میں بخاری کی پہلی شرح ہے۔[6] سراجی کو نظم کیا اور مختصر السیرۃ النبویۃ بھی تحریر کی۔[7] — محمد غوث گوالیاری (م ۹۷۰ھ) شطاریہ فرقے کے اہم افراد میں سے تھے۔[8] الجواہر الخمسۃ، تصوف کی دنیا میں معروف اور اوّلیں سلسلۃ کتاب ہے۔

(۱) نزھۃ الخواطر الجزء السادس ص ۱۲۲ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۱۱ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۹۸ (۳) کلیاتِ اقبال فارسی ص (۴) تفصیل ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۲۵۹، ۲۶۰ (۵) علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۱۵۲ (۶) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۳۶ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۲۱۹ (۸) حوالہ مذکورہ ص ۲۳۶

علی متقی برہانپوری (م ۹۷۵ھ) علی متقی ۸۸۵ھ میں برہانپور میں پیدا ہوئے، نوعمر ہی تھے کہ سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں "در آوانِ سنِ ہشت سالگی پدر وی را در خدمتِ شاہ باجن چشتی کہ در برہان پور بود بردہ و مرید ساختہ بود" [۱] شیخ باجن کی وفات پر اُن کے صاحبزادے سے "خرقۂ خلافت مشائخ چشت پوشیدہ"[۲] ملتان میں بعض علماء جن میں شیخ حسام الدین متقی ملتانی نمایاں ہیں سے درسیات کی تکمیل کی، حرمین گئے تو وہاں کے محدثین خصوصاً ابن حجر مکی (م ۹۷۴ھ) سے سندِ حدیث حاصل کی، دو بار برصغیر واپس آئے آخر مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کرلی اور مکہ ہی میں وفات پائی، شیخ عبدالحق محدث کو فخر ہے کہ وقتِ وفات "سر مبارک ایشاں بر زانوئے فقیر بود"[۳] علی متقی کثیر التالیف بزرگ ہیں مگر سب سے زیادہ شہرت اُن کے مجموعۂ احادیث "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" کو حاصل ہوئی جو انہوں نے امام السیوطی (م ۹۱۱ھ) کے مختلف مجموعہ ہائے احادیث کو جمع کرکے مرتب کیا درحقیقت یہ کتاب احادیث نبویہ کا دائرہ معارف ہے اور حیدرآباد سے آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔[۴]

محمد بن احمد میانجی (م ۹۶۲ھ) خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (م ۷۵۷ھ) کے بھانجے اور خلیفہ خواجہ کمال الدین کی اولاد میں سے تھے۔ قرآن مجید کی تفسیر کاشف الحقائق جو التفسیر المحمدی کے نام سے معروف ہے متصوفانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تفسیر ہے۔[۵]

محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) شیخ علی متقی کے شاگرد تھے، عقائد اسلامیہ کے بہت بڑے مبلغ جو فرقہ مہدویہ کے ہاتھوں شہید ہوگئے، غریب الحدیث کے موضوع پر ان کی ایک نہایت قیمتی تالیف "مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار" ہے۔[۶]

مولانا جلال الدین تھانیسری (م ۹۸۹ھ) ان کی کتاب "تحقیق اراضی الہند" میں مالیہ اور عشر وغیرہ کے بارے میں قیمتی معلومات جمع ہیں۔[۷]

مفتی قطب الدین النہروالی (م ۹۹۰ھ) مفتی قطب الدین ۹۱۷ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے مکہ مکرمہ کے علماء سے کسب فیض کیا، تاریخ مکہ پر ایک نہایت مبسوط کتاب "الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام" تالیف کی یہ کتاب معلومات کا خزینہ ہے جس سے تاریخ مکہ کا کوئی طالب علم صرفِ نظر نہیں کرسکتا، "البرق الیمانی" اور "منتخب التواریخ" بھی مفتی صاحب کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔[۸] ان کی ایک کتاب "طبقات الحنفیہ" کا نام بھی ملتا ہے۔[۹] مفتی صاحب شعر بھی کہتے تھے ان کا رائیہ قصیدہ مشہور ہے۔[۱۰]

مولانا عبداللہ سلطان پوری (م ۹۹۰ھ) ایک مدت تک شیخ الاسلام رہے۔ "عصمۃ الانبیاء" متکلف عربی میں کلامی موضوع پر رسالہ ہے۔[۱۱]

شیخ رحمۃ اللہ السندھی (م ۹۹۳ھ) علی متقی کے مرید سندھی عالم تھے۔ "المناسک الصغیر" اور "المناسک الکبیر" کے مولف تھے۔[۱۲]

شیخ محمد یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ) سرینگر میں پیدا ہوئے، مقامی علماء سے درسیات کی تعلیم حاصل کی، فارسی شاعری کا ذوق تھا اس لئے مولانا جامی (م ۸۹۸ھ) کے شاگرد شاہ آنی سے تلمذ حاصل کیا انیس برس کی عمر میں سمرقند گئے اور وہاں شیخ حسین خوارزمی کے خلیفہ ہوئے، کشمیر آکر درس و تدریس میں منہمک ہوگئے دوسری مرتبہ شیخ خوارزمی کے ہمراہ حرمین گئے اور امام ابن حجر مکی (م ۹۷۴ھ) سے استفادہ کیا۔[۱۳] اُن کی تالیفات میں "مغازی النبی" کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے یہ منظوم سیرت ہے۔[۱۴] مولانا صرفی نے فیضی کی مشہور تفسیر سواطع الالہام پر تقریظ لکھی تھی۔[۱۵]

قاضی نور اللہ شوستری (م ۱۰۱۹ھ) شوستر میں پیدا ہوئے مشہد میں تعلیم پائی ۹۹۲ھ کو برصغیر آئے اور اپنے شیعی ساتھی ابوالفتح گیلانی کی وساطت سے دربار اکبری میں رسائی حاصل کی۔ اکبر قاضی نور اللہ سے بہت متاثر تھا۔ لاہور کا قاضی مقرر کیا، وفات تک اس عہدہ پر رہے نعش آگرہ لے جائی گئی عربی زبان پر عبور تھا مجالس المومنین مشہور کتاب ہے۔[۱۶] فیضی کی غیر منقوط تفسیر سواطع الالہام پر ایک توقیع لکھی جس کی تعریف و توصیف احاطۂ بیان سے باہر ہے۔[۱۷]

حاجی دبیر (م بعد ۱۰۲۰ھ) شیخ عبداللہ النہروالی الگجراتی جو حاجی دبیر کے نام سے معروف ہیں مشہور محدث اور مورخ تھے مکہ مکرمہ سے برصغیر آئے اور گجرات کے امراء کے ہاں بڑا احترام پایا "ظفر الوالہ بمظفر وآلہ" مشہور کتاب ہے جس کے پہلے حصہ میں گجرات کے مظفری سلاطین (۷۹۹ھ تا ۹۸۰ھ) کے حالات ہیں اور دوسرے میں شمالی ہند کے دیگر حکمرانوں کے حالات ہیں۔[۱۸] شیخ عبدالقادر العیدروس (م ۱۰۳۸ھ) یمن کے حضرموت خاندان عیدروس کے چشم و چراغ تھے ان کے والد ۹۵۸ھ میں حضرموت سے ہند آئے

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۲۶۳ (۲) حوالہ مذکورہ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۲۶۷ (۴) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۷۴، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۴۳ (۵) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۶۲ (۶) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۴۲ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۲۴۲ (۸) حوالہ مذکورہ ص ۲۴۵ تا ۲۴۸، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۷۷، ۲۸۹ (۹) شذرات الذہب الجزء الثامن ص ۴۲۰ (۱۰) حوالہ مذکورہ (۱۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۴۵/۲۴۶ (۱۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۹۴ (۱۳) حلوہ کشمیر ص ۲۵ (۱۴) حدائق الحنفیہ ص ۴۱۷، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ ص ۱۰۹ (۱۵) سواطع الالہام ص ۷۳۶ تا ۷۴۲ (۱۶) پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ عہد جہانگیر سے اورنگ زیب تک ڈاکٹر ظہور الدین احمد ص ۲۷۲ تا ۲۷۸ - (۱۷) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۴۳ (۱۸) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۷۸ تا ۱۸۰

اور احمد آباد میں سکونت اختیار کی۔ شیخ عبدالقادر اسی شہر میں ۹۷۸ھ کو پیدا ہوئے کہتے ہیں والدہ ایک ہندی کنیز تھیں[1] شیخ ایک ممتاز عالم اور صوفی تھے اپنے والد کے بعد احمد آباد میں حدیث اور تصوف کا درس دیتے تھے[2] احمد آباد میں وفات پائی[3] شیخ عبدالقادر متعدد کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ ان میں چند کتب یہ ہیں "النور السافر عن اخبار القرن العاشر" دسویں صدی ہجری کے علماء، صوفیاء اور امراء کے حالات جن میں معاشرتی و ثقافتی مسائل بھی ذکر کیے گئے ہیں جن سے کتاب کی کتاب کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے۔ "اتحاف الحضرة العزیزہ لعیون السیرة الوجیزة" سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے حالات پر مشتمل ہے "العروض الناضر فی من اسمہ عبد القادر" عبدالقادر نام کے چالیس بزرگوں کے حالات درج کیے ہیں[4]۔ "المنتخب المصطفیٰ من اخبار مولد المصطفیٰ" "مولد النبی[5]" "الفتوحات القدوسیہ فی الخرقة العیدروسیہ" "الحدائق الخضرة فی سیرة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ العشرة" یہ ان کی پہلی تالیف ہے جو بیس سال سے بھی کم عمر میں لکھی گئی، "شرح علی قصیدہ الشیخ ابی بکر العیدروس الصوفیة" "دیوان شعر سماہ بالروض الاریض و الفیض المستفیض" "صدق الوفا بحق الاخا فی سیرة احمد بن محمد الحضرمی باجابر[6]" اور ان کے علاوہ کئی اور تالیفات جو ان کے علم کی وسعت اور دلچسپی کی جامعیت کی خبر دیتی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) شیخ صاحب ترک خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ تاتاری حملوں کی وجہ سے ان کا خاندان سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں برصغیر ہجرت کر آیا۔ مختلف مقامات پر سکونت رہی آخر دہلی مسکن بنا۔ شیخ دہلی میں ۹۵۸ھ کو اسلام شاہ سوری کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے[8] ابتدائی تعلیم دہلی ہی میں پائی، ۹۸۵ھ میں شیخ موسیٰ بن حامد الشہید (م ۱۰۰۲ھ) کے ہاتھ پر بیعت ہوئے[9]، مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی (م ۱۰۰۱ھ) سے درس حدیث لیا اور بیعت کی، تین سال تک حرمین کے علماء سے استفادہ کیا اور آخر ۱۰۰۰ھ میں دہلی واپس آئے اور ۵۲ سال تک علوم اسلامیہ خصوصاً حدیث کی تعلیم و تدریس کرتے رہے[10]۔ خواجہ باقی باللہ نقشبندی سے نسبت ارادت قائم رہی[11]۔ پروفیسر خلیق نظامی نے آپ کی ۶۰ تالیفات کے نام گنوائے ہیں[12] مگر نواب صدیق حسن خان نے چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ۱۰۰ بتائی ہے[13]۔ شیخ محدث شعر بھی کہتے تھے اشعار کی تعداد پانچ لاکھ بتائی جاتی ہے[14]۔ اگرچہ ان کے تذکرہ نگاروں کو چند اشعار سے زیادہ دستیاب نہ ہو سکے۔ تالیفات میں سے جن کو شہرت دوام حاصل ہے یہ ہیں:

لمعات التنقیح فی شرح مشکاة المصابیح (عربی)۔ تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی (عربی) ماثبت بالسنة فی ایام السنة (عربی) فتح المنان فی تائید مذہب النعمان (عربی)۔ اشعة اللمعات فی شرح المشکاة (فارسی)۔ مدارج النبوة و مراتب الفتوة (فارسی) اخبار الاخیار (فارسی) وغیرہ[15]۔ شیخ علیہ الرحمة کے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے محمد صالح کنبوہ نے کہا، "مجمع فضائل صوری و معنوی، مولانا عبدالحق دہلوی کہ مظہر فیض حق و مہبط نور مطلق است از خاک پاک دہلی بپایۂ ظہور رسیدہ و مجموع علوم را جامع گردیدہ[16]"۔ خافی خان کہتا ہے "اصلاح و تقویٰ میں جو علم باعمل کا لازمی نتیجہ ہے ممتاز تھے[17]۔"

شیخ محب اللہ الٰہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) برصغیر میں شیخ ابن عربی کی تعلیمات کے سب سے بڑے شارح اور مفسر تھے حتیٰ کہ لوگ انہیں برصغیر کے ابن عربی اور شیخ کبیر کہتے تھے۔ فصوص الحکم کی شرح "تجلیة الفصوص"، "انفاس الخواص" اور "ترجمة الکتاب" ان کے صوفیانہ ذوق اور وجودی نظریات کی مبلغ ہیں[18]۔

ملا محمود جونپوری (م ۱۰۶۲ھ) فلسفہ اور علم کلام کے ماہر اساتذہ میں سے تھے۔ ان کی تصنیف "الشمس البازغة" کو فلسفہ کی بنیادی نصابی کتاب کی حیثیت حاصل ہے اور تمام مدارس نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ یہ کتاب ان کی اپنی تصنیف "الحکمة البالغہ" کی شرح ہے[19]۔ الحاشیہ علی میر قطبی

(۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۸۰ (۲) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۱۹۳، ۱۹۴ (۳) نزھة الخواطر الجزء الخامس ص ۲۳۶ (۴) الاعلام الجزء الرابع ص ۱۹۲ (۵) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۹۱ (۶) نزھة الخواطر الجزء الخامس ص ۲۳۹ (۷) تاریخ آداب اللغة العربیہ جرجی زیدان الجزء الثالث ص ۳۱۵ (۸) حیات شیخ عبدالحق دہلوی ص ۸۰ (۹) حوالہ مذکورہ ص ۱۲۱۔ نزھة الخواطر الجزء الخامس ص ۲۰۲ (۱۰) نزھة الخواطر الجزء الخامس ص ۲۰۳ (۱۱) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۳۲ (۱۲) حوالہ مذکورہ ۲۱۱ تا ۳۲۱ (۱۳) اتحاف النبلاء ص ۳۰۲ (۱۴) حوالہ مذکورہ، و تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۰ (۱۵) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۱۱ تا ۳۲۱، نزھة الخواطر الجزء الخامس ص ۲۰۲ تا ۲۰۹ (۱۶) عمل صالح الموسوم بہ شاہجہان نامہ جلد سوم ص ۳۸۸ (۱۷) منتخب اللباب حصہ اول ص ۲۵۱ (۱۸) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۳۰۰ تا ۳۰۲ (۱۹) حوالہ مذکورہ ص ۲۴۸

اور الفوائد شرح الفوائد بھی ان کی تالیفات میں سے ہیں۔[1]

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور مولانا کمال الدین بن موسیٰ (م ۱۰۱۷ھ) سے تعلیم پائی اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ان کی شہرت دور و نزدیک تک پھیلی، شاہان مغلیہ خصوصیت سے شاہجہان اُن کا بہت معتقد تھا اُس نے آپ کو دو مرتبہ چاندی میں تول دیا تھا۔ علامہ حسنی کہتے ہیں ''وزنه شاه جهان بن جهانگیر التیموری صاحب الهند مرتین بالفضة فی المیزان ومنحه ما جاء فی الوزن و هو کل مرة ستة الآف من النقود''۔[2] مولانا آزاد بلگرامی کہتے ہیں'' الحق در جمیع فنون درسی مثل او از زمین ہند بر نخاست''۔[3] صاحب ماثر الامراء کی رائے ہے کہ (ملا عبدالحکیم) جو علم و دانش میں اساتذہ قدیم سے فاضل تر تھے اور ان سے بہتر کوئی دوسرا شخص ہندوستان میں نہ تھا۔[4] اُن کی تالیفات میں سے اکثر کتب مدرسیہ کے حواشی ہیں۔ ان میں حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ مقدمات تلویح، حاشیہ مطول، حاشیہ شرح شریفیہ شرح مواقف حاشیہ شرح عقائد التفتازانی، حاشیہ خیالی، حاشیہ شرح شمسیہ، حاشیہ عبدالغفور، حاشیہ شرح عقائد ملا جلال دوانی وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ سیالکوٹ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔[5]

عبدالرشید جون پوری (م ۱۰۸۳ھ) درسیات کے عالم تھے۔ علم مناظرہ میں اُن کی مشہور تالیف'' الآداب الرشیدیہ فی شرح الآداب الشریفیہ فی المناظرة'' جسے عموماً رشیدیہ کہا جاتا ہے بطور نصاب مدارس نظامیہ میں شامل ہے۔[6]

میرزا محمد زاہد ہروی (م ۱۱۰۱ھ) فلسفی عالم جنہیں اورنگ زیب کی سرپرستی حاصل تھی اکثر کتب فنون پر حواشی لکھے مثلاً ''الحاشیہ علی الامور العامہ من شرح المواقف، الحاشیۃ الزاهدیۃ القطبیہ، الحاشیہ شرح الدوانی علی تہذیب المنطق، الحاشیۃ علی رسالۃ التصور والتصدیق لقطب الدین'' ان کے حواشی برصغیر کے مدارس میں بہت مقبول ہوئے۔[7]

ملا قطب الدین سہالوی (م ۱۱۰۳ھ) خاندان فرنگی محل کے جد اعلیٰ اور ملا نظام الدین سہالوی کے والد گرامی تھے۔ معقول و منقول کے عالم تھے۔ خاندانی نسبت حضرت ابو ایوب انصاری سے تھی، اسلامی علوم پر عبور تھا درسیات کی کئی کتب مثلاً'' التلویح، تفرلیعات البزدوی، مطول التفتازانی، شرح حکمۃ العین کے حواشی لکھے۔[8] سہالی کے شیخ زادے دو فریق تھے عثمانی اور انصاری۔ عثمانیوں نے شب خون مارا تو ملا قطب الدین شہید ہو گئے۔[9]

ان علمائے کرام کے علاوہ بھی کثیر تعداد ایسے علماء کی تھی جو درس و تدریس میں مشغول رہے جنہیں علوم درسیات میں مہارت حاصل تھی لیکن بنظر امعان دیکھا جائے تو ان میں بیشتر اصحاب مدرسین کے زمرے میں آتے ہیں۔

صوفیاء عظام

علماء کرام کے تذکرے کے ساتھ صوفیائے کرام کا ذکر بھی بہت ضروری ہے تاکہ علم ظاہر اور علم باطن کا پہلو بہ پہلو جائزہ لیا جا سکے مغلیہ دور عروج میں جو سلاسل تصوف زیادہ فعال کردار ادا کرتے رہے اُن میں چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ شامل ہیں۔ ان کی سلاسل کی خانقاہیں برصغیر کے مختلف اطراف میں پھیل چکی تھیں، ان کی خاموش مگر فعال خدمت سے بہت سے فیضے جاری رہے۔ ان سلسلوں کے چند مشہور صوفیاء کے اسماء گرامی مع مختصر تعارف درج کیے جاتے ہیں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ) عبدالقدوس بن اسماعیل الحنفی الردولوی الگنگوہی سلسلہ چشتیہ کے مشہور صوفیاء میں سے تھے علوم درسیہ کی چند کتابیں پڑھی تھیں کہ تعلیم ترک کر کے شیخ احمد بن داؤد العمری الردولوی کی قبر پر چلہ کشی کرنے لگے مگر یہ سوچ کر کہ'' التصوف بدون العلم کالطعام بغیر الملح'' حصول علم کی طرف لوٹ آئے، تعلیم مکمل کر کے شیخ احمد الردولوی سے خرقہ پہنا، شاہ آباد گئے پھر گنگوہ میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں

---

(۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۵۷، ۳۰۰ (۲) نزہۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۲۱۰ (۳) ماثر الکرام ص ۱۹۳ (۴) ماثر الامراء جلد دوم ص ۳۱ (۵) ماثر الکرام ص ۱۹۳، ۱۹۴، نزہۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۲۱۱ (۶) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۰۵ تا ۲۰۷ (۷) تفصیل ملاحظہ ہو ماثر الکرام ص ۱۹۸ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۲۷، ۱۹۲، ۲۰۰، ۲۲۷، ۲۴۳، ۲۶۰ (۸) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۴۲ (۹) ماثر الکرام ص ۱۹۸، ۱۹۹

وفات پائی۔ شیخ عبدالقدوس صاحبِ علم صوفی تھے اس لیے بعض مفید کتب بھی ان کے قلم سے تیار ہوئیں۔ "عوارف المعارف" کی فیض شرح "التعرف" پر حاشیہ لکھا، "انوار العیون و اسرار المکنون" سات فنون پر محیط کتاب لکھی۔ شیخ کی شطحیات مشہور ہیں جن کی وجہ سے موافق اور غیر موافق رد عمل ہوتا رہا ہے۔[1]

شیخ سلیم چشتی (م ۹۷۹ھ) شیخ سلیم ۸۹۷ھ میں پیدا ہوئے سلسلہ نسب حضرت بابا فریدالدین گنج شکر سے ملتا ہے فتح پور سیکری میں رہائش کر لی تھی شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا بڑا اہتمام تھا، صائم الدہر تھے، نماز پنجگانہ میں جماعت فوت نہ ہوتی تھی ۲۹ رمضان کو وفات پائی اور فتح پور ہی میں دفن ہوئے۔[2] خافی خان لکھتا ہے حضرت شیخ سلیم چشتی سیکری اس وقت کے صاحبِ ریاضت بزرگ تھے۔ خود بادشاہ نے ان کی بہت سی کرامتیں اور خوارق مشاہدہ کیے تھے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کافی عرصہ بسر کیا تھا اور ۲۲ حج کیے تھے۔ جہانگیر کی ولادت انہیں کی دعاؤں کا نتیجہ تھا اس لیے اس کا نام سلیم برکت کی خاطر ان ہی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اکبر نے شہر فتح پور بھی شیخ سلیم کی عقیدت میں آباد کرایا تھا۔[3]

سید موسیٰ پاک شہید (مابعد ۹۸۵ھ) سید موسیٰ گیلانی، سید حامد المعروف بہ حامد گنج بخش (م ۹۷۸ھ) کے فرزند اور خلیفہ تھے والد کی وفات پر بھائیوں سے جھگڑا ہو گیا تو سید موسیٰ اوچ چھوڑ کر ملتان آ گئے، شیخ عبدالحق محدث ان کے مرید تھے اور آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ متبع شرع بزرگ تھے۔[4] ملتان میں پاک گیٹ کے اندر آپ کا مزار مرجع عام و خاص ہے۔

بابا داؤد خاکی کشمیری سہروردی (م ۹۹۴ھ) کشمیر کے مشہور عالم و صوفی۔ چک خاندان کی فتنہ پردازیوں سے تنگ تھے اس لیے اُن کے عہد میں کشمیر میں داخل نہ ہوئے، ۹۹۴ھ میں اکبر نے کشمیر کو اس ظلم سے نجات دلائی اور اپنی حکومت کا حصہ بنا لیا، بابا داؤد واپس آئے مگر اسی سال انتقال ہو گیا ورد المریدین، دستور السالکین، شرح ورد المریدین، قصیدہ جلالیہ اور رسالہ غسلیہ اُن کی تصانیف میں سے ہیں۔[5]

خواجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ) سلسلہ نقشبندیہ کے سرزمین ہند میں سرخیل، رشد و ہدایت کے منبع اور ردِ بدعات کے پرجوش مجاہد تھے کابل میں ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے، والد قاضی عبدالسلام کابل کے معتقد علماء میں سے تھے[6] ابتدائی تعلیم کابل ہی میں حاصل کی، خواجہ عبیداللہ احرار سے کسبِ فیض کیا، کشمیر میں بابا ولی (م ۱۰۰۱ھ) سے بھی متمتع ہوئے مگر دل کی پیاس نہ بجھی، آخر کار انہیں خواجہ محمد امکنگی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور انہیں کے حکم سے ۱۰۰۷ھ میں لاہور تشریف لائے ایک سال لاہور میں قیام رہا پھر دہلی چلے گئے۔ خواجہ باقی باللہ نے عہدِ اکبری پر محیط فتنہ الحاد کے خلاف بڑا فعال کردار ادا کیا، آپ نے دیگر صوفیاء کی طرح خانقاہ نشینی اختیار نہ کی بلکہ عملی زندگی میں برسرِ اقتدار لوگوں کی اصلاح کیلئے ان سے ربط و ضبط بڑھایا، سہروردی سلسلے نے قبل ازیں یہی روش اختیار کی تھی مگر مغلیہ دور میں ان کے اثرات تقریباً ناپید ہو چکے تھے۔ خواجہ باقی باللہ نے ارکانِ حکومت میں سے بعض منتخبہ افراد کو اپنی خداداد صلاحیت سے حلقہ بگوش بنایا اور ان کے ذریعے حکومت کا رخ اسلامی تعلیمات کی طرف موڑنے کی کامیاب سعی کی۔ خواجہ بلند اقبال کا مشن اُن کے مریدوں نے جاری رکھا جن میں حضرت مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مرزا حسام الدین، شیخ تاج الدین سنبھلی، شیخ اللہ داد اور خواجہ محمود نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ حضرت خواجہ نے جوان عمری ہی میں وفات پائی اور "قدم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متصل کہ شاہجہان آباد کے قریب ہے کہ پہلے وہاں آبادی نہیں تھی ان کی خانقاہ تھی اُسی جگہ آسودہ ہیں"۔[7]

شاہ ابوالمعالی (م ۱۰۲۴ھ) سلسلہ قادریہ کے برگزیدہ صوفیاء میں سے ہیں کرمان کے سادات میں سے تھے، خاندان کرمان سے برصغیر آیا اور مختلف جگہوں پر قیام رہا، آخر دیپالپور کے قریب شیر گڑھ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہاں ہی ۹۶۰ھ کو شاہ ابوالمعالی خیر الدین پیدا ہوئے اپنے چچا شیخ داؤد شیر گڑھی کے مرید اور خلیفہ تھے، ۱۰۱۱ھ یعنی ۵۱ سال کی عمر میں لاہور آئے اور وفات تک لاہور ہی رہے۔ شیخ عبدالحق محدث کو آپ سے بڑی عقیدت تھی "تحفۃ القادریہ" مشہور تالیف ہے، چند اور کتب بھی ہیں مگر شاہ ابوالمعالی نے فارسی کو ذریعہ اظہار بنایا ہے، فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے جن پر تصوف کا رنگ غالب ہے۔[8]

مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) جن دنوں اکبر اپنی نافہمی سے دین میں نئے فتنے اٹھانے کا موجب بن رہا تھا انہی ایام میں حضرت مجدد الف

(۱) نزہۃ الخواطر الجزء الرابع ص ۱۹۸، ۱۹۹۔ اخبار الاخیار ص ۲۲۷ تا ۲۳۰ (۲) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۴ ص ۱۹۸ (۳) منتخب اللباب حصہ اوّل ص ۲۵۱ (۴) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۲۷، ۱۲۹ (۵) حدیقۃ الاولیاء مفتی غلام سرور ص ۱۹۶ (۶) رود کوثر ص ۱۹۰ (۷) منتخب اللباب حصہ اوّل ص ۱۵۰ (۸) تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو گلزار ابرار ص ۲۰۷، بزرگان لاہور تنگریانی ص ۲۲ تا ۲۲۳، اولیائے لاہور لطیف ملک ص ۳۱ حاشیہ، مآثر لاہور منشی محمد دین فوق، نقوش لاہور نمبر ص ۲۵۱ تا ۲۵۲، نزہۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۳۲ تا ۳۴، پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ج ۱ و ج ۲ پرسے اور مہر نیگ ڈاکٹر ظہور الدین احمد ص ۱۰۲۳، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند جلد ۴ فارسی ادب ص ۲۱۱، ۲۱۲، شاہ ابوالمعالی صوفی شاعر مضمون روزنامہ نوائے وقت ۲۲ مارچ ۱۹۶۲ء ص ۱۲ تا ۱۴، حیات شیخ عبدالحق محدث خلیق ص ۲۱۹ تا ۲۲۲

ثانی کی تحریک دعوت وارشاد نے مسلمانانِ ہند کی راہنمائی کا بیڑا اٹھایا۔ آپ کی بے باکانہ روش اور علمی کارناموں سے جلد ہی اکبری الحاد اپنی موت مرگیا، یہ عظیم کارنامہ انجام دینے والی ہستی ۹۷۱ھ کو بمقام سرہند پیدا ہوئی، نام احمد، لقب بدر الدین، کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربانی ہے، والد شیخ عبدالاحد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید اور بڑے صاحب نسبت اور صاحب علم بزرگ تھے، والد سے تعلیم پائی پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری سے معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں، حدیث میں آپ کے استاد مولانا یعقوب کشمیری صرفی تھے، دیگر کتب قاضی بہلول بدخشانی سے پڑھیں،[1] حضرت مجدد اکثر سلاسل اولیا میں بیعت تھے مگر انہیں سکون واطمینان سلسلہ نقشبندیہ میں نصیب ہوا، خواجہ باقی باللہ کے دست حق پرست پر بیعت کے بعد انہیں اپنی منزل مل گئی اور آپ خدمت دین میں منہمک ہوگئے، اکبری الحاد کے اثرات جہانگیر کے دور تک ممتد تھے چنانچہ حاسدوں نے اس عظیم راہنمائی کی راہ کاٹنے کے لئے ایسے ہربے لگائے اور بالآخر آپ کو دربارِ دہلی میں بلایا گیا، سجدہ تعظیمی سے انکار پر گرفتار ہوگئے اور تقریباً ایک سال گوالیار کے قلعہ میں قید رہے حقیقتِ حال معلوم ہونے پر جہانگیر نے معذرت چاہی اور رہا کر دیا، آپ حسب سابق تبلیغ دین میں مشغول ہوگئے، سرہند میں وفات پائی اور دفن ہوئے۔ شیخ مجدد کا سب سے بڑا کارنامہ ان آلودگیوں کو دور کرنا تھا جو دین کے نام پر رواج پارہی تھیں اور شاہانِ مغلیہ کی خودسرانہ روش سے پھیلتی جارہی تھیں، رعایا کی خوشنودی میں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں مقامی پیوندکاری ہونے لگی تھی، ضرورتِ نبوت کے نظریے پر زد پڑرہی تھی اس لئے آپ نے اپنی تعلیمات میں اس نظریہ کی ترسیخ پر توجہ دی، "اثبات النبوۃ" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کے علاوہ "الرسالۃ التہلیلیۃ"، رسالۃ فی المبدء والمعاد، رسالۃ فی المکاشفات الغیبیۃ، رسالۃ فی آداب المریدین، رسالۃ فی العلم والدنیا، رسالۃ فی الرد علی الشیعۃ، تعلیقات علی عوارف المعارف اور سب سے گراں قدر "مکتوبات"[2] آپ کے تجدیدی کارناموں کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں، حضرت مجدد نے اسلام کو کفر والحاد کی آلودگی اور بھگتی تحریک کے اثرات سے پاک کر کے وہ کارنامہ انجام دیا کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے آپ کو "مجدد الف ثانی" کے خطاب سے یاد کیا۔[3]

میاں میر لاہوری (م ۱۰۴۵ھ) فاروقی النسل بزرگ سیوان سندھ میں ۹۵۷ میں پیدا ہوئے، علوم دینیہ کے ساتھ علوم سلوک بھی حاصل کیا، ۲۸ سال کی عمر میں لاہور آگئے اور آخر عمر تک لاہور ہی میں مقیم رہے، طریقہ قادریہ کے مشہور بزرگ جن کے خیالات پر وجودی نظریہ تصوف کی چھاپ بہت گہری ہے۔ ملا شاہ قادری (م ۱۰۷۲ھ) اور شہزادہ دارا شکوہ (م ۱۰۶۹ھ) آپ کے با صفا مریدوں میں سے ہیں، ان دونوں مریدوں پر وجودی اثرات اتنے گہرے تھے کہ آخر علما اسلام کو ان کے خلاف آواز اٹھانا پڑی۔

ان مذکورہ بالا بزرگوں کے علاوہ ہر سلسلہ تصوف میں نسل در نسل صوفیا کی ایک بڑی تعداد پھیلتی گئی اور برصغیر کے ہر گوشے میں خانقاہیں اور زاویے قائم ہوئے، ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

نقشبندیہ میں۔ شیخ طاہر بندگی (م ۱۰۴۰ھ) شیخ تاج الدین سنبھلی (م ۱۰۵۰) شیخ آدم بنوری (م ۱۰۵۳ھ) شیخ محمد معصوم سرہندی (م ۱۰۷۹ھ)

چشتیہ میں۔ شیخ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۰۷۵ھ) شیخ احمد شوریانی (م ۱۰۰۲ھ) شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری (م ۱۰۲۹ھ) شیخ اخوند درویزہ پشاوری (م ۱۰۴۹ھ) شیخ محمد بن ابی سعید کالپوری (م ۱۰۷۱ھ) شیخ عبدالوہاب مانکوادی پشاوری (م ۱۰۷۳ھ) شیخ عبدالحق لاہوری (م ۱۰۷۳ھ) اور مولانا عبدالرشید جونپوری (م ۱۰۸۳ھ)

قادریہ میں۔ شاہ نعمت اللہ قادری (م ۱۰۷۵ھ) سلطان باہو قادری (م ۱۱۰۳ھ)

سہروردیہ میں۔ شیخ بابا نصیر الدین کشمیری (م ۱۰۴۷ھ) شیخ عبدالرزاق مکی (م ۱۰۴۹ھ) مولانا حیدر کشمیری (م ۱۰۵۷ھ) شاہ دولہ گجراتی (م ۱۰۷۵ھ) مولانا محمد اسماعیل شیخ وڈھا لاہوری (م ۱۰۸۵ھ)

---

(۱) رود کوثر ص ۲۰۹ (۲) نزہۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۴۳ (۳) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد ۵ فارسی ادب ص ۲۱۶

دورِ زیرِ بحث کے علماء اور صوفیاء کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا جس سے اس دور کی علمی، دینی اور روحانی سطح کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ علمائے کرام میں کئی سربلند اور قابلِ فخر ہستیاں موجود ہیں مثلاً علی متقی، یعقوب صرفی، عبدالقادر عیدروسی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی۔ ان علماء پر برصغیر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ مگر ان علمائے کرام کی علمی نگارشات کا تنقیدی تجزیہ کیا جائے تو سوائے علی متقی کی کنز العمال اور شیخ عبدالحق محدث کی حدیث و سیرت پر وقیع تصنیفات کے باقی سب پر تقلیدی رنگ نظر آتا ہے۔ کنز العمال ایک گرانقدر تالیف ہے مگر یہ بھی مستقل بالذات نہیں ہے۔ علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی خوشہ چینی اور ان کے مجموعے پر حاشیہ آرائی یا اضافے کا نام ہے۔ شیخ عبدالحق کی مشکوٰۃ پر شرحیں اُن کی جلالتِ علمی پر شاہد ہیں مگر اس علمی خدمت کو بھی شرح کے ضمن میں ہی شمار کیا جائے گا۔ مدارج النبوۃ' شیخ محقق کی مستقل تصنیف اور بلند ترین علمی کارنامہ ہے مگر فارسی میں ہے۔ باقی علمائے کرام درسی کتب کی تصنیف یا اُن پر شرح یا حاشیہ آرائی میں مشغول نظر آتے ہیں۔ برصغیر کے نظامِ درسیات میں چند کتابوں کو مستقل طور پر شاملِ درس کر لیا گیا تھا۔ یہ کتب نصابِ تعلیم کی بنیاد بن گئی تھیں اس لیے ہر طالب علم کو ان کی ضرورت تھی۔ متن مختصر ہوتے تھے اور پھر ان پر علماء کی فلسفیانہ نظر اور منطقی طرزِ استدلال حاشیہ در حاشیہ کی منزلیں طے کرتے رہے۔ حاشیہ آرائی کا شوق اس قدر فراواں تھا کہ متن گھٹ کر رہ گیا تھا۔ درسیات میں ایک ہی متن کی متعدد شروح پڑھائی جاتی تھیں۔ پہلے سال طالب متن نے اگر متن پڑھا ہے تو دوسرے سال اس کی شرح اور تیسرے سال شرح کی شرح اور یوں یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا۔ مثال کے طور پر منطق پر نجم الدین الکاتبی (م ۶۷۵ھ) کی کتاب 'الشمسیہ' ایک نصابی متن ہے۔ اس پر قطب الدین محمود رازی (م ۷۶۶ھ) نے شرح لکھی جو قطبی کے نام سے مشہور ہے پھر سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) نے شرح کی شرح لکھی جسے میر قطبی کہا جاتا ہے۔ برصغیر میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) نے 'الحاشیہ علی میر قطبی' کے نام سے جرجانی کی شرح پر حاشیہ لکھا بلکہ مولانا نے قطبی پر براہِ راست حاشیہ بھی تحریر کیا۔ پھر مولانا محمود جونپوری (م ۱۰۶۲ھ) نے بھی 'الحاشیہ علی میر قطبی' لکھا۔ اس سے شروح اور حواشی کی کثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ ساری کاوشیں طالب علموں کی سہولت اور ابلاغ و تدریس کے زمرے میں آتی ہیں جن کی اہمیت مسلّم مگر ان کا کوئی مستقل مقام نہیں ہوتا۔ درسیات پر ساری توجہ مبذول ہونے کی بنا پر علمی مستقل علوم اور نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے علمی کارنامے انجام نہ دیے جاسکے۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علوم و فنون پر نظر ڈالی جائے تو خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ ایک ذات میں اتنے علوم کیسے اکٹھے ہو گئے۔ یقیناً وہ نابغۂ روزگار تھے ان کی تحریر وقیع اور اندازِ تجسس پرداز وسیع اور متوازن تھا مگر درسیات کے شغف نے انہیں حواشی و شروح میں الجھائے رکھا اور اس طرح برصغیر کسی 'بڑے علمی کارنامے' کے صدور سے محروم رہ گیا جسے وہ فخر سے عالمِ اسلام کے سامنے پیش کر سکے۔ ان حالات کو پیشِ نظر رکھا جائے اور علماء کے نتیجۂ فکر کا تجزیہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ایک غیر مرئی مگر مضبوط جال ذہنوں کے گرد بنا گیا تھا جس نے علماء کی ذہنی صلاحیتوں کو ایک خاص مرکز کے گرد گھومنے پر مجبور کیے رکھا۔ پونے دو سو سال کی مسلمان سلطنت اور پورے برصغیر کی مجموعی توانائیوں کا نتیجہ اتنا حوصلہ بخش نہیں ہے جتنا ہونا چاہیے تھا۔ ذہنوں پر چھائی ہوئی گھٹن کی شدت شاید اس وقت محسوس نہ ہوئی ہو گی مگر آج کا طالب علم بڑے کرب کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ قوموں کی قدرت کی طرف سے اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے مواقع بار بار نہیں ملتے اور اگر کوئی قوم ہاتھ آئے وقت کو ضائع کر دے تو صدیاں بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتیں۔

صوفیاء کے کارنامے سیاسی کارکنوں کے کارہائے نمایاں سے کہیں زیادہ درخشاں اور ممتاز ہیں۔ انہوں نے دل کے راستے سے اپنے مشن کو فروغ دیا۔ دل سے اٹھی ہوئی بات مقابل کے دل پر دستک دیتی ہے خواہ وہ اسے ان سنا کر دے۔ صوفیا کی بے لوث زندگیاں، ان کے پختہ کردار، اُن کا اندازِ تبلیغ اور اُن کی ذہنی و قلبی صلاحیتیں اپنا رنگ دکھاتی رہیں اور کفر کے دل میں انقلاب برپا کر کے حلقہ بگوشانِ اسلام کی صف میں معتد بہ اضافہ کرتی رہیں۔ عہدِ سلاطین میں صوفیائے کرام کے عظیم کارنامے کبھی فراموش نہیں کیے جاسکتے۔ حکومت اگر حالات سازگار بنا دے تو تبلیغ کا کام آسان ہو جاتا ہے اور اگر حاکمِ وقت مسلمان ہوتے ہوئے بھی راستے کا پتھر بنے تو اثرات کمزور اور نتائج حوصلہ شکن ہوتے ہیں۔ سلاطینِ دہلی کا کردار عموماً ہمدردانہ بلکہ مخلصانہ رہا اس لیے تبلیغ کے دروازے کھلے اور برصغیر کی کثیر آبادی مسلمان ہوئی۔ مغلیہ دور میں بدقسمتی سے ماحول ذرا تبدیل ہو گیا۔ ایک خاندان کی طویل حکومت اور مستقل حکمرانی نے ان کا حکومت پر استحقاق ثابت کر دیا۔ جو وسوسہ علاء الدین خلجی کے ذہن میں اٹھا تھا، مگر علمائے حق کی بروقت مخالفت اور بروقت گرفت نے اُسے پنپنے کا موقع نہ دیا وہ مغلیہ دور میں پروان چڑھنے لگا۔ بابر آندھی کی طرح ہند میں آیا تھا اور بگولے کی طرح نکل گیا۔ ہمایوں داخلی انتشار کا شکار ہو گیا، پندرہ سال ایران

میں سہارا رہنے پر مجبور ہوا۔ مہربانوں نے خاطر مدارات کی، مشورے بھی دیئے اور رہبر پرستانہ راہ نمائی بھی کی۔ ایرانی تاجداروں کے دینی رجحانات کا اثر مغل کے افکار پر پڑا۔ بیرم خاں کا وجود ان خیالات کے لیے معاون بنا اور شیخ مبارک ان خیالات میں پختگی کا سبب بنا جس سے بالآخر دینی ذہنوں میں انتشار جنم لینے لگا۔ اس ذہنی پراگندگی کا مظہر وہ محضر نامہ ہے جو اکبر کے عہد میں علماء سو کے تعاون سے تیار ہوا۔

دینی معاملات میں آزاد خیالی کا محرک وہ جذبہ تھا جو حکمرانوں کو غیر مسلم رعایا کی خوشنودی حاصل کرنے پر اکساتا تھا۔ خوشنودی عوام میں غلو سے رضائے الٰہی کے داعیات کمزور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان صفوں میں مختلف نظریات پیدا ہونے لگے جنہوں نے بعد میں باقاعدہ فرقوں کا روپ دھار لیا مثلاً۔

شطاریہ، جس کے اہم ترین مبلغ شیخ محمد غوث گوالیاری (م ۹۷۰ھ) ہیں۔ زہد و ریاضت میں غلو کرتے تھے مگر بعد میں بعض اعمال و نظریات میں مقامی اثرات کا شکار ہوئے۔ ان کا رسالہ 'معراجیہ' نہ صرف یہ کہ ان کے صاحب معراج ہونے کے دعوی پر مشتمل ہے بلکہ بالواسطہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منفرد حیثیت کی نفی بھی ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب 'بحر الحیات' مراجعۃ 'امرت کنڈ' کا ترجمہ ہے اور اس میں، ہندو ریاضت کے اطوار و اشغال کو مقبول بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔[1]

مداریہ جو شاہ بدیع الدین مدار (م ۸۴۰ھ) سے منسوب ہے۔ اس میں ترک دنیا کا رجحان بڑھا بالآخر انہوں نے ہندو جوگیوں کی طرح ایک بالشت لنگوٹی پر اکتفا کر لیا اور بدن پر راکھ ملنا شروع کر دیا۔[2]

نقطویہ۔ کی بنیاد محمود بسیوانی نے ۸۰۰ھ میں رکھی تھی یہ فرقہ بتدریج الحاد کی طرف مائل ہوتا گیا۔ ما فرادوا میں ہے "انکار حشر و نشر و قیامت نماید و مکافات حسن و قبح اعمال و جنت و نار در عافیت و مذلت دنیا قرار دہند"[3] کہا جاتا ہے کہ ابو الفضل بھی نقطوی فرقہ کا پیرو تھا۔[4]

روشنیہ کا بانی بایزید بن عبداللہ انصاری (م ۹۸۱/۹۸۲ھ) تھا۔ مدت تک مغل حکمرانوں کے خلاف برد آزما رہا اور ساتھ ساتھ اپنے عقائد کی تبلیغ میں بھی کوشاں رہا۔ اس نے کئی نئے خیالات دین میں داخل کیے مثلاً نماز میں محدود ہونا، غسل میں پانی استعمال کرنا غیر ضروری قرار دیا۔[5]

ان مختلف نو خیز فرقوں کے عقائد میں بدیہی نظر سے بھی ہندو اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ ریاضت میں غلو، ترک دنیا کا رجحان، لنگوٹی کا استعمال، قیامت کا انکار اور خاک آلود بدن کا تصور ہندو مذہب کے مطالعے سے ہوئے نظریات ہیں۔ بعد کی مرکزیت سے انکار، وحدتِ اسلامی کے خلاف سازش اور دنیا سے بے تعلقی کا سبق بے عملی کی دعوت تھا تاکہ مسلمان اس برصغیر میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل نہ رہیں۔ اس اندرونی خلفشار اور اسلامی معاشرے کی شکست و ریخت کی کاروائی کے ساتھ ساتھ وہ العمل السیاسی تحریکیں جنم لے رہی تھیں جن کا مقصد اسلامی تشخص کو ختم کرکے برصغیر کی ساری آبادی کو پھر قدیم آریہ ورت کے زیر سایہ لانا تھا۔ بھگتی تحریک کا محاسبہ ہمارے موضوع سے خارج ہے مگر اس کی عملی کارگزاری اور نظریاتی اٹھان کا تجزیہ کیا جائے تو وحدت ادیان کا ہندو تصور صاف ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ برصغیر کا ہندو ہر دوسرے مذہب کو میٹھی چھری سے ذبح کرتا آ رہا تھا۔ بدھ مت کو اسی سازش نے ملک بدر کر دیا تھا۔ یہ آزمودہ طریق کار مسلمانوں کے خلاف آزمایا جا رہا تھا۔ یہ تو علمائے حق کی استقامت اور مجدد الف ثانی[6] کا تجدیدی کارنامہ ہے کہ کفر بلا خوف آشکار ہو گیا اور مسلمان ان کی نذر سازشوں سے بچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سلسلے میں شاہان مغلیہ میں سے اکبر کا کردار انتہائی خطرناک روش کا حامل ہے۔ اکبر ان پڑھ تھا وہ ماحول ہی سے خیال چنتا تھا۔ بدقسمتی سے اُسے ایسے علماء کا حصار میسر آیا جن میں دولتِ تقوی کی کمی تھی۔ یہ لوگ سیاسی مصالح کی خاطر ہر قسم کا فیصلہ کرنے کو تیار رہتے تھے اور انہیں خوشنودی شاہ پر ترجیح ترقی جس کی اپنے دین سے بھی۔ چاپلوس افراد کی سرشت ہوتا ہے کہ وہ شاہ سے بڑھ کر شاہ پرست ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے نشہ اقتدار میں مست اکبر کو نت نئے مشورے دیئے جن سے وہ حد اعتدال سے تجاوز کر گیا اور بادۂ غرور و لاف و غرور کے زعم باطل میں گرفتار ہو گیا۔ اکبر کے دماغ کو خود سر بنانے کیلئے ان خوشامدی افراد نے کیا کچھ کیا اس کا اندازہ ابوالفضل (م ۱۰۱۱ھ) کے اس بیان سے ہوتا ہے جو وہ اکبر کے ناخواندہ ہونے کی توجیہ میں پیش کرتا ہے۔ رکھتا ہے "دانشوری این بادشاہ و دانشوران از قسم موہبتے ست نہ از جنس مکتسبی"[6] یہ توجیہ اکبر کو صفِ پیغمبران میں شامل کرنے کی کوشش کا مظہر ہے۔ ابھی دونوں حرم مکہ سے ایک خواب کی حکایت اکبر تک پہنچائی گئی کہ خواب میں نظر آیا "کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں کھڑے ہیں اور اکبر بیٹھا ہے" وجہ پوچھی تو فرمایا اب اسی کا زمانہ ہے۔ خداوند ناموس کا صاحب الزمان (مہدی آخر الزمان) جلال الدین اکبر ہے[7] ۹۸۷ھ میں ملا مبارک سے ایک محضر نامہ تیار کرایا گیا جس میں درج تھا "بادشاہ خلیفۃ الزمان اور امام عہد و اجب الاطاعت ہے اور اس کو حق پہنچتا ہے کہ مسائل مختلف فیہا میں حسبِ ضرورت وقت اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد واجب العمل ہے۔[8] اور آخر وقت آگیا کہ اکبر نے دینی حیثیت اور تشریعی مطلق العنانی کا اعلان کر دے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ سید محمد لطیف لکھتے ہیں۔

① رود کوثر ص ۳۶۹ تا ۳۷۲، و تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۱۹ ② رود کوثر ص ۲۰ ③ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۲۰ ④ حوالہ مذکورہ
⑤ حوالہ مذکورہ ص ۲۲۰، ۲۲۱ ⑥ بزم تیموریہ ص ۵۵ ⑦ مآثر الامراء جلد دوم ص ۳۹۱ ⑧ تذکرہ مولانا آزاد ص ۵۰

THE EMPEROR AT NO DISTANT DATE, CLAIMED FOR HIMSELF THE RANK OF A PROPHET, AND THE FORMULA WAS PUBLICLY ADOPTED.

"لا اِلٰہ اِلّا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ"[1]

اور پھر اس اعلان کے نتیجہ میں نظریات دین اور ارکان اسلام میں قطع و برید شروع ہوئی، بدعات کو فروغ ہوا، ہندوؤں کی خوشی کی خاطر گاؤکشی بند کر دی گئی[2] اور دین الٰہی کے نام پر ایک ملغوبہ تیار کیا گیا جس میں ہر کسی کی خوشنودی کو دین کے نام پر جائز اور مستحسن قرار دیا گیا، مثلاً

THE EMPEROR ADORED THE RISING SUN, AND APPERRED DAILY AT THE 'JHAROKA' WINDOO OR BALCONY. OF THE PALACE, TO BE WORSHIPED BY THE PEOPLE AS AN EMBODIMENT OF THE DEITY — HE HAD HIS FOREHEAD MARKED LIKE A HINDU, AND HAD RAKHI OF TWISTED LINEN RAGS TIED ON HIS WRIST BY BRAHMANS AS AN AMULET[3]

شعائر اسلام کی توہین کی جانے لگی۔ مرزا عزیز خان کوکلتاش اکبر کا دودھ شریک بھائی تھا، وہ ان حرکات پر تلملایا کرتا تو اس سے جان چھڑانے کے لئے اُسے دربار الٰہی سے باہر بھیج دیا گیا مگر جب اس کی والدہ پریشان ہوئی تو بلایا وہ آنے سے ہچکچایا تو اکبر نے اُسے لکھا "تمہاری داڑھی اتنی بوجھل ہو گئی ہے کہ اپنے قبلۂ گاہ کی خدمت میں حاضری سے تم کو روک رہی ہے"[4] وہ پریشان ہو کر کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے روانہ ہو گیا اس پر اکبر نے پھر لکھا: "اپنے کعبۂ دل (مراد بادشاہ) کی اجازت کے بغیر سنگ و گل کے کعبہ کی زیارت کے لئے جانا عقل کے خلاف بھی ہے اور اسلام کے خلاف بھی"[5] اکبر کو برگشتہ دین کرنے میں فیضی اور ابوالفضل کا کردار بڑا مذموم ہے، ان ذہین افراد نے اپنی ذہانت کو بدی کی پرورش اور غلط روی کی حمایت میں خرچ کیا، جہانگیر کو گلا تھا کہ اس کا باپ ان کی فتنہ پردازیوں کا مہرہ بنا ہے وہ کہا کرتا تھا "ان دونوں بھائیوں نے میرے باپ کو بہکا دیا ہے"[6] اور جب ابوالفضل کو جہانگیر کے ایما پر قتل کر دیا گیا تو جہانگیر نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: "چوں آں نقدائی ملحداں باعث بدنامی نام نامی حضرت اشیانی گشتہ بود کار او بداں تدبیر ساختم"[7] اس سے قبل فیضی کے انتقال پر ملا عبدالقادر بدایونی نے تاریخ وفات کہی "قاعدۂ الحاد شکست"[8] ان برادران کی طرح حکیم ابوالفتح بن عبدالرزاق گیلانی (م ۹۹۷ھ) بھی ان ابن الوقت علماء میں سے تھے جنہوں نے زندقہ اور الحاد کی سرزمین ہند میں تخم ریزی کی ہے۔ "کان یضرب بہ المثل فی العادہ و زندقتہ و من مساوی اخلاقہ و قد دسّ فی قلب اکبر شاہ اشیاء منکرۃ"[9] "زید برکہ کان عبد الدینار والدرھم یصرف السلطان علی ابا طیلہ ولیضللہ"[10]

الغرض اکبر کے دور سے دین برگشتگی کی فضا پیدا ہوئی جس کے اثرات دیر تک باقی رہے، جہانگیر نے اپنے دور حکومت کے آخر پر رخ بدلنا شروع کیا، شاہ جہان کے عہد حکومت میں اسلامی قوتیں پھر سے بحال ہونے لگیں اور اورنگ زیب کا دور احیاء اسلام اور ترویج دین حق کیلئے بے پناہ جدوجہد کا دور ثابت ہوا اگرچہ اکبر کا کاشت کیا ہوا الحاد اپنے جلوے دکھاتا رہا اس اکبری فتنے سے تبلیغ کی راہیں مسدود ہو گئیں اور مسلمان امت باہمی نزاع اور افتراق کا شکار ہو کر رہ گئی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "مدارج النبوت یا مجدد الف ثانیؒ کی اثبات النبوۃ مقام رسالت کی وضاحت، ضرورت اور اہمیت متحقق کرانے کی کوششیں تھیں اور یہ مسلمانوں کے داخلی فتنوں کے جواب میں لکھی گئی تھیں، ان حالات میں جبکہ اسلامی تعلیمات کی اشاعت و تبلیغ میں مداہنت پیدا ہو چکی تھی۔ عربی زبان و ادب اور المدائح النبویہ کی خدمت کی کسے فرصت تھی اس لئے یہ دور عربی زبان و ادب کے لحاظ سے انحطاط کا دور ہے۔

---

① LAHORE BY S.M. LATIF P: 34 ② مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۱۱
③ LAHORE BY S.M. LATIF P. 35,36 ④ منتخب اللباب حصہ اوّل ص ۲۲۳ ⑤ حوالہ مذکورہ ⑥ منتخب اللباب حصہ اوّل ص ۲۳۹ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۲۴۰ ⑧ LAHORE BY S.M. LATIF P-38 ⑨ نزہۃ الخواطر الجزء الرابع ص ۱۱ ⑩ حوالہ مذکورہ

عربی شاعری اور المدائح النبویہ

مغلیہ دورِ عروج میں عربی شاعری اور المدائح النبویہ کو وہ پذیرائی حاصل نہ ہوئی جس کے یہ مستحق تھے اس انحطاط کے اسباب متعدد ہیں چند ایک کی نشاندہی ایضاحِ مطلوب کے لیے کافی ہوگی۔

علماء ہوں یا عوام سب کے ذوق پر حکومتِ وقت کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مغلیہ حکمرانوں نے عربی علوم وفنون کے احیاء کے لیے کوئی مستقل [کوشش نہیں کی]
صرف انفرادی کوششیں عربی ادب کا سہارا تھیں اس لیے نتائج حوصلہ افزا نہ تھے۔
مغل حکمران فارسی زبان بولتے تھے اور ان کی ثقافت ایرانی ثقافت سے مستعار تھی اس لیے فارسی کو سبقت حاصل رہی حکومتی سرپرستی بھی اسی زبان کو حاصل تھی اور یہی زبان کاروبارِ حکومت کے لیے استعمال ہو رہی تھی اس لیے فارسی زبان وادب کا سکہ جاری رہا اور عربی زبان وادب سے تعلق سوائے دین کے وسیلے کے ناپید ہو گیا۔
عرب علاقوں سے علماء کی آمدورفت کم ہو گئی اور اگر کوئی عربی النسل برصغیر آیا تو وہ براستہ ایران پہنچا اس لیے ایران برصغیر اور عرب کے درمیان واسطہ بن گیا۔ فارسی زبان نے عرب علاقوں تک اپنا اثر قائم کر رکھا تھا۔ برصغیر کو تو جغرافیائی قرب بھی حاصل تھا اس لیے عربی سے صرفِ نظر ہوتا رہا۔
مغلیہ عہد میں معاشرتی حالات اسی نہج پر جاری تھے جیسے عہدِ عباسیہ میں عربوں کے سماجی حالات تھے۔ ہم عرض کر آئے ہیں کہ عباسی دورِ عروج میں المدائح النبویہ سے مجرمانہ تغافل ہوا۔ بعینہٖ یہ اسباب برصغیر میں مغلیہ دور میں موجود تھے۔ حکمران ایک خاندان تھا جس کی حکومت کو قرار نصیب تھا۔ مسلسل حکمرانی نے عوام وخواص کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، دہلی کا دربار اب تقاضا کرتا تھا کہ اس کی مدح وستائش میں زورِ قلم خرچ کیا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف برصغیر کے شعراء بلکہ دیگر ممالک کے شعراء کی کثیر تعداد نوازشِ شاہ سے متمتع ہونے کے لیے برصغیر آ رہی تھی، شاہوں کو فارسی میں دسترس حاصل تھی اس لیے اُن کی توجہ فارسی قصائد ہی سے حاصل کی جا سکتی تھی۔ جب مدحیہ شاعری کا مرکز مغلیہ تاجدار بنے تو مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے توجہ ہٹی اور اگر کبھی دینی ذوق نے مجبور کیا تو فارسی میں مدحت سرائی سے تسکین حاصل کر لی گئی۔ ان دینی حالات عربی نعت سے بے اعتنائی ہوتی رہی۔
انسانی فطرت ہے کہ وہ خوش حالی کی حالت میں حال مست ہو کر خدا کو بھول جاتا ہے۔ مغلیہ دور میں خوش حال معاشرہ پیدا ہو چکا تھا۔ فارغ البالی روحانی اقدار کے فروغ کے لیے عموماً معاون نہیں بنتی، آسائشِ دنیا میں بدمست انسان خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اتنا یاد نہیں رکھتا جتنا ایک مصائب میں گھرا ہوا انسان یاد کرتا ہے۔ برصغیر میں بھی کچھ ہوا۔ مغلیہ دور میں مدح النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سلسلے میں وہ جوش وولولہ نظر نہیں آتا جو دورِ زوال میں موجود ہے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب مسلم معاشرہ بے یقینی کا شکار ہوا تو نعتیہ شاعری پر زیادہ توجہ ہوئی۔
ان وجوہات کے نتیجہ میں عربی مدحیہ شاعری کی حالت نہایت پتلی رہی، صرف علماء کے مکاتب اور صوفیاء کی خانقاہیں ہی عربی شاعری کی پناہ گاہ تھیں اگرچہ فارسی کو وہاں بھی سبقت حاصل تھی اور عربی کی حیثیت ثانوی تھی مگر جب اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے کہ ہم ایک غیر عرب معاشرے میں عربی زبان وادب کی داستان مرتب کر رہے ہیں تو تسلی ہوتی ہے کہ کسی غیر ملک اور ناموافق حالات میں عربی کا یہ نخل کیا کم ہے کہ وہ کسی حکومتی سہارے یا مادی وسیلے کے بغیر زندہ تھی اور لوگوں کا ایک طبقہ اُسے عقیدت ومحبت سے دیکھتا ہے۔ یہ اہلِ زبان کی شاعری کی روداد نہیں ہے کہ اس میں پورے معاشرے کی مجموعی صلاحیتیں زیرِ بحث لائی جائیں بلکہ یہ تو غیر عرب ماحول میں عربی ادب اور خصوصاً عربی نعتیہ شاعری کا تذکرہ ہے کہ یہاں چند قابلِ توجہ نگارشات بھی قابلِ فخر ہیں۔
مدحیہ شاعری پر تفصیلی گفتگو سے قبل عمومی عربی شاعری کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے چند شعراء کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جنہوں نے عربی شاعری کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا یا فارسی کی موجودگی میں عربی شاعری میں دلچسپی لی۔
سید عطا محمد گجراتی (م ۹۸۶ھ) اُعجوبۃ الزمان اور نادرۃ الزمان کے نام سے عربی کے دو دیوان ہیں۔ اسلوبِ بیان پر تصوف کا رنگ غالب اور شیخ ابن الفارض (م ۶۳۲ھ) کا سا انداز ہے۔[1]
شیخ عبدالمعطی باکثیر المکی (م ۹۸۹ھ) نسلاً عرب اور مولداً مکی ہیں، احمد آباد قیام رہا، عربی شاعری سے شغف تھا چند اشعار ملتے ہیں۔[2]

---

(1) نزھۃ الخواطر الجزء الرابع ص ۲۲۷، گلزارِ ابرار ص ۵۰۵ ۔ (2) نزھۃ الخواطر الجزء الرابع ص ۲۱۵، ۲۱۶

شیخ قطب الدین النہروالی (م ۹۹۰ھ) علما میں ذکر ہوا، عربی میں شعر کہتے تھے۔[1]

قاضی یعقوب مانکپوری (م ۹۹۸ھ) ہندی بحور میں شعر کہتے تھے۔[2]

محمد بن عبدالعزیز لالی کوٹی مالاباری (دسویں صدی ہجری) کالی کٹ کے راجہ سامری کی فتح پر ۵۰۲ عربی اشعار کا قصیدہ جس کے شروع میں حمد و نعت بھی ہے۔[3]

شیخ احمد بن محمد الحضرمی (م ۱۰۰۹ھ) الشہاب باجابر الشافعی، سادات کی مدح میں قصائد ملتے ہیں۔[4]

شیخ حمید (م ۱۰۰۹ھ) عربی کے ممتاز شاعر تھے النور السافر میں ان کے اشعار نقل ہوئے ہیں۔[5]

شیخ احمد بن علی المالکی البشکری (م ۱۰۰۹ھ) شیخ الشہاب باجابر کا عربی مرثیہ کہا۔[6]

ملا ارزانی (م بعد ۱۰۰۹ھ) روشنیہ فرقہ سے تعلق تھا، پشتو، فارسی، ہندی کے علاوہ عربی میں بھی شعر کہتے تھے۔[7]

مولانا عبدالقادر الدحینی (م ۱۰۲۱ھ) عربی میں صاحب دیوان شاعر تھے۔[8]

شیخ جنید سندیلوی (م ۱۰۴۸ھ) عربی/فارسی میں عمدہ قصائد کہتے تھے۔[9]

حکیم محمد بن احمد گیلانی (م ۱۰۵۰ھ) احمد المرشدی کے قصیدے کا معارضہ لکھا۔[10]

شیخ احمد بن محمد الجوہری (م ۱۰۶۹ھ) عربی میں عمدہ اشعار کہتے تھے۔[11]

ملا شاہ بدخشی (م ۱۰۷۲ھ) حضرت میاں میر کے مرید خاص، فارسی کے باکمال شاعر، قصائد عربیہ کا حوالہ بھی ملتا ہے۔[12]

ابن جاندار (م ۱۰۷۶ھ) مدحیہ قصائد کے دیوان کا نام "کنز الاول" اور ہجویہ دیوان کا نام "السلاسل والاغلال" ہے۔[13]

عبدالرشید جونپوری (م ۱۰۸۳ھ) علما میں ذکر ہوا، شعر کہتے تھے۔[14]

شیخ احمد بن المعصوم الشیرازی (م ۱۰۸۶ھ) علی معصوم الدشتکی صاحب سلافۃ العصر کے والد تھے، شعر کہتے تھے، تشبیہات نادر اور دلکش ہوتی ہیں، تشبیب کے شعر ہیں۔[15]

ثنایاہ برق والصباح جبینہ	واما الثریا فہی اینطف لعقدہ
معاذ الیمانیات دون لحاظہ	وقتل الردینیات من دون قدہ

شیخ محمد بن علی الخنبری (م بعد ۱۰۹۰ھ) عربی شاعر تھے۔[16] یحیی بن احمد المعصوم الدشتکی (م ۱۰۹۲ھ) عربی میں شعر کہتے تھے۔[17]

شیخ جمال الدین حیدرآبادی (م ۱۰۹۸ھ) مدحیہ قصیدے کے چند اشعار ملتے ہیں۔[18] شیخ فضیل کالپوی (گیارھویں صدی ہجری) عربی ادب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے فصیح عربی قصائد لکھتے تھے۔ شیخ فضیل نے عربی نظم و نثر میں وہ توقیع جو فیضی کی تفسیر پر لکھی ہے وہ ان کے کمال پر دلالت کرتی ہے۔[19]

عبدالرحیم خان خاناں (گیارھویں صدی ہجری) عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں کا ماہر تھا، رحیم تخلص تھا اور چاروں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔[20]

شیخ محمد بن عبدالمعطی گجراتی (گیارھویں صدی ہجری) کی بیاض برائے تیاری قصیدہ کہا۔[21] ملا ابوبکر (گیارھویں صدی ہجری) کان من الشعراء المجیدین، لہ ابیات بالعربیہ والفارسیہ۔[22]

ملا فرج اللہ شوستری (گیارھویں صدی ہجری) ولہ ابیات رائقۃ بالعربیۃ والفارسیۃ۔[23]

شیخ محمد بن عبداللطیف گجراتی (گیارھویں صدی ہجری) احمد بن جابر کی مدح میں قصیدہ کہا۔[24] شیخ احمد بن المعطی گجراتی (گیارھویں صدی ہجری) عربی شعر کہتے تھے۔[25]

---

(۱) نزھۃ الخواطر الجزء الرابع ص ۲۹۰ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۳۹۲ تذکرہ علمائے ہند ص ۵۵۱ (۳) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۴۰۴ (۴) نزھۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۶۲ (۵) تحفۃ الکرام حاشیہ ص ۴۵ (۶) نزھۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۵۹ (۷) تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۱۸۲، ۱۸۴ حاشیہ (۸) نزھۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۲۲۳ (۹) حوالہ مذکورہ ص ۱۱۸ (۱۰) حوالہ مذکورہ ص ۳۳۱ تا ۳۳۵ (۱۱) حوالہ مذکورہ ص ۶۵، ۶۶ (۱۲) پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ جلد دوم اورنگ زیب تک ڈاکٹر ظہور الدین احمد ص ۱۳۶، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد چہارم فارسی ادب ص ۲۰۸ مآثر لاہور منشی محمد دین فوق، نقوش لاہور نمبر ص ۳۰۲ (۱۳) الاعلام الجزء الثانی ص ۴۰۲ (۱۴) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۰۳ (۱۵) نزھۃ الخواطر الجزء الخامس (۱۶) حوالہ مذکورہ ص ۳۴۳ تا ۳۴۸ (۱۷) حوالہ مذکورہ ص ۳۲۵ تا ۳۲۶ (۱۸) حوالہ مذکورہ ص ۱۱۴، ۱۱۵ (۱۹) تذکرہ علمائے ہند ص ۳۸۴، ۳۸۵، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۷۴ (۲۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ صفحہ ۹۹ (۲۱) نزھۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۳۵۰، ۳۵۲ (۲۲) حوالہ مذکورہ ص ۳۰۱ (۲۳) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۵ (۲۴) حوالہ مذکورہ ص ۲۴۳ (۲۵) حوالہ مذکورہ ص ۵۷۔

ابراہیم البندی (م ۱۱۰۱ھ) ضخیم جلد میں دیوان ہے۔ اعلام الشوکانی کہتے ہیں "کان اشعر اھل عصرہ غیر مدافع ولہ دیوان شعرفی مجلد ضخم رأیتہ فی ایام قدیمۃ فوجدت فیہ ما ھو فی الطبقۃ العلیا والمتوسطۃ والسافلۃ ولکن الجید اغلب، وکان یتشبہ فی مدحہ وحماستہ بابی الطیب"۔[۲]

حافظ ضیاء اللہ بلگرامی (م ۱۱۰۹ھ) عربی فارسی نظم و نثر میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔[۳]

المدائح النبویہ

یہ توان شعراء کا تذکرہ تھا جو عربی میں شعر کہتے تھے، اب ان شعراء کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جو زیادہ تر علماء وصوفیاء کے قبیلے سے تھے اور عقیدت ومحبت کی جولانیاں دکھاتے تھے۔

شیخ حامد جمالی (م ۹۴۲ھ) نام حامد بن فضل اللہ تھا۔ دہلی کے کنبوہ خاندان سے نسبت تھی پہلے جلالی تخلص کرتے تھے پھر اپنے خالو و خسر اور مرشد شیخ سماء الدین (م ۹۰۱ھ) کے کہنے پر جمالی کر لیا، ایران، عراق، عرب، عجم اور فلسطین کا سفر کیا، حرمین میں قیام رہا، متعدد علماء سے ملاقات ہوئی ان میں مولانا جامی، حسین واعظ کاشفی، عبدالغفور لاری شامل ہیں۔ مولانا جامی کے ہاں قیام رہا۔ دہلی میں وفات پائی۔ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے روضۂ مبارک کے نزدیک دفن ہوئے۔ سیر العارفین، مثنوی مہر و ماہ، مثنوی مراۃ المعانی، دیوان جمالی مشہور تصانیف ہیں۔[۴] جمالی کے ایک شعر کو بقائے دوام حاصل ہے۔ شعر یہ ہے ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو جمال | تو عین ذات می نگری در تبسمی[۵]

سیر العارفین کے دیباچہ میں حمد و نعت کے اشعار میں سے نعت کے دو شعر ہیں۔

شہد النجوم علی جلالۃ قدرہ | والسی الکواکب سجدہ تعظیما
نادی ملائکۃ السماء منادیا | صلوا علیہ وسلموا تسلیما[۶]

السید شیخ عبداللہ الحضرمی (م ۹۹۰) العیدروسی، مشہور عیدروسی خاندان میں سے تھے۔ تریم میں پیدا ہوئے۔ حرمین میں کئی سال قیام رہا اور وہاں علمائے حرمین خصوصاً شیخ ابن حجر الہیتمی (م ۹۷۴ھ) سے درس حدیث لیا۔ ۹۵۸ھ کو برصغیر آئے اور احمد آباد میں قیام رہا، النور السافر کے مصنف عبدالقادر العیدروسی ان کے صاحبزادے تھے۔ تصنیفات میں العقد النبوی والسر المصطفوی تصیدہ تحفۃ المریدین قصیدے کی دو شرحیں، دو مولد ایک مختصر اور دوسرا بڑا، معراج پر ایک رسالہ، نفحات الحکم علی لامیۃ العجم صوفیانہ وصاحتیں اور دیوان شامل ہیں۔ ائمہ حدیث کے حوالوں سے نعتیہ اشعار کہے۔ مدح رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلقات میں صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اور آئمۂ امت کے تذکرے بھی شامل ہیں جو درحقیقت اسی ذات کی نسبت سے مقام مدح میں مذکور ہوتے ہیں۔

یہ انداز نعت قدیم قصائد میں بھی موجود ہے۔

نعت کے چند شعر ہیں ؎

لنا بالرسول المصطفیٰ خیر نسبۃ
مسلسلۃ تعلو علی کل رقبۃ

ائمۃ علم اللہ جوھر سرہ
زواھر حلم قدوۃ للطریقۃ

شموس تجلت والبدور طوالع،
نجوم لنا بالسعد منہ استمدت

شموس بدت فی عالم الغیب اشرقت
بہ ودعت اہل الاوتار صفوۃ[۷]

شیخ محمد یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ) علماء کے ضمن میں حالات درج کیے جا چکے ہیں، صرفی فارسی و عربی کے پختہ مشق شاعر بھی تھے انہوں نے فیضی کی سواطع الالہام پر ایک عمدہ تقریظ لکھی جس میں اپنی عربیت کا کمال دکھایا۔ اس میں عربی اشعار بھی درج ہیں جو ان کے ذوق شعری کی اچھی مثال ہیں۔ مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کے اشعار کا مرکزی نقطہ شرف رسالت، عطائے نبوت اور نزول قرآن ہے۔ فیضی کی بے نقط تفسیر کے

---

(۱) معجم المولفین الجزء الاول ص ۳۰ (۲) البدر الطالع الجزء الاول ص ۱۶ (۳) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۶ (۴) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۴ فارسی ادب ص ۲۲۵ تا ۲۲۶ (۵) اخبار الاخیار ص ۲۲۴ (۶) سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۲ (۷) نزہۃ الخواطر الجزء الرابع ص ۱۲۶ تا ۱۲۸۔

حوالے سے کہتے ہیں :

یا من یقینی لا ملی خصصت من	علمته مالم یکن هو یعلم
قد جاء بالنور الذی هو ساطع	من منك فی کشف الخفایا ملهم
ما فی کتاب منزل لنبینا ،	محض الهدی متشابه او محکم
بصدوره فی صدر النبی المصطفی ،	ما هدیه الا طریق اقوم ،
یا من هو منزل علیه القرآن ،	من فیضك ایجاد شیون الاعیان
قوانك ثابت قدیم ازلا	لا ینقطع علیه من مبدا الحق ثانی [۱]

فیضی (م ۱۰۰۴ھ) شیخ ابوالفیض فیضی اور اُن کا خاندان دورِ اکبر کے اُن علماء میں سے ہے جن کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔ فیضی شیخ مبارک ناگوری کا بڑا صاحبزادہ تھا۔ ۹۵۴ھ میں پیدا ہوا۔ بقول رحمان علی ذہن ثاقب اور فکر صائب کا مالک تھا۔ چودہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو گیا۔ شعر، معما، عروض، قافیہ، تفسیر، تاریخ، طب، خط اور انشاء وغیرہ میں بے مثال تھا۔[۲] شروع میں فیضی تخلص تھا بعد فیاضی کر لیا۔ اکبر کے دربار میں بہت قدر افزائی ہوئی حتیٰ کہ ۹۹۶ھ کے سالِ جلوس میں ملک الشعراء کا خطاب ملا۔[۳] بعض تذکروں میں اسے وحدت الوجود کے قائل صوفیوں میں شمار کیا گیا ہے۔[۴] مگر اکثر نے اسے الحاد و زندقہ سے منسوب کیا ہے۔ مولانا شبلی نے ان الزامات کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ "سچ تو یہ ہے کہ فیضی کی مذہبی آزادی ہم جو کچھ سنتے ہیں زبانی سنتے ہیں تصنیفات میں تو وہ ملائے مسجدی نظر آتا ہے۔[۵] مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے ہے "انه کان ممن تفرد فی عصره بالفصاحة والبلاغة والمتانة والرصانة ولکنه لوقوعه و هبوطه فی هاویة الکفر والضلالة اثبت علی جبینه نقوش الرد والانکار والادبار ولذلك یستنکف اهل الدین والملة واتباع النبی صلی الله علیه و آله وسلم ومن ینتسب الیه من ان یذکروا اسمه والسماء هطه"[۶] ملا عبدالقادر بدایونی تو فیضی کے سخت ترین مخالفوں میں سے ہے۔

فیضی فارسی عربی کا باکمال شاعر تھا۔ فارسی شاعری میں تو بقول علامہ شبلی چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص ہوئے جن کو اہل زبان کو چار و ناچار ماننا پڑا۔ "خسرو اور فیضی"[۷] مگر اس کی عربی شاعری بھی اس کی قدرتِ زبان اور سہولتِ ادا کی عمدہ مثال ہے۔ وہ عربی النسل تھا اور عربی پر اسے ماہرانہ دسترس حاصل تھی۔ "موارد الکلم" بے نقط اخلاقی رسالہ جو ۹۸۵ھ میں تصنیف ہوا اور تفسیر قرآن "سواطع الالہام" جو صنعت اہمال میں ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی اُس کی عربیت کے شاہکار ہیں۔ ابتداء میں تفسیر کے فضائل میں بے نقط قصیدہ بھی لکھا۔ تفسیر سواطع الالہام ایک نادر تصنیف کی حیثیت سے ہمیشہ ہی علماء کی دلچسپی کا مرکز رہی ہے۔ علامہ یعقوب صرفی نے تقریظ لکھی اور میر حیدر معمائی نے اخلاص سورۃ سے تاریخ تصنیف نکالی۔[۸] شیخ منور الدین لاہوری جیسے یکتائے روزگار فضلاء نے اس تفسیر پر نظر ثانی کی اور اس کی نوک پلک درست کرنے میں فیضی کا ہاتھ بٹایا۔[۹] عربی اشعار میں اس دور کے اثرات کے مطابق صنائع کی کثرت اور آورد کی بھرمار ہے۔[۱۰] سواطع الالہام کے مقدمہ میں عربی اشعار کے علاوہ اس کے دیوان میں فارسی اشعار کے جلو میں عربی اشعار بھی ملتے ہیں ان اشعار میں ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی ملتا ہے بعض اوقات تو اپنے اور اکبر کے دفاع کے لیے ذاتِ نبوت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سہارا لیا گیا ہے۔ جیسے

قیل ان الالہ ذو ولد	قیل ان الرسول قد کھنا
ما نجا اللہ والرسول معا	من لسان الوری فکیف انا [۱۱]

ایک فارسی قصیدے میں عربی کے دو شعر درمیان میں پیوست ہیں۔

اتانی رسول واعلی الوسائل

لقد سرقلبی بتلك الوسائل

---

(۱) سواطع الالہام تقریظ ص ۶۳۹ (۲) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲ (۳) شعر العجم حصہ سوم ص ۳۸ (۴) گلزار ابرار ص ۵۳۷ (۵) شعر العجم حصہ سوم ص ۵۱، ۵۲ (۶) نزھۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۲۷ (۷) شعر العجم حصہ سوم ص ۳۸ (۸) مآثر الامراء جلد دوم ص ۵۹۲ (۹) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہندوستان جلد ۲ عربی ادب ص ۲۵۷ (۱۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۱۰۶۹ (۱۱)

عُلِی المراتبِ وَمتین المناقبِ   حَیِیُّ المحاسنِ ناصِحُ الشمائلِ [1]

فیضی جیسے قادر الکلام اور ذہین افراد کے ہاں مدحیہ شاعری کا یہ قحط اور ایسی پستی اس دور کے مزاج کی خبر دے رہی ہیں۔

شیخ عبدالقادر الحضرمی العیدروسی (م ۱۰۳۸ھ) ان کا ذکر بھی علما کے ساتھ ہو چکا ہے عربی النسل اور عرب خاندان میں پرورش کی وجہ سے مرتبت پر عبور حاصل تھا متعدد کتب عربی میں تحریر فرمائیں، الروض الاریض و الفیض المستفیض کے نام سے دیوان تحریر ترتیب دیا، اصحاب بدر کے واسطے سے کشف ظلام کی استدعا کرتے ہیں۔ اذا ما اشتد لیل الهموم ودجی   جعلت الی اهل بدر لالتجاء

وما خاب عبد بهم قد رجا   ومتی توسل بهم الی الله فرجا [2]

ایسے اشعار کو مدحت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواشی اور لواحق کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرکز محبت ہی کی ممتد کرنیں ہیں۔

مولانا حبیب اللہ بیجاپوری (م ۱۰۴۱ھ) علماء ربانی میں سے تھے، تصوف سے ذوق تھا اور اسی حوالے سے اکثر تالیفات مرتب کی ہیں شعر بھی کہتے تھے۔ اُن کے قصائد وجد و حال کی کیفیت سے مملو تھے، عربی، فارسی میں خیالات کو نظم کرتے تھے، ایک مرتبہ عالم بیداری میں زیارت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے تو اپنے تائیہ قصیدے میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔

اتانی رسول اللہ فی حین یقظتی   وجالسنی مستقبلا وهی قبلتی

وعند افراد السخاوی بخطه   الالیع باب الطاء منها بخلوتی [3]

ذات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچشم سر زیارت سے مشرف ہونا، قبلہ قرار دینا اُن کے صوفیانہ رابطے کی پختگی پر شاہد ہے۔

الحسن بن علی بن شدقم (م ۱۰۴۶ھ) مشہور شدقم خاندان کے مدنی الاصل عالم ہیں، جوانی ہی میں برصغیر آگئے، احمد نگر میں مقیم ہوئے، احمد نگر میں نظام شاہی خاندان سے منسلک ہو گئے اور انہیں میں سے ایک سلطان کی بیٹی سے شادی کرلی اور منزلت پائی، سلاطین احمد نگر کے حالات بگڑنے تو عرب جانے پر مجبور ہوئے لیکن جلد ہی واپس آگئے اور پھر کافی عزت پائی، تصنیفات میں زهر الریاض و زلال الحیاض جو ایک الجدی ترتیب سے معجم الی لغت ہے اور الجواہر النظام من حدیث خیر الانام علیہ السلام جو والی احمد نگر نظام شاہ سے منسوب ہے مشہور ہیں۔ الاعلام للزرکلی [5] اور معجم المولفین [6] ان ہر دو کتب کے مصنف کی تاریخ وفات ۹۹۹ھ ہے جو صراحتہً غلط ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے ان ہر دو کتب حوالہ جات صاحب ترجمہ کے دادا کے حالات ہیں اور کتابوں کا انتساب اُس کے نام غلطی سے ہوا ہے یا یہ کہ تاریخ وفات کا اشتباہ ہو گیا ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس کے برصغیر آنے کا ذکر ہے اور برصغیر آنے والا مدنی عالم حسن بن علی ۱۰۴۶، ۱۰۴۹ میں فوت ہوا، حسن بن علی عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے، علامہ یوسف النبہانی نے المجموعة النبهانیه فی المدائح النبویه کی جلد ثانی میں ایک دالیہ قصیدہ نقل کیا ہے اور اُسے حسین بن علی بن حسن بن شدقم سے منسوب کیا ہے جو گیارہویں صدی ہجری میں فوت ہوئے۔ قصیدے کی داخلی شہادت برصغیر میں فاضل شاعر کی ۲۷ سال سے رہائش کی خبر دے رہی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں،

فَانّ لَه سبعا وعشرین حجّة   غریبا بارض الهند لیسوا الی جند [7]

ہند میں آنے والے مدنی عالم جو مدت دراز تک برصغیر ہی میں رہے حسن بن علی ہیں جو آل شدقم کے مشہور عالم ہیں اس لیے راقم کا خیال یہی ہے کہ یہ دالیہ قصیدہ حسن بن علی کا ہے جس کی تحریر میں تصحیف ہوئی ہے۔

حسن مدینہ کے رہنے والے تھے، ایک پاکباز اور سلیم الفطرت مسلمان تھے، برصغیر میں نہایت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے مگر ایک مسلمان کی حیثیت سے اور پھر مدنی ہونے کے ناطے سے انہیں مدینے کی یاد ستاتی ہے، فراق کے طویل لمحے آتش شوق اور خواہش زیارت کو تیز تر کر رہے ہیں ۱۳۲ اشعار کا قصیدہ انہیں جذبات محبت کا خوبصورت مرقع ہے۔

بیاض

(۱) ارمغان نعت شفیق بریلوی ص ۹۳ (۲) نزھۃ الخواطر الجزء الخامس ص ۲۲۹ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۱۲۷، ۱۲۹ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۱۳۱، و عربی ادب میں پاکستان و ہند کا حصہ ص ۱۸۸ (۵) الاعلام الجزء الثانی ص ۲۲۳ (۶) معجم المولفین الجزء الثالث ص ۲۵۱ (۷) المجموعة النبهانیه الجزء الثانی ص ۷۵۔

قصیدے کی عمومی روایت کے مطابق اس میں تشبیب ہے اور دیارِ محبوب کے اشتیاق کا تذکرہ بھی ہے لیکن اس داستانِ عشق اور حکایتِ اضطراب میں اپنایت کا عنصر نمایاں ہے۔ شاعر کی دبی حِس اور یادِ ماضی کا سہانا پن اُسے وارفتہ بنا رہے ہیں، قصیدے کے بیشتر اشعار میں فراق کی چبھن، ماضیِ مرحوم کی خوش یاد اور مستقبل میں سعادتِ زیارت کے ارمان کا ذکر ملتا ہے۔ اس فراق و وصال کے جذبات کے دوران میں ذاتِ ممدوح کی دہائی اور مدح خوانی کا مختصر مگر پر تاثیر تذکرہ بھی قصیدے کے مضامین کا حصہ ہے۔ آخر میں درود وسلام جس میں اہل بیت کا حوالہ بھی موجود ہے۔

روایتی تشبیب کے پیرایہ میں مدینہ منورہ کا ذکر کرتے ہیں۔

اَتِیا علی الجرعاءِ فی ذمّتی سعدِ وَقولا لِغادی العِیسِ عِیسُکَ لا تُحْدِ

فَاِنّ بذاتِ الحیِّ الفًا الِیفتُہ فَدَیْنا و کم اَبلغ بِرُویتہ قصدی

عسیٰ نظرۃٌ منہ اَجُبّ بہا الصّدیٰ وَیَسکُن ما اَلقاہُ مِن لاعجِ الوَجْدِ ۱

ماضی کو آواز دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

لَیالی وَقتٍ طابَ وَ الدّارُ دانیۃٌ مِنَ السّاکنینَ الصّدقَ لا غلا مُلتحدی

وَغادَیتُ نَفلاً بالمدینۃِ یافعاً وَ مِلتُ اِلی الشّرحاتِ مِن عارضی نجدِ ۲

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح خوانی کرتے ہوئے توجہ کی درخواست پیش کرتے ہیں تاکہ اس طویل فراق کے بعد دوبارہ حاضری کی سعادت حاصل ہو۔

اَلا یا رسولَ اللہِ یا اَشرفَ الوریٰ وَیا بحرَ فیضٍ سیبُہ دائمُ المَدِّ

لَاَنتَ الّذی فُقتَ النّبیینَ زُلفۃً مِنَ اللہِ ربِّ العرشِ مُستوجبِ الحمدِ

بِنا جِئتُ عجزٌ مِن غیبٍ لِحِکانازمٍ عَنِ الدّارِ وَالاوطانِ وَالاھلِ وَالوُلدِ ۳

اس بُعد کی وحشت سامانیوں سے نجات کے لیے وہ قرب کی آرزو کرتے ہیں۔

وَتیسیرُ قُربًا مِن جَمالٍ تَجلّی لَہ لِقُربِ فَقُربُ الدّارِ خَیرٌ مِنَ البُعدِ ۴

اور خواہش قرب کا حاصل بیان کرتے ہیں۔

لیلتم اَغنی بالمسجدِ النّبیِّ الّذی بہ الرّوضۃُ الفیحاءُ مِن جَنّۃِ الخُلدِ ۵

یہ تمنا یہ بے قراری اس لیے ہے کہ مدتِ فراق طویل تر ہو گئی ہے۔

فَاِنّ لہ سبعًا وَ عِشرینَ حِجّۃً غَریبًا بِاَرضِ الھِندِ یَصبُو اِلی ھِندِ ۶

شاعر کے ۲۷ سال برصغیر میں گزر چکے ہیں اتنا لمبا عرصہ قیام کے باوجود اُسے اپنی غریب الوطنی کا احساس ہے کہ اُسے ہند ملک سے کہیں بڑھ کر اُس ہند کے وصال کی تمنا ہے جو محبت کا استعارہ ہے۔ ہند میں ہند کی یاد نے معانی کو خوشگوار سرمستی اور لفظوں کو ہم جنسی کا حسن عطا کیا ہے، ۲۷ سال کے انتظار کے بعد میں بھی یاد کی شدت کم نہیں ہوئی۔ وقت مرگ کی بجائے نثر غنائیہ ہے کہتے ہیں "اذا اللیلُ داجٍ اِلی اُھیمُ صَبابۃً

اِلی طیبۃِ الغَرّاءِ طیبۃِ النّدی

وَاُسبِلُ مِن عَینیّ دَمعًا کاَنّہ عقیقٌ غَدا وادی العقیقِ لہ خَدّی ۷

حسن تشبیہ دیدنی ہے آنکھوں سے آنسو عقیق بن کر گر رہے ہیں، سوال مقدر کے جواب کیلیے جملہ مستانفہ لایا گیا، "وادی العقیق لہ خدی" یہ آنسوؤں کے عقیق کی وادی کسی دامنِ کوہ میں نہیں شاعر کے رخسار پر ہے۔ رخسار وادی عقیق ہے تو آنسو عقیق، سرخ رخساروں پر آنسوؤں کے جھلملاتے ہوئے قطرے آتشیں گلابی عکس دکھا رہے ہیں، شاعر نے انہیں پرکاری اور مہارت سے مرکب تشبیہ کے الفاظ میں پرو دیا ہے، اسی قسم کی ایک اور تشبیہ ہے۔

① المجموعۃ النبہانیہ الجزء الثانی ص ۴۲۳ ② حوالہ مذکورہ ص ۴۱۱ ③ حوالہ مذکورہ ص ۵ ④ حوالہ مذکورہ ⑤ حوالہ مذکورہ ⑥ حوالہ مذکورہ ⑦ حوالہ مذکورہ

سحابٌ في ليلِ غرامِه و زفرةٌ   تعلّمَ أفلاذَ الحشاشةِ كالرّفّ [1]

انسان اپنے غم کو ہلکا کرنے اور رات کی وحشت خیز تنہائی کے ازالے کیلئے کسی ندیم یا ساتھی کی تمنا رکھتا ہے شاعر اسی ارمان کو پال رہا ہے اس کے بھی ساتھی ہیں مگر کون؟ دردِ عشق اور بہتے ہوئے آنسو جو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گر رہے ہیں۔ سوزشِ عشق اس کی نحیف و نزار جان کو اس شدت سے کاٹ رہے ہیں جیسے گرجتا ہوا بادل آسمان کی پہنائیوں کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔ تاریک آسمان پر چمکتی ہوئی بجلی کا مہیب ظلمت کی رگ رگ کو چیرتے ہوئے نکل جانا شاعر کے غم زدہ دل پر زفراتِ عشق کی تیغ زنی کی مثل ہے تشبیہ کامل بھی ہے اور ہمہ پہلو بھی ایسے تشبیہات ادبِ عالیہ کا حصہ ہیں۔ آخر پر آئمہ اہل بیت کی مدح سرائی شاعر کی اہل بیت سے محبت اور خلوص کی مظہر ہے۔ متوسط الحجم قصیدے کا مرکزی مضمون 'یادِ طیبہ' اور تمنائے ہوائے طیبہ ہے۔ شاعر نے تمنا کی تکمیل کے لئے دربارِ رسالت سے استمداد کی ہے تاکہ اسے فراق کی اس بے کلی سے نجات نصیب ہو اور ربیع صدی کی سیرہ کاری کا کسی طور ازالہ ہو جائے۔ الفاظ، تراکیب، التشبیہات، دردِ محبت اور خواہشِ وصال کے حوالہ سے منتخب کئے گئے ہیں اس لیے قصیدہ لفظی اور معنوی حسن کا حسین امتزاج ہے۔ قصیدہ کی فضا عربی صمیم سے عبارت ہے اور عجمی تصورات و میلانات کے اثرات ناپید ہیں۔ برصغیر کی ادبی فضا میں یہ خالص عربی ادب کا نمائندہ قصیدہ ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) شیخ محدث کا تذکرہ علماء عصر کے حوالے سے پیش کیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف اُن کی شعری حیثیت اور وہ بھی عربی شعر کے حوالے سے درج کی جا رہی ہے۔ اخبار الاخیار شیخ محدث کا قابلِ اعتماد اور لائقِ استناد تذکرہ ہے اس کے دیباچہ میں انہوں نے متعدد فارسی شعر حمد و نعت کے حوالے سے درج کیے ہیں۔ اسی دیباچے میں دو مختصر قطعاتِ عربی بھی موجود ہیں۔ ان سے برصغیر کے علماء کے معیارِ شعری اور شعری روایت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

رسولٌ کریمٌ نجیٌّ نبیّه   رفیعٌ شفیعٌ عزیزٌ وجیهٌ
بشیرٌ نذیرٌ سراجٌ منیرٌ   رحیمٌ فخیمٌ عظیمٌ خطیرٌ
رضیٌّ وصیٌّ تقیٌّ نقیٌّ   سخیٌّ بهیٌّ علیٌّ ملیٌّ
عطوفٌ رؤوفٌ کریمٌ رحیمٌ   علیمٌ رحیمٌ سلیمٌ کلیمٌ [2]

ان اشعار میں شعریت سے زیادہ ترکیبِ کلمات اور وزن کی درستی کا خیال رکھا گیا ہے۔ اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظم کرنے کا رجحان بہت قدیم ہے جس کا ہم باب اول میں ذکر کر چکے ہیں۔ اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل قصائد فنی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ وزنِ شعر کے خیال سے اسماء کو مرتب کیا جاتا ہے کہ حفظ میں سہولت ہو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے 'الفیہ ابن مالک' کہ اس میں نحو کو پابندِ عروض بنایا گیا ہے مقصود شعر نہیں نظم ہے۔ شیخ محدث کی بھی اس قطعہ میں یہی کوشش ہے۔ شیخ محدث کے فارسی شعروں میں نہ صرف یہ کہ شعر کا بلند ترین معیار موجود ہے بلکہ ان میں جذباتِ محبت کی شدت ہے کہ قاری کو فریفتہ بنا دیتی ہے مگر عربی شعروں میں ایسی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

برصغیر میں شیخ سعدیؒ (م ۶۹۱ھ) کا ایک قطعہ کی تضمین کا عام رواج ہے۔ قطعہ یہ ہے

بلغ العلى بكماله   كشف الدجى بجماله
حسنت جميع خصاله   صلّوا عليه وآله [3]

شیخ محدث نے اس سے متاثر ہو کر معارضہ لکھا

خسفَ القمرُ بجماله   عجزَ البشرُ بكماله   نطقَ الحجرُ بجلاله   صلّوا عليه وسلّموا
ملأ الظلامَ بنيّره   خرقَ السماءَ بسيره   ما ساغ ذاك لغيره   صلّوا عليه وسلّموا
شرقَ المكانُ بنوره   سُرّ الزمانُ بسوره   لثمَ الليلُ بحجره   صلّوا عليه وسلّموا

① المجموعة النبهانیة الجزء الثانی ص ۵۰ ② اخبار الاخیار ص ۱۰، ۱۱ ③ گلستان سعدی ص ۳

كَشَفَ الشُّبَهُ بِبَيَانِهِ　رَفَعَ العُلٰى بِمَكَانِهِ　اَكْرِمْ بِرِفْعَةِ شَانِهِ　صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا

فَلْتَهْتَدُوْا الشَّرِيْعَتِهِ　ثُمَّ اقْتَدُوْا الطَّرِيْقَتِهِ　فَتَحَقَّقُوْا الحَقِيْقَتِهِ　صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا [1]

ٹیپ کے مصرعہ کے علاوہ سعدی کے اسلوب کی پیروی ہے، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خصائص ذاتیہ سے چند اشارات کو نظم کا قالب عطا کیا گیا ہے، یہ قطعہ فنی لحاظ سے پہلے قطعہ سے پختہ اور خیالات کے نقطۂ نظر سے بھی عزیز تر ہے مگر سعدی کا سا جمال اور ان کے قطعہ کی سی روانی نصیب ہونا بہت دور کی بات ہے لیکن ایک معارضہ کی حیثیت سے حضرت شیخ کا قطعہ لفظی مناسبت، معنوی ترتیب اور دلکش کا زور بھی ہو قطعہ

سید علی معصوم الدشتکی (م ۱۱۱۷ھ) سید علی بن احمد کو سادات حسینی سے نسبت تھی، آپ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۵۲ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، والد برصغیر میں تھے اور عبداللہ قطب شاہ والی گولکنڈہ کے امراء میں شامل تھے، عبداللہ شاہ قطب کی وفات (۱۰۸۳ھ) پر ابن معصوم کے والد کی نئے حکمران ابوالحسن قطب شاہ (۱۰۸۳ تا ۱۰۹۸ھ) جو تانا شاہ کے نام سے معروف ہے سے نہ نبھ سکی، قید ہوئے اور قید ہی میں ۱۰۸۶ میں وفات پائی، تانا شاہ نے ان کی اولاد پر بھی ہاتھ ڈالنا چاہا مگر عالمگیر سے راہ و رسم پیدا ہونے کی وجہ سے ابن معصوم، اورنگ زیب عالمگیر کے دربار میں منتقل ہو گئے[2] اورنگ زیب نے عزت افزائی کی اور ابن معصوم پرسکون زندگی گزارتے رہے۔ کئی عہدوں پر کام کیا، بڑھاپے کے ایام میں حرمین چلے گئے وہاں سے عراق اور آخر شیراز میں سکونت کرلی اور شیراز ہی میں ۱۱۱۷ھ کو ان کا انتقال[5]

ابن معصوم کثیر التصانیف تھے، سُلافۃ العصر فی محاسن اعیان العصر گیارہویں صدی ہجری کے شعراء کا تذکرہ ہے[3]، اس کا سن تصنیف خود مصنف نے ۱۰۸۲ھ بیان کیا ہے، کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے حصہ اوّل میں شعراء مکہ و مدینہ، حصہ دوم میں شعرائے شام و مصر، حصہ سوم میں شعراء یمن، حصہ چہارم میں شعراء عجم، عراق اور بحرین اور حصہ پنجم میں شعرائے مغرب کے حالات ہیں[4] اس میں ایک سو چھبیس شاعروں کے حالات ہیں جن میں نصف وہ ہیں جن کے قریب ہندی یا ہند سے تعلق رکھنے والے ہیں[5]۔ اس کے علاوہ سلوۃ الغریب واسوۃ الادیب مکہ معظمہ سے گولکنڈہ تک کے سفر کے ادبی طرز تحریر کیا تو روداد ہے۔ انوار الربیع فی انواع البدیع ابن معصوم کے اپنے بدیعیہ کی شرح ہے جیسا کہ ابن حجہ (م ۸۳۷ھ) نے اپنے بدیعیہ کی شرح کی تھی[6] الدرجات الرفیعہ فی طبقات الامامیہ من الشیعہ[7]، الحدائق الندیہ شرح الفوائد الصمدیہ، الکلم الطیب والغیث الصیب اور دیوان السُّلافۃ العربی[8] بھی اُن کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

ابن معصوم شیعیت کی طرف مائل تھے، فضائل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان میں اظہار محبت کے ساتھ غلو بھی کرتے تھے مثلاً

امیر المومنین فدتک نفسی	لنا من شانک العجب العجاب
ولو علم الوری ما انت اضحوا	لوجهک ساجدین ولم یحابوا
ولیس علی الصباح اذا تجلّی	ولم یبصره اعمی العین عاب
لسرّ ما دعاک ابا تراب	محمد النبی المستطاب
وکان لکل من هو من تراب	الیک وانت علته انتساب
فلولا انت لم یخلق سماء	ولولا انت لم یخلق تراب [9]

شعری صلاحیت قابل فخر ہے بعض حقائق کی نشاندہی بھی عمدہ طریق سے کی گئی ہے مگر مدح میں اغراق کی حد تک چلے جانا غیر مناسب ہے۔

علامہ یوسف النبہانی کہتے ہیں کہ ابن معصوم کے دیوان کے اُس نسخے سے جو الکتبۃ الخدیویہ المصریہ میں محفوظ ہے کسی فاضل دوست نے نعتیہ قصائد نقل کرکے ارسال کیے جو علامہ النبہانی کے مجموعہ میں شامل ہیں ان میں دالیہ قصیدہ ۴۴ اور رائیہ ۵۶ اشعار پر مشتمل ہے

---

① اخبار الاخیار ص ۱۱۰۱ ② نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۱۸۳ ③ البدر الطالع الجزء الاوّل ص ۴۲۸ ④ حوالہ مذکورہ ص ۴۲۹ ⑤ عربی ادبیات میں پاکستان و ہند کا حصہ ص ۹۰ ⑥ حوالہ مذکورہ ۱۹۵، ۲۱۱ ⑦ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جرجی زیدان الجزء الثالث ص ۲۸۵ الاعلام الجزء الخامس ص ۲۴۹ ⑧ نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۱۸۴ ⑨ حوالہ مذکورہ

والیہ قصیدے کی فضا استغاثے سے عبارت ہے۔ شاعر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے حاضرِ دربار ہوتا ہے اُسے یقین ہے کہ یہ دربار منبعِ عفو و کرم ہے۔ بخشش بیاں کی عادت ہے اسے یہ بھی اعتقاد ہے کہ اس دروازے سے کوئی سائل آج تک نا امید نہیں لوٹا اس لیے وہ گناہوں کا بوجھ اٹھائے بخشش کا طالب ہے مستغیث کے روپ میں حاضرِ دربار ہے۔ قصیدے کی زبان مضمونِ قصیدہ سے قطعی طور پر ہم آہنگ ہے۔ لہٰجہ اگر اعتماد بیانیہ جملے استحقاق معرفت کی خبر دیتے ہیں تو سوالیہ جملے استفہام انکاری کے لبادہ میں مثبت مفاہیم کے حامل ہیں۔ شاعر مبالغہ پسندی کا خوگر ہے اس لیے وہ اظہارِ مافی الضمیر میں بھی اور مدح میں بھی کہیں کہیں بیکتا نظر آتا ہے۔ حاضریٔ دربار کی کیفیت اور مدحت کے ترانے ملاحظہ ہوں

لیوح النبی المصطفیٰ مظهر الهدیٰ ولولاه ما قام الوجود من المبدا

حللت مقاماً لو تصورت قدره رأیت وجیب القلب فی الصدر لا یهدا

وجئت الی البحر الخضم مؤملاً فبشری لقد نلت الکرامة والرفدا [1]

باعثِ تخلیقِ آدم، آرزوؤں کے مرکز، دریائے جود و بحر کرم وغیرہ اوصاف مدحیہ شاعری کے عمومی موضوع ہیں مگر ابن معصوم نے ان کی ترتیب میں یہ جدت رکھی کہ مدح اور مطلب میں حسنِ امتزاج پیدا کر دیا۔ مداح اور ممدوح دونوں کے حوالے باہم گھر موجود ہیں یہ انداز طلبیہ اشعار میں بھی برقرار رہا بلکہ طلب اور علتِ طلب میں حسین تکرار موجود رہی۔

اتیتک یا خیر النبیین زائراً وحاشاک ان تولی زائرک الصدا

وانی لارجو ان انال بغیتی وانت فاهل ان لا اری الردا

فمثلی عبد او بقته ذنوبه ولا مثل مولای الذی ستر العبدا [2]

اس روح پرور بیان پر اچانک ابن معصوم کی طبیعت کا غلو اثر انداز ہوتا ہے اور اُن سے حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں غیر مناسب بات نکل جاتی ہے

علی ان لی قلباً قسا فلو انه حدید لدی داود لم یستطع سردا [3]

یہ قابلِ نفرت پیرایۂ بیان ہے مدحِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی نبی محترم کی تنقیص پر منتج نہ ہونی چاہیے۔ حدود مدح میں ہم اس کے جائز مظاہر اور ان کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ذکر کر چکے ہیں۔

اس لغزش کے بعد طلبِ شفاعت کے ضمن میں ایک خوبصورت شعر کہا گیا جس نے سابقہ کردار کا ازالہ کر دیا ہے

وهل یرتجی عندی رواج بغیتی وان جاوزت اثامه الحصر والحدا [4]

قصیدہ رائیہ کا بحر ارکان شعر کے اختصار کی وجہ سے تیز تر ہو گیا ہے۔ اس میں خواہشات تجلی ہوئی ہیں اور سرکار ابد قرار کی رحمت کو والہانہ انداز میں پکار اگیا ہے۔ مضامین نعت سے اسلوب ہم آہنگ ہے اس لیے تاثر پذیری شدید ہے۔ قصیدے کی ابتدا ہی سے اثر شروع ہو جاتی ہے اور عام روش کے مطابق بتدریج ذات تک پہنچنے کی کوشش کے بجائے شاعر بلا توقف دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔

یا عین نعنی العلم الاکبر هنی النبی الاکرم الاطهر [5]

مقامِ رسالت کی عظمتوں کا ادراک کرنے کیلئے قلبی کدورت کا دور ہونا اور بصری حجابات کا اٹھنا ضروری ہے تاکہ اس ذاتِ بابرکات کا ادراک درست ہو۔ ابن معصوم نے یہ خوبصورت اور ضروری نقطہ اٹھا کر بالواسطہ مقامِ رسالت کی عظمتوں کی شہادت دی ہے

ان کانت المرآة مجلوة تقابل الشخص الذی یصدر

فاضرع الی رب الوری وابتهل واسأله توفیقا به تبصر

والق من اوصاب دار الفنا فکرک علی الورد لا یکدر [6]

قلب آئینہ ہو، توفیقِ الٰہی حاصل ہو اور دنیاوی غلاظتوں سے مخزنِ فکر مصفیٰ و مجلیٰ ہو تو پھر صاحبِ قاب قوسین کی

---

(۱) المجموعۃ النبہانیہ الجزء الثانی ص ۳۴۰ (۲) حوالہ مذکورہ (۳) حوالہ مذکورہ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۴۴۱ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۲۲۷ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۲۲۸

مدح زیب دیتی ہے اور اس مقام پر مداحین کو یقین ہونا چاہیے کہ ان کی سعی مشکور ہے ۔

اُکفت فی شلئے اذا زرتہ — وانت طبق النص تستغفرُ

اَتلہج قد نلت الغی تدتجی — وکل ما تنسی و ما تذکر ۱

عظمتِ مقامِ ذکر کے کچھ حسّی اشارے سامع کو متوجہ کرتے ہیں اور اُسے سراپا دعوت بنا دیتے ہیں ۔

ھذا مقام السعی فاحتل بہ — لَبُشری فہذا حظّلۃ المسفرُ

ھذا مقام المجد من اُمّہٗ — سما بہ فی دھرہ المفخرُ

ھذا مقام الجود فاسئل بہ — مَا شئتَ فالمسئول لا یضجرُ

ھذا و ھذا کلّ ما شئت قل — من مبتسٍ اُعن فضلہ یخبرُ ۲

مدحیہ شاعری میں ندائیہ جملے مدح کی جان ہوتے ہیں کہ ان سے اوصاف کے تذکرے کے علاوہ ہم گوشی کی فضا پیدا ہوتی ہے

یا سید الرسل سلام علی — وجہکَ وھو الکوکب الانورُ

یا صفوۃ الحق سلام علی — متوالکَ وھو الدقیق الاوھرُ

یا ھادی الخلق سلام علی — سوحدکَ وھی الوطن الاذخرُ ۳

ابنِ معصوم کے قصائد کا عمومی لہجہ عرب ماحول کا عکاس ہے ۔ مفاہیم کی مناسبت سے الفاظ کا چناؤ خوب ہے ، لفظوں پر موسیقیت کا عنصر غالب ہے ، معانی کے اعتبار سے مدح کے عمومی رویے کو پیش نظر رکھا گیا ہے صرف ایک بات کھٹکتی ہے کہ ابن معصوم انبیاء کرام علیہم السلام سے تقابل میں غیر محتاط ہو جاتے ہیں اور یہ بے باکی ہر دو قصائد میں موجود ہے ۔

المدائح النبویہ کے اس مختصر جائزہ سے چاچند امور کی نشان دہی ہوتی ہے ۔

المدائح النبویہ کا ذخیرہ طوالتِ عمر کی نسبت سے بہت کم ہے اس کا سبب فارسی شاعری کی طرف زیادہ توجہ ہے ۔

شعر کے حوالے سے معروف شعرا میں مدح النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت بہت کمزور ہے ۔

مدحتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علماء کی محفلوں میں پروان چڑھی ہے اس لئے اس پر شعری کیفیات کے بجائے علمی رنگ غالب ہے ۔

نعتیہ قصائد لکھنے والے اصحاب میں سے اکثر عرب ممالک سے آئے ہوئے مہمان ہیں جن کی یہاں مستقل سکونت کے باوجود ان کا رابطہ عرب ممالک سے قائم ہے

نعتیہ شاعری تقلیدی روش کی پابند ہے اور کوئی ایسا نمائندہ شاعر پیدا نہیں ہوا جو مضامین یا اسلوب میں جدت پیدا کرتا ۔

ابن شدقم اور ابن معصوم دو عرب مہاجرین نے اس دور کی آبرو رکھ لی ہے ورنہ یہ دور بہت تہی داماں تھا ۔

مقامی، سماجی و معاشرتی اثرات اور ہندی علمی ادبی روایات کے اثرات کہیں کہیں نظر آنے لگے تھے جیسے یعقوب مانکپوری کے ہاں اگرچہ ہندی بحور میں عربی میں شعر کہنے لگے تھے ۔ ۴

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ شاید اس دور کی تنگ دامنی کا سبب تذکرہ نگار بھی کردہ اکثر عربی شعر یا عربی دواوین کے حوالے پر اکتفا کرتے ہیں اُن کے قارئین کو ان کے طویل اقتباسات کی ضرورت نہ تھی اس لئے اس دور کی مکمل تصویر ہمارے سامنے نہ آسکی ۔ قصور اس دور کے عربی دان طبقے کا تھا جو روایت کرنے والے مورخین کا بھی ہے کہ انہوں نے دیوان کی موجودگی میں اعلان کے باوجود کوئی شعر روایت نہ کیا مثلاً ابراہیم ہندی کے بارے میں یہ درج کر آئے ہیں کہ اس کا عربی میں ضخیم دیوان موجود تھا، مگر اس دیوان سے روایت نہ ہونے کے برابر ہے ، بہر کیف سبب کچھ بھی ہو یہ دور، دورِ اموی عباسی کی طرح مدحیہ شاعری کے انحطاط کا دور ہے ۔

---

① المجموعۃ النبہانیہ الجزء الثانی ص ۲۳۹ ② حوالہ مذکورہ ص ۲۳۸، ۲۳۹ ③ حوالہ مذکورہ ص ۲۳۹

④ نزھۃ الخواطر الجزء الرابع ص ۹۴

(ب) سلطنتِ مغلیہ کا دورِ زوال

(۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ تا ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷)

بابر کے تختِ دہلی پر متمکن ہونے سے اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۹۳۲ھ/۱۵۲۶ تا ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷) تک برصغیر پر ایک مستحکم حکومت قائم تھی۔ اکبر کے دور سے مغلیہ سلطنت کی تمام مخالف قوتیں مایوس ہو چکی تھیں اور عوام نے مغلیہ حکمرانوں کا سلطنت پر استحقاق تسلیم کر لیا تھا۔ اس مغلیہ اقتدار کو کسی عوامی ردِ عمل سے خطرہ نہ رہا تھا۔ البتہ افراد کی کشمکش کے بعض مظاہر پیدا ہوتے رہے۔ باپ بیٹے جیسے اکبر اور جہانگیر میں، بھائی بھائی جیسے شاہ جہاں اور شہریار میں اقتدار کی جنگ مغلیہ حکمرانوں کا گھریلو معاملہ تھا۔ یہ تو ممکن تھا کہ امرا یا عوام کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں، مگر یہ ناممکن ہو گیا تھا کہ مغلیہ خاندان کے باہر سے کوئی ایسا دعویدار پیدا ہو۔ یہ خاندانی عظمت اور یہ رعب اور ہیبت مغلیہ سلطنت کا سب سے بڑا سہارا تھی۔ اورنگ زیب کے بعد حکمرانوں میں اپنے پیش رووں کا سا جلال باقی نہ رہا تھا بلکہ ان کی قوتِ نافذہ کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی تھی اور امرا اثر یک اقتدار ہو کر من مانی کرنے لگے تھے۔ تقابل کیا جائے تو ایسی ہی صورتِ حال سے عالمِ اسلام اس وقت دو چار تھا جبکہ المتوکل کے قتل سے عباسی خلفاء کی سطوت اور ہیبت میں رخنے پڑنے لگے تھے۔ بعد کے عباسی حکمرانوں میں رہبت تھی اور نہ ان میں مطلق العنان ہونے کی کوئی خواہش، وزراء بے قابو اور علاقائی حکمران خود مختار تھے اور خلفاء کا صرف نام باقی رہ گیا تھا۔ بعینہٖ برصغیر میں بھی یہی حالت تھی۔ مغلیہ تاجدار تبرک کے طور پر تختِ دہلی پر مسند نشین تھے۔ امرا خود سر تھے۔ بادشاہ اندھے کیے جاتے، مروا دیے جاتے اور امرا جسے چاہتے تخت پر لا بٹھاتے مگر اس ساری افراتفری میں سلطنت کے حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت سے کسی مغل بچے ہی کو زحمت دی جاتی۔ یہ غیر شعوری طور پر کسی خاندان کی عظمت کو خراجِ الفت تھا جو عباسیہ کو بھی حاصل رہا اور مغلیہ کو بھی۔

مغلیہ دورِ زوال میں تختِ دہلی نے متعدد حکمران دیکھے۔ ثبات کسی کو حاصل نہ تھا صرف تخت نشینی ایک عادت سی بن گئی تھی ورنہ موت، قتل، جبر و تشدد نے تخت کے قریب ہی ڈیرے ڈالے تھے۔ تختِ حکومت پر مسند نشینی موت کی راہداری بن گئی تھی مگر انسان حبِ جاہ اور طلبِ دنیا میں غرق ہو رہا تھا۔ خورو بھی ہوتا ہے اور کوتاہ نظر بھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد تخت نشینی کی جنگ میں دو شہزادے قربان ہوئے۔ تیسرا شہزادہ معظم بہادر شاہ کے لقب سے تختِ دہلی کا وارث قرار پایا۔ بہادر شاہ (۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ تا ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲) نے پانچ سال حکومت کی یہ عرصہ قدرے سکون سے گزرا مگر متوقع طوفان کا پیش خیمہ بنا۔ اس کی وفات کے بعد جہاندار شاہ (۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ تا ۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳) تخت نشین ہوا۔ عیش و عشرت کا دلدادہ حکمران صرف ایک سال ہی یہ ذمہ داری نبھا سکا۔ فرخ سیر نے ساداتِ بارہہ کے تعاون سے اسے قتل کر ڈالا اور خود تخت نشین ہو گیا۔

فرخ سیر (۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳ تا ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹) کے دور میں سید عبد اللہ شاہ خاں وزیرِ اعظم اور اس کا بھائی سید حسین علی خان امیر الامرا مقرر ہوئے۔ سلطنت کی باگ ڈور دراصل ان سید بھائیوں کے ہاتھ تھی جنہیں تاریخ بادشاہ گر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ فرخ ایک مہرہ تھا جسے یہ بھائی جہاں چاہتے استعمال کرتے اور جب انہوں نے ذرا خطرہ محسوس کیا تو راستے کا پتھر سمجھتے ہوئے اٹھا پھینکا۔ فرخ سیر قتل ہوا تو پھر سلطنت بوسیدگی کا اقتدار کا معاملہ شروع ہوا۔ رفیع الدرجات، اور رفیع الدولہ یکے بعد تخت تک آئے مگر ان کا اندرونی دق انہیں جلد ہی تختہ تک لے آیا۔ اب بادشاہ گروں نے کوئی اور شکار ڈھونڈ نکالا۔

محمد شاہ رنگیلا (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ تا ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸) جہاندار کے چھوٹے بیٹے روشن اختر کو محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین کیا گیا۔ محمد شاہ سید بھائیوں کے کردار کو جانچ چکا تھا اس لئے اس نے سب سے پہلے ان بھائیوں سے نجات حاصل کرنے کی تدبیر کی۔ سید بھائی قتل کر دیئے گئے اور نظام الملک آصف جاہ کو وزیرِ اعظم بنایا گیا۔ نظام الملک جہاندیدہ سردار تھا اور اس کے دل میں سلطنت کے استحکام کی آرزو بھی تھی مگر امرا کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بددل ہو گیا اور دکن کی راہ لی جہاں اس نے دکن حکمرانی سنبھالی اور حکومتِ دہلی سے بالفعل لاتعلق ہو گیا۔ یہ اندرونی خلفشار ابھی ناتمام ہی تھا کہ نادر شاہ درانی ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء کو دہلی پر حملہ آور ہوا۔ دہلی کا سہاگ لٹا اور دارالحکومت کا وقار خاک میں مل گیا۔ سنگدلی کے سب ارمان نکالنے کے بعد واپس لوٹا تو خون آلود تختِ محمد شاہ کے لئے چھوڑ گیا۔ نادر شاہ ایک منتقم مزاج انسان تھا اور اصولِ جہانبانی سے آگاہ بھی نہ تھا۔ بس لوٹ مار شیوہ تھا۔ اس لئے دہلی میں قتلِ عام ہوا۔ نادر شاہ ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں احمد خاں جرنیل کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ جو نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی کے نام سے قندھار کا حکمران بنا۔ سیاسی قوت حاصل کرتے ہی احمد شاہ ابدالی نے حملہ کیا مگر شکست کھائی۔ ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں محمد شاہ فوت ہو گیا۔ محمد شاہ کا تیس سالہ دور سیاسی لحاظ سے بڑا اہم کر خیز ثابت ہوا۔ سید بھائیوں کا قتل

نادر شاہ کا حملہ، دہلی کی تباہی، احمد شاہ ابدالی سے موثر دفاع۔ ان حالات میں اگر محمد شاہ فراست سے کام لیتا تو شاید رو بہ انحطاط سلطنت کو کچھ ثبات
حاصل ہو جاتا مگر وہ حکمرانی کو تسکینِ جذبات کے لئے وقف کئے ہوئے تھا۔ عیش و عشرت اور شراب و کباب کی محفلیں برپا ہوتیں اور ملکی وقار "غرقِ مے ناب
اولیٰ" کے مصداق انحطاط کی دلدل میں اترتا چلا گیا۔ مرکزی حکومت کی کمزور گرفت کی وجہ سے صوبے خود مختار ہوتے گئے۔ اودھ میں نواب سعادت علی خان
اور بنگال میں علی وردی خان نے بھی نظام الملک کی طرح مرکزی حکومت کا جُوا اتار پھینکا۔ مرہٹہ سردار باجی راؤ پَر پرزے نکالنے لگا اور دکن کے کئی علاقوں پر قابض
احمد شاہ (١١٦١ھ/١٧٤٨ء تا ١١٦٧ھ/١٧٥٤ء) محمد شاہ کے بعد احمد شاہ وارثِ تخت بنا اس کے دور میں بھی احمد شاہ ابدالی حملہ آور ہوا اور اس
نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ وزیر غازی الدین نے احمد شاہ کو نااہل سمجھتے ہوئے قتل کر دیا اور عالمگیر ثانی کو تخت پر لا بٹھایا۔
عالمگیر ثانی (١١٦٧ھ/١٧٥٤ء تا ١١٧٣ھ/١٧٥٩ء) کے دور میں وزیر غازی الدین ہی اصل حکمران تھا۔ ابدالی نے ١١٦٨ھ/١٧٥٥ء میں پھر حملہ
کیا اور دہلی کو لوٹ لیا۔ دریں اثنا کہ تختِ دہلی ابدالی کے حملوں کی زد پر تھا انگریز جو جہانگیر کے دور سے اپنا اثر و رسوخ تجارت کے لبادے میں بڑھاتے
آ رہے تھے اور برسرِ پیکار امراء اُن کی چالوں کا شکار ہو کر مرکز سے بے وفائی کر رہے تھے نے ١١٧٠ھ/١٧٥٧ء کو پلاسی کے میدان میں سراج الدولہ کو شکست دے کر بالفعل
بنگال پر قابض ہو گئے۔ ١١٧٣ھ/١٧٥٩ء کو عالمگیر وزیر غازی الدین کی سازش سے قتل ہوا اور قرعۂ فال شاہ عالم ثانی کے نام پڑا
شاہ عالم ثانی (١١٧٣ھ/١٧٥٩ء تا ١٢٢١ھ/١٨٠٦ء) شاہ عالم تختِ دہلی سے بہت دور بنگال میں انگریزوں سے تخت کی مدافعت کیلئے کوشاں
رہا۔ دہلی بے سہارا تھی اور مرہٹے تاک میں تھے۔ دور شاہ عالم کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر مرہٹہ راج کی تکمیل چاہتے تھے۔ ایسے نامساعد حالات میں شاہ ولی
اللہ محدث دہلوی (م ١١٧٦ھ) کی مومنانہ فراست نے اُن کے ارادوں کو بھانپ لیا اور احمد شاہ ابدالی کو حملے کی دعوت دی (١١٧٤ھ/١٧٦١ء) میں پانی پت کے میدان
میں ابدالی اور مرہٹوں کی خونریز لڑائی ہوئی۔ مرہٹہ قوت کا زعم باطل ہوا اور ہند پر حکمرانی کے خواب ویران ہو گئے۔ مسلمانوں کے لئے مطلع صاف تھا
مگر بنگال میں انگریزوں کے قدم جم گئے تھے اور شاہ عالم اُن سے الجھا ہوا تھا۔ ١١٧٩ھ/١٧٦٥ء کو بکسر کے مقام پر انگریزوں نے شاہ عالم کو شکست
دے دی۔ یہ فتح انگریزوں کی مستقل حکومت کا نقطۂ آغاز تھی۔ شاہ عالم انگریزوں کو مراعات دینے پر مجبور ہوا۔ ١١٨٦ھ/١٧٧٢ء کو شاہ عالم دہلی
آیا۔ دہلی میں روہیلوں کا اقتدار بڑھتا جا رہا تھا چنانچہ غلام قادر روہیلے نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ ١٢٠٢ھ/١٧٨٨ء کو شاہ عالم کو اندھا کر دیا
گیا۔ ایسے دردناک حالات میں مرہٹوں نے شاہ عالم کا ساتھ دیا اُسے دوبارہ تخت پر لائے اور غلام قادر روہیلے کا سر کاٹ کر اس کے قدموں
پر رکھ دیا۔ مرکز میں جب شاہ عالم اور مرہٹے برسرِ پیکار تھے تو اسی عرصہ میں انگریز دکن کی جانب بڑھتے جا رہے تھے اور آخر انہوں نے
میسور کی مضبوط مسلم ریاست پر حملہ کیا، ٹیپو سلطان بہادری سے دفاع کرتا رہا مگر ١٢١٣ھ/١٧٩٩ء میں ٹیپو کے شہید ہونے پر میسور پر بھی اُن
کا قبضہ ہو گیا۔ انگریز رفتہ رفتہ اپنا اقتدار مستحکم کرتے جا رہے تھے اور اُن کا حصار تختِ دہلی کے گرد مضبوط ہوتا جا رہا تھا کہ ١٢١٨ھ/١٨٠٣ء
میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ مغل بادشاہ کو برائے نام برقرار رکھا اور شاہ عالم اپنے اندھے پن میں زندگی گزارتا رہا۔ ١٢٢١ھ/
١٨٠٦ء کو شاہ عالم کا انتقال ہو گیا۔
اکبر ثانی (١٢٢١ھ/١٨٠٦ء تا ١٢٥٣ھ/١٨٣٧ء) شاہ عالم کے بعد اکبر ثانی انگریز حکمرانوں کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے تخت پر متمکن
رہا مگر انگریزی احکامات کی پابندی کرتا رہا۔ اب مغلیہ حکمرانوں کا عوام سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ صرف لال قلعہ میں انگریزی وظیفہ پر دادِ عیش
دیتے رہے۔ ابدالیوں کے خاتمے کے بعد پنجاب میں کوئی منظم قوت نہ تھی اس سے سکھوں نے فائدہ اٹھایا اور ١٢١٢ھ/١٧٩٨ء میں رنجیت سنگھ
نے پنجاب و کشمیر پر اپنی حکمرانی قائم کر لی۔ سکھوں کے خلاف مزاحمت کی ایک تحریک اٹھی جسے تحریک مجاہدین کہا جاتا ہے۔ ١٢٤٦ھ/١٨٣١ء کو سکھوں نے
بالاکوٹ کے مقام پر تحریک کے راہنما سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کو شکست دے کر تحریک کی قوت ختم کر دی۔
بہادر شاہ ظفر (١٢٥٣ھ/١٨٣٧ء تا ١٢٧٤ھ/١٨٥٧ء) اکبر ثانی کے بعد سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ ثانی کو تخت پیش کیا گیا۔ بہادر
شاہ کی حکومت صرف لال قلعہ کے اندر تک تھی باہر انگریز حکومت کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں ١٢٥٥ھ/١٨٣٩ء کو رنجیت سنگھ مر گیا اس پر انگریزوں
نے پنجاب پر قبضہ کا پروگرام بنایا۔ ١٢٦٥ھ/١٨٤٩ء میں پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس سے بھی پہلے سندھ ١٢٥٩ھ/١٨٤٣ء کو انگریزوں کی

تحویل میں آچکا تھا، اسی طرح ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء کو اودھ پر بھی اُن کا قبضہ ہو چکا تھا، زوال جب آخری مراحل میں تھا اور صورتِ حال مایوس کن ہوگئی تھی تو برصغیر کے لوگوں میں غیر ملکی متوقع غلامی کے خلاف ردِ عمل ہُوا تحریکِ آزادی کا آغاز ہُوا۔ مجاہدین کے گروپ تشکیل پا گئے اور انہوں نے اکثر مضبوط مراکز میں علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ مجاہدین نے بہادر شاہ کو لال قلعہ سے نکالا اور ایک طاقتور خود مختار حکمران کی حیثیت سے تختِ دہلی پر قابض ہو جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان خوش آئند تھا مگر اس کے اثرات کے دفاع کے لئے کوئی پلاننگ نہ کی گئی تھی اس لئے یہ پروگرام ناکام ہُوا۔ بہادر شاہ کو گرفتار کر لیا گیا اس طرح ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء کو مغلیہ سلطنت کی آخری یادگار بھی ختم کر دی گئی۔ بہادر شاہ نے رنگون میں جلاوطنی کے پانچ سال بڑی کس مپرسی کی حالت میں گزارے اور آخر ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء کو انتقال کیا اور رنگون ہی میں دفن کیا گیا۔

یہ تاریخی حقائق واضح کرتے ہیں کہ سلطنتِ دہلی کو اورنگ زیب کی وفات کے بعد ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور مغلیہ سلطنت کے خاتمے تک نہایت ناسازگار حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ مسلمانانِ ہند شاید مستقبل کی بے ثباتی کو بھانپ گئے تھے اسی لئے تو اورنگ زیب کی وفات پر اُن کا ردِ عمل انتہائی جذباتی تھا۔ مستعد خان کہتا ہے "خلائق از دیدن آں وضع ناموغوب و وداں آنچہ بر آمد طوفان ہا ی گریہ جوش زد"۔ دہلی بار بار ملکی اور غیر ملکی حملہ آوروں سے پامال ہو رہی تھی، معاشرتی زندگی میں عدمِ استحکام اور سماج پر بے یقینی طاری تھی۔ بنگال نے غیر ملکی استعمار کا تسلط قبول کر لیا ہوا، برصغیر کی آزادی پر شب خون مارنے کیلئے پر تول رہا تھا۔ دکن کی مسلم ریاستیں قدرے پُر امن تھیں مگر انگریز کی ہوسِ ملک گیری کا ہدف بھی وہی تھیں۔ اودھ میں مذہبی فرقہ پرستی کا طوفان بپا تھا۔ حکمرانوں نے دین کو چند رسومات کے حوالے کر رکھا تھا کہ معاشرتی بگاڑ اور عوام کو مصروف رکھنے کیلئے ایسی تدابیر مفید ہوتی ہیں۔ مقامی آبادی مسلسل ماتحتی سے بوکھلا کر اپنے حقوق مانگنے لگی تھی۔ مرہٹے اپنی قسمت آزما رہے تھے اور سکھ سکھا شاہی کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان حالات میں دردمند مسلمان پریشان بھی تھے اور مستقبل کے بارے میں متوحش بھی۔ سیاسی جوڑ توڑ کی وجہ سے حکمرانوں کو علمی سرپرستی کے لئے فرصت ہی نہ تھی۔ جب امرا نے اقتدار سنبھالا تو حکمرانوں کو مسندِ اقتدار رکھنے کیلئے لہو و لعب کی راہ دکھائی گئی۔ مسلمانوں کا اقتدار گہن میں تھا مگر عیش و عشرت کا بازار گرم تھا، فرصت کم رہ گئی تھی اس لئے حکمران عیاشی کے سارے ارمان جلد پورا کرنا چاہتے تھے۔ اس بے یقینی میں یقین کی دولت صوفیا کے خلوت خانوں میں تھی اس لئے یہ خلوت خانے آباد ہوئے۔ بے سہارا قوم کو گنبدِ خضرا کا سہارا یاد آنے لگا۔ دردمند احباب اپنے دل کا کرب شعروں میں سمونے لگے اس طرح مغلیہ دورِ زوال میں نعت کی آبیاری کا سامان بہم ہونے لگا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مغلیہ دورِ زوال کی اکثر خصوصیات عباسی دورِ زوال کے مشابہ تھیں۔ سقوطِ بغداد کے بعد نعتیہ شاعری عام ہوگئی تھی کہ قوم اپنی درماندگی میں درِ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے نظرِ کرم کی ملتجی تھی اسی طرح اورنگ زیب کی وفات کے بعد برصغیر کی مسلمان آبادی مضطرب اور پریشان حال تھی۔ ایسے میں قرارگاہِ مہجوراں کی یاد ستانے لگی۔ ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء کے بعد تو قوم کراہنے لگی اور بے تحاشا فریاد کرنے لگی مگر اس سے قبل ہی اربابِ شعور کو آنے والے خطرات کا احساس ہو گیا تھا۔

قوموں کے عروج و زوال کی داستانوں کا بنظرِ امعان جائزہ لیا جائے تو ایک حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ عروج بھی مرحلہ وار ہوتا ہے اور زوال بھی۔ دورِ عروج میں ہر میدان میں قابل افراد کی لمبی قطار نظر آتی ہے جو قومی ارتقاء کے لئے کوشاں رہتی ہے جبکہ زوال آشنا قوم کو ایک حکیم فرزانہ بھی بمشکل میسر آتا ہے۔ مغلیہ دور کی مدحیہ شاعری پر تبصرے سے قبل مسلم معاشرے کے خدوخال کا جائزہ ضروری ہے تاکہ مدحیہ شاعری کے محرکات اور رجحانات کی نشاندہی کی جا سکے۔ برصغیر کا مسلم معاشرہ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے باہمی اشتراک سے اپنی سمت متعین کرتا ہے۔ ان کے ذکر کے بغیر مسلم معاشرے کا ہر جائزہ ادھورا اور ناقابلِ اعتماد ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برصغیر میں اسلام کی توسیع و اشاعت ہمیشہ سے ان دو اداروں کے ذمہ رہی ہے۔ حکمران تو صرف اپنی سیاسی ضرورت کی حد تک تعاون یا عدمِ تعاون کرتے رہے ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی اُن کا کردار اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں ہمدردانہ نہیں رہا۔

دورِ زوال میں علما کی علمی اور صوفیا کی تبلیغی سرگرمیاں نسبتاً بہت کم تھیں۔ ایک مضطرب اور پریشان حال معاشرہ میں علمی کارناموں پر کون دھیان دیتا ہے اور ایک تباہ حال قوم تبلیغ کو بطورِ مشن اپنانے پر کب تیار ہوتی ہے۔ اسی لئے علمائے ماسلف علم

① مآثرِ عالمگیری ص ۵۲۲، تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد ۵ فارسی ادب ص ۶۔

کے استعمال پر ہی کفایت کرتے ہے اور صوفیاء کی خانقاہیں تبلیغ سے زیادہ گوشۂ عافیت بن گئیں۔ یہ پسپائی کا عمل تھا اس لئے اس دور میں خال خال عالم اور مشکل کوئی ایک صوفی نظر آتا ہے جسے دور سلاطین کے صوفیاء کی صف میں کھڑا کیا جا سکے۔ مگر قحط الرجال کے اس دور میں بھی اللہ کی زمین بزرگوں سے خالی اور عالموں کے وجود سے محروم نہ تھی۔ ان معدودے چند علماء و صوفیاء کے ذکر سے ماحول کی سنگینی کا درست اندازہ ہو سکے گا۔

علماء کرام۔

ملا جیون امیٹھوی (م ۱۱۳۰ھ) اورنگ زیب کی نگاہ دوربین نے انہیں اپنے دربار کی علمی وجاہت کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ ان کی تفسیر احمدی جس کا پورا نام "التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ" اور اصول فقہ پر امام البرکات النسفی (م ۷۱۰ھ) کی مشہور کتاب "منار الانوار" کی شرح "نور الانوار فی شرح المنار" متداول اور معروف کتابیں ہیں[1]۔ نور الانوار مدارس نظامیہ میں شامل نصاب ہے اور تفسیر احمدی مسلم معاشرے میں اسلامی احکامات کی عملی تطبیق کے لئے قابل اعتنا کارنامہ ہے جس میں استخراج مسائل پر زیادہ توجہ کی گئی ہے۔

علامہ حمد اللہ سندیلوی (م ۱۱۶۰ھ) ملا نظام الدین فرنگی محلی کے ایک ممتاز شاگرد تھے۔ بادشاہ دہلی نے ان کو فضل اللہ خان کا خطاب دیا تھا[2]۔ معقولات کے امام تھے۔ درسیات کے میدان میں چند مفید حواشی ان کی یادگار ہیں۔ ان کی شہرت کا باعث قاضی محب اللہ بہاری کی علم منطق پر معروف کتاب "سلم العلوم" کی شرح ہے جسے ان کے نام پر حمد اللہ کہا جاتا ہے۔ مدارس نظامیہ میں منطق کے منتہی طلباء اسے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ "الحاشیۃ علی الشمس البازغۃ" "الحاشیہ علی شرح ہدایۃ الحکمۃ" بھی ان کی تصنیفات ہیں[3]۔

ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) ملا قطب الدین شہید کے نامور فرزند جو والد کے قتل کے بعد سہالی سے ہجرت کر گئے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے انہیں فرنگی محل عطا کر دیا جس کی نسبت سے اس خاندان کو شہرت حاصل ہوئی۔ علماء فرنگی محل میں درس و تدریس کا سلسلہ اس قدر مربوط طریق سے شروع ہوا تھا کہ یہ طریقہ تدریس پورے برصغیر میں عام ہوا اور نظام الدین کے نام سے منسوب ہو کر درس نظامی یا مدارس نظامیہ کہلایا۔ ملا نظام الدین ایک کامیاب مدرس تھے۔ افادۂ طلبہ کے لئے انہوں نے درسیات کی مختلف کتابوں پر حواشی اور شرحیں تحریر کیں مثلاً شرح مسلم الثبوت، الصبح الصادق فی شرح المنار، الحاشیہ علی الشرح العضد للدوانی، الحاشیہ علی الصدرا، الحاشیہ علی الشمس البازغۃ اور متعدد دیگر کتب[4]۔

قاضی مبارک گوپاموی (م ۱۱۶۲ھ) درسیات کے عالم، حمد اللہ سندیلوی کے ہم عصر تھے اس لئے معاصرانہ چشمک بھی تھی۔ انہیں کی طرح سلم العلوم کی شرح لکھی جو قاضی مبارک کے نام سے مدارس نظامیہ کے نصاب کا حصہ ہے ایک معیاری منطق کی کتاب سمجھی جاتی ہے[5]۔

محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) بکھر کے قریب علی پور کے رہنے والے تھے[6]۔ چاچڑ قبیلے سے تعلق تھا[7]۔ تحصیل علم کیلئے ٹھٹھہ تشریف لائے اور مخدوم محمد امین سے تعلیم حاصل کی۔ پھر ہجرت کر کے حرمین تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں توطن اختیار کر لیا۔ شیخ ابوالحسن بن عبد الہادی سندھی کی خدمت میں رہے۔ مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئے۔ شاگردوں میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی، مولانا محمود زاہد سورتی، سید عبد الرحمٰن العیدروسی اور محمد بن عبد الوہاب مشہور ہیں[8]۔ تصانیف میں تحفۃ المحبین فی شرح الاربعین النووی، الرسالۃ فی ممانعۃ التعزیہ، تحفۃ الانام فی العمل بحدیث خیر الانام شامل ہیں[9]۔

محمد اعلیٰ تھانوی (بارہویں صدی ہجری) کشاف اصطلاحات الفنون، ان کی مشہور تالیف ہے جس میں انہوں نے عہد بہ عہد تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے عربی اور عجمی الفاظ کی فنی اصطلاحات پر کام کیا ہے۔

سید مرتضیٰ الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) برصغیر کے ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے عجمی ہوتے ہوئے بھی عربوں سے خراج تحسین

---

① نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۱۹ تا ۲۱ ② عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ③ حوالہ مذکورہ ص ۲۶۳ ④ حوالہ مذکورہ ص ۳۰۸، ۲۹۲، ۳۰۲ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۳۰۴ ⑥ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ڈاکٹر محمد اسحاق ص ۲۸۱ ⑦ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۰۵ ⑧ تاریخ سندھ اعجاز الحق قدوسی جلد دوم ۵۵۹، ۵۶۰ ⑨ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۸۲ ⑩ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہندوستان جلد ۲ عربی ادب ص ۳۳۰۔

وصول کیا ہے اور اپنی تصنیفات سے ایک عالم کو فیض پہنچایا ہے۔ سید مرتضیٰ الزبیدی نمایاں ترین مقام رکھتے ہیں۔ علامہ الزبیدی ۱۱۴۵ھ کو برصغیر کے
مردم خیز قصبے بلگرام میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی، پھر معقولات کی تحصیل کے لئے سندیلہ، خیرآباد تشریف لے گئے وہاں سے فارغ
ہوئے تو دہلی آئے اور شاہ ولی اللہ سے کسب فیض کیا۔ سورت میں مشہور محدث شیخ خیرالدین السورتی سے بھی استفادہ کیا۔ ۱۱۶۳ھ کو حرمین روانہ ہو گئے، پہلے
یمن کے علمی مرکز الزبید پہنچے اور لمبا عرصہ قیام کیا۔ بطوالت قیام کی وجہ سے الزبیدی کہلائے۔ مصر گئے، جہاں شادی کر کے مستقل اقامت پذیر ہو گئے۔ شعبان
۱۲۰۵ھ میں طاعون کی وبا سے وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا خاندان عراق کے شہر واسط کا رہنے والا تھا۔[۱] علامہ الزبیدی کو شہرت اُن کی تالیف تاج العروس
سے حاصل ہوئی جو در اصل الفیروزآبادی (م ۸۱۷ھ) کی تصنیف القاموس المحیط کی دس جلدوں میں ضخیم شرح ہے۔ آپ نے چودہ سال دوماہ
کی محنت شاقہ سے اسے مکمل کیا۔ تاج العروس کی مقبولیت اور اس کی علمی افادیت، ادبی لسانی منظر اور معلوماتی وسعت کی مرہون ہے۔ علامہ الزبیدی
کی تالیفات کی تعداد سو سے زائد بتائی جاتی ہے تبرکاً چند نام درج کئے جاتے ہیں۔ 'اتحاف السادة المتقین شرح احیاء علوم الدین' ۲۰ جلدوں
میں ایک قابل قدر کتاب ہے۔ تکملة القاموس، حسن المحاضرة فی آداب البحث والمناظرة، اقرار العین بذکر من نسب الی الحسن والحسین
الازہار المتناثرة فی الاحادیث المتواترة، الجواہر المنیفة فی اصول ادلة الامام ابی حنیفة، اعلام الاعلام بمناسک بیت اللہ الحرام[۲]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) شہر پانی پت میں ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے
حدیث کی سماعت کی۔ حافظ محمد عابد لاہوری (م ۱۱۶۰ھ) سے نقشبندیہ سلسلے میں بیعت ہوئے۔ اُن کی وفات پر مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی ۱۱۹۵
ھ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علم طریقت (احمدیہ) حاصل کیا۔[۳] قاضی صاحب علم معقول اور منقول کے ایسے عالم تھے جن کی علمیت خاص طور پر علم فقہ میں
کاملیت کا سب نے اعتراف کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے انہیں بیہقیٔ وقت خطاب دیا۔[۴] تصنیفات میں سب سے زیادہ 'التفسیر المظہری' کو شہرت
حاصل ہے جو مرزا مظہر جانِ جاناں کے نام سے معنون ہے اور دس جلدوں میں مطبوع ہے۔ تفسیر کا طرزِ نگارش سلیس اور قابل استفادہ ہے۔ جگہ جگہ
میں فقہی مسائل زیر بحث آئے ہیں مگر ساتھ ساتھ مصنف نے حاشیہ آرائی قاری کو متاثر کرتی ہے اور قاری وارفتگی کے عالم میں آگے بڑھتا ہے۔

"مالا بد منہ" فقہ حنفیہ پر فارسی میں رسالہ ہے جو مدارس تعلیمیہ میں شامل نصاب ہے۔

شیخ سلام اللہ رامپوری (م ۱۲۲۹ھ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان کے آخری نامور عالم ہیں۔ دہلی چھوڑ کر رامپور چلے گئے اسلئے
رامپوری کہلائے۔ فاضل علوم اور محدث تھے۔ تفسیر و حدیث پر گہری نظر تھی چنانچہ تفسیر جلالین کی شرح 'الکمالین' کے نام سے تحریر کی جس میں جلالین کا اسلوب
اور انداز اختصار اختیار کیا۔ 'المحلی' موطا کی شرح ہے اور ایک ضخیم کتاب ہے۔ 'کشف القناع عن اباحة السماع' حلت سماع پر جامع کتاب ہے۔[۵]

سید دلدار علی مجتہد (م ۱۲۳۵) شیعہ مجتہد تھے۔ برصغیر اور عراق کے علماء سے تعلیم حاصل کی۔ کثیر کتب کے مصنف ہیں جن میں سے اکثر
فرقہ وارانہ مسائل پر ہیں۔ 'اساس الاصول' شیعی نقطہ نظر سے اصول فقہ کی کتاب ہے جس میں علم کلام اور عقائد کی بحثیں ہیں۔ 'الشہاب الثاقب'
نظریہ وحدت الوجود کی تردید میں ہے جس میں ضمناً تصوف کی نفی اور نامور صوفیاء کی اغلاط گنوائی گئی ہیں۔ عماد الاسلام، کشف النقاب عن عقائد
ابن عبدالوہاب، صوارم الالٰہیات، حسام الاسلام، احیاء السنة، الرسالة فی غیبة صاحب الزمان، مسکن القلوب عند فقد المحبوب
اثارة الاحزان علی القتیل العطشان۔[۶]

مولانا عبدالعلی بحرالعلوم لکھنوی (م ۱۲۳۵ھ) فرنگی محل کے نامور عالم تھے۔ ناموافق حالات کی وجہ سے لکھنؤ چھوڑ کر شاہجہانپور اور پھر رامپور چلے گئے۔ نواب
محمد علی خان کی دعوت پر کرناٹک گئے، دارالعلوم قائم کیا اور وفات تک کرناٹک ہی میں تدریس میں مشغول رہے۔ بیشتر درسی کتب کی شرحیں اور حواشی لکھے مثلاً فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت
اصول فقہ پر ان کی یہ شرح نہایت مقبول ہے۔ تنویر المنار شرح المنار، الحاشیہ علی الحاشیة الزاہدیة علی الامور العامة، الحاشیة علی الشرح العقائد للدوانی، الحاشیة علی شرح المواقف

---

① نزہة الخواطر الجزء السابع ص ۱۸۱، ۱۸۳ ② معجم المؤلفین الجزء الحادی عشر ص ۲۸۲ ③ نزہة الخواطر الجزء السابع ص ۴۸، ۵۰ ④ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۴۹
⑤ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۱۰۳۲ ⑥ حوالہ مذکورہ ص ۱۰۳۳ ⑦ نزہة الخواطر الجزء السابع ص ۲۰۱، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۹۲، ۲۰۱ ⑧ عربی ادبیات
میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۳۲، ۱۳۳، ۲۶۶، ۲۹۳، نزہة الخواطر الجزء السابع ۱۹۶، ۱۹۸، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۳۸۶

شرح سلم العلوم، التعلیقات علی شرح سلم العلوم، الحاشیہ علی الحاشیہ الزاہدیۃ القطبیہ، الحاشیہ علی الحاشیہ الزاہدیہ الجلالیۃ، الحاشیۃ علی الصدرا الحاجم الشافیۃ، التعلیقات علی الافق المبین، شرح المسلم اور کئی اور حواشی۔[۱]

مولانا فضل امام خیرآبادی (م ۱۲۴۳ھ) دہلی کے مفتی اور صدر الصدور تھے، علم معقول میں یگانہ روزگار تھے۔ سرسید احمد خان کہتے ہیں "علوم عقلیہ اور فنون حکمیہ کو ان کی طبع وقاد سے اعتبار تھا اور علوم ادبیہ کو ان کی زبان دانی سے افتخار۔ اس نواح میں ترویج علوم حکمت و معقول کی اسی خاندان سے ہوئی گویا اس دودۂ والا تبار سے اس علم نے یک جہتی بہم پہنچائی ہے"۔[۲] آپ کی تالیفات میں مرقاۃ فی المنطق شامل نصاب کتب ہے۔ "میر زاہد رسالہ" اور "میر زاہد ملا جلال" پر ان کے حواشی ملتے ہیں۔ شیخ بو علی سینا کی شفاء کا خلاصہ اور تشحیذ الاذہان فی شرح المیزان کا ذکر بھی ملتا ہے۔[۳]

علامہ محمد عابد السندھی (م ۱۲۵۷ھ) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کے ایسے حنفی عالم جو سندھ کے شہر سیوان میں پیدا ہوئے نوعمری میں عرب چلے گئے اور زبید میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ صنعاء بھی رہے اور وہاں شادی کی، سندھ آکر نواری میں مقیم ہو گئے مگر پھر حرمین کو لوٹ گئے۔ محمد علی پاشا مصری نے انہیں مدینہ منورہ میں رئیس العلماء مقرر کیا، مدینہ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئے۔ علامہ سندھی کی تصنیفات میں المواہب اللطیفۃ علی مسند ابی حنیفۃ، ترتیب مسند امام ابی حنیفۃ،[۴] حصر الشارد، الوصول الی حدیث الرسول، شرح بلوغ المرام لابن حجر،[۴] طوالع الانوار علی الدر المختار قابل ذکر ہیں۔

مولانا مملوک علی (م ۱۲۶۷ھ) نانوتوی، نانوتہ (سہارنپور) میں پیدا ہوئے، دہلی میں تعلیم پائی، مدرسہ دارالبقاء میں معلم ہوئے اور عمر بھر یہ مشغلہ جاری رکھا۔ کئی شاہیر ان کے حلقہ درس میں شامل رہے اور یہ نامور ہی ان کی زندہ تصنیفات ہیں، ان میں محمد مظہر نانوتوی، محمد احسن نانوتوی، محمد قاسم نانوتوی، محمد یعقوب نانوتوی جو ان کے صاحبزادے تھے۔ رشید احمد گنگوہی، احمد علی سہارنپوری، ذوالفقار علی دیوبندی، فضل الرحمٰن دیوبندی، کریم الدین پانی پتی اور ڈاکٹر ضیاء الدین شامل ہیں۔[۵]

صوفیاءِ عظام۔

برصغیر میں مختلف سلاسلِ تصوف تبلیغی و اصلاحی کوششوں میں مصروف رہے تھے اور ان کی کوششیں بار آور بھی ہوئی تھیں کہ کثیر آبادی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی تھی۔ مگر بعد سیاسی حالات کی ناہمواری اور امراء و سلطنت کی بے راہ روی نے غیر مسلم طاقتوں کو بہت حوصلے عطا کر دیئے۔ اور وہ ماضی کی محکومی کا بدلہ لینے کیلئے تیار ہونے لگے۔ مغلیہ دورِ عروج ہی میں در پردہ معاندانہ سرگرمیوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ عہد زوال میں یہ قوتیں زیادہ فعال ہو گئیں مگر بدقسمتی سے دفاعی محاذ اتنا مضبوط نہ تھا جتنا چاہیے تھا۔ اکثر سلاسل صوفیاء اپنا عہد پورا کر چکے تھے۔ سہروردیہ، شطاریہ، قادریہ سلسلے انحطاط کا شکار تھے۔ صرف چشتیہ اور نقشبندیہ مصروفِ عمل نظر آتے ہیں اگرچہ ان میں بھی اپنے پیش رووں کی سی قوت نہ تھی مگر بہر حال وہ اس روایت کو نباہ رہے تھے۔

چشتیہ سلسلہ۔

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۲ھ) سلسلہ چشتیہ کی وہ برگزیدہ ہستی جس سے اس دور میں سلسلے کو وقار اور ثبات حاصل رہا۔ ۱۰۶۰ھ میں ایک محنت کش اور صاحب فن خاندان میں آباد ہوئے، خاندان کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ دہلی میں جن علماء میں شیخ بہلول اور شاہ عبدالرحیم کے برادر گرامی شیخ ابو الرضا ہندی شامل تھے علوم درسیہ حاصل کئے۔ مزاج میں ایک بےخودی کی تڑپ تھی جس کی تسکین ان علوم سے نہ ہوئی۔ مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں شیخ یحییٰ مدنی (م ۱۱۰۱ھ) کے حلقۂ سلوک میں داخل ہو گئے۔ واپسی پر دہلی میں مسندِ ارشاد بچھائی۔ توکل شاہ صاحب کے مزاج کا لازم جزو تھا۔ آپ ایک عالم صوفی تھے اس لئے جہاں تربیت نفوس کے دائمی اثرات چھوڑے وہاں تالیفات کے میدان میں بھی قابلِ قدر کارنامے انجام دیئے۔ مشہور تالیفات میں ان میں قرآن القرآن، کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ عربی میں قرآن پاک کی مختصر مگر جامع تفسیر ہے۔

---

① نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۸۶، عربی ادبیات میں پاکستان و ہند کا حصہ ص ۳۱۲ ② ۳۹۰، ۳۹۹، ۳۸۱، ③ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۷۶ ④ نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۴۷ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۷۰ ④ معجم المؤلفین الجزء العاشر ص ۱۱۳، نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۴۴۴، ۴۹۶ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۹۰ ⑤ مولانا محمد احسن نانوتوی، محمد ایوب قادری ص ۱۸۳ ⑥ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۹۰ حاشیہ

مناقب المحبوبین

کے فاضل مصنف نے اس کو جلالین کے ہم پلہ بتایا ہے[1]۔ شاہ صاحب کے خلفا میں شیخ نظام الدین اورنگ آبادی (م ۱۱۴۲ھ) نے جنوبی ہند میں تبلیغی مشن جاری رکھا آپ اپنے پیر کے اس قول کے مطابق کہ "داعی برادر منصب باو شما فوقت کوشش کنید در اعلاء کلمۃ اللہ"[2]۔ اعلاء کلمۃ اللہ میں کوشاں رہے۔ مشہور فرمانروا نظام الملک آصف جاہ آپ کے مرید ہوگئے تھے[3]۔

مولانا فخر الدین فخر دہلوی (م ۱۱۹۹ھ) شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کے صاحب زادے اور خلیفہ تھے۔ ۱۱۲۶ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے دکن کے اساتذہ سے تعلیم پائی۔ والد کی وفات پر سجادہ نشین ہوئے مگر جلد ہی دہلی منتقل ہوگئے اور وہاں ہی مسندِ ارشاد بچھائی۔ دہلی میں خواجہ نور محمد مہاروی اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے[4]۔ مولانا فخر عالم باعمل اور صوفی باصفا تھے۔ آپ نے اپنے طور پر معاشرے میں خدمتِ اسلام کا فریضہ باحسن طریق انجام دیا۔ آپ کی تعلیمات میں فخر الحسن کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس میں حضرت خواجہ حسن بصری اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اتصال ثابت کیا ہے۔ دلائل کا انداز علمی اور تحقیقی ہے۔ بڑی رواں دواں عربی میں اپنے خیالات پیش کئے ہیں۔

خواجہ نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ) مولانا فخر دہلوی کے نامور خلفا میں سے تھے۔ پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کے اہم ترین بزرگ جن سے متعدد آستانے قائم ہوئے۔ بہاولپور کے قریب قصبہ مہار آپ کا آبائی مسکن تھا لیکن چشتیاں جسے تاج سرور بھی کہتے ہیں میں مزار ہے۔

شاہ نیاز بریلوی (م ۱۲۵۰ھ) مولانا فخر دہلوی کے ایک مرید جو سرہند کے رہنے والے تھے مگر پیر کے ارشاد پر بریلی میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔ شاہ نیاز شاعر بھی تھے ان کی شاعری ذوقِ تصوف کی آئینہ دار ہے جس میں وحدت الوجودی نظریات کی جھلک نمایاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹھارہویں صدی میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو ہندوستان میں جو کچھ فروغ حاصل ہوا وہ مولانا فخر الدین دہلوی کے دو مریدوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ شاہ نور محمد صاحب نے پنجاب میں اور نیاز احمد شاہ نے یوپی میں اس سلسلہ کو خوب پروان چڑھایا[5]۔ ان بزرگوں کے نامور خلفا نے یہ سلسلہ رشد و ہدایت جاری رکھا۔ خواجہ محمد جمال ملتانی (م ۱۲۲۱ھ) خواجہ محمد عاقل (م ۱۲۲۹ھ) اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی (م ۱۲۶۷ھ) نے پنجاب میں اور سلسلہ نیازیہ نے وسط ہند اور کراچی میں تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

نقشبندیہ سلسلہ

سلسلہ نقشبندیہ حضرت مجدد الف ثانی کی نسبت سے مجددیہ کہلایا، حضرت مجدد کے خلفا اور اولاد نے اس سلسلہ کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا حضرت مجدد کے ایک پوتے شیخ عبدالاحد سرہندی دہلی تشریف لائے اس طرح سلسلہ مجددیہ کی ایک شاخ دہلی میں آگئی۔ شیخ عبدالاحد کے خلفا میں شاہ گلشن دہلوی (م ۱۱۳۹ھ) نے علم و ادب میں گہرے نقوش چھوڑے۔ شعر و شاعری سے شغف تھا اس لئے مریدوں میں بھی یہ ذوق پیدا ہوا۔ اردو زبان کی آبیاری میں اس سلسلے کے بزرگوں نے بڑا کام کیا۔ خواجہ ناصر عندلیب (م ۱۱۷۲ھ) اور اُن کے فرزند خواجہ میر درد (م ۱۱۹۹ھ) کو اردو ادب میں جو مقام حاصل ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۵ھ) سلسلہ نقشبندیہ کے عالم شہیر جن کے نام سے علم کو وقار حاصل ہوا باپ کا نام جان تھا بیٹا ہوا تو اورنگ زیب عالمگیر نے جان جاناں نام تجویز کیا۔ مظہر تخلص کرتے تھے۔ صوری اور معنوی فضائل سے متصف تھے[6]۔ نقشبندیہ طریق تصوف کے مبلغ اور حضرت مجدد کی تعلیمات کے شارح تھے۔ روہیل کھنڈ میں معتقدین کی کثرت تھی وہاں تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف تھے کہ کسی نابکار نے شہید کر دیا[7]۔

شاہ غلام علی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ) مرزا مظہر جان جاناں کے مرید اور دہلی کی مسندِ ارشاد کے آخری نامور نقشبندی بزرگ جن کی عظمت کو تمام معاصرین نے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ بٹالہ پنجاب کے رہنے والے تھے ابتدائی ایام پنجاب میں بسر کئے پھر دہلی گئے اور مرزا مظہر کے حلقۂ سلوک میں داخل ہوئے۔ شاہ غلام علی نے درس و تدریس اور اصلاحِ احوال کا ایک وسیع سلسلہ شروع کیا۔ بڑے بڑے علماء و مشائخ فیض یاب ہوئے۔ سر سید احمد خاں کہتے ہیں "سبحان اللہ علم اور عمل، فضل و کمال اور تجرید و تفرد اور حلم و کرم اور سخاوت اتم اور ایثار و انکسار آپ کی ذات پر ختم تھے۔ آپ ذاتِ فیض آیات سے تمام جہان میں فیض پہنچا اور ملکوں ملکوں کے لوگوں نے اُن کی بیعت اختیار کی[9]۔"

① تاریخ مشائخ چشت ص ۳۶۵، ۳۸۵، ۳۹۱ ② حوالہ مذکورہ ص ۳۹۹ ③ رود کوثر ص ۴۲۳ ④ تاریخ مشائخ چشت ص ۴۱۱ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۵۸۲ ⑥ تذکرہ علمائے ہند ص ۴۹۵ ⑦ حوالہ مذکورہ ص ۴۹۶ ⑧ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۶۵ حاشیہ

علماء و صوفیاء کے اس سوانحی خاکے اور تاریخی حکایت سے برصغیر کے علمی، ادبی اور دینی ماحول کا اندازہ ہوتا ہے۔ علماء کی کثیر تعداد موجود تھی مگر تالیفات میں تقلیدی روش اس حد تک مستحکم ہو چکی تھی کہ اُن کی دلچسپیاں تراجم، شروح یا حواشی سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ ان میں علماء میں صلاحیت کا فقدان نہ تھا اور نہ ہی علوم عربیہ پر اُن کی گرفت کمزور تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ماحول کی گھٹن نے اُن کی صلاحیتوں کو ایک خاص دائرے میں پابند کر رکھا تھا۔ عہدِ مغلیہ میں فقہی تحقیق پر کام ہوا کہ ان حکمرانوں میں بعض مثلاً اورنگ زیب عالمگیر اسلامی نظام کے احیاء اور تعلیمات اسلامیہ کے نفاذ کے لیے کوشاں تھا۔ نظام اسلام کو برصغیر کے ماحول میں کامیابی سے جاری کرنے کے لیے فقہی تحقیق لابدی تھی۔ عوام مسائل بعینہ اُن کا حل چاہتے تھے اس لیے استخراجی قوتوں کو بروئے کار لانا وقت کی اہم ضرورت تھی۔ اسلامی نظام کے کامیاب اجراء کے لیے قاضی حضرات کی ترتیب ذہنی کار تھی و بیوقت کی آواز تھی اس لیے علماء نے اس پر لبیک کہا مگر دورِ زوال میں حالات بدل گئے۔ اسلامی تعلیمات بتدریج عوامی سطح سے انفرادی معمولات تک محدود ہو گئیں۔ اس لیے وقت اسلام کی حقانیت کا عملی اظہار اور اس کے نفاذ کی برکات کی عملی اشاعت چاہتا تھا۔ اسلام کے نظام معاشرت اور اس کی سماجی اقدار کو واضح کرنے کی ضرورت تھی مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علماء مایوس ہو چلے تھے وہ کسی سہانے مستقبل کے لیے اپنی صلاحیتوں کو مستقبل کے حوالے کر رہے تھے۔ قدیم علمی کارناموں کا تحفظ اور اس کی تعلیم و تدریس ہی خیالات و تصورات کا محور بن چکی تھی۔ فلسفہ، منطق اور نحو کی موشگافیوں پر توجہ مرکوز تھی۔ علماء فرنگی محل کے کارنامے قابلِ قدر تھے مگر انہوں نے بھی نصاب تعلیم کی ساخت و پرداخت پر ہی توجہ رکھی۔ درسیات کے اس ماحول میں اگر کسی عالم کی عبقری صفات اُسے کسی مستقل تصنیف کی راہ دکھاتی تو وہ برصغیر چھوڑ کر عرب چلا جاتا تا کہ ماحول کی گھٹن سے باہر نکل جائے۔ شیخ محمد حیات سندھی اور سید مرتضیٰ الزبیدی اُن مہاجر ہندی علماء میں سے تھے جو برصغیر سے عالمِ عرب کو ہجرت کر گئے۔

تصوف کی دنیا میں بھی ماضی کا سا جوش و جذبہ نہ تھا لیکن ان کی مساعی علماء سے زیادہ بار آور تھیں۔ علماء جن دنوں شیخ الاسلامی اور صدر الصدوری کی دلدل میں گرفتار تھے صوفیا نے ملک کے دور دراز گوشوں میں عافیت گاہیں قائم کر لی تھیں جہاں بے قرار دلوں کو قرار کی دولت نصیب ہوتی تھی یہاں تک کہ سلطنت کے مرکز میں بھی حکومت کی نظروں کے سامنے انہوں نے اپنا حلقۂ اثر قائم کر لیا تھا۔ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مولانا فخر دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں اور شاہ غلام علی دہلوی کے علمی کارنامے اور تبلیغی کارنامے اس دورِ بے ثبات میں قوم کو استقلال اور استقامت کی دولت عطا کر رہے تھے مگر قوم کو کسی مجدد کی ضرورت تھی جس میں علمی جلال اور صوفیانہ جمال مجتمع ہو گیا ہو۔ قدرت نے برصغیر کے مسلمانوں کو مایوس نہیں کیا اور برصغیر کی علمی و ادبی راہنمائی کے لیے ایک ایسے خاندان کو منتخب کر لیا جس کے احسانات سے برصغیر کے مسلمان کبھی صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔ یہ خاندان ولی اللّٰہی تھا۔ شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان کی مساعی جمیلہ ہندی مسلمانوں کا ایسا سرمایہ ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ اس علمی خانوادے نے مسلمانانِ پاکستان و ہند کی علمی، ادبی، معاشرتی، سماجی حتی کہ سیاسی راہنمائی کا ایسا فریضہ انجام دیا کہ جس کے امید افزا اثرات صدیوں تک ظاہر ہوتے رہے۔ امام الہند کی سیاسی بصیرت نے مایوس قوم میں امید کے چراغ روشن کر دیئے۔ دلائل و براہین سے شکست خوردہ ذہنوں کو حوصلہ عطا کیا۔ ہم ایک مستقل عنوان کے تحت ان بزرگوں کے کارناموں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

ادبی ماحول اور شعراء کرام۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عہد سلاطین سے ہی فارسی کو برتری حاصل ہو گئی تھی۔ کچھ شاہ پرستی کی وجہ سے اور کچھ ابلاغ عامہ کے نقطۂ نظر سے فارسی کو علمی نگارشات اور ادبی تخلیقات کا ذریعہ بنا لیا گیا تھا۔ عربی کو تقدس حاصل تھا مگر اُسے فنون کی کتب کی ریزہ خواری کے حوالے کر دیا گیا تھا اس سے ایک مجمل سا تاثر پیدا ہو گیا تھا کہ عربی ایک مشکل اور تکنیکی زبان ہے۔ جسے من حیث القوم اختیار کرنے میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔ شاعری ماحول کی عکاس اور جذبات و دروں کی تصویر ہوتی ہے۔ ماحول فارسی تھا اور جذبہ دل عجم آشنا اس لئے عربی شاعری کو ثانوی مقام حاصل رہا اس پر مستزاد یہ کہ بعض قابلِ احترام بزرگوں نے فارسی میں اظہار خیال کو نہ صرف یہ کہ پسند کیا بلکہ بہتر قرار دیا۔ امیر خسرو نے فارسی شاعری کی عظمت پر مستقل دلائل مرتب کئے ہیں غرۃ الکمال کے دیباچہ میں لکھا فارسی عربی شاعری کا تقابل کرتے ہیں اور آخر فیصلہ فارسی شاعری کی برتری کا صادر فرماتے ہیں[1]۔

عربی ادب چند علماء کے ذوق کی وجہ سے اور بعض صوفیاء کی تنوع پسندی کی وجہ سے زندہ تھا ذیل میں ان علماء صوفیا اور ادباء کا سرسری سا حوالہ درج کیا جا رہا ہے جنہوں نے عربی شاعری کو قابلِ توجہ سمجھا۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے اُن ماخذ کی نشاندہی بھی کی جا رہی ہے جہاں سے یہ حوالے اخذ کئے گئے ہیں۔

مولانا غلام نقشبند اللکھنوی (م ۱۱۲۶ھ) قرآن کے بعض اجزا کی تفسیر لکھی۔ نحو لغت کے علاوہ عربی شاعری سے بھی دلچسپی تھی[2]۔

السید الشریف احمد بن ابراہیم الگیلانی (م ۱۱۳۲ھ) قادری صوفیاء میں سے تھے جنرل ہند میں شاہ آباد میں مدفون ہیں۔ عربی شاعری کا نکھرا ہوا ذوق تھا مگر مدح میں مبالغہ آمیز حد تک تجاوز کر جاتے تھے[3]۔

سید طفیل محمد البلگرامی (م ۱۱۵۱ھ) بلگرام کے اس علمی گھرانے نے عربی زبان و ادب کی بہت خدمت کی۔ سید طفیل محمد کو بھی عربی شاعری سے شغف تھا[4]۔

شیخ نور الدین احمد آبادی الگجراتی (م ۱۱۵۵ھ) کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تصنیفات کا شمار ایک سو تک پہنچتا ہے۔ ان میں ایک تفسیر "التفسیر الصوری فی جمیع وقائع بارہ ہزار اشعار) اور تفسیر ربانی (تفسیر سورہ بقرہ تیس ہزار اشعار) میں ہے[5]۔

سید محمد یوسف البلگرامی (م ۱۱۷۰ھ) عربی اور فارسی میں عمدہ شعر کہتے تھے[6]۔

سید محمد بن عبد الجلیل البلگرامی (م ۱۱۸۵ھ) عربی میں شعر کہتے تھے[7]۔

مولوی محمد صدیق اللاہوری (م ۱۱۶۳ھ) مسجد وزیر خان کے امام تھے۔ فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے[8]۔ فیضی کے رسالہ موارد الکلم کے جواب میں بے نقط حروف میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام "سلک الدرر لدکل الرسل الاطہر" ہے جو فیضی کی سواطع الالہام اور موارد الکلم سے بہتر ہے[9]۔

مولوی احمد خان احمد (بارہویں صدی ہجری) قصائد عربی و غزلیات فارسی کے مجموعے مرتب کئے تھے[10]۔

حبیب عبد اللہ (بارہویں صدی ہجری) دیوان کا نام ملتا ہے[11]۔

مولانا عبد القادر جونپوری (م ۱۲۰۲ھ) عربی میں خوبصورت شعر کہتے تھے[12]۔

قاضی عبد القادر میلا پوری (م ۱۲۰۰ھ) عربی فارسی شاعری کا دیوان ہے[13]۔

قاضی القضاۃ نجم الدین علی الکاکوری (م ۱۲۲۹ھ) عربی میں متعدد ابیات ملتے ہیں[14]۔

نواب محبت خاں محبت (م ۱۲۲۳ھ) عربی، پشتو، اردو، فارسی میں شعر کہتے تھے[15]۔

قاضی احمد بن مصطفیٰ گوپاموی (م ۱۲۳۳ھ) عربی قصائد ملتے ہیں[16]۔

مولوی غلام جیلانی رفعت رامپوری (م ۱۲۳۲ھ) ان کا ایک غیر مطبوعہ عربی قصیدہ پروفیسر ایوب قادری کے کتب خانے میں ہے[17]۔

سید انشاء اللہ خان انشاء لکھنوی (م ۱۲۳۵ھ) اردو کے مایہ ناز شاعر جن کے عربی اشعار بھی ملتے ہیں[18]۔

مولانا غلام حسین صمدانی (م ۱۲۴۷ھ) عربی فارسی شاعری کا دیوان ہے[19]۔

---

(۱) شعر العجم حصہ دوم ص ۱۰۴ (۲) نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۳۱۲ تا ۳۱۳ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۱۰ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۱۱۸، ۱۱۹، حدائق الحنفیہ ص ۴۰۹ (۵) تذکرہ علماء ہند ص ۲۴۰، ۲۵۰ (۶) حوالہ مذکورہ ص [illegible] الاعلام الجزء الثالث ص ۲۰۱، حدائق الحنفیہ ص ۴۱۵ (۷) نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۳۲۱ (۸) نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۲۶۱ (۹) قرآنی تجوید فرص ص ۶۰، علماء کرام، دینی مدارس [illegible] (۱۰) حدائق الحنفیہ ص ۴۴۷ (۱۱) معارف فروری ۱۹۷۰ ص ۱۲۳، مقالہ شمالی ہند کے چند علمی و ادبی مراکز ضلع بریلی ڈاکٹر محمد ولی الحق انصاری (۱۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۰ (۱۳) نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۹۱، ۲۹۲ (۱۴) حوالہ مذکورہ ص ۲۹۲، ۲۹۳ (۱۵) حوالہ مذکورہ ص [illegible] (۱۶) معارف فروری ۱۹۷۰ ص ۱۲۶ شمالی ہند کے چند علمی و ادبی مراکز بریلی ڈاکٹر ولی الحق (۱۷) نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۳۲۵ تا ۳۲۷ (۱۸) تکملہ تذکرہ علماء ہند ص ۵۹۰ (۱۹) نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۳۸۶ و دیگر تذکرے ص ۳۵۱

مولانا خالد کردی رومی (م ۱۲۴۲ھ) عربی فارسی میں شعر کہتے تھے۔[1]

شیخ اوحد الدین بلگرامی (م ۱۲۵۰ھ) قصیدہ بانت سعاد کی شرح لکھی خود بھی عربی میں شعر کہتے تھے۔[2]

شیخ غنی نقی زیدی بجنوری (م ۱۲۵۰ھ) عربی میں شعر کہتے تھے۔[3]

مولانا عبداللہ العلوی (م ۱۲۹۲) فارسی عربی میں عمدہ شعر کہتے تھے۔[4]

مولانا شجاع الدین حیدرآبادی (م ۱۲۶۵) عربی فارسی میں عمدہ شعر کہتے تھے۔[5]

مولانا محمد سلیم جونپوری (م ۱۲۶۶) عربی میں شعر کہتے تھے۔[6]

مولانا رشید النبی فرحت (م ۱۲۷۲) عربی نظم بھی لکھتے تھے۔[7]

قاضی نور الحق منعم (تیرہویں صدی ہجری) عربی فارسی قصائد تھے۔[8]

جواد ساباط الساباطی (تیرہویں صدی ہجری) عرب تھے عربی دیوان تھا۔[9]

مولانا عبدالعزیز ملتانی (تیرہویں صدی ہجری) مختصر منظوم بالعربی تھا۔[10]

مولوی وزیر علی سندیلوی (تیرھویں صدی ہجری) عربی کے کئی دیوان ہیں۔[11]

عربی زبان کے شعراء کی درج بالا فہرست میں وہ شاعر بھی ہیں جو فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور صرف ذائقہ سماعت بدلنے کیلئے عربی میں کبھی کبھار شعر کہتے تھے البتہ معدودے چند ایسے بھی تھے جنہوں نے عربی شاعری میں باقاعدہ دلچسپی لی اور کثیر تعداد میں عربی میں شعر کہے حتی کہ بعض کے دیوان بھی مرتب ہوئے۔ ذیل میں ایک اور فہرست پیش کی جا رہی ہے جو ان بزرگوں پر مشتمل ہے جنہیں عربی شاعری کا ذوق تھا اور ان سے مدح رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی شعر روایت ہوئے لیکن ان کے کلام میں بیشتر حصہ دست برد زمانہ کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکا صرف چند اشعار ملتے ہیں جنہیں درج کیا جا رہا ہے۔

ملا جیون امیٹھوی (م ۱۱۳۰ھ) علماء کی فہرست میں مذکور ہوئے، امام بوصیری کے قصیدہ بردہ کے نہج پر ۱۲۲ اشعار پر مشتمل قصیدہ کہا اور کہتے ہیں کہ جب سوزش عشق نے بے قرار کیا تو مزید ۲۹ قصائد عربی میں تصنیف کئے۔[12]

سید عبدالجلیل واسطی بلگرامی (م ۱۱۳۸ھ) بلگرام کے مردم خیز خطے کے مایۂ ناز سپوت جن کی علمی وتدریسی حیثیت کا اپنے دور میں بہت شہرہ تھا۔ علامہ موصوف عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت اور ہندی بھاشا کے فاضل اجل تھے۔[13] تفسیر، حدیث، لغت، تاریخ، ادب اور شعر گوئی میں کامل مہارت تھی، عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبان میں شعر کہتا تھا۔ اور ہر زبان میں ان کی اعلیٰ تصنیفات وتالیفات موجود ہیں۔[14] سید علی معصوم الدشتکی صاحب سلافۃ العصر میں کہتے ہیں، مانا حدث السیف بالصحف سطوۃ۔[15] اورنگ زیب نے آپ کو بخشی گری اور وقائع نگاری گجرات، پنجاب پر مقرر کیا پھر سندھ کے بلاد بھکر اور سیوستان میں اسی خدمت پر مامور ہوئے، ۱۱۲۶ھ میں استعفیٰ دے دیا۔[16] ۱۱۳۸ھ / ۱۷۲۵ء انتقال کیا مگر لاش بلگرام لے جا کر دفن کی گئی۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی جو حسان الہند کے خطاب سے مشہور ہیں ان کے نواسے تھے بہت ذہین شاعر تھے اور صنعت لفظی پر انہیں بڑی قدرت حاصل تھی۔ رشید الدین وطواط (م ۵۷۳ھ) نے صنعت تاکید المدح بما یشبہ الذم کے ضمن میں بدیع الزمان کے ایک شعر کے بارے میں کہا روائی صنعت بغایت بدیع است۔ اگر کسی بیش از بدیع چنین بیت نگفتہ است و بس از وی خواہد گفت و بیت اینست۔

هو البحر الا انه البحر زاخراً | سوى انه الضرغام لكنه الوبلُ[18]

سید عبدالجلیل اس کے مقابلہ میں بدیع الزمان کے شعر سے بھی عمدہ شعر کہنے میں کامیاب ہوئے

هو القطب الا انه البدر طالعاً | سوى انه المريخ الكبة اسعدُ[19]

---

(۱) ملفوظات تر... مرتبہ محمد اقبال مجددی ص ۲۹ تا ۳۱ (۲) نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۸۸، ۹۹ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۳۹۲، ۴۵۱، ۳۶۵ (۴) [illegible] (۵) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۵

(۶) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۴ (۷) [illegible] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۹۸ (۸) تذکرہ کاملان رامپور ص ۱۲۸، ۱۴۹ (۹) رسالہ معارف فروری ۱۹۹۱ء، ص ۱۲۲ شمالی ہند کے چند علمی مراکز ... (۱۰) نزہۃ الخواطر [illegible]

ص ۱۵۰، ۱۶۶ (۱۱) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۹ (۱۲) حوالہ مذکورہ ص ۵۲۲، تذکرہ علمائے ہند ص ۱۸ (۱۳) نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۴۱ (۱۴) [illegible] (۱۵) تذکرہ [illegible] (۱۶) خزانہ عامرہ آزاد بلگرامی مقالہ [illegible] ص ۳۸، ۳۹

حدائق السحر فی دقائق الشعر ص ۵۶ (۱۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۳ ص ۸۲ (۱۸) حدائق السحر فی دقائق الشعر (۱۹) نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۴ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۰۳، ۳۰۴

سید عبدالجلیل نے مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے کعب بن زہیرؓ کے ایک مصرعے پر تضمین کی ہے ۔

احمد ارکن الاعالی سیف الامراد	شہر الرسول شموعا فی غیا ھبہ
اسنی الشموع علی الحضار منشدہ	ان الرسول لنور یستضاد بہ ۱

مولوی علی اصغر قنوجی (م ۱۱۴۰ھ) قنوج کے اکابر علماء میں سے تھے، صوفیانہ شاعری کا ذوق تھا۔ "فواتح التفضیل فی اشارات التاویل" قرآن مجید کی تفسیر ہے جو بقول مولوی رحمان علی ایجاز و اختصار میں جلالین کے ہم پلہ ہے اور علوم ادبیہ اور مسائل شرعیہ میں کشاف و بیضاوی پر فوقیت رکھتی ہے۔۲ "العقیدہ الیمینیۃ فی النغمات الحسینیہ" ۱۸۰ اشعار پر مشتمل مدحیہ قصیدہ ہے ۳

حسین بن رشید (م بعد ۱۱۵۹ھ) نجدی الاصل تھے نجف میں رہے، کربلا میں انتقال ہوا۔ ادیب و شاعر تھے۔ "ہب لیبیۃ علی وزن و قافیۃ البردۃ" "و علی غوادب لبیۃ العشق الحلی" ان کا مدحیہ قصیدہ ہے ایک بڑے دیوان کے مصنف تھے جس کا نام "ذخائر المآل فی مدح النبی المصطفی والآل" ہے۔۴

مخدوم ابوالحسن داہری (م ۱۱۶۹ھ) فارسی شاعر تھے کبھی عربی شعر بھی کہتے تھے "یا اشرف الخلق نصلی علیک۔ یا احسن الخلق خذ دنا الیک"۵

شیخ محمد علی حزیں قادری (م ۱۱۸۰ھ) فارسی کے مایہ ناز ادیب و شاعر تھے۔ اصفہان اور شیراز میں ابتدائی ایام گزارنے کے بعد ۱۱۴۶ھ کو بھکر اور پھر دہلی آئے۔ سبک ہندی سے مناسبت نہ تھی اس لئے برصغیر کے فارسی شعرا پر بعض بے محل اعتراض کئے اور سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس پر دہلی چھوڑ گئے۔ ۱۱۸۰ھ میں بنارس میں وفات پائی۔ علی حزیں فارسی کے علاوہ عربی میں بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ لامیۃ العجم کے جواب میں ایک عربی قصیدہ لکھا جس پر انہیں ناز تھا اور اسے لامیۃ العجم سے بہتر سمجھتے تھے۔ قصیدہ میں چند شعروں کا استغاثہ بھی ہے جو یہ ہے

فواش ی مجت الزوار کعبتہ	وکم ھنالک من داع و مبتہل
جری مجاری دمعی حب حضرتہ	واشرق الشوق فی صدری بلا طفل
لیس اصطباری ببعد الدار عن سکنہ	بل من نحولی یا فوفی دمن قتلی
وکم دعوتک بالکھف و معتمدی	مستنصرا فاتحہ بالنصر من عجل ۶

شاہ فقیر اللہ جلال آبادی (م ۱۱۹۵ھ) قصبہ روناس کے ایک قریشی ہاشمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اصل وطن افغانستان کے شرقی ضلع جلال آباد کا ایک گاؤں حصارک تھا۔ تحصیل علم کے بعد حج بیت اللہ، زیارت مدینہ منورہ اور سیاحت ممالک کے خیال سے کئی شہروں میں گھومے۔ واپسی پر سلسلہ مجددیہ میں شیخ مسعود پشاوری کے ہاتھ پر بیعت کی جو شیخ محمد سعید لاہوری کے مرید تھے۔ ۱۱۵۰ھ (۴-۱۷۳۷ء) میں سندھ آئے اور شکارپور میں سکونت اختیار کی اور یہاں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جو آپ کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کا ایک بڑا اور اہم مرکز بنی۔۸ سندھ کے نامور صوفیا مثلاً مخدوم محمد معین ٹھٹوی، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی، سید مرتضائی سیوستانی، شکر اللہ ٹھٹوی اور عبدالرؤف الرکندی سے تعلقات رہے۔ شاہ صاحب کا حلقہ اثر اس قدر وسیع تھا کہ اس میں کئی نامور حکمرانوں کے نام بھی ملتے ہیں مثلاً احمد شاہ ابدالی، نواب نصیر خاں بلوچ، شہزادہ سلمان ولی عہد احمد شاہ ابدالی وغیرہ۔ شاہ صاحب نے عربی، فارسی اور پشتو میں بہت سی تالیفات چھوڑی ہیں جن سے ان کے علمی و روحانی مقام کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں زیادہ مشہور "فتح الجمیل فی مدارج التکمیل" (تصوف و سلوک کے موضوع پر) "براہین النجات من مصائب الدنیا والحرکات" "طریق الارشاد فی تکمیل المومنین والدولا" "وشیقۃ الاکابر" (علم حدیث کے اسناد کے موضوع پر) "اجوبۃ ابوالدرداء" "قصیدہ مورد" "کتاب الانظار فی ثبوت الآثار" "مورد الوراد" اور "مکتوبات" کا ایک حصہ عربی زبان شاہکار شاہ کے ذیل میں آتا ہے ان کے علاوہ فارسی اور پشتو تالیفات ہیں۔۹ تصنیفات میں "شرح قصیدہ بانت سعاد" کا نام بھی ملتا ہے۔ شاہ صاحب نے ۲ صفر ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۰ء کو وفات پائی۔ شکارپور میں آپ کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے۔۱۱

شاہ صاحب عربی فارسی اور پشتو میں شعر کہتے تھے۔ ۱۱۶۷ھ / ۱۷۴۹ء میں حج کے بعد روضہ اقدس پر حاضر ہوئے۱۲ اور ارشاد حاضری ایک قصیدہ نظم کیا مقبولیت

① نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۱۰۶ ② تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۱ ③ مآثر الکرام ص ۲۲۹ حاشیہ ④ معجم المصنفین الجزء الرابع ص ۷۰ ⑤ بزم التوحہ ص ⑥ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد دوم عربی ادب ص ۳۵۵، ۳۵۶، جلد ۵ فارسی ادب ص ۲ تا ۳۰۴ - نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۲۲۲، ۲۲۵ ⑦ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۴۳۴ ⑧ تاریخ سندھ حصہ دوم قدوسی ص ۵۱۱ ⑨ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۴۳۴ ⑩ تاریخ سندھ حصہ دوم قدوسی ص ۵۹۲، تذکرہ صوفیائے سندھ ص ۵۸۰ حاشیہ ⑪ حوالہ جات مذکورہ ⑫ سندھ کی نعتیہ شاعری ص ۱۰۰

کا اشارہ ملا اس لیے یہ قصیدہ بردہ کہلایا، شاہ صاحب نے خود اس قصیدہ کی وجہ تالیف تاریخ اور مقام انشا کا تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں: "قال المولف الاحقر خادم الفقراء فقیر اللہ بن عبد الرحمن الحنفی جلالہ آبادی الشکارپوری لعون اللہ وحسن توفیقہ زیارۃ الحرمین الشریفین زادهما اللہ تشریفاً وتکریماً، انشئ فی اثناء الطریق قصیدۃ فاذا وصل الی الحضرۃ النبویہ والعتبۃ العلیۃ المصطفویہ علیہ من الصلاۃ اتمہا ومن التحیات احا سنۃ الف مائۃ و اثنین وستین فی العشر الاواخر من الجمادی الاولی او العشر الاولی من الجمادی الثانیۃ قراءها فی مواجھۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایاما کثیرا فحصل فی الرخصۃ فی الوداع وشد الرحال الی ام القری تعلق اشارۃ القبول من حضرۃ الرسول فسمیتھا بالقصیدۃ البردۃ"[1] قصیدے میں ۲۳ شعر ہیں جن میں سابقہ لغزشوں پر معذرت اور آئندہ کے لیے عطا و رحمت اور لطف و کرم کی درخواست ہے، دربار رسالت میں حاضری کے موقع پر کہا گیا قصیدہ قلبی کیفیات کا شارح اور صدق جذبات کا آئینہ دار ہے، اسلوب عربی ہے مگر عجمیت کی پرچھائیں نظر آتی ہیں، سلاطین کے دربار میں کا حوالہ اور سلطان الانبیا کا مرکب عجمی معاشرت سے لیا گیا ہے۔ تخلص کا التزام بلکہ اس معانی کا اخراج عجمی طرز ادا ہے، قصیدے کی مقبولیت کی حکایت نے اسے اوراد و وظائف میں شامل کروایا ہے، چنانچہ شاہ فقیر اللہ کے معتقدین اس کا بیشتر ورد کرتے ہیں اور اس کے ورد سے بے شمار مطلب گیروں کی امید رکھتے ہیں، حاضری دربار رسالت کا نقشہ دکھاتے ہیں۔

یا من کنت قبل الکل مرسلا ومخبرا — اتیت الیک من بعد الدیار مهاجرا
رکبت علی اثر ذنب الخطیئات کلما — فاشتد اقدمت بالبکاء وعما فترا
ظلمت نفسی کم رکبت علی الخطا — جئتک سائلا یا من کنت مقتدرا [2]

اور پھر مدعا و دل بیان کرتے ہیں اور کرم کی بھیک کے خواستگار ہوتے ہیں۔

کن لی رحیماً وکریما واشفع لنا لنا — یا من کنت من اللہ شفیعا مبشرا
انت الحبیب الشفیع نرجی شفاعتک — فشفع لکل حول یا من کنت ناصرا
امطر علی یا سحاب الکرم والعطاء — انک کنت لنفحات الوصول ماطرا
فقیر اللہ فقیرک جاء مستغفرا — فتمم لیصیر بالغفران مطہرا [3]

قصیدہ ادبی منزلت سے زیادہ روحانی تعلق کا مظہر ہے اس لیے عقیدت مندانہ فضا پورے قصیدہ پر چھائی ہوئی ہے۔ حالانکہ ادبی لحاظ اور شعری حیثیت سے بعض کمزوریوں کی نشاندہی ہوتی ہے، خالی الشعر "محفل الناس" وغیرہ ترکیبات سے عجمیت کی بو آتی ہے۔ شاہ صاحب کے ہاں مخلوط شاعری بھی ملتی ہے جو برصغیر کا خصوصی مزاج ہے بحیثیت مجموعی شاہ فقیر اللہ ایک صوفی شاعر ہیں۔

محمد باقر آگاہ (م ۱۲۲۰ھ) بیجاپور کے باشندے تھے۔ ویلور کے مقام پر پیدا ہوئے علاوہ اس میں تعلیم پائی۔ عربی، فارسی کے مستند اساتذہ میں سے تھے "ہشت بہشت" سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر ان کی اردو تصنیف کو شہرت عام حاصل ہے۔[4] مولانا آگاہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدراس کے علاقہ میں دینی علوم کو عربی سے ہندی میں ترجمہ کیا۔ ان کی عربی تصنیفات میں "تنویر البصیر والبصیر فی الصلوۃ علی النبی البشیر والنذیر"، "نفائس النکات فی الرسالۃ الی جمیع المکونات" کے علاوہ ایک دیوان شعر ہے جو معلقات سبع کے مقابلہ میں دس قصائد پر مشتمل ہے، نام ہے "العشرۃ الکاملۃ" ایک مدحیہ قصیدہ "النفحۃ العنبریۃ فی مدح خیر البریہ" کا ذکر بھی ملتا ہے۔[5]

مخدوم محمد ابراہیم بن مخدوم عبد اللطیف (م ۱۲۲۵ھ) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کے پوتے تھے ۱۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے، صاحب علم بزرگ تھے متعدد کتب کے مصنف تھے۔ شعر و شاعری سے بھی شغف تھا، مثلاً:

یا من ترحل نحو دار محمد — انظر الی تعب الشوق للحظۃ
یا من یطیر جناحہ لمدینۃ — بلغ الی خیر الانام تحیتی [6]

① قطب الارشاد ص ۵۲۳ ② حوالہ مذکورہ ص ۵۲۲، ③ حوالہ مذکورہ ص ۵۲۳، ۵۲۲ ④ اردو میں نعتیہ شاعری ڈاکٹر اشفاق ص ۱۹۶
⑤ نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۹۳، تذکرہ علمائے ہند ص ۳۰۰ ⑥ تکملہ مقالات الشعرا ص ۱۵ حاشیہ ⑦ مقدمہ بذل القوۃ ص ۴۴

مولانا امین اللہ ملیح آبادی (م ۱۲۳۲ھ) شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز سے استفادہ کیا اور پھر اپنے وطن میں مشغول تدریس ہو گئے، درسیات کی بعض کتابوں پر حواشی لکھے اور مدحت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں "القصیدۃ الطلی" لکھا جو مشہور رہا۔[1]

مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ) مفتی صاحب کا سلسلۂ نسب امام فخرالدین رازی کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ کاندھلہ میں ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے، والد محترم سے علم حاصل کیا۔ چودہ سال کی عمر میں متداول علوم کے حصول سے فراغت پائی تو والد محترم کے ہمراہ دہلی آ گئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ تصوف میں قادری ونقشبندی سلاسل سے ارادت تھی[2] آپ کا شاہ صاحب کے ممتاز اور مایہ ناز شاگردوں میں شمار ہوتا ہے جس کا اظہار خود شاہ صاحب نے بھی فرمایا کہ میرے شاگردوں میں تین آدمی بہایت لائق ہیں۔ مولوی رفیع الدین، مولوی الٰہی بخش اور کلکتہ میں مولوی مراد علی[3] تحصیل علم کے بعد طویل عرصہ تک بھوپال میں مسند قضا پر جلوہ افروز رہے پھر واپس کاندھلہ آ گئے اور کاندھلہ ہی میں ۲ جمادی الآخرہ ۱۲۴۵ھ میں وفات پائی[4] مفتی صاحب نے تقریباً ۴۰ کتابیں تالیف کیں مثنوی مولانا روم کا دفتر ہفتم مفتی صاحب کا شعر فارسی میں قلم کا نامہ ہے۔ اس کے علاوہ "رسالۃ الخصائص النبوی"، "رسالۃ صلوٰۃ المنام ورویۃ النبی علیہ السلام"، "رسالۃ اسماء البدریین"، "رسالۃ شمیم الحبیب"، منتخب حیاۃ الحیوان، رسالۃ امثال النبوی وغیرہ عربی تصنیفات ہیں۔ ۱۲۰۳ھ میں حضرت کعب بن زہیر کے مشہور قصیدہ بانت سعاد کی شرح لکھی، اس کی ترتیب یہ ہے اول حضرت کعب کا شعر، فارسی ترجمہ، عربی شرح اور پھر اسی بحر میں فارسی، اردو اور عربی شعر میں ترجمہ، مفتی صاحب نے اسی انداز پر "البردۃ" کی شرح اور ترجمہ کیا ہے[5] شعر کا عمدہ ذوق تھا، مثنوی و فن کے علاوہ مثنوی کا اردو ترجمہ کرنے کا ارادہ تھا ایک ہزار شعر کا ترجمہ کر لیا تھا کہ انتقال ہو گیا[6]

مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مفتی صاحب کا ایک متوسط الحجم قصیدہ ملتا ہے، قصیدے پر عقیدت مندانہ فضا طاری ہے۔ قلب مضطر کی پکار اور باب کرم سے استغاثہ ہے۔ گناہ کا اعتراف، باب رحمت کی فیض بخشی پر اعتماد، خواہش وصال، حالت خواب میں زیارت کا ارمان اور خاک کف پا بن جانے کی حسرت پر مشتمل قصیدہ، اسلوب کلام اور رواں دواں عربی کی وجہ سے مفتی صاحب کو عرب مداحین کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے، کہتے ہیں،

یا شفیع العباد خذ بیدی	انت فی الاضطرار معتمدی
کیف لی ملجاً سواک اغث	مسنی الضر سیدی سندی
یارسول اللہ بابک لی	من غمام الغموم ملتحدی
لیس لی طاعۃ ولا عمل	بیں حب فھو لی عتدی
جی بقیادی فی المنام وکن	ساترا للعیوب والعقد
لیتنی کنت ترب طیبتکم	فالتثمت النعال ذاک قدی[7]

قصیدہ درود و سلام پر ختم ہوتا ہے، دلائل الخیرات کی شان، کثرت درود کی خواہش ہر شاعر کو ہوتی ہے اور یہی کیفیت مفتی الٰہی بخش کے ہاں بھی موجود ہے[8]

شاہ نیاز بریلوی (م ۱۲۵۰ھ) صوفیا و شعراء کے ساتھ حالات درج کئے جا چکے ہیں، عربی، فارسی، اردو، ہندی میں داد سخن دی اور دیوان چھوڑے، فارسی اردو ہندی میں نیاز اور عربی میں امی تخلص کرتے تھے۔ شاہ نیاز کی عربی شاعری میں فارسی بھی نمایاں ہے، مضامین تصوف سے مستعار ہیں اور زیادہ تر منقبت اہل بیت ہے، شمس العین تصوف پر منظوم رسالہ ہے جو چالیس بند پر مشتمل مخمسہ ہے۔ ابتدائی چار بند عربی میں ہیں باقی میں پانچواں مصرعہ بالالتزام عربی میں ہے۔ اس طرح یہ رسالہ عربی فارسی شاعری کا مخلوط نمونہ ہے۔ مجموعہ قصائد عربیہ تین مخمسوں پر مشتمل ہے، پہلا مخمس پنجتن کی مدح میں ہے جس میں اکیس بند ہیں۔ آخری بند ہے،

جاء امی الی جنابکم لیس منجاہ غیر بابکم ان تعدوہ من کلابکم او تشیروہ فی خطابکم

لا یخف من مخافۃ العادین

دوسرا مخمس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں جس کے ۲۲ بند ہیں حضرت ابوبکرؓ کی طرف منسوب مناجات کی تخمیس میں جس کے گیارہ بند ہیں[9]

---

(1) نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۸۵، تذکرہ علماء ہند ص ۳۱۲ (2) نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۷۰ (3) مولانا محمد ادریس کاندھلوی، علمی خدمات اور احوال و آثار مقالہ [illegible] ملتانی (4) حوالہ مذکورہ ص ۱۵-۱۲ (5) تذکرہ مشائخ کاندھلہ ص ۹۱-۱۰۰ (6) حوالہ مذکورہ ص ۹۰ (7) نشر الطیب ص ۱۲۰-۲۱۰ (8) تذکرہ اساتذہ مشائخ کاندھلہ ص ۱۰۵ (9) امام ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی السملالی (م ۸۷۰ھ) کی مشہور تالیف (10) تفصیل کے لئے ملاحظہ معارف مئی ۱۹۹۷ء ص ۳۸۰ تا ۳۸۸۔ تصانیف شاہ نیاز بریلوی مسعود حسین نقائی، مکتب فرما نیک اردو فارسی مخطوطات بحوالہ حکیم عمران خان سیدہ ڈسٹرکٹ لائبریری، رسالہ معارف دسمبر ۱۹۹۲ء ص ۴۹۰ تا ۴۵۰

احمد بن محمد یمنی الشروانی (م ۱۲۵۶ھ) یمن کے شہر حدیدہ میں پیدا ہوئے، خوب سیاحت کی، کلکتہ آئے اور مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ نفحۃ الیمن فیما یزول بذکرہ الشجن مشہور و متداول کتاب ہے۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں عربی کے استاد مقرر ہوئے پھر مستعفی ہو کر لکھنؤ چلے گئے جہاں غازی الدین حیدر کی مدح میں شعر کہے۔ المجر الزخار فی شرح بانت سعاد کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔[1] احمد الشروانی کا ایک مدحیہ قصیدہ مولوی محمد حسین خان نے ریاض الفردوس میں نقل کیا ہے، جس میں خلفائے راشدین سے عقیدت و ارادت کی ضرورت بیان کرتے ہیں، اور بعض صحابہ پر وعید کی خبر دیتے ہیں۔

ان اردت الفوز بالامل — فلتطع سید الرسل
احمل خضل خاب منکرهم — دع ولاة الجمل والخطل
هم نجوم للهدى اذ نعدهم — من تبعه فی الغار خیر ولی
لعبد الغار وقت صاحبه — من سما بالعلم والعمل
ثم ذوالنورین ثالثهم — جامع القرآن ثم علی
کیف من ذم الصحاب یری — انه من اقوم السبل[2]

علامہ محمد عابد السندی (م ۱۲۵۷ھ) حالات درج کیے جا چکے ہیں، عربی کے بلند پایہ شاعر تھے، مولانا رفیع الدین مرادآبادی کو خود یہ دو شعر سنائے

الٰہی نجنی من کل ضیق — بجاہ المصطفیٰ مولی الجمیع
وھب لی فی مدینتہ قرارا — ورزقا ثم دفنا فی البقیع[3]

سید نورالدین منور (م ۱۲۶۸ھ) سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے ایک نامور بزرگ جن کے دیوان میں متعدد عربی قصائد موجود ہیں (دیوان قلمی ہے جو ان کے خاندان میں محفوظ ہے اس سلسلے کے ایک فاضل بزرگ اور سجادہ نشین جن کا پچھلے سال انتقال ہو گیا یعنی سید شرافت نوشاہی مرحوم نے چند قصائد خود نقل کر کے محرر مقالہ کو عنایت فرمائے تھے) سید منور نوشاہی کے کلام کا بیشتر حصہ درود و سلام پر مشتمل ہے، برصغیر میں درود و سلام کی مسدس کا رواج رہا ہے، سید صاحب نے اس کے التزام کے ساتھ ایک مزید لزوم یہ اختیار کیا کہ ہر مصرعہ کا نصف آخر دوسرے مصرعہ کا نصف اول بنا دیا ہے اس سے ہر مصرعہ نصف تکرار کا شکار ہوا، انداز کلام عجمی ہے اور خانقاہی اثرات لیے ہوئے ہے، مسدس کے علاوہ بھی سلام موجود ہیں، ایک مسدس کا پہلا بند ہے،

وصلی ربنا رفیع المقام — رفیع المقام شفیع الانام
شفیع الانام بآل الکرام — بآل الکرام وصحب العظام
سلام علیہم بعز التمام — بعز التمام علیہ السلام[4]

دیوان منور کے عربی اشعار سے محبت کا تاثر ملتا ہے مگر شعریت نہیں اور پھر بھی کہ اکثر اشعار میں وزن ساقط ہوا اور جب تک بعض حرکات کو اردو سانچے میں نہ ڈھالا جائے شعر بے وزن ہو جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے سید صاحب نے اردو شعروں میں عربی الفاظ بھرنے کو ہی عربی شاعری قرار دے دیا ہے اور وہ بھی خالص اردو لہجہ اور اعراب کے ساتھ، ایسی شاعری برصغیر میں بہت ہوئی ہے اور اسی سے عربی نعتیہ شاعری کو دھچکا لگا ہے

مولانا غلام محی الدین قصوری (م ۱۲۷۰ھ) مولانا غلام مرتضیٰ قصوری اُن بزرگان دین میں سے ہیں جن کا نام دور زوال میں طمانیت قلب اور سکون دل کا باعث رہا ہے، قصور اور اس کے گرد و نواح میں آپ کے متوسلین کی کثیر تعداد ہر دور میں موجود رہی ہے، آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے برصغیر کے نامور علماء و فضلاء میں سے تھے، سکھ گردی سے تنگ آ کر [illegible] کی طرف ہجرت کر لی تھی، احمد شاہ ابدالی کا دور تھا جب احمد شاہ ابدالی پنجاب آیا تو اس نے یہاں کے علماء سے مذہبی مسائل پر مشاورت طلب کی ان علماء میں مولانا غلام مرتضیٰ بھی شامل تھے آپ نے ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء میں انتقال فرمایا[5]

---

① تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد عربی ادب ص ۲۹۸، ۲۸۷، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۹۲، ۱۹۲ ② ریاض الفردوس ص ۲۸ ③ الفرقان لکھنؤ خاص اشاعت شوال ۱۳۸۰ھ ص ۲۰، سفرنامہ حجاز مولانا رفیع الدین مرادآبادی ④ دیوان منور ص ۸۳ ⑤ ملفوظات شریفیہ اقبال مجددی ص ۲، ۲۸۱

مولانا غلام محی الدین قصوری آپ کے پوتے اور مولانا غلام مصطفیٰ قصوری کے صاحبزادے تھے۔ مولانا غلام محی الدین قصوری ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۷ء کے قریب پیدا ہوئے
خاندان کے بارے میں امام الدین گھوکی رقمطراز ہیں: "از اشراف خاندان صدیقیہ ایشان بودند۔ ولادت باسعادت ایشان ۱۲۰۲ھ بود۔ تخمیناً ونسب ایشان
بحضرت امیر المومنین ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ می رسد"۔[۱] ایک سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور چچا کی کفالت میں آئے۔ چچا کی وساطت سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت
ہوئے اور ان کے انتقال (۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) کے بعد شاہ غلام علی دہلوی سے نسبت سلوک تمام ہوئی اور سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک ہوئے۔[۲] ۱۲۴۰ھ میں شاہ غلام علی
کے انتقال پر ان کے سجادہ نشین ہوئے اور تیس سال تک یہ سلسلۂ رشد و ہدایت جاری رہا۔ ہزارہا لوگ حلقہ بگوش ارادت ہوئے۔[۳] ۲ ذی القعدہ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء کو قصور
میں انتقال فرمایا۔[۴] مولانا غلام محی الدین قصوری کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت تھی۔ تحفہ رسولیہ، حلیہ اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم پر عجیب تصنیف ہے جو ۱۲۰۸ھ کو مطبع محمدی سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ "سلالۃ المورد فی تجویز السماع المشہورہ" دیوان حضوری قصوری جو نعتیہ
اشعار کا مجموعہ ہے، خطبات حضوری، مکاتیب طیبہ، قصیدہ شفاعیہ در مدح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور چند مزید جن کی کل تعداد دس بتائی جاتی ہے۔[۵] مولانا قصوری
ہر وقت تصور ذات رسالت میں مستغرق رہتے تھے اور ان کی تمام تعلیمات اور تصنیفات کا موضوع محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس لئے انہیں
مولانا قصوری دائم الحضوری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مدح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذوق فراواں تھا، فارسی عربی میں متعدد اشعار ملتے ہیں۔
عربی میں ایک دالیہ قصیدہ بہت مشہور ہے جسے اکثر علماء واعظین اور مقررین اپنی تقاریر میں پڑھتے اور سامعین پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ۸۰ اشعار کا یہ
قصیدہ وارفتگی کے عالم میں تصنیف ہوا ہے۔ سارے قصیدے میں "محمد" کا اسم بطور ردیف استعمال ہوا ہے۔ نام پاک کا ایسا ورد ہے کہ عجیب سرمستی اور خود فراموشی
کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

الحمد للہ الذی بجلالہ — احمد الذات و دینہ بمحمد[۶]

خصائص نبویہ کے بیان میں افضلیت باعث خلق ہونے کو شرف کہتے ہیں۔

لم یخلق الرحمن آدم والذی — من نسلہ الا لحب محمد[۷]

باعث خلق وجود بے شک یہ ہے کہ اس وجود کا رنگ انگ قدرت کا شہکار ہے اس لئے مولانا دائم الحضوری ایک ایک عضو کا ذکر کرتے ہیں اور تبرکاً عقیدت پیش
کرتے ہیں، جسم، روح، عمر، سر، کان، بال، چہرہ، جبین، بھویں، آنکھیں اور ان کی بینائی، ناک، رخسار، پیشانی، کنپٹی، منہ اور اس کا تبسم و گفتگو، ہتھیلی
ہاتھ، انگلیاں، پشت، صلب، سینہ، دل، پیٹ، پاؤں، غرضیکہ جسم اطہر کے مشتملات کا والہانہ تذکرہ ہے۔ اس طرح یہ قصیدہ اوصاف ظاہرہ کے حوالے سے بیانیہ شاعری
کا عمدہ نمونہ ہے مگر اقتضائے شاعری میں قلبی جذبات بھی امڈ پڑتے ہیں اور شاعر کا ذاتی حال بھی شامل ہو جاتا ہے

راسی علا فی المجد راس محمد — اذنی لوعی الوحی اذن محمد

عین رأتہ من خلقھا مثل الذی — قد ابصرتھا عین النبی محمد

کف بہ کف الالہ عن الوری — ینبوع عذب السما کف محمد

الغرض جسم پاک تخلیق کا نقطۂ کمال۔

فتبارک الرحمن احسن خالق — خلق العباد علی حروف محمد[۸]

یہ مولانا کی جدت طبع کا مظہر ہے کہ اسم محمد کی صورت انسان کی تخلیق قرار دیتے ہیں۔ پھر اسم مبارک کے ہر ہر حرف پر عقیدت کے پھول نذر کرتے ہیں۔ ظاہری محاسن
سے اوصاف باطنیہ کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے پھر دین اسلام کی عظمت اور اس کی برکات اور کاملیت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ظلمت بجاء الکفر ما نعمتہ بہ — وتفجرت انہار دین محمد

آخر پر خصائص و معجزات کا بیان ہے اور اپنی مدح نگاری کو حضرت حسان بن ثابت رضی کا حوالہ عطا کرتے ہیں۔

قد قال حسان و قولی قولہ — فی مدح خیر العالمین محمد

(۱) ملفوظات شریفیہ ص ۰، (۲) تحفۃ المقامات طیبین، امام الدین گھوکی قلمی نسخہ فوٹو از خانقاہ سروری غلام نبی قمی شریفی ضلع جہلم (۳) حالات حضرات کرام نقشبندیہ مجددیہ محمد حسن نقشبندی ص
۳۵۸ (۴) ملفوظات شریفیہ ص ۱۱۰۵ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۹۹ تا ۱۹۹ (۶) احسن الکلام گوہر نظام ص ... (۷) حوالہ مذکورہ (۸) حوالہ مذکورہ ص ۱۰۶ (۹) حوالہ مذکورہ ص ۱۲

نمائندہ مدح نگار

مخدوم محمد ہاشم تتوی (م ۱۱۷۴ھ)

سرزمینِ سندھ کو جن اصحاب علم کی نسبت پر ہمیشہ نازرہے گا۔ اُن میں مخدوم محمد ہاشم کا نام بڑا نمایاں ہے۔ عربی زبان اور عربی تہذیب و ثقافت باب الاسلام سندھ کے راستے برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوئی تھی۔ ساحل سندھ عربوں کی تگ و تاز کا نخچیر تھا۔ اس تعلق باہمی اور تہذیبی موانست سے عربی زبان و ادب سندھ میں قرار پکڑنے لگا تھا۔ عہد سلاطین سے قبل کی تاریخ دراصل سندھ کی ہی حکایت کا نام ہے۔ عرب دور میں سندھ نے نامور علماء اور شعراء پیدا کئے[1] جن کی شہرت ہند کے ساحل سے بہت دور عرب صحراؤں تک پھیلی ہوئی تھی مگر پھر دور خمول آیا، عربیت کے تذکرے کم ہونے لگے اور عربیت قصۂ پارینہ بن گئی۔ ایسے ہی حالات تھے کہ مغلیہ دور کے آخری ایام میں ایک صاحب قلم نے عرب دور کی یاد تازہ کر دی۔ یہ مخدوم محمد ہاشم تھے۔ مخدوم صاحب کو عربی میں اظہارِ خیال کی جو سہولت حاصل تھی وہ عموماً کم دیکھنے میں آتی ہے۔ مخدوم محمد ہاشم عالم، صوفی، مبلغ، مجاہد اور شاعر تھے۔

مخدوم محمد ہاشم کے نسب نامے کے بارے میں مستند روایات سید حسام الدین راشدی نے بیان کی ہیں جو اس طرح ہیں "الشیخ الکبیر العالم الشہیر زبدۃ العلماء الراسخین الشیخ محمد ہاشم ابن عبد الغفور بن عبد الرحمٰن بن عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن خیر الدین السندی التیورائی ثم البھرامپوری ثم التتوی"[2] کہا جاتا ہے اصلاً دیہات کے رہنے والے تھے۔[3] ٹھٹھ کے قریب ایک گاؤں میں ۱۰ ربیع الاول ۱۱۰۴ھ/ ۱۶۹۲ء کو پیدا ہوئے۔[4] ٹھٹھ اُن اسلامی علوم و فنون کا مرکز تھا ٹھٹھ کے علماء ہی سے سلسلۂ تعلم کا آغاز کیا۔ اس دور کے محقق مخدوم ضیاء الدین سے علوم معقول و منقول کی تکمیل کی، علم کا شہرہ ہوا تو قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض ہوا۔[5] دین کی سچی تڑپ تھی اس لئے عمر بھر تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور ان کوششوں کے بڑے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ میر علی شیر قانع تتوی (م ۱۲۰۳ھ) کہتے ہیں "ہموارہ در ترویج قوانین دین متین و استحکام مبانی اسلام سعی موفورہ مصروف داردو، در زمانش گویا تجدید اسلام واقع، ہر ماہی چند ہنود بسعی مستحسنہ اش از ذلت کفر استخلاصی حاصل مینمایند"[6]

مخدوم محمد ہاشم دین متین کی ترویج و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ اہالیان برصغیر کی فلاح و کامرانی کے لئے سیاسی سطح پر بھی کوشاں رہتے تھے آپ شاہ ولی اللہ محدث (م ۱۱۷۶ھ) کے ہم عصر تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو بزرگوں کو برصغیر کے سیاسی عوامل سے دلچسپی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے احمد شاہ ابدالی کو برصغیر کی حالت زار کی طرف توجہ کیا تو مخدوم محمد ہاشم نے نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کو اصلاح احوال کیلئے ہر روز خطوط لکھے تھے۔[7] یہ خطوط مخدوم صاحب کے اُس دلی کرب اور قلبی اضطراب کے مظہر ہیں جو ملتِ اسلامیہ کیلئے رکھتے تھے، ان اشاراتی مکتوبات سے ان کی سیاسی سوجھ کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور یہ بھی کہ یہ بزرگ دور زوال کی حشر سامانیوں کے ازالے کیلئے کس قدر کوشاں تھے۔

مخدوم محمد ہاشم کی دلچسپیاں متنوع تھیں، انہوں نے کثیر موضوعات پر قلم اٹھایا، اُن کی تصنیفات سے اُن کی علمی وجاہت کا احساس اُبھرتا ہے اسی لئے تو اُن کا نام برصغیر سے باہر بھی احترام سے لیا جاتا ہے۔ مخدوم محمد ابراہیم خلیل (م ۱۳۱۷ھ) کہتے ہیں۔

"در علم شہرہ آفاق و در تقویٰ یگانہ وطاق، در تحقیق مسائل درا نجا سند مثل ایشان برنخاست، مشارٌ الیہ بین العلماء بود"[8] مخدوم صاحب کی تصنیفات کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے ۱۵۰ بتائی ہے۔[9] بعض نے عربی و فارسی کی تقریباً تین سو کتابیں منسوب بتائی ہیں۔[10] سید حسام الدین راشدی نے ۱۲۵ کتب کے نام گنوائے ہیں۔ ان میں کچھ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مقالات الشعراء ص ۸۱۴ حاشیہ ۲۔ تحفۃ الکرام ص ۶۹۶ ۳۔ تاریخ سندھ جلد دوم ندوی ص ۵۵۸ ۴۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۱۳ ص ۵۲۲ ۵۔ مقالات الشعراء ص ۸۴۲ ۶۔ تاریخ سندھ جلد دوم ندوی ص ۵۵۸ ۷۔ تکملہ مقالات الشعراء ص ۴۳ ۸۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند جلد ۱۳ ص ۵۲۲ ۹۔ ماہنامہ فکر و نظر ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ/ اکتوبر ۱۹۸۲ء عبد الرؤف نوشہروی، قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر پاکستانی زبانوں میں ص ۳۱ ۱۰۔ تکملہ مقالات الشعراء حاشیہ ص ۵۲ تا ۵۹۔

"اصح الاسانید' اتحاف الاکابر بمرویات الشیخ عبدالقادر' البیاض الجامع فی اقوال الفقہاء' بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ' بسط البودۃ لناظم البردۃ' تنقیح الکلام فی النھی عن قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام' تتمیم حاشیۃ الخیالی' التحفۃ الھاشمیۃ فی شرح القصیدۃ القاسمیۃ' تفسیر سورۃ الکھف' تفسیر سورۃ الملک والنون' ثمانیۃ قصائد صغار فی مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیقۃ الصغانی اسماء المصطفیٰ' زاد السفینۃ فی اسامی المدینۃ' السیف الجلی علی ساب النبی' کفایۃ القاری (متشابہات قرآن عظیم کے بارے میں منظوم رسالہ) صلۃ الغریب الی جناب الحبیب (شرح اسماء الرسول البشیر) وسیلۃ القبول فی حضرۃ الرسول' وسیلۃ الفقیر الی اسماء البشیر والنذیر وغیرہ۔ مخدوم صاحب نے عربی فارسی اور سندھی کو ذریعہ اظہار بنایا' موضوعات کا تعدد' معلومات کی وسعت اور شوقِ مطالعہ پر شاہد ہے تفسیر' حدیث' فقہ' کلام' منطق اور شعر و ادب غرضیکہ ہر میدان میں ان کا اشہبِ قلم سرپٹ دوڑا ہے اور قابلِ مطالعہ اور لائقِ فخر تصنیفی سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔

مخدوم محمد ہاشم کی عربی نعتیہ شاعری کا وجود زوالِ بغداد کے بعد نعتیہ شاعری کے اجزا سے ترتیب پایا ہے' بے چارگی کا احساس' تاریک مستقبل کا خوف اور قلبی پکار و اضطراب' مگر اس کے ساتھ مخدوم صاحب نے فارسی طرزِ خطاب اور مقامی خواہش دیدار کے انداز کو بھی سمویا ہے۔ تصوف کی کارفرمائی نے ان میں نفئ ذات اور ملامتِ خویش کے جذبات بھی ابھارے ہیں' بیچارگی سے پناہ کیلئے وہ دیارِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ کرتے ہیں' کراہتے ہوئے دل اور ملتجیانہ نظروں سے دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں مگر جب اپنے اعمال پر نظر کرتے ہیں تو دربار کے تقدس اور اپنی گناہ آلود زندگی میں بُعدِ کثیر پاکر تڑپ اٹھتے ہیں اس تڑپ کا ایک ہی علاج ہے کہ وہ دور سے دہائی دیتے ہیں اور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے درود و سلام کے گجرے دربارِ گہربار میں پیش کرتے ہیں۔ درود و سلام کی مخدوم صاحب کی شاعری میں کثرت ہے اور انہیں اپنی بے بضاعتی کا احساس غائبانہ سلام و درود پر اکتفا کرنے پر مجبور کرتا ہے' انہیں یہ احساس شدید ہے کہ وہ دربارِ رسالت میں حاضری کے اہل نہیں ہیں' خواہش شدید مگر عدم اہلیت کا احساس انہیں فراق کے گداز سے گزارتا ہے اور وہ دل سوز مؤثر پُرکیف ہدیے پیش کرنے لگتے ہیں' مخدوم کی شاعری کے چار بنیادی عناصر ہیں' شوقِ دیدار' احساس ندامت' فراق اختیاری' قلبی بے چینی و اضطراب' یہ سب مظاہر اُن کی شاعری میں ایک دوسرے سے اس طرح پیوست ہوگئے ہیں کہ ہر قصیدہ اُنکی ذات کی تمام کیفیات کا غماز اور انکے خیالات و جذبات کا ترجمان بن گیا ہے۔

شوقِ دیدار اور خواہش وصال کی شدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

أیا فخرَ ارضِ اللہِ نُوْرَ سمائہٖ ۔۔۔ نَفْسِیْ وَ قَلْبِیْ فِدَا ھَوَاکَ وَ مَغْرَمِ
جَرَتْ مُقْلَتِیْ شَعْرًا اِلَیْکَ وَ لَوْعَۃً ۔۔۔ وَ تَقَطَّعَتْ کَبِدِیْ مِنْ جَوَیً وَ تَضَرُّمِ [1]

تھیجت الاشواق نحو محمد ۔۔۔ ھو الذی حاز اقسام القسامۃ
فیا مصطفی الکونین و یا خیر مرسل ۔۔۔ لعمرك لا ادری سواك زعامتی
محبتك یا محبوب قد شغفت قلبی ۔۔۔ فیا لیت قبری فی جوار تھامۃ
فیا فراق رسولِ اللہ فارقنی ۔۔۔ اِنّ العیون عیونٌ من مدامع دامۃ [2]

شوق انہیں ابھارتا ہے مگر احساسِ ندامت دامن گیر ہو جاتا ہے۔

لکن اوزاری و ذنبی تعاظمت ۔۔۔ فصارت ممانعۃ وکثرۃ مأثم
عجزت عن حملھا ثقلت خطیاتی ۔۔۔ فالنفس فی خجل والعین عین دم

---

[1] بذل القوۃ ص ۸۸ [2] حوالہ مذکور ص ۸۴' ۸۵

ان کان عفو کریم قد افادو رجا — ولکنّ نجاستہ نفسی منشأ الندم [1]

ظلمت ظلما کثیرا وکنت ظلوما — جھولا ذھولا لادریت امانتی [2]

اور یہ احساسِ گناہ انہیں نفیِ ذات کی راہ دکھاتا ہے اور وہ اپنے شامتِ اعمال کے نتیجے میں فراقِ اختیاری کو ترجیح دیتے ہیں کہ ایسی قلبی نجاست کے ساتھ اُس دربارِ اطہر میں حاضری کیونکر ہو سکتی ہے۔

فالناس لایترکون کلاباً فی مساجدھم — ولا نجساً فی موضع طاھر حرم [3]

ملامتِ ذات کی یہ ارذل ترین منزل ہے، محرومِ زیارت عاشق کے بس میں ایک ہی بدل رہ گیا ہے کہ وہ یادوں کی دنیا آباد کرے۔ یادِ حبیبِ ربِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا احسن ترین طریقہ درود و سلام کا ورد ہے کہ جس کی دربارِ گہر بار میں باریابی پر نص موجود ہے، خواجہ ہاشم کے ہاں نامہ بر کا تصور بھی ملتا ہے۔ عربی میں یہ ادارہ اس قدر مستحکم نہ تھا جتنا فارسی یا مقامی شاعری میں ہے۔ برصغیر کی عشقیہ شاعری میں وارداتِ عشق کا ابلاغ صرف نامہ بر کے حوالے سے ہی ممکن تھا چنانچہ کہتے ہیں۔

یاسالکا طرق المدینۃ طیبۃ — مبلّغ تحیاتی الی ساکن الحرم

اذا ما رأت عیناك حجرۃ احمد — فقم خاشعا متضرعا ثم صلّ وسلّم

وقل بین قبر النبی ومنبر — علیك صلاۃ اللہ یا صاحب العَلَمْ

علیك صلاۃ اللہ یا داعی الھدی — علیك سلام اللہِ یا خیر معتصم [4]

اس پیغام رسانی میں خالص عجمی اندازِ خطاب اپنا لیتے ہیں۔

ایا نسیم صبا ان زرت روضتہ — سلّم علی المصطفیٰ صاحب النعم [5]

خواہشِ وصال مچلتی ہے تو شوقِ زیارت کا عجمی سانچہ استعمال کرتے ہیں۔

ایا صاحب الوجہ الملیح جبینا — ارفع نقابا عن جبین مکرم

وأذن محبا ہاشما مشاق روضتکم — لیکحل عینا من تراب ویلثم [6]

مخدوم محمد ہاشم کی شاعری میں گناہ کا احساس بہت شدید ہے، مخدوم اپنی ذات میں ملّت کی سیاہ کاریوں کو تشکیل کرتے ہیں اور اُن کے ہاں ملّت کا نوحہ ذات کا مرثیہ بن جاتا ہے۔

فطال العمر قد ضیعت فی طرب — وفرط عیش واحتساء مدامۃ

عناکب نسیان نسجن علی قلبی — لذلك تأسی النفس کان علامتی

مررت بمعوج الطریق غوایۃ — اطعت عدواً لا یرید اقامتی

توطنت موماۃ المھالك انما — سوی جنابك یانبیا متی لیست عصامتی

فیانبی الہاشمی شفاعۃ — لہاشم وغریق فی بحار بخرامۃ

خواخسرتا فرطت فیما امورتہ — وشمرت ذیلا لاقتوان وتامۃ [7]

---

[1] بذل القوۃ ص۸۵ [2] حوالہ مذکور ص۸۵ [3] حوالہ مذکور ص۸۵ [4] بذل القوۃ ص۸۷ [5] حوالہ مذکور ص۸۸ [6] حوالہ مذکور

[7] حوالہ مذکور ص۸۳، ۸۵

مخدوم کے ہاں مدح کا رنگ بھی وارداتی ہے، وہ معجزات کا تذکرہ کرتے ہیں خصائص نبوی کی طرف اشارے کرتے ہیں مگر ان میں ان کی ذات کا عکس ضرور شامل ہوتا ہے، انکی خواہش ہوتی ہے کہ اب بھی معجزات کا ظہور ہو اور انکی اپنی ذات اُن کا مظہر ہو اسلئے انہیں صرف انہیں خصائص کے بیان سے زیادہ رغبت ہے جو ان کی ذات تک ممتد ہوں۔

اضاءبك الاكوان من كل جانب — فيا نور الله نوّر سماتي [1]
أَلَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ يَا كنزَ رحمةٍ — يا من لديه دواء الداء والالم
انظر لعين الشفاعة نحو مذنب — واسئل خلاصي من اللّٰهِ ذي الكَرَمِ
فَإِنَّكَ مَوْجُوْدٌ وَأَنْتَ وَسِيْلَةٌ — وَخُذْ سَمَاكَ رَبِّي شَافِعِ الْأُمَمِ
كِلتا يَدَيْكَ غِيَاثٌ عَمّ نفعها — حُزْتَ الخلائقَ بالإحْسَانِ كالرَّحِيْمِ [2]

مخدوم نے امام صرصری (م ۶۵۶ھ) کی طرح درود و سلام پر مستقل قصائد کہے ہیں۔ انہیں مخمس اور مسدس کی ہیئت زیادہ پسند ہے کہ اس میں ٹیپ کا مصرعہ درود و سلام پر مشتمل ہوتا ہے ایک مسدس کے بند یہ ہیں۔

هذا الحبيب الذي لاذت بِهِ الأُمَمُ — هُوَ النعمةُ العُظمى هُوَ الفضلُ وَ الكَرَمُ
هُوَ السراج الّذی تجلُو بِهِ الظُلَمُ — هُوَ الشَّفِيعُ الَّذِي يُشْفَىٰ بِهِ السَّقَمُ [3]
قَدْ زَادَهُ رَبُّهُ فَضْلاً وَ تَكْرِيمًا — صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا [3]
إِلَيْكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَشْتَاقُ هَاشِمْ — وَأَنْتَ شَفِيعُ الْمُذْنِبِيْنَ وَرَاحِمْ
وَوسيلتنا عند الاله وخاتم — وَأَنْتَ خِتَامُ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتِمْ
علوت مقاماً عالياً وَفَخِيمًا — صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا [4]

اور مخمس کا ایک بند:

طَابَ المَدِيْنَةُ مِن ثراه وعطرت — كُلُّ البلاد تعاطرت وتعطرت
تَجَلَّ الشموسُ لِحُسْنِهِ فَتَسَتَّرَتْ — الْأَكْنَافُ طَيِّبَةٌ مِنْ حَسَنَاهُ تَنَوَّرَتْ
صَلُّوا عَلَى صَدْرِ الانام وَسَلِّمُوا [5]

مخدوم محمد ہاشم کو عربی شاعری پر ماہرانہ عبور حاصل ہے خیالات میں مقامی رنگ اور بعض اوقات لہجے کے عجمی تاثر کے باوجود انکی شاعری میں عربی لغت اور ترکیب جمل کا معیار قابل اعتماد ہے البتہ کہیں کہیں غیر مانوس تراکیب اور ایک دو مقامات پر اصول نحو سے اغماض کر لیا گیا ہے جو بہر کیف ضرورت شعری کی رعایت میں نہیں آتا، حیرت ہوتی ہے کہ ایسے قادر الکلام شاعر سے ایسا صدور کیونکر ہوا:

يا زائرين المصطفىٰ صَلّوا عليه وسَلّموا — يا عاشقين المجتبىٰ صَلّوا عليه وسَلّموا

اس سلام میں کئی مرتبہ ایسی تراکیب استعمال ہوئی ہیں 'نون' جمعیت کا سقوط عربی اضافت کی کڑی شرائط میں سے ہے اگرچہ فارسی اردو میں ایسا نہیں ہوتا مخدوم صاحب نے شاید فارسی کے زیر اثر اس کوتاہی کو نظر انداز کر دیا ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قصیدہ الحاقی ہو کر مخدوم کی علو شان کے مطابق نہیں ہے۔

---

[1] جذل القوۃ ص ۹۲ [2] حوالہ مذکور ص ۸ [3] قلمی نسخہ دیوان مخدوم ہاشم ص ۱ [4] قلمی نسخہ دیوان ہاشم ص ۲۲ [5] قلمی نسخہ دیوان ہاشم ص ۱۶

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور اُن کے صاحبزادگان

شاہ ولی اللہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بروز بدھ دہلی میں پیدا ہوئے، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی بشارت کی وجہ سے قطب الدین لقب ہوا، عظیم الدین تاریخی نام ہے شہرت ولی اللہ کے نام کو حاصل ہے[1] سلسلہ نسب تیس واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے[2] اسی لئے اُن کے نام کے ساتھ العمری لکھا جاتا ہے۔ شاہ صاحب کے والد محترم شاہ عبدالرحیم دہلوی (م ۱۱۳۱ھ) نے دہلی میں "مدرسہ رحیمیہ" قائم کیا تھا۔ جہاں تشنگان علم دور دور سے آتے اور علم شریعت اور علم معرفت سے سیراب ہوتے۔ شاہ ولی اللہ نے بھی درسیات کی تعلیم اسی مدرسے سے اپنے والد کی زیر نگرانی حاصل کی، اسی اثنا میں مولانا محمد افضل سیالکوٹی (م ۱۱۴۶ھ) سے درس حدیث لیتے رہے۔ ۱۴ سال کی عمر تک مروجہ درسیات کی تکمیل مکمل ہو گئی اُسی سال آپکے والد بزرگوار نے آپکے سر پر فضیلت کا عمامہ رکھ دیا اور درس کی اجازت دی[3] اسی سال شادی بھی ہوئی[4] آپ نے مدرسہ رحیمیہ ہی میں تدریس کی ابتدا کی ابھی سترہ سال کے قریب تھے کہ آپکے والد شاہ عبدالرحیم ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ میں انتقال فرما گئے اور تدریس کا سارا بوجھ آپ پر آن پڑا، آپ نے تقریباً بارہ سال سلسلہ تدریس میں انہماک دکھایا مگر پھر طبیعت حرمین شریفین کیلئے بے چین ہونے لگی چنانچہ ۱۱۴۳ھ میں زاد سفر باندھا۔ حرمین میں دو سال قیام رہا، مدینہ منورہ میں شیخ محمد طاہر بن ابراہیم الکردی المدنی (م ۱۱۴۵ھ) سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کا درس لیا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میں شیخ وفد اللہ المالکی سے مؤطا امام مالکؒ کی اجازت لی، شیخ تاج الدین القلعی المکی سے صحیح بخاری، مؤطا، مسند دارمی اور امام محمد کی کتاب الآثار کی سماعت کی ۱۱۴۵ھ میں وطن واپس لوٹے[5] اور مدرسہ رحیمیہ میں تدریس میں مشغول ہو گئے، مدرسہ رحیمیہ کی عمارت متلاشیان علم کی بہتات کی وجہ سے کم ہوتی جارہی تھی محمد شاہ بادشاہ دہلی نے ایک وسیع اور عالیشان حویلی بخش دی جس میں آپ نے دار الحدیث قائم کیا۔ یہ مدرسہ ۱۲۷۴ھ تک خدمتِ دین میں مصروف عمل رہا۔ شاہ صاحب خدمت دین میں مشغول تھے کہ نجف خان نے جو شاہ عالم ثانی کے ساتھ دہلی آیا تھا اور تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا ہوا تھا اس سے تعلقات بگڑے اس ظالم نے آپ پر اس قدر ظلم کیا کہ پہنچے اتروا کر ہاتھ بے کار کر بیٹھے مگر آپکی ہمت تھی کہ آپ نے اس معذوری کے عالم میں بھی اپنا تدریسی کام جاری رکھا اور آخر مدرسہ رحیمیہ میں ۳۱ سال مسلسل تدریس کے فرائض انجام دے کر ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۳ء کو دہلی میں انتقال فرمایا[6]

شاہ صاحب کی عمر ۴ سال تھی کہ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر نے انتقال کیا اور برصغیر کے سیاسی حالات دگرگوں ہونے لگے۔ شاہ صاحب نے مغلیہ دور زوال میں دس بادشاہوں کا دور دیکھا، ان دس میں سے بہادر شاہ (۱۱۱۸ تا ۱۱۲۴ھ)، جہاندار شاہ (۱۱۲۴ تا ۱۱۲۵ھ)، فرخ سیر (۱۱۲۵ تا ۱۱۳۱ھ)، احمد شاہ (۱۱۶۱ تا ۱۱۶۷ھ)، عالمگیر ثانی (۱۱۶۷ تا ۱۱۷۳ھ) قتل ہوئے، رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ چند ماہ حکمران رہ کر چل بسے، محمد شاہ رنگیلا (۱۱۳۱ تا ۱۱۶۱ھ) نہایت کسمپرسی کی حالت میں مردہ لاش کی طرح زندگی گزارتا رہا، اورنگزیب اور شاہ عالم کے درمیان یہ آٹھ کٹھ پتلی حکمران تھے جن کی نا اہلی اور باہمی عدم اعتماد نے سلطنتِ مغلیہ کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ ان کی حکومت امراء کی بیساکھیوں کے سہارے قائم رہی، تخت نشینی کیلئے یہ شہزادے پہلے تو آپس میں کشت و خون کرتے رہے مگر بعد میں امراء نے اپنے اقتدار کی خاطر انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ قتل حکمران کا مقدر بن گیا تھا، خواہ آپس میں لڑ کر مریں یا کسی اور کی خواہش کی بھینٹ چڑھ جائیں، نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے رہی سہی ساکھ بھی ختم کر دی تھی، مرہٹے دلیر، سکھ خودسر ہو گئے اور انگریز گھات میں تھے، یہ تھا ماحول جس میں شاہ صاحب نے زندگی گزاری انہوں نے زوال کے تمام اسباب کا مشاہدہ کیا تھا، انکی نظر باریک بین بھی تھی اور تجرباتی مشاہدہ کی حامل بھی، لہٰذا مشاہدے کے بعد آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس زوال کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے اور قوم کے سامنے رکھا جائے اور ساتھ ہی آئندہ لائحہ عمل مرتب کرنیوالوں کیلئے نظری و عملی راہنمائی مہیا کی جائے، آپکے ہاتھ

---

[1] نزھۃ الخواطر الجزء السادس ص ۳۹۸ [2] حدائق الحنفیہ ص ۴۶۶ [3] حیات ولی ص ۲۲۵ [4] تذکرہ علمائے ہند ص ۵۴۳ [5] ابجد العلوم الجزء ۳ ص ۹۱۲ [6] نزھۃ الخواطر الجزء السادس ص ۳۹۹، ۴۰۰ [7] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۳۴۲، ۳۴۳

میں ایسا قلم تھا جس کی سطوت عربی و فارسی میں برابر قائم تھی اسلئے آپ نے دینی مسائل سے لے کر معاشرتی مسائل تک سب کا تجزیہ کیا، انہیں شعوری راہنمائی اور عقلی بنیاد مہیا کی جس سے قوم میں اعتماد کا جوہر پیدا ہوا، انہیں کارہائے نمایاں کی وجہ سے آپکو امام الہند اور حکیم الامت کہا جاتا ہے۔

شاہ صاحب کو عربی فارسی پر یکساں مہارت حاصل تھی" برصغیر کے علماء میں ایسے علماء کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے جنہوں نے عربی زبان کو اپنی نگارشات کا ذریعہ بنایا اور اگر کسی نے یہ ہمت کی بھی تو اس میں فنی کتب کا معتدبہ حصہ شامل رہا اسلئے زبان بھی مخصوص فن کے حوالے سے ہی استعمال ہوئی ایسی زبان سے قاری کے ذوقِ ادب کی تسکین نہیں ہوتی، شاہ صاحب کو عربی نثر پر اس قدر عبور حاصل ہے کہ آپکی نثر سہل ممتنع کے حکم میں ہوتے ہوئے بھی پُر تکلف اور جاذب توجہ ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر رقمطراز ہیں: شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر و تقریر کی صلاحیت بخشی تھی، آپ نے علوم عربیہ کی تکمیل تو پہلے ہی کرلی تھی، پھر دو سال قیام حرمین کے باعث آپکو اہل زبان سے بالمشافہ گفتگو اور حجاز کے علمی حلقوں میں شمولیت کا موقع ملا، اس لئے عربی زبان میں تقریر کے ساتھ تحریر کا پختہ ملکہ پیدا ہوگیا اور جب آپ نے اسلامی علوم پر قلم اٹھایا تو بے تکان لکھتے چلے گئے اور اسرار شریعت و رموز دین کو عیاں کرتے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپکی مؤلفات عربیہ جس طرح برصغیر میں مقبول ہیں اسی طرح بلادِ عرب میں بھی مقبول ہیں۔[1]"

شاہ صاحب کی تصنیفات کا تنوع آپکی وسعت نظر اور جامعیت کی بشارت دیتا ہے، متعدد موضوعات پر ایک جیسی مہارت سے بے تکلف حکمت و دانش کے موتی رولتے جانا اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم کرم ہے جس سے صدیوں بعد ہی کوئی صاحب دل متمتع ہوتا ہے۔ علمی راہنمائی کے ساتھ عملی راہبری کا امتزاج بظاہر بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ شاہ صاحب نے برصغیر کے مایوس ذہنوں کو علم و حکمت کی قوت عطا کی تو پراگندہ خیالات کو درست سمت بھی دکھائی۔ آپ ایسے علماء میں سے تھے جو علم ظاہر کو علم باطن کے گداز سے دو آتشہ کر دیتے ہیں اور اسطرح قوم و ملت کی نظریاتی اور عملی تربیت کا سامان مہیا کرتے ہیں، بہتر ہوگا کہ ایک سرسری نظر آپکی تصنیفات پر ڈال لی جائے تاکہ آپکی فکری جولان گاہ کی بے کناری کا اندازہ ہو سکے۔

مولوی رحمان علی نے آپکی ۳۲ تصنیفات کے نام گنوائے ہیں[2] علامہ حسنی نے ۴۰ کے قریب کتابوں کا مجملاً تعارف کرایا ہے[3] مگر بعض متجسس نگاہوں نے اس سے بھی زائد کتب کا سراغ لگایا ہے[4] چند مشہور و متداول کتب کے نام یہ ہیں۔

علوم قرآن:۔ (۱) فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن۔ قرآن مجید کو برصغیر کے عام تعلیم یافتہ طبقہ تک پہنچانے کیلئے آپ نے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کیا۔ اس طرح وہ جمود توڑا جس میں قرآن کو غیر مستحسن بلکہ ناپسندیدہ عمل سمجھا جاتا رہا تھا۔

(۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ تعارف قرآن پر مختصر مگر مجمل رسالہ جس میں کئی مباحث حل کئے گئے۔

(۳) فتح الخبیر۔ الفوز الکبیر ہی کا حصہ ہے۔

علوم حدیث:۔ (۴) مسوّی (شرح مؤطا عربی) (۵) مصفّی (شرح مؤطا فارسی) (۶) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین

شاہ صاحب کا عظیم کارنامہ حدیث کی ترویج و اشاعت بھی ہے صاحب فہرس الفہارس کا کہنا ہے: احی اللہ بہ و باولادہ و اولاد بنتہ و تلامیذھم الحدیث والسنۃ بالھند بعد مواتھا وعلی کتبہ واسانیدہ المدار فی تلک الدیار[5] آپکی خدمت حدیث ہی مساعی کا یہ اثر ہوا کہ برصغیر کے تمام مکاتب فکر کی سند آپکی ذات پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک غیر ہندوستانی عالم کا یہ کہنا ہے کہ "مجھے سارے ہندوستان کی سیاحت میں کوئی ایسا عالم نہیں ملا جو حضرت شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ کا شاگرد نہ ہو"[6]

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۲۵، ۲۲۶ [2] تذکرہ علمائے ہند ص ۵۴۳ [3] نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۴۰۷ تا ۴۱۱
[4] الدر الثمین فی مبشرات الامین، دیباچہ از اقبال احمد فاروقی ص ۱۰ تا ۱۲ [5] الاعلام الجزء الاول ص ۱۴۴ [6] تاریخ دار العلوم دیوبند جلد اول ص ۱۲۷

علم العقائد والکلام ، ۷ ، حجۃ اللہ البالغۃ : شاہ صاحب کی وہ مایہ ناز کتاب جس میں اسلامی شریعت کے اسرار و رموز کو عقلی حوالوں اور منطقی استدلال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔" شاہ صاحب اگر اور کتابیں لکھ کر امت پر احسان نہ بھی کرتے تو حجۃ اللہ البالغۃ ان کا ایسا عظیم الشان احسان ہے جسے ملت اسلامیہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔[1] (۸) البدور البازغۃ (۹) انصاف فی بیان سبب الاختلاف ۔ جس میں اختلاف امت کو فطری مظہر قرار دیکر تطبیق کی کوشش کی ہے (۱۰) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ۔ اجتہاد اور تقلید کے نازک موضوع پر معروضی بحث اور اصل صورت حال کی وضاحت کی گئی ہے (۱۱) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ۔ ایک نازک مسئلے کا علمی حل ۔

تصوف :۔ (۱۲) التفہیمات الالٰہیۃ (۱۳) فیوض الحرمین (۱۴) القول الجمیل (۱۵) ہمعات (۱۶) سطعات (۱۷) لمعات (۱۸) الخیر الکثیر (۱۹) شفاء القلوب ۔ شاہ صاحب ظاہرہ علوم و فنون میں مہارت کے ساتھ باطنی احوال و واردات سے بھی آگاہ تھے ۔ آپ نقشبندیہ سلسلے سے منسلک بھی تھے اور خرقہ بھی پہنا تھا۔[2] آپکی ذات میں شریعت اور طریقت یک جان ہو گئے تھے اور علم و عمل کا ایک مرقع بن گیا تھا ۔ تصوف پر آپکی کتب میں مکاشفات و خوارق کے تذکروں سے کہیں زیادہ وارداتِ قلبیہ کے اشارے ہیں" ایسے واردات جن کا منبع ذات سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جن کے ارشادات ظاہر و باطن کی اصلاح کے ضامن ہیں ۔

تاریخ و سیرت : (۲۰) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۔ خلفاء کے دفاع اور افراط و تفریط کے رد میں قابلِ قدر کتاب ہے ۔ اور جانبین کے تشدد کو روکنے کی عمدہ ترین کوشش ہے (۲۱) انفاس العارفین (۲۲) جزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف' خود نوشت سوانح عمری ہے ۔

نظم : (۲۳) اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ، چند قصائد کا مجموعہ ، (۲۴) دیوان اشعار عربی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاہ عبد العزیز نے جمع کیا تھا اور شاہ رفیع الدین نے مرتب کیا۔[3]

شاہ ولی اللہ بحیثیت ایک مدح نگار : " شاعری جو علم و ادب کی ایک گراں مایہ جوہر ہے اور تمام ممالک اور قوموں میں جس کی عزت کی جاتی ہے اس میں اس درجہ کمال تھا کہ لوگوں نے بارہویں صدی کے شعراء کے زمرے میں آپکو جداگانہ شمار کیا ہے اور شاعری کے علاوہ علم ادب میں تمام ماہرین فن کے طبقوں میں آپ مسلم ادیب گنے گئے ہیں ، جب ہم بارہویں صدی کے شعراء کی فہرست میں آپکو ڈھونڈتے ہیں تو نہایت روشن اور جلی حرفوں میں آپ کا نام نامی ثبت پاتے ہیں۔[4] "واما شعرہ بالعربی فکانما الاعجاز والسحر فی دقۃ اللفظ و معناہ وصفاء الورود و معناہ"[5] کلام میں اعجاز اور تاثیر میں سحر کیلئے زبان کی سلاست اور معانی کا نمو اس قدر جاذب ہوتے ہیں کہ زبان لفظوں کی شیرینی کا چٹخارا لے تو قلب و نظر دریائے معانی کی بے کرانی کے خرام دلنشین کے گھائل ہو جائیں ، صرف لفظی جال وقتی تاثر اور لمحاتی حظ کا سبب ہوتا ہے اور صرف معانی کا حسن ' ناپسندیدہ تریاق کی صورت ذائقہ کڑا کڑا کر دیتا ہے ۔ وہی شاعری بقائے دوام کی مقدار ٹھہرتی ہے جہاں لفظ و معنیٰ ' میں رشتۂ وحدت ' استوار ہو' الفاظ سماعت میں رس گھولیں تو معانی دل کو رقصِ بسمل پر تیار کریں ' دونوں پہلوؤں کی کشش شاعری کی معراج ہے اور یہ توفیق بہت کم شعراء کو حاصل ہوتی ہے ' عموماً لفظوں کا انتخاب حسین ہو تو معانی کی دریافت مشکل ہوتی ہے اور اگر معانی کی شوکت قائم ہو تو لفظ پھیکے ہو جاتے ہیں ، لفظوں کا جادو خطیبانہ لہجہ عطا کرتا ہے اور معانی کی فراوانی واعظانہ طرز ادا کی شکل ہو جاتی ہے اور ہر دو حالتوں میں شعریت کو دھچکا لگتا ہے ' شاہ صاحب کا اصل میدان شعر نہ تھا وہ تو حکیم امت تھے کہ امت مسلمہ کو ان کمزور گوشوں کی نشاندہی کر رہے تھے جنہیں بہرحال اصلاح کی ضرورت ہے تاکہ جسدِ امت نخل خاویہ[6] کی طرح بے جان نہ ہو جائے ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے شاہ صاحب نے نثر کا تجربہ بھی کیا اور نظم کا بھی ' ان کی اجتہادی بصیرت نے نثر میں بھی انقلاب برپا کیا

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۳۲۷ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب کا مضمون [2] ابجد العلوم الجزء ص ۹۱۲ [3] نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۴۱۰ [4] حیات ولی ص ۲۷۵ [5] نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۴۱۰ [6] الحاقۃ : ۷

تو نظم ہی بھی نثر مغلق اور مہمل تکرار سے آزاد ہوئی۔ لفظوں کا مصنوعی شکوہ راندۂ درگاہ ٹھہرا، اور نثر مرسل سنجیدگی و متانت کی خوگر ہوئی، شعر میں بھی آپ نے مقاصد کو عزیز رکھا۔ لفظوں کو معانی کا متبع اور ایصال مافی الضمیر کا مختصر ترین مگر قابل فہم روپ عطا کیا۔ نہ کہیں ضرورت شعری نے لفظی سقم پیدا کیا اور نہ ہی معانی کی ضرورت سے زیادہ ایک حرف استعمال ہوا۔ ہر ترکیب اقتضائے معانی کے نقطۂ نظر سے ناگزیر تھی۔ شاہ ولی اللہ کو مختصر زندگی میں وہ کام کرنا تھا جو بڑے بڑے اداروں سے بمشکل سرانجام پاتا ہے اسلئے ان کے ہاں نہ لفظوں کا اسراف ہے نہ معانی کی متانت سے انحراف الغرض شاہ صاحب کی شاعری ظاہر و باطن کا نادر امتزاج اور روح و جسم کا حسین پیکر ہے۔

المدائح النبویة' شاعری کا نقطۂ کمال اور اظہارِ عقیدت کا وہ نازک مرحلہ ہے جہاں بہت سوں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں یہ تو تلوار کی دھار ہے کہ محتاط روی اس کا پہلا قرینہ ہے، یہ ذات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شاعر کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ جہاں ہمہ پہلو احتیاط کی ضرورت ہے۔ لفظ اُس شانِ اقدس کے شایان ہونے چاہئیں اور مفاہیم تعلیمات ممدوح کے پابند شاہ ولی اللہ کو مقامِ ممدوح کی عظمت کا احساس بھی ہے اور انتخاب کلمات کا سلیقہ بھی آتا ہے، یہ انکے تبحر علمی اور روحانی رابطے کے طفیل ممکن ہوا ہے کہ انکی زبان عقیدت مندانہ، نظر باوضو اور دل سراپا سپاس ہے آپ کا قصیدہ بائیہ جو حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے مدحیہ قطعہ کے تتبع میں کہا گیا ہے ۱۰۷ اشعار پر مشتمل ہے اور گیارہ فصلوں میں منقسم ہے اس میں ذات سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا احاطہ کیا گیا ہے، شاہ صاحب نے نزدیک مدح نگاری ایک ایسا عمل ہے جو باعث خیر و فلاح ہے اسلئے اسے ضابطوں کے مطابق انجام دینا ضروری ہے، خود فرماتے ہیں: "مدح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم و نشر مناقب آنحضرت و ذکر دلائل نبوت آنجناب بے شبہ مثمر برکات و موجب درجات است[1] اور انہیں اپنے مقدر پر ناز بھی ہے کہ انہیں ان برکات کے اثمار چننے کی توفیق عطا ہوئی ہے۔" واین فقیر موفق شد دریں اثنا بنظم قصیدہ بائیہ دریں باب کہ بہ تتبع قصیدۂ سواد بن قارب صحابی سر برزدہ و آن قصیدہ بغایت بلیغ است بر طور عرب اول بسمع مبارک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسیدہ و بقبول خاطر مشرف شدہ[2] اور یہ خواہش شاہ صاحب کو بائیہ قصیدہ کہنے کے لئے محرک تھی کہ اسے بھی بوسیلہ قصیدہ سواد بن قارب[3] دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قبولیت حاصل ہو جائے۔

قصیدہ بائیہ کا داخلی تجزیہ: شاہ صاحب کے قصیدے کا ماخذ قرآن و حدیث کے اشارے ہیں جن سے مدح کا ترشح ہوتا ہے مگر انتخاب فضائل میں شاہ صاحب نے منفرد راہ اپنائی ہے کہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن واقعات کو منتخب کیا ہے جن کی معاشرتی و اجتماعی حیثیت زیادہ واضح ہے۔ تشبیب قصائد کے ابتدائیہ کے طور پر ایک مسلم روایت ہے، شاہ صاحب نے اسے اپنایا ہے مگر اس میں اپنی جدت طبع کے مطابق مضامین کی نوعیت بدل دی ہے حوادث زمان کی قہرسامانیوں کے تذکرے سے استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ تشبیب کا نفس مضمون ہے، یہ فصل سات شعروں پر مشتمل ہے مطلع ہے:

كانّ نجوماً اومضت في الغياهب عيون الافاعي او رؤوس العقارب[3]

غم کی شب تاریک میں چمکتے ہوئے ستاروں کو اژدہاؤں کی نظر یا بچھوؤں کے شدت زہر سے لہراتے ہوئے سر قرار دینا تشبیہ کی حد ہے اور زورِ کلام کی انتہا ہے۔ تشبیہہ اور وجہ شبہ کے جتنے بھی پرت کھلتے جائیں تاثیر کی زہرناکی کا احساس بڑھتا جاتا ہے اور یہ وحشت اثری مزید شدید ہو جاتی ہے اگر مصائب بہر جانب حملہ آور ہونے لگیں۔

اذا ما اتتني ازمة مدلهمة تحيط بنفسي من جميع جوانب[4]

تو ایسی حالت میں مصائب کے تنگ نائے میں محصور انسان پکار اٹھتا ہے۔

---

[1] اطیب النغم ص ۲ [2] حوالہ مذکورہ [3] حوالہ مذکورہ [4] حوالہ مذکورہ ص ۳

تطلبت هل من ناصر او مساعد الوذبه من خوف سوء العواقب [۱]

ایسے عالم بے چارگی میں ایک ہی ذات ناصر و مساعد ہے۔ اس لئے اعتراف کرتے ہیں کہ

فلست اری الا الحبیب محمداً رسول الٰہ الخلق جم المناقب

ومعتصم المکروب فی کل غمرۃ ومنتجع الغفران من کل تائب [۲]

عرب شاعر فراق کی زبوں حالی کا تذکرہ کر کے ماضی کی حسین یادوں میں کھو جایا کرتے تھے اور چشم تصور میں محبوب کا قرب محسوس کر کے اطمینان حاصل کرتے تھے۔ شاہ صاحب کو بھی ایسی ہی بے چارگی کا سامنا ہے فراق کی روایت (فضا) دیکھی بھی ہے اور وحشت ناک بھی مگر انہیں یہ پریشانی محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دلاتی ہے اور وہ ان کے حضور ہدیۂ عقیدت پیش کرنے لگتے ہیں۔ عرب انداز تشبیب کا ظاہری قالب تو اختیار کرتے ہیں مگر شاہ صاحب کا محبوب روایتی محبوب سے مختلف ہے۔

فصل دوم پانچ شعروں پر مشتمل ہے انہیں تصور میں سعادت حاصل ہو گئی ہے اسلئے حاضر دربار ہیں اور مناقب شماری کرتے ہیں، فضائل میں آغاز شفاعت سے کرتے ہیں کہ انکی ذات کا اقتضا ہے۔ بخاری و مسلم کی احادیث کا حوالہ شعروں کو واقعیت کا جوہر عطا کرتا ہے اس فصل سے دلائل نبوت کا بیان شروع ہوتا جو کئی فصلوں پر محیط ہے۔

فصل سوم میں مناقب کی تاریخی ترتیب کے ساتھ ابتداء کرتے ہیں، مبشرات کا تذکرہ، آنے والے نبی کی مہتم بالشان حیثیت کا اعتراف کرتے ہیں اور فصل چہارم میں ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور دلیل حقانیت پیش کرتے ہیں، حلیہ مبارکہ کا ذکر مداحین کا محبوب موضوع ہے کہ اس سے وجود پاک کی بے مثال عظمت کا اظہار ہوتا ہے، شاہ صاحب نے حسن ذات اور جمال صفات دونوں کو احادیث کے مستند حوالوں سے شعر کا قالب عطا کیا ہے اس فصل میں گیارہ شعر ہیں۔

جمیل المحیا ابیض الوجہ ربعۃ جلیل کرادیس ازج الحواجب

واجود خلق اللہ صدراً وفائلاً وابیطہم کفا علی کل طالب [۳]

فصل پنجم میں قبل از اسلام دینی، اخلاقی، معاشرتی اور سماجی حالت کا مجمل مگر مبسوط کا تذکرہ ہے، اس میں ۱۹ شعر ہیں اس میں شاہ صاحب نے عربوں کے رخ کردار کا تاریک پہلو پیش کیا ہے تاکہ قاری آنے والی ذات کی نورانیت کی ضرورت اہمیت اور جامعیت کا اندازہ کر سکے یہ اشعار صنعت تضاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں شدت جذبات کے باوجود مبالغہ حقیقت کا نہیں کرتا کیونکہ یہ رپورتاژ معاندانہ نہیں ہمدردانہ ہے، بداعمالیوں پر افسوس نفرت کا اثر نہیں محبت کا اقتضا ہے۔

فصل ششم میں شریعت مطہرہ کو بطور دلیل صداقت پیش کیا گیا ہے اس میں پانچ شعر ہیں۔

فصل ہفتم طویل ترین ہے کہ اس میں معجزات کا قدرے تفصیلی بیان ہے، معجزات کا بیان مدحیہ شاعری کا جزو لاینجزی ہے۔ شاہ صاحب نے تیئس شعروں میں اختصار کے ساتھ بیس کے قریب معجزات کا ذکر کیا ہے مگر اپنی اصلاحی افتاد طبع کے باعث زیادہ تر اُن معجزات کو منتخب کیا ہے جس میں افادہ عوام اور امت کی اصلاح کے پہلو نمایاں ہیں، کثرت طعام وشراب، شفائے امراض، ام معبد کی بانجھ بکری کا دودھ دینا، فتوحات کی خبر وغیرہ مگر ساتھ ہی اُن معجزات کا ذکر بھی ہے جن سے نبوی عظمت اور مقام رسالت کی رفعت کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے وعدۂ نصرت، ایک ماہ کی مسافت تک رعب وجلال، پتھروں، کنکروں اور

---

[۱] اطیب النغم صفحہ ۲ [۲] حوالہ مذکورہ ص ۳-۴ [۳] اطیب النغم ص ۶-۷

گونگوں کا کلام کرنا، شق صدر، شق قمر، معراج، انبیاء سے بیت المقدس اور آسمانوں پر ملاقات، اور سب سے آخر میں قرآن، اس کا اسلوب بیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرز خطاب وغیرہ، معجزات کو مستند ماخذ سے لیا گیا ہے اور اکثر کی صحاح ستہ سے ہے۔ فرماتے ہیں:

وکلّمہُ الاحجار والعجم والحصیٰ	وتکلیم ھذا النوع لیس بدائب
وحنّ لہ الجذع القدیم تحزّنا	فان فراق الحب ادھی المصائب
واعجب البدر تنشق عندہ	وما ھو فی اعجازہ من عجائب
وشقّ لہ جبریل باطن صدرہ	لغسل سواد بالسویداء لازب
واسویٰ علی متن البراق الی السماء	فیا خیر معرکوب ویا خیر راکب
وراعت بلیغ الذی کل مجاول	خصیم عنادی فی مرام المطالب [۱]

فصل ہشتم میں صحابہ کرام اور فصل نہم میں علماء امت کے مختلف طبقات کا ذکر ہے جن میں بالترتیب آٹھ اور دس شعر ہیں۔ معجزات کے ذکر کے صحابہ اور ائمہ مجتہدین کا تذکرہ یہ اشارہ ہے کہ یہ مقدس نفوس بھی اسی ممدوح کائنات کے معجزات ہیں، یہ زندہ اور متحرک معجزے ہیں، ہر صحابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

فصل دہم پورے قصیدے کا مغز اور مرکزی حصہ ہے، پرنیانیوں کے ذکر سے بات شروع ہوئی تھی، قرارگاہ عالم کا دروازہ نظر آیا تو ابتداً اسے مدح کرنے لگے، ہر ہر پہلو محبوب ٹھہرا حتی کہ ذات کے پرتو صحابہ تک مدح طویل ہوتی گئی، جمال جہاں آرا سے فضائل حمیدہ تک کا بیان ہوا اور آخر دل کی بات زبان پر آ گئی۔ تشبیب میں کسی محبوبہ کا تذکرہ نہ کیا تھا وجہ کیا تھی جواب اتنی طویل مدح کے بعد دیا کہ سوچو تو ایسے فضائل وشمائل کے پیکر جمیل کے ہوتے ہوئے کسی اور کی محبت کیسے دامن گیر ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی کے لئے ممکن ہو مگر مداح حبیب کائنات کیلئے ایسا ممکن نہ تھا۔

فمن شاء فلیذکر جمال بثینۃ	ومن شاء فلیغزل بحب الزیانب [۲]
سأذکر حبی للحبیب محمد	اذا وصف العشاق حب الحبائب
واذکر وجدا حتی تقادم عھدہ	حواہ فوادی قبل کون الکواکب
وبیدو محیاہ لعینی فی الکری	بنفسی افدیہ اذاء والاقارب
ومیدکنی فی ذکرہ تشحریرۃ	من الوجد لا یحویہ علم الاجانب
والفیٰ لروحی عند ذلک ھزۃ	وانسا وروحا دون وثبۃ واثب [۳]

فصل یازدہم پر قصیدہ اختتام کو پہنچتا ہے، سورہ فاتحہ کے طریق استدعا کے مطابق، مدح کے بعد ابتہال اور استغاثہ کی منزل آتی ہے، یہ طرز ادا بھی تمام مدح گو شعراء کے ہاں مشترک ہے، یہ مدح کا موضوعی حصہ مدح نگار کی خود سپردگی کا مظہر ہوتا ہے۔ یہ حاصل قصیدہ اور مراد مدح ہے۔

ویا خیر من یرجیٰ لکشف رزیہ	ومن جودہ قد فاق جود السحائب
وانت اعلی المرسلین مکانۃ	وانت لھم شمس وھم کالثواقب
وانت شفیع یوم ذو شفاعۃ	بمغنیً کما اشتیّ سواد بن قارب
وانت مجیری من ھجوم ملمۃ	اذا انشبت فی القلب شر المخالب [۴]

---

[۱] الطیب النغم ص۱۸تا۱۹ [۲] الطیب النغم ص ۲۱ [۳] حوالہ مذکورہ ص ۲۲ [۴] دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۱

قصیدہ بحر طویل میں ہے جس کے ضرب و عروض مقبوض ہیں، بحر طویل مسلسل مضامین کی بندش اور رواں دواں تذکروں کیلئے موزوں ترین بحر ہے۔ شاہ صاحب کے قصیدے میں انکے مربوط تصنیفی مزاج کی جھلک نمایاں ہے، انکی نثر کی طرح کہ جس میں دلائل و براہین کی اٹھان بڑی منطقی ہوتی ہے اور ہر دوسرا جملہ پہلے کا نتیجہ ہوتا ہے اسی طرح اُن کا ہر شعر اپنے وجود اور مقام کی حیثیت منواتا ہے۔ خیال کا تسلسل، شعری تسلسل میں نمو لیتا ہے اور پورا قصیدہ ایک ایسی مربوط اور مضبوط تعمیر کی طرح ہے جس کا ہر پتھر دور سے متصل اور متلاصق ہے۔

شاہ صاحب کا ایک قصیدہ همزیہ بھی خصوصی مطالعے کا مستحق ہے۔ ہمزیہ کی روایت قدیم ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے قصیدے۔

عفت ذاتُ الاَصَابِعِ فَالجِوَاءُ   اِلیٰ عَذْرَاءَ مَنْزِلُهَا خَلَاءُ [1]

سے اس کی مدحیہ قصائد میں اہمیت پیدا ہوئی اور یہ سلسلہ چل نکلا۔ امام بوصیری (م ۶۹۶ھ) کا ہمزیہ تو ایک معرکے کی چیز ہے جو ۴۵۶ اشعار کا ہے[2]۔ علامہ یوسف النبہانی (م ۱۳۴۵ھ) کا ہمزیہ ایک ہزار ایک اشعار پر مشتمل ہے[3]۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث کا ہمزیہ متوسط حجم کا ہے اس میں ۴۵ اشعار ہیں اسے بھی چھ فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شروع میں تشبیب ہے مگر انوکھے انداز میں کہ آپ ان سب مدارج کا حوالہ دیتے ہیں جن سے تشبیب گزرتی ہے شاہ صاحب کا استدلال یہ ہے کہ مدارج تشبیب اور طریقہ تشبیب یقیناً مروج رہا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے جیسے تمام مذاہب منسوخ ہوگئے ہیں اسی طرح مذہب شاعری میں بھی انقلاب آیا ہے اسلئے سابقہ انداز متروک و مردود ہیں کہ آپکے ہوتے ہوئے نظر کسی اور طرف جھکتی رہے تو یہ سوء ادب ہے اسلئے شاہ صاحب نے تشبیب مروجہ کے ترک کا مشورہ دیا ہے انداز استدلال اور جوشِ بیان کی شدت ملاحظہ ہو۔

اذا اخبرت یوما عن ضیاء   فلا تلهج ببدر او ذکاء

وان تمدح بجود او سُمُو   فلا تنظر بجود او سماء

ولا تذکر اخا طی و معنا   اذا کلمت فی معنی السخاء

وَلَا تنسب اجا بأس للیث   ولا ذا الرفق للریح الرخاء

وان بَکَیْتَ فی المنظوم وجداً   فحاشا ان تُشَبِّبَ بِالنِّسَاءِ [3]

فتلك شرائع للشعر قدما   وقد نسخت بختم الانبیاء [4]

اب ہر مدحت کا حوالہ آپکی ذات، ہر حسن کا استعارہ آپ کا وجود ہے۔ اب محبت کی رزمیں نجود و حراء سے عبارت ہیں، اب شوق کی منزل بقیع و قبا ہیں اب خیالات کا مرکز اور خواہشات کا منشا طیبہ کی گلیاں ہیں، شاہ صاحب خیالات میں بہے چلے جاتے ہیں، جذبات مچل رہے ہیں اسلوب بیان میں آتش کی سی تندی و تیزی ہے مگر شعر خطابت کے داغ سے پاک اور واعظانہ پیوست سے معریٰ ہے۔

فصل ثانی میں عشق و وارفتگی کا بیان ہے، الفاظ کے بین السطور خود فراموشی اور بے خودی کا تاثر ابھرتا ہے۔ مداح حبیب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کل چین نہیں ہے، سیر و نزہت، چمنستان و گلستان کا خرام دلنشیں انہیں پسند نہیں کہ یہ سب کوتاہ نظری کے مغالطے ہیں اس بے چینی کا صرف ایک علاج ہے اور وہ ہے مدح سرکار صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمہ تن محویت کہ ذکر محبوب وصل محبوب کا بہانہ اور تشفیوں کا امین ہوتا ہے۔

وان لا بُدَّ تمدح ذا معال   فحسبك مدح خیر الاصفیاء

وان تمدح رسول اللہ یوما   فحاذر ان تُقَصِّرَ فی الثناء [5]

---

(۱) دیوان حسان شرح البرقوقی ص ۱ (۲) المجموعۃ النبہانیۃ الجزء الاوّل ص ۷۷ تا ۱۱۲ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۳ تا ۲۸۷

(۴) الطیب النغم ص ۲۵،۲۴ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۲۹

ابن ملیک (م ۹۱۷ھ) نے کہا تھا:

فَبَالِغْ وَحَدِّثْ عَنْ عُلُوِّ مَقَامِهِ فَکُلُّ غُلُوٍّ جَاءَ فِی مَدْحِهِ لِبُقَا [1]

فصل ثالث میں یہ نکتہ باور کراتے ہیں کہ مدح میں جس قدر بھی کثرت ہو وہ ممدوح کے مقام سے کم تر رہتا ہے۔

کَرِیْمٌ ان تجمعتِ المعَالِی تری فی جَنْبِہٖ مثل الھباء [2]

فصل چہارم میں یہ استدلال ہے کہ آپ تمام کائنات کے نبی ہیں اس لئے آپ میں تمام کائنات کے اوصاف مجتمع ہیں۔

وَلٰکِنَّ الحقائق قد تداعت ممثلۃٌ امام الاتقیاء [3]

پانچویں فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حوالے سے یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ شفاعت حسب ظرف عطا ہوگی اور یہ بھی کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت الہی کے ایصال الی الخلق کے مثل ایک فوارے کے ہیں کہ جس سے خاص مقدار ہی میں آب نمیر ہی اچھلتا ہے۔

کانبوب لرحمتہ تعالیٰ وما الانبوب الاقیس ماء [4]

آخری یعنی چھٹی فصل دربار رحمت بار صلی اللہ علیہ وسلم میں فریادرسی اور کرم طلبی پر مشتمل ہے۔ مدح کا عجز کا سب کو اعتراف ہے کہ بقول امام بوصیری یہ عجز بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہی سے ایک معجزہ ہے۔

اِنَّ مِنْ مُعْجِزَاتِکَ الْعَجْزُ عَنْ وَصْفِکَ اِذْ لَا یَحُدُّہُ الاِحْصَاءُ

کَیْفَ یَسْتَوعِبُ الْکَلَامُ سَجَایَاکَ وَھَلْ تَنْزَحُ الْبِحَارَ الرَّکَاءُ [5]

اسی لئے شاہ صاحب اپنی بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے طلب کرم کی امید رکھتے ہیں۔

رَسُوْلَ اللّٰہِ یَاخَیْرَ الْبَرَایَا نَوَالَکَ اَبْتَغِیْ یَوْمَ الْقَضَاءِ

اِذَا مَا حَلَّ خَطْبٌ مُدْلَہِم فَاَنْتَ الحِصْنُ مِنْ کُلِّ الْبَلَاءِ

اِلَیْکَ تَوَجُّھِیْ وَبِکَ اسْتِنَادِیْ وَفِیْکَ مَطَامِعِیْ بِکَ ارتجائی [6]

ہمزیہ ایک مختصر قصیدہ ہے جس کی بحر وافر مقطوف ہے۔ شاہ صاحب نے بحر ارکان بحر حرف روی، مجری، زحاف ضرب و عروض اور قافیہ تک حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ہمزیہ کا اتباع کیا ہے۔ بحر وافر روانی کلام کیلئے موزوں ہے اور اس کی قرأت میں کیف آمیز سرمستی کا عنصر شامل ہوتا ہے شاہ صاحب کا ہمزیہ اثر آفریں ہے اور جذبات محبت کا آئینہ دار ہے۔

شاہ صاحب کے قصائد کا مجموعی جائزہ واضح کرتا ہے کہ آپ کو شعر گوئی پر ماہرانہ دسترس حاصل ہے۔ خیالات کی فراوانی اور جودت طبع کے باعث آپ کے قصائد کا رنگ منفرد اور تجزیاتی ہے۔ آپ کے قصائد میں لفظی و معنوی محاسن کی پوری دنیا آباد ہے۔ محاسن شعری کے متعدد نمونے تلاش کئے جاسکتے ہیں صرف اشارۃً دو چار اشعار کی نشاندہی پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

تشبیہ: بیان کا حسن اور شعر کا جوہر ہے۔ شاہ صاحب نے عمدہ تشبیہات استعمال کی ہیں۔

کانّ نجوما اومضت فی الغیاھب عیون الافاعی او رؤس العقارب [7]

---

[1] المجموعۃ النبھانیۃ الجزء الثانی ص ۶۲م [2] الطیب النغم ص ۲۹ [3] حوالہ مذکورہ ص ۳۲ [4] حوالہ مذکورہ ص ۳۳ [5] المجموعۃ النبھانیۃ الجزء الاول ص ۱۱۲
[6] الطیب النغم ص ۳۳ [7] الطیب النغم ص ۲

کانبوب لرحمته تعالیٰ　　وما الا نبوب الا قیس ماء [۱]

تجنیس لفظی،

وشق له جبریل باطن صدره　　لغسل سراد بالسویداء لازب [۲]

صنعت قلب؛

ومن قاسی اذی من ماءِ عین　　فهل یغنیه شیأً عین ماء [۳]

بسا اوقات یہ صنعت جدلیت کا روپ دھار لیتی ہے مثلاً

والقیٰ شقی القوم فرث جزورهم　　علیٰ ظهره والله لیس بعازب [۴]

اور دوسرے شعر میں:

فالقوا ببدر فی قلیب منجث　　وعم جمیع القوم شوم الملاعب [۵]

علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کے مانند مطالعہ حدیث کا اثر بھی شعروں پر نمایاں ہے مثلاً

وقد ساخ فی ارض حصان سراقة　　وفیه حدیث عن براء بن عازب [۶]

اور یہ اثر حلیہ مبارکہ کے بیان میں بہت ہی واضح ہے۔ شاہ صاحب بیدار مغز اور حساس دل کے مالک تھے اسلئے دور مغلیہ کے زوال کی اضطرابی کیفیات سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اشعار میں ان واقعات پر اپنا رد عمل ظاہر کیا۔ اس طرح انکی شاعری عصری تقاضوں کے حوالے سے معاشرتی حسن اور سماجی شعور کی حامل ہے۔

الغرض شاہ صاحب کی شاعری میں نوبنوں خیالات اور جدید نظریات نے اُن کا شعری مقام بہت بلند کر دیا ہے، آپ ایک بے بدل عالم تھے اور عالمانہ شاعری میں یہ خامی ہوتی ہے کہ شعریت علم کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتی ہے مگر خوش قسمتی سے شاہ صاحب کی شاعری علمی رفعت کے باوجود حسن شعری برقرار رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔

زمانی تقدیم وتاخر سے چند لمحے انحراف کرتے ہوئے شاہ صاحب کے صاحبزادگان کا تذکرہ شاہ صاحب کے ساتھ ہی مناسب ہوگا تاکہ خاندان ولی اللّٰہی کی شعری کاوشیں یکجا ہو جائیں۔ شاہ ولی اللہ محدث کو اللہ تعالیٰ نے چار صاحبزادے عطا فرمائے، چاروں دنیائے علم میں قابل احترام مقام کے مالک ہیں۔ اور بقول مولوی رحمان علی، ہر فرزند "الولد سر لا بیہ" کے مصداق تھا۔ [۷] شعر و شاعری کے حوالے سے ہم صرف شاہ عبدالعزیز محدث اور شاہ رفیع الدین دہلوی کے تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں کہ انکی نگارشات تک ہماری رسائی ہے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی اور شاہ عبدالغنی دہلوی کے شعری ذوق کی کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔ واللہ اعلم۔

---

[۱] اطیب النغم ص ۳۳ [۲] حوالہ مذکورہ ص ۱۶ [۳] حوالہ مذکورہ ص ۲۸ [۴] حوالہ مذکورہ ص ۱۴ [۵] حوالہ مذکورہ [۶] حوالہ مذکورہ [۶] حوالہ مذکورہ ص ۶ [۷] تذکرہ علمائے ہند ص ۵۴۳۔

شاہ رفیع الدین محدّث (م ۱۲۳۳ھ)

آپ شاہ ولی اللہ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ ۱۱۶۳ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔[1] ابتدائی علوم اپنے والد سے پڑھے صرف تیرہ سال کے تھے کہ شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوگیا اس لئے درسیات کی تکمیل اپنے برادر اکبر شاہ عبدالعزیز محدث سے کی، علم سلوک شیخ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی سے حاصل کیا۔ بیس سال کے تھے، کہ درس و تدریس فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے[2]۔ آپ نے عربی فارسی اور اردو کو اپنی نگارشات کا ذریعہ بنایا اور ہر زبان میں اس عمدگی اور مہارت کا ثبوت دیا کہ تمام تالیفات مقبول ہوئیں۔ شاہ ولی اللہ نے ترجمہ قرآن کا مجتہدانہ کارنامہ انجام دے کر قرآن فہمی میں سہولت پیدا کی تھی۔ شاہ رفیع الدین اور آپکے برادر خورد شاہ عبدالقادر نے اس میدان میں مزید کام کیا اور قرآن مجید کے اردو تراجم کئے۔ رحیم بخش دہلوی لکھتے ہیں: "قرآن مجید کا لفظی ترجمہ آپ ہی نے کیا ہے جو دریائے جمنا سے لے کر فرات تک نہایت مقبولیت کے ساتھ پھیلا ہوا ہے اور جس سے عام خلائق مستفیض ہو رہی ہے[3]۔" ترجمہ قرآن کے علاوہ علم الحقائق' کے بعض مسائل مخاصمہ پر دمغ الباطل' قابل قدر کارنامہ ہے جس پر اہل علم نے انہیں داد دی ہے۔ 'اسرار المحبۃ' ایک ایسا منفرد رسالہ ہے جس میں محبت کے اسرار سے بحث ہے کہ محبت کی کارفرمائی تمام موجودات میں ہے۔ اسی طرح رسالہ فی اثبات شق القمر' رسالہ فی آثار القیامۃ' رسالہ فی الحجاب' رسالہ فی المنطق' اور تکمیل الصناعۃ' وغیرہ مولانا محمد شفیع مرحوم نے ۲۱ کتابوں کے اسماء کا ذکر کیا ہے[4]۔ آپکی تالیفات کو حد درجہ مقبولیت حاصل ہے کہ ان میں کثرت سے ایسے رموز خفیہ داخل کیا ہے کہ ان پر مشکل سے اطلاع ہوسکتی ہے اور کلمات پسندیدہ میں مسائل کثیرہ جمع کئے ہیں[5]۔ معاصرین انکے علم و فضل کے معترف اور اوصاف حمیدہ کے مداح تھے سر سید خان کے الفاظ میں "سلسلہ تدریس کا حضرت کی ذات بابرکات سے جاری تھا۔ ہر فن کے ساتھ اس طرح کی مناسبت تھی کہ ایک وقت میں فنون متباینہ اور علوم مختلفہ درس فرماتے تھے" اور پھر مدح میں غلو کرتے ہیں۔ "باوجود ان کے کمالات کے افاضۂ فیض باطن کا یہ حال تھا کہ جنید بغدادی اور حسن بصری اگر ان کے وقت میں ہوتے تو بے شک درس میں اپنے تئیں کمترین مستفیدان تصور کرتے۔ الغرض ملک تھے صورت بشر میں[6]۔"

شاہ رفیع الدین دہلوی کو شعر سے فطری لگاؤ تھا عربی شعر پر قدرت حاصل تھی: "آپ نے عربی زبان میں بہت ہی پُرمعنی اور دلچسپ مضامین نظم و نثر کے پیرائے میں عجیب شان و شوکت کے ساتھ لکھے ہیں[7]۔" بوعلی سینا (م ۴۲۸ھ) کے حقیقت نفس کے بارے میں قصیدے "ھبطت الیک" کے جواب میں شاہ ولی اللہ محدث نے ایک قصیدہ لکھا تھا، شاہ رفیع الدین نے شاہ صاحب کے قصیدے پر مخمس لکھی جس سے آپ کی عربیت اور ادب کی شان اور علم و فضل کا پایہ ثابت ہوتا ہے[8]۔

مدح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کا مشہور قصیدہ ۳۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ قصیدے کا مرکزی موضوع معراج ہے ضمناً بعض اشارے دیگر نوازشات و معجزات کے بھی ملتے ہیں۔ حکایت معراج کے معروف بیان کے بجائے شاہ صاحب نے اسے ذاتی حوالہ عطا کیا ہے، ابتدا میں ذات ممدوح کی دہائی اور انہیں اپنے حال کی طرف توجہ کی دعوت ہے۔ جذب توجہ کیلئے مدح سرائی کرتے ہیں اور مدحت میں بھی اس اہتمام بالشان فضیلت کا ذکر جس میں خصائص و فضائل کے بیسیوں پہلو مضمر ہیں شاہ صاحب ممدوح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کی بعض جزئیات کا ذکر کرتے ہوئے تقابلی جائزہ لیتے ہیں کہ کیسے یہ معجزہ فضائل کا مرقع اور ماسبق معجزات کا نقطہ عروج ہے۔ روح الامین جیسا برگزیدہ فرشتہ رکاب تھامے ساتھ ہے اور کائنات کی تمام حدوں کو پار کرنیوالے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سلسلہ رشد و ہدایت کے انتہائی مظہر ہے اسلئے تو رسل سابقین مقتدی ہیں۔ کلیم اللہ علیہ السلام اس علو منزلت پر ششدر ہیں حور و ملائک استقبالی ہیں عرش اعظم کو نعلین مبارکہ سے اتصال کا شرف مل رہا ہے۔ انسان اپنے قرب کی بلند ترین منزل پر ہے کہ فاصلے مٹ گئے ہیں۔ نعمتوں کا ورود ہو رہا ہے۔ اسرار محبت نچھاور کئے جارہے ہیں، شفاعت کبریٰ کا اعزاز اور رویت الٰہی کا شرف حاصل ہوا ہے، یہ سب شرف آپکے مقام کی انفرادی شان کے شاہد ہیں۔ ایسے ہم انوار اور ہم عطا لمحات میں جبکہ سب عظمتیں آپ پر قربان کی جارہی ہیں۔

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۰ ص ۳۱۸ [2] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۱۸۳ [3] حیات ولی ص ۳۴۵ [4] مقالات مولوی محمد شفیع مرحوم ص ۲۱۲ تا ۲۱۴
[5] حدائق الحنفیہ ص ۴۸۰ [6] تذکرہ اہل دہلی ص ۷۲ [7] حیات ولی ص ۳۴۵ [8] حوالہ سابقہ ص ۳۴۶

شاہ صاحب ایک ایک کا تذکرہ کرتے ہوئے توجہ کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ایک کرم کی نظر کی تمنا کرتے ہیں۔ قصیدہ ندا سے شروع ہوا اور دعا پر ختم ہوا۔

شاہ صاحب کے قصیدہ معراجیہ کی بحر کامل ہے جس کی ضرب مقطوع میں اضمار کا زحاف ہوا ہے، مقطوع ہونے سے متفاعلن، فعلاتن، بن گیا اور زحاف اضمار کی وجہ سے مفعولن ہو گیا۔ بحر کامل جذبات عشق کے اظہار اور جوشِ عقیدت کی تسکین کیلئے عمدہ ترین پیرایہ ہے، امڈے ہوئے جذبات اس بحر میں اظہار کی بے پناہ قوت پاتے ہیں۔ شاہ صاحب کا قصیدہ سرخوشی و سرمستی اور محبت و عقیدت کا بہترین شہکار ہے۔ البتہ بیانِ رفعت و کمال کے ضمن میں انبیاء سابقین کا تقابلی ذکر کھٹکتا ہے، اگرچہ زبان میں بہت محتاط انداز بیان مودبانہ ہے مگر پھر بھی ایسا تقابل خوش آئند نہیں مثلاً جب یہ کہتے ہیں۔

قَعَدَت لك الرسلُ العظام ترقیا — تعلوتَ مغبوطا لهم مسراكا
وَبکی الکَلِیمُ لِمَاذاکَ علوته — ومنا فسوك بحق فیهم ذاك [1]

تو ان پیغمبران عظام کی عظمت کا نقش قدرے دھندلانے لگتا ہے۔

قصیدے کا اسلوب حکایاتی ہے مگر شاہ صاحب نے اسے ذاتی حوالہ عطا کر کے اسے جذبات محبت کا مظہر بنا دیا ہے اور اس سے اس کی اثر آفرینی میں بھی اضافہ ہوا ہے، ابتدا میں ندا کے شعر ہیں۔

یا احمد المختار یا زین الوری — یا خاتما للرسل ما اعلاکا
یا کاشف الضّرّاء من مستنجد — یا منجیاً فی الحشر من والاکا [2]

پھر واقعہ معراج کی طرف گریز کرتے ہیں۔

فعّل کان یحزك فی الانام من النوی — فوق البراق وجاوز الافلاکا [3]

معراج کے بارے میں چند شعر۔

واستمسك الروح الامین رکابه — فی سیره واستخدم الأملاکا
وتزینت حورا لجنان بشاشة — لِك سیّدی سوقاً الی لُقیاکا
وتبشبش العرش العظیم لانّما — رجلیك نال الفضل اذ آواکا
حتی اذا تمّ الدنو تسترت — منك الهویة فی سنا مولاکا
فرأیته جهراً بعینی نوره — ما کان الا الله فی مجلاکا [4]

نوازش بے پایاں اور کرم گستری کا مرحلہ:

تلك المناصب والسیادة للوری — وخلافة الرحمن یا لبشراکا
فرجعت مسروراً بها فی لحمة — وجمیع خلق الله قد هنّاکا [5]

اور آخر پر دعا: یا لیتنی قد خزت منك بنظرة — فی جد روجه نور الافلاکا [6]

درود و سلام پر قصیدہ ختم ہوتا ہے۔ شاہ رفیع الدین کو مترجم قرآن، مدرس باکمال کی حیثیت تو حاصل تھی ہی، قصائد عربیہ نے انہیں ادبی مقام بھی عطا کیا ہے قصیدہ معراجیہ آپ کی عربیت کا زندہ جاوید نشان اور عربی ادب پر آپ کی ماہرانہ دسترس کا ثبوت ہے۔

---

[1] حیات ولی ص ۳۴۷، نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۱۸۴، ۱۸۵، تذکرہ اہل دہلی ص ۳، [2] حوالہ جات مذکورہ [3] حوالہ جات مذکورہ [4] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۱۸۵ تذکرہ اہل دہلی ص ۳، حیات ولی ص ۳۴۷، ۳۴۸، ماسوی الشعراء الثالث [5] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۱۸۵، تذکرہ اہل دہلی ص ۳، ۴، حیات ولی ص ۳۴۴ [6] حوالہ جات مذکورہ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علم کے وارث، علماء کے مقتدا و پیشوا اور مسلمانانِ برصغیر کے واجب الاحترام بزرگ شاہ عبدالعزیز محدث ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ عبدالعزیز نام رکھا گیا مگر تاریخی نام غلام حلیم استخراج ہوا۔ والد گرامی سے تعلیم کی بسم اللہ کی۔ سولہ برس کے قریب عمر تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ شیخ نور اللہ بڈھانوی اور شیخ محمد امین کشمیری سے تکمیل علوم کی۔ شیخ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی سے راہ سلوک کی اجازت لی۔ یہ سب بزرگ شاہ ولی اللہ کے نامور شاگرد تھے[1]۔ فطرتاً ایک نہایت ہی تیز ذہن، سلیم الطبع، خوش فہم اور طباع تھے[2]۔ نوخیز عمری میں ہی علوم مروجہ سے فارغ ہو گئے اور مسند تدریس کو رونق بخشی۔ تدریس میں اس قدر شہرت پائی کہ برصغیر کے اکناف و اطراف سے طلبہ کھنچے آتے تھے اور شاہ صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے میں فخر پاتے تھے۔ فن حدیث میں انکی نظر اتنی وسیع تھی کہ بڑے بڑے مشکل مسائل چشم زدن میں حل ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث کا احیاء اور درس حدیث کا دوام آپکی ذات سے قائم ہوا۔ علم انکے خانوادہ میں بطناً بعد بطنٍ اور صلباً بعد صلبٍ اس طرح سے چلا آتا ہے جیسے سلطنت سلاطین تیموریہ کے خاندان میں۔ علمائے ہندوستان کے خوشہ چین اسی گروہ علماء کے خرمنِ کمال کے ہیں اور جمیع کملاء اس دربار کی چاشنی گرفتہ اسی زمرۂ ارباب حقیقت کے مائدہ فضل و افضال کے[3]۔ آپ تمام علوم کے جامع اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے[4]۔ اسی لئے مسلمانانِ برصغیر نے انہیں سراج الہند اور حجۃ اللہ کے القاب نذر کئے تھے[5]۔ فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں: "تمام علوم متداولہ اور فنون عقلیہ و نقلیہ میں دستگاہ فوق البیان رکھتے تھے اور کثرت حفظ اور علم تعبیر رؤیا و سلیقہ وعظ و انشاد و تحقیقات نفائس علوم اور مذاکرہ و مباحثہ خصوصاً میں ممتاز بین الاقران اور متصرفیہ موافق و مخالف تھے۔ تمام عمر تدریس و افتاء و فصل خصومات و وعظ و تربیت مریداں اور تکمیل تلمیذاں میں بسر کی اور جاہ و عزت ظاہری کو کمالات باطنی کے ساتھ جمع کیا۔ ہندوستان میں ریاست علم و عمل کی آپ اور آپکے بھائیوں پر منتہی ہوئی۔ ہندوستان میں کیا بلکہ دیگر ولایت میں ایسا کوئی فاضل کم ہوگا جس نے تلمذ یا استفادہ باطن کی نسبت اس خاندان کے ساتھ درست نہ کی ہوگی اور اس خاندان کی شاگردی کو فخر نہ سمجھا ہوگا۔"[6] آپکے نامور شاگردوں میں آپکے برادران گرامی شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی کے علاوہ عبداللہ بن حبۃ اللہ بڈھانوی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، سید قمر الدین سونی پتی اور شیخ غلام علی دہلوی شامل ہیں[7] اور ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی مسند پر ایک ادارہ ثابت ہوا۔

شاہ صاحب جوانی کے ایام میں ہی مختلف امراض کا شکار ہو گئے تھے جن سے آپکے قویٰ بری طرح متاثر ہوئے۔ اٹھتے بیٹھتے تکلیف محسوس کرتے۔ بھوک اس قدر کم ہو گئی تھی کہ کھانے میں ناغہ کرنے لگے تھے لیکن یہ بیماریاں انکے تدریسی مشاغل میں حائل نہ ہو سکیں۔ بلکہ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی باقاعدہ جاری رہا۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں فتح العزیز قرآن پاک کی فارسی تفسیر ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے خونریز ہنگاموں کی نذر ہو گئی اور صرف دو جلدیں محفوظ رہ سکیں[8]۔ تفسیر کے علاوہ سر الشہادتین، تحفۃ اثنا عشریۃ، بستان المحدثین، عجالۃ نافعۃ اور متعدد فتاویٰ آپکی یادگار ہیں[9]۔

شاہ صاحب نے، شوال ۱۲۳۹ھ کی صبح وفات پائی۔ عمر اسی برس کے قریب تھی۔ متبعین اور متوسلین کا اس قدر ہجوم تھا کہ پچپن مرتبہ نماز جنازہ ادا ہوئی[10]۔

شاہ صاحب کی دینی بصیرت کے تذکرے کے ساتھ انکی ادبی خدمات کی حیثیت بھی مسلّم ہے۔ انہیں فارسی نثر و نظم کے ساتھ عربی نثر و نظم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ انکی تحریروں میں عذوبت الفاظ اور سہولت سبک کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ علامہ حسنی انکی ادبی عظمت کو سلام پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"وکان نسیج وحدہ فی النظم والنثر وقوۃ التحریر وغزارۃ الاملاء وجزالۃ التعبیر وکلامہ عفو الساعۃ وفیض القریحۃ ومسارعۃ القلم ومسابقۃ الید"[11]

نثر عربی میں آپکے بعض مکتوبات ملتے ہیں جو آپ نے اپنے بزرگوں خاص طور پر عم محترم شاہ اہل اللہ کو ارسال فرمائے ہیں[12]۔

---

[1] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۶۸ [2] حیات ولی ص ۳۲۱ [3] تذکرہ اہل دہلی سرسید احمد خان ص ۵۲ [4] تذکرہ علمائے ہند ص ۳۰۲ [5] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۶۸
[6] حدائق الحنفیہ ص ۴۸۷، ۴۸۸ [7] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۶۹ [8] حوالہ مذکورہ ص ۲۷۳ [9] حدائق الحنفیہ ص ۴۸۸ [10] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱
ص ۶۳۵ [11] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۷۴ [12] حیات ولی ص ۳۳۰ تا ۳۳۵۔

نظم میں آپ نے پیش آمدہ موضوعات پر قلم اٹھایا اور بے تکان دل کی بات عربی شعروں میں سمودی، آپکا دور برصغیر کا پرفتن عہد ہے، اسلامی سلطنت زوال پذیر ہے اور مسلمانوں کو غیر مسلم قومیں نیچا دکھانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ان میں مرہٹے اور سکھ پیش پیش ہیں اسلئے آپنے ان جرکرداروں کی نشاندہی کرتے ہوئے بعض اشعار کہے دہلی آپکا مسکن و منشاء تھا اسلئے ایک قطعہ دہلی کے بارے میں بھی کہا۔

شاہ صاحب کا دل عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے گداز اور وجد مدح رسالت میں رطب اللسان تھے نثر ہو یا نظم مدحیہ جملے آپکی زبان سے دل کی ترجمانی کرتے ہوئے صادر ہوتے تھے یہ محبت اقتضائے طبیعت تھی کہ اس کے آثار غیر مدحیہ اشعار میں بھی نمایاں ہوتے رہتے تھے مثلاً وصف دہلی میں حادوب کالغا ملحوظ ہے فرماتے ہیں۔

فاقت بلاد الوری عزاً و منقبة   غیر الحجاز و غیر القدس والنجف [۱]

(دہلی کراو عزت و منقبت میں تمام شہروں پر فوقیت رکھتا ہے کہ مقامات مقدسہ کی حرمت برکت و عزت کے اسلئے دہلی تشریف میں استثنا کرتے ہیں کہ یہ ہو فرینہ عجیب ہے)

شاہ صاحب کے اکثر اشعار برصغیر کے سیاسی پس منظر اور معاشرتی تناظر میں کہے گئے ہیں، ایک احساس اور درد مند شاعر کے تمام خصائص انکے شعروں کا جوہر ہیں مثلاً وہ اپنے عم بزرگوار شاہ اہل اللہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

ولکن اری الکفار ارباب ثروة   لقد افسدوا ما بین دہلی و کابل

اری الخلق طراً مشتکین معانهم   و امرهم ما بین فقر و عائل

فما الشغل فیه غیر فسق و بدعة   و ما الناس الا کالجهال العباهل

جزی الله عنا قوم سکھ و مرهٹ   عقوبة شرعا جلا غیرا اجل

فقد قتلوا جمعاً کثیراً من الوری   وقد وجعوا فی اهل شاء وجاهل [۲]

مرہٹوں کی یلغار اور سکھوں کے مظالم شاہ صاحب کے سامنے ہیں اُن کا دل انکی خرمستیوں سے مضطرب ہے مگر مسلمانوں کی قوت مدافعت دم توڑ چکی ہے کوئی پناہگاہ نہیں ہے۔

فهل بعد هذا من معاذ لعائذ   و هل من مغیث یتقی الله عادل [۳]

اس بے چارگی کے احساس سے انہیں چارہ بے چارگاں کی یاد آنے لگتی ہے۔

وان کانت الاقوام لہ خیر فیهم   فنحن تمسکنا بخیر الوسائل

رسول اله العالمین فانه   ثمال الیتامی عصمة للا رامل

یلوذ به الاف من اهل حاجة   فهم عنده فی نعمة و فواضل

یضم عفاة الطارقین جنابه   کما ضم عم الراس شعث الفتاهل

ولیستهزم الجیش العرمرم باسمه   وان کان جدا دا کثیر الصواهل [۴]

شاہ صاحب کے شعری مزاج پر مدحیہ شاعری کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ آپنے عربی قطعات کیلئے معروف اوزان اور مشہور قصائد سے اکتساب کیا ہے جناب ابو طالب کو مدح خوان اول ہونے کا اعزاز حاصل ہے شاہ صاحب نے انکی تزئین اور انکی بحر میں انکا تتبع کیا اور بعض مصرعے مستعار لئے اور بعض کا آہنگ انکے زیر اثر ترتیب دیا حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے قصیدہ بانت سعاد کی بحر اور لہجہ بھی آپنے ایک قطعہ میں اپنایا جو اگرچہ مدحیہ نہیں ہے مگر اس کا آہنگ مدحیہ قصیدے سے لیا گیا ہے [۵]

ایک بہیمہ قصیدہ نعت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں تصنیف فرمایا جس کی بحر وافر مقطوف اور جس کی ابتداء میں دربار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تشبیب ہے۔

---

۱ حیات ولی ص ۳۳۷، تذکرہ ابدال دہلی ص ۵۶   ۲ حیات ولی ص ۳۲۸، ۳۲۹   ۳ حیات ولی ص ۳۲۹   ۴ حوالہ مذکورہ   ۵ حیات ولی ص ۳۳۳

اَلا یا عاذلی دُم فی ملامی — فانی لا احول عن الغرام

فجفنی ساهر ما دمت حیًا — وقلبی هائم والدمع هامی

فَیاریح الصبا عطفًا ورفقًا — الیٰ ذاك الحمیٰ بلغ سلامی [1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندان ولی اللّٰہی نے تشبیب کا مروجہ انداز بدلنے کی شعوری کوشش کی ہے تاکہ پیغمبر محمود لاحقہ مدحیہ قصائد کے تقدس ہیں حائل نہ ہو، شاہ صاحب ایک عاشق زار کی طرح فراق حبیب میں بے کل ہیں اسلئے وہ ملامت سے بے پرواہ ہوکر پناہ گاہ عالم کے روضہ اقدس پر سلام کے ہدیا بھجوا رہے ہیں، فراق نے انکو کمزور و ناتواں بنا دیا ہے اسلئے اپنی حالت زار بیان کر رہے ہیں کہ اذن حضوری کامل ہو جائے۔

وصرت بحبکم کالعود جسمی — علی نار و دمعی فی انسجام [2]

حاضری دربار ہی پریشانیوں کا مداوا اور مشکلات کا حل ہے اور انہیں اپنے چارہ گر کی چارہ گری پر کامل اعتماد ہے

وان جرتم علی فلی غیاث — بباب المصطفیٰ خیر الانام

الیه توجهی وله استنادی — وفیه مطامعی وبه اعتصامی [3]

یہاں سے مدح کی اور اسکے حوالے سے طلب اعانت کی ابتداء ہوتی ہے کہ اُنکے درِ اقدس کے سوا کوئی ملجا و ماویٰ نہیں اور انکی بخششوں کے بغیر کہیں سے جان بخشی کی امید نہیں اس استغاثے میں شاہ صاحب کے ذاتی حالات کی جھلک نمایاں ہے آپ تقریباً پچاس سال سے مختلف امراض کا شکار ہیں اس لئے ازالہ مصائب میں اوّلیت اسی دیرینہ مرض کے ذکر کو حاصل ہے۔

اجرنی سیدی من ضیم سقم — اشد علی من وقع الحسام

صبرت علیه حتی عیل صبری — وکاد یذیقنی طعم الحمام [4]

مدح سرائی تو توجہ طلبی کی تمہید ہے۔

فمدحك رقیتی وشفاء دائی — اذا ما خفت فی لجج السقام

وذکرك سیدی حذری وحصنی — آتیه به علی الجیش اللهام [5]

انہیں یقین ہے کہ نظر رحمت ہو گی۔

مواهبك التی لا نقص فیها — بها ربیت من قبل الفطام [6]

اسلئے صرف اور صرف انہیں سے طلب ضمانت ہے۔

فمن لی بعد ما وهنت عظامی — اذا اشتد البلاء سواك حامی

وان اك ظالمًا عظمت ذنوبی — فحبك سیدی ماحی الاثام

فقد اعطیت مالم یعط خلق — علیك صلاة ربك بالسلام [7]

شاہ صاحب کا یہ مختصر سا قصیدہ مسلمانانِ برصغیر کی، اپنی ذات اور شخصی وجود کے حوالے سے داستان ہے، ہر درد مند مسلمان مضطرب ہے جو ملت نحیف و نزار ہے اور روز بروز حادثات کی آماجگاہ ہے، ایسے حالات میں جبکہ چاروں جانب مایوسی کی ظلمت خیمہ زن ہے امید کی ایک ہی کرن ہے کہ نورانیت بانٹنے والے مصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی نظر کرم ہو جائے۔ شاہ صاحب کا پورا قصیدہ کشکول گدائی لئے حاضر دربار ہے اور انہیں دربار فیض بار کی کرم ارزانی پر اعتماد ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں ایک مدحیہ بند نہایت مقبول ہے۔ شب و روز ہر محفل اور ہر مقام پر یہ پڑھا جاتا ہے اس کے تین مصرعے عربی میں ہیں اور چوتھا فارسی میں جو حاصل قطعہ ہے بے خبری میں اسے حافظ شیرازی کے نام سے منسوب کیا جاتا رہا ہے حالانکہ یہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نتیجہ فکر ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اسے شاہ صاحب کا قرار دیا ہے ہم خاندان ولی اللّٰہی پر اپنی معروضات اسی قطعے پر ختم کر رہے ہیں جو عربی فارسی مخلوط شاعری کا سب سے معروف قطعہ ہے۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر — من وجهك المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقه — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر! [8]

---

[1] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۷۵، ۲۷۶ [2] حوالہ مذکورہ [3] حوالہ مذکورہ [4] حوالہ مذکورہ [5] حوالہ مذکورہ [6] حوالہ مذکورہ [7] حوالہ مذکورہ [8] اردو نعتیہ شاعری ڈاکٹر فرمان فتح پوری ص ۱۶

غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ)

بلگرام ایک مردم خیز خطہ ہے جہاں کئی عالم، صوفی اور شاعر پیدا ہوئے، معاصر تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات محفوظ کیئے ہیں۔ آزاد بلگرامی کی تالیف ماثر الکرام ان بزرگوں کے علمی و ادبی کارناموں کی حسین دستاویز ہے۔ ان علماء و ادباء میں سب سے زیادہ شہرت سید غلام علی آزاد بلگرامی کو نصیب ہوئی۔ کہ وہ عالم، مورخ، ادیب اور شاعر تھے اور ہر صنف ادب میں انہوں نے قابل قدر تالیفات چھوڑی ہیں۔ بہتر ہوگا کہ سید آزاد بلگرامی کا تفصیلی تذکرہ پیش کیا جائے۔

غلام علی آزاد بلگرامی کا تعلق بلگرام کے مشہور واسطی سادات سے تھا۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید محمد صغری (م ۶۴۵ھ) سلطان التمش کے عہد حکومت میں یعنی ۶۱۴ھ میں بلگرام تشریف لائے اور آباد ہوگئے۔ سید عبدالجلیل بلگرامی انہیں فاتح بلگرام کے نام سے یاد کرتے ہیں[۱]۔ سید محمد صغری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے مرید ہوئے[۲]۔ اس طرح اس خاندان کا سلسلہ چشتیہ ہند سے تعلق پیدا ہوا۔

سید غلام علی آزاد ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ میں بلگرام کے ایک محلے میدان پورہ میں پیدا ہوئے[۳] یعنی[۴] اورنگ زیب کی وفات سے دو سال قبل۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی آزاد کے ہمعصر تھے اور دونوں بزرگوں نے مغلیہ اقتدار کو بتدریج ڈوبتے دیکھا ہے۔

آزاد نے درسیات کی تعلیم سید طفیل محمد اترولوی (م ۱۱۵۱ھ) سے حاصل کی۔ حدیث و سیر اور علوم ادبیہ اپنے جد مادری سید عبدالجلیل بلگرامی سے۔ عروض و قوافی یعنی فن شعر کی تعلیم دمشق میں اپنے ماموں سید محمد بن عبدالجلیل بلگرامی سے استفادہ کیا۔ آزاد نے ۱۱۲۷ھ میں شیخ لطف اللہ الحسینی (م ۱۱۴۳ھ) جو شاہ لدھا بلگرامی کے نام سے معروف تھے سے سلسلہ چشتیہ میں نسبت سلوک قائم کی[۳]۔ سید عبدالجلیل اس دور کے ماہر درسیات اور نامور استاد تھے۔ طبیعت سیلانی تھی۔ مدت کی جہاں گردی کے بعد بلگرام آئے تو آزاد ان سے استفادہ کرنے لگے۔ مگر وہ جلد ہی دہلی روانہ ہوگئے۔ آزاد نے تکمیل علم کیلئے ساتھ جانے کا ارادہ کیا چنانچہ ۱۱۳۴ھ میں اپنے نانا کے ہمراہ دہلی آئے دہلی میں دو سال قیام رہا۔ اختتام تعلیم پر بلگرام چلے گئے۔ آزاد کے ماموں سید محمد بلگرامی سیوستان (سندھ) میں میر بخشی اور وقائع نگار تھے۔ ان کی دعوت پر آزاد ۱۱۴۳ھ میں وہاں پہنچے سید محمد انہیں وہاں چھوڑ کر بلگرام چلے گئے اس طرح آزاد نے ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۷ھ اپنے ماموں کی نیابت کی۔ "ید بیضا" کے نام سے فارسی شعراء کا تذکرہ انہیں ایام میں لکھنا شروع کیا[۵]۔

سید آزاد کی افتاد طبع محبت و عقیدت سے استوار تھی، عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زندگی کا نمایاں عنصر ہے۔ یہ دولت دل میں گداز پیدا کرتی رہی۔ شوق فروزاں ہونے لگا تو آزاد نے حرمین کا قصد کر لیا۔ ۱۱۵۰ھ میں آزاد بلگرام سے روانہ ہوئے۔ راستے میں نواب نظام الملک آصف جاہ (م ۱۱۶۱ھ) سے ملاقات ہوئی جو مرہٹوں کے خلاف برسرپیکار تھے۔ آزاد بھی شریک جہاد ہوئے۔ اختتام جنگ پر نواب نے زاد سفر کا انتظام کر دیا تو آزاد سورت سے جہاز پر سوار ہوئے ۱۸ محرم الحرام ۱۱۵۱ھ میں جدہ پہنچے جہاں شیخ محمد فاخر الہ آبادی نے استقبال کیا۔ ۲۴ محرم کو ارض پاک پر قدم رکھا حج کے دن گذر چکے تھے۔ اس لیئے مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) مستقل طور پر آباد تھے۔ ان سے صحیح بخاری کی سند لی اور صحاح ستہ اور بعض فوائد علم حدیث کی اجازت حاصل کی۔

---

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۱۰۴ (۲) مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۲ (۳) حوالہ مذکور (۴) نزھۃ الخواطر الجزء السادس ص ۲۰۱، تذکرہ علماء ہند ص ۹۳ (۵) ماثر الکرام مقدمہ ص ۳۲ (۶) ماثر الکرام مقدمہ ص ۳۷ (۷) حدائق الحنفیہ ص ۴۷۳
اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص: ۱۰۴

مکہ مکرمہ میں شیخ عبد الوہاب طنطاوی (م ۱۱۵۷ھ) سے مصاحبت رہی، شیخ طنطاوی کو آزاد نے اپنے عربی اشعار سنائے جن میں آزاد کا تخلص استعمال ہوا تھا، شیخ نے حیرت سے مفہوم دریافت کیا، آزاد نے وضاحت کی تو علامہ طنطاوی نے کہا، سیدی انت من عتقاء اللہ[1]

سید آزاد نے طائف میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزار اقدس پر حاضری دی اور وطن کے ارادے سے واپس لوٹے[2] راستے میں بندرگاہ مخا میں قیام کے دوران میں شیخ علی الشاذلی (م ۹۵۶ھ) کے مزار کی زیارت کی[3] ۲۹، جمادی الاولیٰ ۱۱۵۲ھ کو آن کا جہاز بندرگاہ سورت پر پہنچا۔ کچھ عرصہ اورنگ آباد میں بابا شاہ مسافر نقشبندی کی خانقاہ میں قیام رہا اور بلاد دکن کی سیاحت میں مشغول رہے،

آخر ۱۱۶۱ھ میں مستقلاً اورنگ آباد میں قیام پذیر ہوگئے اور تادم وفات مقیم رہے[3]، ۲۱، ذالقعدہ ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۷۸۶ء میں وفات پائی، وصیت کے مطابق خلد آباد دکن میں احاطہ درگاہ میر حسن سنجری دہلوی میں اس مقبرے میں جو آپ نے "خوابگاہ روشن" کے نام سے ۱۱۹۱ھ میں تعمیر کرایا تھا دفن کیا گیا[4]۔

دکن کے قیام کے ۴۸ سال فارغ البالی کے دن تھے دکن کے اُمراء آپ کا بے حد احترام کرتے تھے "سراج المحدثین اور رئیس العلماء" کے خطاب دئے گئے، صمصام الدولہ شاہنواز خان سے قریبی تعلق رہا، بلکہ ان کی شہادت پر مآثر الامراء کی تکمیل کا بیڑا بھی اٹھایا[5] اس تعلق باہمی کے باوجود آزاد نے کبھی اُمراء کی مدح سرائی نہیں کی، نواب آصف جاہ کی مدح میں ایک رباعی کہی جسکی توجیہ کرتے ہیں،

"فقیر باوصف موزونی طبع مدۃ العمر زبان بہ مدح اغنیاء نہ کشودہ ام الا ایں رباعی کہ در استعانت سفر بیت اللہ سرزدہ[6]

سید آزاد کی بے نیازی طبع کا یہ عالم تھا کہ جب وہ اورنگ آباد میں شیخ محمد دانی کے زاویے میں اقامت پذیر تھے اور نواب آصف جاہ کے فرزند نواب ناصر جنگ سے تعلق خاطر قائم تھا آپ نے منصب امارت کی پیشکش کی تو انکار کر دیا اور کہا!

هذه الدنيا بنا مثل نهر طالوت غرفة منه حلال و الزيادة عليها حرام[7]

سید آزاد بلگرامی کثیر نویس بزرگ تھے، متعدد موضوعات پر قلم اُٹھایا اور ہر فن میں قابل قدر نگارشات ترتیب دیں عربی تصانیف یہ ہیں:

۱- الضوء الدراری فی شرح البخاری۔ بخاری کی شرح قسطلانی کا کتاب اول سے کتاب الزکاۃ تک کا ملخص ہے۔

۲- سبحة المرجان فی آثار ہندوستان۔

۳- تسلیة الفواد فی قصائد آزاد۔

۴- شفاء العليل فی المؤاخذات علی المتنبی فی دیوانه

۵- الشجرة الطیبة فی انساب السادة من اهل بلگرام

۶- مظهر البرکات۔ مولانا روم کی مثنوی کی طرز پر یعنی بحر خفیف میں سترہ منظوم حکایات کا مجموعہ۔

۷- مرآة الجمال۔ محبوبہ کے سراپا پر ایک نادر قصیدہ جو ۱۰۵ ابیات پر مشتمل ہے۔

۸- السبعة السیارة۔ سات دواوین کا مجموعہ، پہلے تین دیوان ۱۱۸۹ھ تک کہے گئے قصائد کا مجموعہ ہے، چوتھا دیوان جس کا اکثر قصائد میں ردیف کا استعمال کیا گیا ۱۱۹۰ھ میں اپنے پوتے امیر حیدر بن نور الحسن کے لئے تحریر کیا گیا۔ ردیف خالص عجمی طرز انشاء ہے۔ پانچواں دیوان مستزاد ہے ۱۱۹۱ھ میں مرتب ہوا یہ بھی عجمی اثر ہے۔

چھٹا دیوان اس میں ۱۳۰۰ ابیات ہیں۔

ساتواں دیوان ۱۱۹۳ھ ۱۱۹۲ھ کے دوران میں کہے گئے قصائد پر مشتمل ہے۔

ان سب دواوین میں بقول آزاد دس ہزار اشعار ہیں[8]

1- اتحاف النبلاء ص ۳۲۰، 2- مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۷، 3- حوالہ مذکورہ 4- اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ا ص ۱۰۶

5- حوالہ مذکورہ ص ۱۰۶/۱۰۵، 6- مآثر الکرام ص ۲۹۲، 7- نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۲۰۲، ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۹۲۲

8- نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۲۰۲ تا ص ۲۰۴

۹ - شمامة العنبر فیما ورد فی الھند من سید البشر [۱] سے سبحۃ المرجان کی پہلی فصل کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا ہے۔

۱۰ - اُرج الصبا فی مدح المصطفیٰ ۔ قصائد نبویہ کا مجموعہ۔

۱۱ - دواوین ۔ السبحۃ السیارۃ ، کے بعد بھی آزاد نے عربی شاعری جاری رکھی اِس طرح ۱۱۹۸ھ میں آٹھواں ، اوائل ۱۱۹۹ھ میں نواں اور اواخر ۱۱۹۹ھ میں دسواں دیوان مکمل ہوا ، کُل دس دیوان ہیں [۱]۔

۱۲ - مکاتیبِ مجدد ۔ سید مقبول احمد صمدنی کا بیان ہے کہ آزاد نے حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ کے بعض مکاتیب کا عربی ترجمہ کیا [۲]

فارسی تصانیف

۱ - ماثر الکرام فی تاریخ بلگرام ۔ بلگرام کے علماء و صوفیاء کا تذکرہ۔

۲ - خزانۂ عامرہ ، فارسی گو ہندی شعراء کا تذکرہ

۳ - یدِ بیضا ، فارسی گو ایرانی شعراء کا تذکرہ۔

۴ - سروِ آزاد - ہندی ایرانی شعراء کا تذکرہ [۳]

۵ - روضۃ الاولیاء ۔ اورنگ آباد کے قریب "الروضۃ" کے مقام پر مدفون بعض چشتی مشائخ کا تذکرہ۔

۶ - غزلانِ ہند ۔

۷ - سند السعادات فی حسنِ خاتمۃ السادات [۴]

۸ - دیوان شعر فارسی ۔ نو ہزار اشعار کا مجموعہ [۵]

۹ - کشکول ۔ کتب خانہ آصفیہ اور ندوہ میں نسخے موجود ہیں [۶]

۱۰ - شرح قطر لمعت خاں ۔ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے [۷]

۱۱ - ماثر الامراء ۔ صمصام الدولہ شاہنواز خاں کی کتاب کی تکمیل و ترتیب [۸]

۱۲ - انیس المحققین [۹]

دیوان اردو ۔ آزاد کے تذکرہ نگار دیوان اردو کے بارے میں مختلف الرائے ہیں ، مقبول احمد صمدنی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ آزاد اردو میں شعر کہنا اپنے مرتبہ عالی سے پست و دُوں سمجھتے تھے ، لیکن اسد علی خاں تمنا اورنگ آبادی نے اُردو دیوان کا تذکرہ کیا ہے اور دو شعر بھی نمونہ کے طور پر نقل کئے ہیں [۱۰]

کُل اشعار ۔ عبد الحمید الشلقامی نے تمام دواوین ، مثنوی ، مرآۃ الجمال اور نثری کتب سے تمام اشعار کا مجموعہ سترہ ہزار تین سو اشعار بتایا ہے [۱۱] ، یہ تعداد ایک عجمی کی شعری صلاحیت کا برملا اظہار ہے اور اِس پر آزاد کو بجا طور پر ناز ہے :

مولانا آزاد بلگرامی بحیثیت ایک مدح نگار

آزاد بلگرامی کو عربی شاعری میں بلند مقام حاصل ہے ، اُنہوں نے عربی شاعری میں نئے تجربات سے قارئین کی توجہ کو جذب کیا ہے ۔ مرآۃ الجمال جو سراپائے محبوب پر اُن کی مشہور نظم ہے میں اُنہوں نے ہر ہر عضو پر دو دو اشعار رکھے ہیں اِس طرح ۱۱۰۵ اشعار کی نظم تیار ہوئی

---

۱ - شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیۃ ، الشلقامی ص ۴۱ ، ۴۲ ۔ ۲ - ماثر الکرام مقدمہ ص ۵۰ ، ۳ - نزہۃ الخواطر جزء السادس ص ۲۰۲ ۴ - علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۰۸ ، ۵ - شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیۃ الشلقامی ص ۴۳ ، ۶ - عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۱۴ ۔ ۷ - تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد ۲ ، عربی ادب ص ۲۶۳ ، ۸ - مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۲۳ ۹ - شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیۃ ص ۳۵ ، ۱۰ - ماثر الکرام مقدمہ ص ۵۱ ، ۱۱ - شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیۃ الشلقامی ص ۴۵

یہ اندازِ شعر آزاد کی مخترعات میں شمار ہوتا ہے ، آزاد کی عظمت اور شہرت کی اصل بنیاد اُن کے وہ قصائد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں عربی زبان میں رقم ہوئے ہیں ، آزاد کو نوخیزی عمر سے ہی ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گرویدگی تھی ، عمر کے ساتھ ساتھ یہ وارفتگی محبت تیز تر ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے اپنے فن شاعری کو مدحتِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وقف کر لیا :

آزاد ایک شاعر تھے اور شاعری قصیدہ گوئی کی مترادف گردانی جاتی ہے ، ہر شاعر کسی ممدوح کی تلاش میں رہتا ہے آزاد کو بھی ممدوح کی تلاش تھی ، مگر انہوں نے ابتدائی ایام میں ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اُن کی ممدوح وہ ذاتِ گرامی ہے جو ممدوحِ کائنات ہے ، اس لئے آزاد پریشان خیالی سے محفوظ رہے اور در در کی ٹھوکروں اور گھر گھر کی گدائی سے بچے رہے ، یہ اسی " یک در گیر و محکم گیر " کی کیفیت کا اثر تھا کہ آزاد نے کسی اور آستان کی جبہ سائی نہیں کی ، کہتے ہیں !

ہر چند با امراء ارتباط دارم و با رؤسا اختلاط ، اما سر رشتۂ استغناء نگسیختہ ام و آبروئے فقر
بر روئے تمنا نریختہ ، مزید کہتے ہیں !
ایں دریوزہ گرِ فیضِ الٰہی در تمام عمر خود لب بمدح امیری نکشود و نامۂ خود بستائشِ دولتمندی سیاہ نہ
نمودہ [1]

توصیفِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور کی مدح نہ مناسب تھی نہ انہیں یہ پسند تھی ، خود کہتے ہیں !

توصیف غیرک بعد مدحک شبہہ ، ہیتا لقمن وصفۃ الاتواء [2]

آزاد کی شاعری کا یہ درخشندہ پہلو ہے ، عربی ، فارسی ، اردو ہر سہ زبانوں کا شاعر ہو کر کاسہ لیسی سے محفوظ رہنا آزاد کا وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل ہے ، آزاد کے دس دیوانوں کا بیشتر حصہ مدحِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے ، متعدد بحور ، متنوع قوافی میں مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک جہان آباد ہے ، آزاد نے نعتیہ شاعری کا ہیولہ سقوطِ بغداد کے بعد کی شاعری سے مرتب کیا ہے ، مضامین کی ترتیب و تنوع اُس دور کے مماثل ہے ، علومِ دینیہ کی تعلیم اور تعلیمات اسلامیہ کے مطالعہ نے اُن کو سیرت اور حبِّ خیر سیرت کے لاتعداد موضوع عطا کر دیے تھے ، یہ موضوعات کی کثرت اور خیالات کی بہتات ہی تو ہے کہ اُن کے ہاں حکایاتی انداز پیدا نہیں ہوا ، واقعہ نگاری سے اجتناب اور اشاراتی طرزِ ادا اُن کا منفرد وصف ہے ، سیرتِ پاک کا کوئی واقعہ ہو یا کوئی عظیم بالشان پہلو آزاد صرف اشارہ کر کے گذر جاتے ہیں کہ انہیں چند شعروں میں بہت کچھ کہنا ہوتا ہے ، غزوات کا بیان محاکاتی شاعری کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس لئے آزاد کے ہاں غزوات کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے ، اس کا سبب اُن کا موضوعی اندازِ شعر ہے ، سیرت نگاری یا فضائل شماری اُن کا مطلوب نہیں بلکہ واقعاتِ سیرت کے قلبی تاثر اور فضائل و خصائص کے دوامی وجد کا اظہار مقصود ہے ، واقعات ہوں یا فضائل خارج کی چیز نہیں ہیں ، بلکہ اُن کی لوحِ قلب پر منعکس ضیاء پاشیاں ہیں کہ اُن کی پرچھائیاں اشعار کے آئینوں میں جھلملا رہی ہیں ، آزاد کے ہاں موضوعاتِ مدح محرکاتِ نفس میں ڈھل گئے ہیں اس لئے اُن کی مدحیہ شاعری میں جذبات کی فراوانی اور خیالات کی سرشاری بطرز بیں ہے

آزاد کے مدحیہ قصائد کے اجزاءِ ترکیبی کا مختصر جائزہ اُن کے شعری اسلوب کو سمجھنے کے لئے کافی ہوگا

عناصرِ قصائد کا مجمل تعارف :

تشبیب - مدحیہ قصائد کے مشتملات کی ترتیب و ترکیب میں آزاد نے قدیم اسلوب اپنایا ہے ، یعنی تشبیب ، گریز ، مدح جو مرکزی ہے اور استغاثہ جو مقصودِ قصیدہ ہے ، تشبیب کا رنگ جاہلی قصائد سے مستعار ہے - آزاد نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہے ، تشبیب کی حیثیت ، جواز یا عدم جواز ، حدود و قیود پر تفصیلی بحث پہلے باب میں پیش کی جا چکی ہے ، اعادے کی ضرورت نہیں ، آزاد کی شاعری میں تشبیب کی چند مثالیں تشبیب کے بارے میں اُن کی شعری روش سمجھنے کے لئے فرد ہیں ، فرماتے ہیں

لمت الی لعینھا الکحلاء　　فمرضت طول العمر بالسوداء
اسرت قلوب العاشقین فطرفت　　اجیادھا بعیونھا النجلاء [3]

---

[1] مآثر الکلام مقدمہ ص ۵۵ ، ۵۶ [2] دیوان ثانی ص ۳ [3] دیوان اول ص ۲

ضاءت بنور اثرها بنور جبینها فیهن حسن اللیلة القمراء[1]

حیاء خلقت الظباء وکیف لا ان السابق سنة الاکفاء[2]

یا قوم فی ارض الخوبر جاذر احدا لغصن سلاسل آلاساء[3]

هی ظبیة سلبت عقول اولی النهی مشهورة بحقیلة الدهناء[4]

آزاد بلگرامی کی تشبیب میں فراقِ محبوب کی شدت، قطع تعلق کی بے بسی اور رقتِ عشاق کی واردات کا تذکرہ نمایاں ہے، وہ اپنی عادت کے مطابق فراقِ حبیب کا کوئی قصہ نہیں سناتے اور نہ جدائی کی المناک کہانی دہراتے ہیں، بلکہ وہ حکایتِ عشق کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں، محبوب کو عموماً ہرن سے تشبیہ دیتے ہیں جو گریز پا بھی ہے اور تیز رفتار بھی، صحرا میں ہرن کا سامنے آجانا، نظریں ملانا چوکڑیاں بھرتے ہوئے غائب ہوجانا لمحاتی عمل ہوتا ہے۔ ہرن تو بھر ملتا نہیں صرف اس کی دل شکار کرنے والی نظر یاد رہ جاتی ہے یہی حال آزاد کا ہے وہ غم فراق میں نڈھال اور تیر نظر کے گھائل ہیں اور مسلسل ایک کسک محسوس کرتے ہیں، تشبیب میں ان کے قلبی تاثرات کی حکایت ہی کو اولیت حاصل ہے اور یہی ان کا غیر معروف انداز شعر ہے۔

گریز آزاد تشبیب کی جان سوز کیفیات سے بمقتضائے طبیعت جلد چھٹکارا پانے کے خواہش مند ہیں، اس لئے ان کی شاعری میں گریز اور مرکزی خیال باہم پیوست ہوگئے ہیں گریز میں وہ عموماً لفظی یا معنوی مناسبت ڈھونڈتے ہیں۔ جس سے موضوع کی طرف جانا آسان بھی ہو اور رواں بھی، گریز کی حد تک آزاد نے بڑی جدت پسندی اور فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے، گریز کا موڑ اس خوبصورتی سے کاٹتے ہیں کہ قاری بے ساختہ مرحبا کہہ اٹھتا ہے۔ مختلف قصائد میں گریز کی صورت ملاحظہ ہو،

بات الفواد لبعد ھا متجرعا من سم تلک الحیة السوداء

فاتیت بالقلب السلیم منادیا غوث الوریٰ فی شدة و رخاء[5]

تبسمت نحبنا دجمعها قمرا مشققاً معجزاً من سید العرب[6]

احن شوقاً الی المنوا لی! حنین جزع الی الحبیب[7]

واذکرنی حمام فوق غصن انا شید المعی بید الرسول[8]

انی حللت الی صفائح التی امست تشابه لیلة الاسراء

وعشقت حاجبک الرفیع لشبهة بھلال روضة سید الزوراء[9]

کانما ناظر الحسناء مکتحلا بتراب نعل رسول اللہ مکحول[10]

مدح قصائد کا مرکزی موضوع مدح ہے، مدح میں آزاد کا طریق واقعاتِ مدح یا فضائل مدح کی وارداتی تعبیر ہے، مدح کے مشتملات میں درج ذیل اہم پہلو نمایاں ہیں:۔

ا۔ حسن صورت مداحین ظاہری اوصاف کا تذکرہ کرتے ہیں، یہ روایت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد سے چلی کہ چہرہ انور کو سورج کی تابناکی یا چاند کی نورانیت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ آزاد ضیائے حسن کے گیت گاتے ہیں اور اپنے قلبِ تاریک کے لئے نورانیت کی بھیک مانگتے ہیں

برهان رب العالمین جبینه، فی الامة الامیة الدرباء[11]

---

[1] دیوان اول ص ۲ [2] حوالہ مذکورہ ص ۱۵ [3] دیوان ثانی ص ۲ [4] دیوان اول ص ۳

[5] حوالہ مذکورہ ص ۷ [6] حوالہ مذکورہ ص ۸ [7] حوالہ مذکورہ ص ۲۳ [8] دیوان ثالث ص ۳

[9] حوالہ مذکورہ ص ۱۰ [10] دیوان اول ص ۳

بجبین نور الاکوان قاطبۃ   فیا لنور بدا فی ھیکل البشر
ماان رأیت شریکا فی ملاحتہ   ولا سمعت بہ والسمع والبصر
تبارک اللّٰہ بدر لا محاق لہ   وخاتم وصبہ نور بلا حول
عدیم المثل فی حسن التغنی   وقاھا اللّٰہ من ریب المنون [۱]
یا ایھا البدر الاصل کمالہ   ضاعت بنورک مقلۃ الحلیاء
داعی الرواح سراجا فی زجاج   اذا ما شرف المختار غسارا [۲]

۲۔ حسنِ سیرت۔ عادات و شمائل پر تمام مداحین کی وجہ یہی ہے کیونکہ انہیں سے شاعر کو اپنی عرض داشت پیش کرنے کا حوصلہ ملتا ہے اور عفو و کرم کی امید پیدا ہوتی ہے۔ اخلاقِ عالیہ کے ذکر میں عفو و کرم، شفقت و محبت، رشد و ہدایت سے تذکرے زیادہ نہیں آزاد کا انداز یہی subjective ہے اس لیے انہوں نے وہی اوصاف چنے ہیں جن کے اثرات ان تک پہنچتے ہوں، خلقِ عظیم، کرم بے پایاں اور رحمتِ عالم مثلاً

بحمل عطر الافاق قاطبۃ   فیا الطیب خزامی خلقہ الحسن
ثمال الوریٰ قطمیرھا ولغیرھا   اجار الذی یمو بارض المشاعر [۳]
یا ایھا البارق الفیاض مبتسماً   ندی بدیک علی الافاق مبذول [۴]
لا تحزوان خمدت نار علی یدہ   الیس فی یدہ ذخر من الدیم [۵]

دنیا سے بے رغبتی اور بخشش و کرم کی عادت کے ذکر میں آزاد کے قلم کا زور دیدنی ہے۔

ما استعمل المصطفیٰ یا قل من ذھب   فکیف یحتمل الاطوار عقیانا [۶]
آوی الیہ الفقر فقراً ساذجاً   وری النعال علی جبال السجر [۷]

اور وہ خود اسی فیاضی کے طلبگار ہیں

جنابک غیث یستغیث بہ الوریٰ   وانی لجود یصطلی فی المجامر
بحرفنا بتخلیص الغزالۃ انہ   لنا مثل ام واب متفضل [۸]

۳۔ خصائص و امتیازات۔ خصائص و امتیازات سیرت نگاری کا سب سے وقیع حصہ ہے۔ خصائص میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین تخلیق ہونے، اولین نبی ہونے کا ذکر ہوتا ہے۔ ولادت باسعادت کی امتیازی خصوصیات اور خاندانی شرف کے تذکرے ہوتے ہیں۔ انسانِ کامل، رحمتِ عالم، ہادی اعظم، نبی بے مثال، تاثیر بے عدیل، باعث خلق انسانی، اشرف انبیاء اور خاتم مرسلین کا بیان ہر سیرت نگار کے ہاں مقبول ہے۔ آزاد نے بھی ان خصائص کا تذکرہ کیا ہے مگر اپنی ذات کے حوالے سے ان خصائص کو اپنی داخلی زندگی کا جزو بنایا ہے

خلقِ اول: خلق الالٰہ ضیاء احمد اولا   وسماہ یتبع سائر الاکوان
الی النبی المصطفیٰ اباءہٗ   فجنابہ المعالی الوالا مباء [۹]

عربی نحو سے استفادہ کی مثال ہے

لا تخزوان اخر الخلائق بعثہ   ھو المقدم فی المعنی علی الرسل
فمبدل منہ فی الانشاء قرطیۃ   وانما نظر المنتہیٰ الی المبدل [۱۰]

مبدل منہ کی تقدیم تو حرف عبارت کا اقتضا ہے مراد تو بدل ہی ہے

---

(۱) دیوان اول ص ۲۱، ۲۲، ۳۰، ۶۹، ۲۷ (۲) دیوان ثالث ص ۸۲، ۸۲ (۳) دیوان اول ص ۴۴، ۲۳۰ (۴) دیوان ثالث ص ۵ (۵) دیوان اول ص ۷۰

(۶) حوالہ مذکور ص ۱۴۲ (۷) دیوان ثانی ص ۵ (۸) دیوان اول ص ۳۲، ۳۷ (۹) دیوان ثالث ص ۱۹، ۲۰ (۱۰) دیوان اول ص ۳۰

شرفِ خاندان

شجر ترعرع فی حدیقة ہاشم — اکرم بدوحہ فی العلا متاصل [1]

قد طہر اللہ یوم الشق جوہرہ — ہذا حسام من الاصداء مصقول [2]

انسانِ کامل، ہادیٔ اعظم، رحمتِ عالم

من معشر الانسان الا انہ — انسان عین المجد و العلیاء

فوق العباد و لعد الرب مرتبة — وجوہر نزہ عن وصمة المثل

محمد الہادی الی الحق دینہ — سراجا الی صبح القیامة لائح [3]

یا رحمة للعالمین جمیعہم — اصبحت خیر مظاہر الرحمٰن [4]

باعثِ تخلیقِ عالم۔ اشرف الانبیا والمرسل، ناسخ ادیان والملل اور خاتمِ رسالت

ہو درکون بیت اللہ جل جلالہ — و عماد ہذی الخیمة السرمد

شہب السما و یا ہرہا مصنوعة — من نور ہذا الکوکب المتوقد [5]

جاءت فعطلت الادیان ملتہ — طلدوة البحر تمحو دلق الوشل [6]

قد عطل الملل السوابق دینہ — حکم التیمم باطل بالماء

ان غاب کل نبی لبعد بعثتہ — فالنجم عند طلوع الشمس معزول [7]

تاللہ ما خلقوا الا عاقبہم — ہذا المقدم موقوف علی التالی [8]

لا ینتہی فیض النبی الی المدیٰ — ما دام الغرات الی القیامة جاری [9]

۴۔ معجزات ۔ معجزاتِ مدحِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سب سے معروف عنصر ہے، قصیدہ گوئی کا ایک بنیادی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ سامع پر ممدوح کی عظمت کا نقش ثبت ہو جائے اور یہ نقش جسقدر عجلت اور بھرپور طریق سے ثبت ہو اُسی قدر شعرِ مدح کی کامیابی سمجھی جاتی ہے معجزات خوارقِ عادت ہونے کے ناطے سے محیرالعقول بھی ہوتے ہیں اور ماورائی کیفیات کے حامل بھی اِس لئے مداحین اِن کا زیادہ تذکرہ کرتے ہیں، معجزات ہر دور کی شاعری کا لازمی جزو رہے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہدِ مبارک سے عصرِ حاضر تک معجزات کے بیان کو اولیت حاصل رہی ہے اِن کے بیان کے لئے قصائد کا بیشتر حصّہ یا کبھی پورا قصیدہ مختص کیا جاتا ہے۔ آزاد نے معجزات کے ذکر میں طوالت سے کام لیا ہے اور متعدد معجزات کو شعری سانچوں میں ڈھالا ہے مگر اُن کے بیانِ معجزات میں ایک نمایاں خصوصیت اُن کی ذاتی محویت ہے، اُن کی خواہش ہے کہ اُن کی ذات معجزات کا حصہ بنے، اس پر بھی معجزانہ نظر پڑے اور وُہ دربارِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اُستنِ حنانہ کی طرح مہجورانہ پکاریں یا ہرنی کی طرح اپنی داستان سنائیں، اُن پر بھی ابر کا سایہ ہو، وُہ بھی اُنگلیوں سے پھوٹنے والے چشموں سے سیراب ہوں، وُہ بھی سنگریزوں کی طرح صداقتِ نبوّت کی شہادت دیں، معراج اُن کی توجہ کا محور ہے کہ یہ ارتقائے انسانیت کا اشاریہ ہے، شق قمر اور ردِّ شمس تسخیرِ کائنات کے حوالے ہیں، الغرض آزاد نے ہر معجزے کو اپنا حصّہ بنانے کی خواہش کی ہے، وُہ خود معجزہ بن کا مرکز بن کر برہان بننا چاہتے ہیں، آزاد نے معجزات کے بیان کو معروضی سطح یا حکایاتی طرزِ ادا سے اُٹھایا اور واردات قلب کا حصّہ بنا دیا، یہ آزاد کا عظیم کارنامہ ہے اور آج کا جدید انسان اِسی حوالے کو معتبر اور لائقِ اعتنا سمجھ رہا ہے یہ آزاد کی شاعری کی جدّت پسندی کا مظہر ہے۔

معراج و اسراء آزاد نے مختلف اشاروں سے سفرِ معراج کی جزئیات بیان کی ہیں، مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے ملاءِ اعلیٰ کا عروج حظیرۂ قدس اور عطاءِ ربانی کے اشارے کئے ہیں مگر اصل موضوع رفعتِ انسانی اور سفرِ معراج پر مادہ پرستی کے اعتراضات اور اُن کے جوابات ہیں مثلاً

قد ارتقیٰ فی السماء حقا ، وحل بالمنزل الرحیب

---

[1] دیوانِ اوّل ص ۳۸ [2] دیوانِ ثالث ص ۱۱ [3] دیوانِ اوّل ص ۱۳، ۳۰، ۲۸ [4] دیوانِ ثالث ص ۱۷ [5] حوالہ مذکورہ ص ۳، ۶

[6] دیوانِ اوّل ص ۳۰، [7] دیوانِ ثالث ص ۳، ۱۱ [8] دیوانِ اوّل ص ۳۰، [9] شعر غلام علی آزاد البلگرامی الشلتقای ص ۸۷

جاز السماء وعاد فی لمح ، فیا لکرامة من کوکب سیار

ولا غرو ان جاز السماء بجسمه ، جل الجوهر الشفاف للنور مانع [1]

شقِ قمر شق قمر سے جلالتِ شان کے اظہار کے ساتھ آزاد کی حِسِ تفاخر کی بھی تسکین ہوتی ہے، انہوں نے شقِ قمر کے بیان میں عمدہ تشبیہات استعمال کی ہیں:

ادمی الی فلک الدنیا باصبعه فالبدر خر له خرا علی الذقن

کانه نصف التفاح فی طبق او درهمان انثنا من خازن الزمن

وشق بدر الدجی ایماء اصبعه ، فهم واصبعه مفتاح افعال

لا غرو ان شق صدر البدر معجزة کفا محیاه فینا کاشف الظلم [2]

حنین الجذع فراق میں بے چارگی کی پکار کا اشارہ ہے، آزاد نے اپنے قلبی تاثرات کو ستونِ حنانہ کی زبان عطا کی ہے:

احن شوقا الی الندامی حنین الجذع الی الحبیب

حن الجذیع من الفراق کانه عود یجن بلا ید العواد [3]

انگلیوں سے چشموں کا پھوٹنا ید دستِ کرم کا حوالہ ہے، آزاد بھی فیضِ بخشی کے امیدوار ہیں:

اروت عطاشی الظامئین یمینه ما کان مغنا فی الید البیضاء له

تبارک الله روت معشر ظمئوا انهار الخمسة العلیا وبسلسال [4]

قرآن قرآن مجید ایک دائمی معجزے کی حیثیت سے آزاد کی توجہ کا مرکز ہے:

لقد آتانا بشمس غیر آفلة یوم افاض علینا رابع الزبر

وان لم تقبل الاحجار نبأ فلیس النقص من قبل الحقون [5]

۵ - توسّل و استغاثہ آزاد کے قصائد کا عنصر توسل و استغاثے پر مشتمل ہے، استغاثے میں زندگی کی بے چینیوں سے سکون کی تلاش اور یوم آخرت میں توسل و شفاعت کی تمنا شامل ہے۔ دُنیا کے مصائب سے پناہ کی خواہش کے ضمن میں مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً کی حاضری، دربارِ اقدس میں حضوری اور فراق کی بے قراری کے مضامین بیان کیے جاتے ہیں، استغاثے اور توسل کے مضامین میں آزاد کا قلبی اضطراب موجزن ہے، وہ وارفتگی کے عالم میں جانِ جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور دستِ سوال دراز کیے حاضر ہیں، اُن کا ناز اور اُن کی امیدوں کا مرجع و ماویٰ ذاتِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، یہ حقیقت اُن کے وجدان کا مظہر ہے وہ بھری دُنیا سے منہ پھیرے ایک دربار کے ثنا خواں ہیں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا اُن کا کوئی ممدوح نہیں اسلئے اُن کی عقیدت و محبت توحید مست ہے، دوئی اور شراکت کا کوئی شائبہ اس میں نہیں ہے، وہ بے خودی میں پکارتے ہیں!

فاتیت بالقلب السلیم منادیا غوث الوریٰ فی شدة ورخاء

نظر الحبیب الی الغریب عنایة نظر العنایة شیمة الکبراء

یا سیدی یا عروتی ووسیلتی یا عدتی یا مقصدی مولای

فوجئت بابك خاشعاً متضرعاً مالی ورادت کاشف الضراء

احسن الی ضیف ببابك واقف شان الکرام ضیافة الغرباء [6]

لا غرو ان ذابت بجهنم حسرة هو بالشفاعة لا یخاد ومذنبا [7]

مدینہ منورہ میں حاضری تمناؤں کا سرمایہ اور خواہشات کا مرکزی نقطہ ہے، اُن کی تمنا ہے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھومیں، روضۂ اقدس پر قربان ہو جائیں خاکِ مدینہ کو سُرمہ بنائیں۔

---

[1] دیوانِ اول ص ۹، ۲۶/۲۸ - [2] حوالہ مذکورہ ص ۴۱، ۴۳/۴۸، [3] حوالہ مذکورہ ص ۱۰/۱۶ [4] دیوانِ ثانی ص ۳ [5] دیوانِ اول ص ۳۵، [6] حوالہ مذکورہ ص ۲۲/۲۷ [7] حوالہ مذکورہ ص ۳/۵ [8] دیوانِ اول ص ۱۱

روضۃ الفداء لروضۃ قدسیۃ مملوءۃ بلطافۃ وصفاء

بلغ المشارق والمغارب ضوءها تحت لوالیھا الشمس کالحرباء

لهوی لطیبۃ حیث ضم ضریحها جسما تسنم فوق سبع سما ء[1]

ودعی المهیمن لقبه وضریحها تحکی جواهر فی نحور الخرد

سرح المدینۃ ما اجل ترابها یجد البصائر فیه فعل الاثمد

وغبارها المحسوس فوق هوائها کحل الیقین لمقلۃ المتردد[2]

اُن کی تمنا ہے کہ !

و اجعل منبر رضوی تحت راسی وارتد خفها فوق البلاط

و یدفن بالبقیع نحیل جسمی ولینشر وجه قبری بالوعاط[3]

غبار مدینہ ، نعلین مبارکہ اور غبار نعلین شریف کے تذکرے سے آزاد طمانیت محسوس کرتے ہیں

غبار نعلیه کحل لعبائرنا جنابه مستطاب منتهی الطلب[4]

کحل العیون غبار نعل المصطفیٰ وشراکها مستمسک المستنجد

کانما ناظر الحسناء مکتحلا بترب نعل رسول الله مکحول[5]

آزاد بلگرامی کے موضوعاتِ مدح اور محرکاتِ نعت کا یہ جائزہ واضح کرتا ہے کہ ایک مدح نگار کے تمام خصائص اُن کے کلام میں موجود ہیں، اُن کا دل عواطف سے مملوء ہے، حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر جملے سے عیاں ہے، کلام و سرشاری و سرخوشی کا عالم ہے، وابستگی کی شدت سے کبھی حدود سے تجاوز بھی کر جاتے ہیں۔ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر اور تقابلی جائزہ میں ایسا کئی بار ہوا ہے، مثلاً

ولئن دعیسیٰ عاذرا فرسولنا یرد الذی اعجازه رد عاذر[6]

رای هو فی جبین الفرش نورا وموسیٰ فی جبین الطور نارا[7]

فنی جائزہ

آزاد کو مدح نگاری کے تمام لوازمات پر عبور ہے، مناسب الفاظ، فردری اور نادر تشبیہات، واضح استعارے اور اثر آفرین کنایے اُن کی شاعری میں موتیوں کی طرح جھلملا رہے ہیں۔ مثلاً

تشبیہ

آزاد کو مرکب تشبیہات میں کمال حاصل ہے۔

تبدو من القلم الهندی مدحته بمثل سکرۃ تبدو من القصب

حتی الجلالیح من الفراق کانه عودین بلا ید العواد[8]

هو القمر الوقاد فی فلک الهدیٰ والسما به عقد النجوم الزواهر[9]

استعارہ

یا ایها البارق الغیاض مبتسما -ندی یدیك علی الآفاق منهمل[10]

لله شمس علیٰ راس الوریٰ طلعت -وقد اذابت فؤاد الکفر کالبرد[11]

صنائع بدائع

آزاد کی نادر الکلامی کے باوجود بسا اوقات اُن کی شاعری میں آورد کی بو آتی ہے۔ جب وہ صنائع بدائع کی بھول بھلیوں میں

[1] دیوان اوّل ص ۱۴ [2] دیوان ثالث ص ۵ [3] شعر غلام علی آزاد بلگرامی الشلقامی ص ۲۹۴ [4] دیوان اول ص ۷
[5] دیوان ثالث ص ۱۰۵ [6] دیوان اوّل ص ۴۳ [7] دیوان ثالث ص ۷ [8] دیوان اوّل ص ۷، ۱۹، ۲۷ [9] دیوان ثالث ص ۱۳
[10] دیوان اول ص ۱۵

مبالغے کی حد تک مشغول ہو جاتے ہیں تو عام قاری کے لئے اُن کے کلام کو سمجھنا اور حظ اُٹھانا مشکل ہو جاتا ہے"

شاعر کے کلام کی عظمت اُس کے درجۂ ایصال کے حوالے سے متعین ہوتی ہے، اگر الفاظ کی در و بست مغلق ہو جائے اور ایصالِ معانی کا مرحلہ دشوار معلوم ہونے لگے تو شعر اپنی خصوصیت کھو دیتا ہے، شعر عوام کی ملکیت ہوتا ہے۔ اسے عوام سے دور رکھنا مستحسن نہیں ہو ورنہ شاعری شغلِ لاطائل قرار پائے گی"

آزاد کہتے ہیں کہ کچھ صنائع عرب و ہند میں مشترک ہیں مگر بعض ہندی زبان کے ساتھ خاص ہیں جو عربی فارسی میں موجود نہیں ہیں۔ ایسی صنعتیں ۲۳ ہیں مگر اُن کا دعویٰ ہے کہ اُنہوں نے خود ۳۷ اقسام دریافت کی ہیں۔ ان ہندی صنائع کو آزاد نے عربی قالب عطا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں!

انا قصدت ان انقل القسم الاخیر الی العربیة فرأیت بعضها لا یقبل النقل لخصوصیة
بلسان الهند و بعضها یقبل النقل فنقلت منها نبذة وجدتها فائقة و الحقت بفن الادب
جملة رائقة وارجو من العرب العرباء ان یستحسنوا المخترعات الاعجمیة کما استحسنوا
الاسیاف الهندیة ۲؎

کیا آزاد کی یہ خواہش پوری ہوئی؟ تاریخ ادب اس بارے میں فیصلہ دے چکی ہے، نئی روایات کبھی شعوری کوشش سے ایک دو دن میں نہیں قائم ہوتیں، اس کے لئے صدیوں کا ریاض درکار ہوتا ہے، آزاد کی یہ خواہش ایک حسرت ناتمام ہی رہی"

عمومی جائزہ:

آزاد کی مدحیہ شاعری کا اِس اجمالی تذکرے کے بعد یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے کہ آزاد کو شعر گوئی کی صلاحیت فیاضِ ازل کی طرف سے تفویض ہے، آزاد مطبوع شاعر تھے، وہ صاحبِ علم انشا پرداز تھے، معلومات کی وسعت نے اُن کی شاعری میں خیالات کا تنوع اور مضامین کی کثرت پیدا کر دی ہے، مگر ہندی زبان و ادب کے مطالعے نے اُن کی عربی شاعری پر ایسے اثرات بھی ڈالے ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات پیوندکاری کا احساس اُبھرتا ہے، اُن کی شاعری کا احتساب کیا جائے تو چند بنیادی خصائص کی نشاندہی ہوتی ہے"

مفاہیم کے اعتبار سے آزاد کی شاعری کا دامن بہت وسیع ہے، اُن کے خیالات میں اس قدر تنوع ہے کہ برصغیر کا کوئی اور شاعر اس پہلو میں اُن کا مثیل و سہیم نہیں ہے"

مدح کی قدیم روایت سے اُنہوں نے ہر موتی کھنگال نکالا ہے مگر اس پر اپنے ذوقِ علمی و ادبی سے بیش قیمت اضافے بھی کئے ہیں مدح نگاری میں آزاد نے جدلیت کا انوکھا رنگ پیدا کیا ہے در اصل وہ جس ماحول میں رہ رہے تھے اُس میں بلا دلیل کوئی دعویٰ مناسب نہ تھا، شاہ ولی اللہ دہلوی تو دینی موضوعات کو بھی عقلی استدلال عطا کر رہے تھے"

آزاد نے مضامینِ مدح کو مستند حقائق کے طور پر قبول کیا تھا مگر قاری کی ذہنی تشفی کے خیال سے اُنہوں نے معجزات تک کو عقلی و علمی اسناد عطا کی ہیں"

لو انّ تجاوز سبحاً و معی ما احترقت   کناظر العین فاستیقظ ولا تنم ۳؎

آزاد کی شاعری میں صنائع بدائع کا استعمال کثیر ہے، روایتی صنائع کے ساتھ اُنہوں نے بعض مخترعات بھی کی ہیں، یہ رجحان حضرت امیر خسروؒ سے شروع ہو گیا تھا، صنائع کا استعمال ایک حد تک رہے تو مضائقہ نہیں ہوتا، مگر جب یہی مطلوب بن جائیں تو تکلف آمیز ادب پیدا ہوتا ہے"

سید آزاد بلگرامی کی شاعری میں کہیں کہیں

۱؎ سبحۃ المرجان ص ۱۳۵

۲؎ حوالہ مذکورہ

۳؎ دیوانِ اوّل ص ۱۱

ایسی صورتِ حال نظر آتی ہے۔ بلکہ "المدائح النبویۃ" میں ان کا استعمال کم ہے۔ اس لئے صنائع کی بنیاد پر جو اعتراضات اٹھائے گئے ہیں وہ عمومی شاعری کے نقطۂ نظر سے ہیں۔ مدحیہ شاعری پر یہ مطلقاً منطبق نہیں ہوتے۔ البتہ تاریخی اشارے، علمی، نحوی اور فنی مصطلحات، فقہی اختلافات اور دینی معتقدات کے حوالے فارسی سے وسعتِ علم کا تقاضا کرتے ہیں۔ صرف عربی زبان کے مطالعے پر آزاد کی شاعری کا حق نہیں ادا ہو سکتا کہ اُن کے اسلوب پر علمی و دینی تلمیحات و اشارات کی گہری چھاپ ہے۔

آزاد اختصار پسند ہیں۔ واقعات کو تاریخی ترتیب اور جزئیات کی تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں کنایوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان کے قصائد امام بوصیری یا امام صرصری کے قصائد کی طرح طویل نہیں ہیں۔ اکثر قصائد بیس سے تیس شعروں کے درمیان ہیں اور یہ اُن کے نزدیک قصیدے کا معیاری حجم ہے۔ اس اختصار و ایجاز کی وجہ سے وہ بعض مصطلحات یا تلمیحات استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ انہیں یہ بھی احساس ہے کہ اُن کا ممدوح ہم صفت موصوف ہے۔ اور ممدوح کے فضائل اس قدر بے حد و حساب ہیں کہ حصر ممکن نہیں۔ کہنے کیلئے مضامین کی کثرت ہے۔ اس لئے ہر موضوع کو مختصراً پیش کرنا ہی مناسب ہے۔ اس اختصار پسندی کی وہ عمدہ توجیہ کرتے ہیں۔

اوصافہ عن قبول الحصر ابیۃ ۔۔۔ ما طول مدحتہ الا من القصر

کیف الموصف یقضی حق مدحتہ ۔۔۔ یری مزایاہ فوق الانجم الزہر

یمشی یراعی ونبوی قصر مدحتہ ۔۔۔ قصر العبادۃ حکم اللہ فی سفر [1]

طویل سفر میں عبادت میں قصر کا حکم ہے۔ مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مندوبات میں سے ہے۔ مدح کا سفر طویل ہے۔ اس لئے یہ قصر کی مقتضی ہے۔ فقط تکمیل مدح نہیں، اپنی بے چارگی اور ارادت کا اظہار ہے۔ دگر نہ حقِ مدح ادا کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے۔

أنی لسان یؤدی حق مدحتہ ۔۔۔ من ثم یاتی بہا آزاد معتذرا [2]

آزاد کی شاعری میں مقامی اثرات بڑے نمایاں ہیں۔ یہ اثرات معنوی بھی ہیں اور لفظی بھی، مثلاً

تبارک اللہ سوت معشوا لطمتوا ۔۔۔ انہارہ الخمسۃ العلیاء لبلاگ [3]

انہارِ خمسہ کا تصور برصغیر ہی سے لیا گیا ہے۔ جہاں پورا صوبہ ان کی مناسبت سے "پنجاب" کہلاتا ہے۔ آزاد کو برصغیر کی قدامت اور تاریخی عظمت کا بہت احساس تھا۔ سبحۃ المرجان کا پہلا باب "شمامۃ العنبر" اُن کی اپنی سرزمین سے عقیدت مندانہ گرویدگی کا اظہار ہے۔ اشعار میں بھی ہندی رابطے پر انہیں فخر ہے۔

والہند مہبط حق نادمقامہ ۔۔۔ قول صحیح جید الاسنان

فسوادہ من الہند صاء بدایتہ ۔۔۔ من نور احمد خیرۃ الاحجان [4]

آزاد کا تخلص بذاتِ خود ایک عجمی اثر ہے۔ جسے وہ بالالتزام عربی اشعار میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ فارسی کلمہ عربی اشعار کے تقریباً آخر کے قریب ایک عجیب عجمی فضا پیدا کر دیتا ہے۔ اور ایسے عجمی جزیرے اُن کے دیوانِ عربی میں متعدد ہیں۔ اس لئے اُن پر عجمیت کا الزام لگایا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے "الفاضل ما شہدت بہ الاعداء" چنانچہ سید آزاد بلگرامی کی افضلیت کے اعتراف کے ساتھ اُن پر بعض اعتراضات بھی اٹھائے گئے ہیں۔ بلکہ بعض علماء نے تو معاندانہ روش بھی اختیار کی ہے۔ مثلاً

غلام حسن قتیل نے "مشرب اتفِ عثمانی" کے عنوان سے مآثر الکرام اور سروِ آزاد کی تردید کی ہے۔

محمد صدیق سخنور عثمانی بلگرامی نے "تحقیق السداد فی مزلات الآزاد" میں درشت اور انتقامی لہجہ میں مآثر الکرام اور سروِ آزاد کو رد کیا ہے۔

وارستہ سیالکوٹی نے "تذکرۃ الشعراء وارستہ" یا "جنگ رنگا رنگ" میں بعض اعتراضات کئے۔

محمد باقر آگاہ نے "چہار صد ایراد بر کلامِ آزاد" میں آزاد کی شاعری اور تصانیف میں چار سو اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔

یہ اعتراضات سید آزاد بلگرامی کی عظمت کو دھندلا نہیں سکے۔ اُن کی تصانیف کی کثرت اور معلومات کی جامعیت نے اپنی اہمیت منوالی ہے۔ اور اُن کی علمی، تاریخی اور دینی خدمات نے اُن کو اپنے معاصرین سے ممتاز رکھا ہے۔ جہاں تک عربی شاعری کا تعلق ہے۔ سید آزاد برصغیر کے سب سے زیادہ پرگو شاعر ہیں۔ انہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ قصائد کے متعدد دیوان ترتیب دیئے۔ مثنوی کو عربی شاعری میں متعارف کرایا اور کامیاب مثنویاں لکھیں۔ مستزاد کی شکل راہ پر چلے اور ایک مکمل دیوان تدوین کیا۔ صنائع کا التزام کر کے شاعری کو ایک نیا حسن عطا کیا۔ اور اپنی وجاہتِ علمی سے کامیاب تجربہ کر دکھایا۔ معانی کے لحاظ سے عربی شاعری کو نیا خون مہیا کیا۔ تشبیہات و استعارات

---

[1] منتخب غلام علی آزاد البلگرامی الشفاء ص ۱۱۲ [2] حوالہ مذکور [3] دیوانِ اوّل ص ۳۶ [4] حوالہ مذکور ص ۱۶

[5] مآثر الکرام بیش لفظ از ڈاکٹر وحید قریشی ص ۲ تا ۲۲

میں جدت پیدا کی، صنائع اور بدائع کا بھاری پتھر بھی اُٹھایا۔ یہ نئے تجربات اور غیر معتاد راہیں بعض علماء کو پسند نہ آئیں کہ تاریخ نقد و ادب میں بھی روایت پرستی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ جاہلی دور میں ایسا نہ ہوا۔ اس کے بعد کسی ادیب کو مقرر راستے سے ہٹ کر چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ الغرض ہر دور میں ریاضی کے سے کلیے ادب کو پابند سلاسل کئے ہوئے رہے ہیں۔ اسی لئے تو ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) کہا تھا "ولم یقصر اللّٰہ الشعر والعلم والبلاغۃ علی زمن دون زمن، ولا خص بہ قوماً دون قوم، بل جعل ذلک مشترکاً مقسوماً بین عبادہ"[1]

آزاد پر معترضین میں بعض نامور بزرگ بھی ہیں۔ مولانا فضل حق خیرآبادی (م ۱۲۷۸ھ) نے مولانا نور الحسن (م ۱۲۸۵ھ) کو اپنا قصیدہ تائیہ ارسال کرتے وقت کہا کہ اس قصیدے کا مطالعہ کریں اور فیصلہ دیں۔ کہ ایں زبان با عربیت مناسبتے دارد یا از قبیل کلمات غلام علی آزاد است کہ حروف آن عربی است و در حقیقت آن زبان دیگر است۔[2]

مولانا کی یہ رائے یا تو تفنن طبع کی خاطر ہے یا اپنے مقام و مرتبہ کے پیش نظر کہ اُن کی اپنی عربیت چونکہ خالص عرب ماحول سے مطابقت رکھتی ہے اور عربی صمیم ہے۔ اس لئے انہیں آزاد کی جدت طرازیاں بھلی نہیں لگتیں۔

مولانا شبلی نعمانی نے خزانہ عامرہ اور ید بیضا کے مجموعوں میں انتخاب شعر کے معیار کو پست بتایا ہے اگرچہ سرو آزاد سے انہیں ایسی شکایت نہیں۔ لکھتے ہیں:

"سرو آزاد خاص شعرائے متاخرین کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ جامعیت حالات کے ساتھ یہ خصوصیت بھی رکھتا ہے کہ اس میں جو انتخابی اشعار ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے ہیں ورنہ آزاد کے متعلق یہ عام شکایت ہے کہ ان کا مذاق شاعری صحیح نہیں اور خزانہ عامرہ اور ید بیضا میں انہوں نے اساتذہ کا جو کلام انتخاباً نقل کیا ہے، اکثر ادنیٰ قسم کے اشعار ہیں"[3]

اور اُن کے اپنے اشعار کے بارے میں علامہ شبلی کی رائے ہے:

"آزاد کا عربی اور فارسی کلام اگرچہ کثرت سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے چہرۂ کمال کا داغ ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ عربی زبان کے بہت بڑے شاعر ہیں اور ادیب ہیں۔ نہایت نادر کتب ادبیہ پر اُن کی نظر ہے۔ لغات اور محاورات اُن کی زبان پر ہیں لیکن کلام میں اس قدر عجمیت ہے کہ اس کو عربی کہنا مشکل ہے۔ ان کو اس پر ناز ہے کہ انہوں نے عجم کے خیالات عربی زبان میں منتقل کئے ہیں بلکہ نکتہ سنج جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے"[4]

ڈاکٹر محمد یوسف کی رائے بھی مولانا شبلی کے قریب قریب ہے۔ کہتے ہیں:

"وہ اپنے قوسات (سبعہ سیارہ) سے زیادہ دیوانوں کے باوجود عربی ادب کی وسیع دنیا میں کوئی مقام نہ حاصل کر سکے۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے جدت طرازی کا راستہ دریافت کر لیا تھا۔ انہوں نے ہندی سے معانی و صنائع و بدائع اخذ کرکے عربی میں روشناس کرائے۔ یہ آزاد کی امتیازی شان ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ دوسروں کے لئے بھی یہ دلچسپی کا باعث ہو۔"[5]

اسی لئے اُن کا فیصلہ ہے کہ "تاہم اُن کی شہرت کا مدار جودت کی بہ نسبت کثرت پر ہی ہے"[6]

اِن بزرگوں کی آراء مستند ہیں۔ لیکن بہتر ہوگا کہ ان کا تجزیہ کر لیا جائے۔ مولانا شبلی نے آزاد بلگرامی کی عربیت کو تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے صرف اُن مضامین پر اعتراض کیا ہے جو عجم سے اٹھائے گئے ہیں۔ عجمی خیالات کا عربی پیراہن اُن کے نزدیک عیب ہے۔ مولانا کی رائے وقیع ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خیالات میں عربیت و عجمیت کی تقسیم کا کلیہ کوئی علمی حیثیت رکھتا ہے۔ خیال تو انسانیت کی مشترک متاع ہے۔ اگر اسے بھی عرب و عجم کے حوالوں سے پرکھا جانے لگا تو ذہن انسانی تنگ نائوں میں محصور ہو کر رہ جائے گا۔ خیالات پر مقامی اثرات تو ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ آزاد کی شاعری کا فخر اُن کا مدحیہ کلام ہے۔ اور مدحیہ شاعری کے مضامین ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے چنے جاتے ہیں۔ عہد صحابہ سے آج تک مدحیہ شاعری کے بنیادی جاذب ایک سے ہیں۔ آزاد نے بعض تشبیہات یا استعارات میں مقامی ماحول سے اثر ضرور لیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ مقامیت وقت کا باعث بنے اگرچہ ایسی صورت نظر نہیں آتی۔

عبدالمقصود الشلقامی اس کی گواہی دیتے ہیں۔

"لا شک ان کل ادیب صورۃ لمجتمعہ ومرآۃ لعصرہ وسجل حافل بتاریخہ وفنہ وقد کان آزاد فی شعرہ العربی مقلداً یتخذ من خیال غیرہ وتفکیرہ قدوۃ وینتقل عن احاسیس شاعر الی آخر ویتخیل انہ یتخول الا ما کان العربیۃ ویتعشق العربیات متصنعاً ولکنہ علی الرغم من ذلک کان یحس بالبیئۃ التی یحیا بینہا فجاءت مندغماً صوحاً لحۃ توضح معالمہا وتبین مستویاتہا"[7]

---

[1] الشعر والشعراء ص ۷ [2] تذکرہ اسلاف حالات مشائخ کاندھلہ ص ۱۵۲ [3] الہلال ۱۱ محرم ۱۳۳۲ھ / ۱۰ دسمبر ۱۹۱۳ء ص ۱۳ [4] مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۳۲ [5] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد دوم عربی ادب ص ۲۳ [6] حوالہ مذکورہ ص ۲۲ [7] شعر غلام علی آزاد البلگرامی ص ۲۱۸

ادیب یا شاعر کا مقامی حالات سے متاثر ہونا اُس کے زندہ ادیب ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ جس شاعر کی آنکھ بند ہو اور صرف تصور میں زندہ رہے تو نہ تو اپنے دور کا نمائندہ شاعر ہوتا ہے اور نہ ہی اُس کا ادب ترجمانِ حقیقت ہے۔ مقامی اور جغرافیائی حالات اور معاشرتی اقدار سے متاثر ہونا صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ اس کے بغیر سچا ادب تخلیق نہیں ہوتا۔ الشلقامی کو شکایت ہے کہ آزاد معنوی ماحول پیدا کرنے کیلئے کوشاں رہے ہیں۔ اُنہیں اپنے ماحول میں زندہ رہنا چاہیئے تھا۔ جبکہ مقامی ناقدین کو شکایت ہے کہ وہ عجمی اثرات کو کیوں عربی میں منتقل کر رہا ہے۔ الشلقامی فیصلہ دیتے ہیں۔

" اما آزاد فانہ لقصداق الاعجمی وجعلہ ھدفا یصیب منہ فی شعرہ العربی بل و یستخدمہ فی بدیعہ وھذا ھو موطن العیب فیہ ولکن خفف من حدہ ھذا العیب ان اعجمیاتہ اذ قلیلت بالنسبۃ لانتاجہ الضخم فانھا لن تساوی شیئا ذا اھمیۃ ولذ انستطیع ان نقول، ان آزاد علی الرغم من اعجمیاتہ بعد من کبار الشعراء فی عصرہ[1]۔

ڈاکٹر یوسف صاحب کا یہ فرمانا کہ آزاد کی شہرت کا راز کثرت کلام میں ہے۔ جودت کلام میں نہیں۔ اور یہ کہ آزاد کو عرب دنیا میں کوئی مقام حاصل نہ ہو سکا بجا بات یہ ہے کہ علمی و فنی نگارشات سے استفادہ میں علاقائی تعصب روا نہیں رکھا جاتا۔ مگر شعر و شاعری کو ہمیشہ اس تنگ نظر سے سابقہ رہا ہے۔ ایران نے خسرو سے لیکر علامہ اقبال تک جو سلوک کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ کثرت، آزاد کی شہرت کا سبب نہیں قدرے بدنامی کا باعث ہے۔ انتخاب اشعار شاعر کا اصل امتحان ہوتا ہے۔ تخلیق کے پیار ی نہیں ہوتی مگر پیشکش میں عوامی مذاق اور سامعین کے ذوق کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جب کوئی شاعر اپنی تمام تر تخلیقات کو قوم کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ تو اپنا تاثر خراب کرتا ہے۔ آزاد بلگرامی کے کلام کی کثرت نے اُن کی شہرت کو نقصان پہنچایا ہے۔ بھرتی کس شاعر میں نہیں ہوتی۔ تمام اشعار کسی شاعر کے پاس نہیں ہوتے۔ یہ تو ناقد از نظر کا کمال ہے کہ وہ اکثر کلام سے چند منتخب اشعار کو قوم کے سامنے لاتا ہے۔ پتھروں سے جواہر ریزے نکالنا ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ آزاد بلگرامی کو ایسا ہمدرد ناقد میسر نہیں آیا۔ جو اُن کے ستر ہزار سے زائد اشعار میں ایک یا دو عمدہ اور بلند پایہ دیوان مرتب کر دیتا جو اُن کی شعری عظمت کا حوالہ بنتے۔ صنائع بدائع کا الزام بھی مدح شاعری کی حد تک ناقابلِ فہم ہے۔ اور پھر یہ بھی خیال رہے کہ ادب دنیا میں ہی بدیعیات کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا اگر آزاد نے اس دوڑ میں حصہ لیا تو یہ اُن کا کوئی مقام نہیں۔ اصل بات جو آزاد کے کلام میں کھٹکتی ہے۔۔ اُن کا برصغیر کے بارے میں شدید ترین حسنِ ظن ہے۔ اور عقیدت کی حد تک ذہنی تعلق ہے۔ انہوں نے برصغیر کی عظمت ثابت کرنے کیلئے "استخراجات و استنباطات کے بہت سے مرحلے طے کئے"۔ وطنِ مالوف سے محبت اُنہیں مجبور کرتی ہے۔ کہ عربی شعر میں ہندی مظاہر کو جگہ دیں۔ یہ اُن کی علاقائی مجبوری بھی جا سکتی ہے۔

مولوی مرتضیٰ مدراسی حیدر آبادی کی رائے ہے کہ آزاد اور باقر آگاہ کی عربی تحریر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ کی عربی تحریر سے پست ہے۔ اور اس سے عربی ادب میں کوئی اضافہ نہیں ہوا[2]۔

یہ تقابلی جائزہ بھی خوب ہے کہ آزاد اور باقر آگاہ کی عربی تحریروں کا مقابلہ حجۃ اللہ البالغہ سے کیا جا رہا ہے جو اس دور کی ہی نہیں برصغیر کی پوری تاریخ میں ہر کے کی ایک کتاب ہے۔ ایک غیر فانی تصنیف کو معیار بنا کر دیگر تصانیف کو رد کر دینا تاریخِ ادب میں بہت مہنگا سودا ہے۔ وگرنہ ابوالطیب المتنبی کے ارد گرد کوئی شاعر نہ بچے گا۔

اِن معترضین کے برعکس کثیر تعداد اُن بلند پایہ اصحاب کی بھی ہے جنہوں نے آزاد کی شعری عظمت کو سلام کیا ہے۔ اور اُن کی عربی شاعری کو موجبِ فخر گردانا ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے بہر حال عدم مقبولیت کا جواز پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بعض خارجی عوامل یعنی عدم اتصال، مقامی عصبیت اور علاقائی تنگی کی وجہ سے آزاد کی شاعری اپنا حق حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ وگرنہ فی نفسہٖ اس میں کوئی خامی یا کوتاہی نہ تھی[3]۔

نواب صدیق حسن خان کا خیال ہے " ولا یعرف لاحد من علماء الہند من یکون لہ الشعر العربی بھذہ الکثرۃ والمتانۃ[4]"
بالفاظ دیگر "ہیچ شاعری قبل ایشان این چنان نظم نکردہ وہرگز از اہل ہند ساعت نرسیدہ کہ او رایک دیوان عربی باشد تا ہفت دیوان چہ رسد[5]"
علامہ حسنی کہتے ہیں "انہ حسان الہند ومداح النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوجد فی مدحہ کثیرۃ نادرۃ لم یتفق مثلھا لاحد من الشعراء المفلقین وابدع فی قصائدہ المدحیۃ معنیً الصالم یبلغ مداھا فوارس العضحاء المتقدمین[6]"
آزاد کی یہ مدحیہ شاعری میں عظمت ہی تھی کہ اُنہیں "حسان الہند" کا خطاب دیا گیا۔
آزاد کے تمام تذکرہ نگار اُنہیں حسان الہند کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ جیسے

---

[1] الشلقامی، آزاد البلگرامی ص ۱۸۶ [2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ا ص ۱۰۹ [3] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۹۵
[4] ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۹۲۲ [5] اتحاف النبلاء ص ۴۳۱ [6] نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۲۰۵

نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں "وأعطی لقب حسان الہند من جهة الاستاذ"[1]، اور مزید یہ کہ "وی حسان الهند است"[2]
فقیر محمد جہلمی کہتے ہیں "حسان الہند لقب اور آزاد تخلص تھا"[3] مولوی رحمان علی نے لکھا "حسان الہند غلام علی آزاد"[4]، ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں،
"غلام علی آزاد کو بجا طور پر حسان الہند کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے"[5]۔
الزرکلی بھی حسان الہند کہہ کر تعارف کراتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں "ولم ینظم قبلہ فی شعراء الہند من لہ دیوان عربی مثلہ"[6]
ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حسان الہند کا لقب اُن کے لئے مخصوص ہے۔ مگر یہ لقب اُنہیں کیسے ملا اس کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔
"دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں آپ کے قصیدہ مدحیہ پر علمائے مکہ معظمہ نے آپ کو حسان الہند کا خطاب دیا۔[7]
ڈاکٹر عبدالوحید قریشی کہتے ہیں "وہ اُن کی زندگی میں اُنہیں حسان الہند کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا"[8] ڈاکٹر الشلقانی نے ان آراء کا محاسبہ کیا ہے۔
دائرہ معارف اسلامیہ کی روایت کی تردید کی ہے۔ کہ انہوں نے سبحۃ سیارہ کے مختلف نسخے دیکھے ہیں کسی میں اس لقب کی نشاندہی نہیں ہوتی۔ آخر پر لکھا۔
"وإننا مع احترامنا لتقدیرنا للکاتب مقالة آزاد فی الدائرة المذکورة نکاد نجزم بأنه لم یوف السبحة السیارة"[9]
اما کیف یسوغ لہ ضمیرہ وأمانتہ العلمیة أن یذکر موضوعا لم یطلع علیہ[10] - الشلقانی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ آزاد کو یہ لقب اُن کی زندگی میں نہیں دیا گیا "وقد صحبنا وعشنا معہ فلم نعثر علی اثر لهذا اللقب فی مصنفاته واشعاره مما یجعلنا نجزم بانه لم یلقب بهذا اللقب الا بعد مماته من جهة تلامیذه والمعجبین به"[11]
الشلقانی کو صرف یہ اصرار ہے کہ یہ لقب زندگی میں نہ ملا تھا لیکن اُن کے حسان الہند پکارے جانے پر اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ اُن کی رائے ہے۔

> لم یوجد فی شعراء الھند الی الآن من لہ انتاج مثل أنتاج آزاد لا
> فی الغزل ولا فی المدیح النبوی وکما دافع حسان بن ثابت عن الرسالة
> وصاحبها "علیه التحیة والسلام" فان آزاد اقتفی اثره فی المدح وحاول
> وان لم یبلغ مبلغه، فاذا ما نظرنا الی النسبة فی هذا اللقب امکن
> لنا أن نقبله بدون اعتراض[11]

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حسان الہند کا لقب آزاد کا حق ہے، متنازعہ فیہ امر یہ ہے کہ یہ لقب اُنہیں زندگی میں ملا تھا یا بعد میں، درج بالا بحث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ لقب اُن کی زندگی کے بعد کسی عقیدتمند نے اُن کے نام کے ساتھ ملحق کر دیا، ڈاکٹر الشلقانی نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ لقب اُن کی کسی تحریر میں موجود نہیں اور نہ ہی اُن کی زندگی میں اس کا کوئی حوالہ دستیاب ہے، حالانکہ دائرہ معارف کے فاضل مقالہ نگار کی طرح خود الشلقانی کا دعویٰ بھی عدم معلومات کی وجہ سے ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لقب اُنہیں زندگی میں ہی مل چکا تھا اور اُنہیں اس پر فخر و ناز تھا آزاد کا شعر ہے

> چوں مدحِ رسول کام من شد
> حسان الہند نام من شد[12]

الغرض سید آزاد بلگرامی برصغیر کی عربی نعتیہ شاعری کے وہ گل سر سبد ہیں کہ جن کو برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا عربی شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔"

---

[1] ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۹۲۲ [2] اتحاف النبلاء ص ۳۳۱ [3] حدائق الحنفیہ ص ۴۷۲ [4] تذکرہ علماء ہند ص ۳۶۲
[5] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۱۱ [6] الأعلام الجزء الخامس ص ۳۱۴ [7] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۱۰۵
[8] ماثر الکرام پیش لفظ ص ۱۹ ، [9] شعر غلام علی آزاد البلگرامی فی العربیة الشلقانی ص ۲۹ [10] حوالہ مذکورہ ص ۲۸
[11] حوالہ مذکورہ ص ۲۹ ، [12] خزانہ عامرہ ص ۴ ، ماثر الکرام مقدمہ ص ۵۶

"المدائح النبویۃ فی باکستان وھند"

برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری

"الباب السابع"

المدائح النبویہ — برصغیر پاک وہند میں

- دورِ جدید

- عصرِ حاضر

(۱۲۷۵ھ/۱۸۰۸ء تا حال)

دورِ جدید (۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء تا حال)

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) سے سلطنتِ مغلیہ پسپائی کے عمل سے گزر رہی تھی۔ کمزور حکمران، صلاحیت سے بیزار اقتدار کی خواہش، امرائے سلطنت کی خود غرضی و بے وفائی اور باہمی عدم اعتماد نے حکومت کو شل کر دیا تھا۔ بادشاہ ایک جسدِ بے جان تھا مرہٹوں اور سکھوں کی ستیزہ کاریوں نے ملکی وحدت میں شگاف ڈال دیے تھے۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے تختِ دہلی سے منسوب ہیبت کا تصور بھی ختم ہو گیا تھا۔ انگریز بظاہر تجارتی مقاصد کیلئے ایک کمپنی کا لیبل لگائے برصغیر میں مغل حکمرانوں سے مراعات کی بھیک مانگ کر داخل ہوئے تھے مگر ان کے عزائم سیاسی تھے اس لئے وہ سلطنتِ مغلیہ کے خلاف سازشوں میں شریک رہے اور مغل اقتدار کا ضعف چاہتے رہے۔ بنگال سے انہوں نے قدم جمانے شروع کئے۔ ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء میں بکسر کے مقام پر انگریزوں کی کامیابی دراصل برصغیر کی غلامی کی خشتِ اول تھی۔ وہ بتدریج تختِ دہلی کی طرف بڑھ رہے تھے آخر ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء کو انگریز دہلی میں داخل ہو گئے۔ بادشاہت پامال ہو گئی مگر ابھی نئی غلامی کو مستحکم کرنا مقصود تھا اس لئے مغلیہ حکمرانوں کو محکوموں کی اشک شوئی کیلئے برقرار رکھا گیا۔ مگر مغل بادشاہوں کی حکمرانی صرف لال قلعہ کی مضبوط دیواروں کے اندر محبوس تھی۔ اقتدار اب انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔ جن لوگوں نے مسلم اقتدار کے سورج کو یوں بالاقساط ڈوبتے دیکھا تھا۔ ان کے دل میں ایک پھانس اٹک کر رہ گئی تھی۔ گردنیں جھک گئی تھیں مگر دل ابھی تک سجدۂ تسلیم کیلئے آمادہ نہ تھے۔ اس لئے کسی موقعہ کی تلاش میں تھے کہ ان سفید فام غاصبوں سے جان چھڑائی جائے۔ ہندو بھی غیر مطمئن تھا کہ وہ مسلم اقتدار کے زوال میں راج تلاش کر رہا تھا۔ مرہٹے تباہی کے باوجود ایک مضبوط قوت تھے علاقائی حکمران مرکز گریز پالیسی میں خود مختاری کے خواب دیکھ رہے تھے۔ خواہشات کے ان بوقلموں پیکروں نے جب انگریزی استعمار کو مستحکم ہوتے دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ نفرت کا ایک لاوا تھا جو اندر ہی اندر سلگنے لگا اور پھوٹ پڑنے کا خود تلاش کرنے لگا۔ انگریز کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ مگر وہ اس گرفت کا دوام چاہتے تھے۔ اس لئے غلاموں کو غلامی کا خوگر بنانے کیلئے تدبیریں کرنے لگے۔ عزتِ نفس کو خاک آلود کرنے کیلئے کئی ہتھکنڈے آزمائے گئے۔ مسلمان نواب ہوں یا ہندو راجے انہیں یہ باور کرایا گیا کہ اب وہ غلام ہیں۔ اور غلاموں کو عزت کے معنی بھول جانے چاہئیں۔ ہر معاملے میں دخل اندازی یہاں تک کہ شادی بیاہ کے فیصلوں میں سرکارِ انگلشیہ کی منظوری ضروری قرار پائی تھی۔ دینی معاملوں میں دخل اندازی شروع ہوئی۔ تعلیمی دنیا کی ہیئت بدل گئی۔ عربی جو مسلمانوں کی مقدس مذہبی زبان تھی اور فارسی جو برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیبی زبان تھی، نظر انداز کر دی گئیں۔ غرضیکہ انحطاط، بے حسی اور غلامی ہر طرح مسلط ہو گئی تھی۔

برصغیر نو گرفتار تھا اور اسے ماضی مرحوم کی یاد بھی تازہ تھی چنانچہ غیر ملکی استعمار کے خلاف ایک لہر اٹھی جسے ہم تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء کا نام دیتے ہیں ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے اسباب مذہبی بھی تھے، سیاسی بھی اور معاشرتی بھی اگرچہ اس کا فوری سبب یہ افواہ تھی کہ بندوق کے کارتوسوں پر سور یا گائے کی چربی ملی گئی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان بھی بدمزہ ہوں اور ہندو بھی۔ اصل صورت حال یہ تھی کہ جذبات دبے ہوئے تھے اور نفرت شدید ہو رہی تھی یہ جذبات کوئی راستہ چاہتے تھے تاکہ ان کا بہاؤ فوری بھی ہو اور منہ زور بھی۔ بات فوجی چھاؤنی میرٹھ سے چلی اور برصغیر کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ کلکتہ کی چھاؤنی سے بغاوت کے شعلے اٹھے جنہوں نے لکھنؤ، مراد آباد، آگرہ، کانپور، بنارس، فرخ آباد، شاہجہان آباد، بدایوں، بریلی، پٹنہ، سہارنپور، دہلی اور کئی اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تصادم پیدا ہوا۔ قتل و غارت تک نوبت آ گئی۔ مجاہدین سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان میں اترے تھے۔ انگریزوں نے بھی ردِ عمل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مکارانہ چال، انتقامی انداز اور سازشوں کا طریق اپنایا گیا۔ مجاہدین نے دہلی پر یلغار کر کے بہادر شاہ ظفر کو قلعہ کی فصیلوں سے دہائی دلائی اور تختِ دہلی پر لا بٹھایا۔ چند ماہ تک یہ جوش و خروش برقرار رہا۔ قریہ قریہ اور شہر شہر کہرام ہوا۔ مگر بدقسمتی سے کامیابی مقدر نہ تھی۔ انگریزوں نے بعض مقامی طالع آزماؤں کے سہارے پورے قابو پا لیا۔ اب انہوں نے تختِ دہلی پر کسی کٹھ پتلی حکمران کی موجودگی کا تکلف بھی ختم کر دیا اور برصغیر انگریزی استعمار کی

مکمل گرفت میں آگیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جو فتحِ ہند کے خفیہ منصوبے کے ساتھ انگریزی سازش کا نیز فوجی الحاد تھی ختم کردی گئی اور برصغیر پاک و ہند کو تاجِ برطانیہ کے ماتحت کرکے اس کی غلامی پر مہر لگادی گئی۔

انگریزوں نے اس تحریکِ آزادی کے شرکاء کے ساتھ اور خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا۔ پھانسی تو معمول تھا کہ سرکردہ افراد سے لے کر بچوں تک کو ایک ہی گھاٹ اتارا جاتا تھا مثلاً بنارس اور الہ آباد کا ایک دلخراش واقعہ ہے کہ "ایک موقع پر چند نوجوان لڑکوں کو محض اس بنا پر پھانسی کی سزا دی گئی کہ انہوں نے غالباً تفننِ طبع کے طور پر باغیوں کی جھنڈیاں اٹھائے ہوئے بازاروں میں منادی کی تھی۔ سزائے موت دینے والی عدالت کے ایک افسر نے پرنم آنکھوں سے کمانڈنگ افسر کے پاس جاکر درخواست کی کہ ان نابالغ مجرموں پر رحم کرکے پھانسی کی سزا کو تبدیل کردیا جائے لیکن بے سود۔ پھانسی دیتے وقت عام طور پر آم کے درخت اور ہاتھی کو استعمال کیا کرتے تھے یعنی ملزم کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لے جاتے تھے اور اوپر سے رسہ ڈال کر ہاتھی کو ہٹا لیا جاتا تھا یہاں تک کہ ملزم اس طرح تڑپنے اور جانکنی کی حالت میں اکثر اوقات انگریزی کے آٹھ '8' ہندسے کی دلچسپ شکل بن کے رہ جاتا تھا"[1]۔

بے شمار کارکن اور رہنما قیدی جانگداز کالی کوٹھڑیوں میں دھکیل دیئے گئے جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے دن پورے کئے۔ کالے پانی کی سزائیں ملیں۔ تختۂ دار پر متعدد علماء تک کو لٹکا دیا گیا جیسے مولانا کفایت علی کافی کو ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ مطابق ۳۰ اپریل ۱۸۵۷ء کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا[2]۔ مسلمانوں کی حالتِ زار دیدنی تھی۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم کی کتاب "بیگمات کے آنسو" کا ہر ہر حرف رو رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے اسباب متعدد ہیں۔ مثلاً

۱۔ یہ کوئی منظم تحریک نہ تھی۔ مختلف گروہوں میں کامل اتحاد نہ تھا۔ باہمی مشاورت کے بغیر اور ایک رہنما کی قیادت نہ ہونے کی وجہ سے تمام فیصلے وقتی ضرورت اور مقامی احتیاج کے مطابق کیے جاتے تھے۔

۲۔ ہندو اس تحریک میں شریک تھا مگر اس کی دلچسپیاں مختلف تھیں۔ وہ اپنے اقتدار کا خواب دیکھ رہا تھا اور جب اسے تحریک کے راہنماؤں کے تیور اور تاج دہلی کی بحالی کا احساس ہوا تو اس کی مشارکت کی قوت میں شگاف پڑ گئے۔

۳۔ یورپ صنعتی ترقی کی راہ پر چل نکلا تھا اور ایجادات نے ان کی قوتِ مدافعت مضبوط بنادی تھی۔ برصغیر کے مجاہدین پر انہیں عسکری برتری حاصل تھی کہ وہ فنونِ حرب و ضرب کے نئے انداز سے آشنا ہو چکے تھے۔

۴۔ سب سے بڑی وجہ بہت سے علاقوں کی عدم شراکت تھی۔ یہ تحریک زیادہ تر شمالی اور وسطی ہند میں مضبوط بنیادوں پر جاری رہی برصغیر کے باقی علاقے تماشائی بنے رہے۔ جبکہ بعض بیسیوں گروہ اور افراد تھے جو انگریز کا ساتھ دے رہے تھے۔

ان حالات میں یہ تحریکِ آزادی اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب نہ ہو سکی بلکہ انگریزی اقتدار مزید مستحکم ہوا۔ اب بالمقابل تصادم کا موقع نہ تھا اس لئے طویل المیعاد منصوبے بننے لگے۔ آزادی کی تمنا جو تحریک میں شعلۂ جوالہ بن گئی تھی احساسات میں ڈھلنے لگی۔ جوش پر ہوش کی قوتیں غالب آئیں۔ جہاد بالسیف کی بجائے جہاد بالقلم کا آغاز ہوا۔ برصغیر کے طول و عرض میں یہ احساس پختہ ہوتا گیا کہ اس سفید فام قوم سے نجات حاصل کرنے کیلئے آئینی اور قانونی جدوجہد کی ضرورت ہے اور اس کے لئے مضبوط بنیادوں پر تیاری درکار ہے۔ چنانچہ علمی تعلیمی اور معاشرتی سطح پر مہم کا آغاز ہوا تو سیاسی سطح پر بھی افہام و تفہیم کے مواقع پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۵ء کو کانگریس برصغیر کے تمام مذہبی حلقوں کی نمائندہ سیاسی جماعت کے طور پر معرضِ وجود میں آئی۔ مسلمانوں نے اس اعلان کا خیر مقدم کیا اور وہ ابتداء ہی سے شریک ہوگئے۔ چند سالوں کی رفاقت کے بعد انہیں کانگریس کی نمائندہ حیثیت پر اعتماد ختم ہونے لگا۔ اور بالآخر ہندو مسلم سیاست کی راہیں مختلف ہوگئیں۔ ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا جو مسلمان قوم کیلئے مضبوط سیاسی پلیٹ فارم ثابت ہوا۔ مسلم لیگ کا مرکزی نقطہ تحفظِ حقوقِ ملت تھا۔ اس لئے بعض ترامیم اور مراعات کا مطالبہ ہوا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی مسلم لیگ میں شمولیت سے مطالبات میں پختگی آگئی۔ ۱۹۱۶ء کا میثاقِ لکھنؤ

---

(۱) انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ۔ شیخ حسام الدین (۲) Kaye. Book V Chapter — ULEMA IN POLITICS BY آئی۔ ایچ قریشی ص ۲۰۹

تحفظِ ملت کی طرف پہلا قدم تھا۔ ۱۹۲۹ء میں سیاسی مسائل کے حل کیلئے قائداعظم کے ۱۴ نکات مزید پیش رفت تھی۔ ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد کے مقام پر علامہ اقبال کا خطبہ تشخصِ ملت کا منشور ثابت ہوا۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ انگریز سیاسی طور پر کمزور ہو گئے۔ اس لئے برصغیر کیلئے مراعات اور اپنے مطالبات کو حتمی شکل دینے کا موقع ملا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء/ ۱۳ صفر ۱۳۵۹ھ کو قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ اور صرف سات سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء / ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو پاکستان بن گیا۔

۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ء) سے ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) تک کے ۹۰ سال بڑے صبر آزما تھے۔ تحریک آزادی میں بظاہر تو پورے برصغیر کے تمام مذاہب کے افراد شامل تھے مگر انگریزی نقطہ نظر سے یہ آگ مسلمانوں کی لگائی ہوئی تھی۔ یورپ کے عیسائی معاشرے کے خلاف معاندانہ جذبات رکھتے تھے۔ بدقسمتی سے عیسائی پادریوں نے آنحضرت ﷺ کے جانثاروں کی ایسی تصویر کشی کی تھی اور واقعات کو من پسند مطالب کے اظہار کیلئے اس قدر غلط انداز میں پیش کیا تھا کہ یورپ کی فضا اسلام کے خلاف مسموم ہو چکی تھی۔ صلیبی تصادم کی آڑ میں ایک بڑی مسئلے کو عوام کیلئے بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا اس لئے نفرت کے جذبات اور شدید ہو چکے تھے۔ یورپ کی فضا میں ترکی سلطنت کی خلافت کو بھی اسلام دشمنی کیلئے ایک اور وجہ بنایا گیا۔ ان حالات میں انگریز جب برصغیر آیا تو نفرت اسے وراثت میں ملی تھی۔ برصغیر میں حکمرانی مسلمانوں کے پاس تھی اس لئے انگریز کا براہ راست تصادم مسلمانوں سے ہوا تھا۔ مجاہدین کی صفوں میں بھی جوش و ولولہ مسلمانوں کے شوقِ جہاد کا مظہر تھا۔ یہ مختلف اسباب تھے جن کی وجہ سے انگریز نے ۱۸۵۷ء کے بعد مسلم دشمنی میں بڑا انہماک دکھایا۔ مسلمان ان کی چالوں کو سمجھ چکے تھے اور دل ہی دل میں کڑھتے تھے مگر حالات ساز گار نہ تھے۔ انہی دنوں انگریز نے انگریزی تعلیم کی آڑ میں مسلم تہذیب و ثقافت کو داغدار کرنے کی مہم شروع کر دی تھی۔ تشکیک کے تیر اور بے دینی کا زہر اس طرح جسدِ اسلامی میں داخل کیا جا رہا تھا کہ بعض اکابرین تک اس کی زہرسامانی کا اندازہ نہ کر سکے۔ نیچریت کی تحریک، فتنہ انکارِ حدیث کا شوشہ اسی پروگرام کا حصہ تھا اور ظالم آزماؤں اور فریب خوردہ ذہنوں کی پیداوار تھا ان سب سے خطرناک فرقوی احمد قادیانی متنبی کی شکل میں رونما ہوا۔ مرزا غلام احمد نے ۱۸۸۹ء کو مجددیت کا، ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا اور ۱۹۰۰ء میں نبوت کا اعلان کیا۔ یہ برطانوی استعمار کی ایک خود کاشتہ آکاس بیل تھی جو نخلِ اسلام کی تباہی کیلئے پروان چڑھائی گئی۔ مسلمان مضطرب تھے کہ سیاست سے مذہبیت تک اور معاشرت سے معاشیات تک ان کے گرد حصار تنگ کیا جا رہا تھا۔ ان نامساعد حالات میں قومی درد مند اصحاب نے حفاظتِ دین اور تحفظِ ملت کا بیڑا اٹھایا اور دو مختلف گروہ میدانِ عمل میں نکلے۔ مقصد تو شاید اس قدر متفاوت نہ تھا۔ مگر طریقِ کار میں بظاہر بہت بعد تھا۔ ان گروہوں نے مزاحمت کی قوت مضبوط بنانے کیلئے دو محاذوں پر کام کیا۔

۱۔ تحفظِ ملت ان کیلئے تھا کہ قوم کا دینی رشتہ اپنے شاندار ماضی سے استوار رہے اور وحدتِ ملی کا تصور دھندلا نہ ہو اور تہذیبِ ملت مسلمان کا وجود برقرار رہے۔ مدارس کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ یہ مدارس ہمارے تہذیبی مظہر تھے۔ یہ ملت اسلامیہ کی عافیت گاہیں اور تعلیماتِ اسلامیہ کے جزیرے تھے۔ ان میں دارالعلوم دیوبند، جامعہ مظاہر اسلام بریلی، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے علاوہ متعدد ادارے شامل تھے۔ علماء اسلام شہر بشہر پھیل گئے، قریہ قریہ ادارے قائم کئے اور ہر ممکن کوشش کی کہ اسلامی تعلیمات کی روایت زندہ رہے اور ماضی کا سرمایہ آئندہ نسلوں کو منتقل ہوتا رہے۔ ان اداروں میں قرآن و حدیث کی تعلیم و اشاعت اور اسلامی روایات کے تحفظ کے علاوہ مسلمانوں کو ان کے وجود کا احساس دلایا جاتا رہا اور اس طرح خاموش سیاسی خدمت بھی ہوتی رہی۔

۲۔ دوسرا محاذ جدید علوم کے حصول کیلئے مسلمان طلبہ کو مواقع فراہم کرنا تھا تاکہ وہ جدید علوم سے مسلح ہو کر زیادہ قوت کے ساتھ نئے دور کے تقاضوں کا ساتھ بھی دے سکیں اور قوم مسلم کی راہنمائی بھی کر سکیں۔ اس میں علیگڑھ کالج، انجمن حمایتِ اسلام کے ادارے، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، اسلامیہ کالج پشاور، سندھ مدرسہ کراچی اور کئی دوسرے ادارے شامل تھے۔

یہ ہر دو محاذ مسلمانوں کی دین و دنیا میں فلاح و کامرانی کیلئے کوشاں رہے اور ان کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ علماء کو عقائد و نظریات کا تحفظ بھی کرنا تھا اور نئے مسائل کے حل کیلئے اسلامی تعلیمات کے مطابق راہنمائی بھی مہیا کرنا تھی۔ تاریخ اکابر کا سرسری سا جائزہ یہ حقیقت واضح کر دیتا ہے کہ غلامی کے ادوار میں بھی علماء حق نورِ ہدایت کا مینار بنے رہے اور سیاسی گھٹن اور معاشی بدحالی کے

باوجود قوم کی راہبری کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ انہوں نے اگرچہ مادی زندگی کی ہماہمی سے الگ اپنے ادارے قائم کر لئے تھے کہ وہاں وہ پرسکون ماحول میں طلبہ کی تربیت کر سکیں گے مگر ان کی نظریں ہمیشہ ملکی حالات اور سیاسی کوائف پر بھی رہتی تھیں۔ آزادی کی تحریک ہو یا تحریک پاکستان علمائے وقت نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اور اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قوم کو قابل اعتماد رہنمائی مہیا کی ہے۔

یہ تھا ماحول جس میں دینی علوم اور عربی ادب کا جائزہ ہمارے پیش نظر ہے۔ غلامی کے دور میں جبکہ دین سے نفرت پیدا کرنے کی حکومتی سطح پر کوشش ہو رہی تھی عربی ادب کیلئے موافق فضا کیسے قائم ہو سکتی تھی۔ اس لئے کہ عربی علوم سے براہ راست واقفیت حاصل ہو جائے تو دجل و فریب کی شیطانی قوتوں کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ انگریز عربی زبان و ادب کی اس حیثیت سے آگاہ تھا اس لئے بتدریج قوم کو اس سے دور رکھنے کی سعی کی گئی۔ ایک غلط تاثر ابھارا گیا کہ عربی مشکل ترین زبان ہے اور عام طالب علم کے بس میں اس کا حصول نہیں ہے۔ اس پروپیگنڈہ میں بعض سادہ لوح مسلمان بھی شریک تھے اور اساتذہ بھی۔ حالانکہ یہ بھی بات تھی کہ وہ دین جو کائنات کو مخاطب کرنے کا مدعی تھا اپنی تعلیمات کو ایسی زبان میں کیسے پیش کر سکتا تھا جو عوام الناس کی سطح ذہنی سے بالا ہو۔ عام لوگوں کا رجحان سے عربی پسپا ہوتی رہی، اور مدارس نظامیہ میں مقررہ نصاب کیلئے اسے وقف رکھا گیا اور اسے ایک زندہ زبان کی حیثیت نہ دی گئی۔ لیکن قدرت نے اس کمی کا ازالہ اس طرح کیا کہ دور غلامی کی خلش کے اظہار کیلئے جب دربار رسالت مآب کو مرکز توجہ بنایا گیا تو عربی زبان اظہار کا ذریعہ بنی کہ یہ عربی ہم سے نسبت کلام قائم رہے۔ "المدائح النبویۃ" کے جائزے سے قبل مناسب ہوگا کہ ان چند علماء کا مختصر تعارف کرا دیا جائے جو ان نامساعد حالات میں بھی قوم کی رہنمائی کیلئے اپنے آپ کو وقف کئے رہے اور ان میں سے بعض نے عربی ادب میں بھی خدمات انجام دیں۔

مولانا کفایت علی کافی (م ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے شہداء میں سے ہیں۔ خاندان سادات میں سے تھے۔ مراد آباد کے مقتدر علماء میں شمار ہوتا تھا۔ جب نواب مجو خان کو مراد آباد جیل کی ملازمین توڑ کر رہا کرا لیا گیا اور مجاہدین نے اسے حاکم مراد مقرر کیا تو مولانا کفایت علی کافی صدر شریعت مقرر ہوئے تھے۔ جہاد کی روح پھونکنے کیلئے مساجد میں وعظ کرتے اور نشر و اشاعت کا کام بھی کرتے۔ فتوی جہاد کی نقول دوسرے مقامات پر پہنچانے میں بہت کام کیا۔ مخبری پر مولانا گرفتار ہوئے اور مراد آباد جیل کے پاس مجمع عام کے سامنے پھانسی دے دی گئی۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں شمائل ترمذی کا ترجمہ شامل ہے اردو نظم میں کافی دسترس تھی[1]

مولانا احمد سعید مجددی دہلوی (م ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء) شاہ غلام علی دہلوی کے مرید اور دہلی کے مقتدر عالم جو فتوی جہاد کے اول محرک اور دستخط کنندہ تھے۔ حالات سنگین ہوئے تو افغانستان کے راستے حرمین چلے گئے اور مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی۔ وہیں وفات پائی۔ حضرت عثمان رض کے مرقد مبارک کے متصل جانب قبلہ دفن ہوئے۔ خلفاء میں مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا ارشاد حسین مجددی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور کئی دیگر علماء شامل ہیں[2]

مولانا محمد نور الحسن کاندھلوی (م ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے پوتے تھے اور انہیں کے زیر سایہ تعلیم پائی۔ اساتذہ میں شاہ محمد اسحاق محدث، مولانا فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدر الدین آزردہ تھے۔ سرکاری ملازمت میں رہے مگر طبیعت نباہ نہ کر سکی اور استعفاء دے دیا۔ آگرہ کالج میں عربی کی پروفیسری اختیار کی۔ یہاں ہی سر سید احمد خاں نے ان سے شرف تلمذ پایا۔ شاگردوں میں سر سید کے علاوہ مولانا کے صاحبزادے اور مولانا مملوک علی، مولانا عبد الحق خیر آبادی، مولانا احمد حسن مراد آبادی اور مولانا محمد سورتی شامل ہیں۔ عربی ادب میں اس قدر دسترس حاصل تھی کہ مولانا فضل حق جب بھی کوئی قصیدہ لکھتے تو ان کو ضرور روانہ کرتے اور ان کی رائے پوچھتے۔[3] مولانا احمد اللہ شاہ جو تحریک آزادی کے سربر آوردہ رہنماؤں میں تھے نے جو مجلس مشاورت دہلی میں منعقد کی تھی اس میں مولانا نور الحسن کا نام درج تھا۔ سر سید احمد خاں نے تذکرہ اہل دہلی میں بڑی محبت سے ذکر کیا ہے[4]

[1] ماہنامہ شام و سحر نعت نمبر ص: ۳۰ تا ۳۲ [2] اثبات المولد والقیام ص ۱۹ [3] تذکرہ اسلاف [illegible] ص ۱۳۱
[4] تذکرہ اہل دہلی ص ۹۲، ۹۷

سید اعجاز حسین کنتوری (م ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء) لکھنو کے علمی گھرانے سے تعلق تھا۔ کشف الحجب والاستار، شذور العقیان فی تراجم الاعیان، رسالہ مناظرہ مع مولوی بابان محمد لاہوری، المعقول المسدید، رسالہ فی احوال میرزا محمد الدہلوی، مشہور تالیفات ہیں[1]

شاہ عبدالغنی دہلوی (م ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء) برصغیر میں دوا ثت حدیث کی سند تھی۔ مجدد الف ثانیؒ کی نسل سے تھے۔ حرمین ہجرت فرما گئے اور مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ سنن ابن ماجہ کا ایک ذیل لکھا، جس کا نام انجاح الحاجۃ ہے[2]

صاحبزادہ محمد علی عباس خان اسلام (م ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء) رامپوری، سورہ یوسف کی بے نقط عربی میں تفسیر لکھی۔ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا[3]

مولوی نجف علی جھجری م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء اپنے دور کے فضلا میں سے تھے۔ عربی ادب سے گہرا شغف تھا۔ کامل الاسعاد شرح قصیدہ بانت سعاد، تکملہ فاروقی (بحر متقارب میں پچاس ہزار سے زائد اشعار) سحر الکلام (عربی زبان میں بے نقط عبارت میں مقامات حریری کی شرح) تفسیر غریب، شرح دیوان متنبی، شرح حماسہ اور کئی رسائل تصنیف کیے[4]

احمد علی سورتی م ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء سورت کے رہنے والے تھے۔ فاضل غنی کا لقب پایا۔ نسلہ جوہر فی المولد النبوی، شرح العقائد المنتخبات من دیوان ابن ہانی الاندلسی، تصنیفات ہیں۔ علم نجوم پر ایک کتاب لکھی جس کے سو صفحات ہیں اور پوری عبارت میں الف استعمال نہیں کیا[6]

مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) شیخ قطب الدین سہالوی کی اولاد میں سے علمائے فرنگی محل میں نامور عالم تھے۔ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ شیخ احمد مکی، مفتی محمد عبداللہ حنبلی، شیخ محمد العربی اور شیخ عبدالغنی دہلوی سے سند حدیث لی۔ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان میں التبیان شرح المیزان، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، عمدۃ الرعایۃ (شرح وقایہ کا حاشیہ) مقدمۃ الہدایۃ (ہدایہ کا مقدمہ) اور متعدد کتب جو ان کے فقہی ذوق کی نشاندہی کرتی ہیں[7]

مفتی غلام سرور لاہوری (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) لاہور کے صاحب قلم عالم جن کی تقریباً بیس کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ ان میں مشہور خزینۃ الاصفیا (فارسی) حدیقۃ الاولیا، جامع اللغات، لغات سروری، مدینۃ الاولیا اور ان کے نعتیہ دواوین ہیں۔ حج پر گئے تھے کہ مضافات بغداد میں انتقال ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے[8]

مولانا محمد احسن نانوتوی (م ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء) نانوتہ کے مشہور عالم، بریلی اور علی گڑھ میں ملازم رہے۔ بریلی میں مطبع صدیقی قائم کیا اور بہت سی ضروری کتب طبع کرائیں۔ مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین، احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق، تحفہ ... ترجمۃ الدر المختار اور احسن البضاعۃ مسائل الرضاعۃ اور چند دوسری کتب کے مولف تھے۔ حجۃ اللہ البالغۃ کو ۱۲۸۶ھ میں پہلی بار شائع کیا اور قطعہ تاریخ لکھا جس میں کہتے ہیں

احمد اللہ نافی الاضطرار ۔ معطی المعلم معلی الافکار
واصلی علی النبی الہادی ۔ سید الخلق احمد المختار[9]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) سلسلہ نسب حضرت ابراہیم ادہم سے ملتا ہے۔ فاروقی النسب اور حنفی المذہب تھے۔ ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ بمقام نانوتہ پیدا ہوئے۔ دہلی میں درسیات کی تکمیل کی۔ حرمین ہجرت فرما گئے اس لئے مہاجر مکی کہلائے۔ جذب اعلیٰ میں تحریر ہے۔ اردو شعر کا ذوق تھا۔ جس میں عربی مصرعے بھی لے آتے ہیں[10]

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۰۱، ۲۰۲ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۰ (۳) تذکرہ کاملان رام پور ص ۲۶۱ (۴) تذکرہ علمائے ہند ص ۵۱۵، ۵۱۶ (۵) الاعلام جزء الاول ص ۱۲۶ معجم المؤلفین الجزء الاول ص ۳۱۲ (۶) الاعلام الجزء الاول ص ۱۲۶ (۷) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۰۱، ۲۰۲ (۸) بزرگان لاہور و غلام دستگیر ص ۲۰۷ تا ۲۲۰ (۹) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۲۰۶، ۲۰۷، مولانا محمد احسن نانوتوی ایوب قادری ص ۲۲ تا ۱۲۵ (۱۰) تاریخ مشائخ چشت مولانا محمد زکریا ص ۲۴۲ تا ۲۵۲

— سید نذیر حسین محدث (۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) سورج گڑھ موضع مونگیر بہار میں ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۶ سال کی عمر میں علم کی طرف مائل ہوئے۔ پھر دہلی آئے اور علمائے دہلی سے کسب علم کیا اور شاہ محمد اسحاق دہلوی سے چند کتابوں کی ایک ایک حدیث پڑھ کر اجازت حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شریک نہیں ہوئے۔ ایک انگریز خاتون کو ساڑھے تین ماہ تک پناہ دینے کے بدلے ایک ہزار تین سو روپیہ انعام اور خوشنودی سرکار کا سرٹیفکیٹ ملا۔ غلط فہمی میں ایک سال قید بھی رہے۔ حکومت برطانیہ سے ۱۸۹۷ء میں شمس العلما کا خطاب ملا۔ دہلی میں پچاس برس تک مسجد اورنگ آبادی میں حدیث و تفسیر کا درس دیتے رہے۔ ایک کتاب "معیار الحق" کا نام ملتا ہے[1]۔

— مولانا محمود الحسن (۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے۔ ۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ تصانیف میں حاشیہ ابی داؤد، ابواب و تراجم بخاری اور ایضاح الادلہ قابل ذکر ہیں۔ تحریک ریشمی رومال کے سرکردہ رہنماؤں میں سے تھے[2]۔

— مولانا عبدالحی حسنی (م ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء) عربی کے مایہ ناز ادیب و مؤرخ جن کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیہ" اور "نزہۃ الخواطر" ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔ نزہۃ الخواطر آٹھ جلدوں میں برصغیر کے علماء کے حالات پر ایک نادر کتاب ہے جو مطبوع ہے[3]۔

— مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) برصغیر کے مشہور عالم، مترجم اور مفسر قرآن تھے۔ کثیر تالیفات ہیں۔ اردو زبان میں کام کیا۔ "بیان القرآن" (تفسیر)، "رحمۃ القدوس"، "بہجۃ النفوس فی احادیث القدس"، "نشر الطیب"، "بہشتی زیور" وغیرہ متداول کتابیں ہیں[4]۔

— مولانا محمد عالم آسی امرتسری (۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء) عربی کے مشہور ادیب و مدرس تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں "الکاویۃ الغاویۃ" مجلدین (رد مرزا غلام احمد) اور "جرعہ نحو" کے علاوہ عربی زبان میں چند قطعات اور مراثی ملتے ہیں[5]۔

— مولانا عبدالرزاق الملیح آبادی (۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء) جون پور کے رہنے والے تھے۔ عربی کے فاضل اور ادیب تھے۔ بہت سے علمی اور مذہبی مضامین اور کتابیں یادگار چھوڑیں[6]۔

— مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء) دارالعلوم دیوبند کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ تحریک پاکستان میں زور شور سے حصہ لیا۔ عربی زبان کے بہت بڑے عالم اور ادیب تھے۔ حاشیہ قرآن مجید کے علاوہ "فتح الملہم شرح مسلم" عربی زبان میں صحیح مسلم کی شرح ہے[7]۔

— ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (م ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء) پنجاب یونیورسٹی لاہور کے وہ قابل احترام استاد جن کی پوری زندگی مشرقی علوم اور خصوصیت سے عربی زبان کی خدمت میں وقف رہی۔ ۱۹۱۹ء سے پنجاب یونیورسٹی سے تعلق قائم ہوا اور وفات تک جاری رہا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے بیش قیمت خدمات انجام دیں۔ ان کی علمی صلاحیتوں کا انگریزی دور ہی میں اعتراف کر لیا گیا تھا جب کہ انہیں خان بہادر کا خطاب دیا گیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد ستارہ امتیاز کے علاوہ متعدد اعزازات سے نوازے گئے۔ تصنیفات میں "فہارس العقد الفرید لابن عبد ربہ"، "تتمہ صوان الحکمۃ" مع حواشی کے علاوہ متعدد انگریزی، اردو اور فارسی تصنیفات ہیں[8]۔

— مولانا عبدالعزیز میمن۔ آپ مولانا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مولوی فاضل کیا۔ اسلامیہ کالج پشاور اور اورینٹل کالج لاہور میں لیکچرار رہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں ریڈر اور پروفیسر رہے۔ کراچی یونیورسٹی کے عربی میں پروفیسر تھے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر رہے اور پھر اورینٹل کالج لاہور میں صدر شعبہ عربی رہے۔ مولانا میمن بے مثال عالم اور عربی ادب کے مایہ ناز سکالر ہیں۔ العلاء و ما الیہ۔ ما اتفق لفظہ و اختلف معناہ من القرآن۔ الناضل المبرد۔ نسب عدنان و قحطان للمبرد۔ الوحشیات لابی تمام۔ دیوان حمید بن ثور الہلالی۔ دیوان سحیم العبد۔ کتاب المنقوصات۔ [illegible][9]۔

(۱) تلخیص تذکرہ علمائے ہند ص ۵۹۵ (۲) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۰۶ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۷ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۸ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۲۰۹، ۲۱۰ (۶) ماہنامہ مہر و ماہ دسمبر ۱۹۸۰، جنوری ۱۹۸۱ء لاہور ص ۹ تا ۲۱ مقالہ محمد عالم آسی امرتسری، ایک شخصیت ایک داستان، حمید احمد (۷) ماہنامہ فاران مارچ ۱۹۵۱ء ص ۹ (۸) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۱۰، ۲۱۱ (۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۳۲۶ - ۳۲۷ کے درمیان خصوصی ورق (۱۰) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۱۴، ۲۱۵۔

مذکورہ بالا علماء کے علاوہ وہ علماء بھی ہماری توجہ کے مستحق ہیں جو عربی ادب میں عمومی اور عربی شعر میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ علماء کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ سب کا احاطہ مشکل ہے۔ کیونکہ دینی اداروں میں عربی ادب پر کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے۔ اگرچہ معیاری کام کی ہر دور میں قلت رہی اور دورِ جدید اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد عربی زبان و ادب پر توجہ پہلے سے قدرے زیادہ ہوئی اگرچہ یہ تسلی بخش ہرگز نہیں ہے۔ پاکستان اور بھارت میں اب بھی مختلف ادارے عربی کی ترویج و اشاعت کیلئے کوشاں ہیں اور عالم عرب کی بہتر معاشی حالت نے اب عربی زبان میں معاشی آسودگی کا جوہر بھی پیدا کر دیا ہے۔ مگر یہ رابطے عوامی زبان تک محدود ہیں، ابھی تک ادبی تحقیقات اور معیاری نشر و اشاعت کا اہتمام نہیں ہے۔ جس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔

برصغیر میں مختلف مذہبی مسالک نے اپنے اپنے طور پر عربی زبان کو بعض مسائل کی وضاحت کیلئے ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ یہ نگارشات اجل سے زیادہ مذہبی نوعیت کی ہیں مگر اس سے عربی زبان سے مانوسیت ضرور بڑھی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسی تصنیفات پر مذہبیت کا رنگ غالب ہے اور زبان بھی تکلف آمیز بندھنوں میں اسیر ہے۔ شاعری بھی بعض علماء کے ہاں قابل توجہ رہی ہے۔ مگر یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ اسے متکلف تعبیر کا سامنا ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ مرثیہ نگاری کیلئے وقف ہے۔ شعرائے عربی کے تذکرے کے بعد ہم ان کے منظومات کے جائزے میں اس پر چند گذارشات پیش کریں گے۔ اب اُن علماء کے اسمائے گرامی مختصر تعارف کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں جو عربی نظم میں دلچسپی رکھتے تھے اگرچہ مدح نبوی کی ان سے روایت نہ ہونے کے برابر ہے۔

شعرائے عربی کا مختصر تعارف :۔

—— احمد بن حسن عرشی (م ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) نواب صدیق حسن خان کے برادرِ اکبر جنہیں عربی ادبیات پر خاص دسترس حاصل تھی۔ عربی فارسی میں عمدہ قصائد کہتے تھے[1]۔ صاحبِ سیف و قلم تھے۔ اس تلوار کو اپنے شہر قنوج کی حفاظت کیلئے استعمال کیا۔ تحریکِ آزادی کے مخالفین میں سے تھے اور حکومت سے مکمل تعاون کیا تھا۔ ماثر صدیقی کا مولف کہتا ہے "جس زمانہ میں ۱۸۵۷ء کے غدر کے جانسوز شعلے اطراف ہندوستان میں بلند ہو رہے تھے اور باغیوں کی فوجیں ہندوستان کی تباہی اور غارت گری میں سرگرم کار تھیں اس وقت مولانا مرحوم نے شہر قنوج کو مفسدوں اور باغیوں کے دستِ ستم و یغما سے بچایا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ شہر قنوج کے ایک آدمی نے بھی سہواً یا عمداً زمانہ غدر میں خلاف مرضی حکام اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ سارا شہر امن و سکون کے ساتھ گورنمنٹ کی وفاداری اور اطاعت کیشی میں مستقل و ثابت قدم رہا"[2]۔ شاہ عبدالغنی مجددی اور شیخ محمد عابد سندی سے کسب علوم کیا تھا۔ حج کیلئے روانہ ہوئے تھے کہ راستے میں مبتلائے تپ اسہال ہو کر بڑودہ میں انتقال کیا۔ عربی کے بہت اشعار ملتے ہیں مگر تعقید نہیں ہے یہ کہ ایک قصیدہ کے آخر کہتے ہیں۔

واسمی احمد الحسن الحسینی ۔ و جدی سیدی خیر العباد [3]

—— مفتی صدر الدین آزردہ (۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) دہلی کے صدر الصدور، ملا کشمیری تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز شاہ عبدالقادر اور شاہ محمد اسحاق سے علوم عقلیہ اور مولانا فضل امام خیرآبادی سے علوم نقلیہ حاصل کیے۔ ہم عصروں میں ممتاز عالم، دارالبقاء مدرسے کے اکثر طلباء کو کھانا اور لباس خود مہیا کرتے۔ ان کے ہاں طلبہ کا جمگھٹا لگا رہتا۔ تحریک آزادی میں فتویٰ جہاد کے اہتمام میں منصب اور جائیداد گئی۔ بعد از بسیار کوشش کچھ قدرے واپس ملی۔ تصنیفات کم ہیں مگر شاگردوں کی کثیر تعداد مستفیض ہوئی۔ ان میں سرسید احمد خان، نواب یوسف علیخان آف رامپور، نواب صدیق حسن خان، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور فقیر محمد جہلمی کے نام نمایاں ہیں۔ مولانا فضل حق خیرآبادی سے دوستی تھی۔ منتہی المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال اور درالمنضود فی

(۱) نزھۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۳ ۔ (۲) مآثر صدیقی حصہ اول ص ۷۸، ۷۹۔
(۳) اتحاف النبلاء ص ۲۲۷

حکم دواۃ المقصود، تصنیفات ہیں۔ عربی شعر بھی کہتے تھے۔ فارسی میں تو باکمال شاعر تھے۔ آزردہ تخلص کرتے تھے۔[1]

— السید محمد حسین الجزائری (۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء) فارسی میں صاحب دیوان شاعر تھے۔ عربی شعر بھی خوب کہتے تھے۔[2]

— حکیم احمد خان ناظر (۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) طب سعیدی مفردات ادویہ پر کتاب ہے۔ اسی میں نظم عربی موجود ہے۔[3]

— مولوی غلام امام شہید (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۶ء) عربی فارسی کے بڑے عالم، اردو نعت میں بڑا مقام حاصل ہے۔ مولود شریف شہید معروف ہے۔ کلیات شہید فارسی میں ہے مگر جابجا عربی مصرعے موجود ہیں۔[4]

— مفتی محمد سعد اللہ آشفتہ (م ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) مرادآبادی۔ عربی کے متبحر عالم اور لغوی جن کی تصنیفات کی تعداد ۸ بتائی جاتی ہے۔[5] ان میں قول المانوس فی صفات القاموس (عربی) (شرح قاموس اللغة)، فتاوی سعیدیہ (فارسی) اور رسالہ لامیہ عربی و فارسی شامل ہیں۔[6] عربی قصائد کا ڈاکٹر یوسف صاحب نے بھی حوالہ دیا ہے۔

— مولوی محمد عمر رامپوری (م ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) عربی، فارسی میں شعر فصیح و بلیغ کہتے تھے۔[7]

— مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) دارالعلوم دیوبند کے بانی اور مشہور عالم جن کی ۲۶ کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ قصائد قاسمیہ شعری مجموعہ ہے۔ عربی میں ایک قصیدہ سلطان عبدالحمید عثمانی کی مدح میں موجود ہے۔[9]

— الشیخ عبدالرشید کشمیری (م ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء) عربی کے عمدہ شاعر تھے۔[10]

— حافظ غلام محمد بھادمنی (م ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء) در عربی، فارسی و سندھی یکتائی عصر بود۔ و شعر را دریں سہ زبان سرودہ است۔[11]

— مفتی محمد اسماعیل بن الوجیہ مرادآبادی (تیرھویں صدی ہجری) سفیر کی حیثیت سے لندن گئے اور وہاں کئی برس رہے۔ عربی پر پوری دسترس تھی۔ متعدد قصائد اور مراثی ملتے ہیں۔ "تاج اللغات" سات جلدوں کی کتاب ان کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ متعدد کتابوں پر حواشی یا شروح ملتے ہیں۔[12]

— سید حیدر علی رضوی (م ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) شیعہ مجتہد تھے۔ الحواشی علی الصدرا، حاشیہ علی شرح السلم لحمد اللہ، حاشیہ علی شرح السلم للملا حسن، شرح علی زبدۃ الاصول، حاشیہ علی شرح الخلاصة اور دیوان شعر بالعربیہ تالیفات ہیں۔ عربی شعر کا معیار بہت بلند ہے۔[13]

— مولانا یعقوب نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) مولانا مملوک علی کے صاحبزادے تھے۔ جو مدت العمر دیوبند میں درس و تدریس میں شریک رہے۔ کبھی کبھار عربی شعر کہتے تھے۔[14]

— مولانا علی عباس چریا کوٹی (م ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء) مشہور عالم اور ادیب، درس و تدریس میں بہت شہرت پائی۔ کچھ عرصہ ریاست بھوپال میں گذارا۔ بڑی عزت پائی۔ عربی میں چند اشعار ملتے ہیں۔[15]

---

(۱) نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۲۰، ۲۲۱ - حدائق الحنفیہ ص ۴۹۸ تا ۵۰۱، تذکرہ علمائے ہند ص ۲۴۷، ۲۴۸ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص جلد ۱ ص ۱۱۷ و تا ۱۱۹ - ماخذات جلد اول ص ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱ تحفۃ النبلاء ص ۲۶۰ تا ۲۶۲، تذکرہ اہل دہلی ص ۵۷ تا ۶۱ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۲۳۷، ۲۳۸ (۳) تذکرہ کاملان رامپور ص ۹۰۸ (۴) کلیات شہید ص ۱۲، اردو میں نعتیہ شاعری ڈاکٹر ریاض مجید ص ۲۶۸ (۵) ماخذات جلد اول ص ۱۲۹ تا ۱۳۱ (۶) [illegible] (۷) تذکرہ کاملان رامپور ص ۱۵۰، ۱۵۱ (۸) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب حصہ ۲ ص ۲۲ (۸) حدائق الحنفیہ ص ۵۰۰ (۹) مولانا محمد احسن نانوتوی ایوب قادری ص ۲۰۰ تا ۲۰۴ (۱۰) نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۶۱، ۲۶۲ (۱۱) تکملہ مقالات الشعراء ص ۴۴۵ (۱۲) نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۶۱ تا ۶۵ (۱۳) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۱۲۹، ۱۳۰ (۱۴) حوالہ مذکورہ ص ۵۲۴، ۵۲۵ (۱۵) حوالہ مذکورہ ص ۳۳۰، ۳۳۱، تذکرہ علمائے ہند ص ۳۴۳ تا ۳۴۶

— مولانا عبید اللہ عبیدی پوری (م ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء) متعدد زبانیں جانتے تھے۔ ہگلی اور ڈھاکہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ڈھاکہ ہی میں انتقال ہوا۔ شیخ بوعلی سینا کے معارضے میں مخمس بھی ہے[1]

— ملا سیف الدین خان بلخی (م ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء) بلخ کے رہنے والے تھے۔ پشاور آ گئے اور وہاں سے رامپور کے مدرسہ عالیہ میں عربی کے مدرس بنے۔ عربی نظم لکھتے تھے[2]

— مفتی عباس علی لکھنوی (م ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء) چھوٹی بڑی تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کے مصنف تھے۔ عربی، فارسی کے ذہین شاعر جن کے کثیر قصائد تھے[3]

— الشیخ محمد بن احمد الطوکی م (۱۳۱۴ھ تقریباً / ۱۸۹۶ء) فیض الحسن سہارنپوری اور سید نذیر حسین دہلوی سے تلمذ تھا احناف کے خلاف سخت تعصب رکھتے تھے۔ دیوان الحماسہ کی مختصر شرح، شرح دیوان المتنبی، حاشیہ علی لامیۃ العرب للشنفری، الدراسۃ الوافیۃ فی العروض والقوافی، القصیدۃ البدیعۃ فی ذم المقلدۃ الشنیعۃ جس میں ۱۲۸۲ ابیات ہیں۔ عربی شعر پر دسترس حاصل تھی[4]

— محمد مہدی مصطفیٰ آبادی (م ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) شیعہ علماء میں سے تھے۔ مفتی عباس علی کے شاگرد تھے اور اپنے استاد کا مرثیہ عربی میں کہا تھا۔ اس کے علاوہ بھی عربی شعر کہتے تھے[5]

— مولانا محمد یٰسین شاہ (۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) مولانا انور شاہ کشمیری کے بڑے بھائی تھے۔ اپنے دور کے عربی فارسی کے بہترین شاعر تھے[6]

— مولانا سراج الحق بدایونی (۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) مولانا فضل رسول بدایونی کے مرید تھے۔ دیوان عربی و فارسی ان کی تصانیف ہیں[7]

— مولانا عبد المجید صادق پوری (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) حج پر گئے تو منیٰ کے مقام پر مدح صحابہ میں ارتجالاً قصیدہ کہا۔ شعر پر مکمل عبور تھا[8]

— ملا عبد القیوم حیدرآبادی (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) عربی فارسی اشعار کہتے تھے[9]

— مولوی کریم اللہ خان (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) مفتی محمد سعد اللہ کے شاگرد۔ عربی و فارسی نظم و نثر، خاص طور سے تاریخ گوئی میں مستند استاد تھے[10]

— سید علی کنتوری (م ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) عربی میں شعر ملتے ہیں[11]

— شیخ عبد اللہ الجنیند الکوکنی (م ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) عربی النسل تھے جو کوکن میں آباد ہو گئے تھے۔ خوبصورت عربی شعر کہتے تھے[12]

— مولانا محمد فاروق چریاکوٹی (م ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء) علوم ادبیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ عربی اور فارسی میں شعر کہتے تھے[13]

— ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) اردو کے مایہ ناز ادیب اور افسانہ نگار، مترجم قرآن، عربی ادب میں بہت دسترس حاصل تھا۔ عمدہ عربی شعر کہتے تھے۔ ولیم میور اور سر حبیب اللہ خان والی کابل کی مدح میں عربی قصائد ہے[14]

— مولانا عبد الحی سورتی (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء) جامع رنگون میں خطیب رہے۔ علم صرف کے موضوع پر عربی قصیدہ ملتا ہے[15]

— سید کلب باقر لکھنوی (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء) شیعہ عالم "دلائل الخیرات فی العقائد" دو ہزار عربی اشعار پر مشتمل ہے۔ جس سے قدرت کلام کا اظہار ہوتا ہے[16]

— مولانا علی نعمت پھلواروی (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء) اچھے شعر کہتے تھے[17]

---

(۱) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۲۹۹، ۳۰۰ (۲) تذکرہ کاملان رامپور ص ۱۵۹ (۳) نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۲۰۷، ۲۱۰ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۳۸۴ تا ۳۸۷
(۵) حوالہ مذکورہ ص ۲۵۷ تا ۲۵۹ (۶) تحفۃ الجفری ص ۲۳ (۷) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۰۹ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۱۵۷ (۸) حوالہ مذکورہ ص ۲۲۶ تا ۲۲۸ (۹) حوالہ مذکورہ ص ۲۸۰ (۱۰) تذکرہ کاملان رامپور ص ۳۳۰ (۱۱) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۳۲۳، ۳۲۴
(۱۲) حوالہ مذکورہ ص ۲۹۱ تا ۲۹۳ (۱۳) حوالہ مذکورہ ص ۵۱ و ۵۲ تذکرہ علمائے ہند ص ۵۷، ۲۶۴ (۱۴) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۴۹۳ تا ۴۹۷ (۱۵) حوالہ مذکورہ ص ۳۲۳، ۳۲۴ (۱۶) حوالہ مذکورہ ص ۳۴۷، ۳۴۸ (۱۷) حوالہ مذکورہ ص ۳۳۲، ۳۳۳

— سید محمد عرفان ٹونکی (م ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء) عربی شعر پر مقدرت حاصل تھی۔ حمدیہ اور موجیہ شعر ملتے ہیں۔ مگر مدحِ رسالت مآب نہیں ہے۔[1]

— الشیخ محمد طیب مکی (م ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء) مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ عرب نژاد ہونے کے ناطے سے عربی پر دسترس تھی۔ عمدہ شعر کہتے تھے۔[2]

— مولانا محمد جان بحری آبادی (م ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء) عربی فارسی شعر کہتے تھے۔[3]

— مفتی محمد عبداللہ ٹونکی (م ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء) عربی فارسی علوم کے ماہر استاد تھے۔ ۳۴ سال تک اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر رہے۔ عجالۃ الراکب فی امتناع الکذب الواجب، التعلیقات علی شرح مسلم العلوم، فتاویٰ عبدیہ، تحریر اقلیدس اور الانوار الزاھیۃ فی دیوان ابی العتاہیۃ شرح لکھتے تھے۔[4] (آبِ حیات بی وغیرہ میں)

— الشیخ عبدالاول جونپوری (م ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء) متعدد کتب تصنیف کیں۔ ان میں الطریقۃ للادیب الظریف، البسطی فی بیان الصلوٰۃ الوسطیٰ، التعلیقات الجیدہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ عربی اشعار خوب کہتے تھے۔[5]

— مولانا ذوالفقار احمد مالوی (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) عربی میں خوبصورت اور عمدہ اشعار کہتے تھے۔[6]

— زاہدہ خاتون (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء) آئینہ حرم اور فردوسِ تخیل شعری مجموعے ہیں۔ فردوسِ تخیل میں عربی فارسی شعر بھی موجود ہیں۔

— شیخ محمد بن حسین انصاری (م ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء) یمنی تھے۔ جزیرۃ العرب کے پُرگو شاعر تھے۔ نعت کا شعر کوئی نہ مل سکا۔

— حکیم عبدالرحمان سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء) عربی کے پُرگو شاعر تھے۔ "التحفۃ العثمانیہ" عربی نظم کا مجموعہ ہے جس میں ۴۹ صفحات پر ۱۲۵۳ شعر ہیں۔ تمام اشعار ایک بحر اور ایک قافیہ میں ہیں۔ تقریباً خود نوشت سوانح عمری ہے۔ علماء و امراء کی مدح بھی ہے جیسے محسن الملک، عماد الملک، نواب مکرم الدولہ، راجہ کشن پرشاد، راجہ مرلی منوہر... وغیرہ۔[9] افسوس کہ نعت کا کوئی شعر نہ مل سکا۔

— حکیم اجمل خان دہلوی (م ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء) مشہور حکیم اور سیاسی راہنما۔ عربی شعر بھی کہتے تھے۔[10]

— سید محمد باقر لکھنوی (م ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء) حضرت علی المرتضیٰ کی مدح میں ایک عمدہ قصیدہ جس میں ضمناً ایک شعر نعت کا بھی آ جاتا ہے۔ و منا النبی الأبطحی محمد — نبی اُتی بالوحی من عند خالق[11]

— ادیب پشاوری (م ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء) فارسی شاعر تھے "مگر" در عربی ہم شعر گفتہ است "[12]

— مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء) مشہور عالم، ادیب اور مفسرِ قرآن جن کی تفسیر کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ اس میں نظمِ قرآن یعنی آیات کے ربط کو نہایت عمدہ طریق سے واضح کیا گیا ہے۔ شعر کہتے تھے۔ عربی اشعار کے دیوان کا حوالہ ملتا ہے۔[13]

— مولانا سلیمان بن داؤد پھلواروی (م ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء) مشائخ طریقت میں سے تھے۔ علومِ ظاہرہ اور باطنہ سے متصف تھے۔ عربی نظم اور ادبی نثر کا ذوق تھا۔ قصیدہ غوثیہ کی شرح لکھی "عین التوحید"، عربی میں تالیف ہے۔ عربی اشعار ملتے ہیں۔[14]

— سید ناصر حسین لکھنوی (م ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء) شیعہ عالم، عربی پر قابلِ قدر دسترس حاصل تھی۔ اشعار کا دیوان تھا۔ اس کے علاوہ متعدد کتب مثلاً نفحات الازھار فی فضائل الائمۃ الاطہار جو تقریباً ۱۶ جلدوں میں ہے۔[15]

(۱)۔ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۴۳۹ تا ۴۴۳ (۲)۔ حوالہ مذکورہ ص ۴۳۵ تا ۴۳۸ تذکرہ کاملانِ رامپور ص ۱۸۰ تا ۱۸۴ (۳)۔ نزہۃ الخواطر ص ۴۱۷، ۴۱۸ (۴)۔ حوالہ مذکورہ ص ۲۱۱، ۲۱۳ ص ۲۴۲ تا ۲۴۴، حوالہ مذکورہ ص ۲۸۶، ۲۸۷ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۷۰۴ (۵)۔ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۳۸۸، ۳۹۴ — (۶)۔ رسالہ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۱۳۹، ۱۴۰ — (۷)۔ اردو میں لفیفہ شاعری ص ۵۴۵، ۵۴۶ — (۸)۔ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۲۴۸
برہان دہلی شمارہ ۱۳۸۵ھ / اگست ۱۹۶۵ء ص ۸۵ تا ۹۲ مضمون مولانا سعید احمد اکبر آبادی (۱۰)۔ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۱۱ تا ۱۴ (۱۱)۔ حوالہ مذکورہ ص ۱۱۱ تا ۱۱۴ (۱۲)۔ فارسی گویان پاکستان ص ۱۰۴ — (۱۳)۔ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن صفحہ ۲۲۹، ۲۳۰ (۱۴)۔ حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰
(۱۵) حوالہ مذکورہ ص ۴۸۸ تا ۴۹۰۔

— مولوی محمد فاضل فاضلی (م ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء) چار زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ عربی، فارسی، سندھی، سرائیکی۔ پیر پاگارا سائیں حزب اللہ شاہ کے درباری شاعر تھے۔ [1]

— شیخ محمد بن یوسف سورتی (۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء) علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ صرف و نحو پر کتابیں تحریر کیں۔ شرح دیوان حسان کے علاوہ بھی کئی کتابیں ہیں۔ شعر عربی کا ذوق تھا۔ [2]

— مولانا نقیب احمد اوچوی (۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) ضلع ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ علم و ادب اور شعر و شاعری میں مولانا اعزاز علی سے استفادہ کیا۔ عربی، فارسی اور پشتو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ [3]

— مولانا کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء) جمعیت العلماء ہند کے مشاہیر میں سے تھے۔ کانگرس کا ساتھ دیا۔ مگر آزادی ہند کے بعد پریشانی کا شکار رہے۔ اس لئے سیاست سے کنارہ کشی کر لی۔ ادب عربی کا ذوق تھا اور عربی میں شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ [4]

— سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء) برصغیر کے نامور علماء میں سے تھے۔ متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا اور قابل قدر نگارشات یادگار چھوڑیں۔ اردو زبان کے ادیب اور صاحب طرز انشاپرداز تھے۔ علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کیلئے اردو میں بہت تصنیفات کا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کے شاگرد تھے۔ ندوۃ العلماء کے روح رواں تھے۔ سیرت النبی کی پانچ جلدیں جو علامہ شبلی کی نامکمل سیرت النبی کے ساتھ شامل ہیں۔ ان کے علم کی دلیل ہیں۔ اس کے علاوہ خطبات مدراس، ارض القرآن، سیرۃ عائشہؓ، سیرۃ مالک، خیام، نقوش سلیمانی، حیات شبلی، عرب و ہند کے تعلقات، عربوں کی جہازرانی وغیرہ۔ جو سب کی سب مطبوع اور متداول ہیں۔ سید صاحب کو عربی زبان پر عبور تھا اور عمدہ شعر کہتے تھے۔ [5]

— سید اعجاز احمد سہسوانی (م ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء) تسلیۃ الفواد بترجمہ بانت سعاد، توشیع [illegible] العزیز فی تذکار [illegible] الہند، رشحات الکرم فی شرح فصوص الحکم للفارابی، الدراری [illegible]، نقد و انتقاد و شعر العرب و تذکرہ شعراء سہسوان، قند پارسی (دیوان فارسی) سحر و اعجاز (اردو دیوان) و دیوان الشعر (عربی دیوان) کے مصنف ہیں۔ قادر الکلام شاعر تھے۔ [6]

— سید مغفور القادری (م ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء) لعل شاہباز قلندر کے سلسلہ نسب سے تھے۔ گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خان میں پیدا ہوئے۔ چند کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ان میں ایک کلام مغفور (غیر مطبوعہ) ہے۔ جو عربی، فارسی، اردو اور سرائیکی زبان میں منظوم کلام پر مشتمل ہے۔ [7]

— تمنا عمادی (م ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء) پھلواروی۔ عربی، فارسی شعر کہتے تھے۔ اور مولانا شبلی نعمانی سے شرف تلمذ تھا۔ [8]

— مولانا عبد الجبار عمر پوری (چودھویں صدی ہجری) عربی شاعری کا دیوان ہے۔ [9]

— سید حامد حسین فیض آبادی (چودھویں صدی ہجری) مدح اہل بیت میں قابل قدر قصیدہ روایت ہوا ہے۔ [10]

— شاہ حلیم عطا سلونی (چودھویں صدی ہجری) ان کے عربی اشعار میں روانی، سلاست اور عربیت ہے۔ ان کا بہترین نمونہ ان کا قصیدہ نونیہ ہے۔ [11]

— قاضی ظفر الدین لاہوری (چودھویں صدی ہجری) "شعر حسن بالعربی"۔ [12]

— مولانا عبد الرحمان نسازی پوری (چودھویں صدی ہجری) اردو میں صاحب دیوان شاعر ہیں۔ عربی قصائد بھی ہیں۔

---

(۱) فارسی گویان پاکستان ص ۲۰۹، ماہنامہ لسان دسمبر نعت نمبر ص ۳۳۷، مضمون ڈاکٹر فرمان فتح پوری علی شوق، سندھی نعتیہ شاعری کا مختصر جائزہ (۲) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۴۰۴ تا ۴۰۶ (۳) ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۲۱۰ (۴) نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۳۴۷ تا ۳۴۴ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۱۶۳ تا ۱۶۸ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۶۱ تا ۶۳ (۷) اکابر تحریک پاکستان محمد صادق قصوری ص ۲۵۴ تا ۲۶۱ (۸) فارسی گویان پاکستان ص ۱۸۱ (۹) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۲۱۷، ۲۱۸ (۱۰) حوالہ مذکورہ ص ۹۷، ۹۸ (۱۱) پرانے چراغ ص ۲۶۸ (۱۲) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۲۰۲ ۔

— قاضی یوسف حسین خانپوری (چودھویں صدی ہجری) حمزاوری "منہ قصائد و بالعربیہ" ۔[1]

— حکیم حیدر حسین لکھنوی (چودھویں صدی ہجری) مدحیہ اشعار ملتے ہیں ۔[2]

— مولوی عبدالغفور رامپوری (چودھویں صدی ہجری) عربی میں اچھے شعر کہتے تھے ۔[3]

— شیخ اسحاق بن ابراہیم قنوجی (چودھویں صدی ہجری) نواب شاہجہاں بیگم کی مدح میں عربی میں قصیدہ کہا ۔[4]

— سید اشرف شمسی حیدرآبادی (چودھویں صدی ہجری) شعرگوئی کی مشق تھی ۔[5]

— سید محمد متین (چودھویں صدی ہجری) فارسی، عربی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔[6]

— مولانا ابوالفیض عبدالرحمٰن دیوبندی (چودھویں صدی ہجری) نیاری سرائی کے رہنے والے تھے ۔ قاضی سلطان محمود اوان شریف کا مرثیہ کہا ۔[7]

— مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (چودھویں صدی ہجری) دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن، عربی قصائد کی طالب علمی کے زمانہ سے ہی مشق ہوگئی تھی ۔[8]

— قاری محمد طیب (م ۱۴۰۳ ھ) دیوبند کے دارالعلوم کے مہتمم تھے ۔ ۱۳۴۸ھ سے لے کر تادم وفات یہ خدمات انجام دیں ۔ مجموعہ کلام "عرفان عارف" کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔ اس میں اردو، فارسی اور عربی کلام ہے ۔[9]

— مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی ۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں استاد ہیں ۔ عربی، اردو اور فارسی و پشتو کے شاعر ہیں ۔ عربی میں مراثی ملتے ہیں ۔[10]

---

۱ ۔ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۵۲۶، ۵۲۷ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۱۲۸، ۱۲۹ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۲۷۱، ۲۷۲

(۴) حوالہ مذکورہ ص ۵۰، ۵۱ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۵۵۰ (۶) معارف اکتوبر ۱۹۶۶ ص ۲۹۷

مقالہ شمالی ہند کے چند علمی و ادبی مراکز ۔ الہ آباد (م) ڈاکٹر ولی الحق انصاری

۷ ۔ مقامات محمود ص ۳۴۸ تا ۳۸۰ (۸) تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم ص ۱۵۷ تا ۱۶۰

(۹) حوالہ مذکورہ ص ۱۳۳ تا ۱۳۵ (۱۰) ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۳۴۵، ۳۴۶ علمائے دیوبند سرحد کی تصنیفی خدمات قاری فیوض الرحمٰن

المدائح النبویہ:-

حسب سابق پہلے ان علماء کرام اور شعراء ذی مقام کا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے جو مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذوق رکھتے تھے۔ مگر ان کی مرحیہ نگارشات یا تو قلیل تھیں یا روائت کے سقم کی وجہ سے کم تعداد میں ہم تک پہنچی ہیں۔ ان میں اکثر وہ اصحاب ہیں جو فارسی کے شاعر تھے یا اردو کے۔ مگر عربی زبان میں بھی ملکۂ شعری انہیں حاصل تھا۔ اور بعض وہ بزرگ ہیں۔ جنہوں نے نعتیہ شاعری بلکہ شاعری ہی کو بطور فن نہ اپنایا تھا۔ صرف تسکین خاطر یا لحاتی واردات کے زیر اثر چند اشعار کہے تھے۔ ان میں سے اکثر دینی ذوق رکھتے تھے۔ کچھ تصوف کی طرف میلان لئے ہوئے تھے۔ اور بعض صرف شعری روایت کو نبھا رہے تھے ان تمام متنوع دلچسپیوں کے مالک حضرات کا مختصر تعارف پیش کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مدحیہ شاعری کی عمومی کیفیت کا اندازہ ہو سکے۔ ان کے بعد اس دور کے نمائندہ شعراء کا تفصیلی تذکرہ کیا جائے گا۔

قادر بخش بیدل (م ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء) سندھی۔ فارسی۔ عربی۔ سرائیکی اور اردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ عربی نعتیہ شاعری کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

النبی الاخر السابق شفیع المذنبین - ناسخ التوراۃ امی امام المرسلین

لیلۃ الاسراء قد خرق السماء معراجہ - داصل الدرجات ھی فوق المقام العارفین - ۱

مولوی آل احمد (م ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء) پھلواروی، حضرت جعفر طیار کی اولاد میں سے تھے۔ احمد تخلص تھا۔ ایک رباعی تھی جو انہوں نے حرمین سے مولف تکملہ مقالات الشعراء مخدوم ابراہیم خلیل (م ۱۳۱۷ھ) کو لکھی۔

كَتَبْتُ وَفِي فُؤَادِي نَارُ شَوْقٍ - لَهَا لَهَبٌ وَفِي جَفْنِي سَحَابُ

فَلَوْ لَا النَّارُ بَلَّ الدَّمْعُ خَطِّي - وَلَوْ لَا الْمَاءُ لَاحْتَرَقَ الْكِتَابُ ۲

نعتیہ شاعری کا عمدہ ذوق تھا۔ بار بار حرمین حاضری دی۔ قصیدہ بردہ کی مخمسات تو ہر دور میں لکھی گئی ہیں۔ مولوی آل احمد نے بھی مخمس کہی ہے۔ دو بند یہ ہیں۔

يَا مَنْ تَرَاقَ دُمُوعُ الْعَيْنِ كَالدِّيَمِ - مَاذَا أَصَابَكَ مِنْ هَمٍّ وَمِنْ أَلَمِ -

أَمِنْ تَصَوُّرِ مَنْ قَدْ حَلَّ فِي حَرَمٍ - أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيرَانٍ بِذِي سَلَمٍ -

مَزَجْتَ دَمْعًا جَرَى مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمٍ -

إِنَّ الدُّمُوعَ عَلَى خَدَّيْكَ قَدْ وَرَدَتْ - وَالْوَجْهُ يُخْبِرُ عَمَّنْ نَارُ قَلْبِ الْقَدَتْ

ثُمَّ الشُّهُودُ عَلَى الدَّعْوَى إِذَا اتَّحَدَتْ - فَكَيْفَ تُنْكِرُ حُبًّا بَعْدَ مَا شَهِدَتْ -

بِهِ عَلَيْكَ عُدُولُ الدَّمْعِ وَالسَّقَمِ - ۳

سہا (م ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء) اخوند امیر علی بن حاجی عبد اللہ۔ قصیدہ بردہ کا فارسی نظم میں ترجمہ کیا۔ اپنے مرشد شاہ قیوم مجددی (م ۱۲۷۱ھ) کی وفات پر قطعہ تاریخ کہا۔ جس میں ایک انوکھی تاریخ نکالی۔ مدحیہ رنگ کا قطعہ ہے۔

طلع الھدی بنوالہ - رفع التقی بخصالہ - شرح الصدور لقالہ - کشف الدجی بجمالہ

ثمانت سنین وصالہ - بلغ العلیٰ بکمالہ (۱۲۷۱ھ) ۴

مولانا غلام قادر شائق قادری نوشاہی (م ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء) خلیات کے رنگ میں چند شعر ۵

مَنْ ذَا الَّذِي دَعَانَا لُطْفًا إِلَى الْإِلٰهِ - مَنْ ذَا الَّذِي نَهَانَا عَنْ مُنْكَرٍ ضَلَالٍ = مَنْ اِسْمُهُ شَرِيفٌ مَنْ جِسْمُهُ لَطِيفٌ - مَنْ ذَاتُهُ مُنِيفٌ عَنْ عَارِضِ الْخَيَالِ

۱۔ سندھی نعتیہ شاعری ص ۶۱ - ۲۔ تکملہ مقالات الشعراء ص ۱۲ - ۳۔ حوالہ مذکورہ ص ۱۰ - ۴۔ حوالہ مذکورہ ص ۴۱-۴۲/۲۴۲ - ۵۔ شریف التواریخ جلد ۳ حصہ ۲ موسوم بہ مناقب الآثار قلمی ص ۱۹۶ -

حافظ غلام حسین رام پوری (تیرھویں صدی ہجری) مدحیہ قصیدہ کا نام ملتا ہے ۔ ۱

مولانا محمد حسن سنبھلی (۱۸۸۷ء/۱۳۰۵ھ) علماء عصر میں ممتاز عالم جن کا "شرح مختصر علی الیساغوجی بشرح بسیط علی میزان المنطق مساہ بالمنطق الجدید ۔ حریح الحاشیہ علی شرح الوقایہ مع المقدمہ (اس میں اپنی چھوٹی بڑی سو کتابیں درج کی ہیں) ۲ مشہور تالیفات ہیں ۔ محمد تخلص کرتے تھے ۔ متعدد قصائد ملتے ہیں ۔ نمونتاً چند شعر درج کئے جاتے ہیں ۔

يَا مَنْ لَهُ نُطْقُ النَّبَا يَا مَنْ لَهُ سُحُبُ الْإِبِلْ ۔ يَا مَنْ يُلِيْحُ لَهُ الْقَضَا يَا مَنْ لَوِ افْقَهُ الْعَدَدْ

يَا مَنْ نَجِيُّ مَاخَفِيْ يَا مَنْ يُحَدِّثُ مَا أَتَى ۔ يَا مَنْ بِهِ مَطَرُ السَّمَاءِ يَا مَنْ لَهُ لَفْظُ الْبَقَرْ ۔

يَا مَنْ تَدَلَّى لَيْلَةً مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ اقْتَرَبْ ۔ يَا مَنْ عَلَى عَرْشٍ اسْتَوٰى يَا مَنْ رَاٰى رَبَّ الْبَشَرْ ۳

معجزات کا ذکر فضائل کے حوالے سے مترنم بحر اور عجمی آہنگ نے پورے قصیدے کو پرتاثیر بنا دیا ہے ۔ آخر پر صحابہ کرام کا تذکرہ ہے ۔ مولوی رحمان علی نے لکھا کہ مولوی محمد حسن سنبھلی تفضیلی تھے ۔ مگر مولانا سنبھلی کے قصائد سے ایسا اندازہ نہیں ہوتا ۔ بلکہ مدح صحابہ میں وارفتگی ہے اور ترتیب قائم ہے ۔ مولانا کو تضمین کا بہت شوق تھا ۔ اور اکثر قصائد پر تضمین ملتی ہے ۔ امام زین العابدین سے منسوب قصیدے پر تضمین ہے ۔ اور اس طرح مشہور دعائیہ قصیدے "یا جیب الالہ خذ بیدی" پر بھی مسبع تضمین کی ہے ۔ اس کے ایک بند سے ان کے انداز تضمین کا اندازہ ہو سکے گا :-

إِنَّنِيْ غَارِقٌ بِلَا مَدَدٍ ۔ فِيْ بِحَارِ الرَّدٰى بِلَا أَمَدٍ ۔ مَا خَشِيْتُ بِهِ الْوُذُلِيْ ۔ يَا حَبِيْبَ الْإِلٰهِ خُذْ بِيَدِيْ

مَا لِعَجْزِيْ سِوَاكَ مُسْتَنَدِيْ ۔ ۵

الشیخ محمد ہاشم سورتی (م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء) مشہور عالم جنہیں مدحیہ قصائد کا شغف تھا ۔ حضرت فاطمہ خیر النساء کی مدح میں قصیدہ کہا ۔ اور نعت حضور میں "مصباح المجالس فی مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تحریر کی ۔ ۶

الشیخ محمد حسن بھیں (م ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء) یعنی چکوال کے رہنے والے تھے ۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں مدرس رہے ۔ شعر کا نکھرا ہوا ذوق تھا ۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوئ نبوت کے خلاف بہت کام کیا ۔ اور ایک بے نقط قصیدہ ۲۸ اشعار پر مشتمل ہے ۔ ایک قابل قدر قصیدہ ہے ۔ اور مولانا کی عربیت کا واضح ثبوت ہے ۔ ابتدائی دو شعر ہیں :-

لمالک ملکہ حمد سلام ۔ علی مرسولہ علم الکمال ۔ حمودا احمد وحمد ۔ طھور مع اولاد وآل ۸

سید چراغ شاہ کا مرثیہ لکھا ۔ جو قصیدہ بردہ کے تتبع پر میمیہ قصیدہ ہے ۔ اور ۱۷ شعروں کا ہے ۔ اس قصیدے میں نعتیہ شعر کافی ہیں ۔ اور خصوصیت سے اہل بیت کے حوالے سے کہ ایک سید کا مرثیہ مطلوب ہے ۔ مثلاً

وَمَا رَأَى أَعْيُنُ الْأَفْلَاكِ أَذْكَاهُمْ ۔ وَمَا دَرَى مَشْكَرُ الْأَمْلَاكِ خَيْرَهُمْ

وَمَا مَشٰى فَوْقَ تُرْبٍ مَنْ يُعَادِلُهُمْ ۔ وَمَا رَقٰى فِي السَّمٰوٰتِ مِثْلُهُمْ ۔ ۹

مخدوم محمد ابراہیم خلیل ٹھٹھوی :- (م ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء) تکملہ مقالات الشعراء کے مولف ۔ شعر کا عمدہ ذوق تھا ۔ مگر زیادہ تر فارسی میں شعر کہتے تھے ۔ اور عربی میں شاذ و نادر ۔ ایسا ہی ایک نادر شعر ہے ۔

مَعَاذُنَا لَيْسَ غَيْرَكَ رَبُّ وَلَا مَلَاذٌ سِوٰى جَنَابِكْ ۔ لَجَا لَنَا أَنْتَ إِنْ فَزِعْنَا شَفِيْعُنَا أَنْتَ إِنْ عَصَيْنَا ۱۰

۱۔ عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ ص ۴۹۳ ۔ ۲۔ نزھۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۴۱۸ تا ۴۱۹ ۔ ۳۔ مخزن نعت ص ۱۷۰ ۔ ۴۔ تذکرہ علماء ہند ص ۱۰۱ ۔ ۵۔ مخزن نعت ص ۷۰ ۔ ۶۔ نزھۃ الخواطر ص ۴۰۲ تا ۴۰۳ (اشاعت) ۔ ۷۔ حوالہ مذکورہ ص ۴۲۰ تا ۴۲۱ ۔ ۸۔ تازیانہ عبرت ص ۷۴ ۔ ۹۔ قلمی نسخہ مملوکہ سید نور محمد قادری ۔
۱۰۔ تکملہ مقالات الشعراء ص ۸۰

— امیر مینائی (م ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) اردو کے باکمال شاعر جو صوفیانہ ذوق اور عالمانہ مزاج رکھتے تھے۔ ہندی اور سنسکرت میں بھی دسترس حاصل تھی عربی سے بھی شغف تھا۔ شیخ سعدی کے مشہور قطعہ پر تضمین برصغیر پاک و ہند کے شعرا کے ہاں ہمیشہ ہی مرغوب رہی ہے۔ امیر مینائی کی تضمین فنی پختگی کی بہترین مثال ہے۔ کہتے ہیں:

حصل الشفا بجماله - وصل الامانی یوماله
غربت عیون قتاله - غلبت شجون جلاله
لعبت لواء نزاله - حمدت جمیع فعاله
شرف القری لجلاله - سمکت السماء بنعاله
بلغ العلی بکماله - کشف الدجی بجماله
حسنت جمیع خصاله - صلوا علیه وآله [1]

— شاہ عبدالقادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) مولانا فضل الرسول بدایونی کے صاحبزادے تھے۔ مولانا نور احمد بدایونی اور مولانا فضل حق خیرآبادی سے تلمذ تھا۔ حرمین شریف گئے تو وہاں بھی فقہ کا استفادہ کیے اور دیوان عربی مرتب کیا۔ سیف الاسلام، اصول علی المانع عن المولد والقیام، فارسی میں ہے۔ تحقیق الشفاعة علی اہل السنة والجماعة اور شفاعة المسائل بتحقیق المسائل - فقہ اور فتاویٰ کے موضوع پر دو سو سوالوں کے جواب ہیں۔[2]

— الشیخ احمد بن عبدالقادر الکوکنی (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) کوکن (دکن) کے نوائطیں سے تھے۔ جو مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے برصغیر میں آباد ہو گئے تھے۔ عربی شعر پر کامل دسترس تھی۔ متعدد قصائد مشہور ہیں۔ قصیدہ بردہ کے بحر پر ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

یا شوق بلغ الی جیران ذی سلم — سلام صب سلیم السقم والالم
ولا جری دمع عینی کالعقیق علی — ذکر العقیق وذکر البان والعلم
یا لائمی وشراب الحب اسکرنی — لو ذقت لذة کاس الحب لم تلم
ولست تلمز ان العذل فی مهج الشائق — لیقبل فعل الزیت فی الضرم
معنی ذنوبی قد جمت الیس لها — من الرسول شفیع رحمة الامم
فکیف بعجلة الدارین نورهما — سر الوجود وعین الجود والکرم [3]

قصیدے کی اٹھان بتا رہی ہے کہ پختہ مشق شاعر کا نتیجہ فکر ہے۔ استغنا ہے حافظ کے حوالے سے ایک لاجواب شعر ہے۔

فلا حیاة لقلب لم یکن له - ولجنس ع حق له ما لدلف السقم [4]

— مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) دیوبند میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم پائی۔ مولانا مملوک علی نانوتوی اور مفتی صدرالدین دہلوی سے تلمذ حاصل تھا۔ ادب کی طرف میلان تھا۔ محکمہ تعلیم کی ملازمت میں رہے اور آنریری مجسٹریٹ بھی۔ درسیات ادب پر خصوصی توجہ تھی۔ تسہیل الدراسة، حماسہ کی شرح تسہیل البیان، دیوان متنبی کی شرح، عطر الوردة، قصیدہ بردہ کی شرح، الارشاد قصیدہ بانت سعاد اور التعلیقات علی السبع المعلقات تحریر فرمائیں۔ فن بیان و معانی میں تذکرۃ البلاغت اور ریاضی میں تسہیل الحساب بھی ان کی یادگار ہیں۔ دیوبند کے مذاق شیخ الادب رہے۔ عربی شعر پر مکمل قدرت تھی۔ سلطان عبدالحمید عثمانی

(۱) ماہنامہ فاران کراچی مارچ ۱۹۵۱ء ص ۴۲ (۲) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۲۷۵، ۲۷۶، تذکرہ مسلمانان ہند ص ۳۱۱، ۳۱۲ (۳) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۲۲، ۲۳ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۲۹۔

کی مدح کا خوب ذوق تھا۔ مولانا محمد قاسم احسن نانوتوی کے فضائل و کمالات کے اعتراف کے طور پر عربی میں تائیہ قصیدہ[1] مشہور ہے نعت سے بھی دلچسپی تھی "عطر الوردۃ فی شرح البردۃ" کے آخر میں ان کا ایک مخمس قصیدہ ہے۔ جو درود و سلام پر مشتمل ہے، اس میں کہتے ہیں۔

مَنْ اخجل القمرین نورُ جمالہٖ ۔ وَ اذلّ جبار العدیٰ علالہٖ

فاق الانام بفضلہٖ و کمالہٖ ۔ حسنت جمیع خصالہٖ و فعالہٖ

صَلّوا علیہ و سلّموا تسلیماً

اِذْ اَنّ جذعٌ فی ھواہُ من النویٰ ۔ وَ الظبیُ حنّ الیہ والجبلُ اشتکیٰ

لاغرو اِنْ جزعَ الکئیبُ المبتلیٰ ۔ ولقول من فرط الصبابۃ والجویٰ

صلّوا علیہ و سلّموا تسلیماً[2]

عطر الوردۃ میں معجزات کے بیان میں شجرہ و حجر کے سلام کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ایک موحدہ شعر کا حوالہ دیتے ہیں۔ جس میں فضیلت رسول پر معجزات کے حوالے سے استدلال کیا ہے۔

ان کان عاد و احییہ المسیح فقد ۔ تکلمت منہ عجمائہُ و عجمات[3]

شاہ ابو الحسن احمد نوری (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) مارہروی، مشہور مارہروی بزرگ، جن کی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے معروف قطعہ کے فارسی مصرعے پر تضمین مخلوط شاعری کا ایک نمونہ ہے۔ ان کے شیخ سعدیؒ کی زمین میں درود کے اشعار بھی ہیں تضمین کا ایک بند ہے

یا حاسم الخطاء و یا دافع الخطر ۔ منشور ذی المنیح لقد الطق الحجر

لا تدرک العیون سنا برقک السنی

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر[4]

مولوی محمد فیروز دین ڈسکوی (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) فارسی مدرس تھے مگر عربی کا ذوق خوب تھا۔ مجموعہ خطب فیروزی کے نام سے خطبات تالیف کیے۔ ان میں اکثر منظوم ہیں اور عربی نظم مولوی صاحب کے پختہ مشق شاعر ہونے کی دلیل ہے۔ ایک حمدیہ خطبہ ان خطبات میں شامل ہے۔ اگرچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے استفادہ کیا ہے مگر سیاری قصیدہ ہے اور متنوع مضامین پر مشتمل ہے۔ مثلاً

و جبرائیل لنا حدہ امین ۔ کتاب اللہ لیس لہ لقاء

و لما اشرفوا ھلکا لعطش ۔ فالفجر اصابعہ بماء[5]

— **مولانا عبد الحلیم آسی مدراسی** (۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء) عبد الاول جونپوری کی کتاب الطریف الادیب الظریف پر تقریظ لکھی۔ اس میں مدح رسالتمآبؐ کے ضمن میں بھی چند شعر کہے۔ مثلاً:۔ محمد المصطفیٰ حصن حصین ۔ و نعت محمد حرز ثمین

رفیع القدر قد بلغ السماء ۔ واسقی الناس بالاعجاز ماء

نقیب الغنی لکن کل شی ۔ بہ مسروح من تحت فی[6]

(۱) نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۴۰ تا ۱۴۳ مولانا محمد قاسم احسن نانوتوی، ایوب قادری ص ۲۵ حاشیہ و ۲۰۰۷، ۲۰۰۳ (۲) عطر الوردہ ص ۱۰۲، ۱۰۶
(۳) حوالہ مذکورہ ص ۲۶ (۴) ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کانپور، ۱۹۸۲ء ص ۱۵ (۵) مجموعہ خطب فیروزی ص ۱۱، ۱۲ (۶) الطریف الادیب الظریف ص ۱۶۵، ۱۶۴

— **مولانا محمد حسن امروہی** (۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء) شیخ سعدیؒ کے قطعہ پر تضمین جو مسبع کی شکل میں ہے، برصغیر میں سات مصرعوں کی نظم عموماً نہیں لکھی گئی۔ مخمس و مسدس ہی کا رواج رہا ہے۔ مسبع کا ایک بند ہے۔

اَلنَّقشُ تَحْتَ ظِلَالِہٖ ۔ وَالنَّجمُ فَوقَ رِجَالِہٖ ۔
وَالسَّعدُ یَحبُرُ نِزَالِہٖ وَالیُمنُ فِی اِقبَالِہٖ
فِی یَومِ حَربٍ بِجَالِہٖ بُشْرَی الْعِدیٰ لِشِمَالِہٖ
بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ ۔ [1]

— **نجم الدین ناصر قریشی قادری نوشاہی** (۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء) رسول نگری، چند نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ جن میں سے ایک شعر ہے۔ امام الخلق قائد کل خیر ، شفیع یوم لا یشفع اثیم ۔ [2]

— **مولانا محمد شبلی نعمانی** (۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء) برصغیر کے بہت بڑے عالم، مصنف، مؤرخ، سیرت نگار اور اردو و فارسی کے شاعر تھے۔ بیسیوں کتابوں کے مصنف اور مشہور مقالہ نگار تھے۔ سیرت النبی، سیرت النعمان، المامون، الغزالی، شعر العجم، موازنۂ انیس و دبیر کے علاوہ متعدد کتب اور مقالات کے ضخیم مجموعے ان کی یادگار ہیں[3]۔ عربی ادب پر گہری نظر تھی۔ نعت کا ایک شعر ہے

صَلِّ یَا رَبِّ عَلیٰ نَبِیٍّ وَرَسُولٍ ۔ مَلَّتِ بَادٍ عَسیٰ افضل من دلشر ۔ [4]

مولانا الطاف حسین حالی (۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء) اردو کے مشہور انشاپرداز، ناقد اور ادیب و شاعر۔ جن کی شاعری سے قومی جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ کلیات میں ایک عربی شعر موجود ہے۔ یا عالی الصفات ویا البشری المعولی ۔ فبعث دلیل علی انک خیر الوری ۔ [5]

— **مولانا عبد المنعم چاٹگامی** (۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء) مدرسہ عالیہ کلکتہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ بیس سال پرچیا گانگ میں مدرس رہے۔ علم ادب، نحو، لغت، معانی، بیان، عروض اور شعر میں خوب مہارت تھی۔ دیوان متنبی کی شرح لکھی۔ فارسی، عربی میں شعر کہتے تھے۔ عربی شعر کا دیوان موجود ہے۔ نعتیہ قصیدہ کے چند شعر نزہۃ الخواطر نے نقل کیے ہیں۔ شعری دسترس پختہ اور ذوق بلند ہے۔

اِلیکَ رَسُولَ اللّٰہِ اُہدِیْ ثَنَایَا ۔ وَالْجَنِیْ بِہٖ نَحوِیَاً وَاِنْ کُنْتُ نَائِبَا
اُقَرِّبُ نَفْسِی مِنْ جَنَابِکَ سَیِّدِی عَسیٰ اَنْ اُریٰ رَوحًا عَلیٰ الْبُعدِ دَانِیَا
عَسیٰ تَکْشِفُ الْبَلْویٰ وَکَمْ بِکَ فُرِّجَتْ غَوَائِلُ اِذْ نُودِیْتَ اُدْرِکْ غِیَاثًا
اُؤَمِّلُ مِنْکَ الْعَفْوَ عَفْوَ عَوَاطِفٍ وَاِنْ کُنْتُ عَمَّا یَجْلِبُ الْعَفْوَ قَاصِیَا ۔
بِاَنَّکَ شَمْسٌ یَسْتَضِیئُ بِنُورِہَا وَمَا کُلُّ شَیئٍ یَقْتَبِسُ الضَّوءَ صَافِیَا
اُتَیْنُکَ اَرْجُو مِنْ نَوَالِکَ رَشْوَۃً وَمَا خَابَ مُسْتَرْوٍ اَتَی الْبَحْرَ صَادِیَا

---

(۱) قلمی نسخہ مسبع (۲) شرائف التواریخ جلد ۳ حصہ ۹ موسوم بہ فوائد الاذکار قلمی ص ۱۳۹ (۳) تذکرہ مسلمانے ہند ص ۳۲۷ و دیگر سوانحی کتب خصوصاً حیات شبلی بسید سلیمان ندوی (۴) لمعات صد اوقات ص ۲۷ (۵) کلیات حالی ص ۲ (۶) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۳۱۲

- لندوم اللہ قمروی (م ۔ ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء) جبر پور میرس کے رہنے والے تھے ۔ ہدایتِ نبویہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

قد بعث الینا رسول عربی — مھدی بلنّاس الی الحق رشید

البالغ بالحجۃ والقائم بالاید — الرحمۃ للامۃ فضل بعید ¹

- مولانا دیدار علی الوری (م ۔ ۱۳۵۴ھ/ 1935ء) سرزمین لاہور کے علماء سرِ فہرست عالم ، مسجد وزیر خان کے خطیب و امام ، انجمن حزب الاحناف لاہور کے بانی جو آپ نے ۱۹۲۴ء میں لاہور آ کر قائم ہوا ۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے تلمذ تھا ۔ ھدایۃ الوری ، رسول الکلام ، ھدایۃ الطریق للاستعانۃ ۔ ² اور فروغ نبی " کے نام سے فارسی اردو دیوان جس میں عربی اشعار اور قصائد ہیں ۔ امام زین العابدین سے منسوب قصیدے پر تحقیق ، شیخ سعدی کے قطعہ پر تحقیق کے علاوہ سلام پر مشتمل ایک مسدس ہے ۔ "مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات " کے عنوان سے عربی حمد ہے جس میں مدحیہ اشعار میں اس طرح حوادث زمانہ کا ذکر اور اُن سے نجات کیلئے دُعا " عربی میں ہے ۔ معجزات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

جاءوا الاستجاد لدیک ندقی یا غوثی نحو دقی ساجدۃ — سجد الاسد لنا لاملک انت ملاذ الکل و مختشم ،

رجع الشمس بالایماء شق القمر باشارتک — جاء الشجر والطائرتک نحوک بالساق والقدم ³

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمتِ شفاعت کا حوالہ دیتے ہیں ۔

ھو شافعنا یوم الحشر غوثی من الھم والغم — ھو عند اللہ ذو القدر ھو خیر الخلق کلھم ۔

ھو ناصرنا فی صعاب ھو مغیث الکل من ابانھم — ھو اخذ ایدینا کرما فی یوم الذلۃ والتھم ۔ ⁴

پھر دستِ طلب دراز کرکے کرم و عفو کی بھیک مانگتے ہیں ۔

ھو الشمس الضحی نور الھدایۃ — ملاذ الکل محبوب الکرام

فاصلحنا و نجنا من الغوص — و انت شفیع امۃ المراحم ،

و انت ملاذنا من کل صعب — و انت شفیعنا یوم القیام ⁵

- مولانا کی شاعری میں معاشرتی مسائل کی جھلک بھی نمایاں ہے اور دین سے بے اعتنائی اور دنیا کی حرص کی جاذبیت سے بچنے کی تمنا کا اظہار بھی ہے الفاظ مناسب اور مفاہیم کے ابلاغ میں کامیاب ہیں ۔

مولانا محمد یار خلیق (م ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء تقریباً) ۔ جوارہ ملدن ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے ۔ ۴۸ سال تک سنہری مسجد لاہور کے خطیب رہے ۔ عربی ۔ فارسی اردو میں شعر کہتے تھے خطبات خلیق میں منظوم خطبات میں حمدیہ اور مدحیہ اشعار ہیں ⁶

- سید ظہور الحسین بدھوی (م ۔ ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء) مدرسہ عالیہ لاہور کے ہیڈ ماسٹر تھے ۔ منطق و فلسفہ ، کلام و فقہ اور اصول فقہ کے زبردست عالم تھے عربی میں نعت لکھنے پر قدرت حاصل تھی ۔ نعتیہ قصیدہ تشبیب سے شروع ہوتا ہے ۔ مقدمہ میں فراق کا ذکر اور روضہ اقدس کی حاضری کیلئے تڑپ نمایاں ہے ۔

یا تربۃ قد حوت علیا شامخۃ — ما ان ینال ذرا ھا فرع افلاک

ثاب النوی ضلت لم یبلغ فادحہ — و روح الجسم والاملاک من ذلک

فداک النبی لقد جلت مراقبہ — ذلت لرتبتہ اعناق املاک ⁷

۱ ۔ سہ ماہی میزان جلد ۳ ۔ ۴ ، ۱۹۵۷ء ص ۹۲ ۔ ۲ ۔ نقوش لاہور نمبر ص ۹۲۶ ۳ ۔ فروغ نبی ص ۱۰۳ ۴ ۔ حوالہ مذکورہ
۵ ۔ حوالہ مذکورہ ص ۱۰۴ ۶ ۔ نقوش لاہور نمبر ص ۹۲۷ ادیب اور مصنف شیخ اسمٰعیل پانی پتی ۔ ۷ ۔ معارف جلد ۶۷ ۱۹۵۱ ص ۱۸۹ مقالہ سید اختر علی تلہری

عبداللہ شاہ فتاحی (م ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۰ء تقریباً) خطبات جمعہ میں ان کے اشعار اکثر پڑھے جاتے ہیں - فارسی لہجے میں عربی اشعار جن میں بلا کی روانی ہے :-

الحمد للہ الذی خلق السماء لحمد - اعطی کمالاً کاملاً فی الانبیاء لحمد

من وجہہ شمس الضحیٰ من خدہ بدر الدجیٰ - من ذاتہ نور الہدیٰ ملک العلی لحمد

والشمس فی تعریفہ واللیل فی توصیفہ - لیٰسین فی تشریفہ منزل الضحیٰ لحمد

لولاک کان خطابہ ام الکتاب کتابہ - خیر المآب مآبہ سعد العلی لحمد ۱

ہدایت علی نجفی تارک (م ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء) ضلع لاڑکانہ سندھ کے قصبے لعل واہن کے رہنے والے تھے - درویش صفت انسان تھے - سندھی سرائیکی - اردو - فارسی - عربی - پشتو ہر زبان میں طبع آزمائی کی - سندھی کے صاحب دیوان شاعر تھے - ڈاکٹر نواز علی شوق نے ان کی سندھی شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر کراچی یونیورسٹی سے سندھی ادب میں ڈی فل کی ڈگری مکمل کی ۲ شفاعت کلی کو خراج محبت پیش کرتے ہیں -

شفیع الخلق فی یوم القیامۃ - غیاث الکل فی وقت الذلال - ۳

مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) مشہور عالم جن کے شاگردوں میں مولانا ابوالحسنات - ابوالبرکات، محمد عمر نعیمی - مفتی احمد یار گجراتی - مفتی محمد نور اللہ بصیر پوری - پیر کرم شاہ بھیروی - غلام قادر اشرفی - مفتی غلام معین الدین نعیمی - اور مفتی محمد حسین نعیمی شامل ہیں - عربی - فارسی - اردو میں روانی کے ساتھ شعر کہتے ہیں - نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسندیدہ موضوع - مجموعہ کلام چھپ چکا ہے - ۴

صوفی محمد اکبر خان اکبر میرٹھی (م ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء) اکبر میرٹھی کا نام اردو نعت میں بڑا وقیع ہے، کئی مجموعے چھپ چکے ہیں، عربی فارسی میں بھی نعت کہتے تھے ۵

مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی (م ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء) شیخ سعدی کے قطعہ پر تضمین کہی جو سات مصرعوں کی ہے اس کے علاوہ بھی درود و سلام پر عربیہ شعر موجود ہیں ۶

مولانا غلام احمد جلوآنوی (م ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء) تا نہ یا نوالہ پنجاب کے قریب جلوآنہ کے رہنے والے تھے - فارسی میں پختہ شاعر تھے - عربی شعر پر بھی دسترس تھی - اسرار المقطعات، رموز المتشابہات کے نام سے قرآن مجید کے حروف مقطعات کو نعتیہ رنگ میں نظم کیا ہے - مدیحۃ النبی ؐ کے نام سے ایک مختصر رسالہ تصنیف کیا - جس میں عربی شعر بھی ہیں - مدیحۃ النبی میں کہتے ہیں

انک نور من اللہ العظیم - وانتشت منک العوالم کلہا -

انت فینا رحمۃ للعالمین - لیس ملجانا وما وانا سواک - ۷

مولانا محمد ابراہیم ناظم یاسینی (م ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء) ربیع الاول ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء کو سکھر کے قریب پیدا ہوئے - فارسی - اردو - عربی سندھی میں شعر کہتے تھے ۸ توسل واستغاثہ کے موضوع پر بڑے درمندانہ شعر کہے ہیں مثلاً

یا حبیب اللہ امدحنی - من صمیم العطار اصغنی -

قد توسلت فی جناب اللہ - بک یا سیدی فعاضدنی ۹

ابو محمد طاہر سیف الدین (م ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء) بوہرے اسماعیلیوں کی ایک شاخ جن کا اپنا نظام دعوت ہے - ابو محمد طاہر سیف الدین داعیوں کی فہرست میں ۵۱ نمبر پر ہے - بوہرہ کے معنی میں اختلاف ہے عام طور پر تاجر کے معنی میں کہا جاتا ہے - ابجد العلوم اور سبحۃ المرجان نے بیوپار معنی تجارت اور بوہرہ بھی تاجر کہا ہے - کیونکہ قوم تجارت پیشہ ہے - اس لئے بوہرے کہلائی -

---

۱ - سہ ماہی مہران ۱۹۵۷ء ص ۱۵۴ - ۲ - تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۱۲ ص ۴۰۲ ماہنامہ شام و سحر نعت نمبر ص ۲۳۸ - ۳ - سندھی نعتیہ شاعری ص ۶۲۵

۴ - اکابر تحریک پاکستان ص ۲۶۶ تا ۲۷۴ - ۶ خزینۃ الاصفیاء جلد ۳ ضمیمہ صفحہ ۲۹۲ و ۲۹۳ - ۷ - مزید حالات کے لئے اسرار المقطعات دیکھیں - مولانا کے حالات ان کے صاحبزادے محمد انوار حسین جلوآنوی نے بھجوائے -

۵ - اردو میں نعتیہ شاعری ڈاکٹر اشفاق ص ۵۲۵ تا ۵۳۰ ۸ فارسی گویان پاکستان ص ۲۳۳ - ۳

۸ فارسی گویان پاکستان ص ۳۰۲ ۹ النظم المعتبر فی آداب التوسل ص ۱۶

پریچنگ آف اسلام آرنلڈ ص ۲۲۵ میں ہے کہ محمود بیگڑا کے عہد میں بوہروں کی جماعت اسلام لائی۔ ہندو مذہب سے اسلام لائے۔ طاہر سیف الدین ایک عالم انسان تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔ عربی زبان بوہروں کے ہاں دالعلیے کی زبان ہے۔ طاہر سیف الدین تو عربی کے نمایاں ادباء میں سے تھے۔ عربی میں شعر کہتے ان کی نعت شعری پختگی کی غماز ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔

محمد من بین رسل خلت۔ شمس هدی وکلھم شہبه - محمد قربه دبه - حتی لعق قوسین غدی قربه

طوبی لمن یندود عنی حولی۔ ضوعه فی لحده تربه - غوث لمن قد مسّه ضره۔ غیث لمن حل به جدبه

محمد حسبی فی شدتی - طوبی لمن محمد حسبه ۲

مولانا محمد یوسف کشمیری م ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء کشمیر کے میرواعظ خاندان کے ان افراد میں سے تھے جنہوں نے آزادی کشمیر کیلئے ہجرت قبول کی۔ سرینگر میں ایک دینی درگاہ اور اورینٹل کالج کے نام سے قائم کی۔ "اسلام" کے نام سے ایک سہ روزہ پرچہ بھی نکالتے رہے "دنیا" بھی جاری کیا۔ قرآن مجید کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا اور مختصر تفسیر بھی لکھی۔ [۳] انجمن نصرۃ الاسلام سرینگر کے سالانہ جلسہ کی ایک روئیداد میں محمد یوسف کی ایک نعت موجود ہے۔ جس میں سلام کے بعد ارمان زیارت مدینہ اور حاضری کی تڑپ کا اظہار ہے۔ کہتے ہیں۔

سلام علی خیر الانام وسید - حبیب الہ العالمین محمد

پھر اسماء النبی میں سے چند مذکور ہوئے اور بعد میں کہا۔

نسیم الصبا ان زرت ارض مدینة - فبلغ تحیاتی الارض واسجد

وقبل مقاما حل فیه خلیلنا - وسیدنا یا خیر قبر ومرقد

بکت مقلتی شوقا للارض مدینة - وسالت دموعی بین جھن مسهد

فطوبی لقلب فدسوی فی فنائه - ویکحل عینا ترب ارض ومرقد

سلام علی الترب الذی ضم جسمه - فیا نعم مشهود یا خیر مشهد ۴

محمد عمر سامیس آزاد (م ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) "سوز آزاد" اور "ضرب قلندر" کے نام سے مجموعہ کلام ملتا ہے۔ سوز آزاد میں عربی میں بھی چند نعتیہ اشعار ہیں۔ ۵

مخدوم عبدالغفور (چودھویں صدی ہجری) خواجہ محمد ہاشم نقشبندی کے خاندان سے تھے۔ سلام کے شعر ملتے ہیں۔ ۶

شفیق جون پوری (چودھویں صدی ہجری) اردو کے شاعر جن کا مجموعہ کلام شفیق "چار حصوں میں مطبوع ہے۔ تصانیف کی تعداد چالیس تک بتائی جاتی ہے۔ عربی زبان میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے مثلاً ان کے متفرق شعر ہیں۔

انا العاصی وانت لنا شفیع - فنی یلک یا محمد اعتصام

بدا من خده نور النھار - کان الشمس تطلع من جمال ۷

آغا محمد حسین جاق مجددی (چودھویں صدی ہجری) سرہندی تخلص تھا۔ خیابان سرہندی کے نام سے فارسی دیوان مطبوع ہے جس میں عربی نعتیہ غزل بھی ہے۔ شعروں کے تیور بتاتے ہیں کہ شعر پر مکمل گرفت تھی اور نعتیہ مضامین کا انتخاب بھی خوب جانتے تھے۔ جیسے

محمد سید الکونین حقا - نبی الهاشمی اعلی الاناسی۔ امام الانبیاء خیر البرایا - شفیع الخلق فی یوم القیامی ۸

۱- مذاہب اسلام محمد نجم الغنی رامپوری ص ۳۰۰ تا ۳۱۱ - ۲- ارمغان نعت ص ۱۹۵، ۱۹۶ - ۳- تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۴۳، ۱۴۴
۴- حالات و روئیداد جلسہ سوم انجمن نصرۃ الاسلام سرینگر ص ۱۰۰ - ۵- سوز آزاد ص ۴۷ - ۶- تخنور ان سرگودھا ص ۲۸۶ - ۷- الرحیم خشا پیر سرہندی ۱۹۶۶ء ص ۱۶۲
۷- خرمن عشق ص ۲۷، ۱۲۱، ۱۳۲ - ۸- خیابان سرہندی ص ۱۳۱

حمید اللہ محمود الخلائق - حبیب اللہ محبوب الکرامی ۱

اور پھر التجا و تمنا کا زور کلام بھی دیدنی ہے -

رسول اللہ لجمعک التجائی - نبی اللہ بلطفک اعتصامی -

اغثنی یا غیاث الخلق طراً - واکرمنی بانجاح المرامی - ۲

خصائص و فضائل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں -

وسیرک المھیمن یا حبیبی - الی المعراج من البلد الحرام

داوصلک اللہ بلا مکان - مکان القرب والاسنی المقامی - ۳

آخر پر عرض داشت اور عجز انداز سے تخلص کا حوالہ -

اذا ما الناس فی العرصات فاحوا - تشفع للفقیر المستھامی -

الی سرھندی المکروب النظر - بلطفک فی الشدائد والمھامی - ۴

غلام مصطفیٰ اعشقی :- (چودھویں صدی ہجری) دکن کے شاعر - صرف حمد و نعت میں طبع آزمائی کرتے ہیں - فارسی عربی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - ان کا کلام نعت خواں حلقوں میں بہت مقبول رہا ہے - فارسی کے دو اور اردو کے پانچ دیوان ہیں۔ ان کا ایک سلام مشہور ہے - جو حضرت عشقی کے سلام کے نام سے مشہور ہے -

یا شفیع الوریٰ سلام علیک - یا نبی الھدیٰ سلام علیک -

مھبط الوحی منزل القرآن - انت نور الھدیٰ سلام علیک - ۵

حسین علی شاہ :- (چودھویں صدی ہجری) معراج محمدی مطبوعہ ۱۹۲۸ء میں ان کے شعر بھی ہیں - اشرف خلق اور سرور عالم کی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں - محمد تاج رسل اللہ قاطبہ - محمد خیر من یمشی علی قدم - ۶

صاحبزادہ خواجہ عبد الرسول قصوری (چودھویں صدی ہجری) خطبہ جمعہ عربی میں سے دو شعر ان کے انداز کلام کو سمجھنے کے لئے درج ہیں - حمید حامد لعینی محمد - ظھور الجمال والجلال ۔

امیر آمر مامور حق - کریم مکرم اھل الکمال - ۷

حسان الھند حکیم مرزا احمد - (چودھویں صدی ہجری) بمبئی کے رہنے والے تھے - حسان الہند کہے جاتے تھے - مگر ان کے قصائد دستیاب نہیں ہیں - صرف پانچ شعر ہیں - پہلا شعر یہ ہے

محبوک یا علیم لبعثت فینا - رسولا رحمۃ للعالمین - ۸

پیر علی شاہ (چودھویں صدی ہجری) پشاوری کا قصیدہ جو نعل الجزات کے آخر پر درج ہے - جس میں مدحیہ طرز خطاب کی جھلک موجود ہے - ۹

---

۱ - خیابان سرہندی ص ۸۱ - ۲ - حوالہ مذکور ص ۲۸ - ۳ - حوالہ مذکور - ۴ - حوالہ مذکور ص ۳۴ -

۵ - الصلوٰۃ والسلام ڈاکٹر اے توفیق ۱۸۴، ۱۸۵ - ۶ - سندھی لبینہ شاہی ص ۶۲ - ۷ - خطبات قصوری ص ۲۳ - ۲۴ -

۸ - النقیہ امرتسر شمارہ ۲۱ - ۱۹۲۸ ص ۸ - ۹ - نعل الجزات ص ۱۵۴، ۱۵۵

مولانا نور احمد (چودھویں صدی ہجری) شمائل ترمذی کا ترجمہ بہت معروف ہے اور مدارس میں متداول ہے۔ شمائل کے ترجمے کے آخر پر شیخ سعدی کے قطعہ پر تضمین کہی۔ لہجہ حقانی ہے۔ مگر عربیت پر دسترس حاصل ہے۔ بحر کامل کی اس تضمین میں خصائص نبوی شمار کرتے ہیں

ختم الرسالۃ والرسل - ھادی المسالک والسبل

ھو ذو المنازل والنزل - صلوا علیہ وآلہ -

بن عائہ انشق القمر - لفراقہ جزع الشجر -

بسلامہ نطق الحجر - صلوا علیہ وآلہ - [1]

مخدوم محمد صالح نقشبندی (چودھویں صدی ہجری) مخدوم محمد ابراہیم صوفی ہالائی کے فرزند تھے۔ سندھ کے محکمہ تعلیم میں ملازم رہے سندھی زبان کے ایک عمدہ شاعر اور نثر نویس تھے[2] فارسی اور عربی میں بھی شعر کہتے تھے۔ تحفۃ الرسول میں عربی قصائد بھی ہیں اور تضمین کی ادبیت تو عام ہو چکی تھی۔ اس لئے مسدس میں تضمین موجود ہے۔ سلام پر بھی ایک قطعہ ہے۔ اور ایک مدحیہ قصیدہ جو بہت مختصر ہے اس کے چند بطور نمونہ کلام درج کئے جاتے ہیں۔

ھو المجتبیٰ خاتم الانبیاء - ولاھل الکرامات نعم الامام -

من انشق قمر بایمائہ - شفاء لمرضیٰ لہ فی الکلام -

فانی اثیم کثیر الخطاء - سوی حضرتک لیس فی اعتصام - [3]

مولوی محمد دلپذیر (چودھویں صدی ہجری) پنجابی کے مشہور شاعر۔ خطبات میں عربی نعتیہ شعر موجود ہیں[4]۔ مگر ان پر عجمیت اور دہقانی اثر کچھ زیادہ ہی نمایاں ہے۔

مولوی ریاض الاسلام (چودھویں صدی ہجری) عربی الفاظ و تراکیب کو خالص اردو آہنگ میں سمویا گیا ہے، اس لئے حرف لفظ عربی ہیں شعر اردو کا ہی ہے مثلاً

ساقی الکوثر لی جُرعَۃ ماء الکوثر - والنجا عن دَرَکِ النّار سعیر و حمیم [5]

مولوی قوی الاسلام (چودھویں صدی ہجری) ان کا اسلوب بھی مولوی ریاض الاسلام کا سا ہے مگر قدرے بہتر ہے مثلاً

انت کاف لمُھمّاتِ اموری فی المحشر - انت واف و شفیقٌ و رحیمٌ وَحفی [6]

منشی عبدالرحمٰن (چودھویں صدی ہجری) گلزار نعت کے مرتب ڈھاکہ کے رہنے والے تھے، عربی کے بعض اشعار منسوب ہیں[7]

محمد نور اللہ بصیر پوری - (م ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء)۔ بصیر پور پنجاب کے مشہور عالم دین جن کے فتاوی کو مقبولیت حاصل تھی۔ ۲۳ کتابوں کے مصنف تھے۔ فتاوی نوریہ کے نام سے تین جلدیں چھپ چکی ہیں۔ شبیر احمد ہاشمی نے حیات فقیہ اعظم کے نام سے سوانح حیات رقم کئے ہیں جن میں مفتی صاحب کی عربی نعتیہ شاعری کا حوالہ بھی دیا ہے[8] عربی شعروں میں

۱۔ شمائل ترمذی مترجم ص ۸۸ - ۸۹ - [2] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۱۳۔ علاقائی ادب سندھی ص ۴۰۰

۳ - تحفۃ الرسول قلمی ص ۳۹۰ و ۳۹۱ - [4] مجموعہ خطب دلپذیر ص ۵۲ تا ۵۸ (۵) گلزار نعت ص ۷۲

(۶) حوالہ مذکورہ ص ۷۳ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۷۴ (۸) حیات فقیہ اعظم۔ شبیر احمد ہاشمی ص ۱۱۴

وارفتگی اور خود سپردگی کی کیفیت ہے جیسے :

حبیبی حِبّی محبوبی اَغِثنی یا رسولُ اللہ ۔ محبّی حُبّی مطلوبی اَغثنی یا رسولُ اللہ [1]

سید شرافت نوشاہی (م ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۲ء) ۔ متعدد علمی اور تاریخی کتب کے مصنف جن کی کتاب "شریف التواریخ" بہت ضخیم کتاب ہے اور کئی حصّوں پر مشتمل ہے ۔ تاریخ گوئی میں یدطولیٰ تھا ۔ تذکرہ مشوائے نوشاہیہ (مخطوطہ) میں اپنے شعر بھی درج کئے ہیں ، ایک مختصر قصیدے میں ۸۷ ۔ اسماء النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو منظوم کیا ہے ۔ [2]

نعت گو شعراء کے اس سرسری جائزے کے بعد اُن بزرگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو مدحیہ شاعری میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے جنہوں نے اپنی نگارشات کا معتدبہ حصّہ مدحیہ شاعری کے لئے وقف رکھا ۔ ان میں علماء کی تعداد زیادہ ہے کہ دورِ زیرِ مطالعہ میں جامعات اور کلیّات میں عربی کے شاعروں کا پیدا ہونا مشکل تھا کہ ان اداروں کی ساری توجہ انگریزی تعلیم اور مشرقی علوم پر مرکوز تھی ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں قربانی پیش کرنے والے افراد میں بھی علماء کی اکثریت تھی کہ دینی علوم کی وجہ سے وہ غلامی کی تباہ کاریوں کا بہتر ادراک کر سکتے تھے اور یہ بھی کہ اس غلامی سے اسلامی تہذیب و ثقافت پر ممکنہ اثرات کا شعور بھی اُنہیں کو حاصل تھا ، یہ لوگ تھے جو یورپی استعمار کے مادی سایوں میں روحانی رابطوں کی شکست و ریخت کے عینی شاہد تھے ، اس لئے اُن کے دل سے ہُوک اٹھتی تھی جو بسا اوقات لفظوں کے لبادے اوڑھ کر شعروں میں ڈھل جاتی تھی ، یہی اس دور میں مدحیہ شاعری کا سرمایہ ہے جس کا تفصیلی تذکرہ ہمارا موضوع ہے ۔

---

① اغثنی یا رسول اللہ محمد منشا تابش قصوری ص ۱۷ ② قلمی نسخہ محررہ سید شرافت نوشاہی

فحول شعراء

مولانا فضلِ حق خیرآبادی م (۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء)

مولانا فضل حق ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء میں خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب ۳۳ واسطوں سے حضرت عمرؓ سے جا ملتا ہے۔ والد مولانا فضل امام خیرآبادی علوم درسیات خصوصاً علم معقول میں یگانۂ روزگار تھے۔ مولانا نے تعلیم کی ابتدا اپنے والد سے ہی کی، حدیث مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی سے پڑھی، کہتے ہیں زود حفظ تھے صرف چار ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ تیرہ سال کی عمر میں جملہ علوم مدرسیہ سے فراغت پائی۔ تعلیم کے ایام ہی میں مفتی صدرالدین آزردہ سے دوستی ہوگئی جو ساری عمر برقرار رہی۔ فطری رجحان معقولات کی طرف تھا۔ مگر سلوک کی تعلیم بھی حاصل کی۔ شاہ دھولن دہلوی کے مرید ہوئے۔ تصوف کی چاشنی کے باوجود علوم حکمیہ کی وجہ سے شہرت پائی۔ طلباء کی کثیر تعداد ہر وقت حاضر رہتی۔ ملا باقر داماد کی کتاب الافق المبین منطق پر ایک مغلق کتاب ہے، یہ کتاب حقہ پیتے اور شطرنج کھیلتے پڑھا دیا کرتے تھے۔ ۲۸ برس کے ہوئے تھے کہ والد مولانا فضل امام کا انتقال ہوگیا۔ اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔ دہلی میں ریذیڈنٹ رہا کرتا تھا۔ اس کے محکمہ میں سررشتہ دار ہوگئے۔ ایک عرصہ تک جھجر رہے۔ مہاراجہ الور نے بلایا۔ کچھ دنوں سہارن پور قیام رہا۔ نواب ٹونک کے پاس بھی رہے۔ نواب یوسف علی خاں نے رامپور بلایا۔ تو خود تلمذ حاصل کیا۔ نواب کلب علی خاں بھی شاگرد تھا۔ آٹھ برس رامپور رہے پھر لکھنؤ گئے اور وہاں صدر الصدور بنا دیئے گئے۔ مولانا کی پوری زندگی خوشحالی میں گزری۔ جہاں گئے احترام ان کا حق ٹھہرا اور عزت ان کی ہم رکاب۔ شاہ اسماعیل دہلوی سے امتناع نظر کے مسئلے پر خوب گرما گرم بحث رہی۔ اور اسی بحث کی طوالت کی وجہ سے بدمزگی بھی ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا اپنی سرکاری حیثیت کے باوجود شریک ہوئے۔ فتوئ جہاد پر دستخط کرنے والوں میں نمایاں ترین تھے اس لیے دھر لیے گئے۔ بغاوت کا مقدمہ چلا کالے پانی کی سزا پائی۔ نہایت تکلیف کے دن کاٹے اور جزیرہ انڈیمان میں ۲ صفر ۱۲۷۸ھ کو وفات پائی۔ [1]

مولانا فضل حق کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یا واقعہ انگریزوں کے خلاف فتوئ جہاد میں شرکت ہے۔ آپ نے تحریک آزادی میں عملی مشارکت کی، دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔[2] انگریز کے خلاف ان کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ نثر و نظم میں اس کا اظہار کرتے تھے فرماتے ہیں "نص قرانی سے یہ ثابت ہے کہ ان کی محبت کفر ہے۔ کسی حق پرست انسان کو اس میں شبہ نہیں ہوسکتا۔ نصاریٰ سے محبت کس طرح جائز ہوسکتی ہے جبکہ یہ لوگ اس ذات اقدس ﷺ کے دشمن ہیں جن کے طفیل ارض و سماء پیدا کیے گئے۔"[3] انگریز کو ان کی انگریز دشمنی کی شدت کا احساس تھا اس لیے وہ آپکو ایک خطرناک آدمی سمجھتا تھا۔ علامہ پر قائم کردہ مقدمے کے فیصلے میں جج نے لکھا "وہ خطرناک ترین آدمی ہے وہ کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اس لیے انصاف اور امن کا تقاضا ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے"[4] یہ اس لیے تھا کہ انہوں نے مقدمات کے گورکھ دھندوں میں اعصاب شکن ذرائع استعمال کئے تھے اور وہ دیکھ چکے تھے کہ یہ اپنی عزم کا انسان اپنے موقف سے ذرا برابر ہٹنے کو

---

[1] تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے:۔ حدائق الحنفیہ ص ۴۹۷ و ۴۹۸، ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۹۲۲، ۹۲۴، نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۳۶۹ تا ۳۷۶، تذکرۂ علمائے ہند ص ۳۸۲ تا ۳۸۴، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵، ص ۲۶۵، ۳۴۷، باغی ہندوستان ص ۷۷ تا ۱۸۰

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۳۸۳۔ [3] باغی ہندوستان ص ۱۷، ۱۸ [4] حوالہ مذکورہ ص ۲۱

تیار نہیں ہے۔ رجب ۱۲۷۵ھ میں باطل قوتوں کے سامنے اور عدالت کے روبرو مولانا نے وہ اقرار کیا تھا جو ان کی جان لے سکتا تھا، مگر جرأت رندانہ کی حد تھی کہ برملا کہا "وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے" ع۱ مولانا نے دریائے شور کے مصائب نہایت خندہ پیشانی اور ایمانی حرارت سے برداشت کئے۔ بعض حلقوں کی طرف سے ان کے اس کارنامے کو دھندلانے کے لیے تشکیک کے تیر چلائے گئے۔ ان میں وہ لوگ شامل ہیں جو خود اس جہاد آزادی میں شریک نہ تھے۔ بلکہ ان کی ہمدردی انگریز کے ساتھ تھی ایسے لوگ ایک جان فروش مجاہد کی عظمت کا اعتراف کیسے کر سکتے ہیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے سچ کہا ہے "جب تک فضل حق شامل نہ ہو انسان مولانا فضل حق کے مرتبے سے آگاہ نہیں ہو سکتا" ع۲

مولانا فضل حق صاحب سیف ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلم بھی تھے۔ علوم عقلیہ میں ان کے مرتبے اور مقام کا سب کو اعتراف ہے۔ منطق فلسفہ حکمت میں ان کی نظر اس قدر گہری تھی کہ ان علوم کے منتہی طلباء ان کے ہاں آتے تھے، ان کی اس حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں "وہ مولوی فضل حق معقولی خیرآبادی جو اس زمانے میں حاکم اعلیٰ شہر دہلی کے سررشتہ دار اور علم منطق کے پُتلے اور افلاطون وسقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے" ع۳ سرسید احمد خاں کے نزدیک ان کے جملہ اوصاف میں سے یہ حیثیت سب سے زیادہ قابل توجہ ہے کہتے ہیں "وہ جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے" ع۴

مولانا کی تصنیفات میں سے چند مشہور کتب کے نام یہ ہیں۔

الجنس الغالی فی شرح الجوهر العالی، الهدية السعيدية فی الحكمة الطبيعية، الروض المجود فی حقيقة الوجود، حاشية علی تلخيص الشفا، حاشية علی الافق المبين، حاشية علی شرح المسلم، رسالة فی تحقيق العلم والمعلوم، رسالة فی تحقيق الاجسام، رسالة فی تحقيق الكلی الطبعی، رسالة فی التشكيك فی الماهيات، رساله امتناع النظير، رسالة الثورة الهندية اور مجموعه قصائد ع۵

مولانا کو عربی نظم و نثر پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ عربی ادب پر ان کی نظر بہت وسیع ہے۔ کہیں کہیں نظریاتی جدلیت کے باوجود عبارت شگفتہ اور اسلوب بیان جاذب ہے۔ عربیت ان کے مزاج کا حصہ ہے بلا تکلف اور بے تکان لکھتے ہیں۔ ان کی نثر عربی ادب کے لیے ایک قیمتی سرمایہ اور نظم فحول شعراء کے ہم پایہ ہے۔ سرسید احمد خان تو ان کی عربیت کے مبالغے کی حد تک مداح ہیں۔ لکھتے ہیں "سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایہ خوش بیانی اور امرؤ القیس کو ان کے افکار بلند سے دستگاہ عروج معانی، الفاظ پاکیزہ ان کے رشک گوہر خوش آب اور معانی رنگین ان کے غیرت لعل ناب" ع۶ الثورۃ الهندیة اور قصائد فتنۃ الهند کا اردو ترجمہ باغی ہندوستان کے نام سے شائع ہوا ع۷۔ تو بزمی انصاری صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ع۱۔ باغی ہندوستان ص ۵۷ ع۲ باغی ہندوستان ص ۲۱ – ع۳۔ حیات سید احمد شہید سوانح احمدی ص ۳۰۹ باغی ہندوستان ص ۸ ع۴ تذکرۂ اہل دلی ص ۸۷، مقالات سرسید جلد شانزدہم ص ۴۸ ع۵ نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۳۷۶ حدائق حنفیہ ص ۴۹۷، ۴۹۸، الاعلام الجزء السابع ص ۳۳۳، معجم المؤلفین الجزء الثامن ص ۷۳، الجزء الحادی عشر ص ۹۹، ۱۳۰۔ تذکرہ علماء ہند ص ۳۸۳۔ ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۹۳۳ ع۶ تذکرۂ اہل دہلی ص ۸۷ ع۷ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

THE LANGUAGE EMPLOYED BY THE AUTHOR BOTH IN PROSE AND POETRY SHOWS WHAT WONDERFUL MASTRY HE HAD OVER THE ARABIC LANGUAGE AND HOW VAST WAS HIS VOCABULARY JUSTIFYING MOST APPROPRIATELY THE HONORIFIC OF 'ALLAMA' CONFESSED ON HIM BY HIS CONTEMPORARIES AND LITERATEURES. [1]

مولانا کے تلامذہ کی کثیر تعداد کے نام ملتے ہیں ان میں مشہور ترین تلامذہ یہ ہیں۔

شمس العلماء مولانا عبدالحق خیرآبادی جو ان کے خلف الصدق بھی تھے۔ مولانا جمیل احمد بلگرامی مولانا عبدالقادر بدایوانی، مولانا شاہ عبدالحق کانپوری، مولانا ہدایت علی بریلوی، مولانا غلام قادر گوپاموی، مولانا خیرالدین والد مولانا ابوالکلام آزاد جن کے بارے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں " والد مرحوم نے معقولات کی تکمیل مولانا مرحوم کی خدمت میں کی تھی اس لئے ان کی مصنفات اور حالات سے خاص علاقہ رکھتے تھے"۔ ع۲ مولانا ہدایت اللہ خان جون پوری۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری جو عربی علوم اور ادب میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ادبیات کے مشہور عالم اور مدرس تھے۔ اور مولانا نور الحسن کاندھلوی جو مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے پوتے تھے۔ ع۳

مولانا نے عمر کا بیشتر حصہ مختلف مقامات پر ملازمت میں گزارا۔ انہیں ہر جگہ عزت و احترام ملا لیکن اس کے باوجود وہ دلی طور پر ملازمت کو ناپسند کرتے تھے۔ انگریز دشمنی ان کے خمیر میں تھی اس لیے قریب ہو کر نفرت کے جذبات مزید شدید ہوتے گئے۔ اس کا اظہار ان کے رویے اور نجی گفتگو سے بھی ہوتا ہے اور خصوصاً اس خط سے جو انہوں نے مولانا نورالحسن کاندھلوی کو لکھا۔ مولانا نورالحسن نکوڑ ضلع سہارنپور میں تحصیلدار تھے ملازمت میں بعض خلاف طبیعت امور برداشت نہ کر سکے اور استعفیٰ دے دیا اس پر مولانا فضل حق خیرآبادی نے لکھا۔

" بدریافت قطع کردن آں اعز سلسلۂ روزگار بجمیت دین بغاوت مسرور شدم، بفضل رازق خالق روزہ بسیار است ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب در مظفرنگر و مخیس اصلاع روزگار صورت می بندد نظر بر شان رزاقی بایداشت"۔ ع۴

مولانا فارسی عربی کے پختہ مشق شاعر تھے۔ اردو شعر پر ان کی گرفت اس قدر شدید تھی کہ مرزا غالب (م ۱۸۶۹ء) ان سے مشورہ کرتے تھے، بلکہ اپنے دیوان کا انتخاب انہیں کے سپرد کیا تھا ع۵۔ ان کے عربی اشعار کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے۔ ع۶ مولانا عبدالشاہد شیروانی ان کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں " ۳۶ اور ۴۲ اوراق کے دو قصیدے اور قصاید فتنۃ الہند سبحان اللہ اور نٹیل کلیکشن لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی میں ہیں۔ دو بیاضیں مولوی شاہ ولایت احمد لاہرپوری سجادہ نشین آستانہ عالیہ قلندریہ کے کتب خانہ

ع۱ Islamic Studies Vol. XV No.3. Page. 217 ع۲ باغی ہندوستان ص۔ ۸۔ ع۳ تذکرہ اسلاف حالات مشائخ کاندھلہ ص ۱۴۶ ع۴ تذکرہ اسلاف حالات مشائخ کاندھلہ ص ۱۴۷ ع۵ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۳۷۶ بحوالہ آب حیات مولانا محمد حسین آزاد۔

ع۶ حدائق حنفیہ ص ۴۹۷، تذکرہ علماء ہند ص ۳۸۲، ۳۸۳، رسالہ خیابان ستان نمبر ص ۲۰ تا ۲۲۔

میں اور کلام کا کچھ جس میں اصل مسودہ بھی شامل ہے۔ کتاب خانہ مفتیان گوپامئو میں ہے۔ ایک نامکمل بیاض جس میں عربی میں مختلف بزرگوں اور دوستوں کے نام چھ خطوط اور پندرہ طویل قصیدے ہیں جن میں اکثر مکمل اور بعض نامکمل ہیں۔ محب محترم مولوی حکیم نصیر الدین اجمیری برادر زادہ علامۃ الہند مولانا معین الدین الاجمیری مرحوم کے پاس ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ بعض قصاید وخطوط خود علامہ ہی کے دست مبارک کے لکھے ہوئے ہیں۔ کئی جگہ دستخط بھی ثبت ہیں۔ اس بیاض کی نقل اور رسالہ ثورۃ الہندیہ مع قصائد فتنۃ الہند حضرت الاستاد علامہ اجمیری مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے میرے پاس بھی ہیں۔ رسالہ ثورۃ الہند مع قصائد فتنۃ الہند کتاب خانہ حبیب گنج، کتاب خانہ ٹونک اور کتاب خانہ مولوی سید نجم الحسن خیرآبادی میں بھی موجود ہیں" [۱]

رسالہ فتنۃ الہند کے بارے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ "مولانا (یعنی فضل حق خیرآبادی) کے فرزند مولانا عبد الحق مرحوم نے یہ رسالہ خود اپنے قلم سے نقل کر کے والد مرحوم کو مکہ معظمہ بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔" [۲] سرسید احمد خان نے تذکرہ اہل دہلی [۳] میں مولانا فضل حق کے دو قصائد یعنی دالیہ (۵۷ شعر) اور میمیہ (۹۲ شعر) نقل کئے ہیں۔ یہی دالیہ قصیدہ ریاض الفردوس [۳و۴] میں بھی موجود ہے۔ نزھۃ الخواطر میں تین قصائد کے اقتباسات درج کئے گئے ہیں [۴]۔ رسالہ امتناع النظیر میں ۱۱۴ اشعار موجود ہیں [۵]۔ جمادی الاولی ۱۲۴۲ھ بمقام ہانسی ۸۰ اشعار کا نعتیہ قصیدہ لکھا۔ رمضان المبارک ۱۲۳۶ھ میں ۱۱۱ اشعار کا نعتیہ قصیدہ تصنیف فرمایا [۶]۔ مولانا فیض اللہ رفیق کی شہادت پر ۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۳۶ھ کو ۵۳ اشعار کا اور ۳۰ جمادی الاولیٰ کو ۱۰۵ اشعار کا مرثیہ لکھا۔ محرم ۱۲۳۱ھ کو ۴۳ اشعار کا تہنیتی قصیدہ لکھا [۷]۔

عربی شعر پر اس قادر الکلامی کے باوجود مولانا کو یہ خیال رہتا کہ کہیں عربی قصاید میں عجمی عنصر مُنفذ در نہ ہو جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے عربی قصائد خالص عربیت کی نشانی بنیں۔ اسی لیے وہ احباب سے حتیٰ کہ شاگردوں سے مشورہ کرتے رہتے تھے۔ ایک مکتوب میں مولانا نور الحسن کاندھلوی (م ۱۲۸۵ھ) کو تحریر فرماتے ہیں۔

"نقل قصیدہ تائیہ مرسل است بقدر ضرورت معانی و مرجع ضمائر نوشتہ شدہ است شاید حالا در کشف معنی ہیچ بیت تکلف نہ شود۔ ترصد کو بعد مطالعہ ابیات آں بنگارند کہ آیا ایں زبان باعربیت مناسبتے دارد یا از قبیل حکمات غلام علی آزاد است کہ حروف آں عربی است و درحقیقت از زبان دیگر است" [۸]

مولانا کے عربی کلام کا معتدبہ حصہ نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ مولانا علوم عقلیہ کے افاضل میں سے تھے۔ ہمہ وقت منطقی مسائل اور دقائق حکمت پیش نظر رہتے تھے اس لیے اس تدریسی مصروفیات کی وجہ سے ان کا مزاج استدلالی قوت کا حامل تھا۔ خیالات کی منطقی ترتیب اور نتائج کا استخراج ان کے اشعار میں بھی نمایاں ہے۔ علوم عربیہ سے شغف اور صرف ونحو سے مناسبت کو اس کر فلسفیانہ سطح پر لے گئے تھے نے بھی ان کے اشعار پر اثر ڈالا ہے۔ برصغیر کے مزاج میں 'صنائع' کا عمل دخل پہلے ہی زیادہ تھا۔ مولانا کی دقت پسند طبیعت نے اسے اور پختگی عطا کی اور تجنیس لفظی و معنوی کی کار فرمائی ان کے عربی کلام میں عیاں ہوئی اسی بنا پر بعض حلقوں

---

[۱]۔ باغی ہندوستان ص ۹۴ حاشیہ [۲] حوالہ مذکورہ ص ۸۔ [۳] تذکرہ اہل دہلی ص ۹۰ تا ۹۶۔ [۳و۴] ریاض الفردوس ص ۲۰ تا ۲۲
[۴] نزھۃ الخواطر الجزالسابع ص ۳۷۶، ۳۷۷، [۵] رسالہ امتناع النظیر ص ۳۰۴ تا ۳۱۹ [۶] باغی ہندوستان ص ۹۵ -
[۷] حوالہ مذکورہ ص ۹۶، ۹۷۔ [۸] تذکرہ اسلاف حالات مشائخ کاندھلہ ص ۱۵۲، ۱۵۳۔

سے ان کے اشعار پر یہ اعتراض بھی اٹھایا گیا۔ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں :۔ "وله نظم رائق وشعر فائق لولا دنه اکثر فیه من التجنیس الذی ینبو عنه السامع وتاباه الطابع" ؏۱ صاحب نزہۃ الخواطر نے بھی اسی جملے کو دھرایا ہے ؏۲

مولانا کے کلام میں جدلیت پسندی کو بھی بعض حلقوں کی طرف سے نشانہ بنایا گیا ہے۔ مولانا کو چند ہم عصروں سے علمی و دینی مسائل میں اختلاف تھا۔ اس کا اظہار نثر و نظم دونوں میں ہوا۔ اور بعض اشعار خالص خطابت کے رنگ میں مناظرانہ انداز اختیار کر گئے لیکن یہ مولانا کے کلام کا ایک پہلو ہے اس میں ان کی طبیعت، ماحول، دینی عقاید اور مخالفت کے انداز سب نے حصہ لیا۔ یہ اشعار چونکہ مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر لکھے گئے اس لیے ان پر تفصیلی محاکمہ ہمارے دائرہ کار سے خارج ہے۔ اس لیے ہم ان کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لینے پر اکتفا کرتے ہیں

مدحیہ شاعری :۔

مولانا نے اپنی اسیری و جلاوطنی کے دور میں جزائر انڈیمان میں رسالہ الثورۃ الہندیہ عربی میں تالیف فرمایا اور اس کے ساتھ دو عربی قصاید بھی تصنیف فرمائے جن میں ایک ہمزیہ ہے جو طویل قصیدہ ہے اور ۱۴۶۔ اشعار پر مشتمل ہے۔ دوسرا دالیہ ہے جو ۷۰ اشعار کا ہے۔ ان کے علاوہ ان کا ایک دالیہ قصیدہ ۵۷ شعروں کا اور میمیہ ۹۲۔ اشعار کا ہمارے پیش نظر ہے ان کے علاوہ بھی چند اور مختصر قصائد ہیں۔ جن کی بنیاد پر گزارشات پیش کی جا رہی ہیں :۔

مولانا مرحوم کی نعتیہ شاعری ان تمام موضوعات کو محیط ہے جس سے مدحیہ شاعری ترتیب پاتی ہے خصائص و فضائل کا تذکرہ و اشرفیت و اکملیت کا ذکر، خاندانی اوصاف، شمائل ظاہرہ و باطنہ، معجزات، شفاعت طلبی و استمداد، خواہش زیارت، حاضری مدینہ، درود و سلام اور تشبیب غرضیکہ ان کا ہر قصیدہ نعتیہ قصائد کا مکمل معیار پیش کرتا ہے۔ مگر ان کا امتیازی وصف ان کا وہ حوالہ ہے جو مقامی حالات سے عبارت ہے۔ مولانا صرف شاعر ہی نہ تھے ایک باعمل اور صاحب حیثیت انسان تھے جنہیں کے ذمے قوم کی راہنمائی بھی تھی اور قومی دکھ درد کا احساس بھی۔ انگریزی حکومت کے جبر سے جو ردعمل ہر حساس انسان کے دل میں پیدا ہو رہا تھا وہ مولانا کے ہاں شعر کے قالب میں ڈھلا ہے۔ ان کے ہر قصیدے میں سماجی عنصر اور معاشرتی پہلو موجود ہے۔ مسلم قوم کی زبوں حالی کا نوحہ۔ بے بسی کا احساس، بدی کی قوتوں کا زور، اپنوں کی ریشہ دوانیاں اور انگریز کا مکر انہیں جل اٹھنے (تلملا اٹھنے) پر اکساتا ہے ان کے اندر اک آتش فروزاں ہے جس کا لاوا منہ زور بھی ہے اور خونابہ بار بھی ایسے آتشیں لمحات میں وہ سرکار ابد قرار کے حضور اپنے جذبات کا مداوا چاہتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں ایسے مواقع پر ان کا کلام بے پناہ پہاڑ لیے ہوتا ہے۔

قد سلط الانصار فی امصارنا	أن صار انصارا لهم سفهاء
کم خربوا بلدا ولم یذروا به	بلدا فصار کانهم بیداء
هدموا المساجد والقصور کانها	لم تبن لم یک ثم قط بناء
لم اقترف ذنبا سوی ان لیس لی	مع هولاء مودة وولاء
فولاؤهم کفر بنص محکم	ما فیه للمرء المحق مراء
کیف الولاء وهم اعادی من له	خلق السماء والارض والانشاء ؏۳

ان کی معاشرتی حس انہیں اصلاح احوال کے لیے کوشاں رہنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ان کے نزدیک ان پریشانیوں سے نجات کے

؏۱ ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۹۲۳ ؏۲ نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۲۷۶ ؏۳ باغی ہندوستان ص ۳۰۷ تا ۳۰۹۔

لیے عملی جد و جہد بھی درکار ہے اور محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت بھی! اس لیے اُن کی مدحیہ شاعری کا بیشتر حصہ طلبیہ انداز لیے ہوئے ہے اُن کی پکار میں التجا ہے۔ مائل بہ کرم کرنے کی خواہش ہے اور مدح نگاری تو اس حصول مدعا کا تمہیدی پہلو ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے طلبِ کرم دنیا میں بھی مطلوب ہے اور آخرت میں بھی اُن کی شفاعت درکار ہے اس لیے یہ دونوں تمنائیں پہلو بہ پہلو اُن کے کلام میں نظر آتی ہیں مثلاً:۔

بلوذ بہ العصاۃ غداً فتنجی ۔۔۔ شفاعتہ الاثیم عن الاثام

الا یا عاصمی من کل ہول ۔۔۔ و یا من حبل رافتہ عصامی

فمالی غیر لطفک من ملاذ ۔۔۔ یکون بہ اعتصامی واعتصامی

وکن لی فی ثری قبری انیساً ۔۔۔ وکن لی شافعاً یوم القیام ۔۔۔ ع ۱

ماوی الانام باسرھم ۔۔۔ طرا و جابر کسرھم

لطفا و واضع اصرھم ۔۔۔ عنہم غدا فی الموعد

خیر الوری و ابرھم ۔۔۔ جمعا و کاشف ضرھم

و لجاءھم فی امرھم ۔۔۔ و شفیعھم فی المشھد ۔۔۔ ع ۲

اور اسی خواہش میں مدینہ منورہ کی یاد بھی آنے لگتی ہے۔ دار محن ہندوستان سے دار القرار مدینہ طیبہ کی یاد ایک فطری خواہش ہے

و یدخلنی ازورک فی حیاتی ۔۔۔ مزارک مستکیناً باستلام ۔۔۔ ع ۳

و ان یتح حمای بالشھادۃ فی ۔۔۔ جوار مثواک یا جاری و یا ھادی ۔۔۔ ع ۴

خصائص نبویہ کا ذکر مدح نگاری کا ضروری جزو ہے۔ مولانا اس میں ان خصائص کا حوالہ دیتے ہیں، جن میں دیگر انبیاء سے افضلیت کا اظہار ہے۔ یہ تقابل اکثر شعرا کے ہاں موجود ہے۔ کہیں اس میں حد اعتدال سے انحراف بھی ہوتا ہے مولانا کے ہاں احترام کا خیال دامنگیر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تقابل بھی برصغیر کے حالات کا اثر ہے۔ مسلمانوں کو غلامی کے ایام دیکھنے پڑ رہے ہیں اور امت مسیح علیہ السلام ہونے کے دعویدار اُن پر مسلط ہیں۔ قوم میں اعتقاد و نفس پیدا کرنے کیلیے اُن میں اپنی قوم کے نشانِ عظمت بتاتے جا رہے ہیں اس حوالے سے تقابل ایک معاشرتی مظہر ہے جو مولانا کی شاعری کا بڑا نمایاں حصہ ہے مثلاً وہ کہتے ہیں:۔

فاق النبیین طرا فی الکمال و فی ۔۔۔ الجمال والعزم و لا اجمال والسدد

فلا یدانیہ موسیٰ فی العروج ولا ۔۔۔ فی الیمن عیسیٰ و فی الملک ابن داؤد

ولا ابن یعقوب حسنا و الخلیل قری ۔۔۔ و نوح عزما لدی نصح و تہدید ۔۔۔ ع ۵

تقدم آدما خلقا و موسیٰ ۔۔۔ بمعراج و نوحا باعتزام

و ابراھیم اکراما و عیسیٰ ۔۔۔ بیمنتہ و یوسف بالوسام ۔۔۔ ع ۶

ع ۱۔ تذکرۂ اہل دہلی ص ۹۱ ع ۲۔ باغی ہندوستان ص ۹۷۔ ع ۳۔ تذکرۂ اہل دہلی ص ۹۶ ع ۴۔ باغی ہندوستان ص ۳۲۷
ع ۵۔ تذکرۂ اہل دہلی ص ۹۳۔ ریاض الفردوس ص ۲۲ ع ۶۔ تذکرۂ اہل دہلی ص ۹۵۔

اور اس میں تعامل (جس کی توصلہ افزائی نہیں ہونا چاہیے) سے اُن کا مقصد دین اسلام کی ارفع حیثیت اور دائمی نوعیت کا اظہار ہے اس لیے تو آپ فوراً اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔

صحی الادیان طراً اذ اتانا — بدین کامل قیم مدام
کشمس اشرقت ضحواً فضل الـ — کواکب فی انطماس وانغمام ع۱

یمحو ضیاء الشمس نور کواکب — ویطم فوق کواکب دا ماء
فاللہ اظہر دینہ دائمہ — فلہ علی مرالابود بقاء ع۲

اور جیسے دین مبین کی یہ دائمی حیثیت کا ادراک نہیں تو یہ اُس کی شیرہ چشمی ہے آفتاب کی نورانیت کا تو قصور نہیں۔

ماضر عین الشمس ان حجبت بہ — عین الضریر ومقلۃ عمیاء ع۳

معجزات کا بیان سرمدح گو کو مرغوب رہا ہے مگر مولانا فضل حق کی نعتیہ شاعری میں ان پر توجہ بہت کم ہے ۔ اور اگر کبھی ذکر آیا بھی تو سرسری انداز سے اور استخراجی مصلحت کی خاطر۔ اس کی وجہ شاید مولانا کا میلان طبع ہے کہ موضوعی طرز ادا ان کے کلام میں کم ہے اور وہ گفتگو کو اپنے ذاتی حوالے جس میں قومی عنصر بھی شامل ہے سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ولادت باسعادت کے واقعات میں بھی صرف اشاروں پر اکتفا کرتے ہیں اور زیادہ توجہ خصائص ذات پر رہتی ہے ۔ مولانا کی پوری شاعری کو پیش نظر رکھا جائے تو صاف دکھائی دیتی ہے کہ وہ موضوعی انداز فکر کے شاعر ہیں۔ خارج سے حوالہ تو لیتے ہیں مگر اسے داخل کا گداز عطا کر کے پیش کرتے ہیں اس لئے اُن کی شاعری میں غزلیت کا رنگ نمایاں ہے اور تشبیب طول ہے۔ تشبیب میں اُن کا موضوعی ذہن صاف جھلکتا ہے اور یہ کہ عربی صمیم کی چھاپ گہری نظر آتی ہے مثلاً:

فواوی حائم والدمع ہام — وسہدی دائم والجفن دام
وقلب حافتی بجوی ولوع — وکوع فی اضطراب واظرام
ودمع بل دم صرفجری بن — نیاطی ساجما ای انسجام
وطرف اومد لوذیہ غمض — ولیل سرمد ساجی الظلام ع۴

مدح کے عمومی رنگ میں خصائص کے تذکرے کو اہمیت حاصل ہے شلاً ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ھو اول النور السنی تبلجت — یضیائہ فی العالم الاضواء
ھو اول الانبیا اخرھم بہ — ختم النبوۃ وابتدا الابداء ع۵

لمن ھو اول الانام خلقا — ومن ھو للنبیین الختام
فھل قبل ابتدائھم ابتداء — وھل لعد اختتامھم اختتام
بہ تم المکارم والمعالی — وھل لعد التمام لہا تمام ع۶

ع۱ تذکرہ اہل دہلی ص ۹۵ ع۲ باغی ہندوستان ص ۳۱۱ ع۳ حوالہ مذکورہ ۔ ع۴ تذکرہ اہل دہلی ص ۹۳ ۔ نزھۃ الخواطر الجزء السابع ص ۳۷۷ ع۵ باغی ہندوستان ص ۳۰۹ ع۶ امتناع النظیر ص ۳۱۴ ۔

مولانا خیرآبادی کی صنائع سے دلچسپی اُن کے ہر قصیدے سے عیاں ہے اُن کا دالیہ قصیدہ تو تجنیس سے بھرا پڑا ہے اِس لیے اِس کے بعض حصوں پر آورد کا رنگ اور شعوری کوشش کا شائبہ ہوتا ہے مثلاً

هندیة هندتنی ثم هندت الأ — سیاف ظلماً لقتلی ای تهنید

عنت فعنت فوادی واختفت وشفت — منت فمنّت بانجاز المواعید

عادت قلی ثم عادت وهی عایدة — فعاد عید سقای موسم العید ع۱

تجنیس لفظی و صنعت تضاد کا اجتماع دیکھئے۔

خلقی تنکّر حتی کادینکرلی — من کان یعرفنی من یوم میلادی ع۲

علامہ خیرآبادی کے ہاں تشبیہات اور استعارات کا اک جہاں آباد ہے ان کی طبیعت کی جدت پسندی ان میں انفرادی رنگ پیدا کر دیتی ہے۔ صرف ایک خیال پر اکتفا کرتے ہیں، پانی سے گھرے ہوئے جزیرے میں جہاں آب و ہوا مرطوب ہوتی ہے اُن کی طبیعت رسا کی جولانی ملاحظہ ہو۔

لاغیث فیها انما من حرها — من جوها یتصبب الرحضاء ع۳

علامہ خیرآبادی کی مدحیہ شاعری کا یہ سرسری جائزہ واضح کرتا ہے کہ انہیں عربی شعر کا سلیقہ حاصل تھا اور عربیت پر انہیں ماہرانہ عبور تھا۔ خیالات و مضامین کی بہتات اُن کے شعروں سے واضح ہے۔ اور اُن کی منطقی طبیعت کے اثرات بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ فلسفی مزاج کا آدمی شعروں میں اِس قدر پُرجوش ہے کہ چند لفظی و معنوی ہوالوں کے سوا پوری شاعری پر دل کا قبضہ ہے عقل معاون ہے راستہ نہیں کاٹتی۔ یہ شاید ماحول کی حیرت کا اثر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ وہ شاعری کے اِس خروش میں ہر مدِ مقابل کو لتاڑ جاتے ہیں۔ مناظرانہ طرزِ ادا فلسفیانہ طبیعت سے زیادہ والہانہ پن کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ مولانا منطق کو تو اپنے جذبے کا ایک ہتھیار بنا کر استعمال کرتے ہیں بسطوت جذبے اور قلبی واردات کو حاصل ہے۔ اگر یہ مناظرانہ کیفیات اور پُرکاری صنعت کے اثرات نہ ہوتے تو مولانا برصغیر کے وہ نمائندہ شاعر تھے جن کو عرب دُنیا کے سامنے فخر سے پیش کیا جا سکتا تھا۔ اب بھی یہ کیفیت ہے کہ زبان و بیان کی جو بے پناہ قوت اُن کے شعروں میں موجود ہے وہ کسی اور شاعر میں نظر نہیں آتی۔ آزاد بلگرامی کو کثرتِ کلام کا شرف حاصل ہے اور مولانا خیرآبادی کو معیارِ کلام اور اسلوب کلام کا۔ دونوں ہی شاعر برصغیر کی عربی شاعری کے آفتاب و مہتاب ہیں۔

ع۱۔ تذکرہ اہل دہلی ص ۹۱ ع۲۔ ریاض الفردوس ص ۲۱ ع۳۔ باغی ہندوستان ص ۳۱۸ ع۴۔ حوالہ مذکورہ ص ۳۰۴۔

مولانا فیض الحسن سہارن پوری (م ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء)

مولانا فیض الحسن سہارن پور کے ایک زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ والد کا نام خلیفہ علی بخش تھا۔ ۱۲۳۱ھ/ ۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ شروع سے ہی ذہین تھے مگر کھیل کود کی طرف مائل رہے، پہلوانی کا شوق بھی تھا۔ ان شغلوں سے فارغ ہوئے تو علم کا شوق چرایا، والد صاحبِ علم تھے اسلیئے ابتدائی کتب اُن سے پڑھیں، مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا فضل حق خیرآبادی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ مولانا خیرآبادی سے معقولات کی تکمیل کی اور فیض الحسن منطقی کہلائے، ادب کی طرف مائل ہوئے مفتی آزردہ کے فیضِ صحبت سے فیض الحسن ادیب سبنے۔ مولانا صہبائی سے فنِ شعر میں راہنمائی لی اور شاعر بنے، دہلی، رام پور، لکھنؤ میں علم کی خوشہ چینی کرتے رہے۔ دہلی میں شیخ احمد سعید دہلوی سے سندِ حدیث حاصل کی، حکیم امام الدین سے علمِ طب سے آگاہی حاصل کی۔ اس طرح فلسفہ، منطق، ادب، شعر اور طب میں شہرت پائی اور درس و تدریس کی مسند بچھائی۔ علم ادب میں آپ کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ دُور دُور سے طلبہ کھچے چلے آتے، یہ عجیب دور تھا کہ برِصغیر کے مختلف اطراف سے متلاشیانِ علم روانہ ہوتے، معقولات کیلیئے رام پور، ادب کیلیئے لاہور اور حدیث کیلیئے دہلی پہنچتے، ہر مدرسہ اپنے مخصوص فن کا ماہر سمجھا جاتا اور جب ایک طالب علم وہاں سے فارغ ہو کر دوسرے مدرسے کا رُخ کرتا تو کوئی مزاحمت نہ ہوتی بخوشی روانہ کیا جاتا۔ کسی کو اپنے بارے میں غلط فہمی نہ تھی اور کسی دوسرے سے عناد نہ تھا سب اپنے مراکز میں بیٹھے اپنی صلاحیتوں کو قوم کی امانت سمجھتے ہوئے صرف کر رہے تھے۔ ایسے ماحول میں مولانا فیض الحسن علم و ادب کا ایک مضبوط مرکز تھے جن کی علمی عظمت کا پورے برِصغیر کو اعتراف تھا۔

پہلے دہلی میں مسندِ درس پر متمکن ہوئے یہاں ہی سر سید احمد خاں نے مقامات حریری کے چند مقالے اور طبع معلقات کے چند قصائد پڑھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں سہارن پور چلے گئے۔ کچھ عرصہ کسی رئیس کی ملازمت کی پھر علی گڑھ میں عربی کتب کے ترجمہ کرنے پر مامور ہوئے۔ ۱۸۷۰ء میں اورینٹل کالج لاہور میں شعبہ عربی کے پروفیسر بن کر آئے۔ عربی رسالے شفاء الصدور کے مدیر بھی رہے۔ لاہور آپ کے وجود کی وجہ سے عربی ادب کا سرچشمہ بنا، دُور دُور سے طلباء آتے حتیٰ کہ علامہ شبلی نعمانی نے بھی لاہور حماسہ کا درس لیا۔[۲] آپ کے نامور شاگردوں میں سر سید احمد خاں، علامہ شبلی، مولانا حالی، مولانا وحید الدین سلیم، مولوی عبداللہ ٹونکی اور مولوی محمد اسماعیل میرٹھی شامل ہیں۔[۳]

مولانا سہارن پوری کی تالیفات عربی زبان و ادب سے متعلق ہیں۔ ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے آپ کو طلباء کی دقتوں کا احساس تھا اسلیئے درسیات میں شامل شعری مجموعوں کے تراجم اور تشریح پر توجہ دی۔ عربی تصنیفات کے نام یہ ہیں:

حاشیة علی البیضاوی، حاشیة علی الجلالین، حاشیة علی مشکاۃ المصابیح، ریاض الفیض شرح المعلقات السبع، التحفة الصدیقیة۔ اُردو میں فیضیہ شرح دیوان الحماسہ، مثنوی صبح امید اور گلزارِ فیض جو اُردو دیوان ہے۔[۴] کتاب الحماسہ کی شرح فیضیہ ایک ادق مطالعہ شرح ہے جس میں مولانا نے مختصر عبارت میں کئی مغلق مقامات کو حل کر دیا ہے۔ ریاض الفیض ان کی عربی ادب پر وسعتِ نظر پر شاہد ہے جس کا مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی نسخہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[۵]

۱؎ نقوش لاہور نمبر ص ۸۸۷، ۸۸۸، فارسی گو شعراء، خواجہ عبدالحمید یزدانی، نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۳۶۶، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۰۲، ۲۰۳۔ ۲؎ نقوش لاہور نمبر ص ۸۸۸۔ ۳؎ نقوش لاہور نمبر ادیب اور مصنف شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ص ۹۳۹۔ ۴؎ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۳۶۶، و تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۲۰۳۔ ۵؎ ماہنامہ فکر و نظر شعبان ۱۴۰۱ھ/ جون ۱۹۸۱ء ص ۹۲

مولانا کی تالیفات کی مجموعی تعداد بیس کے قریب ہے۔

مولانا اُردو، فارسی اور عربی کے قادرالکلام شاعر تھے، فارسی کلام مطبوع ہے جو ایک دیوان "نسیم فیض" اور دو مثنویوں روضۂ فیض اور چشمۂ فیض پر مشتمل ہے۔ اُردو کلام "گلزارِ فیض" ہے اور عربی کلام "دیوان الفیض" کے نام سے حیدرآباد دکن سے چھپ چکا ہے۔

عربی شاعری اور مدح رسالت۔

مولانا کا عربی کلام اُن کے "دیوان الفیض" کے ۸۲ صفحات پر محیط ہے اس میں ایک حمد ہے جو انیس اشعار کی ہے، بارہ نعتیہ قصائد ہیں۔ جو پورے دیوان کے متعدد قوافی پر پھیلے ہوئے ہیں۔ نعتیہ اشعار کی کل تعداد ۳۳۷ ہے جو دیوان کا تقریباً ایک چوتھائی ہیں۔ مولانا کے دیوان میں تقریباً ۳۶ قصائد و قطعات ہیں جو ان کی اپنی ذات کے حوالے سے تصنیف ہوئے ہیں۔ ان میں فخریہ اشعار بھی ہیں جوان کے تذکرے بھی ہیں اور اولاد کے بارے میں بھی متعدد اشعار ہیں۔ اپنی معاشرتی زندگی کے کوائف، مخالفین سے بے زاری و نفرت کا اظہار، ناموافق علاقے کی ہجو، بعض شاگردوں سے گلہ، احباب کی خوشیوں پر تہنیت، مسائلِ زندگی اور خرابیٔ صحت کے ذکر کے علاوہ کئی دیگر مسائل پر رواں دواں عربی میں اپنے جذبات کو شعر کا لبادہ اوڑھایا ہے۔ دیوان میں گیارہ مراثی ہیں جن میں اکثر ذاتی تعلقات کی بناء پر اور کچھ علمی و قومی رابطے کی بنیاد پر کیے گئے ہیں۔ اساتذہ کے مراثی میں زورِ کلام اُن کے قلبی احساسات کا غماز ہے۔ خصوصاً مولانا فضل حق خیرآبادی کے مراثی میں ان کا اشہبِ قلم سرپٹ دوڑا ہے اور ان میں وارفتگی اور بے خودی کے عناصر بہت نمایاں ہیں بلکہ مبالغہ کی حد کو چھوتے ہیں مثلاً

فما ضاع الا ضاع علم وحکمه　　　وما مات الامات عیسیٰ ابنِ مریم [۱]

دیوان میں پانچ مدحیہ قصائد بھی ہیں جو نواب شاہجہان بیگم ملکہ بھوپال، نواب کلب علی خان، نواب محمد صدیق خان علوی اور سلطان عبدالمجید خان کی مدح میں ہیں۔ ان قصائد میں ظاہری پیکر تراشی زیادہ ہے۔ الفاظ کی دروبست بھی خوب ہے مگر معانی میں وہ فراوانی نہیں جو دیگر قصائد میں موجود ہے۔ یہ کل ۵۲ قصائد ہیں جو حمد و نعت کے علاوہ دیگر موضوعات سے متعلق ہیں۔ ان سب قصائد میں مولانا کی قادرالکلامی اور ذہنی زرخیزی کے مظاہر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ مولانا کو عربی شعر کے تمام اصناف پر مکمل گرفت تھی اور انہیں کہیں بھی اُن کی عجمیت نے ژولیدہ بیانی کا داغ نہیں لگنے دیا۔

مدحِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مولانا سہارن پوری، مولانا فضل حق خیرآبادی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ زبان میں بھی اور معانی میں بھی مگر ایک پہلو سے ان کی شاعری میں انفرادیت کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے کہ انھوں نے مشکل پسندی کے باوجود صنائعِ لغویہ سے اپنا دامن کافی حد تک بچا لیا ہے۔ ان کے مدحیہ اشعار میں بعض تشبیہات اور استعارات اور چند لفظی و معنوی تجنیس کے نمونے تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ مگر کہیں بھی قاری کے مطالعے میں حائل نہیں ہوتے، صنعت گاری اگر سدِّ راہ نہ بنے تو مستحسن ہوتی ہے یہ ایک زیور ہے مگر ان زیورات کی چمک دمک رُخِ زیبا کو چھپائے تو ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ مولانا سہارن پوری جس ماحول میں عربی شاعری پر توجہ دے رہے تھے اس میں ان خارجی رکاوٹوں سے کامیاب گزر جانا ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر ہمیشہ انہیں داد دی جائے گی۔

---

[۱] دیوان الفیض ص ۶۵۔

مولانا کو 'عربی زبان' پر مقدرت حاصل تھی۔ انوکھے قوافی دریافت کرتے تھے اور بڑے سلیقے سے انہیں پابندِ شعر کر دیتے تھے۔ الخاء، الزال اور الطاء کے قوافی میں انہوں نے مہارت فن اور صاحبِ لغت ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ مولانا کی 'عربی شاعری' کے قدیم قصائد پر نظر ہے، معلقات اور حماسہ کی شرحیں ان کے ذوقِ ادبی کی دلیل ہیں۔ اُن کی شاعری میں ان ماخذات اور منابع کی اثر پذیری مبرہن ہے۔

مشکل قوافی میں تشبیہہ کا حسن ملاحظہ ہو۔

لقد سخت فی اُرض الہوی تجلجاذُ ـــ کما فر فہد فی الخبار لیسوخُ

لہ دیمہ لم تنقطع بعد فیضہا ـــ ومن قال غیض الغیض وھو فضیخُ

کمنکر فیض المزن وھو طبیخٌ او ـــ کمنکر صوت الزخ وھو تفوخُ

یجود لنا من طعصر غیب فترتجی ـــ کما ترتجی الآم العطوف فروخُ [۱]

ذاب اجسا دنا قلیلا قلیلا ـــ من لھیب الحشا کشمع یذوبُ [۲]

عربی ادبیت کے مطالعہ اور صرف و نحو سے شفقت کی اثر پذیری بھی اکثر اشعار میں نمایاں ہے۔

سا صرف ھمی نحو لفسی ومنفسی ـــ ولی فیھما مالیس فی الفرف والنحو [۳]

اذا حسن سلمی لیس عنھا براغٌ ـــ فیا حبھا زدنی جویً فی جوانحی [۴]

مصرعہ ثانیہ سے ابُو صخرا لھذلی کا شعر یاد آنے لگتا ہے۔

فَیَا حُبَّھَا زِدْنِی جَوًی کُل لَیْلَۃٍ ـــ وَیَا سَلْوَۃَ الایام مَوْعِدُكِ الحشر [۵]

تاریخ اسلام سے مناسب حوالے بھی اکثر اشعار کی زینت بنے ہیں اور ان تاریخی تلمیحات سے شعر کا حسن دوبالا ہوا ہے مثلاً

تربت وطال ماتربت یمینی ـــ فخر بیدی باٰل ابی تراب [۶]

لقد کان فیہ خیر ماکان فی الوریٰ ـــ فما بالغت فیما حکت ام معبد [۷]

یا ابن الذبیعین وابن العواتك ـــ ویا معرخ الصارخین الفراتك [۸]

مولانا سہارن پوری کے بعض اشعار میں تجنیس لفظی کا استعمال ہوا ہے، مگر اس سے شعر کے بہاؤ پر اثر نہیں پڑا جیسے وہی شعر جو پہلے نقل کیا گیا۔ ـــ

تربت وطال ماتربت یمینی ـــ فخر بیدی باٰل ابی تراب [۹]

یا فراقی عیاً لا اری شافیا لہ ـــ سوی ان اصلی الزھر وھو قدی قری [۱۰]

مولانا نعت کے مضامین کے انتخاب میں اپنے استاد مولانا فضل حق خیر آبادی سے نہ صرف یہ کہ معنوی طور پر متاثر نہیں بلکہ اکثر اس کا حوالہ بھی دیتے ہیں جیساکہ درود بھیجتے وقت فرماتے ہیں۔

۱۔ دیوان الفیض ص ۱۵۔ ۲۔ حوالہ مذکورہ ص ۱۷۔ ۳۔ حوالہ مذکورہ ص ۷۲۔ ۴۔ حوالہ مذکورہ ص ۱۳۔ ۵۔ کتاب الحماسہ باب المنسیب ص ۲۳۷۔ ۶۔ دیوان الفیض ص ۳۔ ۷۔ حوالہ مذکورہ ص ۱۱۔ ۸۔ حوالہ مذکورہ ص ۵۱۔ ۹۔ حوالہ مذکورہ ص ۳۔ ۱۰۔ حوالہ مذکورہ ص ۱۲

علی آل ختم المرسلین خانہ　　شفاً علی ما قال شیخی و شری　۱ء

یا جیساکہ حاضری مدینہ منورہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

من قال انک میت لا یرتجی　　خلیقطن لسانہ الاستاذ　۲ء

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے مضامین مدح میں 'موضوعیت' کا رنگ نمایاں ہے۔ انہوں نے شاعری کو اظہار ذات کا ذریعہ اور اپنے سوزوگداز اور سوزش محبت کو ہی شعری پیراہن عطا کیا ہے اسلئے ان کی مدحیہ شاعری میں بھی عرفانِ نفس کی جھلک نظر آتی ہے۔ انہیں احساس ہے کہ اُن کی زندگی کے ایام اطاعت وعبادت میں صرف نہیں ہوئے، انہیں اپنے اعمال پر ندامت ہے، شرمندگی ہے اور اپنی بے کسی کا اعتراف ہے۔

انی امرء لیس لی علم ولا عمل　　کانی مہمل عار عن النقط

کلا وکلا کفاف ان اکون کمن　　یرضی باعماله من امة وسط　۳ء

اسلئے انہیں تمنا ہے کہ دامنِ رحمت اُن کیلئے کشادہ ہو کہ اس کے سوا اُن کا کوئی سہارا نہیں ہے۔

یا من یلوذ به الکرام ولاذوا　　مالی وراءک ملجأ وملاذ

کبری نقطع خشیة وغافه　　فدموع اماقی لها افلاذ

من لم یلذبک بات فی تیه الهوی　　وغدا الذین من الهوی بک عاذوا　۴ء

اور انہیں یقین ہے کہ

فان لم تجزنی وان لم تعذنی　　فانی لمود وانی لهالك　۵ء

کیونکہ آپ کی ذات ہی حرز جان ہے اور ملجأ ماوی ہے۔

ملاذی ومخاذی وکهفی ومعقلی　　وغوثی وغیثی ثم حبی وسیدی　۶ء

ولا یشتفی من دون یعتنی به　　النبی الذی یادی الیه صریخ

جواد کریم لا یخیب سائلا　　وکالله فی ما یرید صنیخ　۷ء

اور یہ طلب صرف دنیا کے ساتھ مخصوص نہیں آخرت میں بھی سب امیدیں اُنہیں کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اخاف مقامی عند ربی وارتجی　　شفاعة حبی یوم کشف القبائح　۸ء

ترحم غداة العرض کاین　　اذا حق انی وارد سر مورد　۹ء

اسلئے قبر سے اٹھتے ہی رحمتِ عالم کے نام کی دہائی دیں گے اور انہیں کی طرف لپکیں گے۔

انی انادیک از اُخرجت من جدثی　　ولا ابالی هنا من کثرة اللغط

۱ء دیوان الفیض ص ۱۲ ۲ء حوالہ مذکورہ ص ۱۹ - ۳ء حوالہ مذکورہ ص ۳۷ - ۴ء حوالہ مذکورہ ص ۱۹ - ۵ء حوالہ مذکورہ ص ۵۹ -

۶ء حوالہ مذکورہ ص ۱۷ - ۷ء حوالہ مذکورہ ص ۱۵ - ۸ء حوالہ مذکورہ ص ۱۳ - ۹ء حوالہ مذکورہ ص ۱۷ -

امشی الیک وای العنی معاونة　　　من راکباً لعنس او من فارس الفرط ۱؎

مولانا کے یہ استغاثے صرف اپنی ذات کے حوالے سے نہیں ہیں بلکہ وہ پوری قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے حاضرِ دربار ہیں۔

اتیتک فی قوم عصاة مقدما　　　فلا تخزنی فیھم بردّ و مطرد ۲؎

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور اپنی عرضداشت اس قدر والہانہ انداز میں پیش کی گئی ہے کہ معانی کی فراوانی کے ساتھ الفاظ میں بھی روانی آگئی ہے۔

ایا من ھمه دفع البلایا　　　ویا من دابه فلک الرقاب

الیک الملتجی وانت حرزی　　　ملاذی معقلی کھفی مآبی

وکیف وفیک لذہ کل حلو　　　ویابی کل ماھو بالزیاب

الیک المستغاث فان تغثنی　　　والا فالتباب علی التباب

رسولٌ الطحیٌ ھاشمیٌ　　　شفیع مستجیب مستجاب ۳؎

اس والہانہ پن میں کبھی کبھی اپنی بے چینی و اضطراب کو لفظوں میں مرتسم کر دیتے ہیں۔

رمی خفقان القلب عینی بالقذی　　　فما الیلنی الا کلیله اثمد

وجیف بقلبی لیس یفتر ساعة　　　یراہ الوریٰ لوکان قلبی علی یدی ۴؎

اس وارفتگی میں وہ کسی کے روکے نہیں رکتے بلکہ کوئی حائل ہونے کی کوشش کرے تو بھڑک اٹھتے ہیں اور ان کی شاعری میں مناظرانہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

کما تعود علی قرب کزند علی　　　بعد فلا ضیر للنای من الشحط

ویل فویل لقال قال انک لا　　　تجری کما کنت تجری قبل من سبط

یجادلون ولا برھان عندھم　　　فاغرقوا فی غمار الغی والغلط ۵؎

مولانا کے قصائد میں تشبیب کم ہے اور اگر چند شعر کہے بھی ہیں تو ان میں اپنی ذات کو موضوعِ سخن بنایا ہے اور بے بسی، بے عملی اور اچھے احساس گناہ کا ہی حوالہ دیا ہے۔

مدح کے مضامین میں خصائص نبویہ کے ان گوشوں کو موضوعِ شعر بنایا ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کرم بخشی اور شفاعت کا اظہار ہوتا ہے۔ مختلف قصائد سے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

خلقت مبارکا وبعثت سمحا　　　فاحسن لی علی سوئی وعابی ۶؎

شفیع کریم جل عن وصف واصف　　　ویقصر عما فیه اطراء مادح ۷؎

۱؎ دیوان الفیض ص ۳۷ ۔ ۲؎ حوالہ مذکورہ ص ۱۸ ۔ ۳؎ حوالہ مذکورہ ص ۳ ۔ ۴؎ حوالہ مذکورہ ص ۱۶، ۱۷ ۔ ۵؎ حوالہ مذکورہ ص ۳۱
۶؎ حوالہ مذکورہ ص ۳ ۔ ۷؎ حوالہ مذکورہ ص ۱۳ ۔

هو الجود کل الجود لاجود دونه — فطوبیٰ لمن یرجوہ من هالك دُ
هو الغیث کل الغیث لاغیث مثله — فیروی لمن یدعوہ من ظمی صد
کریم ندی الکفین لاغیث مثله — یغیث الوریٰ لولاہ ماکان من ندی
رؤوف بکل من مقیم وظاعن — ففی کل من مُغیر و منجد ۱؎
وکل حرٍّ له کعبد — وکل عبد له عتیق
والاهف باسمه تسلی — فلا زفیر ولا شهیق
رضاہ نور وسخطه ظلمة — تعبا بها البریق
یاملجاء الملتجی وکهف — الراجی ومن بات لایطیق ۲؎
اعز البرایا اغر العطایا — کریم السجایا سلیم العرائك ۳؎
نبی الهدیٰ خیر الوریٰ کاشف الدجیٰ — جمیل السجایا منبع الصدق والصفو ۴؎

برّصغیر پاک و ہند میں شیخ سعدی کے قطعہ نعتیہ پر تضمین ایک روایت بن گئی ہے ۔ مولانا سہارن پوری نے بھی اس وزن و قافیہ کو اپنایا "بلغ العلیٰ بکمالہ" بھی کہی ہے ۔ چند شعر پیش کیے جا رہے ہیں ۔

وهاله من کامل — بلغ العلیٰ بکماله
وذی جمال رائقٍ — کشف الدجیٰ بجماله
وذی خصال بارع — حسنت جمیع خصاله
ماروعیت صلواتکم — صلّوا علیه وآله
این السموات العلیٰ — من جاهه وجماله
مابدر هن کبدرہ — وهلالها کهلاله
من شاء فلیفخر هنا — لی بعمّه وخاله
فانا العجوز بانّنی — انا من موالی آله ۵؎

مولانا فیض الحسن سہارن پوری کی مدحیہ شاعری میں ایک معیاری اور قابلِ فخر شاعری کے تمام اوصاف موجود ہیں زبان پر عجمیت کی چھاپ بہت کم ہے اور قاری ان کے دیوان کے مقامی خیالات سے آگاہ نہ ہو تو یہ قیاس کرنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ کسی ہندی شاعر کے استعمات قلم ہیں ۔ اہل زبان کے قریب بلکہ برابر چلے جانا اور خیالات میں مدحیہ مضامین کے حدود و قیود کو ملحوظ رکھنا ایک مشکل مرحلہ ہے جس سے مولانا فیض الحسن جیسے اصحابِ علم و ادب ہی عہدہ برا ہو سکتے ہیں ۔ ہم نے عہد جدید کے دو نمائندہ مدح نگاروں پر تفصیلی گذارشات پیش کی ہیں ۔ ان کے علاوہ یہ دو رانیے علوم میں بہت سے مدح نگاروں کو لیے ہوئے ہے جن میں ایسے برگزیدہ اصحاب بھی ہیں جو دینی حلقوں کے امام اور اسلامی علوم کے مایہ ناز افراد میں سے ہیں ۔ مدحیہ شاعری کا عمومی جائزہ پہلے درج کیا جا چکا ہے اب صرف چند مداحین کا اجمالی ذکر پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

۱؎ حوالہ مذکورہ ص ۱۷ ۔ ۲؎ حوالہ مذکورہ ص ۴۷ ۔ ۳؎ دیوان الفیض ص ۵۲ ۔ ۴؎ حوالہ مذکورہ ص ۷۱

۵؎ حوالہ مذکورہ ص ۵۹ ۔

نواب صدیق حسن خان ۳ (۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء)

ابوالطیب صدیق حسن خان قنوج کے ایک معروف سادات گھرانے کے نمایاں افراد میں سے ہیں ۔ اپنے ننھیال بانس بریلی میں ۱۹ جمادی الاوّل ۱۲۴۸ھ / ۱۴ اکتوبر ۱۸۳۲ء کو پیدا ہوئے ۔ پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادرِ اکبر سید احمد حسن عرشی سے حاصل کی ، ۱۲۶۹ھ میں دہلی آگئے اور مفتی صدرالدین آزردہ سے تحصیلِ علم میں منہمک ہوئے ۔ ہمعصروں میں مولانا ارشاد حسین رام پوری ، مولانا فضل رسول بدایونی ، مولانا فیض الحسن سہارنپوری مولانا فضل حق خیرآبادی اور دیگر متعدد بزرگ تھے ۔ مشائخ میں شاہ احمد سعید دہلوی اور شاہ عبدالغنی دہلوی سے ربط و ضبط رہا ۔ تعلیم سے فراغت کے بعد قنوج واپس آگئے مگر روزگار کی مشکلات نے نکلنے پر مجبور کر دیا ۔ ۱۲۷۱ھ میں بھوپال آئے ۔ مولانا علی عباس چریاکوٹی کی مساعی سے ملازمت مل گئی مگر دو سال بعد ہی ملازمت سے علیحدہ ہو کر واپس قنوج آگئے ۔۱ دوبارہ بھوپال گئے مگر ملازمت نہ مل سکی ۔ تقریباً آٹھ ماہ ٹونک میں رہے پھر بھوپال کی راہ کھلی اور ملازم ہو گئے ۔۲ ۱۲۷۷ھ میں منشی جمال الدین خان کی بیٹی سے نکاح کر لیا جو بھوپال میں مدار المہام تھے ۔۳ ۱۲۸۵ھ کو حج پر روانہ ہوئے اور آٹھ ماہ بعد واپس لوٹے ۔۴ ۱۲۸۷ھ کو ملکہ بھوپال نواب شاہجہان بیگم سے نکاح ہوا جس کی ملکہ نے حکومتِ انگلینڈ باقاعدہ منظوری حاصل کی تھی ۔۵ ۱۲۹۳ھ میں ملکہ وکٹوریہ کی قیصرِ ہند کی تقریب میں ملکہ بھوپال کے ساتھ شریک ہوئے ۔۶ نواب صاحب کے ملکہ بھوپال سے شادی کے بعد کے دن معاشی خوشحالی میں بسر ہوئے اور علم و ادب کی خدمت کو خوب موقع ملا ۔ ۱۳۰۷ھ میں بھوپال ہی میں وفات پائی ۔۷

نواب صدیق حسن خان بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود حنفی المسلک تھے اُنہیں تصوّف سے بھی لگاؤ تھا ۔ نقشبندی طرزِ سلوک کے قائل اور اس سے عقیدت رکھتے تھے ۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے بے حد مداح تھے اور اُن پر طعن کرنے والوں کو ناپسند کرتے تھے ۔ وحدت الوجود و وحدت الشہود کے مسائل میں بھی اعتدال کی راہ چلتے اور ہر دو نظریات کے اکابر سے حسنِ ظن رکھتے تھے ۔

نواب صدیق حسن خان کثیر التصانیف مصنف تھے ۔ ان کی تصنیفات کے موضوع متنوع ہیں ۔ ان میں قرآن تفسیر قرآن ، حدیث ، عقائد ، فقہ ، علم کلام ، اخلاق ، معاشرت ، تصوّف ، ادب اور مواعظ شامل ہیں ۔ تالیفات کی کثیر تعداد ہے ۔ مآثر صدیقی حصہ چہارم میں ان کی ساری نگارشات کو بحیثیت حروف ہجا ترتیب دیا گیا ہے جن کی تعداد ۲۲۲ ہے ۔ نواب صاحب کی اکثر تالیفات عربی میں ہیں ۔ اُنہیں عربی نثر لکھنے کی خوب مہارت تھی ۔ عبارت سلیس اور رواں دواں ہے ۔ بیشتر کتابیں مرتب ہو کر طبع ہو چکی ہیں ۔ ان میں ابجد العلوم ، اتحاف النبلاء ، التاج المکلل ، الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ ، الشمامۃ العنبریۃ من مولد خیر البریۃ ، العلم الخفاق من علم الاشتقاق ، غصن البان المورق بمحسنات البیان ، حکمۃ العنبریۃ فی مدح خیر البریۃ ، ہمارے موضوع سے متعلق ہیں ۔ جن سے مقالہ میں استفادہ کیا گیا ہے

نواب صدیق حسن خان شعر کا ذوق تھا ۔ اردو ، فارسی اور عربی میں اظہارِ خیال کرتے تھے ۔ اُن کے اشعار اُن

ح۱ مآثر صدیقی حصہ دوم ص ۱ تا ۴ ۔ ح۲ حوالہ مذکورہ ص ۳۹ تا ۴۴ ۔ ح۳ حوالہ مذکورہ ص ۶۸ تا ۸۰ ۔ ح۴ حوالہ مذکورہ ص ۸۴ ، ۸۵ ۔ ح۵ حوالہ مذکورہ ص ۱۱۵ ۔

ح۶ مآثر صدیقی حصہ سوم ص ۳۰ ۔ ح۷ مآثر صدیقی حصہ چہارم ص ۱ تا ۱۰۳ ۔ مزید حالات کیلئے : التاج المکلل ص ۵۴۱ تا ۵۶۲ ، اتحاف النبلاء ص ۲۶۶ تا ۲۷۰ ، ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۲۷۱ تا ۲۷۴ ،

اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ ص ۱۰۳ تا ۱۰۵ ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۴۰۴ تا ۴۰۶ ، جلد ۵ فارسی ادب ص ۵۹۹ ، الاعلام الزرکلی ص ۳۶ ، ۳۷ ، معجم المؤلفین الجزء العاشر ص ۹۰ ۔

کی تالیفات میں بکھرے ہوئے ہیں۔ شعر کی قدر و قیمت کا انہیں احساس تھا اور وہ شعر کی شرعی حیثیت پر بڑے دلائل دیتے تھے۔ انھوں نے متعدد مقامات پر اظہار بیان کی قوت کے طور پر شعر کی حیثیت کا اعتراف کیا ہے بلکہ سماع تک کی بعض شرائط کے ساتھ افادیت تسلیم کی ہے بعض شعر اُن کے نزدیک اظہارِ نفس اور شاعر کے جذبات کا مظہر ہے۔ اسلئے اس میں غیر حقیقی مدح اور قصیدہ خوانی مناسب نہیں اپنے شعری نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ثمّ انی لم أمدح فی عمری هذا احداً من الامراء طمعاً فی صلته وملازمته کما هو عادة الشعراء وانما نظمت الشعر العربی والفارسی، اذا طاب الوقت وطاب الهواء"[1]

نواب صاحب کو مدینہ اور اہل مدینہ سے ایک گونہ تعلق تھا۔ حج پر روانگی ان کے فریضۂ حج کے ساتھ ہوائے مدینہ سے لطف اندوز ہونے اور دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حاضری کی خواہش بھی لیے ہوئے تھی۔ چنانچہ وہ اس دیارِ مقدس کے بارے میں کہتے ہیں۔ "سرزمینِ مدینہ رائحۂ خاص و نفحۂ مخصوص دارد کہ آں جنس خوشبو در ہیچ عطر و طیب دیدہ نشدہ و کوہ و طلول دے دلبستگی غریب دارد کہ در ہیچ اوطان مشاہدہ نیفتادہ۔"[2]

شعری صلاحیت اور دیارِ حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مجتمع ہوتے ہیں تو نعتیہ شاعری ترتیب پاتی ہے۔ چنانچہ نواب صاحب نے بھی مدحِ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں متعدد اشعار کہے ہیں۔ اُن کے مدحیہ اشعار بعض مصنفات میں مندرج ہیں مثلاً حاضری مدینہ کے موقعہ پر انہوں نے حسبِ حال دو شعر کہے۔

یا عین ان بعد الحبیب وداره ونأت مراحله وشط مزاره

فلقد ظفرت من الزمان بطائل ان لم تریه فهذه اشاره[3]

اور مدینہ کے ایام اُن کیلئے ہمیشہ ہی قیمتی سرمایہ رہے۔

یا حبذا زمنا أوی الی حرم وحبذا ساکن الایمان من ناس[4]

اسی لیے انہوں نے مدح نگاری میں صرف آپ کی ذات کو ہی مقصودِ شعر بنایا تھا۔

فخذ الیک رسول الله مدحة من براه تذکار اتراب واعراس[5]

مسلح میں احادیث کا حوالہ اور خصائص نبویّہ کا ذکر نمایاں ہے۔

حبّی لمحمد حبیب الباری فی طینه خلقی وروحی ساری

والمرء ومن أحب فی الخلد معا طوبی لی ان غدوت عبد الدار[6]

انت الذی طابت الدنیا بطیبه یا غوث اللهیف ومغنی السائل القاسی

انت الشفیع لعبد لا شفیع له ترمیه بالهون ظلما اعین الناس[7]

---

[1] مآثر صدیقی حصہ چہارم ص ۵۴، ۵۵۔ [2] التاج المکلل ص ۵۴۴۔ [3] اتحاف النبلاء ص ۲۶۹۔ [4] حوالہ مذکورہ۔
[5] حوالہ مذکورہ ص ۲۶۸۔ [6] حوالہ مذکورہ۔ [7] التاج المکلل ص ۵۸۳۔ [8] اتحاف النبلاء ص ۲۶۸۔

سنہ ۱۸۵۷ء کے ہیجانی دور میں جبکہ اہالیانِ برّصغیر انگریز حکمرانوں کے خلاف اپنی مقاومت کی آخری جنگ لڑ رہے تھے ۔ کچھ نمایاں افراد اس جہاد میں شریک نہ تھے، نواب بھی اُن میں شامل تھے ۔ نواب صاحب اور ان کے برادر اکبر سید احمد حسن عرشی کی کوششوں سے قنوج اپنے ہم وطنوں کے ساتھ شریک ہونے سے محروم رہا ۔ حیرت ہے کہ تخلف کی کوئی واضح دلیل بھی موجود نہ تھی اور پھر یہ بھی کہ صرف عدم تعاون ہی نہ تھا ۔ اپنی صلاحیتوں کو حکومت کے پلڑے میں ڈالا گیا ۔ جنگ آزادی کی بظاہر ناکامی کے اسباب میں ایسے بااثر افراد کا معاندانہ طرزِ عمل بھی تھا ۔ نواب صاحب کے عدم تعاون کی وجہ سے مجاہدین کے حلقوں میں اُن کے خلاف جذبات امڈ آئے تھے ۔ قنوج میں جب حالات بگڑنے لگے تو جان کا خطرہ درپیش ہوا تو نواب صاحب بلگرام چلے گئے اور وہاں محلہ میدان پورہ (یہ غلام علی آزاد کی رہائش رہا تھا) میں کرایہ کے مکان میں رہنے لگے[1] ۔ بلگرام میں ایک واقعہ پیش آیا ۔ جس سے اُن کے دل کی گہرائیوں سے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نکلی جو اُن کا مشہور مدحیہ قصیدہ ہے ۔ یہ واقعہ اُن کے صاحبزادے ماثر صدیقی نے نقل کیا ہے، کہتے ہیں " اسی زمانہ میں ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ نہانے اور کپڑے دھونے کیلئے دریا پر گئے، کپڑے اتار کر کنارے پر رکھے اور پانی میں اتر کر غسل کرنے لگے ۔ اتفاق سے سکھ اور پنجابی پلٹن کے کچھ سپاہی اُدھر سے گزرے چونکہ والاجاہ کا سرخ و سفید کھلا رنگ تھا ۔ سپاہیوں کو اُن پر انگریز ہونے کا شبہ گزرا اور سپاہیوں نے لپک کر اُن پر گولی کا فائر کرنا چاہا مگر خوش قسمتی سے ایک دہقان اُدھر آ رہا تھا جو چند سال قبل قنوج میں کاشتکاری کر چکا تھا اور وہاں کے دیہات کا مکھیا تھا وہ اُن سے اچھی طرح واقف تھا ۔ دوڑا اُن لوگوں سے چلا کر کہا ایسا غضب نہ کرنا یہ تو بڑے حضرت صاحب کے صاحبزادے ہیں ۔ میں ان کو برسوں سے جانتا ہوں ۔ جب ان لوگوں کو اُس کے بیان اور گواہی پر کامل وثوق ہو گیا اور اطمینان کر لیا تو وہ اپنے راستے پر چل دیئے ۔ والاجاہ نے خدائے ارحم الرّاحمین کا شکریہ ادا کیا اور نہا دھو کر گھر واپس آئے ۔ اسی حالتِ کشمکش اور عالم اضطراب میں انھوں نے ایک قصیدہ عربی زبان میں جناب رحمۃ للعالمین سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت میں لکھا اور اس کا نام قصیدۃ العنبریۃ فی مدح خیر البریۃ " ہے ۔[2]

اس سے نواب صاحب کی ظاہری شکل و صورت، اُن کے کھلتے ہوئے رنگ، اس علاقے میں اُن کے خاندان کی عزت کا احساس ابھرتا ہے اور یہ بھی کہ موت اُن کے قریب سے ہو کر گزری ۔ اس انسان کی قلبی کیفیت کا عام قاری اندازہ نہیں کر سکتا ۔ جس کی موت لمحوں کے وقفے میں واقع ہونے والی ہے اور اگر ایسی آخری حالت سے امان مل جائے تو دل کس قدر جذباتِ آفرین ہوگا ۔ محسوس ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے اس لمحۂ تلخ میں اپنے رب کو پکارا ہوگا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توجہ چاہی ہوگی ۔ اسی لیے تو اطمینان ملتے ہی اُس ہنگامی حالت کا نتیجہ ایک پر کیف اور محبت بیز قصیدے کی شکل میں سامنے آیا ہے

نواب صاحب کا یہ ہمزیہ قصیدہ ستر اشعار کا ہے جو ماثر صدیقی میں مکمل نقل ہوا ہے ۔ نواب صاحب نے خود بھی اسکے حوالے دیئے ہیں ۔ اور اتحاف النبلاء میں اسکے ستائیس شعر نقل کیے ہیں[3] ۔ یہ قصیدہ چونکہ ایک جذباتی کیفیت کا ردِعمل تھا اسلیے اس میں شاعر کی ذاتی سوز و گداز کا عالم ہے ۔ وارفتگی کی فضا میں خود سپردگی کی حالت پورے قصیدے پر چھائی ہوئی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاعر

---

[1] ماثر صدیقی حصہ دوم ص ۲۵، ۲۶ ۔ [2] ماثر صدیقی جلد دوم ص ۲۷ ۔ [3] اتحاف النبلاء ص ۲۶۷ ۔

"ملاذ" و "معاذ" کا خواہش مند ہے اور ماتی قریب کی گھبراہٹ اور پریشانی کا پرتو موجود ہے مثلاً

واحسن الی عبد عبدک لائذ ۔۔۔ اوی الیک مخافۃ الاعداء

کن انت للمحزون جاراً جنۃً ۔۔۔ من ھذہ البلوی وذی اللاواء

اخشی مرافع محشر متعاتف ۔۔۔ ھمّو القتلی والقطاع بقائی ۱؎

یہ تو ایک وقتی ہیجان تھا لیکن اُن کی نظرِ کرم تو تمام عمر درکار ہے اسلیے قصیدہ اسکی توسیعی صورت بھی پیش کرتا ہے ۔

یاسیدی یا عروتی ووسیلتی ۔۔۔ یا عُدّتی فی شِدّۃٍ وَرخاء

قد جئت بابک خائفاً مترقبا ۔۔۔ متاوھا بتنفس الصعداء

ارحم فقیراً جا بابک راجیا ۔۔۔ انت الضمین بحرمۃ الفقراء

لا ینبغی ردّ العفاۃ تغافلاً ۔۔۔ شان الکرام رعایۃ الغرباء ۲؎

دنیا کی زندگی کے مصائب اور مشکلات میں دستِ سوال دراز ہوا تو محشر کی بے چینیوں کا خیال آیا، آخر وہاں کیا ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی اُن حشر سامانیوں سے پناہ اور روزِ جزا و حساب میں توسل و شفاعت کی التجا پیش کرنے لگے ۔

شفعت جاھک ضارعا متذللا ۔۔۔ مالی وراءک صارف الضراء

مالی وراءک مستغاث فارحمن ۔۔۔ یا رحمۃ للعالمین لبکائی

المح علیّ عنایۃ وعطوفۃ ۔۔۔ وآثر حنادس مھجتی السوداء

ولک الشفاعۃ والمکانۃ فی غد ۔۔۔ ولانت اکرم محشر الشفعاء

ورجاء عبدک من جنابک سیدی ۔۔۔ نیل الشفاعۃ زبدۃ الالاء

وسواک مالی فی القیامۃ شافع ۔۔۔ انت المخلص لی من البأساء ۳؎

مدینہ منورہ سے محبت، زیارت کی خواہش اور حاضری دربار کی تمنّا ہر مدح گو کے نزدیک مدحیہ شاعری کا لازمی جزو رہی ہے ۔ نواب صاحب نے تو برِ صغیر میں اک بے چینی و اضطراب کا عالم دیکھا تھا، جس میں اُن کی اپنی جان بھی مشکل بچی تھی۔ اسلیے دار امن اور شہرِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تڑپ ان کے قصیدے میں اپنی پوری شدت سے موجود ہے۔ یہاں تک کہ قصیدے کی ابتداء ہی ذکرِ طیبہ سے ہوئی ہے ۔ فرماتے ہیں

اخترت بین اماکن الغبراء ۔۔۔ دار الکرامۃ بقعۃ الزوراء

ما فضلھا فوق المواضع کلھا ۔۔۔ الا لعرف فاح فی الارجاء

قلبی یطیر الی طیور مروجھا ۔۔۔ والی جوار ریاضھا الغناء

۱؎ مآثر صدیقی حصہ دوم ص ۳۱ ۔ ۲؎ حوالہ مذکورہ ص ۳۰، ۳۱ ۔ ۳؎ حوالہ مذکورہ ص ۳۰، ۳۱ ۔

كيف الوصول الى منازل طيبة　　فيها المفتقر حصول رجاء
انی عشقت على اقامة طابة　　فمتى افوز بجنة الدنياء
ليس البلوغ بارضها فی قدرتی　　شتان بين المهتد والزوراء
ان بات جسمی نازحا عن ارضها　　فالقلب فيها عمدة الوكلاء
نفسی الفداء لتربة قدسية　　فيها بنی سيد البطحاء
طوبیٰ لها من حيث حل يسوها　　نور تجلی فوق سبع سماء ح۱

مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خصائص نبویہ کا تذکرہ ہے جن میں سر فہرست اوّلین تخلیق ہونے کی فضیلت ہے۔

ثبتت نبوته وآدم جدنا　　قد كان فی اسر الثری والماء ح۲

بے مثل اور بے عدیل ہونے کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں

لم يخلق الله القدير عديله　　فی رتبة وفضيلة وضياء
مجلی اله العرش عز مكانه　　منزه عن وصمة الاكفاء ح۳

باعثِ تخلیق کائنات ہونے کے شرف کا ذکر کرتے ہیں

يكفيه فی وصف المكانة انه　　سبب لتخليق الثری وسماء ح۴

ناسخ ادیان ہونے کی عظمت کا اظہار کا بیان ہے۔

قد ابطل الملل السوابق دينه　　ان الضياء لمبطل الظلماء ح۵

معجزات میں صرف معراج کا تذکرہ ہے۔

فازت بمعراج البراقع ذاته　　هذا لعمری اعظم النعماء
لم يلق فی هذا الزهاب كابة　　ولعار فی ان مع السراء ح۶

مدحت کی دائمی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

يا ايها الشمس الرفيع مكانه　　ضاءت بنورك ساحة الترباء
لازال مدحك باقيا بين الوری　　من عبدك المعروف فی الاطراء ح۷

اور درود و اسلام پہ قصیدہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ قصیدہ بحر کامل میں ہے جو ایسے قصائد کیلئے موزوں ترین بحر ہے۔ ہمزیہ قصائد کا رواج حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ہمزیے سے ہی ہو گیا تھا اور مسلسل ایسے قصائد کہے جاتے رہے۔ نواب صاحب کے قصیدے پر غلام علی آزاد کے قصیدہ ہمزیہ کی گہری چھاپ ہے۔ آہنگ، اسلوب، مضامین حتیٰ کہ شعروں کی تعداد بھی تقریباً برابر ہے۔ آزاد کا ہمزیہ ۶۹ اور نواب صاحب کا ح۸ ۷۰ شعروں کا ہے۔ اسی مناسبت کی وجہ سے آزاد کے مقالہ نگار عبدالمقصود محمد شلقامی نے یہ الزام لگایا ہے کہ نواب صاحب کا قصیدہ آزاد کے ہمزیہ کی چربہ

ح۱ مآثر صدیقی جلد دوم ص ۳۱۔ ح۲ حوالہ مذکورہ ص ۲۹۔ ح۳ حوالہ مذکورہ۔ ح۴ حوالہ مذکورہ ح۵ حوالہ مذکورہ ح۶ حوالہ مذکورہ ص ۲۸، ۲۹۔
ح۷ حوالہ مذکورہ ص ۳۱۔ ح۸ الدیوان الاوّل آزاد ص ۲ تا ۶۔

ہے۔ بلکہ الشلقامی نے تو "الامیر السارق" کے عنوان سے بات شروع کی ہے[1]۔ اور متعدد مثالیں نقل کی ہیں۔ الشلقامی نے یہ تمام مثالیں اتحاف النبلاء سے لی ہیں۔ جس میں صرف اس طویل قصیدے کے ۲۰ شعر نقل ہوئے ہیں۔ پورے قصیدے کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو ان مماثلات کے باوجود انفرادیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ تشبیب بالکل مختلف ہے۔ مضامین شعر میں بھی تفاوت ہے۔ اگرچہ ہم وزن اور ہم قافیہ ہونے کی وجہ سے تطابق اور توارد کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نواب صدیق حسن خان کے زیر مطالعہ آزاد کے دیوان ایسے ہیں کہ انہیں اس قصیدے کی بحر اور اسلوب پسند تھا۔ شدت جذبات میں جب اندر سے نعتیہ مضامین پھوٹے تو بحر اور قافیہ کی مطابقت کی وجہ سے بعض شعروں میں توارد ہو گیا۔ نواب صاحب کی دیگر کتب میں ایسے اثرات ملتے ہیں۔ فارسی شعروں میں بھی بعض مصرعے معمولی تغیر کے ساتھ داخل ہوئے ہیں۔ التاج المکلل میں تو بدر الدین الغزی الشامی کے حالات لکھتے ہوئے ان کے دو شعر نقل کیے ہیں اور پھر اعتراف کیا کہ انہوں نے بھی ایسے دو شعر کہے ہیں مگر یہ بھی واضح کیا۔ "وکنت قلت قبل ان أسمع هذا"[2]۔ اسی قسم کی صورت حال یہاں بھی ہے۔ بہرکیف الشلقامی کے یہ جملے :

"ومما يسترعي النظر ان هذه السرقات ظاهرة مفضوحة وأن هذا السارق المتشاعر لم يفعل شيئاً سوى ان غير بعض الألفاظ وكان هذا قصارى جهده بالملاحظ أنه يأخذ البيت بتمامه فى بعض الأحيان، وحتى عندما يغير معظم الفاظ البيت فلا تزال تشم فيه رائحة صاحبه الأصلي لأن هذا المتشاعر لم يجشم نفسه مشقة الإنشاء والخلق أو بالأحرى لم يستطع فسطا على شعر آزاد ليسرق منه اللفظ والمعنى والوزن والقافية والإيحاء والظلال وسائر القيم منتهزاً فرصة غياب آزاد عن الدنيا من ناحية وعدم ذيوع شعره۔ لأنه لم يطبع۔ من ناحية أخرى ناسياً أو متناسياً أن الحق سيعود يوماً الى اصحابه غير منقوص۔"[3]

جابرانہ تنقید کے زمرے میں آتے ہیں۔ شاید جو کچھ استخراج کر لیا گیا ہے وہ نواب صاحب کے پیش نظر تھا۔ یہ تو ہر کوئی جانتا ہے اور انہیں بھی یہ خبر یقیناً ہوگی کہ آزاد جیسا شاعر گوشۂ خمول میں نہ رہ سکے گا۔ اور کسی روز سے تقابل ضرور ہوگا۔ ذہنی ہم آہنگی موضوع کی مطابقت، بحر و قافیہ کی مناسبت سے ایسا ہونا ممکن تھا جو کہ ہوا ہاں یہ بات ضرور کھٹکتی ہے کہ موافقت کی حد کچھ زیادہ ہے اور "قرب" خاصا طویل ہو گیا ہے لیکن ہمارا خیال پھر بھی یہ ہے کہ یہ غیر ضروری توارد کی مثال ہے۔ آزاد کے شعر اپنی شعریت میں بلند آہنگ رکھتے ہیں اور نواب صاحب شاعری کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتے صرف کبھی کبھار جذبات کو لباس اور نظم کا اوڑھا دیتے ہیں۔ نعتیہ شاعری میں یہ تم خیال اور مثلیت ویسے بھی عام ہے۔ اس متشددانہ جرح کے باوجود ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں کہ نواب صدیق حسن خان کا شعری ذوق قابل قدر اور ان کے نعتیہ اشعار ایک دینی ذوق کے انسان کے ذہنی جھکاؤ کا بھرپور اظہار ہیں۔

ح[1] شعر غلام علی آزاد البلگرامی فی العربیۃ ص ۳۲۵۔ ح[2] التاج المکلل ص ۴۸۲۔ ح[3] شعر غلام علی آزاد البلگرامی فی العربیۃ ص ۳۵۰۔

قاضی طلا محمد پشاوری (م ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء)

قاضی طلا محمد بن قاضی محمد حسن افغانی پشاوری ایک معزز گھرانے کے فرد تھے۔ اُن کے دادا قاضی محمد اکبر خان افغانستان میں قاضی تھے اور خاندان کے دیگر افراد بھی اسی منصب پر رہے اسلئے "قاضی" کہلائے۔ قاضی طلا محمد کلکتہ میں دیوان الانشاء کے نگران رہے۔ اپنے خاندان کے بزرگوں سے ہی کسب علم کیا۔ پھر دہلی میں سیّد نذیر حسین دہلوی سے سندِ حدیث لی۔ [1] قاضی صاحب کو عربیت کا شوق تھا عربی شعر بڑی روانی و سہولت سے کہتے تھے۔ نواب صدیق خان نے اُن کے متعدد قصائد کا ذکر کیا ہے مثلاً القصائد العربیۃ فی مدح الشیخ کافی والشیخ محمد اسماعیل الدھلوی والشیخ محمد اسحاق" جو مطبوع ہیں [2]۔ "الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ" جو نواب صاحب کی کتاب ہے کی تعریف میں ۵۱ شعروں کا عربی قصیدہ لکھا۔ [3] اسی طرح "دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب" "الشیخ الفاضل المحقق محمد معین بن محمد امین سندھی مطبوعہ لاہور ۱۲۸۴ھ کی تعریف میں بھی ایک عمدہ قصیدہ کہا۔ پشاور کے شیخ عبدالغفور اخوند صاحب سوات کے متوسلین نے "العروۃ الوثقیٰ فی اسماء اھل التقیٰ" کے نام سے ۸۴ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ شائع کیا۔ یہ کتابچہ مطبع پشاور میں ۱۲۸۵ھ کی ذوالحجۃ کو طبع ہوا۔ اس میں قاضی صاحب کے چند مختصر قطعات کے علاوہ چار طویل قصیدے شامل ہیں۔ یمیۃ (۸۲ شعر)، مقصورۃ (۷۵ شعر)، لامیۃ (۷۰ شعر) اور لامیۃ (۵۸ شعر) یہ قصائد مدحیہ ہیں۔ [4]

قاضی طلا محمد کے قصائد میں خصائص نبوت کا تذکرہ زیادہ ہے۔ ان خصائص میں زیادہ توجہ درج ذیل امتیازات کو حاصل ہے۔

- نبی کل: فَمَبْعَثُهُ الْمَسْعُودُ أَعْطَىٰ كَرَامَةً — جَمِيعَ الْوَرَىٰ حَتَّىٰ مُطِيعًا وَّعَاصِيَا [5]
- مطاع انبیاء: عَلَىٰ مَنْ صَارَ النَّبِيُّوْنَ طُوَّعًا — عَلَىٰ مَنْ لَهٗ أَضْحَى الْمَلَائِكُ خُدَّمَا
- بے مثل: لَقَدْ فَازَ فَوْزًا لَا يَنَالُ بِمِثْلِهٖ — وَعَلَّمَهُ الرَّحْمٰنُ مَا لَمْ يُعَلَّمَا [6]
- خیر خلق: مُحَمَّدٌ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ قَاطِبَةً — فَشَانُهٗ مِنْ قِيَاسَاتِ الْوَرَىٰ عَالٍ [7]
- اول الانبیاء: لَقَدْ كَانَ مَبْعُوثًا نَبِيًّا وَّمُرْسَلًا — وَمَا ظَهَرَ الْبَارِي مِنَ الطِّيْنِ اٰدَمَا [8]

فضائل و شمائل میں حسن ذاتی سے لے کر خصائل حمیدہ کا ذکر ہے مثلاً

- بدر تمام: عَلَىٰ مَنْ إِذَا لَاقَيْتَ مَنْظُوْرَةَ النَّجِيْ — تَرَىٰ وَجْهَهٗ فِي الْحُسْنِ بَدْرًا مُتَمَّمَا
- عابد بے نظیر: عَلَىٰ مَنْ لَقَدْ قَامَ الْإِلٰهَ تَعَبُّدًا — وَرِجْلَاهُ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ تَوَرَّمَا [9]
- صاحب جود: مِنْوَالُهٗ دَائِمًا جُوْدٌ وَّمَكْرُمَةٌ — وَلَيْسَ بِيْ غَيْرُهٗ فِي الدَّهْرِ مِنْ دَالٍ [10]

معجزات کے بیان میں قاضی کا انتخاب وہی ہے جو عموماً شعراء مدیح کے ہاں پسندیدہ ہے۔

- انھدام ایوان کسریٰ: سِرَاجٌ مُّنِيْرٌ زَاهِدٌ مُّتَوَرِّعٌ — بِمِيْلَادِهٖ اِيْوَانُ كِسْرٰى تَهَدَّمَا
- کلام حیوانات: بِتَصْدِيْقِهٖ ضَبٌّ تَكَلَّمَ نَاطِقًا — اِلَيْهِ بَعِيْرٌ قَدْ شَكٰى وَتَظَلَّمَا [11]

---

[1] نزھۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۱۹۹ ۔ [2] العلم الخفاق من علم الاشتقاق ص ۱۵۴ ۔ [3] اتحاف النبلاء ۷۵ [4] حوالہ مذکورہ ص ۷۹ ۔
[5] العروۃ الوثقیٰ ص ۴۴ ۔ [6] حوالہ مذکورہ ص ۶۷ ۔ [7] حوالہ مذکورہ ص ۷۳ ۔ [8] حوالہ مذکورہ ص ۶۷ ۔ [9] حوالہ مذکورہ ۔
[10] حوالہ مذکورہ ص ۷۳ ۔ [11] حوالہ مذکورہ ص: ۶۷

جنین الجذع؛ شق قمر: لہ حنّ جذعٌ فی الاساطین ثابتاً — لہ شق قرص البدر فی مطلع السما

معراج : علی من ترقّی حضرۃ ای حضرۃ — دنی فتدلّی وارتقی ذروۃ السما ع۱

قاضی صاحب ان معروضی بیانات سے جب دل کی بات کہنے پہ آتے ہیں تو اُن کے کلام کا تیور تیکھا ہو جاتا ہے۔

ملاذی رسول اللہ واللہ عدّتی — لدی شدّتی اذ کابۃ الدھر اظلما ع۲

ارحم علی حال الطلا واخفظہ عن سوء البلا — یا من لہ قالوا بلی یا من تقدّس وانتقلی ع۳

قاضی صاحب کے کلام میں سلام کے ابیات کثیر ہیں، خصائص نبویہ سے ایک ایک کا ذکر کر کے اُس پر سلام پیش کرتے ہیں۔ اور ان اشعار میں جوش اور روانی طبع کا خروش بہت پُر لطف ہوتا ہے یہ سب مظہر ہیں۔ اُس عشق کے جو قاضی طلا محمد کے قلب و جگر کو محیط ہے جس کا کبھی کبھی اظہار بھی بے ساختہ پن میں ہو جاتا ہے۔ مگر اس عشق کی بنیاد تعلیمات سرمدیہ اور فرمودات عالیہ کی کیف بار فضا ہے جو ہمہ وقت اُن کے شعور پر محیط ہے۔

نور الحدیث سری فی کل جارحتی — وفی ضمیری وفی عینی وفی اذنی

خیر الھدی فی کتاب اللہ عزّ وجل — وحبّ احمد فی روحی وفی بدنی ع۴

درود پاک پر ایک شعر جس میں معجزہ شق القمر کی نسبت سے دست مبارک کی عظمت کا اظہار ہے۔

ثم الصلاۃ علی خیر الخلیقۃ من — کفاہ معجزۃ ان شق فی القمر ع۵

قاضی صاحب کے قصائد میں تخلص کا استعمال ایک لازمی جزو کی حیثیت سے ہے جس سے مقامی اثر صاف نمایاں ہو جاتا ہے۔ تشبیب بھی قصیدے کا ضروری حصہ سمجھی گئی ہے۔ یہ انداز اگرچہ روایتاً اکثر قصائد میں موجود ہے۔ مگر اس میں موضوع کے تقدس کی مناسبت سے احتیاط کا مجوزین تشبیب نے بھی ذکر کیا ہے۔ قاضی صاحب اس سلسلے میں تجاوز کر جاتے ہیں۔ اور اکثر اشعار نعتیہ فضا میں اجنبی محسوس ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات وہ عمومی اخلاق کی حدود بھی پھلانگتے ہیں۔ شاید یہ ان کی فارسی شاعری کے اثرات ہیں کہ وہ فارسی کے بھی صاحب دیوان شاعر تھے ع۶

تشبیب کا عمومی لہجہ یہ ہے۔

فلم ترقبلی میتا فاض ادمعا — ولم ار بدراً قبل ھذا تبسما ع۷

غصن رشیق قدھا بدر منیر خدھا — داء الیم صدھا مازال موری بالاسی ع۸

مگر جب اس میں خالص مادی رنگ آتا ہے تو تشبیب کا بیان کچھ اس طرح کا ہو جاتا ہے۔

بیض غدائرھا سود کغالیۃ — غید مراشفھا عذب کسلسال

فتاحۃ القلب اذ فحت بخدرھا — سلابۃ العقل اذ رنت بخلخال ع۹

اور جب حد سے تجاوز ہوتا ہے تو ان کی گفتار کچھ اسطرح ہو جاتی ہے۔

ع۱ العروۃ الوثقی ص ۶۲ ۔ ع۲ حوالہ مذکور ۔ ع۳ حوالہ مذکور ص ۷۳ ۔ ع۴ اتحاف النبلاء ص ۷۵ ۔ ع۵ نزھۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۲۰۱

ع۶ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۵ فارسی ادب ص ۳۱۵ ۔ ع۷ العروۃ الوثقی ص ۶۲ ۔ ع۸ حوالہ مذکور ص ۶۷ ۔

ع۹ حوالہ مذکور ص ۷۱ ۔

إِذَا غَابَتِ الْوَاشُوْنَ فُزْتُ بِقُبْلَةٍ   بِمَرْشَفِهَا الْمَعْسُوْلِ مُسْتَغْرِبِ اللَّمَا ۱؎

گریز میں بھی مدحت کے بجائے تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ جیسے

وِشَاحُ لآلٍ زَيَّنَتْ فَوْقَ وَجْهِهَا   كَأَلْفَاظِ مَدْحِي لِلنَّبِيِّ مُنَظَّمَا ۲؎

الغرض قاضی طٰہٰ محمد عربی شاعری کے رموز و اوقاف سے آگاہ ہیں۔ مدح میں بعض اوقات معمولی سی تجاوز کے باوجود انہیں مدح نگاری کا سلیقہ آتا ہے۔ اُن کے الفاظ مترنم، معانی واضح اور اسلوب دلکش ہے اور عموماً قاری اپنے مطالعے میں کسی غیر مانوس فنی الجھن یا تکرار محض کا شکار نہیں ہوتا۔

۱؎ العروۃ الوثقیٰ ص ۶۲ - ۲؎ حوالہ مذکورہ ص ۶۳ -

مولانا خیر الدین (م ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء)

مولانا خیرالدین کے ابتدائی حالات دستیاب نہ ہو سکے، حیرت ہے کہ ابوالکلام آزاد جن پر برِ صغیر پاک و ہند میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور جن کی زندگی کے ہر پہلو یعنی سیاسی، ادبی اور دینی پر بیسیوں لوگوں نے قلم اٹھایا۔ اُن کے والدِ گرامی کے تذکرے سے تمام کتب موئی ہیں۔ حتیٰ کہ مولانا آزاد نے اپنی خاندانی حیثیت اور منزلت پر تذکرہ جیسی قابلِ قدر کتاب تحریر کرتے وقت بھی اپنے والد کے حالات سے پردہ نہیں اٹھایا، حیرت اسی پر نہیں کہ والد کو نظرانداز کر دیا بلکہ اس پر ہے کہ ایسے والد کو جس کی علمی اور دینی خدمات کا انہیں خود بھی اعتراف تھا۔ یہ ارادۃً عدمِ توجہی قاری کو پریشان کرتی ہے۔ بہر کیف ناقدری" دہر پر افسوس کے اظہار کے سوا کیا جا سکتا ہے" ذیل میں جو مختصر اور غیر مربوط حالات دستیاب ہیں اُنہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مولانا خیرالدین کے والد کا نام "محمد ہادی" تھا جو دہلی مرحوم کے مشہور خاندانِ علم و فضیلت سے تعلق رکھتے تھے۔ جس میں بیک وقت پانچ پانچ علماء، درس و افتاء، و اصحابِ سلوک و طریقت پیدا ہوئے ہیں۔[1] مولانا خیرالدین کے نانا شاہ عبدالعزیز کے اجلۂ تلامذہ میں سے تھے اور وہ سلطنتِ مغلیہ کے آخری رکن المدرسین تھے[2] وہ دہلی کے صاحبِ ارشاد بزرگ تھے اور اپنے عہد کے مشاہیر اساتذۂ علم و درس اور اصحابِ طریقت و سلوک میں سے تھے۔

مولانا خیرالدین کم سنی ہی میں باپ کے سائے سے محروم ہو گئے، نانا کے گھر پرورش پائی اور اُنہیں سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء کی شورش سے پہلے نانا کے ہمراہ بقصدِ ہجرت حرمین روانہ ہوئے۔ نانا نے بمبئی پہنچ کر وفات پائی۔ مولانا خیرالدین نے جا کر مقیم ہو گئے[3] اور حرمین ہی میں مستقل رہائش کر لی۔ مدینہ منورہ کے ایک عالی نسب اور معروف گھرانے میں شادی کر لی۔ مولانا آزاد اپنی والدہ کے بارے میں لکھتے ہیں "میری والدہ حضرت شیخ محمد بن ظاہر وتری مفتی مدینہ منورہ کی بھانجی تھیں جو گذشتہ دور کے اکثر علماء حجاز کے استاد حدیث اور شیخ عبداللہ سراج کے بعد مکہ معظمہ کے آخری محدث تھے۔ ان کے بعد اس درجے کا کوئی شیخ حدیث حرمین میں پیدا نہیں ہوا۔"[4] ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۹ء میں نہرِ زبیدہ کی مرمت کیلئے سرمایہ فراہم کرنے میں مولانا خیرالدین نے خاص ناموری حاصل کی۔ مولانا خیرالدین کے بمبئی، کلکتہ اور رنگون میں بے شمار مرید تھے۔ جن کی وجہ سے مولانا ہندوستان آتے رہتے تھے۔ آخر ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء میں مریدوں کے اصرار پر کلکتہ اور مستقل رہائش کر لی، کلکتہ ہی میں انتقال ہوا۔[5]

مولانا خیرالدین کلکتہ میں نہایت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ قلعہ کے میدان میں اپنی جماعت کے ساتھ نمازِ عیدین ادا کیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ آزاد کے دور تک جاری رہا۔[6] مولانا اپنے دور کے عالمِ بے بدل اور فاضلِ بے مثل تھے خدمتِ اسلام اُن کی زندگی کا مشن تھا۔ اور تمام عمر وہ اس فریضے کی بجا آوری میں انتھک کوشش کرتے رہے۔ اُن کے کردار و سیرت کے بارے میں مولانا آزاد نے خود وضاحت کی۔ کسی نے ایک گمنام خط مولانا آزاد کو سیاسی مخالفت کی بنا پر لکھا اور غصے میں کچھ گالیاں دیں جن میں ایک "اولادِ ابلیس" بھی تھی۔ اس پر مولانا نے جواباً لکھا: "آپ نے 'اولادِ ابلیس' بھی ایک جگہ لکھا ہے، البتہ یہ سچ نہیں ہے کیونکہ میرا مرحوم باپ تو ایک متقی اور نیک اعمال انسان تھا۔ خدا تعالیٰ نے دنیا اور دنیا والوں کی عظمت و جبروت کو اس

---

[1] تذکرہ مولانا آزاد ص ۲۸۔ [2] حوالہ مذکورہ۔ [3] اُردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۱۰۰۔ [4] تذکرہ ص ۲۷، ۲۸۔

[5] اُردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۱۰۰۔ [6] الہلال ۱۷ ذی الحجۃ ۱۳۳۰ / ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۲

کے قدموں پر گرا پاگیر ا ہیں کبھی ان پر غلط انداز نظر بھی نہ ڈالی اور ہمیشہ "اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَان" کے نہاں خانۂ محفوظ میں زندگی بسر کی۔ [1]

مولانا خیرالدین نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں چند ایک جو دستیاب ہوسکیں ان کے نام ہیں،

دُرَجُ الدُّرَرِ البَھِیَّۃ، فِی اِیْمَانِ الْاٰبَاءِ وَالْاُمَّھَاتِ الْمُصْطَفَوِیَّۃ" کلکتہ کے مطبع توفیقی سے شائع ہوئی۔ سن تالیف درج نہیں ہے۔ اس میں دراصل دو کتابیں ہیں، ایک:

"البصائر العشرة الجلیّة لناظری الجزء الاول من القصائد الخیوریّة" اسے دُرج الدرر البھیۃ کی پہلی جلد کہا جاسکتا ہے۔ یہ ۱۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، دوسری:

اصل کتاب یعنی "دُرج الدرر البھیۃ فی ایمان الآباء والامھات المصطفویۃ" اس کے صفحات کی ترتیب میں تکرار ہے۔ ایک ایک صفحہ 'مزید' کے لفظ کے ساتھ دو دو مرتبہ درج ہے۔ کل صفحات ۲۹۶ درج ہیں مگر ۱۱۲ مزید ہیں۔ اس طرح کل ۴۰۸ صفحات کی کتاب ہے۔

- اَلسِّتَّۃُ الضَّرُوْرِیَّۃُ فِی الْمَعَارِفِ الْخَیُوْرِیَّۃ ۱۳۱۵ھ کو مطبع معدن الرموز مسمیٰ با لکنز کلکتہ سے شائع ہوئی۔ کل ۴۴ صفحات ہیں۔

- خیر الامصار مدینۃ الانصار۔ ۱۳۱۵ھ میں ہادی المطابع کلکتہ سے طبع ہوئی کل ۷۲ صفحات ہیں۔

- حفظ المتین عن لصوص الدین۔ ۱۳۱۵ھ ہی میں ہادی المطابع کلکتہ سے چھپی کل ۹۶ صفحات ہیں۔

ان کتب میں نثر اردو عربی میں مسائل پر بحث ہے۔ مگر ان میں اردو فارسی اور عربی اشعار کی اسقدر کثرت ہے کہ نثر و نظم پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں۔ اردو شاعری پر مؤسسانہ رنگ طاری ہے۔ فارسی قدرے ان اثرات سے پاک ہے۔ مگر عربی شعر اپنے پورے جلال کے ساتھ موجود ہے۔ ان کتب کے تمام عربی اشعار کو علیحدہ مرتب کر لیا جائے تو یقیناً ایک ممتاز متوسط حجم کا عربی دیوان تیار ہوسکتا ہے۔ مولانا عجمی شعراء کی طرح تخلص استعمال کرتے ہیں، 'خیوری' اور 'خیر دین' کو موقع محل کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

مولانا خیرالدین ایک عالم دین اور مناظر تھے۔ اسلئے اُن کی شاعری پر علم کا سایہ اور مناظرانہ روش کا پرتو ہے۔ شعروں میں استدلال اور مخالفانہ نظریات کا رد اُن کی شعری خصوصیات میں سے ہے۔ یہ معروضی طرز ادا ہے لیکن چونکہ وہ عقیدتمند طبیعت رکھتے تھے۔ اسلئے خصائص شماری اور دلائل طرازی میں بھی دل کی بات کہتے ہیں۔ اور اُن کا جذبہ بار ہا دلائل کو اپنے احاطے میں لے لیتا ہے۔ اس طرح اُن کی شاعری ہر دو پہلوؤں پر حاوی ہے۔ پھر یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ وہ یہ شاعری کسی دیوانِ شعر کیلئے نہیں تصنیف کر رہے بلکہ ایسی کتابوں میں درج کر رہے ہیں۔ جن کے موضوعات تو رہیں۔ اسلئے شعر موضوع کی مناسبت لیے ہوئے ہیں۔ ایسی شاعری پر آورد کا شائبہ ہوا کرتا ہے۔ اور بعض جگہوں پر یہ احساس گھمبیر بھی ہوجاتا ہے۔ مگر عموماً اُن کے شعر موضوع کی گرفت میں رہتے ہوئے بھی اپنا ایک وجود رکھتے ہیں۔ اور انہیں بڑی آسانی سے اپنے سیاق سے الگ کرکے مستقل حیثیت دی جاسکتی ہے۔

مولانا کے شعری موضوعات میں خاندانی شرف، پیغمبرانہ خصائص اور ذاتی اوصاف کا تذکرہ

---

[1] الھلال ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۲ ص: ۳

شامل ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تخلیقِ کائنات میں مرکزی حیثیت اور بے مثل انفرادیت کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ مثلیت کی نفی، خاندان میں کسی نقص یا کوتاہی کا ازالہ اور اس پر دلائل سے بعض اوقات جدلیت منہ زور ہو جاتی ہے۔ کہیں کہیں مناظرانہ رنگ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ خصائص نبویہ کے حوالے سے چند شعر ایضاح مقصود کے لیے گے۔

باعثِ تخلیقِ کائنات:

عليكَ مدارُ الخلقِ إذ أنتَ قطبُهُ	وأنتَ منارُ الحقِّ تعلو وتعدِلُ	ع۱
سِرُّ الوجودِ ونكتةُ الدهرِ الذي	كلُّ الوجودِ بجودِهِ يتعلّقُ	ع۲
وأنتَ بهذا الكونِ علّةُ كونِهِ	ولولاكَ ما امتازَ الوجودُ بأكوانِ	ع۳

قبل آدم علیہ السلام نبوت سے سرفرازی:

شمسٌ تقادمَ قبلَ آدمَ طلعُها	أبدًا على أفقِ البقا لا تغربُ	ع۴

سید البشر:

الله فضّلهُ على كلِّ الورى	فهو الحبيبُ وفضلُهُ مشهورُ	ع۵
وسيّدُ هذا الخلقِ من نسلِ آدمٍ	وأكرمُ مبعوثٍ إلى الإنسِ والجانِ	ع۶

افضل انبیاء:

محمدٌ المختارُ من هاشمٍ	افضلُ المرسلينَ بلا الكلامِ	ع۷
خيرُ النبيّينَ الكرامِ نبيُّنا	بالنورِ في العرشِ اسمُهُ مسطورُ	ع۸

مرکزِ کائنات و مصدرِ فیوضات:

إنسانُ عينِ الكونِ مبلغُ سرِّهِ	قطبُ الكمالِ وغيثُهُ متدفّقُ	ع۹
شمسٌ على قطبِ الكمالِ مضيئةٌ	بدرٌ على فلكِ العلا سيرانُهُ	
الكلُّ فيهِ ومنهُ كانَ وعندَهُ	تفنى الدهورُ ولم تزلْ أزمانُهُ	ع۱۰

شمائلِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ذکر کرتے ہوئے بعض کا حوالہ دیتے ہیں:

اوفی الوری: أوفى الورى ذممًا أسماهُمُ هممًا	أعلاهُمُ كرمًا جلّتْ مناقبُهُ	ع۱۱
نورِ حکمت بحرِ علم: نورٌ من الحِكَمِ لا تخبو سواطعُهُ	بحرٌ من العلمِ لا تفنى عجائبُهُ	ع۱۲
کامل الخلق والخلق: هو الكمالُ في خَلْقٍ وفي خُلُقٍ	زكتْ حُلاهُ كما طابتْ مناسبُهُ	ع۱۳

الغرض صاحب محامد لامحدود:

ع۱ البصائر العشرۃ الجلیۃ ص ۴۶۔ ع۲ حوالہ مذکور ص ۱۶۱ ۔ ع۳ درج الدرر البہیۃ حصہ دوم ص ۱۸۴ ۔ ع۴ البصائر العشرۃ الجلیہ ص ۲۰ ع۵ حوالہ مذکورہ ص ۱۴۵ ۔ ع۶ درج الدرر البہیۃ حصہ دوم ص ۱۸۴ ۔ ع۷ البصائر العشرۃ الجلیہ ص ۵۵ ۔ ع۸ البصائر العشرۃ الجلیہ ص ۱۶۱ ۔ ع۹ حوالہ مذکورہ ص ۱۶۱ ۔ ع۱۰ خیر الاعصار مدینۃ الانصار ص ۳۴ ۔ ع۱۱ درج الدرر البہیۃ ص ۲۶۹ زائد ۔ ع۱۲ حوالہ مذکورہ ص ۲۷۰ زائد ۔ ع۱۳ حوالہ مذکورہ

مَحَامِدُ الْمُصْطَفٰی لَا یَنْتَهِی اَبَدًا　　تَعْدَادُهَا هَلْ یَعُدُّ الْقَطْرَ حَاسِبُهٗ　۱؎

مولانا خیرالدین کی کتاب "درج الدرر البهیة" کا موضوع ہی خاندانی عظمت کا تذکرہ اور اس پر مرتب دلائل پیش کرنا ہے۔ اسلیئے خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں متعدد شعر اس میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر چند شعر پیش کی جاتے ہیں۔

تَنَقَّلَ فِیْ اَصْلَابِ قَوْمٍ تَشَرَّفُوْا　　بِهٖ مِثْلَ مَا لِلْبَدْرِ تِلْکَ الْمَنَازِلُ　۲؎

مَحْبُوْبُنَا خَیْرُ الْبَرِیَّةِ نَسَبُهٗ　　یَوْمَ النُّشُوْرِ لِوَاؤُهٗ مَنْشُوْرٌ　۳؎

خاندان کے تذکرے کے ساتھ ولادت کی عظمت اور پیش گوئیوں کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اَصْنَامُ مَکَّةَ خَرَّتْ عِنْدَ مَوْلِدِهٖ　　وَالنَّارُ خَامِدَةٌ صَارَتْ وَتَضْطَرِمُ　۴؎

جَاءَتْ تُبَشِّرُ مِنَّا الرُّسُلُ الْکِرَامُ بِهٖ　　کَالصُّبْحِ تَبْدُوْا تَبَاشِیْرُ الْکَوَاکِبِ　۵؎

درود وسلام کے موضوع پر بھی مولانا کا کثیر کلام موجود ہے۔ اسماءالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی منظوم کیا ہے۔ مگر انھیں اس سارے کاوش کے باوجود یہ اعتراف ہے کہ اُن کا ہدیہ سلام اور تحفہ درود اور ذاتِ بابرکات کی عظمتوں کے لائق نہیں ہے۔ یہ انکسارِ نفس اور نفیِ ذات کی منزل ہے اسلیئے وہ دعا پر اکتفا کرتے ہیں۔ کہ یہ تحفہ دربارِ الٰہی ہی سے نازل ہوں تاکہ مقام کی عظمت کا مناسب قرار پائیں

صَلٰوةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ نَحْوَ جَنَابِهٖ　　لِاَنَّ صَلٰوتِیْ لَا تَلِیْقُ لِبَابِهٖ　۶؎

مولانا کی شاعری تشبیب کے دلدل کی اسیر نہیں رہی، مدح کرتے ہیں اور بلا کسی خارجی تمہید کے ثناخوانی شروع کر دیتے ہیں۔ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے قلب و نظر کا سرمایہ ہے اسلیئے ایک لمحہ بھی نظر سے اوجھل نہیں ہے۔

جَمَالُکَ فِیْ عَیْنِیْ وَذِکْرُکَ فِیْ فَمِیْ　　وَحُبُّکَ فِیْ قَلْبِیْ فَاَیْنَ تَغِیْبُ　۷؎

مدح سرائی اور نعت خوانی کا نتیجہ طلب کی صورت میں نکلتا ہے۔ خصائص وفضائل کا جہاں معنیٰ آباد کرکے کرم کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ مولانا کا تو انداز ہی خود سپردگی اور درمان طلبی کا ہے۔ اسلیئے ان کی شاعری کا بیشتر حصہ شفاعت طلبی اور دادخواہی کے حوالے سے مرتب ہوا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

یَا رَحْمَةً لِلْعَالَمِیْنَ بِاَسْرِهَا　　وَاَمَا فَمَا مِنْ شِدَّةٍ وَرَخَاءٍ　۸؎

خُذْ بِاللُّطْفِ لَا تَقْهَرْ خُیُوْرِکَ　　طَرِیْحًا فِی النَّوَاقِعِ وَالْمَسَاوِیْ　۹؎

مَنْ لِیْ سِوَاکَ اِذْ اُدْرِجْتُ فِیْ کَفَنِیْ　　وَمَنْ اَنِیْسِیْ اِذَا اُفْرِدْتُ بِیْ خُوْلِیْ　۱۰؎

فَلَیْسَ لَنَا یَوْمَ الْمَعَادِ ذَخِیْرَةٌ　　بِلَا وَجْهِکَ الْمَیْمُوْنِ خَیْرُ الذَّخَائِرِ　۱۱؎

اَرْجُوْکَ یَا غَوْثَ الْاَنَامِ فَلَا تَدَعْ　　بَابَ الرِّضَا دُوْنِیْ یُسَدُّ وَیُغْلَقُ　۱۲؎

وَسِیْلَتِیَ الْعُظْمٰی شَفَاعَتُکَ الَّتِیْ　　یَلُوْذُ بِهَا عِیْسٰی وَمُوْسٰی بْنُ عِمْرَانَ　۱۳؎

۱؎ درج الدرر البهیة ص ۲۷ - ۲؎ البصائر العشرة الجلیة ص ۱۳۲ - ۳؎ حوالہ مذکور ص ۱۶۵ - ۴؎ درج الدرر البهیة ص ۲۶۸ زائد - ۵؎ حوالہ مذکور ص ۲۰ زائد ۶؎ حفظ المتین عن لصوص الدین ص ۲ - ۷؎ حوالہ مذکور - ۸؎ درج الدرر البهیة حصہ دوم ص ۹۵ - ۹؎ حوالہ مذکور ص ۸۶ - ۱۰؎ البصائر العشرة الجلیة ص ۱۵۱ - ۱۱؎ حوالہ مذکور ص ۹۲ - ۱۲؎ البصائر العشرة جلیة ص ۱۶۱ - ۱۳؎ درج الدرر البهیة حصہ دوم ص ۱۸۳ -

مولانا مدحیہ شاعری کے پورے لوازمات سے باخبر ہیں اور انہیں اُن کی ترتیب اور پیشکش کا سلیقہ بھی حاصل ہے۔ عرب ماحول عرب معاشرت میں اقامت گزین رہنے کی وجہ سے اُن کی عربیت بے داغ ہے حرف اِرادی طور پر تخلص اور چند عجمی حوالے لائے گئے ہیں کہ کلام کے مخاطب برِّصغیر کے مسلمان تھے مثلاً رطب ی کا ذکر کرتے ہوئے قمری اور ہزار کا ذکر کرتے ہیں۔

صَلّٰی عَلَیْہِ اللّٰہُ مَاسَرَتِ الصَّبَا ‏ ‏ ‏ وَشَدَی الْهَزَارُ عَلَی الْغُصُونِ وَغَرَّدَا [۱]

عَلَیْکَ صَلَاۃُ اللّٰہِ یَا خَیْرَ خَلْقِہٖ ‏ ‏ ‏ مَا نَاحَتِ الْقُمْرِیُّ بِالصِّدْقِ وَالْوَفَا [۲]

اسی طرح تجنیس پسندی سے برِّصغیر کی فضا مکدّر تھی، مولانا نے اپنے دامن کو بچائے رکھا مگر پھر بھی کہیں کہیں ماحول کا اثر آ ہی گیا۔

وَسِرُّ السِّرِّ أَنْتَ لِكُلِّ سِرٍّ ‏ ‏ ‏ وَنُوْرُ النُّوْرِ يَا نُوْرَ الْغَوَادِيْ [۳]

القصہ مولانا خیر الدّین عربی زبان کے پختہ کار شاعر اور شعری محاسن و معایب سے مکمل طور پر آگاہی رکھنے والے ادیب تھے۔ اُن کی شاعری میں بلا کی روانی ہے۔ اسلوبِ کلام میں کہیں الجھاؤ نہیں۔ تعقید لفظی و معنوی سے پاک کلام اس معیار کا ہے کہ اس پر بھرپور توجہ دی جائے تاکہ عربی ادب کا طالب علم ایسے باکمال شاعر سے کما حقہٗ آگاہ ہو سکے۔

---

[۱] البصائرُ العشرۃ الجلیۃ ص ۱۳۱ - [۲] حوالہ مذکور ص ۱۲۶ - [۳] درج الدرر البہیۃ حصّہ دوم ص۸۵ -

مولانا احمد رضا خان بریلوی

(م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)

مولانا احمد رضا خان ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو روہیل کھنڈ کے مشہور شہر بریلی کے محلہ جسولی میں پیدا ہوئے۔ نسبتاً پٹھان تھے۔ اور قندھار کے ایک قبیلہ بھڑیچ سے نسبی تعلق تھا۔ ساتویں پشت میں ان کے جدِ سعید اللہ خان قندھار سے مغلوں کے زمانے میں لاہور آئے۔ پھر وہاں سے دہلی اور آخر میں روہیل کھنڈ پہنچے[۲]۔ مولانا کے دادا محمد رضا علی خان (م ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء) اور والد محمد نقی علی خان (م ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) اپنے دور کے فاضل علماء میں سے تھے جن کی دینی حلقوں میں شہرت تھی یہ بزرگ متعدد کتب کے مصنف تھے۔ اور ان کا ایک حلقہ اثر تھا۔ مولانا احمد رضا خان نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، ذہین اور صاحب ذوق تھے اس لیئے چودہ سال کی عمر تک تمام مروجہ علوم سے فارغ ہو گئے۔ اور فتویٰ نویسی کی اجازت ملی[۳]۔ مولانا کے دیگر اساتذہ میں شاہ ابو الحسین احمد نوری (م ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء) مرزا غلام قادر بیگ (م ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) اور مولانا عبد العلی رام پوری (م ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء) شامل ہیں[۴]۔ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ شاہ آل احمد مارہروی (م ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء) سے بیعت ہوئے۔ ویسے مولانا نے خود ۱۳ سے زائد سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت کا ذکر کیا ہے[۵]۔ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں مولانا نے پہلی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین کے لیے حاضر ہوئے، ان کے والد مولانا نقی علی خان ساتھ تھے۔ اس مبارک سفر میں شیخ احمد بن زینی دحلان مکی (م ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء) مفتی شافعیہ، شیخ عبد الرحمٰن سراج مکی (م ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) مفتی حنفیہ اور شیخ حسین بن صالح (م ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء) سے سندِ حدیث اور سندِ فقہ، اصول و تفسیر حاصل کی[۶]۔ واپسی پر ترویج علوم اور تبلیغ و اشاعتِ دین میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء کو دوبارہ حاضری حرمین نصیب ہوئی اس دوران بعض مسائل پر عربی زبان میں علماء حرمین کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ علامہ حسنی کہتے ہیں "وأجاب عن بعض المسائل عرضت على علماء الحرمين وأعجبوا لغزارة علمه وسعته اطلاعه على المتون الفقهية والمسائل الخلافية وسرعة تحريره وذكائه"[۷] امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح نے تو برملا اعتراف کیا اور کہا انی لاجد نور الله من هذا الجبين[۸]۔ مولانا علم کا ایک بحرِ زخار تھے۔ کہ جس جانب بھی اُبل پڑتا سیراب کر دیتا۔ ان کی دلچسپیاں متنوع اور مطالعہ ہمہ گیر تھا۔ حافظہ بلا کا تھا کہ پڑھا ہوا لفظ بمشکل ہی حافظے سے اوجھل ہوتا تھا۔ اردو، عربی، فارسی، ہندی پر دسترس حاصل تھی ذہن رسا تھا اسلیئے مسائل کی تہہ تک اتر جانا ان کیلئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے تبحر اور وسعت علمی کا اعتراف ہونے لگا تھا۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ جبکہ ان کی تالیفات زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر قارئین تک پہنچ رہی ہیں ان کی علمی سطوت کا اثر گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ مولانا کی بعض مسائل کے بارے میں اپنے ہم عصروں سے علمی مناقشت رہی۔ بعض عقائد میں فریقین کی جانب سے شدت آمیز لہجہ بھی اپنایا گیا۔ بات مناقشت سے معاندت تک دراز ہوئی مگر با ایں ہمہ مولانا کی علمی وجاہت اور دینی بصیرت کا سب کو اعتراف رہا۔ علامہ حسنی کو بعض امور میں اختلاف ہے مگر انہیں اعتراف ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی "كان عالما متبحرا كثير المطالعة واسع الاطلاع له قلم سيال وفكر حافل في التاليف" اور ایک رسالہ "الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية" کے بارے میں لکھتے ہیں وهي رسالة جامعة تدل على غزارة علمه وقوة استدلاله[۹]۔

---

(۱) حیات اعلیحضرت مولانا ظفر الدین بہاری حصہ اول صفحہ ۲ (۲) تاریخ ادبیات پاکستان و ہند جلد ۵ فارسی ادب ص ۵۹۵، ۳/۵۹۶ (۳) العطایا النبویۃ فی الفتاوی رضویۃ جلد اول ص ۲۰ (۴) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی ص ۹۳ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۹۵ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۹۳ (۷) نزهة الخواطر الجزء الثامن ص ۳۹ (۸) تذکرہ علمائے ہند ص ۹۹ (۹) نزهة الخواطر الجزء الثامن ص ۴۱

مولانا کثیر التصانیف بزرگ تھے، ان کی نگارشات کے موضوعات متعدد ہیں ان میں تفسیر، حدیث، عقاید و کلام، فقہ، تجوید، تصوف تعبیر، تاریخ، سیر و مناقب، ادب، نحو، لغت، عروض، علم زیجات، جفر، تکسیر، جبر و مقابلہ، علم مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم، توقیت، نجوم، حساب ہیئت ہندسہ، ریاضی، فلسفہ اور منطق شامل ہیں [1]

حیرت ہوتی ہے کہ ایک وجود میں یہ بظاہر مختلف النوع علوم کیسے مجتمع ہو گئے ہیں۔ ان کے بعض رسائل جدید علوم کے طلبہ کیلئے خصوصیت سے باعث کشش ہیں۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ابھی تک حتمی طور پر واضح نہیں کہ بے شمار رسائل ابھی تک طباعت کے مرحلے سے نہیں گزرے۔ بعض نے پانچ سو تعداد بتائی ہے۔ [2] مگر حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم (قلمی) کے حوالے سے ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے لکھا ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے۔ [3] ان میں بعض رسائل ہیں مگر اکثر ضخیم کتب کی شکل میں ہیں مثلاً العطایا النبویۃ فی الفتاوی رضویہ ۱۲ ضخیم جلدوں میں ہے۔

مولانا کی اس وسعت علمی کا ہر کسی نے اعتراف کیا ہے۔ اور عقیدتمندوں کی جانب سے اس بارے میں آرا اور تبصروں پر مشتمل متعدد رسائل و کتب مرتب کیئے جا چکے ہیں اور کئی ادارے اس مشن میں ہمہ وقت شریک ہیں۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، رضا میموریل کونسل کراچی، رضا اکیڈمی کراچی رضا پبلی کیشنز لاہور، بزم رضا لاہور کے علاوہ بیسیوں نام گنے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح علمی دنیا میں مولانا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام ہو رہا ہے حال ہی میں مولانا محمد حسن رضا خان نے مولانا بریلوی کے فقہی مقام پر پٹنہ یونیورسٹی میں ایک تحقیقی مقالہ پیش کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی ہے [4]

مولانا کو عربی زبان سے اک گو نہ شغف تھا ان کی متعدد تصانیف عربی میں ہے۔ نثر عربی میں انکا قلم بڑی سہولت سے مافی الضمیر کو منتقل کر دیتا ہے اور کہیں عجز بیان کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ اردو فارسی میں تو انہیں ادبی مقام اور لغوی سند حاصل ہے الیاب برمحل اور مجمل جملہ لاتے ہیں کہ معانی کی وضاحت کے ساتھ لفظی حسن بھی دیدنی ہوتا ہے۔ ان کے ان علمی کارناموں کی وجہ سے ان کے معتقدین انہیں اعلیٰ حضرت، فاضل بریلوی اور مجدد مائۃ حاضرہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں [5]

مولانا اپنی بے شمار دیگر خوبیوں کے علاوہ ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ ان کے اردو و فارسی کلام کو تو اسقدر شہرت حاصل ہے کہ اُس کے حوالے اکثر شعری نگارشات اور دواوین میں پائے جاتے ہیں، نعتیہ شاعری میں انہیں نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں ایک جذب اور کشش ہے بحر میں ترنم اور الفاظ فصیح ہیں، مولانا کی اردو شاعری کو اکثر اہل فن نے سراہا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کہتے ہیں "یہ غالباً واحد عالم دین ہیں جنہوں نے نظم و نثر دونوں میں اردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں اور اپنی علمیت سے اردو شاعری میں چار چاند لگائے ہیں" [6]

فاضل بریلوی کو "عربی شاعری" سے بھی لگاؤ تھا۔ اور چونکہ نعت ان کی شاعری کا محور ہے اسلیئے عربی میں نعتیہ اشعار ان کے اکثر مجموعوں میں مل جاتے ہیں۔ ڈاکٹر حامد علی خان نے "ہندوستان میں عربی شاعری" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر جامعہ علیگڑھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے طور پر مختلف دستیاب ماخذ سے عربی اشعار کو یکجا کیا ہے جو مجموعی طور پر ۲۹۰ ہیں [7]۔ جبکہ محمود احمد قادری کا کہنا ہے کہ ان کے پاس فاضل بریلوی کے ۱۱۴۵ اشعار موجود ہیں [8] مگر ۱۹۶۰ سے اب تک یہ حرف اعلان ہے اکثر علماء کی کوشش کے باوجود ابھی تک یہ تمام اشعار کسی مجموعے کی شکل میں زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی کا عربی میں نعتیہ کلام منتشر اوراق اور مخطوطات میں غیر مرتب ہے اور اس سلسلے میں ابھی تک کوئی خاص پیش رفت سامنے نہیں آئی کہ اسے مجموعے کی شکل دی جائے۔ دستیاب اور موجود نعتیہ شاعری سے انکی ادبی صلاحیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۵ فارسی ادب ص: ۵۹۷
(۲) نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۴۰ (۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ ص ۴۸۲، من ھو احمد رضا بریلوی الھندی ص ۲۵ (۴) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی ص ۲۳۲
(۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۲۷۹ (۶) ماہنامہ فکر و نظر جنوری ۱۹۷۶ ص ۵۶۸ بحوالہ اردو شاعری اور تصوف غلام مصطفیٰ خان ص ۵۶۸
(۷) ماہنامہ المیزان بمبئی امام احمد رضا نمبر ص ۴۷۷ (۸) امام احمد رضا بریلوی کے گیارہ عربی شعر محمود احمد قادری ص: ۳

اور مضامین نعت کے انتخاب میں انکا ذاتی جھکاؤ اور دلچسپی بھی معلوم ہو سکتی ہے

مولانا کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نقطہ توسل و استغاثہ ہے ۔ ان کے ہاں شوری حکایت کا تصور نہیں ہے ۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اُسے اپنے دل کی آواز اور روح کی پکار بناتے ہیں ۔ ان کا رجحان طبعی خود سپردگی اور جاں دادگی کا غماز ہے ۔ کیف آمیز وجدانی احساسات نے ان کی شاعری کو والہانہ پن عطا کیا ہے ۔ وہ جس زبان میں بھی اظہار کرتے ہیں ۔ یہی طرز ادا اپناتے ہیں ۔ بے ساختہ پکار ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہے ۔ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پناہ طلبی کے لیئے پکارتے ہوئے کہتے ہیں

رسول اللہ أنت بعثت فینا ۔۔۔ کریما رحمۃ حصنا حصینا

تخوفنی العدیٰ کیداً متیناً ۔۔۔ اجرنی یا أمان الخائفینا ۱

انہیں پناہ گاہ عالم کی ذات ستودہ صفات پر کامل بھروسہ ہے اسی لیئے با اعتماد یوں عرض کرتے ہیں ۔

رسول اللہ انت المستجار ۔۔۔ فلا اخشی الاعادی کیف جاروا

بفضلک ترتجی ان عن قریب ۔۔۔ تمزق کیدھم والقوم باروا ۲

جوارک لا یُضام ولا یرام ۔۔۔ ورکن لا یھد ولا یھید

رسول اللہ انت لنا الرجاء ۔۔۔ وفضلک واسع وجد الوجود ۳

اللہ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب وہ پناہ گاہ ہے کہ کسی دکھ یا کرب کا وہاں سے گزر تک نہیں ہے ۔

حبیب اللہ من تقربہٗ حفظاً ۔۔۔ فکل کرب لیھیۃ عنہٗ لبعید ۴

اسلیئے لاچاروں بے کسوں کو اسی دربار کی پناہ گاہ تلاش کرنا چاہیئے ۔

ولذ برسولہٖ فلیاذ الحق ۔۔۔ وعاھدہٗ من اللہ العھود ۵

اور فی الواقع ایسا ہی ہو رہا ہے ۔

بک استغاثۃ الانام فی البلا ۔۔۔ تکشف عنھم کل ما بہ بلوا ۶

اور اگر کسی قسمت کے مارے نے یہ در چھوڑ دیا تو ہمیشہ کے لیئے بے توفیق رہا ۔

ما نال خیراً من سواہٗ نائلٌ ۔۔۔ کلا ولا یرجیٰ لغیر نائل ۷

اس لیئے مولانا کا وظیفۂ حیات بھی یہی ہے ، دین و دنیا کی تمام برکات انہیں کے در اور انہیں کے حوالے سے میسر آتی ہیں ۔ دعا میں اُن کا وسیلہ قبولیت کا ذریعہ اور کامرانیوں کا واسطہ ہے ۔

ھنۂ الرجا ھنۂ العطا منہ المدد ۔۔۔ فی الدین والدنیا والاخریٰ للابد ۸

الٰھی الیک بالحبیب توسلی ۔۔۔ بہٖ فاغفر اللھم ذنبی وزلتی ۹

فالی العظیم توسلی ۔۔۔ بکتابہٖ وباٰلہٖ

وبمن اُتی بکلامہٖ ۔۔۔ وبمن ھدیٰ وبمن ھُدیٰ

---

(۱) حدائق بخشش حصہ سوم ص ۱۸ ، العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ رضویۃ جلد اول ص ۱۵ ، ۲۷ (۲) حوالہ جات مذکورہ (۳) امال الابرار ص ۲ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۲۲ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۲۱ (۶) مولانا احمد بخش کا قصیدہ قلمی نسخہ ص ۱ (۷) حدائق بخشش حصہ سوم ص ۱۸ العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ رضویۃ جلد اول ص ۵۳۶ (۸) حوالہ مذکورہ (۹) حیات اعلیٰ حضرت مولانا ظفر الدین ص ۱۲۶

وبطیبۃ وبمن حوت   وبمنبر وبمسجد [1]

انہیں محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو وکرم سے امید ہے کہ آپ اپنی سرشت حیا کے صدقے ان کی لاج رکھ لیں گے اسلئے طلب خفی بھی کفایت کرے گی۔

أأذکر حاجتی ام قد کفانی   حیاؤک ان شیمتک الحیاء [2]
کریما لا یغیرہ ذنوب   عن الخلق الکریم ولا جفاء
فان اکرمتنا دنیا واخریٰ   ولیس بجودک نقصہ ولا [3]

مولانا اس وارفتگی میں اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کے ترانے گاتے اور خصائص عالیہ شمار کرتے جاتے ہیں۔ لیکن فضائل شمائل کا تذکرہ تمہید ہوتا ہے ان کی اپنی روداد غم کے تذکرے کا۔ اسلئے حرف مدح ان کے ہاں نہیں ملتا انہوں نے ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور سے مشاہدہ نہیں کیا۔ نہ ظاہر میں نہ تصور میں بلکہ وہ انہیں اپنے قلب وجگر میں جاگزیں پاتے ہیں انکی لئے سرگذشت کا رنگ سرگوشی کا سا ہے اور جہاں پکار ہے تو وہ سرافرازی قسمت کا بے ساختہ اظہار ہے۔ ہر وقت قرب پانے کے تصور سے مدام سلام کا خیال ابھرتا ہے۔ اس لیے مولانا کبھی ان کے کرم کی بھیک مانگتے ہیں تو کبھی ہدیے نذر کرتے ہیں۔ درود وسلام بھی ان کی شاعری کا معتد بہ حصہ ہے۔ مگر حوالہ ذات اس حصہ کلام میں بھی موجود ہے مثلاً

وافضل الصلوات الزاکیات علی   خیر البریۃ منجی الناس من سقر [4]

ایسا درود جو ہر وقت ہو ایسا سلام جو دائمی ہو

صلاۃ لا تُحَدُّ وَلَا تُعَدُّ   وَلَا تُغْنِیْ وَإِنْ فَنِیَتْ اُبُوْدُ
سَلَامٌ لَا یُمَنُّ وَلَا یُمَانِیْ   ولا یبلی متیٰ یبلیت عُهُوْدُ [5]
وصلاتہ دوما علی   خیر الانام محمد
وآدم صلاتک والسلام علی الحبیب الاجود
ما غردت ورقاً علی بان لخیر مغرد [6]

فاضل بریلوی کی شاعری کا محور جذبہ عشق ہے۔ ایسا عشق جو اپنے اظہار میں مودب ہے مگر کبھی کبھی جب محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے بارے میں کچھ خلاف مزاج بات پاتے ہیں تو اُن کی کاٹ شدید ہوتی ہے، عربی شاعری اور خاص طور پر نعتیہ شاعری میں یہ لمحات کم آتے ہیں اسلئے مولانا کی مدحیہ شاعری پر عموماً عقیدت مندانہ جوش اور مومنانہ جمال طاری ہے۔

مولانا کو نقد شعر میں بھی ماہرانہ ملکہ حاصل تھا۔ مولانا احمد بخش نے ۱۱۴ شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ برائے اصلاح روانہ کیا۔ مولانا ان دنوں بیمار تھے پھر بھی اصلاح فرمائی ۱۱۴ میں سے ۱۰۱ شعروں میں ترمیم وتبدیلی کی اور ۲۶ شعر ہی بدل کر نئے شعروں کا اضافہ کر دیا۔ اصلاح میں نحوی، لغوی اور عروض تمام پہلوؤں کا خیال رکھا گیا اور مضامین شعر کی حیثیت کو بھی پیش نظر رکھا

مثلاً شعر تھا۔   یامن تمال للیتامیٰ والمسا   کین ومن عیلی وارامل
ترمیم   یاخیر کھف .... لاذ بہا المعیّل

---

(۱) حدائق بخشش حصہ سوم ص ۲، العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ جلد اول ص ۴۳ بحوالہ قلمی نسخہ روایت مولانا ضیاء الدین مدنی رحم (۲) قلمی نسخہ روایت مولانا ضیاء الدین مدنی رحم (۳) حدائق بخشش حصہ سوم ص ۹۲ (۵) امال الابرار ص ۲۲ (۶) حدائق بخشش حصہ سوم ص ۲ العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ جلد اول ص ۳

وجہ ترمیم یہ کلمی بہ حذف مبتدا اور علیل بمعنی معیل میرے خیال میں نہیں اور یہاں معقول نا مطبوع اور تاسیس بھی ہے[1]

یا مثلاً شعر تھا۔ لکنی ابنی شغفت بہ ۔ حبا ولکن قد یتساھل

ترمیم۔ مولای لی ابن قد شغفت بہ حبًا ولکن اراہ یھمل

وجہ ترمیم:۔ ابنی میں ہمزہ وصل ہے اور یہاں فاعلن نا مطبوع اور تساھل غالباً متعدی بنفسہٖ نہیں ہوتا اور تاسیس تھی اور پہلا لکن بے محل سا تھا۔

اسی طرح پورے قصیدے میں اپنے تنقیدی شعور اور اصلاحی صلاحیت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔

(۱) قصیدہ مولانا احمد بخش مع ترمیم قلمی نسخہ ص۳۔

مولانا حبیب الرحمان عثمانی (م ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء)

مولانا حبیب الرحمان عثمانی، مولانا فضل الرحمان عثمانی کے صاحبزادے تھے اور مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے برادر عزیز، عثمانی برادران نے برصغیر پاک و ہند میں علمی و دینی خدمات میں ایک موثر کردار ادا کیا ہے۔ دار العلوم دیو بند میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی کارکردگی کو بنظر استحسان دیکھا گیا ہے۔ ۱۳۲۰ھ میں مولانا دار العلوم دیو بند کے مہتمم مقرر ہوئے ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء کو حافظ محمد احمد کی پیرانہ سالی کے باعث آپ کو حیدرآباد کے مفتی اعظم کا منصب سنبھالنا پڑا مگر اسی اثناء میں دار العلوم میں داخلی اختلافات نے جنم لیا اور کئی سرکردہ اساتذہ دار العلوم سے علیحدہ ہو گئے۔ اس لیے آپ کو جلد واپس آنا پڑا۔ برادر مکرم مفتی عزیز الرحمٰن اور برادر عزیز مولانا شبیر احمد عثمانی اور چند دیگر اساتذہ کی علیحدگی کے باوجود آپ عزم و استقلال سے دار العلوم کے ساتھ وابستہ رہے۔ جمعیت علماء ہند کے رکن رہے اور ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو اس کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ مولانا کی تدریسی خدمات کا دیو بند کے اکابرین کو ہمیشہ اعتراف رہا۔ مولانا انور کشمیری کہا کرتے تھے "اگر مجھ پر کسی کے علم کا اثر پڑا تو وہ مولانا حبیب الرحمٰن ہیں"[1]۔ ۴ رجب ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں وفات پائی[2]۔

مولانا حبیب الرحمٰن کی دینی و تدریسی خدمات کے علاوہ جس صلاحیت نے انہیں ادبی حلقوں میں متعارف کرایا ہے۔ وہ ان کی عربی شاعری کا ذوق ہے۔ مولانا ممدوح کی ادبیت کو نہ صرف ہندوستان کے علماء تسلیم کیے ہوئے تھے بلکہ علامہ رشید رضا وغیرہ فضلائے بیرون ہند بھی آپ کی مدح میں رطب اللسان ہیں[3]۔ مولانا کو عربی شعر پر اس قدر دسترس حاصل تھی کہ اکثر عربی شاعری کا شوق فرماتے تھے۔ ان کے عقائد مختلف رسائل میں چھپتے رہتے تھے مولانا اعزاز علی نے بیار محنت کے بعد ان عقائد کو اکٹھا کیا اور "معین اللبیب فی جمع عقائد الحبیب" کے نام سے شائع کیا۔ کے نام سے شائع کیا۔ معین اللبیب سے ۱۳۵۰ھ اور قصائد الحبیب سے ۱۹۳۲ء کا استخراج ہوتا ہے جو اس کتاب کا سال طباعت ہے۔ اس سے قبل ۱۳۴۲ھ میں مولانا اعزاز علی نے مولانا حبیب الرحمان کی مشہور نظم "لامیۃ المعجزات" جس میں سو معجزات نبویہ کو نظم کیا ہے۔ "البینات" کے نام سے ترجمہ کر کے شائع کی تھی اور معجزات کی اسناد اور مختصر وضاحت بھی تحریر کی تھی۔ یہ مولانا حبیب الرحمان کا انفرادی شرف ہے معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعروں کے لباس میں افادہ عوام کے لیے جمع کیا ہے۔ مولانا کو معجزات کے ذکر سے اک گونہ شغف تھا "لامیۃ المعجزات" کے بعد انہوں نے بائیۃ المعجزات بھی تحریر کیا جس میں لامیۃ المعجزات میں مذکور معجزات کے علاوہ سو اور معجزات نظم کئے ہیں۔ اس طرح دونوں قصائد میں دو سو معجزات کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ معین اللبیب میں کل ۱۲۳۶ شعر ہیں۔ شروع میں دعاء المضطر کے نام سے ۱۲۱ ابیات پر مشتمل دعائیہ قصیدہ ہے۔ لامیۃ المعجزات میں ۲۰۷ شعر ہیں۔ بائیۃ المعجزات میں ۱۹۸ قصیدہ ھمزیہ میں ا، فضائل مدینہ کے بارے میں ایک قصیدہ لامیہ ہے اس میں ۳۲ شعر ہیں۔ ماتن عنتہ کے موضوع پر دو قطعات جن میں بالترتیب ۱۲۸ اور نو شعر ہیں، قصیدہ عروج اسلام و نزولہ میں ۱۰۹ اور قصیدہ فی شان دار الحدیث دیو بند کے بارے میں ۳۷ شعر ہیں۔ الجزء الثانی میں مختلف اکابرین کی مدح اور چند متفرق قصائد ہیں[4]۔

مولانا حبیب الرحمان کو عربی ادب کا بڑا ستھرا ذوق تھا۔ اور آپ کی عربی تحریریں بڑی چست اور ادیبانہ ہوتی تھیں[4]۔ مولانا کی نعتیہ شاعری کا کثیر حصہ معجزات کے بیان کے لیے وقف ہے۔ ان کے قصائد میں مولانا کا انداز کلام بیانیہ ہے۔ معجزات شماری ایک معروف عمل ہے

---

(۱) تاریخ دار العلوم دیو بند جلد دوم ص ۲۲۴ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۲۳۵، معین اللبیب ص ۸۷۔ (۳) معین اللبیب ص اول کا داخلی پرت
(۴) البلاغ فقیہ ملت نمبر ص ۳۵۔

اور مولانا نے عام مسلمانوں کے لیے حفظ کی سہولت کے پیشِ نظر انہیں منظوم کر دیا ہے۔ ایسی شاعری 'نظم' کے زمرے میں آتی ہے۔ شعر نہیں کہلاتی، شعر میں شاعر کی شعوری شمولیت اور وجدانی مشارکت درکار ہوتی ہے۔ جو ایسی نظموں میں نہ موجود ہوتی ہے۔ اور نہ ہی یہ مقصد پیشِ نظر ہوتا ہے۔ یہ منظومات الغیبہ قسم کے ادب کے ذیل میں آتی ہیں۔ اور ان سے سہولت حفظ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مولانا کا لامیۃ المعجزات فنّی لحاظ سے بائیۃ المعجزات سے بہتر ہے۔ کہ اس میں ابتدائی چند اشعار مولانا کے دل کی پکار معلوم ہوتے ہیں۔ جبکہ بائیہ کا پہلا شعر ہی مدرسانہ انداز لیے ہوئے ہے۔

قد کنتُ اَثبَتُّ مِنْ اٰیَاتِہٖ مِائَۃً - یَزِیْدُکَ الحُبَّ وَالْاِیْقَانَ وَالقُرْبَا [۱]

شعر کا یہ متکلف انداز اس قدر بوجھل ہو جاتا ہے کہ وہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا جس کی خاطر قصائد تصنیف کیے جاتے ہیں یعنی حفظ، یہ آورد کا عمل ہوتا ہے اس لیے دل پر دستک نہیں دیتا۔ بہرکیف لامیۃ المعجزات کے ابتدائی شعر توجہ کے قابل ہیں۔ اس میں ۱۴ تا ۳۴ یعنی ۲۱ شعر مدحیہ اشعار میں شامل ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ دعاء المضطر میں دعائیہ انداز شعر میں ذات رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حوالہ اس دعا کی اثر آفرینی کو دوبالا کر دیتا ہے۔ ۵۷ تا ۹۶ شعر تک مدحیہ اشعار ہیں۔ قصیدہ ہمزیہ التجائیہ قصیدہ ہے۔ آخری دس بارہ شعروں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حوالہ موجود ہے۔ نعت کا خالص عقیدہ 'فضل المدینۃ الطیبۃ' کے عنوان سے مرتب ہوا ہے۔ اور چند شعر قصیدہ عروج الاسلام ونزولہ' ہی میں ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔ یہ کل مدحیہ اشعار کی کائنات ہے۔ جن کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مولانا عثمانی کی مدحیہ شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ حصہ جسے معروضی شاعری کا نام دیا جاتا ہے۔ اور دوسرا وہ جسے موضوعی یا وارداتی شاعری کہا جاتا ہے۔ معروضی شاعری کی بہتات ہے۔ معجزات کے سلسلے میں کہے گئے قصائد اس کی عمدہ مثال ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر قصائد و ابیات میں بھی ان کی طبیعت کا جھکاؤ 'موضوعات' کا معروضی جائزہ لینے کی طرف زیادہ ہے۔ ایسی شاعری میں شمائل و خصائل اور حسن و جمال کے تذکرے شامل ہوتے ہیں۔ حلیہ مبارکہ کا بیان بھی اسی کا حصہ ہے چنانچہ مولانا حلیہ مبارک کا نقشہ بیان کرنے میں مشاق ہیں۔ کہتے ہیں۔

اَزَجُّ الحَاجِبَیْنِ اَثِیْثَ شَعْرٍ - یُزَیِّنُ مَتْنَہٗ فَرْعٌ طُوَالُ [۲]

کَفُّہٗ شَثْنٌ حَرِیْرٌ نَاعِمٌ - مَسُّہَا یَکْفِی مَعَانَاۃَ الْعِلَلْ [۳]

وَجْہُہٗ کَالْبَدْرِ اَوْ شَمْسِ الضُّحٰی - صَدْرُہٗ مِشْکٰوۃُ اَنْوَارِ الرُّسُلْ [۴]

بِوَجْہٍ یَحْجِزُ الْاَبْصَارَ عَنْہُ - وَ یَخْجِلُ عِنْدَ رُؤْیَتِہِ الْہِلَالُ

اِذَا ھُوَ یَکْشِفُ الْاَسْتَارَ یَوْمًا - یُخَیَّلُ اَنَّہٗ بَدْرٌ کَمَالُ [۵]

نَشْرُہٗ مِسْکٌ ذَکِیٌّ فَائِحٌ - تَعْطِرُ الْاَکْوَانُ مِنْہُ اِذْ رَفَلْ [۶]

شمائل و عادت کا ذکر کرتے ہوئے روایات احادیث سے معانی اٹھاتے ہیں۔

وَاَکْمَلَ خَلْقًا ثُمَّ اَزْکٰی خَلَائِقًا - وَاَحْسَنَ مِنْ بَدْرٍ اِذَا مَا تَطَلَّعَا

[۱] معین اللبیب ص ۳۰۳ [۲] حوالہ مذکورہ ص ۴۰ [۳] حوالہ مذکورہ ص ۹ [۴] حوالہ مذکورہ ص ۱۱ [۵] حوالہ مذکورہ ص ۱۴ [۶] حوالہ مذکورہ ص ۴۹

وَأَجْوَدَ مِنْ رِيحِ الْغَدَاةِ إِذَا جَرَتْ — نَسِيمًا يَفُوحُ الْمِسْكُ مِنْهَا تَضَوُّعَا

وَأَحْسَنَ سَمْتًا ثُمَّ أَفْصَحَ مَنْطِقًا — وَأَطْوَلَ صَمْتًا ثُمَّ أَبْلَغَ مِصْقَعَا

وَأَحْيَى مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي كِنِّ بَيْتِهَا — وَأَوْفَى ذِمَامًا ثُمَّ أَقْوَى وَأَشْجَعَا ۷

خصائص کا تذکرہ نسبتاً کم ہے مگر اس میں زورِ کلام زیادہ ہے۔

هُوَ السَّيِّدُ الْمَحْمُودُ يَحْمَدُهُ الْوَرَى — عَلَيْهِ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَهْتَزُّ رَافِعَا ۸

سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ مِصْبَاحُ الدُّجَى — أَوَّلُ الْمَخْلُوقِ فِي عِلْمِ الْأَزَلْ ۹

وَكَانَ نَبِيًّا قَائِدَ الرُّسْلِ خَاتِمًا — وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ مُودَعَا

وَأَوَّلَهُمْ خَلْقًا وَمَجْدًا وَسُؤْدَدًا — وَأَطْيَبَهُمْ فَرْعًا وَأَصْلًا وَمَطْلَعَا ۱۰

مولانا کی نعتیہ شاعری کا دوسرا رخ اپنی ذات کے حوالے سے التجاؤں اور تمناؤں کے تذکرے سے عبارت ہے۔ اس میں مولانا محتاط مگر جرأت مندانہ پیش رفت دکھاتے ہیں۔ اپنی بے بسی دربار مصطفوی کی فیض بخشی اور خالق کائنات کے حضور تضرع و بے قراری کا ذکر اُن کے دل کی آواز ہے۔ جیسے جب اظہار کا موقع ملتا ہے تو جذبات میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ بے قراری سے پکارتے ہیں۔

لُذْ بِبَابِ الْمُصْطَفَى خَيْرِ الْوَرَى — مَلْجَإِ الْمَكْرُوبِ مِفْتَاحِ الْعُقَلْ

وَاقْرَعِ الْبَابَ مُلِحًّا مُدْمِنًا — مَنْ أَدَامَ الْقَرْعَ لَابُدَّ يَصِلْ ۱۱

اور کبھی قلب مضطر کو سیرت پاک سے مثالوں کے ذریعے مزید بے قراری کی تلقین کرتے ہیں

وَجِذْعُ النَّخْلِ خَيْرٌ مِنْ رِجَالٍ — لَهُمْ قَلْبٌ عَنِ الْخَيْرَاتِ خَالِ

وَحَنَّ لَدَى الْمُصَابِ لَهُ خُوَارٌ — كَعُشَرَاءَ تَحِنُّ إِلَى الْفِصَالِ ۱۲

اور کبھی دربار اقدس کا وسیلہ طلب کرتے ہیں۔

بِجَاهِ نَبِيِّكَ الْهَادِي أَغِثْنَا — وَأَدْرِكْ قَبْلَ أَنْ تَقَعَ النَّكَالُ ۱۳

إِلٰهِي بِجَاهِ الْمُصْطَفَى فَاقْضِ حَاجَتِي — بِفَضْلِكَ يَا رَحْمٰنُ يَا سَامِعَ الدُّعَا ۱۴

مولانا حبیب الرحمن عثمانی ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ انہیں عربی لغات پر عبور ہے۔ شعری ذوق بھی فراواں ہے الفاظ مناسب اور تراکیب مضمون کے مطابق لاتے ہیں۔ قصائد پر عربی فضا محیط ہے۔ اگر وہ اپنی صلاحیت نظم پر صرف نہ کر دیتے اور شاعری کی اس صلاحیت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے جو ان کے اندر موجزن تھی تو وہ عربی ادب کے کہیں بہتر اور بڑے شاعر ہوتے۔

—

(۱) معین اللبیب ص ۵ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۶ (۳) حوالہ مذکورہ ص ۸ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۴ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۸
(۶) حوالہ مذکورہ ص ۴۰ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۵۴ (۸) حوالہ مذکورہ ص ۷

مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء)

محمد انور شاہ نام تھا، والد کا نام معظم شاہ جو کشمیر کے ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، سلسلۂ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ان کے آباؤ اجداد بغداد سے ہجرت کرکے ملتان آئے، وہاں سے لاہور منتقل ہوئے اور بالآخر کشمیر میں آباد ہو گئے۔ شاہ صاحب ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ (مطابق ۱۸۷۵ء) کو کشمیر کے علاقے لولاب کی ایک بستی 'ودوان' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جو فارسی اور عربی درسیات پر محیط تھی، اپنے والد اور مقامی علماء سے حاصل کی، ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں ہزارہ کے علاقے میں کسب علم کے لئے گئے، تین برس وہاں گزارے اور ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء کو دیوبند حاضر ہوئے، دیوبند میں مولانا اسحاق امرتسری، شیخ محمود الحسن، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا خلیل احمد انبہٹوی سے اکتساب فیض کیا، ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں فارغ ہوئے اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔[1]

تحصیل علم سے فراغت کے بعد دہلی کے مدرسہ امینیہ میں جس کی خود بنیاد رکھی سلسلۂ تدریس شروع کیا اور تقریباً چار سال یعنی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء تا ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۳ء تک وہاں رہے، ۱۳۲۰ھ میں بڑے بھائی کے اچانک انتقال پر پدر بزرگوار نے خانقاہ کی جانشینی اور بعض خاندانی امور کی انجام دہی کے لئے وطن طلب کر لیا، چند سال وہاں قیام کرنا پڑا، اسی دوران میں ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، کشمیر میں خواجگان قصبہ بارہ مولا کے مدرسہ 'فیض عام' کی بنیاد ڈالی اور کچھ عرصہ وہاں پڑھاتے رہے مگر بعض لوگوں کی بدمعاملگی سے دل برداشتہ ہو کر دیوبند چلے گئے۔[2] ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں دیوبند پہنچے اور اساتذہ دارالعلوم میں شامل ہوئے، ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں شیخ محمود الحسن نے حجاز کے سفر کا ارادہ کیا اور وہاں کچھ طویل قیام کا پروگرام بنایا تو شاہ صاحب کو اپنا جانشین بنایا اور اس طرح ۱۲ سال تک آپ شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس و تدریس میں منہمک رہے۔ اپنی علمی پختگی اور معلومات کی فراوانی کی وجہ سے بڑی نیک نامی کمائی، ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں دارالعلوم کے انتظامی معاملات میں اختلاف کی وجہ سے دارالعلوم حتیٰ کہ دیوبند ہی چھوڑ دیا اور ڈابھیل ضلع سورت میں 'الجامعۃ الاسلامیۃ' کے نام سے مدرسہ قائم کرکے علمی و تدریسی مشاغل میں مصروف ہو گئے، پانچ سال قیام رہا مگر طبیعت ناساز رہنے لگی، اسی اثنا میں دیوبند گئے اور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔[3]

مولانا انور شاہ کشمیری دارالعلوم دیوبند کے اُن ہونہار طلبہ میں سے ہیں جن پر دارالعلوم کو ہمیشہ ناز رہے گا، علوم متداولہ اور خاص طور پر علم حدیث میں اُن کی صلاحیت کا مقامی و بیرونی علماء نے اعتراف کیا ہے۔ شاہ صاحب کو اپنی حنفیت پر فخر تھا اور دورانِ درس اُن کی کوشش ہوتی کہ حدیث اور فقہ حنفی کے درمیان تطابق واضح کیا جائے، علامہ ابن حجر العسقلانی کے مداح تھے اور اُن کی کتاب فتح الباری کا نہایت اشتیاق سے مطالعہ کرتے تھے مگر ذہنی جھکاؤ علامہ بدر الدین العینی کی عمدۃ القاری کی طرف تھا، کہا کرتے تھے 'الحنفی لا یستغنی عن العمدہ'۔[4] سلسلۂ چشتیہ سے نسبت ارادت تھی مگر حضرت مجدد الف ثانی سے بے حد عقیدت تھی، اکثر حافظی دیتے اور مراقبہ کرتے۔[5] صوفیاء میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے طریقِ استنباط اور بیانِ معارف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔[6]

---

① نفحۃ العنبر ص ۱ تا ۶، تاریخ دار العلوم دیوبند جلد دوم ص ۷۲، ۷۳، نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۸۰، ۸۱ ② معارف ستمبر ۱۹۶۷ء ص ۱۸۲، ۱۸۶، شاہ امام العصر سید انور شاہ کشمیری مولانا عبد الحلیم چشتی ③ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۸۱، ۸۲، نفحۃ العنبر ص ۸ تا ۱۹ ④ نفحۃ العنبر ص ۵۰ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۲۱۶ ⑥ نزہۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۸۲۔

کئی زبانوں میں مہارت تھی، فلسفی، عالم دین، صوفی اور شاعر کی حیثیت سے شہرت ہوئی، ذہانت وفطانت میں شہرت تھی، ۱۳۴۸ھ میں علامہ اقبال سے لاہور میں ملاقات کی تھی۔[۱] شاہ صاحب کا حافظہ بلا کا تھا، احادیث وروایات کے علاوہ ہزارہا اشعار عربی وفارسی کے زبانی یاد تھے، جس کتاب پر نظر پڑی گویا حافظہ کی الماری میں بند ہوگئی، مولانا اشرف علی تھانوی نے کہا تھا "مولانا انور شاہ صاحب بہت بڑے متبحر عالم تھے بہا ننگ کہتے تو گستاخی لیکن سچی بات کو کیوں چھپاؤں میرا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے اکثر اساتذہ سے بھی علوم میں بڑھ گئے تھے۔[۲]

شاہ صاحب کو عربی زبان سے شغف تھا، اُن کی تصانیف اُن کی عربی دانی کا ثبوت ہیں، رواں دواں عربی نثر اُن کی ادبی حیثیت کو متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔ اُن کی تصانیف میں 'تعلیقات علی فتح القدیر لابن الہمام الی کتاب الحج، تعلیقات علی الأشباہ والنظائر، تعلیقات علی صحیح مسلم، عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام، اکفار الملحدین فی ضروریات الدین، نیل الفرقدین فی مسألۃ رفع الیدین، مشکلات القرآن، العرف الشذی (شرح جامع ترمذی) اور فیض الباری (شرح البخاری) قابل ذکر ہیں۔[۳]

شاہ صاحب عربی کے شاعر بھی تھے، انہیں عربی شعراء کے کلام تک رسائی حاصل تھی اور اُن کے بارے میں اپنی ذاتی رائے بھی رکھتے تھے، اکابرین کی مدح اور مراثی کی کثیر تعداد روایت ہوئی ہے جس سے اُن کے ادبی مقام کا اندازہ ہوتا ہے، مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذوق فراواں تھا، اپنی معلومات کی بنا پر پختہ شعر کہتے تھے اور اُن کے اندر ایک بڑا شاعر چھپا ہوا تھا، سچی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں اُن سے بڑا عربی شاعر پیدا نہیں ہوا۔

'ضرب الخاتم علی حدوث العالم' کے زیر عنوان ۴۰۰ اشعار پر مشتمل قصیدہ حدوث عالم، وحدت الوجود اور دیگر نظریاتی مباحث کے متعلق ہے، قصیدہ مطبوعہ ہے۔[۴] اسی طرح صدع النقاب علی جساسۃ الفنجاب' ستر اشعار کی نظم ہے۔[۵] جس میں قادیانی متبنی کے دعویٰ نبوت کا موثر رد کیا گیا ہے۔ عبدالرحمٰن کوندو نے الانور میں اس کے ۶۱ شعر نقل کئے ہیں۔[۶] شاہ صاحب نے شیخ سعدی کے تتبع میں اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظم کیا ہے جس میں ۴۲ شعر ہیں۔[۷] شاہ صاحب کا قصیدہ دالیہ ۷۴ شعروں کا ہے۔[۸]

شاہ صاحب کی مدحیہ شاعری میں نمایاں حیثیت اُن کے میمیہ قصیدہ کو حاصل ہے جس میں انہوں نے شیخ سعدی کے وزن اور اسلوب کو اپنایا ہے اور ۴۲ اشعار میں متعدد اسماء نظم کئے ہیں۔ قصیدہ بحر متقارب میں ہے جس کی روانی فارسی شعراء کے ہاں بہت مقبول ہے۔ شاہ صاحب نے اسماء کے انتخاب میں کتب سیر کو ماخذ بنایا ہے۔ اسماء کی وزن شعر کے مطابق ترتیب اگرچہ فنی پختگی چاہتی ہے مگر اس میں وہ شعریت نمودار نہیں ہوتی جو شعر کا حسن بلکہ اس کا بنیادی عنصر ہے ہوسکتا تھا کہ یہ قصیدہ بھی اسی قبیل کی کوئی چیز بنتا مگر شاہ صاحب نے اسے شعری جمال عطا کیا ہے اور شاہ صاحب نے اسماء

---

(۱) جلوہ کشمیر ص ۲۷۹ (۲) معارف ستمبر ۱۹۶۷ ص ۱۹۰، ۱۹۳۔ (۳) نزھۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۸۳، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد دوم عربی ادب ص ۲۰۹ (۴) ضرب الخاتم علی حدوث العالم مجید برقی پریس دہلی ۱۳۴۵ھ (۵) مولانا انور شاہ کشمیری حیات اور علمی کارنامے، ڈاکٹر رضوان اللہ ص ۸۶ (۶) الانور ص ۶۵۰ تا ۶۵۱ (۷) مولانا انور شاہ کشمیری حیات اور علمی کارنامے ڈاکٹر رضوان اللہ ص ۸۶، ماہنامہ دارالعلوم مئی ۱۹۶۲ء ص ۳۸ تا ۴۰ (۸) نفحۃ العنبر ص ۱۷۹، ۱۸۱۔

کہ ذاتی حوالہ دے کر ان کی اثر آفرینی میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔

شفیع مطاعٌ نبیٌّ کریم ـ قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیمٌ
بشیرٌ نذیرٌ سراجٌ منیر ـ خبیرٌ بصیرٌ دلیلٌ علیمٌ
تقیٌّ نقیٌّ صفیٌّ وفیٌّ ـ وجیہٌ نبیہٌ مبینٌ حکیمٌ [1]

صفات حسنہ کے حامل صحابہ اسماء کا ذکر کرتے ہیں جن کی اثر آفرینی کے دو فرائض مسلم ہیں

دلیلٌ وهادٍ سبیل الرشادِ ـ وخیرُ العبادِ ثمالُ العدیم
امامُ الهدیٰ رحمةٌ للعالمین ـ غیاثُ الوریٰ مستغاثُ الحمیم [2]

شاہ کا دالیہ قصیدہ تشبیب کے روایتی مگر منفرد رنگ سے شروع ہوتا ہے، تشبیب کو دراصل رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کا سامان بنایا گیا ہے، صحابہ کرام کے ذکر سے ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی چاہی ہے۔ تشبیب کے اشعار ہیں

برق تألق موهنا بالوادی ـ فاعتاد قلبی طائف الانجاد
هب النسیم علی الربا فتضاحکت ـ لبشری العمید عرارها والجادی
لله در صحابة أنفیتهم ـ دیم الذی المجتدی والجادی
فرق الضلال علی ما تورفعة ـ سرج الرشاد علی ذری الأطواد [3]

اور یہ گریز أتانی أمان من دارٍ حیرة ـ وفی اهتداء بالنبی الهادی [4]

دربار رسالت میں حاضری کا قصد کیا تو خصائل وفضائل کا ذکر ہونا لگا

شمس الضحی بدر الدجی صدر العلی ـ علم الهدی هو قدوة للقاری
سهل العریكة أكرم العرب الأُلی ـ خیر العباد وخیرة العباد
خیر الوری بیتاً و آخر محتداً ـ ونبیهم من معدن فطار [5]

حسنِ ظاہرہ کا بیان کرتے ہیں

ومفخم فخم تهلل وجهه ـ ضحکاً کضحک البدر اذ هو باد
الأبلج الاقنی الأزج ورحمة ـ للعالمین واجود الأجواد [6]
وبوجهه تستنزل البرکات من ـ فوق السما ونائره بأیاد
فتحت به غلف القلوب وبصرت ـ عمی العیون لبینة وسداد [7]

ختم نبوت کا مسئلہ شاہ صاحب کے اعصاب پر طاری تھا۔ پورے قصیدے میں خود کا شتہ نبوت کا تار پود بکھیرا تھا مگر اس برائی کا دل اس قدر دکھتا تھا کہ اس کا ہر قصیدے میں ذکر کرتے ہیں مثلاً

---

(۱) ماہنامہ دار العلوم ہند ۱۹۶۳ء ص ۳۸، ۳۹ (۲) حوالہ مذکورہ (۳) نفحۃ العنبر ص ۱۷۹، ۱۸۰ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۱۸۰
(۵) حوالہ مذکورہ (۶) حوالہ مذکورہ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۱۸۱

ختم النبوۃ والرسالۃ اِنھا ۔ بدئت بہ ختمت بہ لمعاد

العاقب الماحی واُکثر نابھا ۔ والقاسم المبعوث للارشاد [1]

حاصلِ قصیدہ نگاہِ التفات اور نظرِ کرم کی طلب ہے کیونکہ

وبہ النجاۃ وعصمۃ من اُزمۃ ۔ بہ حیاۃ طیبۃ لسبلاد [2]

الغرض شاہ صاحب کا دالیہ قصیدہ ، مدحیہ قصائد میں عمدہ اضافہ ہے اس سے اُن کی پختہ شاعرانہ صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

---

(۱) نفحۃ العنبر ص ۱۸۰ (۲) حوالہ مذکورہ ص ۱۸۱

مولانا قاضی عبدالسلام سلیم (م ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء)

مولانا قاضی عبدالسلام ریاست امب دربند ضلع ہزارہ میں قاضی محمد علی بن قاضی سید علی کے گھر پیدا ہوئے درس نظامی کی تکمیل اپنے والد سے کی پھر مدرسہ عالیہ رامپور سے سند فراغ اور دہلی سے علوم شرقیہ کی سندات حاصل کیں۔ گورنمنٹ ہائی سکول پشاور میں اسلامیات کی تدریس کرتے رہے۔ بعد پھر حجاز چلے گئے[1] آٹھ دس سال تک حرمین میں رہے۔ وہاں مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے دینی مدارس میں تدریسی مشغولیت رہی۔ واپسی پر صوبہ سرحد کے ٹریننگ کالج میں عربی ادب کے استاد مقرر ہوئے اور وہاں ہی وفات پائی[2]

مولانا ابوالمکارم عبدالسلام سلیم فضلی فارسی عربی اردو اور پشتو کے شاعر تھے۔ "روض الازھار بالہ درد" "الجذبۃ الشوقیۃ الی الحضرۃ النبویۃ" طبع ہو چکے ہیں[3] قاضی عبدالسلام کا ادبی ذوق ان کے مدحیہ قصائد سے بخوبی آشکار ہے۔ قاضی صاحب خیرآبادی مکتبہ فکر کے عظیم راہنما تھے[4] انہوں نے مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں متعدد قصائد و قطعات کہے۔ جو ترسیل دیم کی وجہ سے نقل مکانی کے سبب کافی حد تک ضائع ہو گیا[5] پھر بھی ان کے خاندان میں دینی و ادبی شعور موجود ہے۔ اور وہ لوگ کئی عربی مدارس میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قاضی صاحب کا ایک قصیدہ "الجذبۃ الشوقیۃ الی الحضرۃ النبویۃ" مدینہ منورہ میں تالیف ہوا۔ قاضی صاحب نے اسے "مطبعۃ طیبۃ الفیحاء" سے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء میں چھپوایا مگر وجوہ سوائے ٹائٹل کے سب ضائع کر دیا گیا۔ پھر اسی ٹائٹل کے ساتھ باقی قصیدہ خدمت پریس بمبئی نمبر ۹ سے چھپوا کر شائع کیا گیا[6] اس قصیدے کے علاوہ ان کے خاندان سے چند ابیات و قصائد دستیاب ہوئے جن سے ان کی عربی ادب پر مقدرت کا اندازہ ہوتا ہے

قاضی عبدالسلام سلیم کی مدحیہ شاعری میں وارفتگی، بے خودی اور ولولہ انگیزی پورے شباب پر ہے۔ اور قاضی صاحب ایک تیز دھارے کی طرح بہتے چلے جاتے ہیں۔ خصائص نبویہ سے خصائص چنتے ہیں۔ اور ان کو قوی و ملی تناظر میں بے تکان پابند شعر کرتے جاتے ہیں۔ خصائص میں وصف 'ہدایت' کا تذکرہ زیادہ ہے۔ قوم بے راہ روی کا شکار ہے۔ معصیت نے ڈیرے لگائے ہیں۔ اس لئے قاضی صاحب اس بے راہ روی میں ہادی عالم کا تذکرہ کرتے ہوئے امیدوار نظر ہدایت ہیں۔ محبوب رب، باعث تخلیق آدم و بنی آدم، خیر خلق، صاحب افضال، مرکز عطا اور ممدوح کائنات۔ قاضی صاحب کی مدحیہ شاعری ان عناصر سے ترکیب پاتی ہے۔

ہادی عالم :

الانسان عین المکرمات و فخرھا	شمس الزمان و مرشد الاکوان
بدر الفضائل والمکارم والعلی	ھادی البریۃ منبع الاحسان
خمدت بہ نار الضلالۃ مذ اتی	طلعت بہ شمس من العرفان
نور الھدایۃ عین کل عنایۃ	عین الحیاۃ و مورد الغفران[7]

---

(۱) ماہنامہ الرشید دیوبند نمبر علمائے دیوبند سرحد کی تصنیفی خدمات قاری فیوض الرحمٰن ص ۹۰۴ (۲) حوالہ مذکورہ و مکتوبات قاضی حمید فضلی جو مولانا عبدالسلام کے بھتیجے ہیں اور رسالہ الفیض مانسہرہ کے مدیر ہیں (۳) ماہنامہ الرشید دیوبند نمبر ص ۹۰۴ مقالہ علمائے سرحد دیوبند کی تصنیفی خدمات قاری فیوض الرحمٰن (۴) مکتوبات قاضی حمید فضلی (۵) حوالہ مذکورہ (۶) الجذبۃ الشوقیۃ الی الحضرۃ النبویۃ ص ۱۲ (۷) حوالہ مذکورہ ص ۷

خیر الخلق : وهو النبی الهاشمی المصطفیٰ مختار النور فی الزمان وجان
خیر الخلائق کنز اسرار الله بدر الکمال وسید الاکوان ۱

مطاع عالمین : ذاک الذی وصوت الاکوان طلعته فالجن تحمده والعرب والعجم ۲
سادات دهر خاضعون ببابه وله تخر جبابر الشجعان
یا ابنه قادات علی اعتابهم یرجوه نصفة کل ذی سلطان ۳

صاحب جود وکرم : بحر خضم زاخر متدفقهم فاضت عیون منه فی ابدان
هذا الذی انضاله مشهودة حاشا فی اسراره من ثانی ۴
لولاه ما کان الوریٰ ولاجله ارکان کون قد بنا هما البانی ۵
قد کان غایة ما ترقی الانام له لذالک کان به النبا وقد ختم ۶

معجزات اور پیش گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔
نطقت قرون کاسما لصفاته وبذاته شهدت صفو از مان
کتب السماء بوصفه مملوءة ولسان وصف کله ربانی
اوراق ایام کذا مکتوبات بمحاسن المختار من عنوان ۷

قاضی عبد السلام کی شاعری میں اپنے گناہ کا احساس بہت قوی ہے ۔
الی حقیر ضعیف الخلق اذ نبهم انی انا المسرف العاصی اذلهم
لیس التعجب فی ان عشقتکم ان التعجب فی کلب والطفکم ۸

اس لئے ان کے کلام میں رحمت عالم ۔ شافع اعظم کے نام کی دہائی کا انداز بہت تشکیما مگر عاجزانہ ہے ۔
والله لیشهد الی کلب سد قصهم ولیس لی ملجاء فی الدهر شاهم ۹
انت الکریم وانت حامی حومن انت الملاذ وانت ذو فیضان ۱۰
واتاک مکسور الجنان بذنبه یرجوک جبرا یا شفاء جنانی
واتاک مملوء الفواد جرائما وغریق قلب فی بحار امانی ۱۱
واتاک مردود الخلیفة راجیا فضل الشفاعة یا عظیم الشان
واتاک والدمع المسدل سائل حتم المعاصی سیدی الکافی ۱۲
فاتاک من قاضی البلدو موتملہ فرث الشفاعة یا شفیع الجانی ۱۳
فتجاوزوا وتجاوزوا تجاوزوا عن خاسر عن خاذل عن جانی ۱۴

---

① الجذبة الشوقیة الی الحضرة النبویة ص ۴ ② قلمی نسخہ ③ الجذبة الشوقیة الی الحضرة النبویة ص ۴
④ حوالہ مذکورہ ص ۴ ⑤ حوالہ مذکورہ ص ۵ ⑥ قلمی نسخہ ⑦ الجذبة الشوقیة الحضرة النبویة ص ۵ ⑧ قلمی نسخہ
⑨ قلمی نسخہ ⑩ الجذبة الشوقیة الی الحضرة النبویة ص ۵ ⑪ حوالہ مذکورہ ص ۷ ⑫ حوالہ مذکورہ ص ۸
⑬ حوالہ مذکورہ ص ۷ ⑭ حوالہ مذکورہ ص ۹

اور اس کا سبب وہ نار الفت تھی جو ان کے قلب و جگر کو سوختہ کر رہی تھی۔

نارٌ تأجّجَ فی الفؤاد لهیبها　　غنت حمائمها علی الاغصان ①

اور یہ سوزش محبت ان کے نزدیک روح ایمان اور پناہ بر آفات ہے۔

حبُّ الرسول حیاة کل موحّد　　من کل قاصٍ فی الوریٰ او دانی

حب الرسول مزیل کل مصیبة　　للعاجز الدنف النحیف العانی ②

اسی محبت کا تقاضا ہے کہ وصال محبوب کے آرزومند ہیں۔ ان کی تمنا ہے کہ دیار حبیب ہی میں ان کی موت آئے کہ قرب مسلسل حاصل رہے۔

اجب دعوتی یا من تجیب دعائنا　　امتنی الٰہی فی دیار مدینة ③

قاضی عبدالسلام سلیم کی عربی شاعری پر عربی زبان وادب کی چھاپ اس قدر گہری ہے۔ کہ اگر وہ اپنے اجنبی ہونے یا ہندی ذات میں شک دربار ہوئے کا حوالہ نہ دیتے تو ان کی مدحیہ شاعری کو خالص عرب ماحول کی شاعری قرار دیا جاسکتا تھا۔ الغرض قاضی موصوف ایک کہنہ مشق اور پختہ کار شاعر ہیں ان کی مدحیہ شاعری میں ان کے قلب ونظر کی مہ پہلو شمولیت ہے۔ الفاظ عمدہ تراکیب مناسب اور طرز زبان لائق تحسین ہے۔

---

① الجذبة الشوقية الى الحضرة النبوية ص ۳　② حوالہ مذکورہ

③ حوالہ مذکورہ ص ۱۱

پنجاب پاکستان کے بعد

مولانا اصغر علی روحی (م ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء)

عہد جدید کے وہ باکمال مدرس عالم ادیب اور شاعر کہ جن پر خطہ لاہور کو تا دیر ناز رہے گا۔ مولانا اصغر علی روحی قاضی شمس الدین بن میاں پیر بخش بن رکن الدین، کے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء ضلع گجرات (پنجاب) کے ایک گاؤں کنجاہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں ہی حاصل کی پھر لاہور تشریف لائے۔ لاہور ان دنوں علم و فضل کا گہوارہ اور علماء کا مرکز تھا۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے[1] لاہور میں آپ کے اساتذہ میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مفتی عبداللہ ٹونکی، مولوی عبدالحکیم کلانوری اور مولوی قاضی ظفر الدین شامل تھے[2] جو اپنے اپنے میدان کے شاہسوار اور مشہور عالم تھے۔ مولانا روحی نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء میں اسلامیہ کالج میں عربی اسلامیات کے استاد کی حیثیت سے کیا[3]۔ انجمن حمایت اسلام نے جب مدرسہ حمیدیہ کا اجراء کیا تو اس میں بھی بطور مدرس کام کیا[4]۔ ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں آپ نے ایک ماہوار رسالہ "الہدیٰ" کے نام سے جاری کیا۔ جو ایک عرصہ تک چلتا رہا[5]۔ اورینٹل کالج لاہور میں موت تک تعلیم علوم شرقیہ سے منسلک رہے۔ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے ریٹائر ہوئے۔ انجمن نے انکی خدمات کے صلہ میں پچاس روپیہ ماہوار پنشن مقرر کی۔ مولانا روحی نے ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء میں وفات پائی[6]

مولانا روحی کا اصل کارنامہ وہ شاگرد ہیں۔ جنہوں نے انکی عربی و اسلامیات کی خدمت کو مزید پیش رفت عطا کی۔ مولانا کے شاگردوں میں مولانا محمد شفیع، مولوی ظفر اقبال، حمید نظامی، علامہ اکرام، مولانا عبدالمجید سالک۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، مولوی کرم الدین بال اور چوہدری محمد علی کے اسماء نہایت معروف ہیں[7] مولانا کی دوسری بڑی خدمت وہ تبلیغی سرگرمیاں ہیں۔ جو انہوں نے چینیاں والی مسجد اندرون بھاٹی دروازہ لاہور میں مستقلاً درس قرآن مجید کی صورت میں اور عام تبلیغی اجتماعات اور دوروں کی شکل میں انجام دی ہیں۔ مولانا نیک طینت۔ شریف اور با اخلاق بزرگ تھے۔ اپنے ہم عصر اکابر سے ان کے تعلقات بڑے دوستانہ رہے۔ ان احباب میں علامہ اقبال بھی شامل تھے[8] مولانا صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ عربی و اسلامیات کی ترویج و اشاعت ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ اس لئے ہر وقت تحریراً یا تقریراً اسی میں مشغول رہتے۔ رسالہ الہدیٰ کی ادارت کے علاوہ آپ نے علمی دنیا میں بے شمار کارنامے انجام دیئے۔ ان کی تصانیف کی تعداد (۲۰) کے قریب ہے۔ جن میں سے گیارہ طبع ہو چکی ہیں۔ مثلاً دبیر عجم (مطبوعہ لاہور ۱۹۳۶) العروض والقوافی (مطبوعہ لاہور ۱۹۳۶) ترجمہ نصیحۃ القصیدہ للغزالی (لاہور ۱۳۲۷ھ) ترجمہ و شرح قصیدہ بردہ (لاہور ۱۳۲۶ھ) امیر الکلام من کلام الامام (لاہور ۱۳۲۲ھ) رسالہ سیطرۃ الاسلام علی افکار اللئام (لاہور ۱۳۳۰ھ) حامی الاسلام دو جلد (لاہور ۱۳۵۰ھ) ارمغان احباب (لاہور ۱۳۹۵ھ)۔ غیر مطبوعہ کتب میں تفسیر سورۃ یٰسین۔ تفسیر پارہ ۲۹، ۳۰ دیوان فارسی جس میں چھ ہزار اشعار ہیں۔ دیوان عربی جس میں پانچ سو ابیات ہیں۔ اور خطبات عربی شامل ہیں[9]

---

① فارسی گویان پاکستان ص ۲۶۱ نقوش لاہور نمبر ص ۹۳۰ وفاق لاہور جولائی اگست ص ۲۰
② فارسی گویان پاکستان ص ۲۶۱ ③ حوالہ مذکورہ ④ وفاق لاہور جولائی اگست ۸۱ ص ۲۱ ⑤ حوالہ مذکورہ نقوش لاہور نمبر ص ۹۲۰ ⑥ فارسی گویان پاکستان ص ۲۶۱ ⑦ یاد رفتگان ذوالفقار علی رانا روزنامہ نوائے وقت ۴ ستمبر ۱۹۸۰ء ⑧ فارسی گویان پاکستان ص ۲۶۱ ⑨ حوالہ مذکورہ ص ۲۶۲، ۲۶۳

مولانا ایک باکمال شاعر تھے۔ فارسی میں ان کو پرگو اور کہنہ مشق استاد شاعر کی حیثیت حاصل ہے۔ عربی میں بھی ان کا کلام نہایت وقیع اور قابل قدر ہے۔ انہیں علوم عربیہ سے طبعی لگاؤ تھا۔ پھر عربی تدریس اور علوم عربیہ کی اشاعت ان کا مشن تھی اس لئے ہمہ وقت مصروف عمل رہتے۔ اور ادب عربی میں فکر سخن کرتے رہتے۔ دینی میلان اور ادبی ذوق نے نعت کی راہ دکھائی تھی۔ اور آپ نے نعتیہ قصائد پر توجہ دی تھی۔ استاد فن ہونے کے ناطے سے اور عروض و قوافی کے ماہر ہونے کی وجہ سے ان کی شاعری میں فنی پختگی اور ادبی رفعت نمایاں ہے۔

مولانا خالص عربی روایت کے شاعر ہیں۔ ان کے قصائد کی ابتدا۔ اختتام۔ گریز۔ مرکز اور حرف آخر سب ایک نظام کے تحت بندھے ہوئے ہیں۔ تشبیب عربی قصائد کا سرنامہ یا ابتدائیہ ہے اور عموماً شاعر اپنا زور کلام اس پر خرچ کرتے ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ تشبیب عربی قصائد کی عمارت کا نقشہ یا فرنٹ ہے جیسے صاحب بیت سجانے پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ اس میں قاری کو متاثر کرنا ہوتا ہے کہ وہ دلچسپی محسوس کرے اور شاعر کے ساتھ چلنے پر راضی ہو جائے۔ یہ حصہ نادر تشبیہات اثر آفرین کلمات اور دلکش خیالات کا مرقع ہوتا ہے۔ مولانا عربی شاعری کی روایت سے باخبر ہیں مگر انہیں موضوع کے تقدس کا بھی خیال ہے۔ اس لئے انہوں نے خیالات کی تہذیب کا بھی خیال رکھا اور ساتھ ساتھ شعری محاسن اور ادبی روایات کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ تشبیہات کا ایسا جال بنا ہے کہ حسن ادا دو آتشہ ہو گیا ہے۔ فرماتے ہیں

كَبرقٍ خُلّبٍ وَغدٍ ومَطلٍ — كريحٍ قُلّبٍ حُسْنٍ وماءِ

كأنَّ تقلّبَ منّي يوم بانت — كريشاتٍ تطير بها الخلاءُ

وعاذ كر الشباب إلى الرحاب — وهَلْ عِندَ الصَّباحِ في المساءِ [1]

ان تینوں شعروں میں تشبیہات نے معانی کے ابلاغ اور تفہیم میں کس قدر سہولت پیدا کی ہے اور زور کلام کو کیسے ازدیاد بخشا ہے۔ قاری وعدہ و پیمان کی گریز پائی۔ حسن و جمال کی بے توفیقی کا چشم تصور میں مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ اڑتے ہوئے پر و بال کی بے ثباتی و ناقدری کا نقشہ نظروں کے سامنے مرتسم ہو جاتا ہے۔ جوانی میں جوانی کی نادانیوں سے کنارہ کشی صبح کے وقت شام کے قصے نہیں تو کیا ہے۔ لفظی و معنوی حسن ان شعروں پر نثار ہے۔

گریز ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ اکثر بیان کے وقفے مدلحت ہو جاتے ہیں۔ مگر مولانا رومی کا گریز تشبیب کا لاحقہ اور مدح کا سابقہ بن کر برزخی کیفیت کا آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں

ولكنّي لِكُلِّ حُبٍّ منه غِنىً — ويبقى ما يُخامِرُهُ الصَّفاءُ

فدَعْ حُبَّ الغواني وهو غيٌّ — وداءُ الغيِّ يخدعه الدواءُ

ولكن حُبُّ نجلٍ هاشميٍّ — أُتيحَ لهُ من الربِّ الثناءُ [2]

---

[1] معانی الاسلام جلد اول ص "ی" [2] حوالہ مذکورہ ص "ک"

مولانا علمی دنیا سے متعلق تھے اس لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی فضیلت کا تذکرہ انہیں زیادہ پسند ہے - اور اس کا مظہر قرآن کا نزول اور آپ کا حامل قرآن ہونا ہے اسلئے قرآن کا ذکر تمام خصائص سے مقدم ہے فرماتے ہیں -

عَطَایَا لَا یَمُنُّ بِهَا عَلَیْنَا ۔ فَتَشْکُرُ مَنْ لَهُ عَنْهُ الْغِنَاءُ

اَتَیْتَ بِهَا بِحَارُ الْفِکْرِ فِیْهِ ۔ لَهُ فِی الْاِبْتِدَاءِ لَهُ انْتِهَاءُ -

کِتَابٌ لَا یُدَاخِلُهُ ارْتِیَابٌ ۔ وَلَا فِی جِذْمِ مَعْنَاهُ ارْتِیَاءُ -

تَأَمَّلْ فِی الْخَوَارِقِ وَالْمَزَایَا ۔ تَجِدْهَا فَوْقَ مَا بَلَغَ الْعَلَاءُ - ۱

دیگر شمائل و اوصاف کے بیان میں بھی فصاحت کلام کو برتری حاصل ہے -

وَعَیْنُ مَاءٍ هَا رَائِقٌ وَطِیْنٌ ۔ وَعَیْنُکَ لَا تُرَنِّقُهَا الدِّلَاءُ

وَمَنْ فِی النَّاسِ اَفْصَحُ مِنْکَ لَفْظًا ۔ وَاَبْلَغُ مِنْکَ مَعْنًی یُسْتَضَاءُ ۲

مولانا صاحب جب اپنے حوالے سے دست طلب دراز کرتے ہیں تو تب بھی اپنے علمی ذوق کے حوالے سے ہی دامن پھیلاتے ہیں - مولانا کے دور میں نت نئے فتنے ابھر رہے تھے جو اسلامی تعلیمات کو حسب رائے بدل کر اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتے تھے - یہ علمی بددیانتی تھی جو مولانا سے برداشت نہ ہوتی تھی اس لئے ان کا استغاثہ بھی یہی تھا کہ ان بدطینت انسانوں کے ہاتھوں ان کا علمی سرمایہ اور ان کا ایمان محفوظ رہے - مثلاً کہتے ہیں

فَیَا کَهْفَ الْوَرٰی یَا مُرْتَجَانَا ۔ لَدَی الْحُرُمَاتِ اِذْ عَظُمَ الْبَلَاءُ -

اَلُوْثُ وَلَوْ عَلٰی کُرْهٍ بِاَنِّی ۔ اَحَاطَ بِیَ الظَّلَامُ فَلَا ضِیَاءُ - ۳

اور یہ حالت ان کے نزدیک سب سے بڑی مصیبت اور آفت ہے -

اَلَمَّ بِیَ الطَّوَارِقُ لَوْ اَلَمَّتْ ۔ بِصَمَّاءٍ لَعَادَ لَهَا الْهَبَاءُ ۴

اور یہ مصیبت ہے کیا اس کی وضاحت کرتے ہیں -

تَعَدَّدَ کُلُّ ذِیْ رَأْیٍ بِرَأْیٍ ۔ وَاَنَّ الرَّأْیَ فِی الدِّیْنِ الْخَفَاءُ -

قُلُوْبٌ صَخْرَةٌ اَوْ مِنْ حَدِیْدٍ ۔ وَاَلْسِنَةٌ حَصَائِدُهَا رُغَاءُ -

اَضَلَّ الْمُعْصِرَاتِ تَبِعُوْا هَوَاهُمْ ۔ وَاَنَّ الدِّیْنَ عِنْدَهُمْ رِیَاءُ -

مَحَلَّ الْقَوْمِ اَخْلَاقٌ طِغَامٌ ۔ فَتَخْیِیْرُ النَّاسِ فِیْهِمْ خُنْفُسَاءُ - ۵

---

۱ ماضی الاسلام جلد اول ص ک ۲ حوالہ مذکورہ ۳ حوالہ مذکورہ ص ل ۴ حوالہ مذکورہ ۵ حوالہ مذکورہ -

جذبات کی شدت ان کی قلبی کیفیات کی آئینہ دار ہے۔ شاعری ان کے نزدیک ضمیر کی آواز ہے اور داخل کا اظہار ہے۔
مولانا کے شعر ان کے کردار کے مجسمے ہیں۔ ہر ہر شعر میں ان کی ذات پرتوفگن ہے۔ اور یہی شاعری کا کمال ہے کہ
وہ شاعر کی ذات کا عکس ہو۔ مولانا کو عربی لغت پر ماہرانہ دسترس حاصل ہے۔ شعر عربی کی ضروریات اور
حدود ان کے پیش نظر ہیں۔ یہ دعویٰ بڑے اعتماد سے کیا جا سکتا ہے کہ مولانا روحی کی شاعری عربی شاعری
میں ایک مفید اضافہ اور برصغیر کیلئے ایک قابل فخر کارنامہ ہے۔

مولانا اعزاز علی دیوبندی۔ (م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء)

مولانا اعزاز علی بن منشی معراج علی ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں امروہہ ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے، مختلف مدارس میں فارسی عربی درسیات کی تعلیم پائی، دیوبند میں تکمیل علوم ہوئی[1] مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی محفلیں ملیں جن سے عربی ادب کا ذوق پیدا ہوا۔ بحیثیت مدرس جب دارالعلوم دیوبند میں واپس آئے تو اس شوق کی ترسیخ ہوئی، دارالعلوم میں ۱۳۴۰ھ میں مولانا میرک شاہ کشمیری کی تائید سے ایک انجمن 'نادیۃ الادب' قائم ہوئی جس میں مولانا انور شاہ کشمیری کی زیر نگرانی 'عربی شاعری' کا اہتمام ہوتا اور طرح مصرعے پر عربی قصیدے کہے جاتے، مولانا اعزاز علی نے ان میں بھر پور حصہ لیا اور کئی قصیدے کہے، مولانا بہت عرصہ دیوبند میں صدر مفتی اور شیخ ادب کے عہدوں پر فائز رہے۔ ان کی تصانیف میں " حاشیۃ نور الایضاح، حاشیہ کنز الدقائق، شرح حماسہ، شرح متنبی، حاشیہ شرح وقایہ اور نفحۃ العرب متداول کتب ہیں۔

مولانا کی عربی شاعری میں عربیت کی چاشنی موجود ہے۔ اُن کے اکثر قصائد مدحیہ یا مرثیہ شکل میں ہیں۔ نعت میں بھی اُنہوں نے دلچسپی لی ہے۔ ۱۳۴۹ھ میں حرمین شریفین کی حاضری کے موقعہ پر ۳۸ اشعار کا ایک میمیہ قصیدہ ارتجالاً عرض کیا۔ مولانا کا سارا قصیدہ آنکھ اور رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک فقیر بے نوا اپنے احساس تلے ڈوبا ہوا، دُنیا سے بیزار، درماندگی و پریشان حالی میں در رحمت پر کھڑا ہے اور زار و قطار آہ و زاری کر رہا ہے۔ کرم کی بھیک اور توجہ کا طلب گار ہے۔ اُسے احساس ہے کہ یہ موقعہ بار بار نصیب نہیں ہوتا اسلئے دل کے سارے ارمان نکالنا چاہتا ہے۔ غرضیکہ ایک عجیب التجائیہ ہے کہ قلب حزیں کی دا سوخت دکھائی دیتا ہے چند شعر ملاحظ ہوں۔

رسول اللہ جئتک مستعیذاً — علیک صلاۃ ربی والسّلام
کئیباً مستغیثاً مستعیناً — علی نفس تضیم ولا تضام
رَسُولُ اللہِ جِئْتُ الیکَ ضیفاً — وحق الضیف تعرفہ الکرام
غریب جاء من ارضٍ غریب — ولیس لہ رفاق او ندام
لہ قلبٌ ولا تحصیٰ مُناہ — لَہٗ نُدامٌ وَلَیْسَ لَہٗ کلام[2]
رسول اللہ خذ بیدی فانی — جریح لا لجرحتہ التئام
حَرِیمُکَ امن من کلّ ھَوْلٍ — وَبَابُکَ حَوْلَہٗ علق الانام
وَارْضٌ قدرٍ قدت بھا رقوداً — یعظمھا الملائکۃ الکرام
رَسُولَ اللہ فارحمنی فانّی — غریبٌ ھائمٌ وَبِیَ الھیام
اَغِثْنِی یا رسولَ اللہِ اِنّی — لَمَغْبُونٌ وَقَنَّطَنِی العِظام
تَرَحَّم یا ابنَ اٰمِنَۃ تَرَحَّمْ — فَفِی حوبِی رِضَاعی والفِطَام[3]

مولانا کے اس مدحیہ قصیدے میں دیگر قصائد کی نسبت جذبات کی شدت ہے اور الفاظ جذبات کی آتش سے گداز ہیں۔ اسلئے ایک روانی اور نغمگی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد ۲ عربی ادب ص ۴۱۱ ۔ [2] تذکرۃ الاعزاز ص: ۹۸۔ [3] حوالہ مذکورہ ص: ۹۹۔

محمد عبد القدیر صدیقی حسرت - (م ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء)

محمد عبدالقدیر صدیقی ۱۲۸۸ھ میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے، مولوی، مولوی عالم، منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات میں پنجاب یونیورسٹی سے امتیازی درجہ میں کامیابی حاصل کی۔ درسیات کی تکمیل مولوی الٰہی بخش، سید ناظر الدین، شیخ محمد سعید سے کی۔ علوم ادبیہ شیخ ابوبکر بن شہاب الحضرمی، قرأت، سید محمد عمر الحسینی، حدیث سید محمد عمر القادری سے حاصل کی۔ تصوف سے خاص دلچسپی تھی، سید محمد صدیق الحسینی القادری سے نسبت سلوک تھی۔ دار العلوم حیدرآباد میں مدرس مقرر ہوئے، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد وجود میں آئی تو اس میں شعبۂ دینیات کے صدر مقرر ہوئے جہاں سے ۱۳۴۳ھ میں فارغ ہوئے [۱]

مولانا حسرت حیدرآباد کے اُن برگزیدہ افراد میں سے ہیں جن پر حیدرآباد کو بجا طور پر ناز ہے۔ مولانا نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا: 'الدین' حکمت اسلامیہ، معیار الکلام اور معارف تحریر فرمائیں، شعر و شاعری سے بھی شغف تھا، عربی، فارسی، اردو اور ہندی کے شاعر تھے، اپنے متصوفانہ ذوق کی بنا پر حمد و نعت کی طرف زیادہ توجہ تھی، اُن کا مجموعہ کلام "کلیات حسرت" کے نام سے ۱۳۵۳ھ میں حسرت اکیڈمی حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ کلیات میں عربی حصہ "زفرات الاشواق" کے عنوان سے شامل ہے۔ زفرات الاشواق میں ایک حصہ حمد و نعت کا ہے۔ نعت میں مولانا کی خصوصی توجہ ہدایا درود و سلام پر ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں درود و سلام کا آہنگ بڑا نمایاں اور منفرد ہے۔ مولانا نے اس کو التزاماً اپنایا ہے۔ حسرت کو مداح نبی ہونے پر ناز ہے اور "اللہ ربی و محمد حبیبی" [۲] اُن کا منثور شاعری ہے۔

مولانا نے متعدد سلام کہے ہیں چند اشعار مختلف سلاموں سے بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔

ے یا رَبِّ سَلِّمْ عَلیٰ محمد — المصطفیٰ المجتبیٰ محمد
اَحِنُّ شوقاً الیٰ محمد — حبیب ربِّ الوریٰ محمد [۳]

ے یا جمیل الشِّیَم سلامٌ علیک — یا وسیع الکرم سلامٌ علیک
یا غیاث العباد خُذْ بیدی — یا عظیم الھِمَم سلامٌ علیک [۴]

ے سیدی المصطفیٰ سلامٌ علیک — احمد المجتبیٰ سلامٌ علیک
یا امان الانام خُذْ بیدی — مِن ھجوم البلا سلامٌ علیک [۵]

مدحیہ اشعار میں اوصاف و فضائل کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے اور مختلف حوالوں سے مدح سرائی کی ہے مثلاً

حسن و جمال : الشَّمْسُ غُرَّتُهُ واللَّیْلُ طُرَّتُهُ — بَدْرٌ ونجومُ اللیالی حین یَبْتَسِمُ [۶]

بحر کرم : وجُودُ کفِّکَ بحرٌ غابَ ساحِلُهُ — امواجُهُ کالجبالِ الشُّمِّ تلتطمُ [۷]

: جُودُهُ عمَّ البلاد — نورُ اھلِ الرشاد
شافعُ یومِ التَّناد — للبرایا کلِّها [۸]

---

[۱] اردو میں نعتیہ شاعری ڈاکٹر اشفاق ص: ۵۰۷۔ نزھۃ الخواطر الجزء الثامن ص: ۲۷۸۔ [۲] اردو میں نعتیہ شاعری ڈاکٹر اشفاق ص ۵۰۸۔ [۳] زفرات الاشواق ص ۳۔ [۴] حوالہ مذکورہ ص ۴۔ [۵] حوالہ مذکورہ ص ۵۔ [۶] حوالہ مذکورہ ص ۹۔ [۷] حوالہ مذکورہ ص ۱۰۔ [۸] حوالہ مذکورہ ص ۱۲۔

معجزات کا ذکر صرف اشارۃً ہے اور اُس میں عشق و محبت کے استعارے چنے گئے ہیں ۔

اَلظَّبْیُ لاَذَ بِہٖ وَالجِذْعُ حَنَّ لَہٗ ۔ فَکَیْفَ حَالُ مُحِبٍّ شَفَّہٗ السَّقَمُ [۱]

مولانا حسرت کو حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور دینی ضرورت کا احساس ہے فرماتے ہیں ۔

حُبُّکَ الدِّیْنُ بُغْضُکَ الکُفْرُہ حَتْماً ۔ فِی کَلامِ الالٰہِ رَبِّ العِبَادِ ۔ [۲]

اور محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کا دیدار ہو جائے اسلئے مولانا یہ حسرت پال رہے ہیں ۔

مَا سُرَادِی مِنَ الرُّقَادِ سِوَی اَنْ ۔ اَجْتَلِی وَجْہَ سَیِّدِی فِی الرُّقَادِ ۔ [۳]

مولانا حسرت دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جب توصیف و مدح کے نذرانے گزارتے ہیں تو اُن کا زورِ کلام انتہائی بلندیوں پر ہوتا ہے ۔ کہتے ہیں :

یا سیّدی یا مصطفیٰ ۔ یا خیر من تحت السَّمَا ۔

خیرُ الخلائقِ کُلِّھِمْ ۔ رَبُّ المَجَامِدِ وَالعُلیٰ ۔

بحرٌ خضمٌ طَافِحٌ ۔ جُوْدُ الیدین والعطا ۔

بَدْرٌ مُنِیْرٌ وَجْھُہٗ ۔ فِیْہِ الظَّلَامُ قَدِ انْجَلیٰ ۔

مِثْلُ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ ۔ مَنْ فِی الوریٰ من فی الوریٰ ۔ [۴]

اور جب اپنا سوال پیش کرتے ہیں تو یہ والہانہ پن اور شدید ہو جاتا ہے ۔

یا رسول اللّٰہ یا ۔ خَیْرَ مَنْ تَحْتَ السَّمَا ۔

نَجِّنَا یَوْمَ الجزا ۔ مِنْ عَذَابٍ وَّالبلاء

اِنَّنِی عبد القدیر ۔ فی البلا یا کالاسیر ۔

اَنْتَ عن حَالِی خبیر ۔ رحمۃٌ یا مصطفیٰ ۔ [۵]

۔ یا سیّدی یارسول اللّٰہ خُذْ بِیَدِی ۔ فالھند ضاقت وراد الھم والالم ۔ [۶]

مولانا عبد القدیر حسرت کو عربی شاعری کا ہیولہ ہندی اثرات لئے ہوئے تھے ۔ انہوں نے حرکت و سکون کا مقامی رنگ استعمال کیا ہے ۔ اور اسی طرح اُن کی شاعری کی فضا خالص ہندی ہے ۔ اگرچہ عربی زبان کا عمدہ اور مناسب استعمال کیا گیا ہے ۔

---

[۱] نزہرات الاشواق ۹ ۔ [۲] حوالہ مذکورہ ص ۱۱ ۔ [۳] حوالہ مذکورہ ص ۱۰ ۔ [۴] زفرات الاشواق ص ۸ ۔ [۵] حوالہ مذکورہ ص ۱۲ ۔ [۶] نزھۃ الخواطر الجزء الثامن ص ۲۷۹ ۔

مولانا ظفر احمد عثمانی (م ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء)

مولانا ظفر احمد عثمانی ۱۰ رجب ۱۳۱۰ھ/ ۲۸ جنوری ۱۸۹۲ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے [۱]۔ ننھیال نے ظریف احمد نام رکھا جو پرانے سرکاری کاغذات میں موجود ہے۔ مگر یہ نام نہ چل سکا اور مولانا، ظفر احمد کے نام سے ہی مشہور ہوئے۔ مولانا کے والد شیخ لطیف احمد عثمانی دیوبند کے زمینداروں میں شہرت رکھتے تھے اس لئے کہ اُن کے والد یعنی مولانا ظفر احمد کے دادا شیخ نہال احمد دیوبند کے بڑے رئیس تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی قدیم کے لئے زمین ان کے دادا ہی نے دی تھی، بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا ظفر احمد کے والد کے پھوپھا تھے۔ مولانا نے دیوبند میں تعلیم پائی، شعبان ۱۳۲۸ھ کو دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی اور ۱۳۲۹ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس ہو گئے، چند سال وہاں رہے۔ [۲]

مولانا کو سیاسی بصیرت حاصل تھی، وہ برِصغیر کی آزادی کے لئے ترتیب پانے والی تنظیم پر اُن کی نظر تھی، مسلم لیگ نے جب حضرت قائدِ اعظم کی زیر قیادت مسلمانانِ ہند کے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تو مولانا چند ساتھیوں کے ساتھ جمعیۃ العلماء ہند کے عمومی رویے کے برعکس مسلم لیگ کے لئے خدمات انجام دینے لگے، پاکستان بننے پر انہیں یہ اعزاز حاصل ہوا کہ مشرقی پاکستان میں پاکستان کا پہلی بار ۱۴، اگست ۴۷ء۱۹ء کو آپ ہی نے پرچم لہرایا۔ [۳]

مولانا ظفر احمد نے دینی موضوعات متعدد کتب تصنیف کیں ان میں "إعلاء السنن" سب سے زیادہ مشہور ہے۔ جو ۲۰ جلدوں میں ہے، اس کے علاوہ "ولادت محمدیہ کا راز"، القول المنصور فی ابن منصور، البیان المشید، ترجمہ البرہان المؤید، الشفا، احکام القرآن، فضائلِ جہاد، سفر نامہ حجاز، نور علی نور وسیلۃ الظفر فی مدح خیر البشر، بھی متداول اور معروف کتب میں شمار ہوتی تھیں۔ [۴]

مولانا کی عربی شاعری مضامین کے اعتبار سے متنوع ہے۔ قصائد، مراثی اور نعت، مولانا کو عربی شعر کا عمدہ ذوق اور قابلِ قدر سلیقہ حاصل تھا، لغت عربیہ پر اُن کی دسترس اس قدر تھی کہ بعض کلمات کے بارے میں سید سلیمان ندوی جیسے فاضل عربی نے لکھا کہ انہیں لغت میں نہیں ملے۔ [۵]

مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مولانا کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت معاشرتی رابطہ ہے۔ برِصغیر کے مسلمانوں کی حالت زار، قادیانی فتنے کے پیشِ نظر ختم نبوت کا خصوصی تذکرہ، حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت و ضرورت اور اسکے حوالے سے فضائل و شمائل کا بیان، یہ مدحیہ شاعری کے جزئیات ہیں، مولانا نے تشبیب کو بھی مدح کا حصہ بنایا ہے۔ اور حرفِ اوّل ہی سے راستہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ اُن کے قافیہ، قصیدے سے چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

فضائل و شمائل کا تذکرہ:

حُسن و جمال: زاکی النجار جمیل الوجه احسنهم ـ یمحو الظلام کبدر التمّ فی الافق۔

فانشق صبح الهدی من نور طلعته ـ یجلو غیاهب لیل الجهل والحمق۔ [۶]

فضائل و کمالات: اوتیت علما و حلما زانه خلق ـ وحکمة انت فیها حائز السَّبَقِ

وعفّةً ادباً دیناً ومرحمة ـ للعالمین وعدلاً غیر ذی رَنَقِ۔

---

[۱] ULEMA IN POLITICS By. I.H. QURESHI P.362 [۲] مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات اور احوال و آثار مقالہ محمد ظہیر الدین، ص: ۹۱ [۳] ULEMA IN POLITICS By. I.H. QURESHI P. 362 [۴] مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات اور احوال و آثار مقالہ محمد ظہیر الدین ص: ۹۲۔ [۵] معارف جون ۱۹۶۰ء آثار علمیہ مکاتیب سلیمانی بنام مولانا ظفر احمد عثمانی ص [۶] ماہنامہ فاران سیرت نمبر جنوری ۱۹۵۶ء ص: ۱۰۲۔

امانةٌ صلةٌ للرحم مكرمةٌ ـ فصل الخطاب و وحيا غير مختلقِ ۔

بلاغة افحلت من رامها ورمت ـ مبارزميها بذل الابكم الخرقِ ۔

شجاعة واصطبارًا يوم ملحمة ـ اذا تطيش يد العرغد يذة الفرقِ ۔ [۱]

درود پاک کا ذکر ہر مدحیہ قصیدے کا جزو ہوتا ہے۔ بلکہ ہر عمومی قصیدے میں بھی حرفِ آخر کے طور پر درود پڑھا جاتا ہے مثلاً۔

ثُمَّ الصلاة على النبی المصطفےٰ ـ خیرالخلائق من نبی عدنان۔ [۲]

معجزات میں سے صرف معراج کا تذکرہ ہے اور اس میں طبق در طبق ارتقاء کو دورِ حاضر کی خلائی دوڑ کے تناظر میں سمجھنا چاہیئے۔

قدخصّك الله بالاسراء ليلة اذ ـ ترقى السموات من طبق الى طبق ۔ [۳]

مولانا عثمانی کے قصائد میں اجمال اور تصریح کی کیفیت میں بیانہ رنگ زیادہ ہے کہ وہ اپنے حوالے کے بجائے اسے عمومی رُخ زندگی کے طور پر پیش کرتے ہیں جیسے

كنت الغياث لايتام وارملة ـ امست من الجوع كالبالی من الورقِ

كنت الملاذ لمضطرو مضطرب ـ من المساكين الآفات محتنق ۔

انت العماء لقوم لاعمارله ـ انت الرشاد لمن قدضلّ فی طريق ۔ [۴]

خیریہ انداز میں جب وہ بارگاہ کی ملاذ و معاذ ہونے کی حیثیت واضح کر لیتے ہیں تو پھر اپنی عرضداشت پیش کرتے ہیں۔

يا خاتم الرسل حب الله صفوته ـ يا بكرامنة الزهراء كالفلق ۔

عسیٰ انال غداً منك الشفاعةَ اذ ـ قد الجم الناسُ للانام بِالعَرَقِ ۔

وانت تسقیُ وَلَا سَاقیِ سِوَاكَ لَهُمْ ـ كَاساً بُطاف بِمَآءٍ باردٍ غدقٍ ۔ [۵]

مولانا کی نعتیہ شاعری سے اُن کی علمی منزلت اور محتاط روش صاف نظر آتی ہے۔ الفاظ منتخب ہیں۔ قصیدے کا مجموعی تاثر ثقافت کا ہے۔ کلمات کی حرفی تراکیب میں غیر مجرد اوزان کو ترجیح حاصل ہے غرضیکہ ایک عالم کا قصیدہ ہے۔

---

[۱] ماہنامہ فاران ص ۱۰۲، ۱۰۳۔ [۲] تذکرہ مولانا ادریس کاندھلوی ص ۳۵۳۔ [۳] ماہنامہ فاران سیرت نمبر جنوری ۱۹۵۷ء ص ۱۰۲۔ سیرت محمد جنوری ۱۹۵۷ء

[۴] حوالہ مذکورہ ص: ۱۰۳۔ [۵] حوالہ مذکورہ ص ۱۰۴۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء)

مولانا محمد ادریس کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں ۲۲، ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ (بمطابق ۲۰، اگست ۱۸۹۹ء) کو ایک علمی و دینی گھرانے میں پیدا ہوئے، یہ گھرانہ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی وجہ سے علمی دنیا میں خوب متعارف تھا، مولانا کے والد حافظ محمد اسمٰعیل بھوپال کے محکمہ جنگلات میں مہتمم تھے[1] معارف القرآن کے دیباچہ میں اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بندۂ ناچیز نسباً صدیقی مسلکاً حنفی اور عشرباً چشتی ہے۔"[2] تھانہ بھون میں خانقاہ امدادیہ کے مدرسے میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا، حدیث، تفسیر فقہ اور دیگر مروّج علوم کی تکمیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے کی، پھر دیوبند چلے گئے اور دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا۔ اساتذہ میں سید انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، میاں اصغر حسین اور مفتی عزیز الرحمٰن شامل ہیں۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا، سب سے پہلے مدرسہ امینیہ دہلی میں ایک سال بطور مدرس کام کیا اور دیو بند آ گئے۔ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں سید انور شاہ کشمیری کے استعفٰی کی وجہ سے دیوبند کے حالات بگڑے تو مولانا کاندھلوی بھی دار العلوم کو خیرباد کہہ کر حیدر آباد دکن چلے گئے، وہاں مترجم قرآن مارمیڈوک پکتھال سے ملاقات ہوئی، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء کو دوبارہ دار العلوم آ گئے اور تقریباً دس سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء کو پاکستان آ گئے اور جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ مقرر ہوئے، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور آ گئے اور تادم واپسیں (یعنی ۸، رجب ۱۳۹۴ھ/۲۸، جولائی ۱۹۷۴ء) یہ خدمات انجام دیتے رہے۔[3]

مولانا کاندھلوی کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تفسیر، حدیث، سیرت و سوانح، عقاید و علم کلام، شعر و شاعری اور کئی دیگر موضوعات پر انہوں نے قلم اٹھایا، تصنیفات کی تعداد پچاس سے اوپر ہے ان میں اکثر طبع ہو چکی ہیں۔ ان میں "الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی، معارف القرآن، اعجاز القرآن، التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، الدین القیم، سیرت المصطفیٰ، خلافتِ راشدہ، حجیت حدیث، اسلام اور اشتراکیت، احسن الحدیث فی التثلیث، شرح مقامات حریری اور کئی اور کتب لائق مطالعہ اور قابلِ استفادہ ہیں۔

مولانا کو شعر و ادب سے دلچسپی زمانہ طالب علمی سے ہی تھی مگر اس کا باقاعدہ آغاز اُس وقت ہوا جبکہ انہیں دار العلوم میں مقامات حریری کی تدریس کا فریضہ سونپا گیا، طلبہ کی دقتیں محسوس کرتے ہوئے آپ نے اسکی شرح لکھی جو متداول کتب میں سے ہے۔ اس شرح کی ابتداء میں اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کرتے ہوئے ایک طویل قصیدہ مدحیہ لکھا، یہ کتابی شکل میں نعتیہ شاعری کا آغاز تھا۔ پھر متعدد قصاید تصنیف کئے گئے۔ مثلاً لامیۃ المعراج، نابئۃ القضاء القدر جو ۱۹۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ پھر لامیۃ رفع الیدین، میمیۃ المدیح والثنا اور متعدد مراثی، محمد ظہیر الدین نے اپنے مقالے "مولانا محمد ادریس کاندھلوی علمی خدمات اور احوال و آثار" میں مولانا کا دیوان مرتب کر دیا ہے۔

مولانا کا مدحیہ شاعری کے تین پہلو ہیں۔ معروضی مدح جیسے اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا لامیۃ المعراج، موضوعی مدح نگاری جیسے میمیۃ المدیح والثنا، اور تیسرے مخلوط مدح نگاری یعنی جہاں بیانیہ طرز ادا اور وارداتِ نفسی پہلو بھی پہلو چلتی ہیں اور یہ انداز اُن کے ہر مدحیہ قصیدے میں کسی حد تک موجود ہے، مولانا اپنے علمی مرتبے اور دینی معلومات کی بنیاد پر بعض نازک مسائل کو سلجھانے لگتے ہیں تو شعر، علم کی قربان گاہ نیم جان ہونے لگتا ہے۔ مگر وہ ماہرانہ چابک دستی سے اُسکے اندر اپنے قلبی گداز کی آتش افروزی کر دیتے ہیں اور نیم جان شعر قوتِ جذبات سے

---

[1] مولانا محمد ادریس کاندھلوی علمی خدمات اور احوال و آثار، محمد ظہیر الدین ص ۱۶۔ [2] تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، محمد میاں صدیقی ص ۳۲۔

[3] مولانا محمد ادریس کاندھلوی علمی خدمات اور احوال و آثار محمد ظہیر الدین ص ۱۹ تا ۴۴، تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی محمد میاں صدیقی ص ۴۴ تا ۴۶، تاریخ دار العلوم دیو بند جلد دوم ص ۱۳۸

لہرانے لگتا ہے ۔ مولانا کی شاعری کا یہی کمال ہے کہ ثقیل موضوعات اور نثری مضامین کو شعری لبادہ اوڑھا دیتے ہیں اور شعر کو منظوم نثر بھی نہیں ہونے دیتے ، تائید القدر میں اُن کی عمومی عربی شاعری کے جوہر کھلتے ہیں ۔ تو لامیۃ المعراج ، سے نعتیہ شاعری میں ان کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کا 'لامیۃ المعجزات' اور مولانا ادریس کاندھلوی کے لامیۃ المعراج کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو نظم اور شعر کا فرق معلوم ہوتا ہے ۔ یہ طرز شاعری آسان بھی ہے کہ قدرت کلام حاصل ہو تو لفظوں کی قطاریں کھڑی کی جاسکتی ہیں مگر یہ مشکل ترین مرحلہ بھی ہے ۔ کہ نثر اور شعر کا فرق قائم رکھنا دشوار مسئلہ ہے ، شعر صرف لفظی در و بست یا قوافی کے اجتماع کا تو نام نہیں ہے ۔ یہ تو اُس 'شعریت' ، سے عبارت ہے جو قلب و نظر میں دبے پاؤں در آئے اور اُن کے در و بام کو مہکا بھی دے اور چمکا بھی'

مولانا کاندھلوی کی مدحیہ شاعری میں اُن کی علمیت کا اظہار ملتا ہے ۔ استدلالی کیفیت ، حرفی و نحوی حوالے ، عروضی اعتبارے احادیث اور روایات کے اقتباسات اور اشارات پوری شاعری کو محیط ہیں ، ان سے شاعری میں علمی جلال سا پیدا ہو گیا ہے ۔ اور یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مولانا کی شاعری کے مخاطب عام عربی دان طبقہ نہیں دیندار اور دینی علوم اور عربی زبان کے بعض مبادیات کو جاننے والا گروہ ہے ۔ بعض استدلال مناظرانہ رنگ لئے ہوئے ہیں جن سے مولانا کی جدلیت پسندی کا اشارہ ملتا ہے ۔ دلائل سے قائل کرنے کی شعوری کوشش نے بعض شعروں کو آورد کا حصّہ بنا دیا ہے ۔ مگر بحیثیت مجموعی مولانا کی شاعری سے ایک قادر الکلام صاحب علم شاعر کا تاثر اُبھرتا ہے جسے کچھ پیش کرنا ہے اور جسے اس کا ڈھنگ بھی آتا ہے ۔

لامیۃ المعراج کے ۱۲۶ شعر ہیں ان میں معراج کا واقعہ بیان ہوا ہے اور 'معراج' کو بطور معجزہ اور بحیثیت شرفِ خاص کے پیش کیا گیا ہے ۔ جسمانی معراج اور رویت باری تعالیٰ پر دلائل میں منطقی رنگ بھی ہے ۔ اور محدثانہ طرز استدلال بھی مثلاً جب وہ کہتے ہیں :

راٰہ رأہ دون شکٍ وریبۃٍ ـــ وما زاغتِ العینانِ عن نورہ المجلی

راہ بعینی راسہ و فؤادہ ـــ راہ ابن عباس بنصٍ مسلسلٍ ، [۱]

تو قرآن و حدیث کے حوالوں سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں ۔

ومعراجہ قد کان بالجسم یقظۃ ـــ کما ھو منطوق بالکتاب المفصّل

علی ذاک اجماع الصحابۃ کلھم ـــ واتباعھم فاقبل ولا تتعلل ، [۲]

ان اشعار میں معراج کو ایک مستند حقیقت اور ایک تسلیم شدہ صداقت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ معراج کو ماننے والے تو امت کے کثیر افراد ہیں تسلیم نہ کرنے والے یقیناً شاذ راستہ اختیار کر رہے ہیں اور مستند راستوں سے ہٹ کر چلنا عقلمندی نہیں فریب نفس ہوتا ہے ۔

اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مولانا کا قصیدہ ۴۰ شعروں کا ہے مگر ان میں ۱۹۱ اسماء مذکور ہوئے ہیں ۔ مولانا کے پیش نظر انتخاب اسماء کا کوئی معیار نہیں ہے مگر اُن کا مقصد زیادہ سے زیادہ اسماء کی تجمیع ہے اور وہ بھی اس طریق سے کہ شعری وزن میں جذب ہونے میں کوئی دقت نہ ہو ۔ اس قصیدے کا حسن اس کی روانی ہے ۔ اسماء جو مستقل انفرادی وجود رکھتے ہیں انہیں یوں پرو دینا کہ ایک ہار کے موتیوں کی طرح مربوط بھی ہو جائیں اور اپنی چمک بھی برقرار رکھیں ، چند شعروں سے مولانا کی فنی صلاحیت کا اندازہ ہو جاتا ہے ۔

ومولی الوریٰ رحمۃ للعالمین ـــ ثمال الیتیم وماوی العدیم ۔

---

[۱] مولانا محمد ادریس کاندھلوی ، علمی خدمات اور احوال و آثار محمد ظہیر الدین ص : ۲۳۹ [۲] حوالہ مذکورہ ۔ ص ۲۴۱ ۔

هوالعاقب الحاشر المستغاث — کبیر الوریٰ من عذاب الجحیم .

هو الاحسن الاجود الاشجع — اغر الجبین جمیل وسیم ، [۱]

مولانا کے نزدیک مدح دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بازیابی کا ایک وسیلہ ہے اور یہ خصائص شماری کا ایک پیرایہ ہے ۔ چونکہ خصائص کی حد نہیں اسلئے مدح میں طوالت کا کوئی شائبہ نہیں ،

اذا کان مدح او ثناء منمنم — فاکرم خلق اللہ اولیٰ واقدم

ولا بد من بحر طویل لمدحہ — لما انہ بحر المکارم قلزم [۲]

'بحر المکارم' کے وصف کے لئے 'بحر طویل' لابدی ہے ۔ تجنیس معنوی بھی ہے اور منطقی استدلال بھی ، مدح نگاری طلب کرم کا بہانہ ہے کہ اس پر بخشش ہوتی رہی ہے ، تاریخی حقیقت کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں ۔

فانک قد اھدیت کعبا ببردۃ — جزاء علی انشادہ والغزل [۳]

مولانا کا انداز طلب بھی عالمانہ ہے ۔

شفاعتک الکبریٰ لاھل الکبائر — والمذنبین الخاطئین بجھل

وانت الذی ترجی شفاعتہ غدا ، — الیک یشیر فی غدکل انمل

وانت لھا اشفع تشفع وسل تجب — لادر کیس سید مذنب متخجل [۴]

مگر کبھی کبھی دل ، پاسبان عقل سے دامن بچا لیتا ہے تو پھر والہانہ پکار پیدا ہوتی ہے ۔

الا یا رسول اللہ نظرۃ رحمۃ — لمسترحم مستنظر للتفضل

وانت غیاث الخلق یاسید الوریٰ — ثمال الیتامیٰ مستغاث لارمل

وانک مامول وانک مرتجی — وانت رجاء الامل المتوسل

شفاعتک العظمیٰ علیھا معولی — ومدحک یا خیر الانام توسلی [۵]

مدینہ منورہ میں تا قیامت قیام کی خواہش کا یوں اظہار کرتے ہیں ۔

یارب ارجو ان اموت بطیبۃ — بجاہ رسول اللہ اشرف محمد [۶]

ہم اپنی گفتگو کو مکمل ان الفاظ کے ساتھ کر رہے ہیں کہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی بلاشبہ ایک پختہ مشق شاعر تھے ، اُن کی عالمانہ طرز زندگی کے باوجود شعر زندہ ہے ۔ علم نے اسے جلا دی ہے اُسے اپنے بوجھ تلے کچلا نہیں ہے ۔ مولانا کی شاعری ایک عالم شاعر کی شاعری ہے جس میں عربی ادب کے طلبہ کے لئے ذوق کی تسکین کا پورا سامان موجود ہے ۔ ہم آخر پر مولانا کا وہ شعر پیش کر رہے ہیں جس کا قافیہ مولانا کی فنکارانہ صلاحیت کا اعلان کر رہا ہے ۔

وَاِنَّکَ یَا خیر الخلائق عدّتی — والا فمن یوم الحساب یکون لی [۷]

---

[۱] مولانا محمد ادریس کاندھلوی ، علمی خدمات اور احوال و آثار محمد ظہیر الدین ص ۲۰۱ ، ۲۰۲ ۔
[۲] مولانا محمد ادریس کاندھلوی ، علمی خدمات اور احوال و آثار محمد ظہیر الدین ص : ۲۳۰ ۔ [۳] حوالہ مذکورہ ص ۲۴۴ ۔ [۴] حوالہ مذکورہ ص : ۲۴۳ ، ۲۴۴ ۔ [۵] حوالہ مذکورہ ۔ [۶] حوالہ مذکورہ ص : ۲۵۱ ۔ مرثیہ میں ایک شعر ۔
[۷] حوالہ مذکورہ ص : ۲۴۴ ۔

مُفتی محمد شفیع دیوبندی (م ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)

مفتی محمد شفیع ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے والد کا نام مولانا محمد یٰسین ہے۔ جو دیوبند کے عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ علمی دُنیا میں خاصی شہرت تھی، مفتی صاحب نے تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، اساتذہ میں سید انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمن عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد اعزاز علی اور مولانا رسول خان شامل تھے۔ [1] ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں مدرس مقرر ہوئے۔ ترقی کے مدارج طے کرکے ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں منصب افتاء پر فائز ہوئے۔ [2] ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں پاکستان آگئے اور ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء میں دارالعلوم کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی جو کراچی کا ایک معروف دینی ادارہ ہے۔ کراچی ہی میں ۱۱ شوال ۱۳۹۵ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۷۶ء وفات پائی [3]۔

مفتی صاحب دیوبند کے اُن افراد میں سے ہیں۔ جنہوں نے جمعیۃ العلماء ہند کی سیاسی پالیسیوں سے اختلاف کیا تھا اور تحریک پاکستان کی بھرپور حمایت کی تھی۔ مفتی صاحب کی طبیعت کا میلان تشریعی معاملات اور اُن کے حل کی طرف مائل تھا اسلئے حسب اقتضائے طبیعت فتاویٰ نویسی کی طرف زیادہ توجہ رہی، وفات تک ۹۵۸،۴ فتاویٰ کی نقول محفوظ کی گئی تھی، بعض فتاویٰ چھپ چکے ہیں اور اکثر ابھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں۔ مفتی کی تصانیف کی مجموعی تعداد ۱۹۲ بتائی جاتی ہے۔ جس میں ۹۵ صرف فقہ سے متعلق ہیں۔ ان تصانیف میں چند مشہور کے نام یہ ہیں۔

تفسیر معارف القرآن۔ چار جلدوں میں ۵۷۱۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ختم نبوت، سیرت خاتم الانبیاء، تحفۃ الوطن شرح نفحۃ الیمن، کشکول (اردو فارسی منظوم کلام) اور نفحات (عربی کلام)

مفتی صاحب کی عربی شاعری میں قصائد اور مراثی شامل ہیں۔ مرثیہ نگاری کا پورے دیوبند مکتب فکر میں رواج رہا ہے۔ اپنے اساتذہ اور اکابرین کی وفات پر اظہار غم کے لئے عربی شاعری کو اپنایا گیا ہے۔ بعض اوقات تو یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے یہ زبان مرثیہ نگاری کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔ خود مفتی صاحب کی وفات پر کثیر تعداد میں عربی میں مرثیے کئے گئے [5] مفتی صاحب کو شعری ذوق گھر سے ملا تھا۔ کہ ادبی ذوق کی وہاں کمی نہ تھی، مولانا اعزاز علی کی صحبت نے مزید نکھار پیدا کیا، ابتداء عربی شعر سے کی پھر فارسی اور اردو پر بھی توجہ دیتے رہے۔ مفتی صاحب کو شعرائے عربی کے بے شمار اشعار یاد تھے، اُن کے نزدیک شعر کی خوبی، سادگی، برجستگی اور سہل ممتنع ہونا چاہیئے [6]۔ عربی فارسی شعراء کے دواوین پر نظر ہونے کی وجہ سے خیالات کی زرخیزی بڑے نمایاں ہے اور بسا اوقات اُن کے عربی اشعار میں عربیت کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے۔ [7]

مفتی صاحب کی نعتیہ شاعری کا محرک اُن کا جذبہ محبت ہے۔ اُن کا دل حُبِ رسول میں دھڑکتا ہے اور وہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض بخشی کے ہر وقت طالب نظر آتے ہیں۔ یہ خواہش کبھی ہند سے پکار کی شکل میں اور کبھی زائر حرم کے ساتھ روحانی ہم رکابی کے روپ میں اور کبھی دربار مدینہ کے فراق کی جانگداز سرمستی کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے، محبت ان کے نزدیک تقاضائے اطاعت ہے۔ اور بلا اطاعت دعویٰ محبت بے سود ہے۔

---

[1] البلاغ فقیہ ملت نمبر ص: ۸۵ تا ۹۹۔ [2] تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد ۲ ص: ۱۳۰۔ [3] البلاغ فقیہ ملت نمبر ص: ۳۲، ۲۱۷۔ [4] حوالہ مذکورہ ص: ۲۳۶۔ [5] حوالہ مذکورہ ص: ۱۳۵۸ تا ۱۳۶۸۔ [6] حوالہ مذکورہ ص ۳۷۵۔ [7] حوالہ مذکورہ ص: ۳۸۲۔

ما الحبّ الا طاعة لحبیبه ــ وفناء کل ارادة وتأمل [1]

دربار مدینہ کے لئے اُن کا دل دھڑکتا ہے تو وہ یوں جذبات کی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔

من ذکر طیبة مغداها فممساها ــ جدت شؤنی لبسم اللہ مجرلها۔ [2]

واهًا لطیبة لا زالت منورة ــ طابت مشارقها من طیب ربّاها [3]

بلاد بها مأوی الفضائل والتقی ــ شهاب أتی من جانب اللہ ثاقب [4]

فهل لعاجز المسکین یومًا ــ نزول فی حمی البلد الأمین [5]

دیارِ حرم کی حرمت اور اُس سے اُن کا قلبی لگاؤ اور چاہت اُن کے دِل کی آواز ہے۔ اُن کی خواہش ہے کہ وہ اُس محبت بھرے دیار پر قربان ہو جائیں۔

لقد ثبتت فی القلب منها مودة ــ کما ثبت فی الأنملات الرواجب۔

وأن أسقی الا طلال بالدمع کلما ــ بدت لی من ارض الحجاز السباسب [6]

اوّل الذکر شعر میں جذبات کی شدت کے ساتھ تشبیہ کا حسن دلفریب ہے۔ خواہشِ مدینہ اور دربار کے تصور نے اُنہیں صلوٰۃ وسلام نذرگزارنے کی تحریک دی ہے اور وہ تحیۃ وسلام پیش کرتے ہیں۔

تحیة وسلامًا بالذی سعدت ــ بِهِ السّماء فأقمارٌ وأحجارٌ

تحیة وسلامًا بالذی انصدعت ــ لمّا أشار بصدرِ البدرِ أعشارٌ

تحیة وسلامًا بالذی برقت ــ من نورِ طلعتهِ المیمونُ أبصارٌ

اذکی السلام علیهم دائمًا ابدًا ــ ما قام قائمةٌ أذکارٌ دوّارٌ [7]

اس تڑپ و اضطراب کا سبب دیارِ مدینہ سے دوری بھی ہے۔

مالی أری بزقاق الهند مضطربًا ــ وبلرقاق الی البطحاء تسیارٌ [8]

دوری اور بُعد انہیں غائبانہ پکار کی دعوت دیتی ہے اور وہ اپنے جذباتِ محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

غوثُ الانام وماواهم وملجأهم ــ طرًّا وشیمتهُ جودًا وإیثارٌ

غیثٌ أغیثوا بهِ من بعدِ ما قنطوا ــ ودیمةٌ من عطاءِ اللہِ مدرارٌ

فیا خیر خلق اللہ صفوة رسله ــ أتیتک اذ ضاقت علی المذاهب [9]

فمالی فی الدنیا سواک بملجاء ــ ولا فی غد من دون بابک جانب [10]

فمن اوی الیه بطیب نفس، ــ فقد اوی الی رکن رکین۔ [11]

---

[1] نفحات ص: ۸۰۔ [2] نفحات ص: ۳۱۔ [3] نفحات ص: ۳۳۔ [4] حوالہ مذکورہ ص: ۳۵۔ [5] حوالہ مذکورہ ص: ۷۱۔ [6] حوالہ مذکورہ ص: ۳۴۔ [7] البلاغ فقیہہ ملت نمبر ص: ۱۳۴۲، ۱۳۴۳۔ [8] حوالہ مذکورہ ص: ۱۳۴۲۔ [9] حوالہ مذکورہ ص: ۱۳۴۳۔ [10] نفحات ص: ۳۶۔ [11] حوالہ مذکورہ ص: ۷۲۔

اسی ذوق وشوق میں خصائص حمیدہ اور امتیازات منفردہ کا ذکر کرتے ہیں ۔

وأوتی علم الاولین بأسرهم ــ یتیما وما أوته قط مکاتب

إمام جمیع لأنبیاء عبید هم ــ وشمس الضحیٰ والمرسلون الکواکب [1]

علا فخاق معالی الخلق أجمعهم ــ قد حل من شرفات المجد أعلاها

خیر الخلائق خلقا ثم أحسنهم ــ خلقا وأجودها جودًا وأسداها [2]

تجلی نوره شرقا وغربًا ــ وآدم بعدُ فی ماءٍ وطین [3]

مَلْوُ الحزینِ محیاه ومَطلعُهُ ــ غوث الوریٰ بکسیر القلب جبّارُ [4]

مفتی صاحب اپنے مدحیہ اشعار میں ایک عاشقِ جانثار اور محبّ بے قرار نظر آتے ہیں ۔

[1] حوالہ مذکورہ ص: ۳۵ ۔ [2] حوالہ مذکورہ ص: ۳۱، ۳۲ ۔ [3] حوالہ مذکورہ ص: ۷۲ ۔ [4] البلاغ فقیہ ملت نمبر ص: ۱۳۴۳ ۔

مولانا محمد یوسف بنوری (م ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء)

مولانا محمد یوسف بن سید محمد زکریا ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء بروز جمعرات پشاور کے مضافات میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب سید آدم بنوری علیہ الرحمۃ کی وساطت سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ مقامی علماء سے تعلیم کی ابتداء کی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء میں دیوبند گئے مگر سید انورشاہ کشمیری کی محبت میں ڈابھیل چلے گئے اور وہاں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کیا، پشاور میں جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے علمی زندگی کا آغاز کیا۔ پشاور شاخ کے صدر رہے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء کو مصر گئے اور موتمر فلسطین بھی شریک ہوئے۔ دیوبند میں تقرری کی پیشکش ہوئی مگر قبول نہ کی، ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء میں پاکستان آگئے، تین سال دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار سندھ میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز رہے۔ پھر مستقلاً کراچی آگئے اور جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کا آغاز کیا اور زندگی کے باقی ایام اسی کی ترقی میں منہمک رہے ۔[۱] ۳ ذی العقدہ ۱۳۹۷ھ / ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو وفات پائی۔

مولانا سیاست میں عملی حصہ لینے سے ہمیشہ بچتے رہے مگر تحریک ختم نبوت میں ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے شریک ہوئے اور بہت محنت اور جانفشانی سے خدمات انجام دیں۔ مولانا کا اصلی میدان تصنیف و تالیف اور درس و تدریس تھا، بے شمار طلباء ان سے مستفیض ہوئے اور متعدد کتابیں آپ کے قلم سے مرتب ہوئیں مثلاً بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب جو ۱۳۵۷ھ میں قاہرہ سے طبع ہوئی، نفحۃ العنبر فی حیاۃ امام العصر الشیخ محمد انور جو ۱۳۵۳ھ میں دہلی سے شائع ہوئی۔ مقدمہ یتیمۃ البیان (۱۳۵۵ھ میں طبع ہوئی) اور معارف السنن شرح جامع الترمذی جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔[۲]

مولانا کو عربی لغت و ادب سے عشق کی حد تک پیار تھا، ان کی اکثر تالیفات عربی میں ہیں حال ہی میں 'الاستاذ المودودی' کے نام سے ان کی کتاب شائع ہوئی ہے[۳]۔ نفحۃ العنبر ان کی ادبیت کا شہکار ہے، سلیس زبان اور رواں دواں عبارت ہے کہ قاری کہیں بھی عجمیت نہیں پاتا۔ شعر کا ذوق بھی فراواں تھا، اکثر بزرگوں کے مراثی لکھے۔ شعروں میں ادبیت اور علمیت کا امتزاج ہے۔

مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں دو قصائد کہے جو "شذرات الادب فی مدیح سید العجم والعرب" کے نام سے قاہرہ کے ہفت روزہ "الاسلام" کی اسراء ومعراج، کی خصوصی اشاعت میں ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا[۴]۔ دوسرا مراثیہ قصیدہ ہے جو ۷۳ اشعار کا ہے جس میں شمائل نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا گیا ہے۔[۵]

مولانا کے قصائد میں روایتی تشبیب کا ابتدائیہ موجود ہے مگر ان کے پیش نظر محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے اگرچہ بات لفظوں میں چھپائی گئی ہے مگر سوزش عشق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

فالنفس تصلی بنار الحب من ولہ — والعقل فی شرک الأھواء قد خطفا۔[۶]

مدح نگاری میں معجزات کا ذکر اور خصوصاً قرآن پاک کا تذکرہ بڑا نمایاں ہے۔

---

[۱] رسالہ بینات اشاعت خاص جنوری فروری ۷۸ ۱۹ء ص ۹ تا ۲۲ [۲] حوالہ مذکورہ [۳]

[۴] رسالہ بینات اشاعت خاص جنوری فروری ۱۹۷۸ء ص ۹ تا ۲۲۔ [۵] حوالہ مذکورہ ص: ۲۱۱۔ [۶] حوالہ مذکورہ ص: ۲۱۰۔

النبی والضب والأشجار قد شهرت ــ كذلك الذئب فی تصدیقه اعترفا

سبح ذا الحصی فی بطن راحته ــ حاز الحصی من معانی وصفها الشرفا

والجذع حن الیه عند فرقته ــ لأنه كان بالأنوار مكتنفا ۔ [۱]

اور قرآن پاک کا ذکر

محمد جاء بالقرآن معجزة ــ دامت لنا روضة مخضرة أنفا

الفاظه نسقت در منضدة ــ دقت لطائفها وهی الزلال صفا [۲]

كالنجم إذ لمحت والشمس اذ سطعت ــ والعین اذ نبعت والصوب اذ وطفا [۳]

مولانا کو تشبیہات پر خوب عبور ہے ان کی تشبیہات میں تنوع بھی ہے اور بانکپن بھی ۔ مولانا مدح نگاری میں ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد فضائل کو موضوع سخن بناتے ہیں ۔ چہرہ انور سے لیکر شمائل و امتیازات تک کا احاطہ کرتے ہیں ۔ یہ مولانا کا خاص میدان ہے اسلئے ان کے اشعار میں بلا کی روانی ہے مثلاً عرض کرتے ہیں ۔

یا مدهشاً فی هیبة وجماله ــ متحیراً لكماله إكبارا

ألقی علیك شمائلاً من حسنه ــ فی عقد در یعجب الأنظارا

هو أدعج كحل العیون و ابلج ــ أقنی ازج واهدب أشفارا

هو لم یكن بمطهم و مكلثم ــ حسن المحیا فی الأسالة دارا

طلق الجبین اذا تبسم وضاحكا ــ فاقتاً ساریر الجمال نضارا

فجبینه كالبدر یشرق دلجة ــ قد فاق بدراً وجهه إزنارا ۔

وتشعشت انواره بجبینه ــ متهلل سیماؤه انوارا

ما شمس جوزاء وما ذابرها ــ بجمال وجه للرسول أنارا [۴]

مولانا بنوری کی عربیت ژولیدہ بیانی کے عیب سے منزہ ہے ۔ الفاظ پر قابو ہے اور معانی کی بہتات ہے اسلئے مسلسل ایک معیار برقرار ہے ۔

---

(۱) رسالہ بینات اشاعت خاص جنوری فروری ۱۹۷۸ء ص ۲۱۰، ۲۱۱ (۲) حوالہ مذکورہ (۳) حوالہ مذکورہ (۴) حوالہ مذکورہ

سید محمد الحسینی الکالپوری (چودھویں صدی ہجری)

سید محمد بن محمد ہادی ترمذی کالپوری، کالپی میں پیدا ہوئے اور وہاں ہی نشو و نما پائی، کانپور کے علماء خاص طور پر مولانا محمد علی حسینی کانپوری سے استفادہ علم کیا۔ غازی پور جاکر مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی (م ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء) سے تحصیل علم کیا، ادب کی تعلیم مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے حاصل کی۔ مالوہ میں سیہور کے مدرسہ میں اور پھر اجین میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ [۱]

سید محمد کالپی کا مدحیہ قصیدہ جسے نزھۃ الخواطر میں نقل کیا گیا ہے نائیہ قصیدہ ہے جس سے سید صاحب کی زبان دانی اور شعری صلاحیت ترشح ہے۔ شمائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبت آمیز ذکر کے ساتھ خصائل کا حوالہ بھی دیا ہے اور اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا استغاثہ بھی ہے۔

شمائل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

بدر، سراج منیر نیر قمر — قد نور الارض والافلاک والافقا

الونر وجهك يا من حسنه عجب — كأن وجهك شمس منورها شرقا

أمسى جبينك من آثار مكرمة — برقا بريقا ضياء لولوا فلقا [۲]

عادات وخصائل کا ذکر کرتے ہیں۔

يعفو عن الناس من حلم ومن كرم — عن الرقاب يفك الغل والربقا

ويكظم الغيظ منه الغيظ مرحمة — والايقول سوى وحي إذا نطقا

للمؤمنين جناح الرفق يخفضه — مثل الأب البر بالأولاد قد رفقا

روحي فداه ومن مالي ومن ولدي — من جاره خائفا قد صانه ووقا

نال المكارم والأخلاق قاطبة، — فاق الكرام عن الغايات قد سبقا [۳]

آخر پر دست سوال دراز ہے اور رحمت کی التماس ہے۔

يا سيدي يا رسول الله خذ بيدي — اني امرؤ مذنب ممن علا رفقا

يا سيدي انت لي كهف وملتحد — إذ لا ارى في الا الخوف والفرقا

اذا وجدت ذنوبي لا انتهاء لها — فأنت شافع ديني عند من خلقا

يجر ذيل فؤادي حب روضته — بالرأس كيف إليها لست منطلقا [۴]

سید محمد کالپی کی مدحیہ شاعری کے تین بنیادی اجزاء ہیں۔ مدح جس میں اوصاف و شمائل کا تذکرہ، مناقب شماری جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منفرد خصوصیات کو موضوع بنایا گیا ہے اور یہ حصہ دلیل ہے۔ مدح نگاری کے لیے کسی ایسے وجود کی تعریف و توصیف بیان ہو رہی ہے جو مقدار توصیف ہے کہ ایسے خصائص و خصائل کا جامع ہے۔ جب مدح متحقق ہو جاتی ہے تو ایسے ممدوح مکرم کے حضور اپنے عیوب اور کوتاہیاں پیش کردی جاتی ہیں۔ یہ تیسرا جزو ہے۔ دعویٰ، دلیل اور نتیجہ یہ مدحیہ شاعری کے ارتقائی مراحل ہیں۔ سید صاحب کی عربی زبان میں عربیت کے جوہر ہیں اور قصیدے کا اسلوب بھی اثر آفریں ہے۔

---

[۱] نزھۃ الخواطر الجزء الثامن ص: ۴۰۰۔ [۲] حوالہ مذکورہ ص: ۴۰۱۔ [۳] حوالہ مذکورہ۔ [۴] حوالہ مذکورہ ص: ۴۰۲۔

مولانا عبد الکریم درس۔

عصر حاضر کے نامور عالم دین، معروف ادیب اور پختہ مشق شاعر مولانا عبد الکریم درس کراچی کے رہنے والے تھے۔ اپنے دور کی علمی و ادبی شخصیت کے طور پر انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عربی شاعری اور خصوصاً نعت میں اس قدر انہماک تھا کہ عربی دیوان مرتب کیا۔ علوم عربیہ کے طلبہ میں شعری ذوق پیدا کرنے اور ان کے نازک ذہنوں میں مدحت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش جاگزیں کرنے کیلئے اپنے عربی دیوان کا منتخبہ انتخاب شائع کرایا۔ جس میں ان کی متعدد مدحیہ نگارشات شامل ہیں۔ مولانا درس کے کلام میں والہانہ پن ہے۔ اور وہ ہر نوع مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رطب اللسان ہیں۔ مولانا کی شاعری کا آہنگ فارسی اثرات لئے ہوئے ہے۔ طویل بحور کا اکثر استعمال کرتے ہیں۔ شعر میں نغمگی کا عنصر بہت ہے۔ خصائص نبویہ میں صلی اللہ علیہ وسلم سے عطاء بخشش کا تذکرہ زیادہ ہے۔ مولانا کا انداز والہانہ طلب لئے ہوئے ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

نبیٌّ سامعٌ زلّاتِ خلقٍ مجیرُ الناسِ ماحٍ للخطایا۔
ھو المالکُ المطلوبُ لعبدِ الّھنا ھو الخالقُ الممدوحُ فی کلِّ منفدٍ۔
ومنکَ النورُ والفیضُ ومنکَ العزُّ والنَیلُ ومنکَ المجدُ والکلُّ کما الرحمٰنُ قد قالا۔ [1]

اعتراف گناہ ہے اور بخشش کی امید۔

اِنّی واِن کنتُ بذنبٍ مُغرقًا طالبٌ مِن بحرِہٖ مُتموّجٍ۔
حَبیبُ اللہِ ادرکنی عَجُولًا فانّی مُحصَرٌ حَولِ التّھابُ۔ [2]

اس لئے رحم و کرم کی درخواست کرتے ہیں۔

یا سَیّدی یا رسولَ اللہ یا مَدَدی کُن لی ظَہیرًا علی الاعداءِ یا مُددی
جئتُ الیکم یا مجیری فخذ بیدی لاتُشمِتِ الاعداءَ یا اُسوتی امری
مالی سواکَ ولا لی من الوزرہ الا الیکَ یا معتمدی یا عندَ مُعتمدِہٖ۔ [3]

خود کو نصیحت کرتے اور تسلی دیتے ہیں۔

توسّل بمختارِ حوی کلَّ فضلۃٍ توکل علی اللہ اَیا درس تفلحُ۔ [4]

خصائص و شمائل اور معجزات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فھو الذی خُلقَ الانامُ لاجلہٖ والعشقُ من اجل الحبیبِ مُروّجٌ۔
لقد کان حقًا حبیبُ الالٰہِ واَصلٌ لنا بَینَ ماءٍ وطِینٍ۔
من مثلُ اَملحَ فی الخلائقِ یولدُ من مثلُ احمدَ فی العوالمِ یحمدُ۔

---

[1] منتخب دیوان الدرس ص ۳، ۴، ۵ [2] حوالہ مذکورہ ص ۱۱، ۱۲ [3] حوالہ مذکورہ ص ۱۳ [4] حوالہ مذکورہ ص ۱۱

کریمٌ ومعقودُ الخلائق کلّھا — سماءٌ سما فوقَ السّموات نیّرٌ سَنِخٌ

یا مَن تفجّرتِ الانھارُ سائلۃً — من اِصبعیہ فروّی الفوجَ بالرَّغَدِ۔ [1]

لقد شَقَقْتَ لصفین منیراً حین اَوْ مَیْتا — فکیفَ الرّسل تقتدر علی ما کنتَ مَوْمُولا۔

مولانا کے اشعار میں اعجازِ نعتی جھلکتا ہے۔ نعت کے رابطے نے انہیں بڑا حوصلہ عطا کر رکھا ہے۔

[1] حوالہ مذکورہ ص ۱۰، ۱۲،۱۶، ۱۱، ۱۳، ۱۴۔

عصرِ حاضر:-

مدحِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس طویل جائزے کے بعد مناسب ہوگا کہ اُن معاصرین کے رشحاتِ قلم پر بھی ایک نظر ڈالی جائے جو عصرِ حاضر میں اس فنِ شریعت کی خدمات انجام دے رہے ہیں اس سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ عصرِ حاضر کی مادی ترقی اور سائنسی ارتقا کے تناظر میں مدحیہ شاعری کی ادبی منزلت کیا ہے۔

برصغیر کی تقسیم احیاء اسلام کی کوششوں کا منظر تھی۔ مسلمان قوم نے من حیث القوم اپنا قبلہ درست کرنے اور اپنے میلانات و رجحانات کو پابند آداب بنانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیامِ پاکستان کے بعد مسلمانوں میں دینی شعور بیدار ہوا۔ غیر ملکی استعمار کی وجہ سے ذہنوں پر پڑی ہوئی گرد چھٹی اور اسلام ایک شعوری منظر کے طور پر اپنی سطوت منوانے لگا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس سلسلے میں ہماری پیش رفت تسلی بخش نہ تھی۔ مگر بہر حال یہ واضح تھا کہ مقصد متعین ہو چکا ہے۔ اور بہر صورت قوم کو ایک متعین ہدف کی طرف بڑھنا ہے۔ یہ انقلابِ فکر بذاتِ خود ایک عظیم کارنامہ تھا نظریۂ اسلام کی اشاعت و وضاحت اور عقائدِ اسلام کی توضیح و ترسیخ سے دینی شعور پختہ ہوا دین حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عملی مظاہر کا نام ہے۔ اس لیے دین کی پیش قدمی دراصل ذاتِ رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سفر ہے۔ یہ دیارِ محبت کا سفر ہے۔ اور نعت اس سفر کا وظیفہ اور مسافرِ راہ الفت کے قلبی گداز کا شعری اظہار ہے۔ اس تجزیے کی روشنی میں ہم جب برصغیر پاک و ہند کے اصحابِ شعر کی نگارشات کا جائزہ لیتے ہیں تو نعت ایک مستقل اور مستحکم فن کی حیثیت سے ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ نعت دورِ حاضر کا ادبی سرمایہ ہے۔ یہ مسلمان معاشرے کا سماجی منظر ہے۔ نعت کے اس ارتقائی سفر کے تذکرے میں یہ ضرور یاد رہنا چاہیئے کہ تحریک آزادی کے جلو میں اُردو زبان نے کئی معرکے سر کر لیے ہیں قومی زبان کی حیثیت سے اُردو اپنی عظمت منوا چکی ہے اور یہ زبان برصغیر کے مسلمانوں کی حقیقی شناخت بن چکی ہے۔ اس لیے لابدی تھا کہ نعت کا معتدبہ حصہ اسی زبان میں ہوتا عربی دین اور تہذیب کی زبان ہے، جس کو تقدس حاصل ہے۔ اس لیے عام معاشرے میں اس کی عزت رہی مگر اس کی خاطر کوئی عملی اقدام نہ ہوا، اب چند سالوں سے عربی زبان سیاسی و معاشی ضرورت کے طور پر کچھ تقدم حاصل کر رہی ہے۔ ان حالات میں عربی زبان کو معاشرتی رُخ عطا کرنے کے لیے کوئی منضبط کام نہیں ہوا۔

عربی شاعری ایک ریاض چاہتی ہے اس کے لئے عربی زبان پر ماہرانہ دسترس درکار ہے جس کے لیے ابھی ماحول موجود نہیں لہٰذا عصرِ حاضر میں بھی عربی نعتیہ شاعری عربی مدارس کے گرد گھوم رہی ہے۔ آئندہ اوراق میں ہم عصرِ حاضر کی عربی نعتیہ شاعری کا ایک مجمل سا خاکہ پیش کر رہے ہیں۔ حتمی رائے ویسے بھی زندہ شعراء کے بارے میں مشکل ہوا کرتی ہے اس لیے صرف اسماء، مختصر تعارف اور نمونۂ کلام کے اندراج پر ہی اکتفا کریں گے۔ خدا کرے کہ ماحول بتدریج سازگار ہو تا جائے عبی

کی امید افزا کرنیں پھوٹنا شروع ہو چکی ہیں۔

قاضی محمد حمید فضلی:۔

قاضی عبد السلام سلیم فضلی کے برادر زادے جو شیر گڑھ ضلع مانسہرہ سے ایک ماہنامہ "فیض" کے مدیر ہیں اور خانقاہ فضلیہ شیر گڑھ کی روح رواں ہیں۔ سارا خاندان علمی و دینی خدمات میں مشغول ہے۔ اور عربی شاعر اس خاندان میں کئی نسلوں سے موجود تھے۔ ماہنامہ "فیض" میں کبھی ان کا عربی کلام بھی شائع ہوتا ہے۔ راقم الحروف کی استدعا پر قاضی صاحب نے چند مختصر قصائد ارسال فرمائے ہیں۔ ان قصائد سے انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔

كَيْفَ الوُصُولُ إلى الحَبِيبِ وَدُونَهُ ۔ عَيْنُ الوُشَاةِ وَنَظْرَةُ الحِقْدِ وَالغِلّ

إشْمَعْ مَنِ الحَبِيبُ وَمَنْ شَغَفَتْ بِحُبِّهِ ۔ مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الكُلِّ دِيمَةُ اللُّطْفِ وَالنَّحْلِ

أزَائِرُ البَطْحَاءِ قَبِّلْ عُتْبَةَ رَوْضَةٍ ۔ فِيهَا الرَّجَاءُ لِكُلِّ شِدَّةِ الهَوْلِ وَالمَلَلِ

يَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أفُوزُ بِنَظْرَةٍ ۔ مِنَ الحَبِيبِ فَقِيدِ التَّمْثِيلِ فِي الكَرَمِ

فَاقِدِ الظِّلِّ نُورَانِي مُمْتَلِأً بَشَرًا ۔ فَصِّ الوُجُودِ مُفِيضِ الخَيْرِ فِي العَمَمِ

يَا كَاشِفَ الغَمَّاءِ قَائِدَ الخَيْرِ ۔ وَيَا مَنْ هُوَ مُعِينُ الخَلْقِ فِي القِمَمِ [1]

عبد المنّان دہلوی:۔

الاستاذ عبد المنّان دہلوی کو عربی شعر کا عمدہ ذوق اور ماہرانہ استطاعت حاصل ہے۔ بڑی سہولت سے طویل قصیدے کہ جاتے ہیں۔ ماہنامہ "انوار مدینہ" میں متعدد قصائد شائع ہوئے اکثر طویل قصیدے کہتے ہیں۔ اور ان میں خصائص و شمائل کا تذکرہ اور نظر رحمت کی درخواست کرتے ہیں منقد ایک قصیدے کے چند اشعار ہیں:۔

وُجُودُهُ رَحْمَةٌ لِلنَّاسِ سَائِرَةٌ ۔ بَلِ العَوَالِمِ مُهْدَاةٌ لِمَنْ غَفَلُوا

جَبِينُهُ مَطْلَعُ الأنْوَارِ مُشْرِقَةٌ ۔ مَا الشَّمْسُ آفِلَةٌ وَالبَدْرُ مُخْتَجِلُ

لَهُ جَمَالٌ إذَا مَا رَآهُ أحَدٌ ۔ يَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ لَهُ بَدَلُ

نَالَ مِنْ شَرَفٍ لَا فَوْقَهُ شَرَفٌ ۔ مُلَقَّبٌ بِحَبِيبِ اللهِ مُمْتَثِلُ

مُحَمَّدٌ صَاحِبُ الآيَاتِ مُعْجِزَةً ۔ حَدِيثُهُ كَزَبِيبٍ لُطْفُهُ عَسَلُ [2]

مَأْوَى الضِّعَافِ مَلَاذُ الخَلْقِ قَاطِبَةً ۔ غَوْثُ الأرَامِلِ غَيْثٌ وَابِلٌ هَطِلُ

لَقَدْ رَأَيْتُ تُرَابًا مَسَّ حُجْرَتَهُ ۔ لَثَمْتُهُ أدَبًا وَالعَيْنُ تَكْتَحِلُ [3]

سلالة عبد الله بن آل هاشم ۔ يتيما وقد رباه حجر حليمة

محمد الهادي الى سبل الهدى ۔ جميع الورى والنور كاشف ظل...

حبيب اله العرش لم ير مثله ۔ نبيا ولا عبدا مقرب حض...

---

(۱) قلمی نسخہ (۲) انوار مدینہ رجب ۱۳۹۰ھ ص: ۴۴ تا ۴۶ (۳) حوالہ مذکورہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ ص ۲۰، ۲۲ (۴) حوا...
(۵) حوالہ مذکورہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ ص ۲۹۔

شفاء لما فی الصدر یذهب نابغہ ۔ لکن اسام دون ذالک عدیدۃ

وما من مریض لیس یرجی شفاء ۔ شفاء والاسقام اکمل نسخۃ ①

مفتی جمیل احمد تھانوی :۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کے معروف اساتذہ میں سے ہیں ۔ اصل شہرت مسائل دینیہ پر فقہی نظر کی وجہ سے ہے ۔ مختلف مسائل پر مستقل کتابیں تصنیف کر چکے ہیں ، عربی شاعری کا ذوق ہے ۔ متعدد مراثی کہے ہیں، نعت بھی عمدہ کہتے ہیں ۔ جس میں قلبی واردات کی کارفرمائی نظر آتی ہے ۔ ہجران کا تذکرہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بے مثل رفعت ، دیار حرم ، ختم نبوت ، قرآن و معراج اور اپنی حالت زار کا بیان یہ موضوعات ہیں جن کے گرد نعتیہ شاعری ترتیب پاتی ہے ۔ چند موضوعات کی مناسبت سے کچھ شعر درج کیے جاتے ہیں ۔ ولادت کا تذکرہ اور نورٌ علی نور کا عالم :۔

قَمَرٌ مُنِيْرٌ سَاطِعٌ اَنْوَارُہٗ ۔ لٰكِن عَلَا اِشْرَاقَہٗ اِسْتِحيَاءٌ

الشَمسُ طالعةٌ وانّ شُعَاعَها ۔ خَجِلٌ حَسِيْرٌ لَيسَ فِيْهِ صَفَاءٌ

يومًا تولّدَ فِيهِ مَنْ مَوْمِثْلُہٗ ۔ عَقِمَتْ بِهِ الْخَضْرَاءُ وَالْغَبْرَاءُ ②

خصائص نبویہ اور عظمت ذات کے تذکرے ۔

خَيرُ البَرَايَا كُلِّهِمْ وَ جَمِيْعِهِمْ ۔ العَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ فِيهِ سَوَاءٌ

فِي الكَائِنَاتِ اَعَزُّ بَعْدَ اِلٰهِهِمْ ۔ وَوُجُودُہٗ بِوُجُودِهِنَّ جِلَاءٌ

خُتِمَ الوَحيُ بِوَحْيِهِ بَلْ غُلِّقَتْ ۔ اَبْوَابُهَا فَسِوَاہُ الْاٰنَ هَوَاءٌ

الذَّاتُ مُعْجِزَةٌ فَرُوحٌ مُفخَرٌ ۔ بِقُوًى وَحُسْنٍ فَاقَتِ الْاَعْضَاءُ

كَانَ الرَّسُوْلُ نَبِيًّا مِنْ قَبْلِ اَنْ ۔ عُجِنَتْ لِاٰدَمَ تُرْبَةٌ وَالمَاءُ ③

اِذْ تَابَ اٰدَمُ دَاعِيًا مُحَمَّدٍ ۔ قَدْ قِيلَ كَيفَ عَلِمْتَ وَهُوَ خَفَاءٌ

فَاَجَابَ مَكْتُوبٌ عَلَى العَرْشِ اسْمُہٗ ۔ وَمِنَ المُحِبِّ عَلَى الحَبِيْبِ ثَنَاءٌ

سلطان كلّ الكَائِنَاتِ وَاِنَّہٗ ۔ قَدْ عَاشَ مِسْكِيْنًا عَلَيْهِ كِسَاءٌ

وَجْهٌ لَہُ اللَّمْعَانُ كَانَ بِضَوْئِهٖ ۔ فِي اللَّيلِ تَبْدُ والاِبْرُ وَالْاَقْرَاءُ

وَلَهُ الوَسِيْلَةُ وَالفَضِيْلَةُ مِنْحَةٌ ۔ وَمَقَامُہُ المَحْمُودُ فِيهِ ثَوَاءٌ ④

مولانا لطافت الرحمٰن سواتی :۔

عالم دین ، مصنف ، باذوق ادیب اور بہترین شاعر جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں فقہ و قانون کے شعبوں کے انچارج ہیں ۔ اپنے بعض بزرگ اساتذہ اور اکابرین کے مراثی عربی میں لکھے ۔ نعت بھی کہتے ہیں

---

① ماہنامہ انوار مدینہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ ص ۲۹ ② حوالہ مذکورہ ربیعین ۱۳۹۴ھ ص ۱۷ ③ حوالہ مذکورہ ص ۱۷، ۱۹

④ حوالہ مذکورہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ ص ۱۶ تا ۱۸

عربی شعر کا پختہ ذوق ہے۔ شیخ احمد تھانیسری کے قصیدہ کے تتبع میں کہے گئے قصیدے سے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

نفسی الفداء لمولانا وسیدنا ۔ نبینا الاکرم الداعی الی احد

رؤف رحیم سید سند ۔ سهل الفناء رحیب الباع والصفد

محمد سید الکونین والثقلین ۔ لطیف قلب نظیف الروح والجسد

ففی جناب رسول الله مؤتملی ۔ وفی جناب رسول الله مرتصدی

وانه الشافع المرجو نصرته ۔ وانه الدین والدنیا لدی وید

ولیس لی عمل ارجو النجاة به ۔ الا استناد نبی مستند [۱]

مولانا اختر رضا خان بریلوی :-

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان بریلوی کی اولاد سے ہیں۔ اور آج کل مدرسہ منظر اسلام بریلی میں شیخ الحدیث ہیں۔ دینی علوم میں مہارت، فن حدیث میں کامل صلاحیت رکھتے ہیں، جامعۃ الازھر سے فارغ التحصیل ہونے کی بنا پر عربی زبان وادب پر خوب عبور ہے۔ عربی شعر بڑی سہولت سے کہتے ہیں۔ راقم الحروف کی درخواست پر انہوں نے ایک بائیہ قصیدہ اور چند قطعات مرحمت فرمائے۔ قصیدہ بائیہ کے چند شعر درج کیے جارہے ہیں۔

یا رسول الله حقا ۔ أنت للنعماء باب

أنت ماؤها وحیدا ۔ فی الوری أنت المآب

أحمد المختار حیی ۔ من له وجه نهاب

جوده فاق الجواری ۔ وجه جاد السحاب

کثره ما لا یحد ۔ قله بحر عباب

فضله دی وما مزید ۔ لیس بحصیه حساب [۲]

مولانا ابو الضیاء محمد باقر ضیاء النوری :-

مولانا محمد باقر، مولانا نور اللہ بصیر پوری کے برادر نسبتی ہیں۔ بصیر پور کے دار العلوم میں دینی اور ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ عربی زبان میں عمدہ درک حاصل ہے۔ شعر کہنے کا شوق ہے۔ عربی میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں اور خوب کرتے ہیں۔ کئی مدحیہ قطعات ان کے ذوق ادبی کے غماز ہیں۔ 'یا رسول اللہ' کے طویل قافیے میں ایک مختصر قصیدہ ہے جس میں کہتے ہیں:-

تَجَلّٰی نُوْرًا حُبِّكَ فِی فُؤَادِی یا رسولَ اللّٰه ۔ وَحُبُّكَ أفضلُ ایمانِ الْعِبَادِ یا رسول اللّٰه

---

① ماہنامہ بینات ذی القعدہ ۱۳۹۹ھ ص ۵۶ تا ۵۸ ② قلمی نسخہ

لَدِیْغٌ خَائِفٌ لَمْ یَبْقَ لِیْ رَاقٍ وَلَا وَاقٍ ۔ سِوَی تِرْیَاقِ نَظْرَتِکَ ذِی الرَّشَادِ یَا رَسُولَ اللّٰہ
اَفِعْ قَلْبِی وَطَھِّرْہُ وَوَسِّیْہُ وَاَیِّدْہُ ۔ وَثَبِّتْہُ عَلٰی سُبُلِ السَّدَادِ یَا رَسُولَ اللّٰہ
زِیَارَۃُ خَدِّکَ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا ۔ وَرُؤْیَۃُ قَدِّکَ عَیْنُ الْاَبَادِیْ یَا رَسُولَ اللّٰہ
فَشِیْئٌ فِیْ بِھَا فِیْ رِحْلَۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاُخْرٰی ۔ یَکُنْ لِیْ کُلَّ حِیْنٍ خَیْرَ زَادِیْ یَا رَسُولَ اللّٰہ
[1]

مولانا محمد رضاء الحق مردانی :-

مولانا محمد رضاء الحق مردان کے رہنے والے ہیں ۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں مدرس ہیں ۔ شاعری سے انہیں خاص لگاؤ ہے ۔ اکثر اساتذہ کے مراثی لکھے ہیں ۔ مدح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کا قصیدہ بہت قابل قدر ہے ۔ نعت کا بھی ذوق ہے ۔ جو مختلف دینی رسائل میں چھپتی ہیں ۔ ماہنامہ بینات سے ایک نعت کے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں ۔

بکائی وتذکاری الی حبیب ۔ و ھذا الدوا للمغرمین عجیب
نسیم تھب من الحجاز شفاءنا ۔ وریا یفوح من الجیب طبیب
ومن جسمہ العالی تفوح اریحۃ ۔ فکان مسکا بالعظام مشوب
تری الشمس تطلع فی اسرۃ وجھہ ۔ کان البدر بوجنتیہ تغیب
ختم الحکیم نبوۃ بمجیئہ ۔ فمن ادعاھا بعد فھو کذوب
فما جود بحر قطرۃ من جودہ ۔ فلو جاء معتر فلیس یخیب
تری الصدق یفلح من عشارات خدہ ۔ الد الخصام لم تجدہ یریب
فلولاک ما برأ الالہ خلیقہ ۔ ما کان فینا مادح و مجیب [2]

صاحبزادہ غلام نصیر الدین گولڑوی :-

آستانہ گولڑہ شریف کے نونہال جو نوخیزی عمری ہی میں علمی حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں ۔ فارسی کے باکمال شاعر جو دور جدید میں برصغیر کی فارسی شاعری کی آبرو ہیں ۔ آغوش حیرت صاحبزادہ صاحب کی رباعیات کا مجموعہ ہے جس میں وہ ایک پختہ کار اور کہنہ مشق فارسی شاعر کی حیثیت سے معروف ہوئے ہیں، حال ہی میں 'پیمان شب' کے نام سے اردو کلام پر مشتمل ایک ضخیم دیوان طبع ہوا ہے جس سے اردو غزل میں بھی آپ کی قادر الکلامی کا نقش گہرا ہوا ہے ۔ صاحبزادہ صاحب کو عربی زبان میں بھی دلچسپی ہے اور راقم الحروف کی درخواست پر انہوں نے ایک قصیدہ ارسال فرمایا ہے

---

(۱) اغثنی یا رسول اللہ ۔ محمد منشا تابش قصوری ص ۱۸ (۲) ماہنامہ بینات ربیع الاول ۱۳۹۹ ص ۵۶ تا ۵۷

جس سے مختصر سا اقتباس حسب ذیل ہے۔

بذکر المصطفیٰ ھادی الزمان ـ رجعت من البیان الی العیان
حبیب اللہ خیر الخلق طراً ـ کدر رائق سط فی عقد الجمان
ھو الروح استناد بہ الوجود ـ ھو الانسان فی عین الزمان
نظرت الی جمیع الخلق نظراً ـ فلم یدرک لہ فی الخلق شان
مغیث فی مفاجات البلایا ـ برحمتہ البرایا فی الامان
لنا فی الدین والدنیا لکثیر ـ بانعام و لطف و امتنان [1]

حافظ محمد افضل فقیر :-

حافظ محمد افضل فقیر دور حاضر کے ایک بختہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں متصوفانہ ذوق اور دینی علوم سے آگاہی نے اُن کے کلام میں علمی وجاہت اور روحانی سرمستی پیدا کر دی ہے اُن کی مدحیہ شاعری پر عقیدت و محبت کے انوار ضو فشاں ہیں مدح نگاری اُن کا مشغلہ نہیں تسکین جان ہے۔ ذات ممدوح صلی اللہ علیہ والہ وسلم اُن کے قلب و نظر پر جلوہ ریز ہے۔

'جان جہاں' اُن کی مدحیہ شاعری کا مجموعہ ہے جس میں اُردو، فارسی اور عربی زبان میں پُرکیف اور وجد آفریں ہدایا بحضور خواجہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پیش کیے گئے ہیں۔ اس مجموعہ میں ایک عربی قصیدہ اور چند رباعیات شامل ہیں۔ قصیدہ بحر طویل میں ہے۔ اور ۴۲ اشعار پر مشتمل ہے، پورے قصیدے پر وارفتگی کی فضا طاری ہے۔ تشبیب کے بجائے دعا سے ابتدا ہوئی ہے۔ پھر مدح نگاری کا مرکزی مضمون ہے۔ اس میں مدح کا ذکر تبلیغی مساعی کا تذکرہ ہے معرفت الٰہیہ اور مناقب صحابہ کے بعد التجاؤں اور تمناؤں کی دنیا ہے۔ مدح کے بارے میں اُن کا نقطہ نظر ہے

وأحسن زاد للفقیر مدیحہ ـ إذا ھو فی البلوی کحرز مکنف
من الملأ الأعلی تحیر حینما ـ إلی منحمنا اشتاق روح الموصف
وما أنشد الحسان والکعب اعظم ـ وعنی عزیمۃ وعجز المصنف
تحرزت عشق المصطفیٰ بمحیتی ـ فذاک ثباتی فی الحیوۃ وموقفی
غدوت لاشراب المحبۃ ناشداً ـ ولست لما انتھزتھا لمسوف
بنفسی حنیف الجذع من کرب النوی ـ لان القدور بالحضور لتشتفی [2]

---

① قلمی نسخہ بخط شاعر - ② جان جہاں ص ۱۴۱، ۱۵۱

بشیر حسین ناظم :-

بشیر حسین ناظم اردو، فارسی، عربی اور پنجابی میں شعر کہتے ہیں۔ وزارت مذہبی امور میں اہم عہدے پر فائز ہیں۔ آج کل "کشف المحجوب" جو سید علی ہجویری داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کی شہرہ آفاق کتاب کا مستند نسخہ تیار کر رہے ہیں۔ اُن کی منظومات رسائل و اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ ایک نعت کے چند شعر ہیں۔

أَضَاءَ الْكَوْنُ مِنْ نُوْرِ الزَّمَانِ ۔ مَحَاسِنُهُ تَفُوْقُ عَنِ الْبَيَانِ
حَبِيْبُ اللهِ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ ۔ تُرَابُ ضَرِيْحِهِ كُحْلُ الْجِفَانِ
كَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ ۔ مُؤَيَّدَهٗ بِنَفْسِ الْمُسْتَعَانِ
هُوَ الْمُنْجِي لَنَا مِنْ كُلِّ هَمٍّ ۔ هُوَ الْبُشْرٰى لِفِرْدَوْسِ الْجِنَانِ ①

سید محمد امین نقوی :-

سید محمد امین نقوی ایک مشہور سادات خاندان کے ہونہار فرزند ہیں۔ درس نظامی کے فاضل اور درویش منش جوان ہیں۔ زمانہ طالب علمی سے ہی عربی شاعری شروع کی، قصیدہ امینیہ کے نام سے ایک مجموعہ طبع کرا چکے ہیں۔ آج کل اُسے دوبارہ اضافوں کے ساتھ شائع کرنے کی تیاری میں ہیں۔ راقم الحروف نے اُن کا سارا مسودہ دیکھا ہے۔ نقوی صاحب کی شاعری بتدریج پختہ ہوتی جارہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اُن کے اشعار کی کمیت عصر حاضر کے تمام شعراء سے زیادہ ہے اگر کیفیت مزید بہتر ہو جائے تو سید امین نقوی موجودہ دور کے نمایاں شعراء میں شمار ہونگے۔ اُن کے مسودے سے چند منتخب شعر درج کیے جارہے ہیں۔

أَنَا نَا الْمُصْطَفٰى هَادِي الزَّمَانِ ۔ حَبِيْبُ اللهِ مِفْتَاحُ الْجِنَانِ
وَلَيْسَ لَهٗ مِنَ الْجِسْمَانِ ظِلٌّ ۔ لَهٗ ظِلٌّ عَلٰى رَأْسِ الزَّمَانِ
وَمَا مِنْ بَعْدِهٖ إِحْدٰى نَبِيًّا ۔ وَلَيْسَ لَهٗ مِنَ الْكَوْنَيْنِ ثَانِي
الْحَمْدُ لِلّٰهِ مُعْطِي الْخَلْقِ مِنْ نِعَمٍ ۔ ثُمَّ السَّلَامُ عَلَى الْمَحْبُوْبِ فِي الْحَرَمِ
جُدْ لِي بِجُوْدِكَ يَا ذَا الْفَضْلِ فَانْظُرْ إِلَيَّ ۔ هٰذَا الْأَمِيْنُ حَقِيْرُ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ
إِنِّي فِي الْكُرُوْبِ مُضْطَرِبٌ ۔ مَا لِقَلْبِي سِوَاكَ مُعْتَمَدِي
أَغِثْنِي يَا رَسُوْلَ اللهِ لُطْفًا ۔ خَافَ مُغْرَقٌ بَحْرَ الْأَثَامِ
سَيِّدُ السَّادَاتِ مِصْبَاحُ الدُّجٰى ۔ مُكَمِّلُ التَّوْحِيْدِ مَاحِي الْمُشْرِكِيْنَ ②

شیخ سعدیؒ کے قطعہ پر تضمین کا ایک بند

---

① روزنامہ نوائے وقت جنگزین میں ایڈیشن ۱۴ مارچ ۱۹۸۲ء ② قلمی نسخہ نقل از مسودہ شاعر

ملک الوری ہ بحالہ ۔ فرح الاذی بجمالہ
نشر الھدیٰ بکمالہ ۔ عرج العلیٰ لہ
حملت جمیعُ فعالہ ۔ صلو علیہ وآلہ [1]

عبدالعزیز خالد :۔

اردو کے وہ پُرگو شاعر کہ جن کے آگے کلمات ہمہ تن باندھے کھڑے رہتے ہیں ۔ کئی زبانوں کے ماہر کہ جس سے چاہیں انتخاب کلمہ کریں اور جہاں چاہیں اُسے جوڑ دیں ۔ شعر پر بلا کی قدرت کہ ایک قافیے میں چاہیں تو پورا دیوان مکمل کر دیں ۔ نعت وظیفہ حیات ہے ۔ متعدد دیوان طبع ہو چکے ہیں ۔ عربی کلمات و تراکیب کو اُردو شعر میں بلا تکلف جذب کر لیتے ہیں ان کی اُردو شاعری پر عربی کا ملمع ہے ۔ روانئ طبع میں کبھی مصرعے کے مصرعے اور بعض اوقات مکمل کئی شعر عربی کے کہ جاتے ہیں ۔ مگر ان پر سبک ہندی یا اُردو شاعری کے اسلوب کی چھاپ ضرور ہوتی ہے ۔ عربی زبان میں اردو شاعری کرنے والے باکمال شاعر کا ایک بند حقیقت کے بیے کافی ہے ۔

ھُوَ ذوالھدایا ۔ ھُو ذوالعطایا
نبیُّ الملاحم ۔ رسُولُ السّرایا
مُجیرالبرایا ۔ صَقیل الثنایا
عظیم المزایا ۔ کریم السجایا
جمیلُ المحیّا ۔ جزیلُ العطایا [2]

ان کے علاوہ بہت سے اہل علم عربی لغت میں اپنا حصہ شامل کر رہے ہیں ۔ ان میں مولانا تاج محمد صدیقی قادری بیکہ توت پشاور شہر، شمس بریلوی کراچی، صاحبزادہ محمد امیر خسرو ڈب مانسہرہ شامل ہیں ۔ مگر ان کی نگارشات صرف تفنن طبع کی خاطر متکلف عربی میں شعوری کوشش کا ثمر ہیں ۔ جو خوش دلی کا باعث تو ہو سکتی ہیں ۔ مدحیہ شاعری کا حصہ نہیں بنتیں الغرض عصر حاضر بھی نعتیہ میدان میں بے توفیق نہیں ہے ۔ اور حسب سابق عربی نعتیہ شاعری کو علماء کی توجہ اور ادباء کا تعاون حاصل ہے ۔

---

① قلمی نسخہ نقل از مسودہ شاعر ۔ ② عبدہٗ ص ۵م

عمومی جائزہ

جدید دور کی عربی نعتیہ شاعری برصغیر کی مجموعی نعتیہ شاعری کے تناظر میں بڑی وقیع نظر آتی ہے۔ اس میں ایسے قادر الکلام شاعر پیدا ہوئے ہیں جن پر عربی شاعری کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ دورِ غلامی کی تباہ کاریوں کے باوجود کہ عربی زبان و ادب کو ارادۃً نظر انداز کیا گیا تھا۔ عربی کے ایسے ایسے فاضل پیدا ہوئے ہیں کہ جن کی عظمت کا ہر دور میں اعتراف ہوگا۔ مولانا فضل حق خیرآبادی۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری۔ قاضی لال محمد پشاوری۔ مولانا خیر الدین۔ مولانا احمد رضا خان۔ مولانا حبیب الرحمان عثمانی۔ مولانا انور شاہ کشمیری۔ قاضی عبدالسلام نیم۔ مولانا اصغر علی روحی۔ محمد عبدالقدیر حسرت۔ مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مفتی محمد شفیع دیوبندی کے نام عربی شاعری کی وجہ سے بھی زندہ رہیں گے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی اس قافلہ مداحین کے پیش رو بھی ہیں اور امام بھی۔ ان سے عربی شاعری کو اعتماد کی دولت نصیب ہوئی۔ اور بعد کے اصحاب علم کو جرأت ملی۔ مضامین نعت کے اعتبار سے بھی یہ دور بڑی تابناک روایات کا حامل ہے۔ عربی نعت گو حضرات نے غلامی کی تباہ کاریوں کو محسوس کیا تھا۔ اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف سازشوں کو موضوعِ سخن بنایا تھا۔ قادیانی فتنے کی شناعت کو ہر کسی نے محسوس کیا ہے اور اپنے ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربی مدح نگار صرف اصحابِ مکتب ہی نہ تھے بلکہ وہ قوم کے نظریاتی راہنما اور عملی راہبر بھی تھے۔ انگریز کے خلاف تحریک چلانے والے۔ قربانیاں دینے والے اسی گروہ کے افراد تھے۔

مدحیہ قصائد میں باکمال شاعروں نے مقامی ہندی اثر کو کامیاب حد تک دور رکھا اور قصائد کی فضا کو عرب آشنا کیا۔ مگر دوسرے درجے کے شعراء میں یہ اثر بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ مخلوط شاعری کو تقویت ملی۔ اوزانِ شعر میں روایت برقرار رہی مگر کہیں کہیں اسلوب میں مقامی رنگ جھلکنے لگا۔ جیسا کہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت کی عربی نعت میں عجمی اثر آفرینی بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔ تشبیہات و استعارات میں مقامی اثرات ہونے کے باوجود یہ عرب دنیا کیلئے عجمی نہ بنیں مگر مجموعی اثر عربی ہی کا برقرار رہا۔ سب سے زیادہ نقصان خطبات کی شاعری نے پہنچایا کہ ان میں عند الضرورت وزن کا کبھی خیال نہ رکھا گیا۔ حرکات و سکون کے تغیرات سے خطبے کی موسیقی برقرار رکھی گئی اگرچہ عروضی ضابطوں اور نحوی اصولوں کا خون ہوا۔ خیالات میں عجمی عناصر راہ پا رہے تھے مگر مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے تقدس نے بھٹکنے سے روکے رکھا۔ اور شریعت کے ضابطے ملحوظ رہے۔ اس دور کی عربی شاعری کا اردو کی شاعری سے تقابل کریں تو اردو میں بہت مقامی اثرات نظر آئیں گے۔ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے میں بھی کئی قسم کی بے راہ روی اختیار کی گئی مگر عربی کا دامن ان آلودگیوں سے پاک رہا۔ عربی مدحیہ شاعری کے تفصیلی جائزے کے بعد یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ عبد اور معبود کا رشتہ کہیں نہیں ٹوٹا جبکہ یہ دعویٰ اردو شاعری کے بارے میں نہیں کیا جا سکتا۔

الغرض عہدِ جدید میں عربی مدحیہ شاعری اپنے سابقہ معیار کے ساتھ باقی ہے اور عصرِ حاضر کے موجود شعراء کی دلچسپیاں بتا رہی ہیں کہ یہ سلسلہ اسی اعتماد اور یقین کے ساتھ برقرار رہے گا اور شاید مستقبل میں مزید بہتری کی صورت پیدا ہو جائے۔

"المدائح النبویة فی پاکستان وہند"

برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری

الباب الثامن

المدائح النبویہ — برصغیر پاک وہند میں

- مجموعی جائزہ
- حرفِ آخر

مجموعی جائزہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور کی قوت اور احساسات و جذبات کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ عقل و ادراک کی تہذیب و تنقیح کا نام ہے اور دل میلاناتِ نفس کی آماجگاہ ہے۔ ان ہر دو قوتوں کی ہم آہنگی میں شخصیت کا حسن اور کردار کی پاکیزگی ہے۔ سوچ اور جذبہ جب ایک دوسرے کا عکس بن جاتے ہیں تو متوازن سیرت کی تعمیر ہوتی ہے اور اگر ان کے درمیان فاصلے حائل ہو جائیں تو انسان دو رُخی کا شکار ہو کر شرفِ انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں مربوط شخصیت "احسن تقویم" [1] ہے جو تخلیق کا مدعا اور خالق کی رضا کا مظہر ہے۔ غیر متوازن وجود "اسفل السافلین" [2] کے زمرے میں شامل ہو کر مقہور و معتوب ہے۔ انسان کی ساری تگ و دو ان فاصلوں کو مٹانے اور ان قوتوں کو ہم آہنگی اور یک رنگی عطا کرنے کے لئے ہے۔ یہی انسان کا امتحان ہے۔ اور یہی اُس کی عظمت و ذلت کا حوالہ ہے۔

زبان یا قوتِ تکلم انسانی شرف کا ایک اور پہلو ہے۔ یہ قوت اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ اسے بعض اوقات واحد امتیازی وصف کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے۔ نطق یعنی قوت گویائی انسان اور حیوان کی ہم نوعی کے باوجود واحد وجہ امتیاز قرار پاتی ہے۔ قوت تکلم کی اس اہمیت کے پیشِ نظر ہر مذہب نے اس کی تہذیب و اصلاح کو اپنی تعلیمات کا حصہ بنایا ہے۔ اسلام ہمہ گیر راہنمائی کا مدعی ہے اسلئے قوتِ اظہار کے اس شرف پر خصوصی توجہ دی گئی ہے ذکر الٰہی جو قلب و نظر کا اطمینان ہے [3] زبان ہی کا وظیفہ ہے اور "حصائد السنۃ" [4] اسی قوتِ اظہار کے غیر مناسب استعمال کو کہا گیا ہے۔

شعر، زبان و جذبہ کو محیط ہے، شعر الفاظ میں اظہار ذات ہے جس کے نیچے جذبات کا ایک بحر کراں ہے۔ زبان اگر جذبے کی سچی ترجمان ہے۔ اور شعر شاعر کی ذات کا سچا عکس ہے تو اس کی اثر آفرینی بے پناہ ہوتی ہے۔ یہ شاعری کی معراج اور ادب کا ارفع ترین مقام ہے، ایسے شعر ہی 'ادبیات عالیہ' کا حصہ بنتے ہیں۔

داخلی محرکات اور ظاہری عناصر کے حوالے سے شعر کی متعدد اقسام ہیں۔ داخل کے اعتبار سے یہ تجزیاتی، حکایاتی یا وارداتی نوعیت کا حامل ہے اور ظاہری ہیئت کے اعتبار سے یہ مثنوی، قطعہ، رباعی، قصیدہ وغیرہ کا روپ لیتا ہے۔ قصیدہ عربی شاعری کے حوالے سے سب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے کہ عربوں کو یہ انداز شعر اور اسلوبِ کلام اس قدر پسند ہے کہ عربی شاعری کا بیشتر سرمایہ اسی پیراہن میں ہے۔ قصیدہ وہ صنفِ سخن ہے جہاں زبان اور دل کی ہم نوائی بہت اہمیت رکھتی ہے کہ کہیں یہ کاسہ لیسی اور دریوزہ گری نہ بن جائے۔ تاریخی تناظر میں جب قصیدے کے محرکات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ صنفِ سخن اکثر و بیشتر ارفع انسانی جذبوں سے خالی ہے۔ بلکہ شرفِ انسانیت کے لئے ایک داغ ہے۔ ایران میں تو قصیدہ کشکول گدائی کا مترادف ہو کر رہ گیا تھا۔

ایسی فضا میں مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم قصیدے کے وجود کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ مدیح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تقدس کی فضا مہیا کی اور اسے داخل کا ترجمان اور قلبی جذبات کا عکاس بنا دیا۔ شاعری اگر شعور ذات سے عبارت ہے اور اگر یہ صادق جذبات کا صادق شعار اظہار ہے تو مدائح نبویہ، شاعری کی معراج ہیں کہ ان میں خلوص کی مہک اور جذبوں کی عکس ریزی ہے۔ ان میں معانی کا حُسن بھی ہے اور لفظوں کا جمال بھی۔

---

[1] التین: ۴ [2] التین: ۵۔ [3] الا بذکر اللہ تطمئن القلوب، الرعد: ۲۸۔ [4] الاربعون النوویۃ وشرحھا ص: ۵۹۔

یہ دل کی ایسی پکار ہے کہ جس کا باطن عطر بیز ہے تو ظاہر نکہت بار۔

ہم نے زندگی کے چند لمحے اس عنبریں فضا میں گزارے ہیں اور ایک مقدس فن کے حوالے سے گزارشات پیش کی ہیں۔ اوراقِ گذشتہ میں کوشش کی گئی ہے کہ اس معطر فضا کی عکس ریزی میں کوئی مداہنت نہ ہو اور نہ اس کے تقدس کا دامن ہاتھ سے چھوٹے، ادبی مباحث میں بھی اس صنف شریف کی عظمت کا خیال دامن گیر رہا ہے۔

مضامینِ مدح کا تدریجی سفر۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدح نگاروں کے پیش رو ہیں اس لئے اُن کی متعین کی ہوئی روایات کو عظمت حاصل ہے اور ان روایات کا تتبع بھی کیا گیا ہے۔ صحابہ نے ذات ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم کا بچشم سر مشاہدہ کیا تھا اس لئے اُن کی مدحیہ شاعری میں حسی عناصر کی بہتات ہے۔ حُسن وجمال کا تذکرہ تو مدح کا وہ عمومی رُخ ہے جو ہر دور میں لائق توجہ رہا ہے، صحابہ کرام تو اس حُسنِ بے مثال کے مشاہد تھے اس لئے نظم ہو یا نثر وہ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ صحابہ کرام کی شاعری کا امتیازی وصف شمائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از نبوت زندگی اور بعد از نبوت حیات اُن کے سامنے تھی، آپ کے حسنِ اخلاق، حسنِ سلوک اور حسنِ عمل کا انہیں تجربہ تھا اسلئے سیرت مبارکہ کے علمی و معاشرتی پہلوؤں کے اظہار میں انہیں حق الیقین حاصل ہے۔ عہدِ صحابہ کی عمومی عربی شاعری میں بھی حسی عناصر کی کارفرمائی زیادہ ہے، بدوی عرب کی آنکھ بینا اور دل بیدار تھا۔ وہ جو دیکھتا تھا برملا کہتا تھا اور کوئی مصلحت اس کے دل اور زبان کے درمیان حائل نہ تھی۔ مدحیہ شاعری میں بھی اُن کی یہی روش برقرار رہی۔ اور یہ تو تذکرہ ہی صادق و مصدوق کا تھا اسلئے اُنہوں نے اپنے اشعار میں خصائل و شمائل نبویہ کی فی الواقع تصویر کشی کی۔ یہی وجہ تھی کہ محدثین و مفسرین تک نے اُن کے اشعار سے استنباط کیا ہے۔ صحابہ کرام کا مدحیہ شاعری میں فضائل و شمائل کا تذکرہ، پیغمبرانہ عظمت کا اعتراف، ہدایت یافتگی کا احساس اور دربار رسالت سے درمان طلبی اور عنایت بخشی کے مضامین عام ہیں۔

عہد اموی و عباسی میں مدحیہ شاعری پر اضمحلال طاری ہوا۔ جاہلی روش لوٹ آئی۔ شعراء دربار حکومت کے قرب کے شوق میں باہمی منافقات میں الجھ گئے۔ اس لئے مدحیہ شاعری میں اپنا واجب ادا نہ کر سکے۔ بعض علماء کی شعری کاوشوں نے اس فن شریف کو زندہ رکھنے میں بھرپور کردار ادا کیا، سلطنت عباسیہ کے دور زوال سے نعتیہ عناصر کی آبیاری ہونے لگی اور اس دور کے آخر پر 'الصرصری' جیسا عظیم نعت گو پیدا ہوا۔ الصرصری کے مضامین مدح سقوط بغداد کے عناصر مدح کا پیشگی اظہار ہیں۔

سقوط بغداد کے بعد عالم اسلام کی حالت ایک کٹے پھٹے جسم کی سی تھی جس کے ہر انگ سے درد کی ٹیسیں نکل رہی ہوں۔ فضا پر پژمردگی اور بے عملی محیط تھی۔ ایسے مایوسی کے عالم میں نعتیہ شاعری نے قلبی تسکین کا سامان کیا اور قوم کی ٹوٹتی ہوئی ہمت کو سہارا دیا۔ مدحیہ شاعری کا یہ معاشرتی کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ مضامینِ مدح میں بے چارگی، بدحالی، معاشرتی پستی اور سیاسی ادبار کی جھلک نمایاں ہے، اور اس کے نتیجے میں استغاثے اور استمداد کے مضامین کی فراوانی ہے۔ یہ مدح نگاری کا زریں دور ہے۔ اس میں الصرصری کے بعد الوتری، البوصیری، الشہاب محمود، ابن سید الناس، الصفی الحلی، ابن نباتہ، ابن خلدون، ابن حجۃ الحموی، ابن حجر العسقلانی، النواجی وغیرہ عظیم نعت گو پیدا ہوئے۔

اندلس میں عربی شاعری کا معیار دیگر عرب دُنیا سے کچھ مختلف بھی تھا اور پست بھی مگر مدحیہ شاعری میں اندلس نے تمام خامیوں کا ازالہ کر دیا۔ مقامی تہذیبی اثرات کی وجہ سے چند تغیرات آئے۔ فارم میں بھی اور مواد میں بھی، لعنت مجلسی مظہر بنی، امراء کی سرپرستی میں

محافل منعقد ہونے لگیں اور سلاطین کا تعاون بھی میسر آیا۔ اندلس میں ابن جبیر الاندلسی، الغازازی الاندلسی، ابن عربی، ابن سہل، ابن الجیان حازم الاندلسی، مالک بن المرحل، ابوحیان الاندلسی، ابن الجیاب، لسان الدین بن الخطیب، ابن جابر الاندلسی اور ابن زمرک جیسے نابغہ روزگار پیدا ہوئے جن کی وجہ سے مدحیہ شاعری کا عام شہرہ ہوا۔

دور جدید میں مغربی اثرات نے شاعری کو معاشرتی حس عطا کردی تھی۔ سیاسی پریشانیوں نے شعراء کو نئی جہتیں عطا کی تھیں۔ شاعر اب قومی روایات کا امین ہی نہیں رہنما بھی تھا اسلئے مدحیہ شاعری کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور زندگی کا ہر مسئلہ خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی، معاشرتی ہو یا معاشی، سیاسی ہو یا دینی مدحیہ شاعری میں راہ پانے لگا۔ یہ شعوری کاوشوں کا دور تھا اور مسلمان قوم اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی تھی اس لئے نعتیہ شاعری میں زندگی پوری قوت سے موجود ہے۔ محمود سامی البارودی، علامہ یوسف النبھانی اور احمد شوقی کی شاعری میں عرب زندگی کا واضح عکس موجود ہے۔ جدید مسائل کے حوالے سے مدحیہ شاعری میں جدلیاتی رنگ اور تجزیاتی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے۔

برصغیر میں اسلام کی آمد کے ساتھ عربی زبان بھی آئی، مقامی آبادی عرب کا مرانیوں سے آگاہ تھی۔ عرب آئے تو کہانی کردار میں ڈھلی اہل سندھ کو عربی زبان وادب سے رابطے کا تقدم حاصل ہے۔ ہندی مسلمان عربی زبان کی تدریس میں مشغول ہوئے۔ قابل فخر عالم اور لائق توجہ شاعر پیدا ہوئے۔ ابوالعطاء السندھی کو برصغیر ہی نہیں عرب بھی نظرانداز نہیں کرسکتے۔ ابتدائی رابطوں کے دور میں عربی زبان اپنا اثرونفوذ بڑھاتی رہی۔ تاآنکہ قابلِ اعتماد صلاحیت پیدا ہوئی۔ غزنوی دور سے فارسی کے اثرات ظاہر ہونے لگے جس سے عربی زبان وادب کا ارتقا دست بردی کا شکار ہوگیا۔

سلاطین کے دور میں تصوف کی دنیا آباد ہوئی۔ متعدد صوفیاء برصغیر آئے۔ صوفیاء کی تعلیمات سے تعلیم اسلام کی راہیں کھلیں اور دینی ذوق پیدا ہوا، نعت پر توجہ ہوئی مگر فارسی تعلقات نے عربی شاعری کو نقصان پہنچایا۔ شعراء کی توجہ فارسی پر رہی، بایں ہمہ عربی شاعری اور خاص طور پر نعتیہ شاعری کو بعض گوشوں میں پذیرائی نصیب ہوئی۔ شیخ عبدالمقتدر الشریحی اور شیخ احمد تھانیسری کو عربی نعتیہ شاعری میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ عہد سلاطین میں نعتیہ مضامین میں صوفیانہ رابطوں کا عمل دخل بڑھا اور شاعری میں طلبیہ انداز کو تقویت حاصل ہوئی۔

مغلیہ دور عروج میں نعتیہ شاعری کو ایک بار پھر انحطاط کا شکار ہونا پڑا۔ اموی عباسی ادوار کی طرح خوشحالی کے اس دور میں شہنشاہوں کی شخصیت پرستی پر توجہ ہونے لگی۔ فارسی اثرات کا گھمبیر پن، شاہی مزاج میں 'انا ولاغیری' کے عناصر کی نمود اور حال مست معاشرے میں بہت کم لوگوں کو مدحیہ شاعری کی خدمت کی توفیق حاصل ہوئی۔ اس مداہنت میں ان تحریکوں کا کردار بھی قابلِ توجہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ حیثیت وعظمت کا نقش دھندلانے کی کوششوں میں مصروف تھیں۔

مغلیہ دور زوال میں عرب دنیا کی تاریخ دوہرائی گئی اور مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وقت کی آواز اور دل کا ارمان ٹھہری۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان نے مسلمانان برصغیر کی علمی و دینی خدمات کا احسن فریضہ انجام دیا۔ شعر پر بھی توجہ ہوئی اور نعت کو بھی رواج ملا۔ دورِ زوال کا سب سے بڑا شاعر غلام علی آزاد بلگرامی ہے جس نے عربی نعتیہ شاعری کی خدمت کو اپنی زندگی کا عشق بنایا۔ متعدد دواوین ترتیب دیئے اور نعتیہ مضامین میں مقامی اثر کو شامل کرکے مدحیہ شاعری کو برصغیر کے لئے وجہ افتخار بنادیا۔ آزاد بلاشبہ برصغیر کی نعتیہ شاعری بلکہ عربی شاعری کی آبرو ہیں۔

عہد جدید میں جبکہ انگریزی سطوت اسلامیانِ ہند پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہی تھی مسلمانانِ پاک وہند نے تحفظ ذات کے کئی جتن کئے۔ ان متنوع کوششوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی رابطوں کی استواری بھی تھی۔ قلب مضطر اور جانِ حزین کو

نعتیہ شاعری کے قالب میں سکون ملا اور ایک طویل سلسلہ مدح نگاران پیدا ہوا جس کے سرخیل اور امام مولانا فضل حق خیرآبادی ہیں جن کی شاعری ایک پختہ کار اور قادرالکلام شاعر کے جذباتِ دروں کی سچی تصویر ہے۔ مولانا کے علاوہ قاضی طلا محمد پشاوری، مولانا احمد رضا خان، سید انور شاہ کشمیری، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، قاضی عبدالسلام سلیم اور مولانا اصغر علی روحی کی نعتیہ شاعری نے عربی فضا قائم کرنے میں مثبت کردار انجام دیا۔

سیرت کے حوالے، حالات کے توجے اور اپنی عرضداشت کے کشکول دربارِ رسالت میں پیش کئے گئے۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اور ہم عصر بزرگوں میں متعدد حضرات نعتیہ شاعری میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں اور مستقبل میں مزید پیش رفت کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔

مقامی اثرات :۔

مدحیہ شاعری کا بنیادی ڈھانچہ صحابہ کرام کے تتبع میں تشکیل دیا گیا اسلئے اس میں یکسانیت برقرار رہی۔ ذات ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع حیثیت اور شرعی منزلت ان موضوعات کی ترتیب و ترکیب میں اہم عامل رہی، ذات کے حوالے یکساں نہیں اسلئے بحیثیت مجموعی ایک معیار قائم ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ شاعری شاعر کی ذات کے حوالے سے عبارت ہوتی ہے۔ ذات کے تقاضے اور مظاہر ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں کہ بنیادی اوصاف کے اشتراک کے باوجود حالات خواہ سیاسی ہوں یا معاشرتی جغرافیائی ہوں یا معاشی اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ شاعرانہ اثرات کے نتیجے میں اپنا ردِّ عمل بدلتا رہتا ہے۔ مدحیہ شاعری کا تاریخی تجزیہ یہ حقیقت واضح کر دیتا ہے کہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جدید دور تک کی مدحیہ شاعری مبادیات مدح کے اشتراک کے باوجود متغیر رہی ہے۔ شاعری شعور کی عکاس ہوتی ہے اور شعور تقاضائے حال سے تکوین پاتا ہے اس لئے مقامی اثرات کا شاعری میں وجود لازم ہے۔ یہ اثرات مضامین شعر میں بھی ہوتے ہیں اور اسلوبِ کلام میں بھی، برصغیر کا ماحول عرب دنیا سے مختلف تھا۔ صحرائی بود و باش اور پُرسکون شہری زندگی میں سامان زیست ہی نہیں بدلتے زندگی کے بارے میں زاویۂ نگاہ اور طریق عمل بھی بدل جاتا ہے۔ برصغیر کی مدحیہ شاعری میں یہ اثرات موجود ہیں مگر یہ حقیقت ضرور پیش نظر رہنا چاہیئے کہ نعت کا ایک مرکز ہے جس کے گرد اسے گھومنا ہے۔ اس گردش میں رفتار کم و بیش ہو سکتی ہے۔ طواف کے زاویے بدل سکتے ہیں مگر ذات کی مرکزیت کی مناسبت سے اس سارے تحرک میں یکسانیت اور اشتراک عمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ اشتراک اس کا امتیاز ہے۔ مقامی زبانوں کی نعتیہ شاعری میں زبان کے مزاج کے مطابق کلمات مدح بدلتے ہیں اس تبدیلیٔ کلمات میں خطرہ پنہاں ہوتا ہے کیونکہ ہر کلمہ اپنے گرد معانی اور محتویات کا ایک ہالہ رکھتا ہے۔ اس لئے اُسے مکمل طور پر دُوسری زبان میں ختم کر لینا دشوار ترین مرحلہ ہے۔ اسی خطرے کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ علاقائی اثرات کی وجہ سے نعت کے معیار اور تقدس میں کمی آتی ہے جس سے بہر حال اجتناب ضروری ہے، بعض ناقدین نے اس خطرے کو موضوع بنا کر ہندی تہذیب اور ہندو فلسفہ حیات کے اثرات تلاش کر لئے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ نتیجہ کسی قومی زبان کی مدحیہ شاعری کے حوالے سے درست ہو لیکن عربی شاعری میں ایسی نشاندہی مشکل ہے۔ عربی زبان کا ایک مزاج اور اسلوب ہے اس میں مقامی اثر جھلک تو سکتا ہے اس پر چھا نہیں سکتا۔ مقامی اثرات یعنی صنائع بدائع، تشبیہات و استعارات کا علاقائی حوالہ جیسا کہ آزاد بلگرامی کی شاعری پر گفتگو کے ضمن میں عرض کیا گیا شامل ہونے کے باوجود عربی مدح نگاری کی عربیت قائم ہے۔

ڈاکٹر تاراچند نے قدیم ہندی تہذیب سے گرو کی تعظیم کے عناصر تلاش کئے ہیں اور عظمت شیخ اور اطباعِ سجادہ پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے اور صوفیاء میں انتقال مشیخت اور 'نور محمدی' کی جلوہ ریزیوں کو قدیم ہندی تصورات سے ملایا ہے مگر انہیں خود بھی ان

دونوں نظریات کے کامل انطباق کا یقین نہیں چنانچہ لکھا ہے "لیکن قدیم تصورات کے مطابق چیلے کا اپنے گرو کو خراج عقیدت پیش کرنا اور چیز ہے اور شیخ کی اطاعت اور چیز ہے۔" [1] مقامی اثرات کی یہ نہج مغلیہ دور کے مختلف مذہبی فرقوں میں دیکھی جاسکتی ہے جہاں ہم نے ان کا حوالہ دیا ہے مگر حسنِ حظ سے ان فرقہ بند لوگوں میں کوئی عرب شاعر نہ تھا۔ ہمارے بعض کرم فرما فارسی اردو شاعری کے حوالے سے نعت میں مقامی اثرات تلاش کرکے کلیات مرتب کر لیتے ہیں اور نعتیہ شاعری پر ہندی تہذیب و تمدن کے گھمبیر اثرات کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر اشفاق کہتے ہیں:۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہندوستان میں آکر اصنام یا دیوتاؤں کی مدح سرائی کی طرز سے نہایت متاثر ہوئی ہے جن کے گیت بھجنوں میں گائے جاتے ہیں ـــ فوق العادت عنصر کی جاذبیت اور اس سے اشتیاق ہر جگہ ہے" پھر اس کا سبب بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

"کہ معجزات پر زور رہا۔ اصل سیرت سے نظر ہٹی اور عقائد کی کمزوری سے عمل سے قوم عاری ہوئی۔ معراج کا بیان کثرت سے ہوا۔ ہندی عناصر کی آمیزش ہوئی ـــ مجازی محبت کے تمام لوازمات اکٹھے کر دئیے گئے۔" [2]

اگر تاثر پذیری سے اسلوب نگارش کی تاثیر پذیری مراد ہے تو یہ کوئی معیوب نہیں، جب عربی کی جگہ اردو فارسی زبان استعمال ہونے لگی تو ان زبانوں کے تمام لغوی و ادبی اثرات کو بھی قبول کرنا ضروری تھا۔ اللہ کو فارسی بولنے والے 'خدا' کے نام سے پکاریں تو جھنجھلانے کی کوئی وجہ نہیں، یہ فطری عمل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں کسی اور شخصیت کو ضم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ رجعت قہقری کسی کو پسند نہیں۔ شعراء کو اس کا احساس ہے کہ وہ بے نظیر اور عدیم المثال نبی کی مدح کر رہے ہیں اسلئے مدحیہ شاعری کو منفرد تقدس حاصل رہا ہے۔

فوق الفطرت عناصر کی ترکیب مرعوب کن ہے مگر اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، معجزات خارق عادت ضرور ہیں فوق الفطرت ہرگز نہیں۔ معجزات کا وجود ہر دور حتیٰ کہ صحابہ کرام کی شاعری تک میں اہم جزو کے طور پر شامل رہا ہے۔ کوئی دور اس عمومی روایت سے مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ وہ مدح خوان جنہیں فن حدیث میں امام کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جیسے علامہ ابن حجر العسقلانی، علامہ ابن دقیق العید اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی؛ ان کے محدثین کے مدحیہ اشعار میں معجزات کا ذکر نسبتاً زیادہ ہے اور باقی شعراء نے جن میں آزاد بلگرامی شامل ہیں معجزات کا ذکر قدرے کم کیا ہے۔ معجزہ ذات پیغمبر علیہ السلام کا وصف ہے۔ ایسا وصف جو انفرادیت اور ارفع حیثیت کی دلیل ہے اس لئے مدح گوئی میں اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ معراج ایک عظیم معجزہ ہے اور تسخیر کائنات کا اشاریہ ہے اس لئے معراج کا ذکر دوگونہ اثرات کا حامل ہے۔ اور یہ پہلو مستحسن ہے کہ قاری یا سامع کو ارفع و اعلیٰ ذات سے آشنا کرنے اور تسخیر کائنات کے لئے تیار کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے فاضل شعراء عربی میں بعض حضرات کے رویے سے نعتیہ شاعری کو ضرور گلہ رہے گا کہ عربی شعر پر دسترس کے باوجود وہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ عقیدت پیش نہ کرتے رہے اور ان کی شعری صلاحیت صرف ہم عصر امراء کے لئے وقف رہی۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے میر حبیب اللہ خاں والی کابل اور سر ولیم میور کی مدح لکھی۔ [3] حکیم عبدالرحمن سہارن پوری بہت پرگو شاعر تھے ۱۴۹ صفحات پر ۱۲۵۳ شعر اپنے مجموعہ 'التحفۃ العثمانیہ' میں تصنیف فرمائے۔ راجہ کشن پرشاد، راجہ مرلی منوہر اور کئی دیگر نوابوں اور سلاطین کی مدح کرتے رہے۔ [4] مگر مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بے توفیق رہے۔

---

[1] تمدن ہند پر اسلامی اثرات ڈاکٹر تارا چند اردو ترجمہ ص: ۱۹۲۔ [2] اردو نعتیہ شاعری ڈاکٹر اشفاق۔ ص: ۹۶، ۹۷، ۱۰۱، ۱۰۲۔
[3] نزھۃ الخواطر الجزء الثامن ص: ۴۹۳ تا ۴۹۷۔ [4] رسالہ برھان اگست ۱۹۶۵ء ص: ۸۵ تا ۹۲۔

لب ولہجہ اور اوزان وبحور :-

مدح نبوی صلی اللہ علیہ السلام اصناف سخن کی مروجہ تقسیم کے حوالے سے مدیح کا حصہ ہے۔ مگر درحقیقت یہ ایک منفرد اور مستقل صنف سخن ہے۔ اصناف سخن میں تقسیم دو پہلوؤں سے روبہ عمل آتی ہے، ہیئت ظاہرہ یا اسلوب کلام کے نقطہ نظر سے یا معانی ومفاہیم یعنی داخلی مکوّنات کے اشتراک خصائص کے حوالے سے، ہر دو اعتبار سے مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا الگ وجود رکھتی ہے۔ اسے قصیدہ، قطعہ، تضمین معارضہ، تشطیر وغیرہ صورت ظاہریہ کا پابند نہیں کیا جا سکتا یہ سب سے منفرد مگر سب میں جاری ہے۔ معانی کے اعتبار سے یہ ذات بے عدیل کا تذکرہ ہے اسلئے ممدوح کی یکتائی کے حوالے سے ممتاز ہے۔ اس میں جذبوں کی صداقت، خلوص کی مہک اور خیالات کا سہانا پن ہے۔ یہ ضمیر کی آواز ہے اسلئے اس کے اثرات بھی اسی حوالے سے مرتب ہوتے ہیں۔ اس میں تصنع یا فنی موشگافی کا کوئی مقام نہیں کہ تصنع تو بیان اور واقعہ کے بُعد کا نام ہے جو یہاں معتبر نہیں ہے۔ یہاں حق ادا ہی نہیں ہوتا اسلئے تجاوز من الحد کا مرحلہ ہی نہیں آتا۔ بلکہ اس میں عجز بیان کا اعتراف ہے۔ یہ خالق کی ہمنوائی کا عمل ہے اسلئے بے بضاعتی اور ژولیدگی مداحین کا مشترک امتیاز ہے۔ ہر صنف سخن کے حدود علماء لغت وشعر مرتب کرتے ہیں مگر اس کے ضابطے خالق کے حوالے سے ترتیب پاتے ہیں۔ مدح نگار کے لئے خالق کائنات کی مدح نگاری آسودہ ہے۔ اسلئے وہ محتاط بھی ہے اور سراپا سپاس بھی۔ اُس کے پیش نظر "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" [1]، اور "كَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا" [2] کی شرق انگیزیاں بھی ہیں اور "لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" [3]۔ کی پابندیاں بھی۔ اسلئے اُس کا لہجہ مشتاقانہ مگر عاجزانہ ہے۔ اُس کی زبان کوثر وتسنیم سے دُھلی ہوئی ہے۔ اور اُس کے الفاظ پابند آداب ہیں۔ صحابہ کرام کے دور سے عصر حاضر تک زبان اور طرز نگارش پر ایک پاکیزگی محیط ہے۔

شعری پیراہن کے اعتبار سے مدح نگاری میں قطعات سے قصائد تک اور تخمیس سے تعشیر تک سب رنگ موجود ہیں نئے تجربات بھی ہوئے ہیں۔ بدلیعیات کی پُرگوئی اور موشحات کی رنگارنگی بھی ہے مگر سب میں مرکزی مضمون کا تقدس برقرار ہے۔ برصغیر میں نئے تجربات ہوئے۔ آزاد بلگرامی نے ہندی اوزان کو بھی اپنایا اور صنائع بدائع کے بھاری پتھر بھی اٹھائے۔ مقامی اثرات کی وجہ سے مخلوط طرز کی شاعری کا اہتمام ہوا ہے۔ لیکن عمومی طور پر چند بحور پر ہی زیادہ توجہ رہی۔ بحر کامل میں شیخ سعدی کے قطعہ نے اسے اور بھی مقبول بنادیا۔ بحر طویل اور بحر بسیط میں معروف قصائد کہے گئے اسلئے بعد کے شعراء کے نزدیک ان کی اہمیت مسلّم رہی۔ الغرض مدحیہ شاعری بحور واوزان کے تنوع کے باوجود اپنی پرانی روش پر برقرار رہی۔ برصغیر نے فنی لحاظ سے چند تجربے کئے مگر عجمی ہونے کے ناطے سے عربوں کے تتبع ہی میں عافیت سمجھی، اسلئے برصغیر کی مدحیہ شاعری کو عمومی مدحیہ شاعری کا ایک تتمہ ہی تصور کرنا چاہیئے۔ اور یہ حقیقت بہرحال پیش نظر رہنی چاہیئے کہ یہ عجمیوں کی عربی شاعری ہے۔ برصغیر کا شعری تقابل عربوں سے نہیں دیگر عجمی اقوام سے ہے اور یہ دعویٰ بڑے وثوق سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر عجمی تناظر میں مدحیہ شاعری کا گراف تیار کیا جائے تو برصغیر مدحیہ شاعری کا بلند ترین نقطہ قرار پائے گا اور اگر عرب حوالوں سے مدحیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو عربوں کی مدحیہ شاعری سے قریب تر مقام برصغیر ہی کو حاصل ہوگا۔ وذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ من يشاء وَاللهُ ذو الفَضْلِ العَظِيمِ [4]

---

[1] الانشراح: ۴۔ [2] النساء: ۱۱۳۔ [3] الحجرات: ۲۔ [4] الحدید: ۲۱۔

شعراء مدیح کی شخصیات۔

مدح نگاری ایک نازک اور حساس صنفِ سخن ہے جہاں مدح نگار کی راہ میں کئی مشکل اور نازک مراحل آتے ہیں۔ ذات ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم کی وحدت کے حوالے سے مضامینِ مدح کی یکسانیت کا ہر لمحہ احتمال ہوتا ہے اسلئے مدح نگار نت نئے مضامین کی تلاش میں کوشاں رہتا ہے مگر اس تنگ دود میں ہم جتنی احتیاط بھی اسکے دامن گیر ہے۔ وہ الہامی اور نبوی راہنمائی سے اپنی راہ متعین کرتا ہے اس لئے اسے ان تمام حوالوں کا ادراک ہونا چاہیئے جو اس کے موضوع کی مناسبت سے ضروری ہیں۔ یہ ادب کا مقام ہے۔ یہ ایمان کا مسئلہ ہے۔ اسلئے مشوقِ فراواں کے باوجود صداقت شعاری اور حقیقت شناسی کے بنیادی تقاضے ملحوظ رہنے چاہئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی رابطہ اور ذہنی تعلق دوگونہ صلاحیتوں کا متقاضی ہے۔ علم اور قلبی گداز۔ ذاتِ ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مستند علم اور با اعتماد معلومات مدحیہ شاعری کی خشتِ اوّل ہیں۔ معلومات کے حصول کے ساتھ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی تعلق کہ وہ دل میں لینے لگیں اور لفظوں میں جذبہ صادق منعکس ہو دوسری بڑی ضرورت ہے۔ جو شاعری پختہ علمی بنیادوں استوار نہ ہوگی وہ ناقص بلکہ مدح کے نام پر اک داغ ہوگی۔ سُنی سنائی معلومات غیر مستند واقعات اور ناقابل اعتماد روایات مدحیہ شاعری کے تقدس کو مجروح کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر معلومات مستند اور روایات قابل اعتماد ہوں مگر ارادت وعقیدت کی دولت نصیب نہ ہو تو پھر بھی مدح نگاری کا حق ادا نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ مدح نگاری میں کئی ایسے باکمال شاعروں کا ہم نے تذکرہ کیا جو عربی شاعری میں بلند قامت تھے مگر مدح نگاری میں ایسے دو فی ہت نکلے کہ ایک شعر بھی نہ کہہ سکے اور بعض اوقات اپنی اس محرومی کا اعتراف بھی کرتے رہے جیسا کہ ابو نواس کے بارے میں عرض کیا گیا۔ ان گزارشات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مدحیہ شاعری 'علم و تصوف' کے اشتراک کا پرتو ہے۔ علم کے بغیر یہ ناقص اور متصوفانہ گداز کے بغیر یہ بے توفیق ہے۔ تاریخ مدح کے سرسری جائزے سے یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا 'صاحب علم صوفیاء' کے زاویوں میں ارتقا پذیر ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارک اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: "المدائح النبویة من فنون الشعر التی أذاعها التصوف، فهی لون من التعبیر عن العواطب الدینیة، و باب من الأدب الرفیع: لانها لا تصدر الا عن قلوب مغعمة بالصدق والاخلاص"[1] مدحیہ شاعری کی یہی مشکلات ہیں جس کی وجہ سے عام شاعر اس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ مداحین کی شخصیات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدس وجود نظر آتے ہیں جو ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم کا سب سے پہلا ماخذ ہیں اور ان میں ذات ممدوح کے عملی جلوے نظر آتے ہیں۔ عہد اموی و عباسی میں تو 'صوفیاء' اور 'علماء دین' ہی نعتیہ شاعری کا سب سے بڑا سہارا ہیں۔ دور زوال میں شعراء کی طویل فہرست پر نظر ڈالی جائے تو امام بوصیری سے عبد الغنی النابلسی تک صوفیاء کرام کی لمبی قطار ہے جو مدح کے نذرانے لئے حاضر دربار ہے۔ برصغیر میں بھی 'علماء و صوفیاء' ہی اس فن شریف کی خدمت میں مشغول رہے ہیں۔ شیخ عبد المقتدر الشریحی سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے مولانا احمد رضا خان بریلوی تک، مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے حافظ محمد افضل فقیر تک سب لوگ عالم بھی ہیں اور صوفی بھی ان کی ادبی حیثیت مسلم ہے اور ان کے دینی مرتبے کے سب معترف ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] المدائح النبویة فی الادب العربی ص: ۱۷۔

کی شخصیات کا علمی و دینی مقام کیا ہے اور یہ کہ مدح نگاری کس قسم کے افراد کی متقاضی ہے ۔

حرفِ آخر :-

ہم نے اس مختصر روداد میں حتی الامکان کوشش کی ہے کہ مدحت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام گوشوں کی نشاندہی کریں ، تاریخی سفر میں اس کا جائزہ لیں اور مضامین اور ہیئتوں کے اعتبار سے اسکے تنوع کا احصا کریں ، ہماری یہ بھی کوشش رہی ہے کہ مدحیہ شاعری کا مقام و مرتبہ مختلف ادوار کے حوالے اور ان کے معاشرتی پس منظر میں متعین کریں تاکہ سماجی مظہر کے طور پر اسکی اہمیت و حیثیت واضح ہو جائے ۔ اثر انگیز شخصیات کا مختصر تذکرہ اور ان کے خیالات کی اثر آفرینی بھی پیش نظر رہی ہے اور خصوصیت سے عرب دنیا کی مدحیہ شاعری کی مستند روایات کے تقابلی جائزے سے برصغیر کے مداحین کا مقام و مرتبہ متحقق کرنے کی سعی بھی کی گئی ہے ۔

مدح نگاری دل کی آواز ہے اور قلبی گداز کا مظہر ہے اس لئے باطنی انقلاب کی مختلف تحریکوں کے 'مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا' کا جائزہ بھی لیا گیا ہے تاکہ باہمی اثر پذیری اور خارجی اثرات کی کارفرمائی واضح ہو سکے ۔ سلاطین و امراء کے رویوں کا محاسبہ کیا ہے اور علاقائی و مقامی اثرات کا تجزیہ کیا ہے ۔ اس تاریخی جائزے کے علاوہ فنی نوعیت کے مباحث بھی اٹھائے ہیں ۔ ہیئت و اسلوب اور معانی و مفاہیم کی بوقلمونی اور حدود کے اشارے بھی درج کئے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نفس مدح کا ادبی اور علمی مقام متعین کرنے اور اسکے لوازمات و مکونات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ہم اپنی ان کوششوں میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں یہ فیصلہ قاری پر چھوڑتے ہیں کہ وہی اس کا مجاز ہے ۔

ہم آخر میں رب ذوالجلال کے حضور سراپا سپاس ہیں کہ اس نے یہ توفیق عنایت فرمائی کہ گناہ آلود زندگی کے چند ایام ذکرِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکروں اور ان کی ثنا خوانی کے جائزوں میں گزرے ۔ اللہ تعالے ہماری اس کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے ــــ آمین ۔

کتابیات

القرآن الحکیم

آزاد، مولانا ابوالکلام — تذکرہ۔ مرتبہ فضل الدین احمد مرزا — مکتبہ احباب انارکلی لاہور

آزاد، سید غلام علی حسان الہند — الدیوان الاول — مطبعۃ کنز العلوم حیدر آباد دکن ۱۱۸۷ء

الدیوان الثانی — مطبعۃ لوح محفوظ حیدر آباد دکن ۱۱۸۷ء

الدیوان الثالث — مطبعہ کنز العلوم حیدر آباد دکن —

سبحۃ المرجان — چاپ سنگی بمبئی ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء

ماثر الکرام — مکتبۂ احیاء العلوم الشرقیۃ لاہور ۱۹۷۱ء

خزانہ عامرہ — مطبع نولکشور کانپور ۱۸۷۱ء

ابراہیم بن محمد التلواجی، الحاج — مجموعۃ القصائد — مطبع المجتبائی دہلی ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء

ابراہیم جدوع، محمد — الالیاذۃ الاسلامیۃ الجدیدہ — دار القومیۃ العربیۃ للطباعۃ مصر

ابراہیم یاسینی، مخدوم محمد — النظم المقبول فی آداب الرسول — جمعیۃ الاحناف صوبہ سندھ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء

ابن ابی اُصیبعۃ، موفق الدین احمد — عیون الانباء فی طبقات الاطباء — مطبوعہ مصر ۱۸۸۲ء

ابن الاثیر، حافظ عزالدین علی الجزری — اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ — المطبعۃ الاسلامیۃ طہران

الجزء الاول والجزء الثانی — " ۱۲۸۵ھ

الجزء الثالث والجزء الرابع — " ۱۳۸۶ھ

ابن جوزی، عبدالرحمٰن — الوفاء باحوال المصطفیٰ — جنرل پبلشرز ریٹیگن روڈ۔ ہجویری پارک لاہور

اردو ترجمہ۔ مترجم محمد اشرف سیالوی

ابن حجر العسقلانی، شہاب الدین احمد — دیوان، جمع و تحقیق ڈاکٹر سید ابوالفضل — جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء

فتح الباری فی شرح البخاری — شرکۃ مکتبۃ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر

الجزء السابع — ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء

فتح الباری فی شرح البخاری، الجزء الثالث — المطبعۃ الخیریۃ القاہرہ مصر طبع اول ۱۳۲۵ھ

الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ — دار الکتب الحدیثۃ شارع العابدین قاہرہ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء

الجزء الثانی، الثالث، الرابع، الخامس

الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ — المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ شارع محمد علی مصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

الجزء الاول، الثانی، الثالث، الرابع

مصنف	کتاب	ناشر
ابن حجر العسقلانی، شہاب الدین احمد	شرح نخبۃ الفکر	نور محمد، اصح المطابع وکارخانہ تجارت آرام باغ کراچی
ابن خلدون، عبدالرحمٰن	مقدمہ الجزء الاول من کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر من عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر	المکتبۃ التجاریۃ الکبری شارع محمد علی قاہرہ
ابن خلکان، قاضی احمد	وفیات الاعیان فی ابناء الزمان الجزء الثانی، الثالث، الرابع، الخامس	مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ مصر ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء
ابن رشیق القیروانی، ابوعلی الحسن	العمدہ فی صناعۃ الشعر ونقدہ،	مکتبۃ امین ہندیہ بالموسکی وشارع الفلاح مصر ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
ابن سعد، محمد	الطبقات الکبری، الجزء الاول، الثانی، الثالث، الخامس، السابع، الثامن	دار بیروت للطباعۃ والنشر دار صادر بیروت ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء
ابن عبد البر، حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب الجزء الاول والثانی	مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ حیدر آباد ۱۳۳۶ھ
ابن عبد ربہ، شہاب الدین احمد اندلسی	العقد الفرید، الجزء الاول، الثانی والثالث	المطبعۃ الازہریۃ بمصر ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء
ابن العماد الحنبلی، ابوالفلاح عبدالحی	شذرات الذہب فی اخبار من ذہب الجزء الاول، الخامس، السادس، السابع، الثامن	مکتبۃ القدسی القاہرہ ۱۳۵۰ھ
ابن فارض، ابوحفص عمر بن ابی الحسن	دیوان ابن الفارض	شرکۃ مکتبۃ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء
ابن قتیبۃ الدینوری، ابو عبداللہ مسلم	الشعر والشعراء	المکتبۃ التجاریۃ الکبری شارع محمد علی مصر ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء
ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر	جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام	دار الطباعۃ المحمدیۃ ازہر شریف ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء
ابن کثیر الشافعی، اسماعیل بن عمر ابوالفداء	تفسیر ابن کثیر، الجزء الاول والثالث البدایۃ والنہایۃ، الجزء الثالث	المکتبۃ التجاریۃ الکبری باول شارع محمد علی مصر ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء المعارف بیروت، طبع اول ۱۹۶۶ء
ابن ماجہ، امام محمد بن یزید القزوینی	سنن ابن ماجہ	اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی ۱۳۷۲ھ
ابن مرزوق، ابراہیم بیک	الدر البہی المنسوق	المطبعۃ الوہبیۃ خرطوم ۱۲۹۷ھ
ابن نباتہ المصری، الشیخ جمال الدین	دیوان ابن نباتہ المصری	مطبعۃ التمدن بعابدین بمصر ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء
ابن ندیم، محمد بن اسحاق	الفہرست اردو ترجمہ مولانا محمد اسحاق بھٹی	ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۶۹ء
ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک	سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجزء الاول، الثانی، الثالث، الرابع	مطبعۃ حجازی قاہرہ ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء
ابوتمام الطائی، حبیب بن اوس	دیوان الحماسۃ	حاجی محمد عبدالخالق فضل مالک تاجران کتب قصہ خوانی بازار پشاور شہر

ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید — پرانے چراغ — مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی۔

ابوداؤد والسجستانی، امام سلیمان الاشعث — سنن ابی داؤد۔ جلدین — ولی محمد اینڈ سنز ناشران وتاجران کتب کراچی ۱۳۶۹ھ

ابوظفر ندوی، سید — تاریخ سندھ — مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء

احتشام الحسن کاندھلوی، مولانا — تذکرہ اسلاف، حالات مشائخ کاندھلہ — ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین دہلی ۱۳۸۳ھ

احمد الاسکندری ومصطفیٰ عنانی — الوسیط فی الادب العربی وتاریخہ — دار المعارف مصر ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء

احمد بخش خواجہ (لغزماش تالیف) — العروۃ الوثقیٰ فی اسماء اھل التقیٰ — مطبع پشاور ۱۲۸۵ھ

احمد توفیق، ڈاکٹر — الصلوٰۃ والسلام — مکتبہ جدید پریس لمٹ فاطمہ جناح لاہور

احمد رضا خاں بریلوی، مولانا — الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا — نوری کتب خانہ داتا بازار لاہور

الملفوظ جلد دوم — مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی،

حدائق بخشش حصہ سوم — رضوی کتب خانہ بریلی

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ — شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور

امام احمد رضا بریلوی کے گیارہ عربی اشعار — الاصلاح پبلی کیشنز خانیوال ملتان

اعمال الابرار و الام الاشرار — مطبع حنفیہ عظیم آباد ۱۳۱۸ھ

احمد سعید مجددی دہلوی، شاہ — اثبات المولد والقیام (عربی) — جنرل پرنٹرز لاہور ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

اسحاق، ڈاکٹر محمد — علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ ترجمہ شاہد رزاقی — ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۷۷ء

اسلم — حیات جامی — مدرسۃ العلوم علی گڑھ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء

اشرف علی تھانوی، مولانا — نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب — کتب خانہ رحیمیہ دیوبند۔

اشفاق، ڈاکٹر سید رفیع الدین — اردو میں نعتیہ شاعری — اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۷۶ء

الاصفہانی، حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ — حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء الجزء الثانی، السادس — مکتبۃ الخانجی لشارع عبدالعزیز مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

اطہر مبارکپوری، قاضی — عرب وہند عہد رسالت میں — مکتبہ عارفین ناشران وتاجران کتب رقیہ بلڈنگ پاکستان چوک پاکستان ۱۹۷۵ء

اظہر علی، سید — المختصر — جید برقی پریس بلی ماراں دہلی

اعجاز الحق قدوسی — تذکرہ صوفیاء سرحد — مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۶ء

الاعشیٰ، ابوبصیر میمون بن قیس — الصبح المنیر فی شعر ابی بصیر — مطبعۃ آدلف ہلزہوسن ببیانۃ ۱۹۲۷ء

افضل فقیر، حافظ محمد — جانِ جہاں — مطبع نشاط آرٹ پریس لاہور ۱۴۰۳ھ

اقبال، علامہ سر ڈاکٹر — کلیات اقبال اردو — شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ۱۹۷۳ء

اکرام، شیخ محمد — رود کوثر — فیروز سنز لاہور ۱۹۵۸ء

اکرم چغتائی، محمد — آثار البیرونی — خلیل اللہ خان سروڈنٹ سروسز شارع قائد اعظم لاہور ۱۹۷۶ء

امرؤ القیس — دیوان — دار بیروت الطباعۃ والنشر ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء

انظر شاہ، سید محمد — تذکرۃ الاعزاز — مکتبہ انباء علامہ انور شاہ کشمیری منزل دیوبند ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء

انور شاہ کشمیری، سید — ضرب الخاتم علی حدوث العالم — جید برقی پریس دہلی ۱۳۷۵ھ

اورینٹل کالج لاہور (کلیۃ علوم الالسنیۃ وادبیات شرقیہ) مجلہ تحقیق شمارہ ۲ جلد ۴ — فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور ۱۹۸۲ء

ایوب قادری، پروفیسر محمد — جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد مولانا فیض احمد بدایونی — ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی ۱۹۵۷ء

مولانا محمد احسن نانوتوی — روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی لیاقت آباد کراچی ۱۹۶۶ء

باہو، حضرت سلطان — عقل بیدار — اللہ والے کی قومی دوکان کشمیری بازار لاہور ۱۹۶۸ء

البخاری، امام محمد بن اسماعیل — صحیح البخاری — نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی ۱۳۸۱ھ

بدر الدین چینی — چین و عرب کے تعلقات — انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۷۹ء

البرعی، عبد الرحیم — دیوان — ملتزم الطبع والنشر بشارع المشہد الحسینی قاہرہ ۱۳۶۶ھ

بروکلمان، کارل — تاریخ الادب العربی ترجمہ عبد الحلیم نجار — دار المعارف بمصر ۱۹۶۹، ۱۹۷۷ء - الجزء الاول والثانی والثالث

البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر — کتاب فتوح البلدان، القسم الثانی والثالث — مکتبۃ النہضۃ المصریۃ ۹ شارع عدلی باشا القاہرہ ۱۹۵۷ء

البیرونی، ابو الریحان — کتاب الہند جلد اول و دوم (اردو ترجمہ) — انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۱ء؛ ۱۹۴۲ء

البیضاوی، ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر — انوار التنزیل و اسرار التاویل (تفسیر بیضاوی) — شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء

تارا چند، ڈاکٹر — تمدن ہند پر اسلامی اثرات — مجلس ترقی ادب ۲ کلب روڈ لاہور ۱۹۶۴ء

الترمذی، امام ابو عیسیٰ محمد — جامع الترمذی مجلدین — قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

شمائل الترمذی — ”

تغری بردی، جمال الدین، ابو المحاسن یوسف — النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرہ — الجزء الاول، الثالث، الرابع، الخامس، السادس، السابع، الثامن، العاشر، الحادی عشر — مطبع کوستاتسوماس وشرکاہ قاہرہ ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء

ثناء اللہ پانی پتی، قاضی — التفسیر المظہری، المجلد السابع والثامن — دائرہ اشاعت العلوم لندوۃ المصنفین دہلی۔

جامعہ پنجاب لاہور — اردو دائرہ معارف اسلامیہ — جلد ۱ تا ۱۳ — پنجاب یونیورسٹی پریس لاہور ۱۹۶۲ء تا حال

جلد ۱۴ تا ۱۶/۲ — مطبع مکتبۃ العلمیۃ ۱۵ لیک روڈ لاہور

جامعہ پنجاب لاہور — تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند — پنجاب یونیورسٹی لاہور
جلد ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴
ازھار الادب — پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۳۸۱ھ

جامی، مولانا عبدالرحمٰن — نفحات الانس اردو ترجمہ حیات العرفاء — شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور
مترجم محمد ادریس انصاری

جعفر تھانیسری، منشی محمد — حیات سید احمد شہید (سوانح احمدی) — نفیس اکیڈمی کراچی
جمالی، حامد بن فضل اللہ — سیر العارفین ترجمہ اردو ایوب قادری — مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۶ء
جوہر — ایک جن کی نعت — مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۳۲۶ھ
حاجی خلیفہ چلپی، مصطفیٰ بن عبداللہ — کشف الظنون جلدین — وکالۃ المعارف الجلیلۃ فی مطبعہا ۱۳۶۰ھ، ۱۳۶۲ھ
حافظ شیرازی، محمد شمس الدین — دیوان ترجمہ اردو محمد عنایت اللہ — مطبع بندے ماترم پریس لاہور ۱۲۹۲ھ
حافظیان، آقا — لوح محفوظ — ۱۰ کلائو روڈ کراچی
حالی، مولانا الطاف حسین — کلیات نظم حالی — مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۸ء
حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا — معین اللبیب فی جمع قصائد الحبیب — جامعہ برقی پریس دہلی
لامیۃ المعجزات — مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۲۳ھ
حسام الدین، شیخ — انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ — اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۷۷ء
حسان بن ثابت انصاری — دیوان حسان بن ثابت الانصاری — دار بیروت للطباعۃ والنشر ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء
دیوان حسان بن ثابت الانصاری شرح عبدالرحمٰن البرقوقی — المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ اول شارع محمد علی مصر ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء

حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر — مسلمانوں کی سیاسی تاریخ ترجمہ علیم اللہ صدیقی — مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۹ء
حسن سجزی، امیر — فوائد الفواد اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور — علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء
خافی خاں نظام الملک — منتخب اللباب حصہ اول اردو ترجمہ — نفیس اکیڈمی لاہور
خالد، انور محمود — اردو سیرت نگاری — مقالہ برائے پی ایچ ڈی۔ غیر مطبوعہ
خالد، عبدالعزیز — عبدہٗ — نعت اکادمی فیصل آباد ۱۴۰۲ھ
خسرو، امیر — کلیات قصائد خسرو، جلد اول — نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات امیر خسرو ۱۹۷۷
خطیب بغدادی، حافظ ابوبکر احمد بن علی — تاریخ بغداد او مدینۃ السلام — دار الکتاب العربی بیروت ۱۳۵۰ھ
الجزء الثالث، الرابع، السابع، الثامن، العاشر، الثانی عشر، الثالث عشر

خلیق نظامی ایم۔اے، پروفیسر — حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی — مطبع خالکن پریس لاہور

مصنف	کتاب	مطبع
خلیق نظامی ایم اے پروفیسر	سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء
	تاریخ مشائخ چشت	ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء
خلیل ٹھٹوی، مخدوم محمد ابراہیم	تکملہ مقالات الشعراء	سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۵ء
خیرالدین، مولانا	درج الدرر البہیۃ فی ایمان الآباء والامہات المصطفویۃ، والبعاثر النثرۃ الجلیۃ لنافی الجزء الاول من العقائد الخیر ریۃ	مطبع توفیقی کلکتہ
	خیر الاعصار مدینۃ الانصار	مطبع ھادی المطالع بحسن الاہالیح کلکتہ ۱۳۱۵ھ
	حفظ المتین عن لصوص الدین	" " ۱۳۱۵ھ
دلپذیر، مولوی محمد	مجموعہ خطب دلپذیر	دین محمدی پریس لاہور
دھشیری، سید ضیاء الدین	نعت حضرت رسول اکرم در شعر فارسی	طہران، ۱۳۴۸ھ
دیدار علی شاہ، پیر سید، الوری	فروغ نبی، دیوان	منظور عام پریس پیسہ اخبار لاہور ۱۳۴۸ھ
ذوالفقار علی دیوبندی، مولوی	عطر الوردہ فی شرح البردۃ	مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۹ھ
الذھبی، امام ابو عبداللہ شمس الدین محمد	تذکرۃ الحفاظ	اسلامک پبلشنگ ہاؤس بیشن روڈ لاہور ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء
الرازی، امام فخرالدین محمد	مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر	المطبعۃ العامرۃ الشرقیۃ ۱۳۲۴ھ
راغب الاصفہانی، ابوالحسین	المفردات فی غریب القرآن	دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت
رحمان علی، مولوی	تذکرہ علماء ہند اردو ترجمہ ایوب قادری	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱
رحمان علی طیش، منشی	گلزار لغت	مطبع نظامی کانپور ۱۳۱۹ھ
رحیم بخش، ابو محمد	حیات ولی	افضل المطابع دہلی ۱۳۱۹ھ
رضوان اللہ، ڈاکٹر محمد	مولانا انور شاہ کشمیری حیات اور علمی کارنامے	مقالہ برائے پی۔ایچ ڈی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۲ء
رکن الدین الوری، مولانا محمد	توضیح العقائد	راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور
روحی، مولانا احمد علی	ما فی الاسلام مجلدین	منظور عام پریس لاہور ۱۳۵۰ھ
رومی، مولانا جلال الدین	مثنوی مولوی معنوی	مطبع نول کشور لکھنؤ
ریاض مجید، ریاض الحق طاہر	اردو میں نعتیہ شاعری	مقالہ برائے پی ایچ ڈی، فوٹو سٹیٹ نسخہ
زبید احمد، ڈاکٹر	عربی ادبیات میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ ترجمہ شاہد حسین رزاقی	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء
الزبیدی، سید مرتضیٰ	تاج العروس	دار لیبیا للنشر والتوزیع بن غازی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء
زرقانی، علامہ محمد بن عبدالباقی	زرقانی علی المواہب الجزء السادس	المطبعۃ الازھریۃ المصریۃ ۱۳۲۷ھ
الزرکلی، خیرالدین	الاعلام الجزء الاول الی الجزء العاشر	مطبعۃ کوستا تسوماس وشرکاہ بیروت ۱۹۵۴ء

زکریا، مولانا محمد   تاریخ مشائخ چشت   مجلس نشریاتِ اسلام ناظم آباد کراچی ۱۳۹۷ھ

زکی مبارک، ڈاکٹر   المدائح النبویۃ فی الادب العربی   شرکۃ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی و الاولاد بمصر ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء

الموازنۃ بین الشعراء   مطبعۃ المقتطف والمقطم مصر ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۶ء

زمخشری، ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر   الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، الجزء الثانی   المکتبۃ المطبعۃ المصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ مصر ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

زھیر بن ابی سُلمیٰ   دیوان   دار صادر بیروت

زیدان، جرجی   کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ الجزء الثانی والثالث   مطبعۃ الھلال بیروت ۱۹۳۰، ۱۹۳۱

الزیات، احمد حسن   تاریخ الادب العربی   مکتبۃ الانجلو المصریۃ ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء

سالک، عبدالمجید   مسلم ثقافت ہندوستان میں   ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۵۷ء

سبطِ حسن رضوی، سید   فارسی گویانِ پاکستان   انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء

السبکی، امام تقی الدین   شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام   المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی لائل پور

السبکی، ابونصر عبدالوہاب   طبقات الشافعیۃ الکبریٰ   المطبعۃ الحسینیۃ مصر سن ۱۳۲۴ھ

السخاوی، شمس الدین محمد   الضوء اللامع لاھل القرن التاسع   منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ بیروت

الاعلان بالتوبیخ ترجمہ اردو ڈاکٹر سید محمد یوسف   مرکزی اردو بورڈ گلبرگ لاہور ۱۹۶۸ء

سرفراز علی رضوی   ماخذات جلد اوّل   انجمن ترقی اردو پاکستان

سعدی شیرازی، شیخ   کلیات   مطبع نامی گرامی اسلامی لاہور ۱۳۳۵ھ

سلیمان ندوی، مولانا سید   عرب و ہند کے تعلقات   کریم سنز پبلشرز جمشید روڈ کراچی ۱۹۷۶ء

سلیم، قاضی عبدالسلام   الجذبۃ الشوقیۃ الی الحضرۃ النبویۃ   مطبعۃ طیبۃ الفیحاء المدینۃ المنورۃ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء و مطبع خلافت بمبئی

السمہودی المصری، نورالدین علی بن محمد   وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ   دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء

سید احمد خان، سر   مقالاتِ سر سید حصہ شانزدہم   مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۳ء

تذکرہ اہل دہلی   انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۵ء

سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ لاہور   قطعف الازھار   علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور ۱۹۵۹ء

السیوطی، امام جلال الدین عبدالرحمٰن   بغیۃ الوعاۃ   دار المعرفۃ بیروت -

مصنف	کتاب	ناشر / سنہ
السیوطی، امام جلال الدین عبدالرحمٰن	الخصائص الکبریٰ جزئین	دارالکتب العلمیة بیروت/حیدرآباد دکن ۱۳۲۰ھ
	زہرالربی	المطبع المجتبائی دہلی ۱۳۲۸ھ
الشافعی، امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس	دیوان	دارالجیل للنشر والتوزیع والطباعة بیروت ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء
شاہ نواز خان صمصام الدولہ	مآثر الامراء ترجمہ ایوب قادری، ۳ جلدیں	مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۹ء
شبلی نعمانی، علامہ	شعر العجم جلد دوم چہارم	نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۳۳۶ھ
	مقالات شبلی جلد دوم و پنجم	مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۴۳ھ، ۱۳۲۵ھ
شبیر احمد ہاشمی	حیات فقیہ اعظم	مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء
شجاعت علی قادری	من هو احمد رضا البریلوی الهندی	منظمة الدعوة الاسلامية باب لوہاری لاہور ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء
شرافت نوشاہی، سید شریف احمد	شریف التواریخ	مخطوطہ بقلم مؤلف
شفیق بریلوی	ارمغان نعت	مرکز علوم اسلامیہ کراچی
شفیق جون پوری، مولوی وحی الدین	خرمن عشق	حیدرآباد دکن ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
الشلقامی، عبدالمقصود	شعر غلام علی آزاد البلگرامی فی العربیة۔ مقالہ پی ایچ ڈی، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لاہور	
الشماخ بن ضرار الصحابی الغطفانی	دیوان	مطبعة السعادة بجوار محافظة مصر ۱۳۲۷ھ
شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر محمد	ادب کا اسلامی نظریہ	قلم قبیلہ کوئٹہ ۱۹۸۱ء
شرق، حافظ احمد علی خان	تذکرہ کاملانِ رامپور	ہمدرد پریس کوچہ چیلان دہلی ۱۹۲۹ء
شوقی، احمد	الشوقیات (اربع مجلدات) الجزء الاول	مطبعة الاستقامة بالقاهرة ۱۹۵۰
شوقی ضیف، ڈاکٹر	تاریخ الادب العربی (۲) العصر الاسلامی	دارالمعارف ۱۱۱۹ کورنیش النیل القاهرة ۱۹۶۳ء
الشوکانی، شیخ قاضی محمد بن علی	البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع الجزء الاول والثانی	مطبعة السعادة بجوار محافظة مصر بالقاهرة ۱۳۴۸ھ
الشہرستانی، ابوالفتح محمد بن عبدالکریم	الملل والنحل	مطبعة حجازی القاهرة ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء
شیرانی، حافظ محمود	مقالات حافظ محمود شیرانی	مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۲ء
صابر آفاقی، ڈاکٹر	جلوۂ کشمیر	سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور ۱۹۸۰ء
صادق قصوری، محمد	اکابر تحریک پاکستان	مکتبہ رضویہ گجرات ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
صالح البوالیمین	تخمیس البردة	مطبعة الزاویة التیجانیة القاهرة ۱۳۶۸ھ
صالح کنبوہ، محمد	عمل صالح الموسوم بہ شاہجہان نامہ سہ مجلدات	مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۸ء، ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۰ء
صباح الدین عبدالرحمٰن	بزم تیموریہ	معارف اعظم گڑھ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء
صبحی صالح، ڈاکٹر	علوم الحدیث ترجمہ غلام احمد حریری	ملک سنز پبلشرز کارخانہ بازار فیصل آباد ۱۹۸۱ء

صدیق حسن خان، نواب	ابجد العلوم القسم الثالث	المطبعة الصدیقیہ بھوپال ۱۲۹۶ ھ
	التاج المکلل	المطبعة الهندیه العربیة ۱۳۸۳ ھ/ ۱۹۶۳ء
	اتحاف النبلا المتقین باحیاء مآثر الفقهاء و المحدثین	مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ ھ
	عضن البان المورق بمحسنات البیان	المطبع الشاہجہانی ۱۲۹۲ ھ
	العلم الخفاق من علم الاشتقاق	" ۱۲۹۴ ھ
صرفی، یعقوب	تقریظ سواطع الالہام	سواطع الالہام
الصفدی صلاح الدین ابوالوفا	الوافی بالوفیات	استنبول ۱۹۳۱ء
طبری، امام ابن جریر	تاریخ طبری اردو ترجمہ	نفیس اکیڈیمی ہلاسس سٹریٹ کراچی ۱۹۶۷ء
ظفر الدین بہاری، مولانا	حیات اعلی حضرت	مکتبہ رضویہ فیروز شاہ سٹریٹ کراچی ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۳۸ء
ظہور الدین احمد، ڈاکٹر	پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ	مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور ۱۹۷۴ء
ظہیر الدین، احمد	مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات اور احوال و آثار	مقالہ برائے ایم۔اے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور
عائشہ بنت الشاطی، الدکتورہ	ام النبی	دار الکتاب العربی بیروت ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء
عبد اللہ بن حامد الحامد	نشر الدعوة الاسلامیة فی عہد النبوة والخلفاء الراشدین	مطبوعات الرئاسة العامة الکلیات و المعاهد العلمیة بالریاض ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء
عبد اللہ عباس ندوی	عربی میں نعتیہ کلام	۔مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ ۱۹۷۵ء ۔میزان ادب جناح روڈ کراچی ۱۹۷۸ء
عبد الاول بن علی جون پوری	الطرائف للادیب الظریف	مطبع احسن المطابع اسی پریس لکھنؤ ۱۳۳۲ھ
عبد الحق محدث دہلوی، الشیخ	اخبار الاخیار اردو ترجمہ محمد لطیف ملک	مطابع اشرف پریس لاہور ۱۹۶۲ء
	اخبار الاخیار فارسی	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی
	زبدة الآثار تلخیص بہجة الاسرار ترجمہ اقبال احمد فاروقی	مکتبہ نبویہ لاہور ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء
عبد الحی حسنی، مولانا	نزہة الخواطر وبہجة المسامع والنواظر الجزء الاول الی الجزء الثامن	مطبعہ دائرة المعارف العثمانیہ ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۰ء
عبد الرحمن، مولانا	مرآة الشعر	فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۹۵۰ء
عبد الرحمن کوندو	الانور (انور شاہ کشمیری کے حالات)	سپرورنگ ڈیو بکسیلرز اینڈ پبلشرز سری نگر کشمیر

عبدالرشید نعمانی	ماتمس الیه الحاجة	نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی ۱۳۷۳ ھ
عبدالعزیز محدث، شاہ	بستان المحدثین	نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی
عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ	فضل الخیرات	مطبع نظامی دہلی ۱۳۱۸ ھ
عبدالقدیر صدیقی، محمد	حکایات حسرت از نفرات الاشواق	مطبع ابراہیمیہ دکن ۱۳۵۳ ھ
عبدالکریم مدرس، مولانا	منتخب دیوان مدرس	مطبع الحمیدیہ کراچی
عبدالماجد دریا آبادی، مولانا	سیرت نبوی قرآنی	مکہ بکس ۵ بخشی مارکیٹ موری دروازہ لاہور
عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر	نعتیہ شاعری، سندھی میں	سندھی ادبی اکیڈمی لاڑکانہ ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء
عتیق الرحمٰن ثاقب	نغمات صداقت	شعبہ تبلیغ صداقت چنیوٹ ۱۹۶۳ء
عثمان غنی رض، حضرت	دیوان غنی مرتبہ عبدالستار نوری	شائع کردہ عبدالستار نوری ملتانی
عراقی، فخرالدین	حکیات عراقی	شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور
علی بن ابی طالب رض، حضرت	دیوان امیر المومنین علی بن ابی طالب	المطبع المجیدی کانپور ۱۳۲۱ ھ
	دیوان بدیع البیان مع اردو ترجمہ از ابو المحسنات قطب الدین احمد	مطبع نامی لکھنؤ ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
علی القاری، ملا	نزھۃ الخاطر الفاتر فی مناقب شیخ عبدالقادر جیلانی ترتیب و ترجمہ اقبال احمد فاروقی	سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ ڈجکوٹ روڈ لائل پور ۱۹۷۳ء
علی محسن صدیقی	قصیدہ بانت سعاد	مکتبہ اسحاقیہ کراچی ۱۹۶۸ء
علی النجدی ناصف	الدین والاخلاق فی شعر شوقی	مطبعۃ کوستاتسوماس وشرکاہ القاہرہ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء
عماد الدین العامری، ابوبکر	بغیۃ الاماثل وبھجۃ المحافل	مکتبہ نمنکانی مدینہ منورہ
عمر رضا کحالہ	معجم المؤلفین تراجم مصنفی الکتب العربیۃ۔ الجزء الاول، الثانی، الخامس، السادس، السابع، الثامن، التاسع، العاشر، الحادی عشر، الثانی عشر والثالث عشر	مکتبہ المثنیٰ ببیروت، وداراحیاء التراث العربی بیروت۔
عوفی، نورالدین محمد	لباب الالباب، مجلدین	طبع فی مطبعۃ بریل لیدن ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء
عیاض الیحصبی الاندلسی، قاضی	الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ	شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء
العینی، بدرالدین ابومحمد محمود	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الجزء الثانی والعشرون	ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ شارع الکحکیین مصر

غزالی، امام ابوحامد محمد — احیاء علوم الدین — شرکۃ مکتبۃ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

غلام امام شہید — مکیات شہید — مطبع منشی نولکشور کانپور ۱۸۹۰ء

غلام سرور لاہوری، مفتی — حدیقۃ الاولیاء — اسلامک بکس فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور ۱۹۷۶ء

غلام محمد جلواٹوی — مدیحۃ النبی — محمد یار وٹو کتب خانہ ڈھڈی وال لائلپور فیصل آباد ۱۳۸۱ھ

غلام محی الدین قصوری — ملفوظات شریف، شاہ غلام علی کے ملفوظات — المعارف پریس لاہور ناشر مکتبہ نبویہ لاہور ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

احسن الکلام گوہر نظام مرتب و مترجم مولانا غلام رسول گرم نقشبندی — انجمن محمدیہ قصوریہ قصور رشہر

خطبات حضری — مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۷۲ء

غوثی شطاری مانڈوی، محمد — گلزار ابرار اردو ترجمہ اذکار ابرار از فضل احمد جیوری — اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور

فان ویٹ، ڈاکٹر — محیط الدائرہ — نامی الدول ۱۸۲۹ء

فرشتہ، محمد قاسم — تاریخ فرشتہ اردو ترجمہ عبدالحی خواجہ — علمی پرنٹنگ پریس مچھر باغ دوم ۱۹۷۲

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر — اردو کی نعتیہ شاعری — آئینہ ادب چوک مینار انارکلی لاہور ۱۹۷۴ء

فضل احمد عارف — انوار بردہ شرح قصیدہ بردہ — ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۶ء

فضل حق خیر آبادی، مولانا — باغی ہندوستان اردو ترجمہ الثورۃ الہندیہ ترجمہ مولانا محمد عبدالشاہد شروانی — مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

رسالہ امتناع النظیر — جادو پریس جونپور ۱۹۰۸ء

فقیر اللہ علوی، شاہ جلال آباد — قطب الارشاد — کوئٹہ ۱۳۹۷ھ

فقیر محمد جہلمی — حدائق الحنفیہ — مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ لاہور

فواد افرام البستانی — الروائع (۲) ابوالطیب المتنبی — المطبعۃ الکاثولیکیۃ بیروت ۱۹۳۷ء

فواد عبدالباقی، محمد — المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم — دار احیاء التراث العربی / مطبع دار الکتب المصریہ

الفیروز آبادی، مجد الدین — القاموس المحیط — مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۳۲۵ھ

فیاض الدین نظامی، محمد — نفح الورود شرح البردۃ — مکی پرنٹرز حیدر آباد ۱۹۷۱

فیروز دین ڈسکوی، مولوی — مجموعہ خطب فیروزی — حاجی چراغ دین سراج دین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

فیض الحسن سہارنپوری — دیوان الفیض — مطبعۃ اختر دکن ۱۳۳۴ھ

فیوض الرحمٰن، قاری حافظ — المعجزۃ النبویۃ — المکتبۃ العلمیۃ ۱۵ لیک روڈ لاہور ۱۹۶۹ء

قاآنی، حکیم مرزا حبیب — انتخاب قصائد از کلیات حکیم قاآنی — استقلال پریس لاہور

قانع تتوی، علی شیر	تحفۃ الکرام	سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء
کرم الدین دبیر، مولوی	تازیانۂ عبرت	مسلم پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۲۲ء
لبید بن ربیعہ العامری	دیوان	دار صادر بیروت ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء
لسان الدین بن الخطیب	الاحاطۃ فی اخبار غرناطہ	دار المعارف مصر ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۵ء
لطیف ملک، محمد	اولیائے لاہور	سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۶۲ء
لی بان، ڈاکٹر گستاؤ	تمدن عرب اردو ترجمہ از سید علی البلگرامی	ملک مقبول احمد مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۶۰ء
المتنبی، ابو الطیب احمد بن الحسین	دیوان مع شرح البرقوقی،	المکتبۃ التجاریۃ الکبری اول شارع محمد علی بمصر ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء
محبوب رضوی، سید	تاریخ دار العلوم دیوبند	جید پریس بلیماران دہلی ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء
محمد احمد قادری، مولانا ابو الحسنات	طیب الوردہ شرح قصیدہ البردہ،	مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۹۷۸ء
محمد اختر چیمہ، ڈاکٹر	مختصری در شرح احوال و آثار عقاید شیخ فخر الدین عراقی	مجلۂ دانشکدہ ادبیات و علوم انسانی دانشگاہ فردوسی طہران ۱۳۵۵ھ
محمد بن احمد بن ایاس الحنفی	بدائع الزھور فی وقائع الدھور	مکتبہ و مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ ۱۹۷۱ء
محمد بن الحبیب، شیخ	دیوان	الصراط پبلی کیشنز سٹلائٹ ٹاؤن بہاولپور ۱۹۸۲ء
محمد حسن نقشبندی، مولوی خلیفہ	حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ	اللہ والے کی قومی دوکان کشمیری بازار لاہور
محمد حسین جان مجددی، آغا	خیابان سرہندی	الیکٹرک لیتھو پرنٹنگ پریس لارنس روڈ کراچی
محمد شفیع دیوبندی، مفتی	نفحات	ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۳ھ
محمد شفیع، ڈاکٹر مولوی	مقالات مولوی محمد شفیع	مجلس ترقی ادب، ۲ کلب روڈ لاہور
محمد صادق میرزا (مرتب)	العروۃ الوثقیٰ فی اسماء اھل التقیٰ	مطبع پشاور ۱۲۸۵ھ
مستعد خان	مآثر عالمگیری	نفیس اکیڈمی ایلاسس سٹریٹ کراچی ۱۹۶۲
محمد صالح مخدوم	تحفۃ الرسول	قلمی نسخہ محررہ ۱۲۷۹ھ
محمد علی حسن خان، سید	مآثر صدیقی موسوم بہ سیرت والاجاہی جلد دوم و سوم	مطبع منشی نولکشور لکھنو ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء
محمد عمر سائیس آزاد	سوز آزاد	مطبوعہ لاہور
محمد مہدی بن احمد الفاسی	مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات	المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ فیصل آباد (فوٹو کاپی جاری کی)
محمد معصوم بکھری، میر	تاریخ معصومی	سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء
محمد منشا تابش قصوری	اَغثنی یا رسولَ اللہ	مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری دروازہ لاہور ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء
محمد میاں صدیقی	تذکرہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی	اللہ والا پریس شارع قائد اعظم لاہور ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

مصنف	کتاب	ناشر / سن
محمد ہاشم تتوی، مخدوم	بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ مقدمہ مولانا امیر احمد عباسی	سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد ۱۹۶۶ء
محمد یحییٰ	شوقی کی دینی شاعری	مقالہ برائے ایم اے عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۱ء
محمود آلوسی البغدادی، ابوالفضل شہاب الدین	روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی	ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۵۳ھ
محمود اسیر (مرتب)	سخنوران سرگودھا	شاہین ادب سرگودھا ۱۹۸۳ء
المراغی، شیخ احمد المصطفیٰ	تفسیر المراغی، الجزء الثالث والعشرون	شرکۃ مکتبہ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ بمصر ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء
مسعود احمد، ڈاکٹر محمد	حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی	اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء
مسلم بن الحجاج القشیری، امام	الصحیح المسلم	نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی ۱۳۴۹ھ
معین کاشفی، ملا	معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ	مطبع نامی گرامی منشی نولکشور لکھنؤ ۱۹۲۶ء و مکتبہ نوریہ رضویہ وکٹوریہ مارکیٹ سکھر
المقری التلمسانی، شیخ احمد بن محمد	نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب وذکر وزیرھا لسان الدین بن الخطیب الجزء الاول الی العاشر الا الخامس	دار الکتب العربی، بیروت ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۹ء
مناظر احسن گیلانی	تاریخ تدوین حدیث	مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ کراچی ۱۳۹۰ھ
منور الدین، سید، نوشاہی	دیوان	قلمی نسخہ مملوکہ سید شرافت نوشاہی
النابلسی، عبد الغنی	الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ الجزء الاول والثانی	المکتبۃ النوریہ الرضویہ الجامع البغدادی لائل پور ۱۲۹۰ھ،
	نفحات الازھار علی نسمات الاسحار فی مدح النبی المختار	مصر ۱۲۹۹ھ
نامی، پیر غلام دستگیر	بزرگان لاہور	نوری بک ڈپو داتا دربار لاہور ۱۹۶۶ء
النبہانی، علامہ یوسف بن اسماعیل	حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین	المکتبۃ النوریہ الرضویہ لائل پور، فوٹو کاپی شائع کردہ
	الانوار المحمدیہ من المواھب اللدنیہ	المطبعۃ الادبیۃ بیروت ۱۳۱۲ھ
	سعادۃ الدارین فی الصلاۃ علی سید الکونین	مطبعۃ بیروت ۱۳۱۶ھ
	طیبۃ الغراء فی مدح سید الانبیاء	شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء

مصنف	کتاب	ناشر
النبہانی، علامہ یوسف بن اسماعیل	المجموعۃ النبہانیۃ فی المدائح النبویۃ اربع مجلدات	المطبعۃ الادبیۃ ببیروت ۱۳۲۰ ھ
نجم الغنی رامپوری، مولانا	مذاہب الاسلام	رضا پبلی کیشنز داتا بازار لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
	بحر الفصاحت	مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۲۷ء
النسائی، امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب	المجتبیٰ المعروف بسنن النسائی	المطبع المجتبائی دہلی ۱۳۷۶ ھ
نصیر الدین ہاشمی، محمد	دکنی کلچر	مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۳ء
النووی، محی الدین ابو زکریا یحییٰ	شرح مسلم	نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی ۱۳۴۹ ھ
	اربعین النوویۃ	
وحید الزمان خان (مترجم)	نور الہدایہ شرح اردو شرح الوقایہ	مطبع نظامی کانپور ۱۳۶۱ ھ
وزارۃ المعارف المملکۃ السعودیۃ العربیۃ	قواعد اللغۃ العربیۃ للصف الثالث المتوسط	دار الاصفہانی وشرکاہ للطباعۃ جدہ ۱۳۹۶ھ/۷۶ء
	الأدب نصوصہ و تاریخہ للصف الأول الثانوی	" ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
	الادب والنصوص للصف الثالث الثانوی	" ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
وطواط، رشید الدین	حدائق السحر فی دقائق الشعر	بسرمایہ کتاب خانہ کاوہ طہران ۱۳۰۸ ھ
ولی الدین، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب	مشکوٰۃ المصابیح	نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی ۱۳۶۸ ھ
	الاکمال فی اسماء الرجال	"
ولی اللہ محدث، شاہ	اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم	مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۸ ھ
	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	سنی دار الاشاعۃ علویۃ رضویۃ ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد ۱۹۷۰ء
یاقوت الحموی،	معجم الادباء الجزء الثامن، التاسع الحادی عشر، الرابع عشر، الی من عشر، التاسع عشر	مکتبۃ ومطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ بمصر ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء
یوسف بنوری، مولانا محمد	نفحۃ العنبر فی حیاۃ امام العصر الشیخ انور	المجلس العلمی فی کراتشی ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء

قلمی نسخے۔

ابراہیم ناظم، مخدوم محمد	قصیدہ	محررہ پروفیسر محمد امین علوی
ابوالحسن الواحدی، مخدوم	چند ابیات	"
احمد، حسان الہند مرزا	"	بخط ڈاکٹر محمد مسعود احمد
احمد بخش تونسوی	قصیدہ	مملوکہ اسد نظامی، فوٹو عند راقم الحروف
احمد رضا خان	قطعہ	بخط ڈاکٹر محمد مسعود احمد
اختر رضا خان	قصیدہ و قطعات	بخط شاعر، اصل نسخہ
اللہ بخش کھروی	ابیات	بخط پروفیسر محمد امین علوی
امین نقوی، سید	مجموعہ قصائد	بخط امین نقوی،
حمید فضلی، قاضی محمد	قصیدہ	بدست قاضی حمید فضلی
سلیم، عبد السلام	قصائد	"
شرافت نوشاہی، سید شریف احمد	قصیدہ	بخط شاعر
شمس بریلوی	قطعہ	بخط شاعر
صالح، مخدوم محمد	قصائد	محررہ پروفیسر محمد امین علوی
غلام قادر شائق نوشاہی	اشعار	بدست سید شرافت نوشاہی
غلام نصیر الدین نصیر گولڑوی	قصیدہ	بدست شاعر
فقیر اللہ علوی، سید	قصیدہ	بخط پروفیسر محمد امین اللہ علوی
محمد ہاشم تتوی، مخدوم	قصائد	مملوکہ سید شجاعت علی قادری جسٹس
منور، سید نور الدین	قصیدہ	بخط سید شرافت نوشاہی
نجم الدین فائز قریشی	قصیدہ	"
نور احمد قادری	مرثیہ از مولانا محمد حسن فیضی	قلمی نسخہ

ENGLISH BOOKS

- BROWNE, EDWARD. G. A LITERARY HISTORY OF PERSIA VOL. II CAMBRIDGE UNIVERSITY PRESS 1928.
- ISHTIAQ HUSSAIN QURESHI ULEMA IN POLITICS MAAREF LIMITED KARACHI 1974
- LATIF, S.M. LAHORE, ITS HISTOR, ARCHITECTURAL REMAINS etc. NEW IMPERIAL PRESS 1892.
- NICHOLOSON, R.A. A LITERARY HISTORY OF THE ARABS. CAMBRIDGE UNIVERSITY PRESS 1953.
- SPENCER TRIMINGHAM, J. THE SUFI ORDERS IN ISLAM CLARENDON PRESS OXFORD 1971
- T.S. ELIOT SELECTED ESSAYS FABER AND FABER LIMITED LONDON 1951

رسائل و جرائد۔

استقامت ڈائجسٹ کانپور مئی ۱۹۸۳

انجمن نصرۃ الاسلام سرینگر، حالات و روداد بدتاریخ

انوار مدینہ لاہور جلد ۱ شمارہ ۴، ۹ (۱۳۹۰ھ)، جلد ۳ شمارہ ۱۲،۹ (۱۳۹۲ھ) جلد ۵ شمارہ ۱ (۱۳۹۴ھ)

برہان دہلی جلد ۵۵ شمارہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

البلاغ کراچی اشاعت خاص، فقیہ ملت نمبر جمادی الثانیہ تا شعبان ۱۳۹۹ھ

بیّنات کراچی خصوصی اشاعت، سید یوسف بنوری نمبر، محرم تا ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

الجامعۃ، جامعہ محمدی شریف جھنگ جلد ۲۲ شمارہ ۹ ذوالقعدہ ۱۴۰۰ھ

چٹان، رحمۃ للعالمین نمبر (ہفت روزہ) ۲۰ - ۲۷ جولائی ۱۹۶۴ء

خیال حسن سنامانی نمبر مسلم مسجد انارکلی لاہور

دارالعلوم دیوبند جلد ۴۲ شمارہ ۲ نومبر ۱۹۶۴ء

الرحیم، مشاہیر نمبر ۱۹۶۷ء

الرشید ساہیوال جلد ۴ شمارہ ۲،۳ دارالعلوم دیوبند نمبر، صفر، ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

شام و سحر ۸۲ء نعت نمبر جلد ۷ شمارہ ۱، ۲ -

عرفات لاہور جولائی اگست ۱۹۸۱ء

فاران کراچی، سیرت نمبر مارچ ۱۹۵۱ء

الفرقان لکھنؤ شوال ۱۳۸۰ء

الفقیہ امرتسر شمارہ ۲۱ ۱۹۲۷ء

فکر و نظر اسلام آباد جلد ۱۳ شمارہ ۷ (محرم ۱۳۹۶ھ) جلد ۱۸ شمارہ ۱۲ الف (شعبان ۱۴۰۱ھ)

جلد ۱۹ شمارہ ۲ (شوال ۱۴۰۱ھ) جلد ۲۰ شمارہ ۴ (ذوالحجۃ ۱۴۰۲ھ)

فیض رشید گڑھا مانسہرہ دسمبر ۱۹۸۲ء

لیل و نہار (ہفت روزہ) مارچ ۱۹۶۴ء

مجلۃ رابطۃ العالم الاسلامی اپریل ۱۹۸۲ء

المجلۃ العربیۃ الریاض سعودی عرب ذوالحجۃ ۱۳۹۷ھ

معارف اعظم گڑھ، ذوالقعدہ ۱۳۶۳، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰، ذوالحجۃ ۱۳۷۹، شعبان ۱۳۸۲، شوال ۱۳۸۶، ذوالحجۃ ۱۳۸۶، ربیع الثانی ۱۳۸۷، جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷، محرم، صفر، ربیع الاول، جمادی الاولیٰ، رمضان، شوال ۱۳۸۸،

معارف اعظم گڑھ محرم ۱۳۸۹ھ، صفر ۱۳۸۹ھ۔

مہران (سہ ماہی) جلد ۳، ۴، ۱۹۵۷ء

مہرو ماہ لاہور دسمبر ۱۹۸۰، جنوری ۱۹۸۱ء

مجلہ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ بسلسلہ پندرھویں صدی ہجری

میزان بمبئی، احمد رضا خان نمبر جلد ۷ شمارے ۷، ۸، ۹، ۲۶ مارچ ۱۹۷۶ء

نقوش لاہور نمبر شمارہ ۹۲ فروری ۱۹۶۲ء

نوائے وقت لاہور (روزنامہ) ۴ ستمبر ۱۹۸۰ء

الہلال، دوبارہ اشاعت کتابی شکل میں، مطبع شرکت پرنٹنگ پریس لاہور۔ مکمل فائل ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۴ء

پاکستان ٹائمز لاہور (انگریزی) ڈاکٹر محمد اجمل کا مضمون FOUNDATION OF ISLAM.